مفتی بہ دلائل و براہین سے لبریز، علمی و تحقیقی اور منفرد و مستند فتاوی کا مجموعہ

الأنوار الشرعية في الفتاوى المدارية

فتاوی مداریہ

جلد اول

ترتیب اول

حضرت مفتی محمد ہاشم علی بدیعی مصباحی

ترتیب ثانی

حضرت مفتی ابو الحماد محمد اسرافیل حیدری مداری

حسب منشا

صدر المشائخ حضرت مولانا سید محمد مجیب الباقی جعفری مداری

صدر سجادہ نشین خانقاہ عالیہ مداریہ مکن پور شریف

پبلشر

المدار اکیڈمی

مکن پور شریف ضلع کان پور یوپی



MADAARI MEDIA

The Silsila e Aaliya Madaariya Social Platform

سلسلۂ مداریہ کے بزرگوں کی سیرت و سوانح
سلسلۂ عالیہ مداریہ سے متعلق کتابیں
سلسلۂ مداریہ کے علماء کے مضامین تحریرات
سلسلۂ مداریہ کے شعراء اکرام کے کلام

حاصل کرنے کے لئے اس ویب سائیٹ پر جایئے

www.MadaariMedia.com

@MadaariMedia

@MadaariMedia

@MadaariMedia

@MadaariMedia

Authority : Ghulam Farid Haidari Madaari

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مفتی بہ دلائل و براہین سے لبریز، علمی و تحقیقی اور منفرد و مستند فتاویٰ کا مجموعہ

الانوار الشرعیۃ فی الفتاوی المداریۃ

المعروف

فتاویٰ مداریہ (1)

ترتیب اول

حضرت مفتی محمد ہاشم علی بدیعی مصباحی

ترتیب ثانی

حضرت مفتی ابوالحماد محمد اسرافیل حیدری مداری

حسب منشا

صدر المشایخ حضرت مولانا سید محمد مجیب الباقی جعفری مداری

صدر سجادہ نشین خانقاہ عالیہ مداریہ مکن پور شریف

پبلشر المدار اکیڈمی مکن پور شریف، کان پور (یوپی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	:	الْأَنْوَارُ الشَّرِيْعَةُ فِي الْفَتَاوَى الْمَدَارِيَّةِ
	:	(فتاویٰ مداریہ)
ترتیب	:	حضرت مفتی ابوالحماد محمد اسرافیل حیدری مداری
	:	حضرت مفتی محمد ہاشم علی بدیعی مصباحی
پروف ریڈنگ	:	حضرت مولانا سید محمد ظفر مجیب جعفری مداری
		نائب صدر سجادہ نشین خانقاہ عالیہ مداریہ مکن پور شریف
صفحات	:	800
قیمت	:	Rs 817/-
پبلشر	:	المدار اکیڈمی، مکن پور شریف، کان پور (یوپی)
مطبع	:	جیلانی بکڈپو، مٹیا محل نئی دہلی
فارمیٹنگ	:	مصباحی ٹائپ [7488135156]
اشاعت اول	:	۱۴۴۷ھ/۲۰۲۵ء

AL – ANWAR AL – SHARIA FIL FATAWA AL – MADARIA

Authored by	:	Mufti Israfil Haidri Madari
	:	Mufti Hashim Ali Misbahi
Proofreading	:	Moulana Syed Zafar Mujeeb Madari
Published by	:	Al – Madar Academy, Makanpur Sharif
Edition 1st	:	2025 AD
Pages	:	800
Price	:	Rs 817 /-
Printed at	:	Jilani book depot, New Delhi
Formatted by	:	Misbahi Type 7488135156

فہرست مشمولات

نمبر شمار | مضمون | صفحہ

مشمولات

- شرفِ انتساب ۱۵
- دعائیہ کلمات : (صدر المشائخ حضرت سید محمد مجیب الباقی جعفری ارغونی مداری) ۱۷
- عرض مرتب : (حضرت مفتی محمد ہاشم علی بدیعی مصباحی) ۲۰
- سپاس نامہ : (حضرت مفتی ابوالحماد محمد اسرافیل حیدری مداری) ۲۴
- کلماتِ تبشیر بر فتاویٰ مداریہ : (حضرت مفتی محمد قیصر رضا شاہ علوی حنفی مداری) ۳۰
- تاثرِ گرامی : (صاحبزادہ حضرت ڈاکٹر سید زمان الرحمٰن شاہ ارغونی مداری) ۳۳
- (مقدمہ) "فقہ کی تعریف، ماخذ، اہمیت ضرورت، ضروریات فتویٰ نویسی اور شرائط مفتی" ۳۵

عقائد کا بیان

۱ اسلام کے ارکان ۷۳
۲ قبر کے عذاب کا انکار کرنے والے کا حکم ۷۴
۳ وسیلہ کا مفہوم، اقسام، شرعی احکام اور بعدِ وصال وسیلہ کا حکم ۸۳
۴ "یارسول اللہ! المدد"، "یا علی! المدد"، "یامدار! المدد" کہنا کیسا ہے؟ ۹۸
۵ نبی کریم ﷺ کی نورانیت و بشریت کی تحقیق ۱۱۸
۶ نبی کریم ﷺ کی نورانیت اور بشریت کی تحقیق اور حضور کو اپنی طرح بشر محض کہنے والے کا حکم ۱۴۳
۷ فرض اعتقادی اور فرض عملی میں فرق ۱۵۲
۸ صحابہ کے بارے میں کیا عقیدہ رکھنا چاہیے؟/مشاجرات کی بنا پر صحابہ پر لعن طعن کرنے کا حکم ۱۵۶
۹ مشاجرات صحابہ میں اہل السنہ والجماعہ کا موقف ۱۵۸
۱۰ فرقوں کی اصطلاحات اور ان کی تاریخ ۱۶۱
۱۱ غیر اللہ سے غائب میں مدد مانگنا کیسا ہے ۱۶۶

۱۲ انبیائے کرام واولیائے عظام سے استمداد کی شرعی حیثیت ۱۷۵
۱۳ صحیح عقیدہ کے بغیر اعمال کی حیثیت ۱۸۳
۱۴ شریعت اسلامیہ کے بنیادی ماخذ ۱۸۵
۱۵ کیا صحابۂ کرام پر جہنم کا عذاب ہوگا؟ ۱۸۶
۱۶ کیا سلسلۂ مداریہ پر کفر کا فتویٰ ہے؟ ۱۸۷
۱۷ حضرت سیدنا امام المہدی علیہ السلام کی شخصیت، تعارف اور ظہور ۱۹۴
۱۸ معراج کی حقیقت اور اس کی کیفیت ۲۱۳
۱۹ ایک شعر کی وضاحت ۲۳۰

طہارت کا بیان

۲۰ نجاست غلیظہ کا حکم ۲۳۷
۲۱ حائضہ عورت کے دیگر اعضا کے ساتھ تمتع کرنا کیسا ہے؟ ۲۳۹
۲۲ حوض یا بڑے تالاب میں نجاست گر جائے تو کیا حکم ہے؟ ۲۴۰
۲۳ دم سائل الی مایطہر ناقض وضو ہے ۲۴۱
۲۴ ناپاک کپڑے کے اوپر پاک کپڑا پہننے کا حکم ۲۴۳
۲۵ تیمم کن چیزوں سے جائز ہے؟ ۲۴۴
۲۶ پانی پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں کاغذ سے استنجا اور وضو کرنے کا حکم ۲۴۶
۲۷ پیشاب کے قطرے آنے پر وضو و نماز کا حکم ۲۴۷

نماز کا بیان

۲۸ نماز فجر کے درمیان طلوع آفتاب کا علم ہو تو کیا کرے؟ ۲۵۳
۲۹ اذان کے جواب کا حکم ۲۵۴
۳۰ اذان کے بعد صلوٰۃ پکارنے کا حکم ۲۵۵
۳۱ سات سال کے بچے کی اذان کا حکم/اذان کے لیے کتنی عمر شرط ہے؟ ۲۵۹

۳۲ اگر امام اور مقتدی حضرات کے سجدہ میں دونوں پاؤں کی تینوں انگلیوں کا پیٹ زمین پر نہ لگے تو کیا ان سب کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ ۲۶۱
۳۳ چار رکعت والی نماز کی تیسری رکعت میں قعدہ کرنے کا حکم ۲۶۲
۳۴ حالت ناپاکی میں پڑھی گئی نماز کا اعادہ لازم ہے ۲۶۵
۳۵ وطن کی قسمیں/نیز مسافر کس وطن میں قصر کرے گا اور کس میں نہیں؟ ۲۶۷
۳۶ فقہ حنفی میں دوسرے مسلک کے امام کی اقتداء کا اصول ۲۶۹
۳۷ بھول کر قنوت نہ پڑھی، رکوع میں یاد آیا تو کیا کرے؟ ۲۷۲
۳۸ تراویح کے بعد اجتماعی طور پر صلاۃ وسلام پڑھنا اور مستحب ومباح کو فرض یا واجب سمجھ لینے کا حکم ۲۷۳
۳۹ تراویح بیس رکعات یا آٹھ رکعات؟ ۲۷۵
۴۰ تراویح مستحب یا سنت مؤکدہ؟ ۲۷۷
۴۱ تراویح میں بھول سے دو کی بجائے چار رکعت پڑھنا ۲۷۸
۴۲ اذان ہوئے بغیر سنتیں پڑھ لینے کا حکم ۲۸۰
۴۳ سنت میں تاخیر موجبِ سجدۂ سہو نہیں؛ پھر ثنا، تامین، قعدہ اخیرہ اور تعوذ وتسمیہ میں تاخیر سے سجدۂ سہو کیوں؟ ۲۸۱
۴۴ مدینہ شریف کی جانب منہ کر کے نماز پڑھنا ۲۸۴
۴۵ قعدہ اخیرہ میں ریاح کا غلبہ ہو جائے تو کیا کرے؟ ۲۸۶
۴۶ مقتدی کا امام سے پہلے سلام پھیرنا ۲۸۸
۴۷ صف میں اکیلے کھڑے ہونے والے کی نماز ہوگی یا نہیں؟ ۲۸۹
۴۸ ایک مشت سے کم داڑھی رکھنے والے کی امامت کا حکم ۲۹۱
۴۹ بیوی کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس کے شوہر کا اس کی سگی بہن سے نکاح پڑھانے والے امام کے پیچھے نماز کا حکم ۲۹۸
۵۰ امام پر جھوٹا الزام لگانے والوں کا حکم ۳۰۰
۵۱ کیا صحابہ کا عمل حجت ہے اور اس سے سنت کا ثبوت ممکن ہے/تراویح سنت مؤکدہ کیسے؟ ۳۰۱
۵۲ نماز کے بعد مصلے کا کونہ موڑنا کیسا ہے؟ ۳۰۶
۵۳ جہری نماز میں بھول کر سرّی قراءت کرنے کا حکم ۳۰۷

۵۴ اذان خطبہ سے متعلق چند سوالوں کے جوابات ۳۰۹
۵۵ خطبہ جمعہ کی اذان خارج مسجد یا داخل مسجد ؟ ۳۱۱
۵۶ تکبیر میں اسم رسالت پر انگلیاں چومنے کا حکم/جمعہ کی اذان ثانی کہاں ہونی چاہیے/کیا نکاح وفاتحہ کے بعد سلام پڑھنا ضروری ہے ؟ ۳۱۴
۵۷ دیہات میں جمعہ کا حکم ۳۱۶
۵۸ جماعت چھوڑنے والے کی امامت کا حکم/کیا ہر مکروہ تحریمی سے نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے ؟/واجب داخلی اور واجب خارجی کا فرق ۳۱۹
۵۹ کیا چھوٹے بچے صف میں کھڑے ہوں تو قطعِ صف ہوجاتی ہے ؟ ۳۲۱
۶۰ پہلی صف میں جگہ رہتے ہوئے دوسری صف میں کھڑا ہونا ۳۲۴
۶۱ بلا ضرورت و حاجت اور بے محل لقمہ دینے اور امام کے لینے سے نماز مطلقا فاسد نہیں ہوتی/دو درجن حوالوں سے لبریز تحقیقی فتویٰ ۳۲۷
۶۲ خطبہ میں حضرت صدیق اکبر کے والد کا نام کیوں نہیں ہے ؟ ۳۳۶
۶۳ سوال عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی شرعی حیثیت ؟ ۳۳۷
۶۴ ستونوں کے درمیان صف لگانے کا حکم ۳۴۰
۶۵ تثویب (صلوٰۃ) کا حکم ۳۴۳
۶۶ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا حکم ۳۴۷
۶۷ عذر شدید میں نماز ترک کرنے کا حکم ۳۵۰
۶۸ محراب کا ثبوت اور اس کی اہمیت ۳۵۳
۶۹ مسجد میں جگہ نہ ہو تو اس کے گرد مکانات کی چھتوں پر، میدانوں اور سڑکوں میں نماز ادا کرنے کا حکم ۳۵۷
۷۰ نماز میں رفع یدین نہ کرنے کا ثبوت ۳۶۱
۷۱ نماز میں یہ دعا کرنا کیسا ہے کہ "یا اللہ دنیا بھر میں جہاں جہاں مسلمان ذلیل و خوار ہو رہے ہیں یا اللہ تو مسلمانوں کو ذلت و خواری سے محفوظ فرما" ۳۶۵
۷۲ امام اور مقتدی کے درمیان کتنا فاصلہ ہو تو نماز ہو جائے گی ؟ ۳۶۸

۷۳ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے اذان، نماز، اور امام کی اقتداء کے جواز و شرائط ۳۷۰

روزہ کا بیان

۷۴ ناپاکی کی حالت میں سحری کھانا کیسا ہے؟ ۳۷۷
۷۵ کیا انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے ۳۷۸
۷۶ روزہ کی حالت میں حیض شروع ہوجائے عورت کیا کرے؟ ۳۷۹
۷۷ روزہ کی حالت میں آنکھ میں دوا ڈالنا کیسا؟ ۳۸۱
۷۸ حالت روزہ میں انسولین لگوانا ۳۸۲
۷۹ فلکی حسابات کی بنیاد پر رویت ہلال کی شہادت کا حکم ۳۸۳
۸۰ روزہ کی توہین کرنے والے کا حکم ۳۸۷
۸۱ سال میں پانچ روزے حرام و ناجائز ۳۹۰

زکوٰۃ کا بیان

۸۲ سونے اور چاندی کے نصاب کا مسئلہ ۳۹۷
۸۳ زکوٰۃ میں حولان حول یعنی ایک سال گزر جانا شرط ہے ۴۰۰
۸۴ سونا چاندی نصاب سے کم ہو، لیکن دونوں کو ملانے سے چاندی کے نصاب کی قیمت پوری ہورہی ہو تو زکوٰۃ کا حکم ۴۰۲
۸۵ فقہ حنفی کے مطابق فلیٹوں اور دکانوں پر زکوٰۃ کا حکم ۴۰۴
۸۶ ہسپتال کی مشینوں پر زکوٰۃ کا شرعی حکم۔فقہ حنفی کی روشنی میں ۴۰۵
۸۷ شادی میں دیے گئے زیورات پر زکوٰۃ کا حکم ۴۰۷
۸۸ صدقۂ فطر میں نصاب کی تعیین کا طریقہ ۴۱۰

حج و عمرہ کا بیان

۸۹ بغیر محرم کے عمرے کو جانا ۴۱۵
۹۰ دوران حج عورت کو حیض آجائے تو کیا کرے؟ ۴۱۶
۹۱ شوال میں عمرہ کرنے والے پر حج کی فرضیت کا حکم ۴۱۸

جنائز کا بیان

۹۲ جنازہ پڑھانے کا حق کس کو ہے/داڑھی کاٹنے والے کی امامت کا حکم ۴۲۳
۹۳ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے کا حکم ۴۲۴
۹۴ جنازہ میں مجمع زیادہ ہونے کی امید پر نماز جنازہ کی تاخیر کا حکم ۴۲۶
۹۵ کسی کے انتظار میں میت کی تجہیز وتکفین میں تاخیر کرنے کا حکم ۴۳۰
۹۶ میّت کو لے جاتے وقت اُس کا رخ کس جانب ہو؟ ۴۳۲
۹۷ پوسٹ مارٹم (Postmortem) کی شرعی حیثیت-فقہ حنفی وجمہور فقہاء کی روشنی میں ۴۳۵
۹۸ عورت کے انتقال کے بعد شوہر کا اسے دیکھنے اور قبر میں اتارنے کا حکم ۴۳۸
۹۹ ایسے شخص کی نمازِ جنازہ اور تدفین کا حکم جس نے مرتد ہونے کا اظہار کیا ہو ۴۴۰
۱۰۰ مردے کا ہاتھ سینے پر رکھا جائے یا دائیں بائیں؟ ۴۴۲
۱۰۱ میت کے لیے احکامِ ضروریہ وقبر میں عہد نامہ یا جواب نامہ، شجرہ یا تبرکات رکھنے کا مسئلہ ۴۴۴

قربانی وعقیقہ کا بیان

۱۰۲ قربانی کے جانوروں کی مقررہ عمر میں کیا حکمت ہے؟ ۴۵۱
۱۰۳ والد کے انتقال کے بعد ان کے پالے ہوئے بکرے کی قربانی کا حکم ۴۵۲
۱۰۴ جس جانور کی پیدائشی ناک نہ ہو اس کی قربانی کا حکم ۴۵۴
۱۰۵ وطن سے دور رہنے والے کی قربانی کا حکم ۴۵۶
۱۰۶ صاحب نصاب کا دوسرے کے نام سے قربانی کرنے کا حکم ۴۵۷
۱۰۷ مسجد کے اندر قربانی کرنا کیسا ہے؟ ۴۵۸
۱۰۸ مجنون مالک نصاب ہے تو اس پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟ ۴۶۲
۱۰۹ قربانی کے جانور میں ولیمہ اور عقیقہ کی شرکت ۴۶۲
۱۱۰ کن جانوروں کی قربانی ناجائز ہے؟ ۴۶۳
۱۱۱ بھینس کی قربانی کا شرعی حکم ۴۶۵
۱۱۲ صاحب نصاب کا کسی دوسرے کے نام سے قربانی کرنے کا حکم ۴۷۲

۱۱۳ شرکت کی قربانی میں بغیر وزن کے گوشت کی تقسیم کا طریقہ ۴۷۳
۱۱۴ دوسرے ملک میں قربانی کرائے تو کہاں کی قیمت اور وقت کا اعتبار ہوگا؟ ۴۷۴
۱۱۵ بغیر متعیّن کیے ہوئے ۱۰۰/ لوگوں کی طرف سے ۱۰۰/ جانوروں کی قربانی ۴۷۶
۱۱۶ خصی جانور کی قربانی کا حکم ۴۷۷
۱۱۷ مرغ کی قربانی کا حکم ۴۷۸
۱۱۸ قربانی کے گوشت کے استعمال کی مدّت ۴۷۹
۱۱۹ باپ کے انتقال کے بعد کسی ایک کو مالک بنادیا تو قربانی کس پر واجب ہے؟ ۴۸۱
۱۲۰ جس جانور کی پیدائشی طور پر ایک ناک بند ہو اس کی قربانی کا حکم ۴۸۲
۱۲۱ عقیقہ کی لغوی و اصطلاحی تعریف اور اس کے احکام-قرآن و حدیث اور آثار صحابہ و عبارات فقہا کی روشنی میں ۴۸۴

نکاح کا بیان

۱۲۲ شوہر لاعلاج ہو تو بیوی کے لیے فسخ نکاح کا حکم ۴۸۹
۱۲۳ نکاحِ مُعْتَدّہ کا شرعی حکم ۴۹۰
۱۲۴ غیر سنی سے نکاح پڑھوانا کیسا؟ ۴۹۲
۱۲۵ نکاح کی اجرت کا حقدار کون ہے؟ ۴۹۳
۱۲۶ مہر کی شرعی حیثیت، مہر کے اقسام، آج کے دور میں مہر کی قیمت اور مہر فاطمی کی مقدار کا بیان ۴۹۵
۱۲۷ آن لائن نکاح کے شرعی احکام ۴۹۸
۱۲۸ کیا دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی سے اجازت لینا ضروری ہے؟ ۵۰۰

طلاق کا بیان

۱۲۹ تحریری طلاق کا حکم ۵۰۳
۱۳۰ کفریہ کلمہ بولنے والے کے نکاح کا حکم ۵۰۴
۱۳۱ غلط فہمی میں طلاق مغلظہ دیدی تو کیا حکم ہے ۵۰۵
۱۳۲ عورت کا اپنے شوہر کو بھائی کہنا کہنے کا حکم/کیا عورت ظہار کر سکتی ہے؟ ۵۰۷

۱۳۳ تین بار "طلاق" کہنے کا حکم ۵۰۹
۱۳۴ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے پر کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟ ۵۱۰
۱۳۵ نفسیاتی مریض یعنی مجنون یا معتوہ طلاق کا حق رکھتا ہے یا نہیں؟ ۵۱۳
۱۳۶ غصے میں دی ہوئی طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ ۵۱۵
۱۳۷ نشے کی حالت میں طلاق دینے کا حکم ۵۱۶
۱۳۸ دورانِ عدت جاب (نوکری) کرنے کا حکم ۵۱۷
۱۳۹ عدت گزارنے کے لیے دوسری جگہ جانے کا حکم ۵۱۸
۱۴۰ حالت حیض وطہر میں طلاق اور عدت کا شرعی حکم ۵۲۰
۱۴۱ عدّتِ وفات کے احکام ۵۲۲
۱۴۲ دوران عدت عیادت کرنے کا حکم ۵۲۵
۱۴۳ طلاق دینے والا طلاق کی تعداد بھول جائے تو کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟ ۵۲۶
۱۴۴ طلاق معلق کی ایک صورت / تعداد طلاق میں شک ہو تو کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟ ۵۲۷
۱۴۵ طلاق کے الفاظ کے سلسلے میں شوہر اور بیوی کی باتیں الگ الگ ہوں تو کس کا قول معتبر ہوگا؟ ۵۲۸
۱۴۶ لفظ "طلاق دے دوں گا" سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ ۵۲۹
۱۴۷ شوہر دو طلاقوں کا دعویٰ کرے اور بیوی تین کا تو کس کا قول معتبر ہوگا؟ ۵۳۰
۱۴۸ شوہر مفقود الخبر ہو تو عورت کیا کرے؟ ۵۳۲
۱۴۹ بیوی کے نان ونفقہ، مطلقہ کی عدت اور اولاد کی پرورش کے احکام ۵۳۵

خرید وفروخت کا بیان

۱۵۰ ائمۂ اربعہ کے تناظر میں تجارت کے بنیادی اصول وضوابط ۵۳۹
۱۵۱ سامان تیار ہونے سے پہلے اس کی خریداری کا حکم ۵۴۳
۱۵۲ شراب کی تجارت کا حکم؟ ۵۴۵
۱۵۳ تمباکو اور بیڑی کے کاروبار کی شرعی حیثیت ۵۴۶
۱۵۴ آڑھتی (کمیشن ایجنٹ) کے لیے "گردا" کی کٹوتی کا شرعی حکم فقہ حنفی کی روشنی میں ۵۴۸

۱۵۵ دلالی کی اجرت کا حکم ۵۵۰
۱۵۶ نقد میں کم اور ادھار (قسط) میں قیمت زیادہ رکھنے کا حکم ۵۵۲

مزارعت کا بیان

۱۵۷ کھیتی بٹائی پر دینے کا حکم ۵۵۷
۱۵۸ کھیت کرائے پر دینے کی ایک صورت ۵۶۰

وقف کا بیان

۱۵۹ قدیم غیر آباد قبرستان کی زمین کو مسجد میں شامل کرنا کیسا؟ ۵۶۵
۱۶۰ مسجد میں رکھی پرانی کتابیں بیچنے کا حکم ۵۶۷
۱۶۱ مسجد کس کی ملکیت ہوتی ہے؟ ۵۶۹
۱۶۲ امام باڑہ اور امام چوک اوقاف میں سے ہے/امام باڑہ کو توڑ کر مسجد میں شامل کرنا توہین حسینیت ہے ۵۷۱
۱۶۳ واقف کی شرط کا حکم ۵۷۴
۱۶۴ مسجد کے پیسے کو وضو خانہ یا ضروریات مسجد میں خرچ کرنا ۵۷۵
۱۶۵ مسجد کے جو سامان قابل استعمال نہ ہوں انھیں فروخت کرنے کا حکم ۵۷۷
۱۶۶ مسجد کے ملبوں کا حکم ۵۷۹
۱۶۷ وقف میں تبدیلی کا حکم ۵۸۱

میراث کا بیان

۱۶۸ بہن اور بھائی کو تین جگہ ترکے میں سے کچھ نہیں ملتا ۵۸۵
۱۶۹ ایک بھائی اور دو بہنوں کے مابین چار لاکھ ساٹھ ہزار کی تقسیم ۵۸۶
۱۷۰ اولاد کو وراثت سے محروم رکھنے کا حکم ۵۸۷
۱۷۱ مسائل میراث کے ماخذ کی تحقیق ۵۹۰
۱۷۲ وصیت کا مال ہلاک ہو جائے تو کیا کرے؟ ۵۹۲

حظرواباحت کابیان

۱۷۳ جمہور علماء کے قول کی حجیت۔مدلّل ومعرّب فتویٰ ۵۹۵
۱۷۴ اپنے اہل وعیال کو نفلی صدقہ دینے کا حکم اور اس کا ثواب ۵۹۷
۱۷۵ داڑھی کی تعریف، حکم اور شرعی حد ۵۹۹
۱۷۶ مونچھوں کی لمبائی سے متعلق شرعی حکم ۶۴۱
۱۷۷ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا نمایاں وصف زندگی ۶۴۳
۱۷۸ سلسلۂ مداریہ میں مرید وخلیفہ بننا کیسا ہے؟ ۶۴۴
۱۷۹ سلسلہ مداریہ میں بیعت ہونا کیسا؟ ۶۴۵
۱۸۰ ”مرتے کو ماریں زندہ شاہ مدار“ کا معنیٰ ۶۴۹
۱۸۱ مقامِ صمدیت اور مدارِ پاک ۶۵۰
۱۸۲ کیا حضور ﷺ قبل اعلان نبوت قطب المدار کے مرتبے پر فائز تھے؟ کیا قطب المدار بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے فیض پاتا ہے؟ ۶۵۴
۱۸۳ کیا قطب المدار ولایت کا درجہ ہے؟/اولیاے کرام کے مراتب ودرجات کتاب وسنت سے ثابت ہیں؟ ۶۵۸
۱۸۴ علم لدنی سے کون سا علم مراد ہے؟ ۶۶۶
۱۸۵ سودی کاروبار کرنے والے کے یہاں کھانا کھانا کیسا ہے؟ ۶۷۰
۱۸۶ ایسے نوحے سننا جس میں سینہ کوبی کی آواز ہو ۶۷۱
۱۸۷ ابٹن لگانے کا حکم ۶۷۲
۱۸۸ برتھ ڈے منانا کیسا ہے؟ ۶۷۴
۱۸۹ کونڈے منانے کی وجہ؟ ۶۷۵
۱۹۰ جس زمین پہ قبر ہو اس پر کھیتی کرنا کیسا ہے؟ ۶۷۶
۱۹۱ میت کے کفر واسلام میں اگر اختلاف ہو تو کس کا قول معتبر؟ ۶۷۸
۱۹۲ کافر کے لیے دعا کرنا کیسا ہے؟ ۶۷۹
۱۹۳ میت کے کفر واسلام میں اختلاف کی صورت میں شرعی حکم ۶۸۱

۱۹۴	شراب کو بطور دوا استعمال کرنا کیسا ہے	۶۸۲
۱۹۵	غیر مسلم کے گھر کھانا تناول کرنا یا اسے اپنے گھر کھلانا کیسا ہے؟	۶۸۴
۱۹۶	غیر مسلموں کے تہواروں میں شامل ہونا کیسا ہے؟	۶۸۶
۱۹۷	کافر کو سلام کرنا یا اس کے سلام کا جواب دینا کیسا ہے؟	۶۸۸
۱۹۸	ہولی کی مبارک بادی دینے کا حکم	۶۹۰
۱۹۹	اجماع اور اسکی شرعی حیثیت، شرائط واحکام	۶۹۲
۲۰۰	باغ فدک کی حقیقت اور شیخین پر اعتراض	۷۰۶
۲۰۱	کیمیکل والے خضاب کا حکم	۷۱۰
۲۰۲	نقلی پلکیں اور ناخن لگانا/گجرے اور گلے میں ہار پہننا کیسا	۷۱۲
۲۰۳	مزامیر کے ساتھ سماع کا حکم	۷۱۵
۲۰۴	تاریخ پیدائش کے حساب سے نام وغیرہ معلوم کرنے کے طریقے کا حکم	۷۲۶
۲۰۵	امام باڑے اور امام چوک بنانا کیسا ہے؟	۷۳۱
۲۰۶	تعزیہ شریف کے چوک پر نیاز دینا کیسا ہے؟	۷۳۵
۲۰۷	جسم پر ٹیٹو وغیرہ بنوانے کا حکم	۷۳۷
۲۰۸	"شیاطین کے ممکنہ مساکن اور ان سے احتراز"	۷۳۹
۲۰۹	کیا حضرت امام حسن مجتبیٰ کو زہر حضرت امیر معاویہ نے دلوایا؟	۷۴۵
۲۱۰	جلوس میلاد النبی، عرس، فاتحہ، تیجہ، دسواں، چالیسواں، تعزیہ اور عَلَم کا حکم	۷۷۰
۲۱۱	ڈیجیٹل کیمرہ اور اسکرین کے فوٹو کا حکم	۷۸۰
۲۱۲	مذہب ومسلک کی تشریح	۷۸۶



مشمولات

شرفِ انتساب

یہ سطور قلم بند کرتے ہوئے دل شکر و امتنان سے لبریز ہے اور قلبی مسرت و فرحت سے معمور، کہ وہ خواب جسے مدت ہائے دراز سے دل میں سجایا گیا، آج اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل و کرم، اس کی برکت اور عظمت کے صدقے شرمندۂ تعبیر ہو رہا ہے۔

الحمدللہ! یہ اہلِ علم و افتا، علما و مفتیانِ کرام کی علمی کاوشوں، شبانہ روز محنتوں اور فقہی بصیرتوں کا نتیجہ ہے کہ آج "فتاویٰ مداریہ اہلِ سنت" جیسا ایک وقیع، دقیق، اور محقق فقہی ذخیرہ منظرِ عام پر آرہا ہے۔ یہ متعدد جید اہلِ علم کی قلمی کاوشوں کا نچوڑ ہے، جس میں علم، فہم، فتاویٰ نویسی اور جدید مسائل شرعیہ کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ میں ان تمام اصحابِ علم و فضل کا تہہ دل سے ممنون ہوں، جنہوں نے اس عظیم دینی خدمت میں علمی و فقہی معاونت فرمائی۔

یہ فقہی دستاویز نہ صرف علمی حلقوں میں قبولیت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا بلکہ ان شاء اللہ عوام و خواص کے لئے راہنمائی کا مستقل ذریعہ بنے گا۔

میں اس علمی و فقہی خدمت کو اپنے جدِّ کریم، امام المتکلمین، سید المتقین، مربی و مرشد، امام اعظم، حضرت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت حضرت امام جعفر الصادق علیہ السلام کے اسم گرامی سے منسوب کرتا ہوں — جن کے باہمی تعلقِ علم و عرفان نے نہ صرف فقہِ اسلامی کو آفاقیت و مرجعیت عطا کی، بلکہ ایک ایسی روحانی زنجیر قائم کی جو تا قیام قیامت اہلِ حق کے لیے مینارۂ نور بنی رہے گی۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مدون فقہ کو جو پذیرائی و مقبولیت حاصل ہوئی، وہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے روحانی فیوضات کا مظہر ہے۔

علاوہ ازیں، میں اس "فتاویٰ مداریہ اہلِ سنت" کو ان جلیل القدر شخصیات کے نامِ نامی سے بھی منسوب کرتا ہوں جنہوں نے راہِ سلوک و طریقت سے ہزاروں قلوب کو منور کیا اور خانقاہ عالیہ میں حنفی مسلک کی تلقین و تقلید فرماتے رہے:

حضرت قطبِ الاقطاب سید ابو محمد ارغون علیہ الرحمہ

اور انکے دونوں بھائیوں قدوۃ الاولیاء حضرت سید ابو تراب فنصور علیہ الرحمہ اور حضرت سید ابوالحسن طیفور علیہ الرحمہ

اور بالخصوص اپنے جدِ امجد، عارف باللہ، مرشدِ کامل، سرتاجِ مداریت، وارثِ فیضانِ ارغونیت حضرت خواجہ صوفی سید ظفر حبیب میاں مداری علیہ الرحمہ اور مخزن طریقت غواص بحر معرفت خواجہ سید عبد الخالق عرف جھولن شاہ ارغونی مداری، واقف علوم اسرار حضرت خواجہ حکیم مولوی سید عبد الرحمان شاہ گیلانی ارغونی مداری، سید عبد اللہ شاہ ارغونی مداری، پیر سید محمد عمر شاہ ارغونی مداری۔ پیر سید یونس شاہ ارغونی مداری، حضرت سید خواجہ چمیلی شاہ سرمست رحمۃ اللہ علیہ اجین ایم پی حضرت خواجہ بابو شاہ لطیف المداری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رتلام ایم پی علیہم الرحمۃ والرضوان۔

ان ہستیوں کے فیوض و برکات ہیں جو آج بھی اہلِ دل کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ ان کے ذکر سے نسبت قائم ہوتی ہے، نسبت سے محبت پیدا ہوتی ہے، اور محبت سے ہی نجات کے راستے کھلتے ہیں۔

الف الف مبارک!

یہ صرف ایک مجموعۂ فتاویٰ ہی نہیں بلکہ ایک روحانی و علمی سلسلے کی تعبیر ہے، جو ان شاء اللہ نسلوں تک رہنمائی کرے گا۔

از قلم

مولانا سید ظفر مجیب مداری

ولی عہد صدر سجادہ نشین خانقاہ مداریہ مکنپور شریف

دعائیہ کلمات

بقیۃ السلف عمدۃ الخلف نقیب الاشراف صدر المشائخ الحاج پیر **سید محمد مجیب الباقی جعفری ارغونی مداری**
صدر سجادہ نشین و تخت نشین و موروثی گدی نشین خانقاہ مداریہ مکنپور شریف ضلع کانپور (یوپی)

تمام حمد و ثنا اور عبادت و بندگی اس ذات وحدہ لاشریک کے لیے ہے جس نے انسان کو بے شمار مادی نعمتوں کے ساتھ وہ روحانی علوم بے بہا عطا کیے، جس کی بدولت آج انسان بموجب "يُدَبِّرُ الْكَوَاكِبَ وَيَسْتَخْرِجُ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ كُنُوزٍ وَمَعَادِنَ" کے فلکیات وارضیات کے پیچیدہ نظاموں کی سمتوں کا تعین کر رہا ہے اور تہ بہ تہ زمینوں میں نہاں خزانوں کو دریافت کر رہا ہے اور یوں روز افزوں اپنے علم و معرفت میں اضافہ کر رہا ہے۔ وہی رب قدیر ہے جس نے فرمایا "و علمك مالم تكن تعلم" (وہ سب کچھ بتایا جو تو نہیں جانتا تھا)۔ خلاق عالم نے بنی نوع انسان کو علم و معرفت اور تمام آفاقی وارضیاتی علوم سے بہرہ مند فرما کر اس کے سر پر کرامت و شرافت کا تاج رکھا اور اسے دیگر تمام مخلوقات سے مخصوص و ممتاز فرما کر "الرّٰسخون فی العلم" کے اعلیٰ مقام پر فائز کیا۔ ارشاد باری ہوا "وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا"۔

قرآن حکیم میں تین مقامات پر ان مراحل و درجات کا ذکر کیا گیا ہے؛ جن کے تحت حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کی تربیت فرمائی۔ جن میں ایک "الكلمة الحكمة ضالة المؤمن" (حکمت مومن کی گم شدہ میراث ہے جہاں سے ملے لے لینا چاہیے) ہے۔ حکمت کا درجہ بلند ترین ہے، دین میں اول مرحلہ یا درجہ حکمت کا ہے۔ اور مومن دوسروں سے زیادہ اس کا حق دار ہے کہ حق بحقدار رسید۔ لہٰذا زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ امت مسلمہ علم و حکمت کے خزانوں کی امین ہوگئی تھی اور ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبب دین حنیف میں بڑے بڑے فقہائے کرام، مفسرین عظام اور محدثین کرام پیدا ہوئے جنھوں نے تدوین حدیث و فقہ اسلامی میں غیر معمولی کردار ادا کیا، اور قیامت تک کے لیے وہ علم و آگہی کا مینارۂ نور بن کر مثل آفتاب درخشاں ہیں۔ چوں کہ حکمت کے سبب کسی انسان کی سوچ اور علم میں پختگی آتی ہے، اس کے اندر تدبر و تفقہ پیدا ہوتا ہے، اس کی فقہی بصیرتوں میں نکھار آتا ہے اور اس طرح وہ مخاطب کے ذہنی رجحانات و ترجیحات کا درست تجزیہ کر کے صحیح شرعی جواب تحریر کرتا ہے جسے ہم "مفتی" کہتے ہیں۔

فتاوی مداریہ

دور حاضر میں دو طرح کے مفتی نظر آتے ہیں ایک جو صحیح اور شرعی اعتبار سے فتویٰ نگاری کی خدمت سر انجام دے رہے ہیں اور ان کے فتاویٰ سے تعصب و تفرقہ کی بو نہیں آتی جب کہ ایک گروہ نے اپنی ساری طاقتیں امت مسلمہ کو تقسیم کرنے میں صرف کر رکھی ہیں اور ان کے فتاویٰ فقط ایک جانب، قوم مسلم کو کافر و گمراہ اور سلاسل اولیاء اللہ کو منسوخ و مجروح کرنے پر مبنی ہوتے ہیں۔ مولائے کریم ایسے مفتیان کرام کو ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین۔

اس وقت میرے سامنے "فتاویٰ مداریہ" ہے، جو کہ صنف اول کے مفتیان کرام کی مجموعی محنتوں کا نتیجہ ہے۔ باعث مسرت امر یہ ہے کہ اس میں صنف دوم کے بے جا فتاویٰ کے بھی جوابات بغیر کسی تنقید و تذلیل کے دیے گئے ہیں، سلسلہ مداریہ پر ہمارے سنی نما کچھ مفتیان کرام نے ایسے بھدے فتاویٰ لکھے جنھیں دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ آخر کس عداوت میں ایسا لکھا، بتوفیق الٰہی ان معادل مثبت فتاویٰ جات کو آپ اس مجموعۂ فتاویٰ میں ملاحظہ کریں گے، اس طرح دیگر مسائل شرعیہ پر عمدہ فتاویٰ جات کا انتخاب پیش نظر "فتاویٰ مداریہ" ہے۔ فقیر مداری ان جملہ مفتیان کرام کو خراج تحسین پیش کرتا ہے، جنھوں اپنے شب و روز کی تگ و دو سے یہ مجموعۂ فتاویٰ امت مسلمہ کو پیش کیا۔

خاص طور پر رفیق محترم حضرت علامہ و مفتی محمد اسرافیل حیدری مداری خادم دارالافتاء جامعہ عربیہ مدارالعلوم مدینۃ الاولیا مکن پور شریف اور عزیز سعید، محقق جواں سال مفتی محمد ہاشم علی بدیعی مصباحی اطال اللہ عمرہ اور اپنے فرزند عالی وقار مولانا سید ظفر مجیب مداری زید عمرہ وعلمہ ولی عہد سجادہ نشین خانقاہ مداریہ مکنپور شریف کو قلبی دعائیں اور تہنیتیں پیش کرتا ہوں، جنھوں نے اس کار خیر کو انجام دینے میں بنفس نفیس بے انتہا کوششیں کیں اور اپنے جان و تن لگا کر اس فتاویٰ کو مکمل جسم عطا کیا۔ بے شک ان کے بغیر یہ فتاویٰ ناکافی تھا۔

اور اسی دیرینہ خواہش کی تکمیل اور فریضہ اشاعت کہ سلسلے کی ایک حسین و نورانی کڑی، جو خانوادہ ارغونیہ کے شہزادے اور میرے برادر عزیز ہیں اور مرکزی خانقاہ مداریہ پاکستان کے سجادہ نشین ہیں جناب صاحبزادہ صوفی باصفا ترجمان مداریت خواجہ سید منظور احمد شاہ ارغونی حفظک اللہ اور انکے صاحبزادہ والا تبار اور ہمارے بیٹے نور نظر ولی عہد مرکزی خانقاہ مداریہ پاکستان شیخ طریقت عزیزم صاحبزادہ ڈاکٹر سید زمان الرحمن شاہ ارغونی مداری ہیں، ان کا بھی مشکور ہوں، جنکی شمولیت اور اخلاص محض کے باعث متعدد علمی و روحانی تقاضوں کی تکمیل کر سکا۔

اللہ حکیم وخبیر ان مجاہدین کی اس لگن ورغبت کے بدلے دنیاوآخرت میں بہترین جزاعطافرمائے،ان کی فقہی بصیرت وحکمت میں روزافزوں ترقی عطا فرمائے اور انھیں علم وعمل کاسرچشمہ بنائے۔بارك الله فی علومهم و معاشهم و عمرهم اللهم آمين بجاه سيد المرسلين صلى الله تعالىٰ عليه وآله وصحبه وعلى المدار البديع الكريم.



عرض مرتب

﴿فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ ﴿من يرد الله به خيرا يفقهه فى الدين﴾

۸۰۰/ صفحات سے زائد پر مشتمل پیش نظر فتاویٰ "الأنوار الشرعية فى الفتاوى المدارية" دیرینہ خوابوں کی شرمندہ ہوتی ہوئی ایک تعبیر ہے۔ اس سفر میں کسے خبر تھی کہ یہ کام بھی سرانجام پائے گا۔

اجمالاً اس کا پس منظر یہ ہے کہ راقم بدیعی نے آج سے ڈیڑھ دو سال قبل ٹیلی گرام پر ایک گروپ بنام "فتاویٰ مداریہ" تشکیل دیا تھا، جہاں بشمول من، چنیدہ مفتیان کرام کی ایک فعال ٹیم پیش آمدہ شرعی مسائل کے جوابات فراہم کرتی تھی۔ ان جوابات کو فتاویٰ کی شکل میں بڑے مدلل و مبرہن انداز میں پیش کیا جاتا تھا، اس کے پس پردہ، فتاویٰ کی کتابت و کمپوزنگ سے لے کر تزئین و تحسین تک کے سارے فرائض راقم انجام دیتا تھا۔ یہ گروپ تشکیل دینا آسان تھا لیکن مفتیان کرام کو بار بار مہمیز کر کے فتاویٰ لکھوانا، خود بھی فتاویٰ لکھنا اور پھر ان کی کمپوزنگ وغیرہ کرنا جوے شیر لانے کے مانند تھا۔ تقریباً چھ ماہ بڑی محنتیں کیں کہ نتیجۃً فتاویٰ کا ایک ذخیرہ جمع ہو گیا۔ پھر چند ناگزیر مصروفیات حائل ہوئیں، جس کے بعد یہ گروپ چل سکا اور نہ ہی گروپ میں موجود کوئی اس کارواں کو آگے بڑھا سکا۔ یہی فتاویٰ، فتاویٰ مداریہ کے لیے محرک اور اکسیر ثابت ہوئے، جن کی اہمیت اور طرز استدلال سے متاثر ہو کر خیر اندیشوں نے اشاعت کا مشورہ دیا۔

ولی عہد خانقاہ عالیہ مداریہ حضرت مولانا سید ظفر مجیب میاں مدظلہ کی رائے کے مطابق اس میں مزید فتاویٰ کی شمولیت کی بات طے ہوئی، جس کے لیے ناشر مداریت حضرت علامہ و مولانا مفتی ابو الحماد اسرافیل حیدری مداری دامت برکاتہم کے لکھے گئے چند اہم فتاویٰ بحیثیت "ترتیب ثانی" پیش نظر مجموعۂ فتاویٰ میں شامل کیے گئے، اور یوں یہ ایک ضخیم فتاویٰ کی جلد اول آپ کے سامنے ہے۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ علامہ موصوف کے کچھ فتاویٰ بڑے اہم اور قابل استفادہ ہیں جنھیں آپ پڑھ کر اندازہ لگا سکتے ہیں، آئندہ جلدیں ان شاء اللہ البدیع علامہ موصوف کے مستقل (Exclusive) فتاویٰ پر ہی مشتمل ہوں گی۔ خدا کرے یہ کارواں چلتا رہے۔

فتاویٰ مداریہ، انفرادیت:

فہرست کتاب سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مسائل طہارت سے لے کر بشمول حظر و اباحت؛ مسائل میراث تک فتاویٰ تحریر کیے گئے ہیں، جن مسائل کی شمولیت نہیں ہے وہ فتاویٰ کی آئندہ جلدوں میں شامل کیے جاتے رہیں گے۔ اس فتاویٰ کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ اپنے تئیں تصوف و خانقاہ کا عنصر رکھتا ہے۔ اس میں بہت سے ایسے اہم فتاویٰ بھی ہیں اور ان شاء اللہ آئندہ بھی شامل ہوتے رہیں گے جن میں خانقاہی مسائل پر کیے گئے بے جا اعتراضات اور ان پر لکھے گئے مشاہیر کے تکلیف دہ منفی فتاویٰ کے مثبت جوابات ہیں۔ بر سبیل مثال یہاں کچھ پیش کرتا ہوں:

طواف مزارات کا مسئلہ:

مزارات اولیا کے طواف پر بعض متعجلین نے حرام بلکہ کفر تک کے اقاویل صادر کیے، اور دلیل میں فتاویٰ رضویہ کو پیش کیا۔ ان میں کچھ بڑی نامور شخصیات بھی شامل ہیں مگر وہ اس بات سے نا آشنا رہے کہ فتاویٰ رضویہ میں اس موضوع پر دو فتاویٰ مذکور ہیں جس میں ایک مختصر اور طواف تعظیمی کی حرمت پر ہے جب کہ دوم مطول و منقح اور طواف استفادہ کے جواز پر ہے۔ آج مزارات اولیا مثلاً سیدنا قطب المدار حلبی قدس سرہ کے مزار کا طواف اسی نوعیت کا ہے۔ اس پر خانقاہ مداریہ سے باقاعدہ ایک رسالہ "طواف استفادہ" کے نام سے شائع ہوا۔

اللہ ھو میاں کہنا:

اس پر بھی ہمارے ہی گروہ علما نے تکفیر و تضلیل سے کام لیا جو اہل خانقاہ بالخصوص اہل اللہ کے متعلق بڑی عجلت اور بے احتیاطی کا معاملہ تھا، جس پر ہمارے علما نے فتاویٰ کی شکل میں شرعی جوابات فراہم کیے جو صاحبان علم کو درس عبرت دیتے ہیں۔

مسئلۂ سماع:

قوالی کے باب میں آج اس قدر تشدد ہے کہ کسی سے مخفی نہیں بلکہ کچھ اہل علم حضرات سماع سننے والوں کو "گمراہ" کے درجے میں رکھ کر ان سے مصافحہ و ملاقات بھی روا نہیں سمجھتے؛ جب کہ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ چشتی صوفیۂ کرام کا آج تک یہ معمول ہے اور جملہ چشتی خانقاہیں اعراس میں ان محافل کو آراستہ کرتی ہیں۔ اور دوسرے سلاسل جہاں اس کا مزاج نہیں، وہ بھی اس روش کی قدر میں محتاط رہے۔ کبھی تحریم و تضلیل زبان زد

نہیں کی بلکہ فرمایا: "نہ ایں کار می کنم، نہ انکار می کنم"۔

مسئلۂ تعزیہ داری:

اس مسئلے پر دور حاضر میں اس قدر نبرد آزمائی ہے کہ آج بھی کتابیں فریقین کی جانب سے تحریر کی جاتی ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ ہم بجائے اصلاحات کے ایک خانقاہی رواج کا استیصال کرنا چاہتے ہیں، جب کہ فتاویٰ رضویہ اور خود مفتی اعظم ہند کے عمل سے اس کے جواز کا حکم ملتا ہے۔ حضرت شاہ فضل رسول قادری بدایونی علیہ الرحمہ کی کتاب "حرز معظم" پڑھنے کے بعد تعزیہ شریف کے جواز میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ یہ بھی تبرکات کا حصہ ہے خواہ مصنوعی ہو یا غیر مصنوعی۔ چند در آئی غیر شرعی چیزوں کے باعث ہم ایک خانقاہی معمول کو از سر نو ختم نہیں کر سکتے ورنہ اس کے ہم مشابہ دیگر مسائل بھی اس زد میں آجائیں گے مثلاً عورتوں کا اعراس میں آنا۔

فتوائے سوختن اور مفتی اعظم ہند:

سلسلہ مداریہ کے سوخت کے باب میں مفتی اعظم ہند کا ایک مخصوص فتویٰ بڑی اہمیت کا حامل ہے، جس میں سلسلہ مداریہ کے اجرا و اتصال کا اعلان ہے۔ مگر شومی قسمت سے وہ فتوی "فتاویٰ مصطفویہ" میں شامل نہ کیا گیا بلکہ اس کی جگہ دوسرا فتویٰ اس میں شامل ہے جس میں سوخت کا اشارہ ہے، بالفرض گر شامل فتویٰ صحیح ہو تو یہ تاریخی اعتبار سے غیر مشمول فتویٰ سے منسوخ ہوتا ہے چوں کہ فتوائے مشمول کی سنہ کتابت ۱۳۵۲ھ ہے جب کہ فتوائے غیر مشمول ۱۳۷۷ھ کا تحریر کردہ ہے۔ اب رہی یہ بات کہ یہ فتویٰ "فتاویٰ مصطفویہ" میں شامل نہیں تو اس پر حضرت مولانا حنیف مصباحی صاحب کا یہ اقتباس جو کہ "تعارف مصنف" میں شامل ہے، کافی البیان ہے:

"غرض کہ آپ نے نصف صدی سے زیادہ مدت تک لاکھوں فتاویٰ لکھے، اہل ہند و پاک اپنے الجھے ہوئے مسائل آپ کی خدمت میں لے کے حاضر ہوتے اور ہر پیدا ہونے والے مسئلے میں فیصلہ کے لیے نگاہیں آپ کی ہی طرف اٹھتی تھیں۔ آپ کے فتاویٰ کا وہ ذخیرہ محفوظ نہ رہ سکا، ورنہ آج وہ اپنی ضخامت و مجلدات کے اعتبار سے دوسرا فتاویٰ رضویہ ہوتا" (ص:۱۳۴)

اس طرح سلسلہ مداریہ کے سوخت سے لے کر مقام صمدیت، درجۂ قطب المدار وغیرہ کئی گوشوں پر بڑے منفی فتاویٰ ہمارے سنی علما سے منصۂ شہود پر آئے، کاش وہ ان مسائل پر قدرے احتیاط سے کام لے کر لکھتے یا کم از کم وابستہ خانقاہوں کے دلائل جاننے کی کوشش کرتے۔ ان سب مسائل پر فتاویٰ مداریہ میں سائلین کے

جوابات موجود ہیں، ماباقی بعد کے فتاویٰ میں شامل کیے جاتے رہیں گے۔ یہ فتاویٰ دیگر فروعی مسائل پر بھی بڑے عمدہ دلائل کے ساتھ اپنی مثال آپ رکھتا ہے۔

اب راقم بدیعی یہاں صدر العلما و المشائخ، نقیب الصوفیہ حضرت مولانا سید محمد مجیب الباقی جعفری مداری صدر سجادہ نشین آستانۂ عالیہ مداریہ مکن پور شریف دامت معالیھم کا بے حد مشکور ہے کہ جوں انھیں اس کار خیر کا علم ہوا، یکلخت اپنے فرزند ارجمند ولی عہد موصوف حضرت علامہ سید ظفر مجیب میاں جعفری مدظلہ واقبالہ کو اس کی طباعت و اشاعت کا امر صادر فرمایا۔ فقیر بدیعی تعلیمی مصروفیات کی وجہ سے بالکل سکتہ میں جا چکا تھا مگر ولی عہد موصوف قبلہ کے عزم واستقلال اور پامردی نے اسے پایۂ انجام تک پہنچایا۔

جملہ مفتیان کرام کے شکر گزار ہیں جنھوں نے آمدہ ورفتہ جو بھی فتاویٰ لکھے یا شامل کرائے۔ حضرت علامہ و مفتی ابو الحماد اسرافیل حیدری مداری، حضرت مفتی خوشنود اختر مداری، حضرت مفتی ندیم مصباحی؛ حضرت مفتی شاہد رضا صاحب قبلہ اور حضرت مفتی آصف خاں مداری صاحب قبلہ دامت معالیھم وبرکاتہم کے خاص طور پر مشکور و ممنون ہیں۔

اخیر میں اس امید کے ساتھ کہ مولی تعالیٰ اسے قبول عام بنائے اور آئندہ یہ سلسلہ قائم رہے، سخن کا اختتام کرتا ہوں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیرا کثیرا و صلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد و آلہ و صحبہ و سلم.

فقیر ہاشم بدیعی مصباحی

سابق مدرس جامعہ مدار العلوم مدینۃ الاولیاء دار النور مکن پور شریف

۱۳ر ربیع النور شریف ۱۴۴۷ھ مطابق ۶ر ستمبر ۲۰۲۵ء بروز شنبہ

”فتاویٰ مداریہ“ اور مفتیانِ خانقاہِ مداریہ کی خدماتِ جلیلہ

ابوالحماد محمد اسرافیل حیدری المداری
خادم الافتاء جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الاولیاء دار النور مکنپور شریف

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَالصَّلاةُ وَالسَّلامُ عَلىٰ سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ، وَعَلىٰ آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ، وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلىٰ يَوْمِ الدِّينِ.

اسلام ایک ایسا دین ہے جو ہر دور اور ہر حال میں انسانیت کے مسائل کا حل فراہم کرتا ہے۔ شریعتِ مطہرہ کی یہ جامعیت فقہائے کرام کی بدولت امت تک پہنچتی ہے۔ یہی فقہائے کرام اپنے علم و عمل سے دین کے محافظت اور امت کے رہنمائی کا کام سرانجام دیتے ہیں۔۔ دینِ اسلام کی بقاو استحکام ہمیشہ علمائے راسخین اور فقہائے محققین کے طفیل قائم رہی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی فکری یلغار اور اعتقادی انحرافات نے سر اُٹھایا، تو اہلِ حق علمائے ربانیین و مشائخ مکرمین نے اپنی علمی، فقہی، روحانی اور قلمی خدمات کے ذریعہ امت کو راہِ راست دکھائی۔ ہندوپاک کی علمی تاریخ میں خانقاہ مداریہ کا نام اس اعتبار سے نہایت روشن ہے کہ اس خانقاہ کے فیض یافتگان نے نہ صرف تزکیۂ نفس اور سلوک و معرفت کے باب میں نمایاں کردار ادا کیا، بلکہ فقہ و فتاویٰ کے میدان میں بھی ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیے جن پر امت ہمیشہ فخر کرے گی۔

فتاویٰ کی تدوین دراصل شریعتِ اسلامیہ کے ابدی اور مستحکم نظام کی عملی شکل ہے۔ یہ محض فقہی تحریریں نہیں بلکہ امتِ مسلمہ کے لیے رہنمائی، تحفظِ دین اور مسائلِ حیات کے حل کا ضامن سرمایہ ہیں۔ اسی مبارک سلسلے کی ایک عظیم کڑی "فتاویٰ مداریہ" ہے، جس میں خانقاہِ مداریہ کے مفتیانِ کرام نے اپنے علوم و معارف کو نہایت جلیل القدر خدمات کی صورت میں محفوظ کر دیا ہے۔

یہ خانقاہ مداریہ کے جلیل القدر مفتیانِ کرام کی علمی میراث ہے۔ یہ فتاویٰ نہ صرف امت کے شرعی مسائل کا حل فراہم کرتے ہیں بلکہ فقہِ اسلامی کے گہرے شعور اور اجتہادی بصیرت کی بھی عکاسی کرتے ہیں۔

خانقاہ مداریہ کی علمی خدمات کا تاریخی پس منظر:

خانقاہ مداریہ، برصغیر کی علمی و روحانی خانقاہوں میں ایک نمایاں نام ہے۔ یہ خانقاہ صدیوں سے علم، روحانیت اور خدمتِ خلق کا مرکز رہی ہے۔ یہاں سے نہ صرف اہلِ تصوف نے سلوک و معرفت کے موتی چنے بلکہ فقہ و فتاویٰ کے باب میں بھی ایسی روشن مثالیں قائم کیں جن پر آج بھی امت ناز کرتی ہے۔

خانقاہ مداریہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں تصوف اور فقہ دونوں کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے مفتیانِ کرام نے نہ صرف مسائلِ حیات کو شرعی بنیادوں پر حل کیا بلکہ تزکیۂ نفس اور اصلاحِ باطن کے پہلو کو بھی ساتھ ساتھ رکھا۔ اس علمی خزینے کی ترتیب و تدوین میں بالخصوص جن حضرات نے اپنے علمی و فقہی تبحّر اور شب و روز کی محنتوں سے حصہ لیا، ان میں سر فہرست عزیز اسعد استاذ العلماء محقق عصر صاحب زادہ مولانا مفتی سید منور علی جعفری مداری صاحب قبلہ مد ظلہ استاذ جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الاولیاء دار النور مکنپور شریف، عزیز اسعد صاحب زادہ حضرت علامہ مفتی سید نثار حسین صاحب قبلہ استاذ جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الاولیاء مکنپور شریف استاذ العلماء حضرت علامہ مفتی خوشنود عالم مداری دامت برکاتھم، حضرت علامہ مفتی ھاشم علی بدیعی مصباحی صاحب مد ظلہ ہیں اور حضرت مفتی اکبر علی مداری اور حضرت مفتی ندیم صاحب مصباحی، حضرت مفتی شاھد مداری و مفتی آصف خان مداری بھی قابل ذکر ہیں۔ ان حضرات نے دین و شریعت کی حفاظت اور فقہِ اسلامی کی تشریح و توضیح کے لیے جو فقہی خدمات انجام دیں وہ یقیناً ناقابلِ فراموش ہیں۔

حضرت علامہ مفتی خوشنود عالم مداری کی علمی کاوشیں

استاذ العلماء حضرت علامہ مفتی خوشنود عالم مداری اس کارواں کے روشن چراغ ہیں۔ آپ نے فقہی بصیرت کے ساتھ ساتھ قلمی میدان میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ آپ کے تحریر کردہ فتاویٰ میں نہ صرف علمی گہرائی ہے بلکہ عام فہم انداز بھی پایا جاتا ہے تاکہ عوام و خواص دونوں اس سے فیض یاب ہوں۔

آپ کے فتاویٰ کا ایک امتیاز یہ ہے کہ ان میں جہاں قدیم کتبِ فقہ کا حوالہ ملتا ہے وہیں جدید مسائل کے جوابات بھی ملتے ہیں۔ اس طرح آپ نے امت کو علمی اعتبار سے ایک نیا شعور عطا کیا۔

حضرت علامہ مفتی ہاشم علی بدیعی صاحب کی فقہی خدمات

حضرت مولانا مفتی ہاشم علی بدیعی دامت برکاتھم کا شمار خانقاہ مداریہ کے ممتاز مفتیانِ کرام میں ہوتا ہے۔

انہوں نے اپنے وسیع مطالعہ، فقہی مہارت اور شرعی بصیرت سے درجنوں مسائل کو حل فرمایا۔ آپ کے فتاویٰ میں جہاں فقہ حنفی کی مضبوط بنیادیں جھلکتی ہیں وہیں زمانے کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے امت کو سہل اور واضح رہنمائی فراہم کی گئی ہے۔

آپ کی خدمات کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ آپ نے فتویٰ نویسی کو محض ایک رسمی عمل نہیں بلکہ ایک عظیم ذمہ داری سمجھا۔ اسی اخلاص اور امانت داری کی بدولت آپ کے فتاویٰ میں وزن، استحکام اور فقہی گہرائی نظر آتی ہے۔

حضرت علامہ مفتی اکبر علی مداری و مفتی ندیم مصباحی، مفتی آصف خان و مفتی شاہد صاحبان کی خدمات جلیلہ

حضرت مفتی اکبر علی مداری اور حضرت مفتی ندیم مصباحی و حضرت مفتی شاھد صاحب و حضرت مفتی آصف صاحب قبلہ بھی "فتاویٰ مداریہ" کے اہم مفتیان کرام ہیں۔ ان حضرات نے فتویٰ نویسی کے عمل میں نہایت عرق ریزی اور تحقیقی انداز اختیار کیا۔ ان کے فتاویٰ میں گہرائی، مدلل دلائل اور ائمہ کرام کے اقوال سے استناد واضح طور پر دکھائی دیتا ہے ان حضرت سے سلسلۂ عالیہ مداریہ کو بڑی امیدیں ہیں مستقبل میں ان شاء اللہ ان کی خدمات جلیلہ سے زمانہ فیض اٹھائے گا۔

مفتی ندیم مصباحی صاحب کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے جدید عصری مسائل پر خاص توجہ دی اور نوجوان نسل کو شرعی رہنمائی فراہم کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ لیکن ان سبھی حضرات کی خصوصی توجہ کو اس مہتم بالشان امر کی طرف مبذول کرانے والی ذات صاحب سجادہ آستانۂ عالیہ بدیعیہ مداریہ حضرت والا صوفی سید محمد مجیب الباقی جعفری المداری گدی نشین و تخت نشین آستانہ قطب المدار قدس سرہٗ کی ہے آپ مد ظلہ نے ہر موقع پر اپنی خصوصی دعاؤں سے نواز کر اور خصوصی تعاون پیش کرنے کے وعدے سے اس کام میں بڑا حوصلہ عنایت فرمایا۔

حضرت مولانا سید ظفر مجیب مداری ولی عہد خانقاہ مداریہ کی مساعی جمیلہ وطباعت کی ذمہ داری

یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ نہیں کہ کسی بھی علمی ورثے کو امت تک پہنچانے کے لیے صرف فتاویٰ نویسی کافی نہیں ہوتی ہے بلکہ اس کی کتابت، اور طباعت بھی ضروری ہے۔ اس عظیم ذمہ داری کو قبول کرنے کیلئے سب سے بڑا ہاتھ بڑھایا عزیز القدر حضرت مولانا سید ظفر مجیب مداری ولی عہد خانقاہ مداریہ نے۔ آپ نے نہ صرف اپنی بے مثال مساعی جمیلہ پیش فرمائیں بلکہ اپنی ہمت، اخلاص اور للّٰہیت سے طباعت کے مشکل مرحلے کو آسان بنا دیا۔ فتاویٰ کو جمع کرنا، کتابت کرانا، کتابت کی کاپی فوٹو اسٹیٹ کرانا اور زیورِ طباعت سے آراستہ کرانا ایک عظیم کارنامہ

ہے۔ ولیعہد سجادہ خانقاہ مداریہ نے نہ صرف اس کام میں حوصلہ افزائی فرمائی بلکہ کتابت وطباعت کی عظیم ذمہ داری کو بھی اپنے ذمے قبول کیا۔ انہی کی ہمت افزائی اور تنظیمی کوششوں کے نتیجے میں یہ علمی کارنامہ آج امت تک بہ صورتِ کتاب پہنچ سکا۔ عزیزم سلمہ نے اپنے ذوق ولگن اور اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ اس ذمہ داری کو قبول فرما کر اسے آسان بنادیا اور فتاویٰ کو زیورِ طباعت سے آراستہ کر کے علمی دنیا کو ایک قیمتی سرمایہ عطا کیا آپ کی خدمات جلیلہ کو ان شاء اللہ سنہرے حروف سے لکھا جائے گا۔

کتابت وطباعت کا علمی وعملی پہلو

کتابت وطباعت کا مرحلہ بظاہر سہل دکھائی دیتا ہے مگر حقیقت میں یہ سب سے مشکل عمل ہے۔ فتاویٰ کی طباعت کے لیے نہ صرف علمی ذوق درکار ہے بلکہ انتھک محنت کی بھی سخت ضرورت ہے۔ خانقاہ مداریہ نے یہ مرحلہ نہایت کامیابی کے ساتھ طے کیا اور عزیزم سید ظفر مجیب میاں مداری ولی عہد سجادہ نشین کی بہترین کارکردگی میں اسے امت کے سامنے پیش کیا۔

فتاویٰ مداریہ کی خصوصیات اور افادیت

"فتاویٰ مداریہ" جو حضور سیدنا قطب المدار احمد بدیع الدین زندہ شاہ مدار قدس سرہٗ کے سلسلۂ عالیہ مداریہ سے وابستہ علمائے اہلسنت ومفتیان شریعت کا علمی شاہکار ہے درجہ ذیل خصوصیات کا حامل ہے:

❶ اصولی اور مدلل فتاویٰ نگاری

فتاویٰ مداریہ میں ہر مسئلہ قرآن وحدیث، اجماع، قیاس اور اصول فقہ سے مدلل طریقے سے پیش کیا گیا ہے۔

مسئلہ صرف حکم تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس کے شرعی ادلّہ وبراہین بھی واضح کیے گئے ہیں۔

مثال: اگر نماز میں کسی رکن کی کمی ہو تو اس کا اثر، دلیل اور مختلف فقہی آراء بیان کی جاتی ہیں۔

❷ سہل اور عام فہم انداز

فتاویٰ کو عام لوگوں کے لیے بھی قابل فہم رکھا گیا ہے، تاکہ عام مسلمان بھی آسانی سے سمجھ سکے۔

پیچیدہ اصطلاحات کے ساتھ بھی مثالیں اور وضاحت شامل ہیں تاکہ سمجھ آسان ہو۔

❸ مذاہب فقہ کے موازنہ کا عنصر

فتاویٰ مداریہ میں اکثر فقہ حنفی کے ساتھ دیگر مذاہب فقہ جیسے شافعی، مالکی، اور حنبلی آراء کا ذکر بھی ملتا ہے، لیکن حنفی اصول کو بنیاد بنایا گیا ہے۔

اس سے فقہی اختلافات اور اسباب کا شعور پیدا ہوتا ہے۔

❹ مصرّف اور عملی مسائل پر توجہ

جدید اور عملی مسائل، جیسے کاروبار، بینکنگ، قرض، اور روزمرہ زندگی کے مسائل کو بھی شریعت کے مطابق حل کیا گیا ہے۔

مثال کے طور پر: کم سرمایہ دار اور کاروباری مسائل، معاشرتی معاملات، خواتین کے حقوق وغیرہ پر واضح فتاویٰ موجود ہیں۔

❺ اہلِ سنت والجماعت کی فکر کا عکاس

فتاویٰ مداریہ میں عقائد اہل سنت والجماعت، توحید ذات وصفات، سنت کی اتباع، اور اہل بدعت سے اجتناب کی وضاحت بار بار کی گئی ہے۔

خوارج، روافض اور دیگر غیر متفقہ فرقوں کے بارے میں فقہی اور عقائدی حدود بیان کی گئی ہیں۔

❻ سند واستدلال کی قوت

فتاویٰ میں اکثر مسائل میں اصل ادلّہ، احادیث اور اقوال مجتہدین کی بنیاد پر جواب دیا گیا ہے۔

اس سے نہ صرف حکم واضح ہوتا ہے بلکہ دلیل کی روشنی بھی عام لوگوں اور علماء کے لیے قابل قبول ہوتی ہے۔

❼ اختصار اور جامعیت کا توازن

فتاویٰ مداریہ میں نہ زیادہ طوالت ہے اور نہ ہی سادگی کا فقدان۔

مسئلہ مختصر اور جامع بیان کیا گیا، لیکن وہ تمام ضروری ادلّہ وشرح کے ساتھ ہے۔

فقہی گہرائی: ہر فتویٰ دلائل اور مراجع کے ساتھ مرتب ہے۔

عصری مسائل کی وضاحت: جدید زمانے کے سوالات کے جوابات فراہم کیے گئے ہیں۔

علمی توازن: اعتدال اور میانہ روی کے ساتھ شرعی رہنمائی دیکھنے کو ملتی ہے۔

خانقاہی رنگ: روحانیت اور فقہ دونوں کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے.

فتاویٰ مداریہ نہ صرف علماء وطلبہ کے لیے بلکہ عوام کے لیے بھی رہنمائی کا عظیم ذریعہ ہے۔

اس موقع پر ہم اپنی جانب سے خانقاہ مداریہ کے جملہ مفتیانِ کرام بالخصوص حضرت مولانا مفتی سید منور علی مداری دار النور مکنپور شریف حضرت مولانا مفتی ہاشم علی بدیعی مصباحی مرادآبادی، حضرت مولانا مفتی خوشنود عالم مداری، حضرت مفتی اکبر علی مداری، حضرت مفتی ندیم صاحب مصباحی، حضرت مفتی شاھد مداری و حضرت مفتی آصف خان مداری کی عظیم فقہی و علمی خدمات پر خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔

ساتھ ہی حضرت مولانا سید محمد ظفر مجیب مداری کی بے مثال مساعی جلیلہ اور طباعت کی ذمہ داری قبول کرنے پر دلی مبارکباد، شکریہ و امتنان ادا کرتے ہیں۔ آپ کی یہ مساعی جمیلہ ہمیشہ علمی دنیا میں یاد رکھی جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ "فتاویٰ مداریہ" کو امت کے لیے نافع اور مایہ ناز سرمایہ بنائے، اس کے مؤلفین و مرتبین اور ناشرین کی خدمات کو قبول فرمائے، اخیر میں ہم فتاویٰ مداریہ کو فارمیٹ کرنے والے اور بہترین صورت میں پیش کرنے والے کاتب جناب مولانا احمد رضا مصباحی صاحب کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے۔ کام کو بحسن و خوبی سرانجام دیا اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور خانقاہ مداریہ کو یوں ہی تاقیامت علم و عرفان اور روحانیت کا مرکز بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ و صحبہ أجمعین.



کلماتِ تبشیر برفتاویٰ مداریہ

محقق مداریت حضرت علامہ ومولانا **مفتی محمد قیصر رضا شاہ علوی** حنفی مداری
استاذ جامعہ عزیزیہ اہلسنت ضیاء الاسلام جھبھراؤں شریف ونائب مفتی سنی دارالافتاء جھبھراؤں شریف ضلع سدھارتھ نگر یوپی انڈیا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی فَضَّلَ الْعُلَمَاءَ عَلَى الْعُبَّادِ، وَجَعَلَهُمُ الْوَارِثِيْنَ لِلنَّبِیِّ الْمُصْطَفٰى الْمُؤَيَّدِ بِالْمُعْجِزَاتِ وَالْبَرَاهِيْنِ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ.

قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (النحل:۴۳) "پس اہلِ ذکر سے پوچھ لیا کرو اگر تم نہیں جانتے۔"

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ» (سنن ابی داؤد، رقم: ٣٦٤١) یقیناً علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

علمِ فقہ وہ نور ہے جس سے زندگی کے ہر شعبہ میں شرعی رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآىِٕفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾ (التوبہ:۱۲۲) "ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے تاکہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرے اور واپس آکر اپنی قوم کو خبردار کرے تاکہ وہ بچ جائیں"

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: «مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ» (صحيح البخاری، ٧١؛ صحيح مسلم، ١٠٣٧) "جس کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔"

اسی مقصد کی تکمیل کے لیے فقہاء عظام نے مختلف ادوار میں فتاویٰ کو جمع کیا۔ الحمد للہ اب انہی علمی ذخائر میں سلسلہ عالیہ مداریہ کا یہ گراں قدر علمی سرمایہ فتاویٰ مداریہ بھی شامل وداخل ہو چکا ہے۔

فتاویٰ مداریہ کی پہلی جلد، جو اب آپ کے ہاتھوں کی زینت ہے، تقریباً پانچ سو سے زائد فتاویٰ پر مشتمل

ہے۔ یہ تمام فتاویٰ عوام وخواص کے سوالات کے تسلی بخش جوابات ہیں اور ساتھ ہی ایک علمی خزانہ بھی۔

راقم الحروف محمد قیصر رضا شاہ علوی حنفی مداری نے برسوں پہلے اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے فقیہِ امت حضرت علامہ مفتی محمد اسرافیل حیدری مداری حفظہ اللہ سے گزارش کی تھی کہ فتاویٰ کی ترتیب وتدوین کا کام شروع کیا جائے میں نے بار بار اس آواز کو بلند کیا اسکا اثر یہ ہوا کہ انتخابِ قطب المدار حضرت علامہ سید ظفر مجیب مداری دامت برکاتھم نے اس عظیم کام کا بیڑہ اٹھالیا اور فیصلہ کرلیا کہ اب اس کام کو جاری کردیا جائے جزاہ اللہ خیرا کثیرا!

اس مقصد عظیم کی تکمیل میں حضرت علامہ مفتی محمد ہاشم علی بدیعی مصباحی زید مجدہ کی محنتیں اور اخلاص انتہائی نمایاں ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ مفتیٔ اعظم سلسلہ مداریہ حضرت علامہ مفتی محمد اسرافیل حیدری مداری کا خلوص بھی انمول ہے آپ نے حضرت ظفر مجیب میاں کے عزائم اور ارادے کی پختگی کو دیکھکر اپنے فتاویٰ کے گٹھڑ کے گٹھر لاکر اس عظیم مقصد کی تکمیل لیے انکے سامنے پیش کر دیے۔ مزید برآں ضلع بریلی اور دیگر مقامات کے متعدد جید مفتیانِ کرام نے بھی اپنے محققانہ فتاویٰ فراہم کرکے اس علمی خزانے کو مزید وافر بنایا۔

آج جب کہ یہ علمی گلدستہ آپ کے سامنے ہے تو راقم کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی علامت ہے کہ سلسلہ عالیہ مداریہ میں علماء، فضلاء، حفاظ اور مفتیانِ کرام کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔

اور یہ بھی فضلِ خدا ہے کہ انتخابِ قطب المدار حضرت علامہ سید ظفر مجیب مداری دامت برکاتھم نے یکے بعد دیگرے فتاویٰ مداریہ کی تمام مجلدات کی اشاعت کا عزم کرلیا ہے۔

اس موقع پر ہزاروں تہنیتیں اور دعائیں اس عظیم المرتبت شخصیت کو نذر کرتا ہوں جو اس عظیم مہم کی سرکردگی میں حضرت علامہ سید ظفر مجیب مداری کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں، یعنی لختِ دلِ مدارالعالمین ڈاکٹر سید زمان الرحمٰن ارغونی مداری زید مجدہ۔

خصوصیاتِ فتاویٰ مداریہ

۱. قرآن وحدیث سے استدلال ہر مسئلہ میں آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ کو بنیاد بنایا گیا ہے۔
۲. فقہی اصول وقواعد کی روشنی احکام صرف بیان نہیں کیے گئے بلکہ فقہ حنفی کے اصول وقواعد کی روشنی میں مدلل بیان کیے گئے ہیں۔
۳. ووضاحت جوابات میں عوام کے لیے سہل اور علماء کے لیے تحقیقی نکات موجود ہیں۔

۴. معاصر مسائل کا حل قدیم مسائل کے ساتھ ساتھ عصرِ حاضر کے نئے پیش آمدہ مسائل پر بھی سیر حاصل گفتگو ہے۔
۵. علمی تحقیق و حوالہ جات ردالمحتار، فتاویٰ عالمگیریہ، الاشباہ والنظائر ہدایہ وغیرہ سے معتبر حوالہ جات دیے گئے ہیں۔
۶. تسلسل و ترتیب فتاویٰ کو ابواب و موضوعات کے اعتبار سے مرتب کیا گیا ہے تاکہ قاری کو ہر مسئلہ اپنی جگہ مل جائے۔
۷. روحانیت و خانقاہی رنگ فقہی تحقیقات کے ساتھ ساتھ سلسلہ مداریہ کی روحانی خوشبو بھی اس مجموعہ میں نمایاں ہے۔

مستقبل کے اہداف

۱. فتاویٰ مداریہ کی آئندہ جلدوں کی اشاعت۔
۲. فتاویٰ کو ڈیجیٹل شکل میں محفوظ کر کے عوام الناس تک بآسانی پہنچانا۔
۳. منتخب فتاویٰ کا عربی اور انگریزی ترجمہ تاکہ بین الاقوامی سطح پر بھی سلسلہ مداریہ کی علمی خدمات اجاگر ہوں۔
۴. جدید ادوار میں پیدا ہونے والے مسائل پر مزید تحقیقی فتاویٰ کی تدوین۔

قال الامام ابن عابدین الشامی:

«مَنْ نَشَرَ الْفِقْهَ فِي النَّاسِ كَانَ لَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ بَعْدَ وَفَاتِهِ» (ردالمحتار، ج۱، ص۳۵)

"جو شخص لوگوں میں فقہ کو عام کرے اس کے لیے وفات کے بعد بھی عظیم اجر جاری رہتا ہے۔"

وما توفیقی إلا باللہ

یکے از خدام سلسلہ عالیہ مداریہ

محمد قیصر رضا شاہ علوی حنفی مداری

۹/ ربیع الاول ۱۴۴۷ھ / ۲/ ستمبر ۲۰۲۵ء، بروز منگل

تاثرِ گرامی

خانوادہ ارغونیہ مداریہ اور مرکزی خانقاہ مداریہ پاکستان کے ولی عہد، عالمی خانقاہ مداریہ انٹرنیشنل ناروے کے سجادہ نشین پیر طریقت رہبر شریعت صاحبزادہ حضرت **سید ڈاکٹر زمان الرحمن شاہ ارغونی مداری**

خانقاہِ مداریہ مکنپور شریف برِّ صغیر کی وہ اولین اور قدیم روحانی تربیت گاہ ہے جو صدیوں سے مرجع اہل اللہ رہی ہے۔ یہاں شب وروز اہلِ صفاو تزکیہ، اصلاحِ قلوب کی خدمت میں مصروفِ ہیں۔

یہاں اہل اللہ کی تربیت کے ساتھ ساتھ اہل علم کیلئے ایک باوقار درسگاہ بھی قائم ہے، جہاں صبح وشام قرآن وحدیث کی روشنی میں علم ومعرفت کے جواہر بکھیرے جاتے ہیں۔ ایک سمت اہلِ حق بزرگانِ دین کی محفلِ روحانی سے دلوں کو سکون وطمانیت کی نعمتیں بخشی جاتی ہیں تو دوسری جانب قرآن وحدیث کی تابانی سے عقل وفکر کو منور کیا جاتا ہے۔ یہاں سیکڑوں طالبانِ علومِ نبویہ اپنی علمی تشنگی بجھا رہے ہیں اور فیوض وبرکات علمیہ سے سرشار ہو رہے ہیں۔

اللہ ربّ العزت نے اسوقت خانقاہِ مداریہ کو ایک ایسی متحرک اور فعال جماعت عطا فرمائی جو جذبہ صادق اور جہدِ مسلسل کے ساتھ دینی وروحانی خدمات انجام دے رہی ہے۔ مزید یہ کہ اسی قافلۂ فیض میں خانوادہ قطب المدار کے ایک بے باک، صاحبِ فکر، تاج المداریہ، شمس الفقراء اور علم دوست شخصیت ولی عہد صدر سجادہ نشین صاحبزادہ حضرت علامہ مولانا سید ظفر مجیب شاہ ارغونی مداری مدّ ظلہ العالی ذات گرامی ہے جو تن من دھن کے ساتھ خدمات جلیلہ کے منصب پر جلوہ گر ہیں، جن کی ذات علم وعمل طریقت وتصوف کا حسین امتزاج ہے۔

اسی طرح حضراتِ علما کرام ومفتیانِ عظام کی صورت میں ایسے مقتدا وپیشوا عطا کیے گئے جنہوں نے امت کے نہایت پیچیدہ اور لاینحل مسائل کو قرآن وحدیث کی روشنی میں خوش اسلوبی کے ساتھ حل فرما رہے ہیں، اور گمراہوں کو کوراہِ مستقیم پر گامزن فرما رہے ہیں۔ بے شک جن نفوسِ قدسیہ کو اللہ تعالیٰ علمِ شریعت سے بہرہ مند فرماتا ہے، وہی حکمت وتدبر، فقہی بصیرت اور دینی بصارت کے جامع ہوتے ہیں بعض خوش نصیب ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا اخلاص وللّٰہیت انہیں زندہ وجاوید بنا دیتا ہے، اور وہ دینی خدمت میں تعاون فرما کر ایک نمایاں مقام حاصل کر لیتے ہیں۔ انہی حضرات میں ایک ہیں حضرت بابو شاہ غلام شبیر المعروف (اچھے میاں) صاحب مدظلہ

العالی رتلام: اور ثانیا عزیز اسعد محترم جناب صوفی عمار الاسلام منصوری مداری بھی شامل ہیں، جنہیں اللہ رب العالمین نے خوب عزت ووقار عطا فرمائی ہے۔

ہم اپنے دل کی گہرائیوں سے ان جلیل القدر شخصیات کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں، جن کی مسلسل مساعیِ جمیلہ سے ایک دیرینہ خواب شرمندۂ تعبیر ہورہا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ علیم وخبیر ان تمام محرکین ومحررین کو اپنی بارگاہِ احدیت سے مزید فیضیاب فرمائے، ان کے علم ودانش میں برکت کثیرہ عطا کرے اور انہیں تادیر قائم ودائم رکھے۔

آمین یاربّ العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم۔



مقدمہ

"فقہ کی تعریف، ماخذ، اہمیت ضرورت، ضروریات فتویٰ نویسی اور شرائط مفتی"

ابوالحماد محمد اسرافیل حیدری المداری
خادم الافتاء جامعہ مدار العلوم مدینۃ الاولیاء آستانہ عالیہ زندہ شاہ مدار، دار النور مکن پور شریف کانپور نگر یو۔پی۔انڈیا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اَطِیْعُوا اللّٰہ"

"یعنی اللہ کی اطاعت کرو"، یعنی قرآنی ہدایات پر عمل پیرا ہو جاؤ۔

"وَاَطِیْعُوْ الرَّسُوْلَ"

"اور رسول صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم کی اطاعت کرو"، یعنی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم کی سنتوں کو اپنا کر اپنی حیات کو پابند سنت کر لو۔

یہ اسلام کا اصل الاصول ہے، جس سے سرِ مو انحراف کی گنجائش نہیں۔

وقت میں سکون نہیں، ہر لمحہ حرکت اور ہر لمحہ تبدیلی کا پیغام ہے۔ بعض اصول دائمی ہیں جن میں تغیر و تبدل ممکن نہیں اور بعض فروعی ہیں کہ زمان و مکان کے بدلنے سے بدلتے رہتے ہیں۔ علمِ فقہ اس کا نام ہے کہ اسلامی اصولوں پر کاربند رہتے ہوئے نت نئے پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کیا جائے اور لوگوں کی عملی زندگی میں رہنمائی کی جائے۔ یہ کام وہی اہلِ علم کر سکتے ہیں جنہیں اسلامی آئین و قانون کے اصل مآخذ تک براہِ راست رسائی ہو اور زبان و بیان پر ان کی واقفیت ہو۔ جن میں صلاحیت بھی ہو، صالحیت بھی ہو، جن کے دل میں خوفِ خدا بھی ہو اور آخرت کی جوابدہی کا احساس بھی ہو اور انسانیت کی سچی خیر خواہی بھی ہو، پس ایسے ہی خوف رکھنے والے مخلصین فقہاء و علماء امت کی صحیح رہنمائی کر سکتے ہیں۔

فقہ کا لغوی معنی

ذیل میں فقہ کے لغوی معنیٰ اور قرآن مجید اور احادیثِ مبارکہ سے اس کی وضاحت کی جا رہی ہے:

فقہ کی لغوی تعریف کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں "الفقه هو التوصل الى علم غائب بعلم شاهد" فقہ کا لغوی معنی موجود علم سے غائب علم تک پہونچنا۔

علامہ ابن اثیر الجزری کہتے ہیں:

"فقہ اصل میں سمجھ اور فہم ہے۔ کسی شخص کا سمجھنا، معلوم کرنا۔ فقیہ، عالم ہونا۔ عرف میں علمِ فقہ سے مراد علمِ شریعت خصوصاً علم فروع۔" (ابن الاثیر، النهایه، ۳، ص: ٤٦٥)

فقہ کی اصطلاحی تعریف

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فقہ کی لغوی و اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

"فَالْفِقْهُ لُغَةً: الْعِلْمُ بِالشَّيْءِ وَاصْطِلَاحًا: الْعِلْمُ بِالْأَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ الْفَرْعِيَّةِ الْمُكْتَسَبُ مِنْ أَدِلَّتِهَا التَّفْصِيلِيَّةِ" [ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز، رد المحتار على الدر المختار، (الناشر: دار الفكر-بيروت، ١٤١٢ھ) ج ١، ص: ٣٦]

"فقہ کا لغوی معنیٰ کسی چیز کو جاننا اور اصطلاح میں ان احکام شرعیہ فرعیہ کا جاننا جو اپنے تفصیلی دلائل (قرآن و سنت، اجماع اور قیاس) سے اخذ کئے گئے ہوں"۔

علّامہ تفتازانی، امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے اس کی تعریف یوں نقل کرتے ہیں:

"وَالْفِقْهُ مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَا لَهَا وَمَا عَلَيْهَا" (التفتازاني، مسعود بن عمر رحمة الله عليه المتوفى، ٧٩٣ھ، شرح التلويح على التوضيح، (مكتبة صبيح بمصر)، ج: ١، ص: ١٦)

"نفس کا اپنے نفع اور نقصان کی چیزوں کو جان لینا"۔

فقہ: قرآن کریم کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً ط فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ. " (التوبة، ٩: ١٢٢)

"ترجمہ: ایمان والوں سے یہ تو نہیں ہو سکتا کہ سب کے سب نکلیں (علم دین حاصل کرنے کے لیئے) تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ (علم) حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ان

کی بے عملی اور بد عملی کے بھیانک انجام سے آگاہ کریں، تاکہ وہ تباہی سے بچیں۔

فقہ احادیثِ مقدسہ کی روشنی میں

۱۔ حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

ان العلماء هم الورثة الانبياء، ورثوا العلم، من اخذه اخذ بحظ وافر، ومن سلک طريقاً يطلب علما سهل الله له طريقاً الى الجنة. (بخاری)

"ترجمہ: علماء ہی نبیوں کے وارث ہیں جنہوں نے علم کی وراثت پائی، جس نے یہ وراثت پالی اس نے بڑا حصہ پالیا اور جو حصولِ علم کی راہ پر چلا، اللہ اس کے لیے جنت کی راہ آسان کر دیتا ہے۔"

۲۔ آیہ کریمہ "كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ" کی تفسیر میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ علماء و فقہا بنو۔ (ایضاً)

۳۔ پھر فرمایا:

من يرد اللّٰهُ به خيرا يفقهه فى الدين. وانما انا قاسم واللّٰه يعطى. (متفق عليه)

"ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ، سوجھ بوجھ عطا فرماتا ہے اور میں ہی بس تقسیم کرنے والا ہوں اور دینے والا بس اللہ ہے۔"

۴۔ جب رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلّم نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا عامل بنایا تو فرمایا:

كيف تقضى اذا عرض لک قضاء.

"تمہارے پاس کوئی جھگڑا آئے تو فیصلہ کیسے کرو گے؟"

انہوں نے عرض کی: بكتاب اللّٰه (اللہ کی کتاب سے)۔

فرمایا: فان لم تجد فى كتاب اللّٰه؟ (اللہ کی کتاب میں نہ پاؤ تو؟)

عرض کی: فبسنة رسول اللّٰه صلّى الله عليه وسلم

(تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے۔)

فرمایا: اگر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم کی سنت میں بھی نہ پاؤ تو پھر کیسے فیصلہ کرو گے؟

عرض کی: اجتهد راى ولا آلُو.

بغیر کسی کمی کوتاہی پوری محنت و کوشش سے اپنی رائے سے معلوم کروں گا اور اس پر عمل کروں گا۔

رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلّم نے ان کے سینہ پر ہاتھ مبارک مار کر فرمایا:

الحمدللّٰه الذی وفق رسولَ رسولِ اللّٰه لما یرضی به رسول اللّٰه.

(ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

اللہ کا شکر ہے جس نے رسول اللہ کے بھیجے جانے والے عامل کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم کی پسندیدہ بات کی توفیق بخشی۔

۵۔ ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللّٰه فرض فرائض فلا تضیعوها، وحرم حرمات فلا تنتهکوها، وحد حدودا فلا تعتدوها، وسکت عن اشیاء من غیر نسیان فلا تبحثوعنها. (دار قطنی)

"ترجمہ: بے شک اللہ نے کچھ احکام شرع تم پر فرض کیئے تو انہیں ضائع نہ کرو اور کچھ حرمتیں حرام کیں تو انہیں پامال نہ کرو، اور کچھ حدیں مقرر کیں تو تم ان سے آگے نہ بڑھو اور بعض چیزوں سے بغیر سہو و نسیان کے خاموشی برتی تو تم ان سے بحث و کُرید نہ کرو۔

فقہ کا موضوع و غرض و غایت:

فقہ کا موضوع، مکلّف آدمی کا فعل (فرض، واجب، سنت و مستحب، یا حلال و حرام) جس کے احکام سے اس علم میں بحث ہوتی ہے۔ اس کی غرض و غایت یہ ہے کہ سعادت دارین کی کامیابی یعنی خود بھی احکام الٰہیہ پر عمل پیرا ہو اور دوسروں کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تعلیم دے۔

فقہ اسلامی کی عظمت و فضیلت:

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"اَلْعِلْمُ ثَلَاثَةٌ، وَمَا سِوَى ذَلِكَ فَهُوَ فَضْل: آيَةٌ مُحْكَمَةٌ، أَوْ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ، أَوْ فَرِيضَةٌ عَادِلَةٌ"

[ابوداؤد،سلیمان بن الأشعث،سنن أبي داود،(بیروت:المکتبة العصریة، صیدا) کِتَاب الفرائض، ج،۰۳، ص،۱۱۹، رقم الحدیث:۲۸۸۵]

"ترجمہ: علم کی بنیاد تین چیزیں ہیں، ان کے علاوہ زائد چیزیں ہیں: محکم ایت، صحیح سُنت (جو منسوخ نہ ہو) اور انصاف پر مبنی وراثت کی تقسیم (یعنی یہ تین علوم اصل ہیں اور باقی ان کی فرع اور ان کی طرف راجع ہیں)

اس حدیث پاک کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے امام شافعی رضی اللہ عنہ یوں بیان فرماتے ہیں:

"قران وحدیث اور فقہ دینی کے علاوہ تمام علوم ایک مشغلہ ہیں"۔

سردار بننے سے پہلے عالم فقیہ بنو

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

"تَفَقَّهُوْا قَبْلَ أَنْ تُسَوَّدُوْا"[البخاری، محمدبن اسماعیل، الجامع الصحیح،ای ڈیشن اولی، (دار:طوق النجاۃ ١٤٢٢ھ) کتاب العلم، ج،١، ص:٢٥]

"سردار بننے سے پہلے فقہ (دین کی سمجھ) حاصل کرو"۔

اگر قرآن وحدیث میں کوئی مسئلہ نہ ملے تو کیا کیا جائے گا

حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجھہ الکریم سے روایت بیان کی ہے، فرماتے ہیں کہ:

مَیں نے عرض کی یارسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلم)!

"إِنْ نَزَلَ بِنَا أَمْرٌ لَيْسَ فِيهِ بَيَانٌ: أَمْرٌ وَلَا نَهْيٌ، فَمَا تَأْمُرُنَا؟

"اگر ہمیں ایسے معاملے کا سامنا ہو جس کے متعلق (قران وسنت میں) بیان یعنی امر اور نہی موجود نہ ہو تو آپ (صلّی اللہ علیہ وسلم) ہمیں کیا حکم ارشاد فرمائیں گے؟

اپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"تُشَاوِرُونَ الْفُقَهَاءَ وَالْعَابِدِينَ، وَلَا تُمْضُوا فِيهِ رَأْيَ خَاصَّةٍ" [الطبرانی، سلیمان بن أحمد، المعجم الأوسط، (دار القاهرة، دار الحرمین)، باب: مَنِ اسْمُهُ أَحْمَدُ، رقم الحدیث:١٦١٨، ج:٠٢، ص،١٧٢]

"فقہاء وعابدین سے مشورہ کرنا اور ایک خاص (فرد واحد) کی رائے کو نافذ نہ کرنا"۔

علامہ ابن نجیم مصری نے فقہ کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"علم فقہ، عظمت میں تمام علوم سے بڑھا ہوا ہے اور اجر کے اعتبار سے بھی سب سے عظیم ہے، علم فقہ

اپنے مقام و رتبہ اور فائدہ کے اعتبار سے بھی بہت بلند ہے اور وہ انکھوں کو نور اور جِلا بخشتا ہے، دل کو سکون اور فرحت بخشتا ہے اور اس سے شرحِ صدر حاصل ہوتا ہے"۔

[ابن نجیم،زین الدین ابراھیم بن محمد،المتوفی: ۹۷۰ھ، الاشباہ و النظائر علیٰ مذھب أبي حنیفة النعمان، مقدمہ،ج،۱،ص ۱۳،مطبوعة بیروت: دار الکتب العلمیہ]

علامہ ابن عابدین شامی اس کی عظمت کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں:

تمام علوم میں قدر و منزلت اور مقام و رتبہ کے اعتبار سے سب سے بہتر علم فقہ ہے، اس لیے کہ علم فقہ تمام علوم تک پہنچنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہے، اسی وجہ سے ایک متقی فقیہ ہزار عابدوں پر بھاری ہوتا ہے، علم فقہ کو حاصل کرنا چاہیئے، اس لیے کہ علم فقہ نیکی اور تقویٰ کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور ہر دن علم فقہ سے مستفید ہوتے رہنا چاہیئے، اس کے سمندر میں غوطہ زنی کرنا چاہیے۔[ابن عابدین،محمد امین ابن عمر بن عبدالعز یز، ردالمحتار علی الدرالمختار جلد ۱،ص،۳۹-۴۰. مطبوعہ دار الفکر بیروت]

فقہ اسلامی کا دائرہ کار:

فقہ دراصل انسان کی پوری زندگی کا احاطہ کرتی ہے اس میں عبادات (نماز، روزہ، حج، زکوۃ، قربانی، اعتکاف، نذر وغیرہ)، معاملات (خرید و فروخت، شرکت، رہن و کفالت، ہبہ، عاریت، اجارہ وغیرہ)، عقوبات (شرعی حدود، قتل وجنایت کی سزاء، تعزیر وغیرہ)، عائلی قانون (نکاح وطلاق، فسخ و تفریق، عدت و ثبوت نسب، نفقہ وحضانت، ولایت، میراث، وصیت وغیرہ)، ملکی قوانین (حقوق و فرائض) بین الاقوامی قوانین (دو قوموں کے درمیان تعلقات و معاہدات اور حقوق و فرائض سے متعلق قوانین)

اس موضوع پر سب سے پہلی کتاب امام محمد الشیبانی رضی للہ عنہ کی "کتاب السیر" ہے۔ مستشرقین کو بھی اس حقیقت کا اعتراف ہے۔

اس تفصیل سے فقہ اسلامی کی وسعت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس نے کس عمدگی سے زندگی کے تمام شعبوں کو اپنے اندر سمویا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضور رسالت ماب صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم کے دور مبارک سے لے کر خلافتِ عثمانیہ کے سقوط تک فقہ اسلامی نے ایشیاء، افریقہ اور یورپ کے قابلِ لحاظ حصہ پر فرمانروائی کی ہے، یہ چیز فقہ اسلامی کی جامعیت اور ہمہ گیریت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

علم فقہ کی ضرورت وارتقاء:

اللہ عزوجل نے انسانوں کی رشد وہدایت اور کامل عبودیت کیلئے قانون قرآن وسُنت کی صورت میں نازل فرمایاہے،وقت بدلنے کے باوجود قرآن وسنت ہر لحاظ سے زندگی میں پیش آنے والے ہر مسئلے کا احسن انداز میں پیش فرماتے ہیں لیکن یادرہے قرآن پاک کے اکثر احکام مبارکہ مجمل ہیں مزید یہ کہ ہر آدمی کچھ وجوہات (وسعت علمی نہ ہونے یا عربی زبان پہ عبور نہ ہونے کی وجہ سے اور دیگر وجوہات کی بناپہ) بلاواسطہ قرآن پاک سے استفادہ نہیں کر سکتا اور اسلامی فتوحات کے بعد عربی زبان میں امیزش اور دیگر زبانوں کے اثر ورسوخ کی وجہ سے بنیادی مسائل کو سمجھنے میں دُشواری پیدا کردی، جس کی وجہ سے مسائل کے واضح حل کیلئے فقہ کی تدوین کی ضرورت لازمی طور پر محسوس ہوئی-اس طرح وقت وضرورت کے تقاضے ایک نئے علم کی تدوین کا باعث بنے، جس کو علم الفقہ کے نام سے موسوم کیا گیا۔

یادرہے کہ عہد رسالت ماب صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم ہی میں فقہ وفتاویٰ کی بنیاد رکھی جاچکی تھی۔

حضور سیدنا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم کے دور مبارک میں جہاں امور دینیہ ودنیویہ کو حل کرنے کیلئے انفرادی واجتماعی غور وفکر ہوتا تھاوہیں اجتماعی اور شورائی اجتہاد کی مثالیں بھی ملتی ہیں- چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں اس مقصد کیلئے فقہاء صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک مستقل کمیٹی قائم فرمائی، تابعین کے دور میں بھی مدینہ منورہ میں اس زمانہ کا سب سے بڑا اور لائق اعتبار دار الافتاء تھا، بعد میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ، حضرت امام شافعی، حضرت امام مالک، حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم نے اسی منہج وطریق کو مزید وسعت کے ساتھ اختیار کیا اور ایسی عظیم الشان اور وسیع وجامع فقہ کی بنیاد رکھی۔

ڈاکٹر حمید اللہ، تاریخ علم فقہ میں لکھتے ہیں:

"عہد رسالت کے بعد جب اسلام کی حدود بہت بڑھ گئیں، قیصر وکسریٰ کی حکومتیں اسلام کے زیر نگیں ہوگئیں، یورپ میں اندلس تک افریقہ میں مصر اور شمالی افریقہ تک اور ایشیا میں ایشیائی ترکستان اور سندھ تک اسلام پھیل گیا تو اسلام کو نئے تمدن، نئی تہذیب اور نئی معاشرتوں سے سابقہ پڑا" وسائل اور مسائل کی نئی نئی قسمیں پیدا ہوگئیں تو تابعین کے اخر عہد میں علمائے حق کی ایک جماعت نے کتاب وسنت کو سامنے رکھ کر اس کے مقرر کردہ قوانین وحدود کے مطابق ایک ایسا ضابطہ حیات مرتب کرنا چاہا جو ہر حال میں مفید، ہر طرح مکمل اور ہر جگہ قابل عمل ہو"-

فقہ کی اہمیت قرآن مجید کی روشنی میں:

۱- "وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ط فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ" [سورۃ التوبہ:۱۲۲]

"ترجمہ: اور کل ایمان والوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب (حصولِ علم کو) نکلیں تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس اکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں تا کہ وہ (منہیات سے) بچیں"۔

امام قرطبی اس آیت مبارک کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

"علم طلب کرنا فرض کفایہ ہے، جیسے حقوق حاصل کرنا، حدود قائم کرنا اور جھگڑا کرنے والوں کے درمیان فیصلہ کرنا وغیرہ، جب یہ ممکن ہے کہ تمام لوگ اسے سیکھیں کیونکہ اس سے ان کے احوال اور ان کے سرایا کے احوال فاسد اور ضائع ہو جائیں گے اور ان کے معاملات معاش میں نقصان ہو گا اور وہ باطل ہو جائیں گے پس دونوں حالوں کے درمیان متعین یہ ہوا کہ بغیر کسی تعیین کے بعض اس فریضہ کو ادا کریں"۔

مزید فرماتے ہیں کہ:

"ملائکہ جب کسی طالب علم کو دیکھیں کہ وہ اللہ عزوجل کی رضا چاہنے کیلئے اسے حاصل کر رہا ہے اور اس کے تمام احوال طلب علم کے موافق ہوں تو اس کیلئے اس کے سفر میں پَر بچھا دیتے ہیں اور اسے ان پر اٹھا لیتے ہیں"۔

[القرطبی، محمد ابن احمد، الجامع لأحکام القرآن، زیر آیت ۱۲۲: سورۃ التوبہ]

صحابۂ کرام کس طریقے سے بارگاہِ رسول صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم سے علم حاصل کرتے تھے۔

اس آیت مبارک کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر ارشاد فرماتے ہیں:

"حضرت عبد اللہ ابنِ عباس رضی للہ عنہ سے مروی ہے کہ ہر عرب قبیلہ کے کچھ لوگ اقائے کریم حضور سیّدنا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے اور وہ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم سے دین کے مسائل سیکھتے اور تفقُّہ حاصل کرتے، وہ آپ صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم سے دریافت کرتے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کس چیز کے کرنے کا حکم ارشاد فرماتے ہیں اور جب ہم اپنے قبائل کے پاس جائیں تو انہیں کس چیز کا حکم دیں تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم انہیں اللہ اور رسول صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم کی فرمانبرداری کا حکم دیتے

اور نماز زکوٰۃ وغیرہ کی تعلیم کے لئے انہیں ان کی قوم پر مامور فرماتے۔جب وہ لوگ اپنی قوم میں پہنچتے تو اعلان کر دیتے کہ جو اسلام لائے وہ ہم میں سے ہے اور لوگوں کو اس طرح خدا کا خوف دلاتے یہاں تک کہ ایک مؤمن اپنے کافر والدین کو چھوڑ دیتا، رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم ان لوگوں کو تبلیغ فرماتے اور انہیں ڈراتے"۔

[ابن كثير، إسماعيل بن عمر بن كثير، تفسير القرآن العظيم، (الناشر: دار طيبة للنشر والتوزيع،١٤٢٠ھ) زیر آیت:التوبہ:١٢٢.]

(نوٹ: یہ رسولِ کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ والہ وسلّم کا معجزۂ عظیمہ ہے کہ بالکل بے پڑھے لوگوں کو بہت مختصر ایام میں آپ صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم نے دین کے احکام کا عالِم اور قوم کا ہادی بنا دیا)

اس آیت مبارک کی تفسیر میں صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد ابادی ارشاد فرماتے ہیں:

"اس آیت مبارک سے چند مسائل معلوم ہوئے:

علمِ دین حاصل کرنا فرض ہے۔جو چیزیں بندے پر فرض وواجب ہیں اور جو اس کے لئے ممنوع وحرام ہیں اس کا سیکھنا فرضِ عین ہے اور اس سے زائد علم حاصل کرنا فرضِ کفایہ۔حدیث شریف میں ہے علم سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ علم سیکھنا نفل نماز سے افضل ہے۔

مسئلہ:طلبِ علم کے لئے سفر کا حکم حدیث شریف میں ہے:

"من سلك طر يقا الى علم سهل الله له طر يقا الى الجنة"(جامع ترمذی)

جو شخص طلبِ علم کے لئے کوئی راہ چلے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنّت کی راہ اسان کر دیتا ہے۔

فقہ افضل ترین علوم میں سے ہے۔حدیث شریف میں ہے سیدِ عالَم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ يرِدِ اللّٰهُ بِه خَيْراً يُفَقِّهْهُ فِي الدِّين، وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ، وَاللّٰهُ يُعْطِي، وَلَنْ تَزَالُ هٰذِه الأُمَّةُ قَائِمَةٌ عَلىٰ أَمْرِ اللّٰهِ لا يَضُرُّهم مَنْ خالفَهُم حتّٰى يَأتِيَ أمرُ اللّٰهِ"

{ أخرجه البخاري، رقم (٧١)، العلم، / فتح الباري ١/ ١٦٤}

اللہ تعالیٰ جس کیلئے بہتری چاہتا ہے اس کو دین میں فقیہ بناتا ہے، میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ دینے والا ہے۔اور ہمیشہ میری امت میں ایک جماعت اللہ تعالیٰ کے امر حق پر قائم رہے گی، مخالفین ان کا کچھ نہ بگاڑ پائیں گے، یہاں تک کہ قیامت اجائے گی۔

ایک فقیہ ایک ہزار شیطان پر بھاری ہوتا ہے

حدیث شریف میں ہے:

"فَقِيهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ"

ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے (جامع ترمذی)۔

فقہ احکامِ دین کے علم کو کہتے ہیں

"فقہ مصطلح اس کا صحیح مصداق ہے"۔

[صدر الافاضل: مولانا سید محمد نعیم الدین مرادابادی، خزائن العرفان، زیر آیت ۱۲۲: سورۃ التوبہ]

اس آیت مبارک کی تفسیر میں حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"اس سے معلوم ہوا کہ عموماً جہاد اور مکمل علمِ دین سیکھنا فرض کفایہ ہے۔ اگر ایک بستی میں ایک شخص بھی مکمل عالمِ دین ہو جائے تو سب کا فرض ادا ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ علومِ دینیہ میں علمِ فقہ سب سے افضل ہے اور بقدر ضرورت فقہ سیکھنا فرض عین ہے لہذا روزے، نماز، پاکی، پلیدی کے احکام سیکھنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے کہ یہ عبادات سب پہ فرض ہیں اور تاجر پر تجارت کے مسائل، ملازم پر نوکری کے مسائل سیکھنا فرض ہیں"۔

مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"اس آیت مبارک سے تین مسائل معلوم ہوئے ایک یہ کہ مکمل علمِ دین سیکھنا فرض کفایہ ہے، دوسرے یہ کہ غیر مجتہد یا غیر عالم کو مجتہد یا عالم کی تقلید کرنی چاہیے تیسری یہ کہ دینی چیزوں میں ایک (مستند عالم) کی خبر معتبر ہے"۔ [نور العرفان، زیر آیت ۱۲۲: سورۃ التوبہ]

اسی آیت مبارک کی تفسیر میں علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

"طلبِ علم کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم فرض عین ہے، اس کا سیکھنا ہر مسلمان پہ فرض ہے۔ مثلاً نماز ہر شخص پہ فرض ہے تو نماز کے احکام اور مسائل کا سیکھنا ہر شخص پہ فرض ہے، اسی طرح روزہ بھی ہر مسلمان پر فرض ہے تو اس کے مسائل کا علم حاصل کرنا بھی ہر شخص پر فرض ہے۔ جو شخص مالدار ہو اس پر زکوٰۃ کے مسائل کا سیکھنا فرض ہے اور جو حج کیلئے روانہ ہو اس پر حج کے ارکان، فرائض، واجبات اور موانع کا علم حاصل کرنا فرض ہے اور جو

شخص نکاح کرے اس پر لازم ہے کہ وہ نکاح، طلاق اور حقوق زوجین کے جملہ مسائل کا پہلے علم حاصل کرے"۔

علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے

اس کی فرضیت پہ یہ حدیث مبارک دلالت کرتی ہے:

وعن أنس- رضي الله عنه- قال : قال رسول الله- صلى الله عليه وسلم- (طلب العلم فريضة على كل مسلم، وواضع العلم عند غير أهله كمقلد الخنازير الجوهر واللولؤ والذهب). رواه ابن ماجه، وروى البيهقي في (شعب الإيمان) إلى قوله (مسلم)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی للہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سیدنا رسول کریم صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور نااہل کو علم سکھانا ایسا ہے جیسا کہ خنزیروں کو جوہر، موتی اور سونے کے ہار ڈالے جائیں۔

طلب علم کی دوسری قسم فرض کفایہ ہے یعنی تمام احکام شرعیہ اور مسائل دینیہ کا ان کے دلائل کے ساتھ علم حاصل کرنا، حتی کہ عام شخص کو زندگی میں جو بھی عملی یا اعتقادی مسئلہ درپیش ہو تو وہ عالمِ دین اس مسئلہ کا حل پیش کر سکے۔ اس میں عبادات، معاملات، حدود و تعزیرات، قصاص، حدیث اور تفسیر کا علم شامل ہے"۔

[تبیان القران، زیر آیت ۱۲۲: سورۃ التوبہ]

۲۔ "يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ج وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا" [البقرہ:۲۶۹]

"**ترجمہ:** اللہ حکمت دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ کی طرف سے جسے حکمت ملی تو بلاشبہ اسے بہت بھلائی مل گئی۔

اس آیت مبارک کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے حکمت سے مراد علم فقہ بھی لیا ہے جیسا کہ علامہ نعیم الدین مُرادابادی "مدارک التنزیل" اور "تفسیر خازن" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"حکمت سے یا قرآن و حدیث و فقہ کا علم مراد ہے یا تقویٰ یا نبوّت"۔

[صدر الافاضل، محمد نعیم الدین، مُرادابادی، خزائن العرفان، زیر ایت: البقرہ:۲۶۹]

اس کے علاوہ درج ذیل کئی ایات مبارکہ میں بھی "فقاہت" کا ذکر ہے:

"وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ج وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ" [سورۂ محمد:۱۶]

''ترجمہ: اور ان میں کوئی وہ ہے جو آپ کی طرف کان لگا کر سنتا ہے اور ہم نے ان کے دلوں پر پردہ ڈال دیا ہے کہ اسے وہ نہ سمجھیں''۔

''اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۗ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۗ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا'' [النساء:۷۸]

''ترجمہ: (اے موت کے ڈر سے جہاد سے گریز کرنے والو) تم جہاں کہیں بھی رہو گے موت تمہیں وہیں پکڑ لے گی خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہی کیوں نہ ہو، اور اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچے تو کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کی طرف سے ہے (اس میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور واسطے کا کوئی دخل نہیں) اور اگر انہیں کوئی برائی اور نقصان پہنچے تو کہتے ہیں (اے رسول!) یہ آپ کی وجہ سے ہے۔ اے حبیب! آپ فرمادیں: (حقیقت میں سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ پس اس قوم کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ کوئی بات سمجھنے کے قریب ہی نہیں آتی''۔

اور سورۃ المنافقین میں ان لوگوں کی وضاحت کر دی ہے:

''ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ'' [المنافقون :۲۳]

''یہ اس لئے کہ وہ زبان سے ایمان لائے پھر دل سے کافر ہوئے تو ان کے دلوں پر اللہ کی طرف سے مُہر کر دی گئی ہے تو اب وہ کچھ نہیں سمجھتے ہیں''۔

فقہ حنفی کی مقبولیت/فقہ کی تدوین کب ہوئی:

فقہ کی باضابطہ تدوین کا شرف سب سے پہلے جس شخصیت کو حاصل ہوا، وہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ذات بابرکات ہے آپ تابعی ہیں حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ، اور ابو طفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ سمیت تقریباً ۲۰ اکابر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے آپ کی ملاقات ثابت ہے، اس حقیقت کا اعتراف بھی کیا گیا ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلے فقہ کی باضابطہ تدوین فرمائی، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی، علامہ ابن حجر مکی کا قول مبارک نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وَ سِرَاجُ الْأُمَّةِ أَبُو حَنِيفَةَ النُّعْمَانُ، فَإِنَّهُ أَوَّلُ مَنْ دَوَّنَ الْفِقْهَ وَرَتَّبَهُ أَبْوَابًا وَكُتُبًا عَلَى

نَحْوِ مَا عَلَيْهِ الْيَوْمَ، وَتَبِعَهُ مَالِكٌ فِي مُوَطَّئِهِ"

"ترجمہ: حضرت امام الائمۃ، سراج الائمۃ ابو حنیفۃ نعمان ابن ثابت رضی اللہ عنہ، بے شک آپ وہ پہلے شخص ہیں؛ جنہوں نے علم فقہ کو مدون کیا اور کتاب اور ابواب پر اس کو مرتب فرمایا، جیسا کہ آج موجود ہے اور امام مالک رضی للہ عنہ نے اپنی مؤطا میں آپ رضی للہ عنہ کی اتباع کی ہے"۔

بعد کے لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ کے عیال ہیں

اسی لیئے امام شافعی رضی للہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

"وَالنَّاسُ فِي الْفِقْهِ عِيَالٌ عَلَى أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَ مَنْ أَرَادَ أَنْ يَتَبَحَّرَ فِي الْفِقْهِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى كُتُبِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ"

[ابن نجيم،زين الدين بن إبراهيم بن محمد (المتوفى: ٩٧٠ هـ)والأَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُ عَلَى مَذْهَبِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ النُّعْمَانِ (بيروت: دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى، ١٤١٩ هـ)- مقدمه،ج:١٠١،ص:١٣]

"اور لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ رضی للہ عنہ کے محتاج ہیں اور جو فقہ میں مہارت کا ارادہ رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ وہ امام ابو حنیفہ رضی للہ عنہ کی کتب میں غور و فکر کرے"۔

اس مجلس تدوین میں جو مسائل مرتب ہوئے اور جو زیرِ بحث آئے ان کی تعداد کیا تھی؟ اس سلسلہ میں مختلف بیانات ملتے ہیں، مسانید امام ابو حنیفہ رضی للہ عنہ کے جامع علامہ خوارزمی نے ۸۳/ ہزار تک کی تعداد لکھی ہے۔ بعض حضرات نے ۶/ لاکھ اور بعض نے ۱۲/ لاکھ سے بھی زیادہ بتائی ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے شاگردانِ مشاہیر کی تعداد

اور اس مجلس میں اپنے عہد کے ۴۰/ ممتاز علماء شامل تھے؛ جن میں چند مشاہیر کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

"حضرت امام ابو یوسف رضی للہ عنہ (متوفی:۱۸۲ھ) حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رضی للہ تعالیٰ عنہ (متوفی:۱۸۹ھ)، حضرت امام حسن بن زیاد رضی للہ تعالیٰ عنہ (متوفی:۲۰۴ھ) حضرت امام داؤد طائی رضی للہ تعالیٰ عنہ (متوفی:۱۶۰ھ)، حضرت عمرو بن میمون رضی للہ تعالیٰ عنہ (متوفی:۱۷۱ھ)، حضرت حماد بن ابی حنیفہ رضی للہ تعالیٰ عنہما (متوفی:۱۷۶ھ) حضرت امام عبد اللہ بن مبارک رضی للہ تعالیٰ عنہ (متوفی:۱۸۱ھ)، حضرت نوح بن دراج رضی للہ تعالیٰ عنہ (متوفی:۱۸۲ھ) حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ، (متوفی:۱۵۷ھ) حضرت امام وکیع بن جراح رضی للہ تعالیٰ عنہ (متوفی:۱۹۷ھ)"۔

خلاصۂ کلام:

قران مجید میں کم و بیش چھ ہزار ایات بینات ہیں، ان میں تقریبا ۵۰۰ کے قریب ایات مبارکہ فقہی احکام کے متعلق ہیں جو قرآن پاک کا تقریبا ۸۶ء۷ فیصد بنتا ہے۔

قرآن حکیم کے تقریباً ۹۲٪ آیات مختلف علوم وفنون پر مشتمل ہیں

قرآن مجید (۱۴ء۹۲ فیصد) مختلف علوم (جیسے تصوف، احسان، سائنس، ریاضی، عمرانیات، سیاسیات ارضیات و فلکیات معدنیات، حیوانات، نباتات علم البحر، علم البر و قصص و امثال وغیرہ) پر مشتمل ہے جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "احیاء علوم الدین" کے باب "الباب الرابع فی فہم القران و تفسیرہ بالرای من غیر نقل" میں ایک قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "قران ۷۰۲۰۰ر علوم پر حاوی ہے"۔

یہاں اس بات کی وضاحت نہایت ضروری ہے کہ بعض لوگوں نے اذہان میں یہ غلط فہمی پیدا کر دی ہے یہ علوم بعد میں مدون ہوئے اس لیے ان کو ماننے کی کیا ضرورت؟ حالانکہ علوم اس بات پہ نظر انداز کر دیے جائیں کہ ان کی تدوین بعد میں ہوئی تو کیا قرآن پاک پہ اعراب بعد میں نہیں لگائے گئے؟ قران پاک کے اردو تراجم کب شروع کیئے گئے؟

عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں علوم کی الگ الگ درجہ بندی نہیں تھی

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے عہد مبارک میں علوم کی الگ الگ درجہ بندی نہیں ہوئی تھی بلکہ تمام علوم (فقہ، تصوف، معاشیات، عمرانیات وغیرہ) کے چشمے حضور رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم کے مقدس تلوؤں سے پھوٹ رہے تھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اپنے اپنے ذوق کے مطابق سیر اب ہو رہے تھے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے دور مبارک میں بھی فقہ کا لفظ ہر قسم کے دینی احکام کے فہم پر بولا جاتا تھا جس میں ایمان و عقائد، عبادات و اخلاق، معاملات اور حدود و فرائض سب شامل تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے منقول فقہ کی تعریف "جس سے انسان اپنے نفع و نقصان اور حقوق و فرائض کو جان لے وہ فقہ ہے۔ مگر بعد میں جب علیحدہ طور پر ہر فن کی تدوین و تقسیم ہوئی تو "فقہ" عبادات و معاملات اور معاشرت کے ظاہری احکام کے لیے خاص ہو گیا۔ یہ حال باقی علوم وفنون کا ہے۔

جیسے صحابہ کرام کے دور مبارک میں فقہ واصول فقہ کو الگ نام دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی ایسے ہی جب اللہ عزوجل کے حبیب محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم کی نگاہ مبارک کے طفیل جب سب غلاموں کو تزکیہ وتصفیہ کی دولت میسر تھی تو الگ تصوف کے نام سے کسی علم کو متعارف کرانے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ لیکن جب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ صرف ظاہر پہ اکتفا کرنے لگے تو ضروری ہو گیا کہ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب جیسا اہم علم (جو نبوت ورسالت کی بنیادی مقاصد میں سے ہے) کو الگ نام سے موسوم کر کے اس کی بقاء کے لیے کوشش کی جائے، اللہ عزوجل رحم وکرم فرمائے ہماری خانقاہوں خصوصا خانقاہ عالیہ قدسیہ مداریہ زندہ شاہ مدار مکنپور شریف اور تمام سلاسلِ تصوف پر کہ انہوں نے زمانے کی مخالفت اور سازشوں کے باوجود اللہ عزوجل کے حبیب سیدنا رسولِ عربی صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم کی اس سُنت کو آج تک زندہ رکھا ہوا ہے۔

مفتی میں مندرجہ ذیل سب چیزیں ہونی چاہئیں، قرآن، تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ کا عالم ہو، اور تصوف، تقویٰ وصالحیت بھی ہونا ضروری ہے۔

پھر ان شاء اللہ تعالیٰ ایسا شخص حدود پر رہ سکتا ہے، جامع نہ ہونے کی وجہ سے کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہو ہی جاتی ہے محقق اور جامع موقع اور محل کو دیکھتا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ وہ فقیہ بھی ہو مفسر بھی ہو۔

کتاب وسنت، آثار صحابہ، اصول فقہ، قواعد فقہ اور فقہی جزئیات کے ذخیرہ پر گہری نظر رکھتے ہوئے پیش امدہ مسائل کو مذکورہ علوم کی روشنی میں حل کرنے کی جو عالم اہلیت رکھتا ہو اسے مفتی کہتے ہیں۔

عالم دین کسے کہتے ہیں

علوم دینیہ کا جو شخص حامل ہو وہ عالم دین ہے، خواہ ادب عربی کا ماہر ہو یا نہ ہو، چونکہ دینی ادارہ یا دار الافتاء میں افتاء کی اہلیت کے اشخاص پیدا کیئے جاتے ہیں، اس دور میں گھریلو تعلیم میں بظاہر یہ اہلیت ممکن نہیں، اس لئے یہ قید لگائی جاتی ہے۔

محض عربی کے ادیب ہونے کی حیثیت سے فتوی دینے کا حق نہیں، بلکہ مفتی کی اہلیت کا ہونا بھی ضروری ہے۔

فتویٰ دینے کیلئے کیا کیا ضروری ہے

اسی طرح مفتی کی اہلیت کا ہونا کافی نہیں ہے، بلکہ فتوی دینے کے لئے تقویٰ کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔

مفتی کے لئے عملی لحاظ سے قرآن وسنت کا ائینہ دار ہونا چاہیئے مزید یہ کہ امام غزالی رحمہ اللہ نے جو احیاء

العلوم میں منجیات والے اعمال ذکر کیے ہیں ان پر مکمل عمل ہو اور جو مہلکات والے اعمال ذکر کیے ہیں ان سے قولا فعلا اعراض کرتا ہو۔

مفتی کیلئے کیا ضروری ہے؟

علمی لحاظ سے مفتی کے لئے جن باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے وہ درج ذیل ہیں:

مفتی کے لئے ضروری ہے کہ مسائل شرعیہ اور کتب فقہیہ میں اس کا مطالعہ وسیع ہو، اصولِ فقہ اور قواعدِ فقہیہ سے واقف ہو۔

مفتی کیلئے ضروری ہے کہ فقہ حنفی کے حوالاجات نقل کرنے میں مدارج کتب کا علم رکھتا ہو۔ فقہ حنفی کی کتابوں کی بات کریں تو کتب حدیث کی طرح ان کے بھی مدارج ہیں فتاویٰ لکھتے وقت ان کا خیال رکھا جائے گا۔

فقہ حنفی کی کتابوں میں پہلا مرتبہ متون کا ہے۔ متون وہ کتابیں کہلاتی ہیں جو نقل مذہب کے لئے لکھی گئی ہیں۔ ان کتابوں میں کتب اصول سے مسائل ذکر کئے جاتے ہیں۔ کتبِ اصول امام محمد بن حسن شیبانی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه (وفات ۱۸۹ ہجری) کی چھ کتابیں ہیں:

(۱) جامع کبیر۔

(۲) جامع صغیر۔

(۳) مبسوط۔ (اسے "اصل" بھی کہتے ہیں)

(۴) زیادات۔

(۵) سیر کبیر۔

(۶) سیر صغیر۔

ان کتب کو چونکہ فقہ حنفی میں فتویٰ اور اجتہاد کے لئے اصل اور مرجع ہونے کی حیثیت حاصل ہے اس لئے انہیں اصول کہا جاتا ہے۔

(پیش لفظ، فتاویٰ شامی (مترجم)، جلد اول، ص ۲۵)

نیز ان کتابوں کو ظاہر الروایہ بھی کہا جاتا ہے، ظاہر الروایہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کتابوں میں درج مسائل امام محمد رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه سے ثقہ لوگوں نے بیان کیئے ہیں اور جن کا ثبوت تواتر اور شہرت سے ہے۔ (رد

المختار، مطلب رسم المفتی، ۱/ ۱۶۳)

ان کتب اصول اور ظاہر الروایہ کے مسائل کو امام محمد حاکم شہید رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه (ت ۳۳۴ ہجری) نے اپنی کتاب کافی میں جمع فرمادیا ہے۔ (رد المحتار المعروف بفتاویٰ الشامیہ، مطلب رسم المفتی، ۱/ ۱۶۷)

متون کے بعد شروحات اور اس کے بعد فتاویٰ کا مرتبہ ہے۔

کتبِ متون:

کتب متون میں درج ذیل کتب شامل ہیں، جیسے

۱) مختصر الطحاوی،
۲) مختصر الکرخی،
۳) مختصر القدوری،
۴) کنز الدقائق،
۵) وافی،
۶) نقایہ،
۷) اصلاح
۸) المختار،
۹) مجمع البحرین،
۱۰) مواہب الرحمٰن،
۱۱) ملتقیٰ
۱۲) ہدایہ اور اس کے علاوہ دیگر جو نقل مذہب کے لئے لکھی گئی ہیں۔

کتبِ شروح:

کتبِ اصول کی شرحیں جو ائمہ فقہاء نے لکھیں:

۱) مبسوط امام سرخسی،
۲) بدائع ملک العلماء،

۳) تبیین الحقائق،
۴) فتح القدیر،
۵) عنایہ،
۶) بنایہ،
۷) غایۃ البیان،
۸) درایہ،
۹) کفایہ،
۱۰) نہایہ،
۱۱) حلیہ،
۱۲) غنیہ،
۱۳) البحر الرائق،
۱۴) النہر الفائق،
۱۵) درر احکام،
۱۶) دُرالمختار،
۱۷) جامع المضمرات
۱۸) ،الجوہرۃ النیرۃ
۱۹) ،الایضاح
۲۰) ،غنیہ،
۲۱) شرنبلالی،
۲۲) حواشی خیر الدین رملی، ردالمحتار،
۲۳) منحۃ الخالق۔ وغیرہ۔

کتبِ فتاویٰ:

۱) خانیہ،
۲) خلاصہ،
۳) بزازیہ،
۴) خزانۃ المفتین،
۵) جواہر الفتاویٰ،
۶) محیطان (محیط برہانی اور محیط سرخسی)،
۷) ذخیرہ،
۸) واقعاتِ ناطقی،
۹) واقعات صدر شہید،
۱۰) نوازل،
۱۱) مجموع النوازل،
۱۲) ولوالجیہ،
۱۳) ظہیریہ،
۱۴) عمدہ،
۱۵) کبریٰ،
۱۶) صغریٰ،
۱۷) تتمۃ الفتاویٰ،
۱۸) صیرفیہ،
۱۹) فصول عمادی،
۲۰) فصول استروشنی،
۲۱) جامع صغیر،

۲۲) تاتارخانیہ،

۲۳) ہندیہ،

۲۴) فتاوٰی خیریہ،

۲۵) العقود الدریہ، وغیرھا

نوٹ: کتب فتاویٰ میں سب سے پہلے لکھی جانے والی کتاب: امام ابو اللیث سمرقندی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه کی کتاب "نوازل" ہے۔ (رد المحتار، مطلب رسم المفتی، ۱/۱۶۳)

اس کے ساتھ ساتھ قرانی احکاماور احادیث نبویہ علی صاحبہاالصلوٰۃ والسلام میں بھی مفتی کو درک حاصل ہو۔

مفتی کو کتب احادیث اور اقسام کتب احادیث کا علم ضرور ہے تاکہ استدلال پیش کرنے میں استحکام حاصل ہو اور حوالہ دینے میں ٹھوکر نہ کھائے۔

غیر مستند اور بے حوالہ بات کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی اور باحوالہ اور مستند بات اپنی افادیت اور اہمیت رکھتی ہے۔ کسی بات کے مستند ہونے کا تعلق اس سے بھی ہے کہ وہ بات کس کتاب میں موجود ہے اور وہ کتاب کس پایہ کی ہے تاکہ انکار کرنے والے کو موقع نہ ملے پھر کتاب کے نام اور صفحہ نمبر تک رسائی سے اس مقام کا پتہ چلتا ہے۔ اس رسائی دینے کے عمل کو تخریج اور حوالہ دینے سے تعبیر کرتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد طحان اپنی کتاب "اصول التخریج ودراسات الاسانید" کے صفحہ ۱۲/ تا ۱۳/ پر تخریج کی وضاحت کرتے ہوئے اس کے حسب ذیل معانی بیان کرتے ہیں:

۱- اصلی مصادر میں حدیث کے مقام کی دلالت بتانا جس میں اس کو سند کے ساتھ بیان کیا گیا ہو پھر ضرورت کے وقت اس کا مرتبہ بیان کرنا۔

۲- کسی چیز کو باضابطہ انداز سے لکھنا اور اس کا پورا حوالہ دینا اور تخریج کہلاتا ہے۔

۳- کتب فقہ و تفسیر وغیرہ کی احادیث کو جداگانہ مجموعوں میں جمع کرنا۔

۴- حدیث کی کسی کتاب سے خاص قسم کی احادیث مثلاً مرفوع، متصل، مرسل وغیرہ کو الگ الگ کر دیا گیا ہو۔

حوالہ دینے میں غلطیاں اور مشکلات:

حوالہ دینے اور تخریج کرنے میں کبھی جلد بازی، کبھی غور و فکر نہ کرنے، کبھی بات کو نہ سمجھنے اور کبھی کتابت و کمپوزنگ وغیرہ کے سبب غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح کبھی مؤلف سے تسامح یا پھر ناشر کی غفلت کی وجہ سے حوالہ غلط درج ہو جاتا ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں:

بہار شریعت حصہ ۷/ جلد ۲/ صفحہ ۷۶/ پر ہے:

"اگر مہر مؤجل (جس کی میعاد موت یا طلاق تھی) یا مطلق تھا اور طلاق یا موت واقع ہوئی تو اب یہ بھی معجل ہو جائے گا یعنی فی الحال مطالبہ کر سکتی ہے اگرچہ طلاقِ رجعی ہو مگر رجعی میں رجوع کے بعد پھر مؤجل ہو گیا۔"

لیکن محققین علماء نے اس پر کمینٹ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "بہار شریعت کے تمام نسخوں میں یہاں عبارت ایسے ہی مذکور ہے۔ غالباً یہ کتابت کی غلطی ہے کیوں کہ عالمگیری اور رد المحتار فتاویٰ شامیہ میں ہے رجوع کے بعد پھر مؤجل نہیں ہو گا"۔

اسی طرح الملفوظ میں ایک حدیث سے متعلق بریلی شریف کے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان قادری فاضل بریلوی سے پوچھا گیا کہ "علی نظیری" کیا یہ بھی کوئی حدیث ہے؟ آپ نے فرمایا کہ حدیث تو ہو ہی نہیں سکتی ہے بلکہ ایسا کہنا کفر ہے۔

حالانکہ اس حدیث کی روایت متعدد محدثین نے کی ہے چنانچہ روایت ہے:

"ما من نبيٍّ إلا وله نظيرٌ في أُمَّتي؛ فأبو بكرٍ نظيرُ إبراهيمَ، وعمرُ نظيرُ موسى، وعثمانُ نظيرُ هارونَ، وعليٌّ نظيري"

(الراوي : أنس بن مالك | المحدث : الذهبي | المصدر : ميزان الاعتدال، الصفحة أو الرقم : ١/ ١١٩ | التخريج : أخرجه ابن الأعرابي في ((المعجم)) (٥٧٦)، والديلمي في ((الفردوس)) (٦١٢٤)، وابن عساكر في ((تاريخ دمشق)) (٦٦/ ١٩٠) مطولاً.)

اسی طرح ایک جگہ اور پوچھا گیا حضور! یہ بھی کوئی حدیث ہے "الأمير مامون او مختال" آپ نے صاف انکار لکھ دیا کہ یہ حدیث ہی نہیں ہے۔

محشی نے الملفوظ کے حاشیہ میں لکھا ہے "هٰذا سهو الحديث موجود فی المشكوٰة و ابی داؤد"۔

کبھی کسی کتاب کا حوالہ مؤلف کی کتاب سے پہلے والی کتابوں میں نہیں ملتا تو بعد والی کسی کتاب سے حوالہ

نقل کر دیا جاتا ہے۔ حوالہ نقل کرنے والے کی غفلت کہیں یا پھر بھول، جس کتاب سے حوالہ منقول ہوتا ہے وہ بات اسی کتاب کے حوالے سے وہاں منقول ہوتی ہے۔ مثلاً قوت القلوب کی کسی روایت کی تخریج "اتحاف السادۃ المتقین" سے کی جائے اور وہاں اس روایت کے ذکر کے بعد یہ ہو کہ اس روایت کو امام ابو طالب مکی علیہ الرحمہ نے قوت القلوب میں ذکر کیا ہے اور اس کے علاوہ کوئی حوالہ نہ ہو۔ گویا اس صورت میں ہم قوت القلوب کی تخریج قوت القلوب سے ہی کر رہے ہیں اور ایسا کرنا درایت اور اصول تخریج کے خلاف ہے۔ اس طرح کی بہت سی چیزیں حوالوں کی چھان بین کے دوران سامنے آتی ہیں۔

حوالہ دینے میں یہ غلطی بھی ہوتی ہے کہ غیر مستند کتابوں سے حوالہ دے دیا جاتا ہے جیسے، غنیۃ الطالبین المنسوب الی الشیخ محی الدین عبد القادر الجیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ملفوظ مولانا احمد رضا خان قادری فاضل بریلوی، اور سبع سنابل وغیرہ الحاقی کتب حالانکہ محققین کے نزدیک یہ امر بہت قبیح ہے۔

احادیث کریمہ کے حوالے دینے میں مدارج کتب یعنی مصادرِ اُولیٰ:

احادیث کریمہ کے حوالے دیتے ہوئے کتب حدیث کے مدارج کو بھی دیکھا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے یہ حدیث فُلاں حدیث کی کتاب میں ہے۔ حدیث کی کتابوں میں سب سے بڑا مرتبہ صحیح البخاری کا ہے جسے اَصَحُّ الْکُتُبِ بَعْدَ کِتَابِ اللہ (یعنی قرآن پاک کے بعد صحیح ترین کتاب) کہا گیا ہے۔

پھر صحیح المسلم اور اس کے بعد سننِ اربعہ (سنن ترمذی، سنن نسائی، سنن ابو داؤد، سنن ابن ماجہ) کا مرتبہ ہے۔ بعض علما نے "سنن ابن ماجہ" کی جگہ "موطا امام مالک" یا "سنن دارمی" کا رُتبہ بیان کیا ہے۔

(الرسالۃ المستطرفۃ، ص ۸۲)

اصحاب تحقیق نے صحیحین اور سنن اربعہ کے بعد مسانید امام اعظم، موطا و کتاب الآثار امام محمد، کتاب الخراج امام ابو یوسف، کتاب الحج امام عیسیٰ بن ابان، شرح معانی الآثار اور مشکل الآثار امام طحاوی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِمْ کا ذکر کیا ہے۔

صحاح، سنن، مسانید، معاجم، مُصَنَّف، اور موطا کی وضاحت:

صحاح:- صحاح صحیح کی جمع ہے، اس سے مراد حدیث کی وہ کتابیں ہیں جن کے مصنفین نے صحیح احادیث جمع کرنے کا التزام کیا ہے۔ جیسے صحیحین یعنی صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ۔

صحیح:- صحیح وہ حدیث ہے جس کے تمام راوی عادل اور تام الضبط ہوں، اس کی سند ابتدا سے انتہا تک

متصل ہو، نیز وہ حدیث علّتِ خفیہ قادحہ اور شذوذ و نکارت سے بھی محفوظ ہو۔(تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۲۳)

سنن:- سنن سے مراد حدیث کی وہ کتابیں ہیں جن میں ابوابِ فقہ کی ترتیب پر فقط احادیثِ احکام جمع کی گئی ہوں۔

مسانید:- مسانید سے مراد حدیث کی وہ کتابیں ہیں جن میں ہر صحابی کی مرویات الگ الگ جمع کی جائیں۔

معاجم:- معاجم حدیث کی وہ کتابیں جن میں اسمائے شیوخ کی ترتیب سے احادیث لائی جائیں انہیں معاجم کہتے ہیں۔(تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۱۲۸)

مصنف اور موطا:- مصنف اور مؤطا حدیث کی وہ کتابیں جن میں ترتیب ابواب فقہ پر ہو اور احادیثِ مرفوعہ کے ساتھ موقوف و مقطوع احادیث بھی مذکور ہوں۔(جامع الاحادیث، ۱/ ٥٦٧)

کتب صحاح، سنن اور مسانید، جو مصادر ثانیہ کے درجہ میں رکھی گئی ہیں:

کتب صحاح، سنن اور مسانید بہت ساری ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں:

کتب صحاح: احادیث کریمہ کی وہ بعض وہ کتابیں جنہیں کتب صحاح کہا جاتا ہے وہ درجہ ذیل ہیں:

(۱) منتقی الاخبار۔

(۲) صحیح ابن سکن.

(۳) الاحادیث المختارہ

(۴) صحیح ابن حبان۔

(۵) صحیح ابن خزیمہ وغیرہ۔ اوپر صحیح بخاری و صحیح مسلم درجہ اولیٰ میں شمار ہو چکی ہیں۔

کتب سنن: احادیث کریمہ کی وہ کتابیں جو کتب سنن کہی جاتی ہیں وہ درجہ ذیل ہیں:

(۱) سنن الدار قطنی.

(۲) السنن الکبریٰ للنسائی۔

(۳/۴) السنن الکبریٰ والصغریٰ للبیہقی.

(۵) معرفۃ السنن والآثار للبیہقی.

(٦) مسند رویانی.

(۷)الادب المفرد للبخاری.

(۸)المستدرک للحاکم

(۹)سنن سعید بن منصور.

(۱۰)شرح السنہ للبغوی وغیرہ۔

کتب مسانید: کتب مسانید میں درجہ ذیل کتب احادیث کو رکھا گیا ہے

(۱)مسند امام احمد

(۲)مصنف عبد الرزاق.

(۳)مصنف ابن ابی شیبہ.

(۴)مسند الشافعی

(۵)مسند حمیدی

(۶)مسند ربیع.

(۷)مسند عبد اللہ بن مبارک

(۸)مسند ابن شیبہ.

(۹)مسند الطیالسی۔

(۱۰)مسند اسحاق بن راہویہ

(۱۱)مسند بزار.

(۱۲)معاجم ومسند الشامیین للطبرانی.

(۱۳)مسند ابی یعلی.

(۱۴)مسند ابن الجعد.

(۱۵)مسند شہاب.

(۱۶)مسند الحارث۔

(۱۷)مسند ابی عوانہ وغیرہ۔

نوٹ: علمائے تحقیق نے صحاح کے درجہ میں:

۱. منتقی الاخبار،
۲. صحیح ابن سکن،
۳. الاحادیث المختارہ اور
۴. صحیح ابنِ حبان کو بیان کیا ہے۔

اور سنن کے درجہ میں مسند رویانی کو بھی شامل کیا ہے۔

مسانید کے درجہ میں شامل کتب:

امام ابو القاسم طبرانی (المتوفی ۳۶۰ ہجری) رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه کی معاجم:

معجم کبیر

معجم اوسط

معجم صغیر

اور دیگر مصنفات جیسے:

مصنف عبد الرزاق

اور مصنف ابن ابی شیبہ مسانید کے درجے میں ہیں۔

مسانید میں سب سے اعلیٰ درجہ مسند امام احمد کا ہے۔

بعض وہ کتب جن سے حوالے دیئے جاتے ہیں، جو مصادر مصادر ثالثہ کے درجہ میں رکھی جاتی ہیں:

(۱) حلیۃ الاولیاء

(۲) کُتب ابنِ ابی الدنیا

(۳) کتب ابو الشیخ

(۴) محدثین کی کتب زہد وغیرہ کتاب الزھد للامام احمد وغیرہ۔

کتب تخریج: کتب تخریج میں درجہ ذیل کتابوں کو شامل کیا گیا ہے:

(۱) جامع الاصول لابن اثیر جزری

(۲)الترغیب والترہیب للمنذری

(۳)اتحاف الخیرۃ المھرۃ للبوصیری

(۴)کنز العمال للھندی

(۵)مجمع الزوائد للہیثمی

(۶)جمع الجوامع اور جامع الاحادیث وجامع الصغیر للسیوطی وغیرہ

کتب تاریخ واسماء الرجال: کتب تاریخ واسماء الرجال میں درجہ ذیل کتب شمار ہوتی ہیں:

(۱)الکامل لابن عدی

(۲)تاریخ بغداد

(۳)ابن عساکر.

(۴)کتاب الثقات لابن حبان

(۵)معرفۃ الصحابہ لابی نعیم

(۶)معجم الصحابۃ للبغوی وغیرہ

شروحاتِ حدیث:-شروحاتِ حدیث میں درجہ ذیل کتب ماخذ کے درجہ میں ہیں

(۱)شرح صحیح مسلم للنووی

(۲)شرح بخاری للکرمانی

(۳)عمدۃ القاری للعینی

(۴)فتح الباری للعسقلانی

(۵)ارشاد الساریللقسطلانی

(۶)شرح بخاری لابن بطال وغیرہ۔

مفتی کیلئے ضروری ہے کہ کتب تفاسیر پر بھی اس کی خاصی نگاہ ہو۔ تفسیر ابن عباس، تفسیر رازی، تفسیر البیضاوی تفسیر الکشاف، تفسیر المحیط، الجامع لاحکام القران للقرطبی تفسیر ابن الجوزی، تفسیر طبری، تفسیر خازن تفسیر بغوی تفسیر نسفی، تفسیر الجلالین، وغرھا کتب تفاسیر پر خاصہ درک رکھتا ہو نیز استدلال اور روایت ودرایت سے بھی

اسے حصہ ملا ہو کیونکہ بغیر علم شریعت فتویٰ لکھنا اور بیان کرنا سراسر جہالت ہے اس لئے ضروری ہے کہ مفتی کو یہ علم حاصل ہو کہ طبقاتِ مسائل کتنے ہیں اور کون کون سے ہیں نیز طبقات الفقہاء کتنے ہیں اور کون کون سے ہیں۔

مفتی کی تعریف صاحب فتح القدیر کے نزدیک

اول ہم مفتی کی تعریف بیان کرتے ہیں۔

صاحب فتح القدیر شارح ہدایہ فرماتے ہیں:"اصولیین مضبوطی کے ساتھ یہ رائے رکھتے ہیں کہ مفتی کا درجہ صرف مجتہد کو حاصل ہوتا ہے۔ جو شخص خود مجتہد نہیں ہے لیکن اسے مجتہد کے اقوال زبانی یاد ہیں وہ مفتی نہیں ہے اس سے جب مسئلہ دریافت کیا جائے تو اسے بطورِ نقل وحکایت کسی مجتہد کا قول جواب میں بتانا چاہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ زمانہ مصنف فتح القدیر میں جو علماء فتویٰ دیتے ہیں حقیقت میں وہ فتویٰ نہیں ہے بلکہ اصل میں کسی مجتہد مفتی کا قول ہے جو نقل کر دیا گیا ہے تاکہ مُستَفتِی اس پر عمل کرے۔

مفتی مجتہد سے اس کا قول نقل کرنے کے دونوں طریقوں کا خیال رکھے ہیں: اول یہ کہ یا تو وہ قول اس کے پاس کسی صحیح سند سے پہنچا ہو۔

دوم یہ کہ اس نے مجتہد کا وہ قول کسی ایسی مشہور کتاب سے لیا ہو جو دیگر علماء کے ہاتھوں میں رہتی ہو جیسے امام محمد بن الحسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتابیں اور ایسے ہی دوسری کتب فقہیہ جو اپنی روایت واسناد کے اعتبار سے خبر متواتر یا خبر مشہور کے درجہ میں ہیں۔

(ردالمحتار المقدمة، مطلب رسم المفتی، ج ۱، ص ۱۲۶. و "فتح القدیر"، کتاب أدب القاضی، ج ٦، ص ۳٦۰)

کب کس امام کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا؟

مفتی کے لئے اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ علمائے احناف روایات ظاہرہ میں جن مسائل پر متفق ہیں فتویٰ یقیناً انہیں پر ہو گا لیکن اگر روایات ظاہرہ میں ہمارے علماء کا اتفاق نہیں ہے تو واضح یہ ہے کہ فتویٰ علی الاطلاق، امام اعظم علیہ الرحمہ کے قول پر ہو گا لیکن اگر امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس مسئلہ میں کوئی روایت نہ ملے تو پھر فتویٰ امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کے قول پر دیا جائے گا اور اگر ان سے بھی کوئی قول نہ ملے تو پھر فتویٰ امام محمد رضی اللہ عنہ کے قول پر دیا جائے۔

(الدر المختار"، المقدمة، ج ۱، ص ۱٦۲. ۱٦۹)

"سراجیہ" میں ہے: ایک قول یہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جانب اور آپ کے صاحبین دوسری جانب ہوں تو مفتی کو اختیار ہے کہ وہ جس قول کو چاہے اختیار کرے اور اگر مفتی مجتہد نہ ہو تو اول قول اصح ہے۔

("الفتاوى السراجية"، كتاب أدب المفتي والتنبيه على الجواب، ص ١٥٧.)

ان تینوں کے بعد پھر امام زُفر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا اور پھر امام حسن بن زیاد کے قول پر۔ ("الدر المختار"، المقدمة، ج ١، ص ١٦٩)

اور "الحاوی القدسی" میں اس امر کی تصحیح فرمائی ہے کہ اگر ان میں سے کسی کے قول کی تائید میں قوۃ مدرکہ یعنی قوی دلیل موجود ہے تو ایسی صورت میں وہ قول اختیار کیا جائے ورنہ یہی ترتیب قائم رکھی جائے گی۔

(الحاوی القدسی"، كتاب الحيل، فصل إذا اختلف الروايات...إلخ، ص ١٨١) (مجموعة رسائل ابن عابدين"، الرسالة الثانية: شرح "عقود رسم المفتي"، ج ١، ص ٢٦،)

مفتی کو اس بات کا خیال بھی رکھنا ہو گا کہ جو سترہ مسائل یا بیس مسائل میں امام زفر رضی اللہ عنہ کے قول کو ترجیح دی گئی ہے ان مسائل میں فتویٰ امام زفر کے قول پر ہی دے۔

جب کسی مسئلہ میں قیاس اور استحسان ہو تو کیا کیا جائے گا

مفتی کو چاہیئے کہ جب کسی مسئلہ میں قیاس ہو اور استحسان ہو تو معدودے چند مسائل کو چھوڑ کر عمل استحسان پر ہو گا۔

مفتی کے لئے ضروری ہے کہ جب کوئی مسئلہ ظاہر الروایۃ میں مذکور نہ ہو بلکہ کسی دوسری روایت سے ثابت ہو تو اس کا حوالہ دینا چاہیے۔

جب کسی مسئلہ میں فقہاء تین قول بیان کریں تو کس قول کو راجح قرار دیا جائے

مفتی کو اس بات کا بھی خیال رکھنا ہو گا کہ حضرت امام نسفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "مُسْتَصْفٰی" میں بیان فرمایا ہے جب فقہاء کسی مسئلہ میں تین اقوال بیان فرمائیں تو ان میں راجح قول اول ہے یا قول اخر، درمیانی قول راجح نہ ہو گا "شرح المنیہ" میں ہے کہ اگر روایت درایت کے مطابق ہے تو اس سے عدول نہ کیا جائے۔

(الحاوی القدسی كتاب الحيل، فصل إذا اختلف الروايات، ص ١٧١،)

جب فتویٰ ایک قول پر ہو اور تصحیح دوسرے قول کی، تو اولیٰ یہ ہے کہ وہ قول اختیار کیا جائے جو متون کے

موافق ہو۔(الدرالمختار"و"ردالمحتار"، المقدمة، مطلب : إذا تعارض التصحيح،ج ۱،ص ۱۷۱)

کس قول پر کون سا قول مقدم ہوگا؟

اگر ایک قول شروح میں ہے اور اس کے خلاف دوسرا قول فتاویٰ میں تو وہ قول اختیار کیا جائے جو شروح میں ہے کیونکہ فقہائے کرام کی تصریح ہے کہ متون مقدم ہیں شروح پر اور شروح مقدم ہیں فتاویٰ پر، یہ صورت اسی وقت اختیار کی جائے گی جب ان دونوں اقوال میں سے ہر ایک کی تصحیح کی گئی ہو یا دونوں میں سے کسی کی بھی تصحیح منقول نہ ہو لیکن اگر مسئلہ متون میں ہے اور اس کی تصحیح بالتصریح نہیں کی گئی بلکہ اس کے مقابل کی تصحیح بالتصریح کی گئی ہے تو وہ ہی مسئلہ اختیار کیا جائے جس کی تصحیح بالتصریح کی گئی ہے کیونکہ تصحیح بالتصریح، تصریح التزامی پر مقدم ہے اگرچہ متون میں یہ التزام کیا گیا ہے کہ وہ مذہب صحیح ہی بیان کریں گے تاہم یہ تصحیح سے کم تر درجہ ہے اور اگر ایک مسئلہ میں دو قول ہیں اور دونوں کی تصحیح کی گئی ہے تو اگر ان میں سے ایک قولِ امام ہے اور دوسرا قول کسی اور مجتہد کا، تو مفتی کو قولِ امام ہی اختیار کرنا چاہے اس لئے کہ دونوں تصحیح متعارض ہو کر ساقط ہو جائیں گی پھر اصل کی طرف رجوع کیا جائے گا اور اصل یہ ہے کہ قولِ امام مقدم ہے۔

("ردالمحتار"، المقدمة، مطلب : اذا تعارض التصحيح، ج ۱، ص ۱۷۱،)

مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ جس فقیہ کے قول کے مطابق فتویٰ دے رہا ہے اس سے کماحقُّہٗ واقف ہو کہ اس فقیہ کا روایت و درایت میں کیا درجہ اور مقام ہے اور وہ طبقاتِ فقہاء میں سے کس طبقہ سے ہے تاکہ وہ اقوالِ مختلفہ میں سے کسی قول کو علم و بصیرت کی روشنی میں ترجیح دے سکے۔

("ردالمحتار"،المقدمة،مطلب:فی طبقات الفقهاء،ج ۱،ص ۱۸۱.)

طبقات الفقہاء

فقہاء احناف کے سات طبقات ہیں:

ایک مفتی کے لیئے جس طرح طبقات المسائل اور معتبر و مستند کتب فقہیہ اور فتاویٰ کا علم ہونا ضروری ہے اسی طرح اس کے علم میں یہ بات بھی ہونی چاہے کہ طبقات الفقہاء کتنے ہیں اور کس فقیہ کا درجہ کیا ہے تاکہ اسے یہ معلوم ہو سکے کہ کس فقیہ کا قول معتبر اور قابلِ استناد ہے اور کون درجہ اعتبار میں نہیں۔

علمائے ماہرین فقہ و شریعت نے فقہاء کے سات طبقات بیان فرمائے ہیں۔

(۱)طَبَقَةُ الْمُجْتَهِدِيْنَ فِي الشَّرْعِ:

تعریف مجتہد فی الشرع: یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے اجتہاد کرنے کے قواعد بنائے، جیسے ائمہ اربعہ۔

وہ حضرات جو براہ راست ادلۂ اربعہ (قران وسنت، اجماع وقیاس) سے اصول وکلیات اور جزئیات واحکام مستنبط کرتے ہیں، جیسے ائمہ اربعہ اور ان کے درجہ کے مجتہدین، ان کو مجتہدین مطلق بھی کہا جاتا ہے۔

صاحب المرجع السابق نے فرمایا ائمہ اربعہ اور وہ لوگ جو قواعد اصول کی تاسیس میں نیز ادِلہ اربعہ سے احکام فرعیہ کے استنباط میں اصول وفروع میں بغیر کسی اور کی تقلید کے ان ہی ائمہ اربعہ کے مسلک پر ہی رہے۔

(المرجع السابق، ص ۱۱)

(۲)طَبَقَةُ الْمُجْتَهِدِيْنَ فِي الْمَذْهَب:

تعریف مجتہد فی المذہب: یہ وہ حضرات ہیں جو قواعد میں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مقلد ہیں اور مسائل میں خود مجتہد ہیں۔

تو وہ حضرات فقہاء ہیں جو قواعد وکلیات میں تو اپنے استاد اور مجتہد مطلق کے پابند ہوتے ہیں، لیکن جزئیات اور فروعی مسائل میں استاد کی تقلید چھوڑ دیتے ہیں، اس تصریح کے مطابق اس زمرے میں امام ابو یوسف اور امام محمد وغیرہ کو داخل ماننا محل نظر ہے، کیونکہ ان حضرات نے فروع کی طرح اصول میں بھی اجتہادات کئے ہیں اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے اصول سے اختلاف کیا ہے، اسلئے شوافع کے یہاں جو مجتہد منتسب کی تعریف ہے وہ زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے ان حضرات نے یہ تعریف کی ہے کہ جو حضرات رائے اور دلیل رائے، فروع اور استنباط کے اصول میں کسی امام کے مقلد نہ ہوں، البتہ ان کے اجتہاد استنباط کا نہج کسی صاحب مذہب امام کے مطابق ہو۔

(مقدمہ المجموع ص: ٤٤)

اس تعریف کے مطابق ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر کو مجتہد منتسب قرار دیا جاسکتا ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:

امام ابو یوسف، امام محمد اور جملہ تلامذہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم، یہ حضرات اس امر کی قدرت رکھتے تھے کہ ادلہ اربعہ سے اپنے استاد حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مستخرجہ قواعد واصول کے مطابق احکام شرعیہ کا استخراج کر سکیں۔ ("مجموعة رسائل ابن عابدين"، الرسالة الثانية: شرح "عقود رسم المفتي"، ج۱، ص۱۱)

(۳)طَبَقَةُ الْمُجْتَهِدِيْنَ فِي الْمَسَائِل:

تعریف مجتہد فی المسائل: یہ وہ حضرات ہیں جو قواعد اور مسائل فروعیہ دونوں میں مقلد ہیں، مگر وہ مسائل جن کے متعلق ائمہ کی تصریح نہیں ملتی، ان کو قرآن و حدیث وغیرہ دلائل سے نکال سکتے ہیں، جیسے امام طحاوی اور قاضی خان، شمس الائمہ سرخسی وغیرہم۔

مذہب میں کچھ مسائل ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے بارے میں اصحاب مذہب کی کوئی صراحت منقول نہیں ہوتی، توجو حضرات فقہاء مذہب کے قواعد وضوابط کو سامنے رکھ کر غیر منصوص مسائل کے احکام متعین کرتے ہیں انہیں مجتہدین فی المسائل کالقب دیا جاتا ہے، یہ حضرات اصول وفروع کسی چیز میں بھی اپنے امام سے الگ راہ اپنانے کا حق نہیں رکھتے اس طبقہ میں۔

اسی سلسلہ میں صاحبِ المرجع السابق فرماتے ہیں کہ یہ وہ حضرات ہیں جو ایسے مسائل کا استنباط جن کے بارے میں کوئی روایت صاحبِ المذہب سے نہیں ملتی اپنے ائمہ کرام کے مقرر کردہ قواعد و اصول کے مطابق کرتے ہیں جیسے امام احمد بن عمر الخصاف (متوفی: ۲۶۱ھ)، امام طحاوی (متوفی:۳۲۱ھ)، امام ابو الحسن الکرخی (متوفی:۳۴۰ھ)، شمس الائمہ الحلوانی (متوفی: ۴۴۸ھ)، شمس الائمہ السرخسی (متوفی:۴۸۳ھ)، فخر الاسلام بزدوی (متوفی:۴۸۲ھ) اور علامہ فخر الدین قاضی خاں (متوفی:۵۵۲ھ) وغیرہ کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

یہ حضرات نہ اصول میں نہ فروع میں کسی میں بھی اپنے امام کی مخالفت نہیں کرسکتے۔ (المرجع السابق، ص ۱۲)

(٤)طَبَقَةُ اَصْحَابِ التَّخْرِيْجِ مِنَ الْمُقَلِّدِيْنَ:

تعریف اصحاب التخریج: یہ وہ حضرات ہیں جو اجتہاد تو بالکل نہیں کرسکتے ہاں ائمہ میں سے کسی کے مجمل قول کی تفصیل فرماسکتے ہیں، جیسے امام کرخی وغیرہ۔

وہ فقہاء کرام جو اجتہاد کی صلاحیت تو نہیں رکھتے، لیکن اصول وماخذ کو محفوظ رکھنے کی بناء پر اتنی قدرت ضرور رکھتے ہیں کہ ذوو وجہین یا مجمل قول کی تعیین و تفصیل کرسکیں، اور نظائر فقہیہ اور قواعد مذہب پر نظر کرکے اپنی ذمہ داری انجام دینے کے اہل ہوں، انہیں اصحاب تخریج کہا جاتا ہے۔

صاحبِ المرجع السابق فرماتے ہیں کہ امام جصاص رازی (متوفی:۳۷۰ھ) وغیرہ یہ حضرات اجتہاد پر بالکل قادر نہیں لیکن چونکہ یہ جملہ قواعد واصول کا پورا علم اور مسائل و قواعد کے ماخذ سے پوری واقفیت رکھتے تھے اس

لئے ان میں یہ صلاحیت تھی کہ ایسے امور کی تفصیل بیان کر دیں جہاں امام مذہب سے ایسا قول مروی ہو جو مجمل ہے اور اس میں دو صورتیں نکل رہی ہوں یا کوئی ایسا قول جو دو چیزوں کا محتمل ہے اور وہ صاحبِ مذہب سے یا ان کے تلامذۂ مجتہدین میں سے کسی ایک سے مروی ہے اس کی تشریح و تفصیل اصول و قیاس اور امثال و نظائر کی روشنی میں بیان کر دیں صاحبِ ہدایہ نے جہاں کہیں کہا ہے کذا فی تخریج الکرخی کذا فی تخریج الرازی، اس کا یہی مطلب ہے جو ابھی بیان کیا گیا ہے۔ (المرجع السابق، ص ۱۲)

(۵) طَبَقَةُ اَصْحَابِ التَّرْجِيْحِ مِنَ الْمُقَلِّدِيْنَ:

تعریف اصحاب الترجیح: وہ حضرات ہیں جو امام صاحب کی چند روایات میں سے بعض کو ترجیح دے سکتے ہیں۔

شرح: یعنی اگر کسی مسئلہ میں حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے دو قول ہوں، تو ان میں سے کسی ایک قول کو ترجیح دے سکتے ہوں، اسی طرح جہاں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہو تو وہاں بھی کسی ایک کے قول کو ترجیح دے سکتے ہوں۔

دراصل اس طبقہ کے فقہاء کا کام یہ ہے کہ وہ مذہب کی بعض روایات کو دوسری روایات پر اپنے قول "هذا اولی، هذا اصح، هذا اوضح" وغیرہ کلمات کے ذریعہ ترجیح دیتے ہیں، اس طبقہ میں ابو الحسن قدوری (متوفی: ۴۲۸ھ) صاحب ھدایہ، علامہ مرغینانی (متوفی: ۵۹۳ھ) وغیرہ شامل ہیں۔

المرجع السابق میں ہے کہ امام ابو الحسن قدوری متوفی ۴۲۸ھ، صاحب الہدایہ متوفی ۵۹۳ھ وغیرہما۔ ان کا مقام یہ ہے کہ یہ حضرات بعض روایات کو بعض پر تفضیل دینے کی اہلیت رکھتے تھے جیسے وہ کسی روایت کی تفضیل میں فرماتے ہیں "هذا أولٰيبا هذا أصح يا هذا أوضح يا هذا أوفق للقياس وغيرها"۔

(المرجع السابق، ص ۱۲)

(٦) طَبَقَةُ الْمُقَلِّدِيْنَ الْقَادِرِيْنَ عَلَى التَّمْيِيْزِ:

تعریف اصحاب التمیز: یہ وہ حضرات ہیں جو ظاہر مذہب اور روایات نادرہ اسی طرح قول ضعیف اور قوی اور اقویٰ میں فرق کر سکتے ہیں کہ اقوال مردودہ اور روایات ضعیفہ کو ترک کر دیں، اور صحیح روایات اور معتبر قول کو لیں۔

ان حضرات کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ مذہب کی مضبوط و کمزور روایات میں فرق و امتیاز کرتے ہیں اور ظاہر الروایت اور روایات نادرہ کی پہچان رکھتے ہیں، اکثر اصحاب متون اس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں، مثلاً صاحب کنز

علامہ نسفی (متوفی: ۷۱۰ھ)، صاحب در مختار علامہ موصلی (متوفی: ۶۸۳ھ) اور صاحب وقایہ علامہ تاج الشریعہ (متوفی: ۷۴۷ھ) وغیرہ، یہ حضرات اپنی تصنیفات میں مردود اور غیر معتبر اقوال نقل کرنے سے احتراز کرتے ہیں۔

علامہ شامی فرماتے ہیں صاحب کنز، صاحب المختار، صاحب الوقایہ، اور صاحب المجمع اور اصحاب المتون المعتبرۃ۔ ان کا درجہ یہ ہے کہ یہ حضرات اپنی کتابوں میں ضعیف و مردود اقوال بیان نہیں کرتے اور روایات میں قوی، اقویٰ، ضعیف، ظاہر الروایۃ، ظاہر المذہب اور روایت نادرہ میں امتیاز و تمیز کرنے کے اہل ہیں۔

("مجموعة رسائل ابن عابدين"، الرسالة الثانية: شرح "عقود رسم المفتي"، ج۱، ص۱۲)

(۷) طَبَقَةُ الْمُقَلِّدِيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُقْدِرُوْنَ عَلَى مَا ذُكِرَ

تعریف: ساتواں طبقہ ان مقلدین کا ہے جو اپنے مذہب کی کمزور، مضبوط، غلط اور صحیح روایات میں کوئی فرق نہیں کر پاتے۔

جو حضرات گذشتہ طبقات میں سے کسی بھی ذمہ داری کو اٹھانے کی اہلیت نہ رکھتے ہوں، انہیں ساتویں طبقہ میں رکھا جاتا ہے۔

در حقیقت یہ لوگ فقیہ نہیں بلکہ محض ناقل فتاویٰ ہیں، آج کل کے اکثر مفتیان کرام کا تعلق اسی طبقہ سے ہے، اس لئے اس طبقہ کے لوگوں پر پوری احتیاط لازم ہے، جب تک مسئلہ منقح نہ ہو اس وقت تک جواب دینے سے گریز کرنا چاہئے۔

اسی لئے علامہ شامی فرماتے ہیں کہ یہ حضرات کھرے کھوٹے، کمزور و قوی اور دائیں بائیں میں امتیاز کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے بلکہ انہیں جہاں سے بھی جو کچھ مواد مل جاتا ہے اسے جمع کرتے ہیں اور اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے ہیں یہ لوگ ہرگز ہرگز اس قابل نہیں کہ ان کی تقلید کی جائے یا ان سے مسائل میں رجوع کیا جائے۔

{"ردالمحتار"، المقدمة، مطلب: في طبقات الفقهاء، ج۱، ص۱۸۱}

طبقات مسائل

علماء احناف کے نزدیک مسائل تین طبقات پر ہیں:

(۱) مسائل الاصول:

ان کو ظاہر الروایۃ بھی کہتے ہیں۔ یہ وہ مسائل ہیں جو اصحاب المذہب سے مروی ہیں۔ یعنی سیدنا حضرت حسن بن زیاد رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ اور وہ حضرات جنہوں نے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ، سیدنا حضرت امام

ابو یوسف، سیدنا امام محمد رضی اللہ عنہم سے روایت کی، لیکن مشہور واغلب ظاہر الروایہ کے بارے میں یہ ہے کہ ظاہر الروایہ حضرت امام اعظم، امام ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ عنہم کے اقوال ہی کو کہتے ہیں۔
(رسم المفتی، ج ۱، ص ۱٦۳.)

(۲) مسائل نوادر:

یہ وہ مسائل ہیں جن کے راوی تو مذکورہ بالا اصحاب ہی ہیں لیکن یہ مسائل مذکورہ بالا چھ کتابوں میں نہیں ہیں جن کو ظاہر الروایہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے بلکہ یہ مسائل یا تو امام محمد رضی اللہ عنہ کی دوسری کتابوں میں مذکور ہیں جیسے کیسانیات، ھارونیات، جرجانیات اور رقیات۔

ان کتابوں کو غیر ظاہر الروایہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتابیں امام محمد رضی اللہ عنہ سے ایسی روایات صحیحہ ثابتہ اور ظاہرہ سے مروی نہیں ہیں جیسی کہ پہلی چھ کتابیں ہیں یا پھر وہ مسائل ان کتابوں کے علاوہ دوسری کتابوں میں مذکور ہیں جیسے حسن بن زیاد کی "اَلْمُجَرَّد" وغیرہا اور کتب الامالی جو حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ نے املاء کرائی تھیں۔ (المرجع السابق)

(۳) الواقعات:

طبقات مسائل کی یہ تیسری قسم ہے۔ یہ وہ مسائل ہیں جن کو بعد کے مجتہدین نے مرتب و مولف فرمایا (یعنی استنباط کیا) جو کہ امام ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ عنہما کے تلامذہ یا ان کے تلامذہ کے تلامذہ ہیں ان کی بہت بڑی تعداد ہے صاحبین (امام ابو یوسف و امام محمد رضی اللہ عنہما) کے تلامذہ میں عصام بن یوسف، ابن رستم، محمد بن سماعۃ، ابو سلیمان جرجانی، ابو حفص البخاری رحمہم الباری وغیرہم ہیں اور ان کے بعد کا گروہ محمد بن مسلمہ، محمد بن مقاتل، نصیر بن یحییٰ، ابو النصر القاسم بن سلام وغیرہم پر مشتمل ہے کبھی ایسا ہوا ہے کہ ان حضرات نے اپنے قوی دلائل و اسباب کی بناء پر اصحاب مذہب کے خلاف کسی مسئلہ کو ثابت کیا ہے ان کے فتاویٰ میں جو کتاب سب سے پہلے منظر عام پر آئی وہ کتاب النوازل ہے جو فقیہ ابو اللیث سمرقندی کی ہے ان کے بعد دیگر فقہاء نے بہت سے مجموعے مرتب فرمائے جیسے مجموع النوازل، واقعات الناطفی اور واقعات صدر الشہید وغیرہا۔ پھر بعد کے فقہاء نے ان کے مسائل کو مخلوط و غیر متمیز طور پر بیان فرمایا جیسا کہ "فتاویٰ قاضی خان" اور "الخلاصہ" وغیرھما میں ہیں اور بعض فقہاء نے ان کو ترتیب و تمیز کے ساتھ بیان فرمایا جیسے رضی الدین السرخسی کی کتاب "المحیط" انہوں نے اس کی ترتیب میں اولا مسائل الاصول بیان فرمائے پھر نوادر پھر فتاویٰ کو ذکر کیا۔ یہ ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ

مسائل اصول میں الحاکم الشہید کی تصنیف کتاب "الکافی" نقل مذہب میں بڑی معتمد کتاب ہے اس کو قبول عام حاصل ہو ااور بڑے بڑے اکابر علماء، فقہاء نے اس کی شرحیں لکھیں جیسے امام شمس الائمہ السرخسی کی "مبسوط سرخسی" اس کے بارے میں علامہ طرسوسی کا بیان ہے کہ "مبسوط سرخسی" کا مقام یہ ہے کہ اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ اس کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے اور اس کے خلاف پر عمل نہیں کیا جاتا۔ کتب مذہب میں ایک اور کتاب "الْمُنْتَقٰی" بھی ہے یہ بھی انہیں کی ہے لیکن اس کا وہ مقام نہیں، اس میں کچھ نوادر بھی ہیں "المبسوط" جو حضرت امام محمد رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے اس کے متعدد نسخے ہیں ان میں سب سے بہتر وہ نسخہ ہے جو ابو سلیمان جوزجانی سے مروی ہے متاخرین علماء فقہ نے مبسوط کی بہت سی شروح لکھی ہیں۔

("ردالمحتار"، المقدمة، مطلب: رسم المفتی، ج۱، ص۱٦٤. ١٦٦)

مفتی کیلئے راجح و مرجوح اور قوی و ضعیف کا علم رکھنا ضروری ہے

"فتاویٰ خیریہ" کے اخر میں ہے کہ مفتی اور قاضی کے لئے راجح و مرجوح اور قوی و ضعیف اقوال کا علم رکھنا ضروری ہے۔ ان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مسئلہ کا جواب دینے اور قضیہ کا فیصلہ کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لیں۔ بلکہ حقیقت کی جستجو کریں یعنی تَثَبُّت سے کام لیں۔ اور اپنے نفس کی خواہش اور اس کی اتباع پر کسی حلال شے کو حرام اور کسی حرام شے کو حلال نہ بنائیں کہ اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنا سب سے بڑا گناہ ہے ایسا وہی کر سکتا ہے جو عاقبت سے بے خوف ہے اور جاہل و بد بخت ہے۔

(الفتاوی الخیریة"، مسائل شتی، ج۲، ص ۲۳۱)

ناقابل اعتماد کتابوں سے فتویٰ نہیں لکھنا چاہیئے

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ ناقابلِ اعتماد کتابوں سے فتویٰ نہیں لکھنا چاہے۔ خَواہ اس لئے ناقابل اعتماد ہوں کہ ان کی نقل و کتابت میں اغلاط و خامیاں ہیں یا اس لئے ناقابلِ اعتماد ہوں کہ ان کے مصنف مُعْتَمَد عَلَیْہ نہیں یا اس لئے کہ وہ بے حد پیچیدہ اور ان کا فہم دشوار طلب ہو اور ان کی عبارات گنجلک غیر واضح الدَّلالۃ ہوں کیونکہ ایسی کتابوں کے سمجھنے میں کم علم لوگوں کے غلط فہمیوں میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہے اور اس سے فتویٰ دینے میں غلطیوں کا قوی امکان ہے۔ ماضی میں ایسا ہوا ہے اور فتوے غلط ہو گئے ہیں۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے رسالہ "شرح عقود رسم المفتی" میں اس کی کچھ مثالیں بھی بیان فرمائی ہیں۔

("مجموعة رسائل ابن عابدین"، الرسالة الثانیة: شرح "عقود رسم المفتی"، ج، ص۱۳،)

ائمۂ ثلاثہ کے قول سے کب عدول کیا جاسکتا ہے؟

جب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہاور صاحبین رضی اللہ عنہما کسی قول پر متفق ہوں تو پھر بغیر کسی شدید تر ضرورت کے اس سے عدول نہیں کیا جاسکتا لیکن اگر امام صاحب رضی اللہ عنہ ایک طرف اور صاحبین رضی اللہ عنہما دوسری طرف ہوں، اس وقت اگر صاحبین کی رائے بھی الگ الگ ہے تو فتویٰ قولِ امام پر ہو گا لیکن اگر صاحبین ایک رائے پر ہیں اور امام اعظم رضی اللہ عنہ دوسری رائے پر تو عبداللہ بن مبارک کے نزدیک اس صورت میں بھی فتویٰ قولِ امام پر ہو گا۔

دیگر علماء کا قول یہ ہے کہ اس صورت میں مفتی کو اختیار ہے کہ جس کے قول پر چاہے فتویٰ دے صاحبین کے قول پر یا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قول پر۔ اس اختیار کا مطلب یہ ہے کہ وہ یعنی مفتی دلیل میں غور کرے اور جو دلیل قوی ہو اس پر فتویٰ دے۔

فتویٰ نویسی میں اعتبار قوت دلیل پر ہوتا ہے

"الحاوی" میں بھی یہی ہے کہ اعتبار قوت دلیل کا ہے کیونکہ مفتی کی شان یہی ہے وہ قوتِ دلیل پر نظر رکھے۔

("الفتاوی السراجیة"،مسائل شتّٰی،الجزء الثانی،ص۱۵۷. و"الحاوی القدسی"، کتاب الحیل، فصل اذا اختلف الروایات... إلخ، ص۱۸۱)

مفتی کو وقت اور حالات پر بھی گہری نظر رکھنا چاہیئے

مجموعہ رسائل ابن عابدین ۱۳۱ پر ہے مفتی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ صرف ان ہی امور کو سامنے رکھے جو کہ کتب ظاہر الروایہ میں منقول ہیں اور زمانہ اور اہل زمانہ کے حالات کو نگاہ میں نہ رکھے اگر وہ ایسا کریگا تو اس سے بہت سے حقوق ضائع ہو جائیں گے اور اس کا نقصان نفع کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہو گا۔

("مجموعة رسائل ابن عابدین"،الرسالة الثانیة:شرح "عقود رسم المفتی"، ج۱، ص۴۷،۴۶)

کیونکہ یہ بات مشاہدہ میں آئی ہے کہ ایک شخص کبھی اس لئے کوئی حکم شرعی حاصل کرنا چاہتا ہے کہ دوسروں کو نقصان پہنچائے تو اگر مفتی اس کو حالات و زمانے کو ملحوظ رکھے بغیر فتویٰ دے گا تو گویا وہ بھی ایک طرح سے اس گناہ میں شریک ہو گیا کیونکہ مفتی کے اس فتوے کی وجہ سے دوسروں کو یہ نقصان اٹھانا پڑا مثلاً ایک شخص اپنی بہن یا بیٹی کو جو اس کی ماں یا اس کی بیوی کی پرورش میں ہے چاہتا ہے کہ ان کی مدت حضانت ختم ہوتے ہی وہ اپنی اس بہن یا بیٹی کو اپنی ماں یا بیوی سے لے لے اور اس فعل سے اس کا مقصد اپنی ماں یا بیوی کو اذیت پہنچانا یا اس کے

مال پر قبضہ کرنا یا اس کا نکاح کسی دوسرے سے کر دینا ہو تو مفتی کو چاہیئے کہ جب وہ ایسے حالات کا اندازہ کر لے تو جواب میں اس کا لحاظ رکھے اور مستفتی کو بتلادے کہ اضرار جائز نہیں ہے اگر وہ اپنی اس بہن یا بیٹی کو اپنی ماں یا بیوی سے حاصل کریگا تو گنہ گار ہو گا۔

فتاویٰ لکھنا یا دینا کوئی آسان کام نہیں

اداب الافتاء کے ان اصول و قواعد اور احکام سے معلوم ہوا کہ فتویٰ دینا اور حکم شریعت قرآن کریم یا احادیث پاک یا کتب فقہ سے بیان کرنا کوئی سہل کام نہیں کہ جس کو ہر عالم یا عامی و جاہل یا کم علم اور قلیل البصیرت انجام دے سکے قرون اولیٰ میں افتاء کے لئے اجتہاد کی شرط تھی غیر مجتہد، مفتی نہ ہوتا تھا نہ کہلایا جاتا تھا۔

اس دور پر فتن میں علمائے دین کمیاب اور قلیل ہیں

اس دور میں جب کہ علم کا زوال اور علماء کمیاب ہیں، بے علم لوگ چند احادیث کا ترجمہ یاد کر کے احکام شرعیہ بیان کرنے لگتے ہیں اور اللہ عزوجل کا خوف ان کے دل میں نہیں اتا۔ کچھ لوگ محض اپنی عقل کی بنیاد پر کسی امر کے جائز یا ناجائز ہونے کا حکم کر دیتے ہیں۔ قرآن کریم کا ترجمہ پڑھ کر اس کی تفصیل اور اصول و قواعد کا علم حاصل کئے بغیر بڑی بے باکی سے حکم شرعی بیان کر دیتے ہیں ای سے لوگوں کو اللہ واحد قہار جَلَّ جَلَالُہ سے خوف کھانا چاہیئے اور اپنا دین و عاقبت برباد نہیں کرنا چاہیئے۔

آج کل کے کم علموں کے حالات

اج کل کے نو اموز علماء بلا خوف ریا و نفاق خود اپنے قلم سے خود کو مفتی اعظم، شیخ الحدیث، فقیہ العصر اور محدث کبیر وغیرہا اعظم المرتبت الفاظ اپنے نام کے ساتھ لکھتے ہیں یا لکھواتے ہیں اور اگر ان کے نام کے ساتھ یہ ضخیم الفاظ وہ خطابات نہ لکھے جائیں تو اپنی توہین محسوس کرتے ہیں اور اس کا برا مناتے ہیں۔ پوسٹروں میں القاب واداب دیکھ کر شرم آتی ہے، یہ سب کچھ ان کی کم علمی اور کم ظرف کی دلیل ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے اور اپنی اصلاح کرنی چاہیئے اگر وہ صاحبِ علم صحیح ہوتے تو اس آیت کا مصداق ہوتے "اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا" اللہ تعالیٰ کے بندوں میں علماء ہی کو خوفِ الٰہی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھے اور بے علم فتوے جھاڑنے والوں کے شر سے بچائے۔



عقائد کا بیان

اسلام کے ارکان

اسلام کے ارکان کتنے ہیں، چار پانچ، اگر پانچ ہیں تو کیا کلمہ طیبہ پڑھنا بھی نماز روزہ کی طرح بس فرض ہو گا، اگر نہ پڑھا تو کیا بس گنہ گار ہوئے، مزید وضاحت کے ساتھ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

سائل: رفعت حق، مکن پور شریف

الجواب

اسلام کے ارکان پانچ ہیں، البتہ کلمہ شریف پڑھنا بنیادی رکن ہے، اور چاروں ارکان کے لیے قطب کے درجہ میں ہے، بقیہ ارکان فرائض کے درجے میں ہیں، لہذا کلمہ شریف پڑھنا نفس اسلام کے لیے ضروری ہے، اس کے بغیر مسلمان نہیں ہو سکتا، جبکہ دوسرے ارکان کی ادائیگی کمال اسلام کے لیے ضروری ہیں، ان کا ترک کرنے والا مسلمان رہے گا، لیکن گنہ گار اور فاسق شمار ہو گا، اگر یہ ترک انکار کے بطور ہو، تو کافر ہو جائے گا۔

حدیث شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"بني الإسلام على خمس شهادة أن لا إله إلا الله و أن محمدا رسول الله و إقام الصلاة و إيتاء الزكاة و الحج و صيام رمضان" (عام کتب حدیث)

مرقات المفاتیح میں ہے:

"و قطبها الذي تدور عليها الأركان هي الشهادة الناشئةعن صميم القلب الشاهد عليه لفظ الشهادة المشبهة بالعمود الوسط للخيمة و بقية شعبة الإيمان بمنزلة الاوتاد للخباء، قال الحسن رضي الله تعالى عنه فى مجمع شهود جنازة للفرزدق ما أعددت لهذا المقام فقال شهادة أن لا إله إلا الله منذ كذا سنة، فقال الحسن هذه العمود فأين الأطناب، وهو تمثيل شبه الإسلام بخيمة عمودها كلمة التوحيد و الأطناب الأعمال الصالحة"

[مرقاة المفاتيح، ج:١، ص:١٣١، كتاب الإيمان، دار الكتب العلمية بيروت]

الکواکب الدراری میں ہے:

"و أما وجه تقديم كل منها فقد تقدم و هو أن الكلمة أصل ثم قدم الصلاة لأنها

عماد الدين ثم الزكاة لأنها قرينة الصلاة، فإن قلت الإسلام هو الكلمة فقط و لهذا يحكم بإسلامهن تلفظ بها، فلم ذكر الأخوات معها، قلت تعظيما لأخواتها، حكم الإسلام فى الظاهر يثبت بالشهادتين و إنما أضيفت إليهما الصلاة و نحوها لكونها أشهر شعائر الإسلام و أعظمها و بقيامه بها يتم إسلامه، و إنما هذه الأشياء مبنية على الإسلام، لأن الرجل مالم يشهد، لا يخاطب بهذه الأشياء الأربعة"

[الكواكب الدراري، ج:١، ص:٧٩، دار إحياء التراث العربي بيروت] واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبـــــــ

عذابِ قبر سے متعلق قرآنی آیات اور ان کی تفاسیر

اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک عذابِ قبر پر قرآن کریم میں بھی واضح اشارات اور دلائل موجود ہیں، اور مفسرین کرام نے اپنی تفاسیر میں اس کی تصریح کی ہے۔ ذیل میں چند اہم ایات اور مشہور تفاسیر سے تشریح پیش کی جارہی ہے:

- سورۃ غافر (ایت ۴۶) میں ہے:

"اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا ۚ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ"

ترجمہ: "وہ آگ ہے جس پر وہ صبح وشام پیش کیے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہو گی (کہا جائے گا): اِلِ فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو۔"

تفسیر ابن کثیر میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"هذه دليل على عذاب القبر، لأن العرض يكون قبل يوم القيامة."

(تفسير ابن كثير، سورة غافر: ٤٦)

یعنی "یہ آیت قبر کے عذاب پر دلیل ہے کیونکہ صبح وشام آگ پر پیش کیا جانا قیامت سے پہلے ہے۔"

تفسیر قرطبی میں امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"في هذه الآية دليل على إثبات عذاب القبر." (الجامع لأحكام القرآن، سورة غافر)

یعنی "اس آیت میں عذابِ قبر کے اثبات کی دلیل ہے۔"

- سورۃ التوبۃ (ایت ۱۰۱) میں ہے:

"سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ"

(ترجمہ:) "ہم ان کو دوبار عذاب دیں گے پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔"

تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا:

"أما أحد العذابين فالأول عذاب الدنيا والثاني عذاب القبر."

(تفسير ابن كثير، سورة التوبة)

یعنی "ان دونوں عذابوں میں سے ایک دنیا کا عذاب ہے اور دوسرا قبر کا عذاب۔"

تفسیر قرطبی میں ہے امام قرطبی نے بھی اس آیت میں "دونوں عذابوں" کی تفسیر میں "عذاب قبر" کا ذکر

فرمایا ہے۔(الجامع لأحكام القرآن، سورة التوبة)

- سورۃ الانعام (ایت ۹۳) میں ہے:

" وَ لَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓىٕكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ "

ترجمہ: "اور اگر تم دیکھو جب ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھائے ہوں گے (اور کہیں گے): نکالو اپنی جانیں! آج تم ذلت کا عذاب پاؤ گے۔"

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

فرمایا کہ "آج" سے مراد موت کے وقت سے لے کر قیامت تک کے برزخی عذاب کو بھی شامل ہے۔

- سورۃ النحل (آیت ۲۸) میں ہے:

" اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىٕكَةُ ظَالِمِیْۤ اَنْفُسِهِمْ ۪ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰۤى اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ فَادْخُلُوْۤا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِیْنَ "

ترجمہ: "جن کی روحیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں، وہ فوراً اطاعت کا اظہار کرتے ہیں کہ ہم تو کچھ برائی نہیں کرتے تھے۔ (فرشتے کہیں گے) کیوں نہیں! اللہ خوب جانتا ہے جو تم کیا کرتے تھے۔ سو داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں ہمیشہ اس میں رہو گے۔"

امام قرطبی فرماتے ہیں:

اس آیت سے بھی عذابِ قبر کی طرف اشارہ نکلتا ہے کہ روح قبض کے ساتھ ہی عذاب کی ابتدا ہو جاتی ہے۔ (تفسیر قرطبی)

احادیثِ مبارکہ سے دلیل:

- صحیح البخاری میں ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّهُ قَدْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ مِثْلَ - أَوْ قَرِيبًا مِنْ - فِتْنَةِ الدَّجَّالِ».

(صحيح البخاري، كِتَابُ الْجَنَائِزِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ، حديث نمبر ١٣٧٢)

ترجمہ: حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے وحی کے ذریعے بتایا گیا ہے کہ تم قبروں میں ازمایے جاؤ گے، جیسے کہ دجال کی ازمائش ہوتی ہے یا اس کے قریب قریب۔

- صحیح مسلم میں ہے:

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: بَيْنَمَا النَّبِيُّ ﷺ فِي حَائِطٍ لِبَنِي النَّجَّارِ عَلَى بَغْلَةٍ لَهُ وَنَحْنُ مَعَهُ، إِذْ حَادَتْ بِهِ فَكَادَتْ تُلْقِيهِ، وَإِذَا أَقْبُرٌ سِتَّةٌ أَوْ خَمْسَةٌ أَوْ أَرْبَعَةٌ، قَالَ: «مَنْ يَعْرِفُ أَصْحَابَ هَذِهِ الْقُبُورِ؟» قَالَ رَجُلٌ: أَنَا، قَالَ: «فَمَتَى مَاتُوا؟» قَالَ: مَاتُوا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَقَالَ: «إِنَّ هَذِهِ الْأُمَّةَ تُبْتَلَى فِي قُبُورِهَا، فَلَوْلَا أَنْ لَا تَدَافَنُوا لَدَعَوْتُ اللهَ أَنْ يُسْمِعَكُمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِي أَسْمَعُ مِنْهُ».

(صحیح مسلم، كِتَابُ الْجَنَائِزِ، بَابُ عَرْضِ الْقَبْرِ وَفِتْنَتِهِ وَعَذَابِهِ، حدیث نمبر ٢٨٦٨)

ترجمہ: حضرت سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اپنی ایک سواری پر سوار تھے اور ہم بھی ساتھ تھے۔ جانور اچانک بپھر گیا تو قریب تھا کہ اپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو گرادے۔ وہاں چند قبریں تھیں۔ اپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کون ان قبروں والوں کو جانتا ہے؟ ایک ادمی نے کہا: میں جانتا ہوں۔ پوچھا: کب مرے تھے؟ اس نے کہا: جاہلیت میں۔ اپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: یقینا یہ امت اپنی قبروں میں ازمائی جائے گی۔ اگر مجھے اندیشہ نہ ہوتا کہ تم ایک دوسرے کو دفن کرنا چھوڑ دو گے، تو میں دعا کرتا کہ تم وہ عذابِ قبر سن لو جو میں سن رہا ہوں۔

- صحیح الترمذی میں ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا قُبِرَ الْمَيِّتُ - أَوْ قَالَ: أَحَدُكُمْ - أَتَاهُ مَلَكَانِ أَسْوَدَانِ أَزْرَقَانِ، يُقَالُ لِأَحَدِهِمَا الْمُنْكَرُ، وَلِلْآخَرِ النَّكِيرُ، فَيَقُولَانِ: مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ مُحَمَّدٍ ﷺ؟ فَيَقُولُ: مَا كَانَ يَقُولُ: هُوَ عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ...»

(جامع الترمذی، كِتَابُ الْجَنَائِزِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ، حدیث نمبر ١٠٧١)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: جب میت کو دفن کر دیا جاتا ہے (یا فرمایا: تم میں سے کسی کو) تو اس کے پاس دو فرشتے اتے ہیں، جو کالے

نیلے رنگ کے ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام منکر اور دوسرے کا نکیر ہے۔ وہ پوچھتے ہیں: تم اس آدمی محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) کے بارے میں کیا کہتے تھے؟ وہ کہتا ہے: وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

- صحیح البخاری میں ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ يَهُودِيَّةً دَخَلَتْ عَلَيْهَا، فَذَكَرَتِ الْعَذَابَ فِي الْقَبْرِ، فَقَالَتْ لَهَا: «أَعَاذَكِ اللهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ» قَالَتْ عَائِشَةُ: فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، فَقَالَ: «نَعَمْ، عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ». قَالَتْ عَائِشَةُ: فَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ بَعْدُ صَلَّى صَلَاةً إِلَّا تَعَوَّذَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ.

(صحيح البخاري، كِتَابُ الْجَنَائِزِ، بَابُ الْعَذَابِ فِي الْقَبْرِ، حديث نمبر ١٣٧٢)

ترجمہ: حضرت ام المؤمنین سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک یہودن میرے پاس آئی اور قبر کے عذاب کا ذکر کیا، میں نے اس سے کہا: "اللہ تجھے قبر کے عذاب سے بچائے۔" پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے قبر کے عذاب کے متعلق پوچھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: "ہاں! قبر کا عذاب حق ہے۔" حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو کوئی نماز پڑھتے نہ دیکھا مگر آپ اس میں قبر کے عذاب سے پناہ مانگتے تھے۔

- صحیح مسلم میں ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَدْعُو: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَعَذَابِ النَّارِ، وَفِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، وَشَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ».

(صحيح مسلم، كِتَابُ الْمَسَاجِدِ وَمَوَاضِعِ الصَّلَاةِ، بَابُ مَا يُسْتَعَاذُ مِنْهُ فِي الصَّلَاةِ، حديث نمبر ٥٨٦)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم دعا فرمایا کرتے: "اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے، آگ کے عذاب سے، زندگی اور موت کے فتنوں سے اور مسیح دجال کے شر سے۔"

- سنن النسائی میں ہے:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ، وَالْكَسَلِ، وَالْجُبْنِ، وَالْهَرَمِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ

الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ». (سنن النسائی، كِتَابُ السَّحْرِ وَالتَّعَوُّذِ، حدیث نمبر ٥٤٩٨)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے: "اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں عاجزی، سستی، بزدلی، بڑھاپے سے، اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب اور زندگی و موت کے فتنوں سے۔"

- سنن ابی داود میں ہے:

عَنْ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي جِنَازَةِ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ ... ثُمَّ ذَكَرَ أَنَّهُ قَالَ: «إِنَّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ إِذَا كَانَ فِي إِقْبَالٍ مِنَ الْآخِرَةِ ... يَأْتِيهِ مَلَكَانِ، فَيُجْلِسَانِهِ، فَيَقُولَانِ لَهُ: مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُولُ: رَبِّيَ اللهُ ... وَيَقُولَانِ: مَا دِينُكَ؟ فَيَقُولُ: دِينِيَ الْإِسْلَامُ ... فَيُنَادِي مُنَادٍ: أَنْ صَدَقَ عَبْدِي ...»

(سنن أبي داود، كِتَابُ الْجَنَائِزِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي سُؤَالِ الْقَبْرِ، حدیث نمبر ٤٧٥٣)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری صحابی کے جنازے میں نکلے... پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے قبر میں سوال کا ذکر فرمایا کہ:

"جب مومن بندے کا وقت آتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اسے بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے... پوچھتے ہیں: تیرا دین کیا ہے؟ کہتا ہے: میرا دین اسلام ہے... پھر منادی کرنے والا اعلان کرتا ہے: میرے بندے نے سچ کہا۔"

- غرضیکہ قبر کے سوالات اور عذاب کا ذکر کئی احادیثِ صحیحہ میں ہیں۔
- رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے اس عذاب سے پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی ہے۔
- منکر و نکیر حق ہیں، جو مومن و کافر سے سوالات کرتے ہیں۔

- ابن ماجہ شریف میں ہے:

« الْقَبْرُ مَنْزِلَةٌ مِنْ مَنَازِلِ الْآخِرَةِ، فَإِنْ نَجَا مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ أَيْسَرُ مِنْهُ، وَإِنْ لَمْ يَنْجُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ أَشَدُّ مِنْهُ.» (صحيح ابن ماجه: حدیث نمبر ٤٢٦٧)

ترجمہ: "قبر اخرت کے منازل میں سے ایک منزل ہے۔ اگر کوئی اس (ازمائش) سے بچ گیا تو اس کے بعد

کی منزلیں اس سے اسان ہوں گی، اور اگر نہ بچ سکا تو اس کے بعد کی ازمائشیں اس سے بھی زیادہ سخت ہوں گی۔"

اگر قبر میں عذاب نہ ہوتا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اس سے پناہ نہ مانگتے۔

اجماعِ امت:

ائمہ دین، مفسرین اور محدثین اہلسنت کا اس پر اجماع ہے کہ قبر میں عذاب اور راحت دونوں برحق ہیں۔ انکار کرنا اہلِ سنت والجماعت کے متواتر عقیدہ کی مخالفت ہے۔

علامہ طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشہور کتاب «العقيدة الطحاوية» میں بیان کیا:

« وَنُؤْمِنُ بِعَذَابِ الْقَبْرِ لِمَنْ كَانَ لَهُ أَهْلًا. »

ترجمہ: "اور ہم اس شخص کے لیے قبر کے عذاب پر ایمان رکھتے ہیں جو اس کا اہل ہو۔"

علماء اہلسنت کرام کا فیصلہ:

امام ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

« إنكار عذاب القبر كفر إذا أنكر ما علم من الدين بالضرورة. »

(الزواجر عن اقتراف الكبائر)

ترجمہ: "قبر کے عذاب کا انکار کفر ہے اگر وہ اس چیز کا انکار کرے جو دین میں ضروری طور پر معلوم ہو۔"

کتبِ عقائد میں عذابِ قبر کا حکم

اہلِ سنت والجماعت کی تمام مستند کتبِ عقائد میں عذابِ قبر کو عقائدِ ضروریہ میں شمار کیا گیا ہے۔ اس کا انکار کرنا عقیدۂ اہلِ سنت کی مخالفت ہے۔

ذیل میں چند مشہور عقائد کی کتابوں کے حوالہ جات اور ان کا مختصر خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

العقیدۃ الطحاویۃ-للامام ابی جعفر طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ-جو اہلِ سنت والجماعت کی مشہور بنیادی کتاب ہے، اس میں لکھا ہے:

" وَنُؤْمِنُ بِمَلَكِ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِقَبْضِ أَرْوَاحِ الْعَالَمِينَ، ثُمَّ بِعَذَابِ الْقَبْرِ لِمَنْ كَانَ لَهُ أَهْلًا وَسُؤَالِ مُنْكَرٍ وَنَكِيرٍ فِي قَبْرِهِمْ عَنْ رَبِّهِمْ وَدِينِهِمْ وَنَبِيِّهِمْ عَلَى مَا جَاءَتْ بِهِ الْأَخْبَارُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَعَنْ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ"

ترجمہ: "موت کا فرشتہ جو روحیں قبض کرتا ہے، ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور قبر کے عذاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں اس شخص کے لیے جو اس کا اہل ہو، اور قبر میں مُنکر و نکیر کے سوال پر بھی ایمان رکھتے ہیں، جیسے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایات آئی ہیں۔" (شرح العقیدۃ الطحاویۃ)

عقائد النسفی میں امام نجم الدین النسفی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

" وَالْمُؤْمِنُونَ يُفْتَنُونَ فِي قُبُورِهِمْ وَيُسْأَلُونَ وَيُثَبَّتُونَ وَيُنَعَّمُونَ، وَالْكَافِرُونَ وَالْمُنَافِقُونَ يُعَذَّبُونَ فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ". (عقائد النسفی مع شرح)

ترجمہ: "مؤمنین اپنی قبروں میں ازمائے جاتے ہیں، ان سے سوال کیا جاتا ہے، ان کو ثابت قدم رکھا جاتا ہے اور ان کو نعمت دی جاتی ہے۔ جبکہ کافر اور منافق اس میں (قبر میں) قیامت تک عذاب دیے جاتے ہیں۔"

شرح المقاصد میں امام سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے:

" وَاتَّفَقَ أَهْلُ الْحَقِّ عَلَى أَنَّ مَيِّتَ الْكَافِرِ وَالْفَاسِقِ يُعَذَّبَانِ فِي قُبُورِهِمَا وَأَنَّ الْمُطِيعَ يُنَعَّمُ فِيهَا." (شرح المقاصد، جلد ۲)

ترجمہ: "اہلِ حق کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کافر اور فاسق اپنی قبروں میں عذاب دیے جاتے ہیں اور مطیع (فرمانبردار) کو قبر میں نعمت دی جاتی ہے۔"

امام سرخسی المبسوط میں فرماتے ہیں:

«وَيَجِبُ عَلَيْهِمْ الإِيمَانُ بِمَلَكِ المَوْتِ وَمُنْكَرٍ وَنَكِيرٍ وَعَذَابِ القَبْرِ وَنَعِيمِهِ.»
(المبسوط، ج ۱، ص ۱۰۱)

ترجمہ: "مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ مَلَکُ المَوت، منکر و نکیر اور عذابِ قبر و اس کی نعمت پر ایمان رکھیں۔"

امام کاسانی "بدائع الصنائع" میں تحریر فرماتے ہیں:

«وَيَجِبُ الإِيمَانُ بِمَلَكِ المَوْتِ وَمُنْكَرٍ وَنَكِيرٍ، وَعَذَابِ القَبْرِ وَنَعِيمِهِ.»
(بدائع الصنائع، ج ۷، ص ۵)

ترجمہ: امام کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"مَلَکُ المَوت، منکر و نکیر، عذابِ قبر اور اس کی نعمت پر ایمان رکھنا واجب ہے۔"

امام ابنُ ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

«وَمِنْ أُصُولِ أَهْلِ السُّنَّةِ: الإِيمَانُ بِعَذَابِ القَبْرِ وَنَعِيمِهِ، وَسُؤَالِ المَلَكَيْنِ وَهُمَا مُنْكَرٌ وَنَكِيرٌ.» (فتح القدير، ج ١، ص ٧٩)

ترجمہ: ”اہلِ سنت کے اصولوں میں سے یہ ہے کہ عذابِ قبر اور اس کی نعمت اور دو فرشتوں (منکر و نکیر) کے سوال پر ایمان لایا جائے۔“

دُرُّ المُختار مع ردُّ المُحتار میں ہے:

«وَعَذَابُ القَبْرِ حَقٌّ وَنَعِيمُهُ حَقٌّ، وَسُؤَالُ الْمَلَكَيْنِ حَقٌّ بِالدَّلِيلِ القَطْعِيِّ.»

(رد المحتار على الدر المختار، ج ١، ص ١٣٤)

ترجمہ: ”عذابِ قبر برحق ہے، اس کی نعمت بھی برحق ہے اور دونوں فرشتوں کا سوال بھی قطعی دلیل سے ثابت ہے۔“

- جو شخص عذابِ قبر اور سوالاتِ منکر و نکیر کا انکار کرے جبکہ وہ قطعی نصوص کا انکار کرے تو وہ گمراہ و بدعتی ہے۔
- اگر انکار تکذیبِ نصوص تک پہنچے تو فقہاءِ احناف کے نزدیک کفر لازم آتا ہے۔
- اس پر توبہ اور رجوع فرض ہے، ورنہ مرتد کے احکام جاری ہوں گے۔
- امام سرخسی، کاسانی، ابنُ ہمام اور ابنِ عابدین وغیرہم فقہاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے صراحتاً لکھا کہ ایمان بالملکین و عذابِ قبر واجب العقیدہ ہے۔
- اس کے منکر کو گمراہ، بدعتی اور کفر تک پہنچنے والا سمجھا جائے گا۔
- اہلِ سنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے۔
- عذابِ قبر پر ایمان رکھنا اہلِ سنت والجماعت کے اصولی عقائد میں سے ہے۔

لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ قبر کے عذاب، قبر کے سوال، منکر نکیر کے بارے میں دل سے ایمان رکھے۔ هذا ما ظهر لي والعلم عند ربي. وهو تعالىٰ اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

وسیلہ کا مفہوم، اقسام، شرعی احکام اور بعدِ وصال وسیلہ کا حکم

حضور مفتی صاحب قبلہ ہمارے کچھ سوالات ہیں جن کا تشفی بخش جواب چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہیں کہ وسیلہ کیا ہے؟ اس کا مفہوم، اقسام و شرعی احکام اور فوت شدہ معظم ہستیوں سے توسل و استمداد کا شرعی حکم بیان کریں اور عند اللہ ماجور ہوں۔

سائل: سید شہنواز اختر مداری استانہ زندہ شاہ مدار مکنپور شریف۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب۔ اللّٰهم هداية الحق والصواب

صورت مسئولہ میں پہلے وسیلہ کے معانی و مفاہیم اور اقسام و صورتیں ملاحظہ کریں پھر وسیلہ کی شرعی حیثیت کی وضاحت ہو گی۔

وسیلہ کا معنی و مفہوم:

لغوی طور پر وسیلہ سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کے ذریعے کسی ذات تک رسائی یا قرب حاصل کیا جا سکتا ہو۔

لغت عرب کی قدیم اور معروف کتاب "الصحاح" میں ہے:

"الوسيلة : ما يتقرب به إلى الغير."

"وسیلہ اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعے کسی کا قرب حاصل کیا جائے۔"

(الصحاح تاج اللغة و صحاح العربية لأبي نصر إسماعيل بن حماد الجوهري المتوفىٰ ٣٩٣ھ، باب اللام، فصل الواو، مادة وسل : ١٨٤١/ ٥، دار العلم للملايين، بيروت، ١٤٠٧ھ)

مشہور لغوی اور اصولی، علامہ مبارک بن محمد المعروف بہ ابن الاثیر جزری (۵۴۴-۶۰۶ھ) لکھتے ہیں:

"في حديث الأذان : اللهم آت محمدا الوسيلة، هي في الأصل : ما يتوصل به إلى الشيء ويتقرب به، وجمعها : وسائل، يقال : وسل إليه وسيلة وتوسل والمراد به في الحديث القرب من الله تعالىٰ، وقيل : هي الشفاعة يوم القيامة."

"اذان (کا جواب دینے کی فضیلت) والی حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ اے اللہ! حضرت محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کو وسیلہ دے۔ وسیلہ اصل میں وہ چیز ہے جس کے ذریعے کسی چیز تک پہنچا جائے اور اس کا قرب حاصل

کیا جائے۔ اس کی جمع وسائل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے فلاں کی طرف وسیلہ بنایا۔ حدیث نبوی میں وسیلے سے مراد اللہ تعالیٰ کا قرب ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد قیامت کے دن ہونے والی شفاعت ہے۔"

(النهاية في غريب الحديث والأثر، باب الواو مع السين، مادة وسل: ٥٥٥/٥، المكتبة العلمية، بيروت، ١٣٩٩ھ)

مشہور لغوی، علامہ ابو الفضل محمد بن مکرم بن علی، المعروف بہ ابن منظور افریقی (م:۷۱۱ھ) لکھتے ہیں:

"الوسيلة : المنزلة عند الملك، والوسيلة : الدرجة، والوسيلة : القربة."

"وسیلہ سے مراد بادشاہ کے ہاں مقام و مرتبہ ہے۔ اس کا معنی درجہ اور قربت بھی ہوتا ہے۔"

(لسان العرب، حرف اللام، فصل الواو، مادة وسل: ٧٢٤/ ١١، دار صادر، بيروت، ١٤١٤ ھ)

معلوم ہوا کہ وسیلہ اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعے کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کا تقرب اور اس کی خوشنودی حاصل کرتا ہے اور اس سے مراد نیک اعمال ہیں، جیسا کہ:

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ"

(المائدہ۵:۳۵)

"اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو، تاکہ تم کامیاب ہو سکو۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ تلاش کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ آیت کی ترتیب میں حسن بلاغت بھی خوب ہے سب سے پہلے ایمان، پھر اللہ کا تقویٰ، پھر وسیلہ، اور انجام فلاح دنیا و عقبیٰ۔

دعا میں وسیلہ:

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے اس کو قبولیت کے درجے تک پہنچانے کے لیے جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، اسے بھی وسیلہ کہہ دیا جاتا ہے۔ دعا چونکہ عبادت ہے اور ہر عبادت کا طریقہ بھی قرآن و سنت سے ہی معلوم کیا جاتا ہے، لہٰذا دعا میں وسیلے کے بارے میں قرآن و سنت کی تعلیمات کا جائزہ لیا جائے گا۔ دعا میں وسیلے کا جو جو طریقہ کتاب و سنت سے ثابت ہو گا، وہ جائز اور مشروع ہو گا جبکہ دوسرے طریقے ناجائز و غیر مشروع ہوں گے۔ آیئے ملاحظہ فرمائیں:

وسیلے کی اقسام:

جائز وسیلہ:

دعا میں وسیلے کی متعدد قسمیں مشروع وجائز ہیں:

(۱) انسان اللہ تعالیٰ کو اس کے اسمائے حسنیٰ کا وسیلہ پیش کرے، مثلاً: یا اللہ! تجھے تیری رحمت کا واسطہ، ہمارے حال پر رحم فرما۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

"وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا" (الاعراف ۷:۱۸۰)

"اللہ تعالیٰ کے بہت اچھے اچھے نام ہیں، اس سے ان ناموں کے ساتھ دعا کیا کرو۔"

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ ابو عبد اللہ قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ (م:۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

"قوله تعالىٰ: ﴿فَادْعُوهُ بِهَا﴾، أي اطلبو امنه بأسمائه، فيطلب بكل اسم ما يليق به، تقول: يا رحيم ارحمني، يا كريم اكرمني..." (الجامع لأحكام القرآن: ۷/ ۳۲۷)

"اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: ﴿فَادْعُوهُ بِهَا﴾ (تم اسے اسمائے حسنیٰ کے ساتھ پکارو)، یعنی اس سے اس کے ناموں کے وسیلے مانگو۔ ہر نام کے وسیلے اس سے ملتی جلتی چیز مانگی جائے، مثلاً اے رحیم، مجھ پر رحم فرما! اے کریم مجھ پر کرم فرما۔۔۔"

(۲) ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے نیک اعمال کا وسیلہ پیش کیا جائے، جیسا کہ:

○ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی ایک صفت یوں بیان کی ہے:

"اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ" (آل عمران ۳:۱۶)

"وہ لوگ کہتے ہیں: اے ہمارے ربّ! بیشک ہم ایمان لے آئے ہیں، لہٰذا ہمارے گناہ معاف کر دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے۔"

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (م:۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

"﴿الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّنَا آمَنَّا﴾، أي: بك وبكتابك وبرسولك، ﴿فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا﴾، أي بايماننا بك وبماشرعته لنا، فاغفرلنا ذنوبنا وتقصيرنا من أمرنا بفضلك

ورحمتك، ﴿وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾". (تفسير القرآن العظيم : ٢٣/ ٢)

"مومن کہتے ہیں: اے ہمارے ربّ! ہم تجھ پر، تیری کتاب پر اور تیرے رسول پر ایمان لے آئے ہیں۔ تو اپنے ساتھ ایمان رکھنے اور اپنی نازل کردہ شریعت کو تسلیم کرنے کے طفیل اپنے فضل ورحمت سے ہمارے گناہ معاف اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما۔"

○ اسی طرح سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا ایک قول اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

"رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَ اتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ "(آل عمران ٣:٥٣)

"اے ہمارے ربّ! ہم تیری نازل کردہ کتاب پر ایمان لائے اور تیرے رسول کی پیروی کی، لہٰذا ہمارا نام بھی تصدیق کرنے والوں میں شامل فرمادے۔"

○ عقل مند لوگوں کی نشانیاں بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۚ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ " (آل عمران ٣:١٩٣)

"اے ہمارے ربّ! ہم نے ایک منادی کی یہ پکار سنی کہ اپنے ربّ پر ایمان لاؤ، چنانچہ ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے ربّ! (اس ایمان کے طفیل) ہمارے گناہ معاف فرمادے، ہم سے ہماری برائیاں دور کردے اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ موت دے۔"

ان ایات کریمہ سے معلوم ہوا کہ دعا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو اپنے نیک اعمال کا واسطہ دینا مشروع ہے۔ نیک اور عقل مند لوگوں کا یہی وطیرہ رہا ہے۔ مسلمانوں کو یہ جائز وسیلہ استعمال کرنا چاہیئے۔

قصۂ اصحاب غار

صحیح حدیث میں اصحاب غار والا مشہور واقعہ موجود ہے، جنہوں نے مصیبت میں اللہ تعالیٰ کو اپنے اپنے نیک اعمال کا وسیلہ پیش کیا تھا اور ان کی پریشانی رفع ہوگئی تھی۔

(صحيح البخاري: ٨٨٣/ ٢، ح : ٥٩٧٤، صحيح مسلم : ٣٥٣/ ٢، ح: ٢٧٤٣)

(٣) تیسری مشروع صورت یہ ہے کہ کسی زندہ، صالح اور مومن انسان سے دعا کرائی جائے، جیسا کہ سورہ نساء، ۶۴ر میں اس کا ثبوت مذکور ہے۔ اس کی مکمل تفصیل آگے دیکھیئے۔

صحابہ کرام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مصیبت اور پریشانی میں دعا کراتے تھے۔ اس بارے میں بہت ساری احادیث موجود ہیں۔ ایک نابینا شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے حق میں دعا کرائی تھی اور نبی کریم صلّی اللہ علیہ والہ وسلم نے خود اپنی ذات کے وسیلے سے دعا مانگنے کا حکم دیا تھا، رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم کی ذات کے وسیلے سے نابینا صحابی نے دعا مانگی ان کی انکھیں روشن ہو گئیں۔ (سنن الترمذی:۳۵۷۸، وسندہ حسن)

حضرت عباس ابن عبد المطلب کے وسیلے سے دعا

اسی طرح سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے بارش کی دعا کرائی، دعا قبول ہوئی۔ (صحیح البخاری : ۱۳۷/ ۱، ح ۱۰۱۰)

(۴) اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور، کسی نبی علیہ السلام، یا کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا کسی ولی سے اپنے تعلق کا واسطہ دے کر دعا کرنا جمہور اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک جائز ہے، چناچہ قرآن کریم کی آیت سے ثابت ہے کہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہود نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بعثت سے پہلے آپ کے وسیلے سے فتح و نصرت کی دعا کیا کرتے تھے۔ (البقرۃ:۸۹)

نبیِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلم مسلمان فقراء کے توسل سے دعائیں کرتے تھے:

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فقراء و مہاجرین کے توسل سے دعا فرماتے تھے۔ (مشکاۃ : ۲ / ٤٤٧ قدیمی)

(باب ما جاء في الاستفتاح بصعاليك المسلمين) الصعاليك جمع صعلوك . قال في القاموس : والصعلوك كعصفور : الفقير وتصعلك افتقر والمراد من الاستفتاح بهم الاستنصار بهم .

روى الطبراني عن أمية بن عبد الله بن خالد بن أسيد قال : كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يستفتح بصعاليك المسلمين، قال المنذري : رواته رواة الصحيح وهو مرسل، وفي رواية يستنصر بصعاليك المسلمين . قال المناوي في شرح الجامع الصغير : قوله يستنصر بصعاليك المسلمين أي يطلب النصر بدعاء فقرائهم تيمنا بهم ؛ ولأنهم لانكسار خواطرهم دعاؤهم أقرب إجابة.

ورواه في شرح السنة بلفظ : كان يستفتح بصعاليك المهاجرين . قال القاري : أي

بفقرائهم وببركة دعائهم . وفي النهاية : أي يستنصر بهم، ومنه قوله تعالى : إن تستفتحوا فقد جاءكم الفتح قال القاري : ولعل وجه التقييد بالمهاجرين لأنهم فقراء غرباء مظلومون مجتهدون مجاهدون فيرجى تأثير دعائهم، أكثر من عوام المؤمنين وأغنيائهم انتهى .

ترجمہ: یہ باب مسلمان فقیروں کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے فتح ونصرت طلب کرنے کے بارے میں ہے۔ الصعالیک الصُعلُوک کی جمع ہے قاموس میں ہے الصُعلُوک عُصفُور کے وزن پر ھے الفقیر کے معنی میں کہا جاتا ھے تصعلک جب کوئی فقیر ہو جائے اور فقیروں کے توسل سے فتح طلب کرنے کا معنی ہے، ان کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا۔

امام طبرانی نے امیہ ابن عبد اللہ ابن خالد ابن اسید سے روایت ھے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم مسلمان فقیروں کے توسل سے اللہ پاک سے فتح ونصرت طلب کرتے تھے۔ منذری کہتے ہیں اس حدیث کے سارے رُوَاۃ صحیح کے راوی ہیں۔ اور یہ حدیث مرسل ہے اور اس حدیث کی ایک اور روایت ہے جس میں یستفتح کی جگہ یستنصر بصعالیک المسلمین ہے۔ امام مناوی شرح جامع صغیر میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قوله يستفتح بصعاليك المسلمين "یعنی فقراء کی دعاؤں کے توسل سے مدد طلب کرتے تھے تاکہ ان کے توسل سے برکت ہو، اور اس لیے بھی کہ ان کے ٹوٹے ہوئے دلوں کی وجہ سے ان کی دعا قبولیت سے قریب تر ہوتی ہے۔ اور "شَرحُ السُّنَّة" میں اس حدیث کی روایت اس لفظ کے ساتھ ہے : "كَانَ يَستَفْتَحُ بِصَعَالِيكِ الْمُهَاجِرِينَ. "یعنی حضور صلّی اللہ علیہ وسلم فقراءِ مہاجرین کے توسل سے دعا کرتے تھے۔ ملا علی قاری کہتے ہیں: فقراء کے توسل سے حضور اس لیئے دعا کرتے تھے کہ ان کی دعاؤں میں برکت تھی۔ اور النھایہ میں ھے "يستنصر بهم "یعنی "يستفتح" کا معنی ہے نصرت طلب کرنا۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا قول ھے :"إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ. "یعنی اگر تم لوگ ان کے توسل سے نصرت طلب کرو تو بیشک تمہیں فتح مل جائے گی۔ ملا علی قاری کہتے ہیں مہاجرین کی کی قید لگانے کی وجہ یہ ہے کہ وہ فقیر، غریب، مظلوم، مجتہد اور مجاھد لوگ تھے اسلئے ان کی دعاؤں میں تاثیر عوام مومنین اور اغنیاء سے زیادہ زیادہ ہونے کی امید کی جاتی ہے۔

(تحفة الأحوذي، كتاب الجهاد عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ما جاء في الاستفتاح بصعاليك المسلمين)

زندہ بزرگوں کے وسیلہ سے بھی دعا مانگی جاسکتی ہے:

بزرگ اگر حیات ہے تو بھی اس سکے وسیلے سے دعائیں مانگی جاسکتی ہیں، چناں چہ ایک مرتبہ مدینہ میں خشک سالی ہوئی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ (جو اس وقت حیات تھے) کے وسیلے سے دعا فرمائی۔ (نیل الاوطار: ٤ / ٨ طبع مصر)

صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"عن أنس بن مالك أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه كان إذا قحطوا استسقى بالعباس بن عبدالمطلب رضي الله عنه فقال: اللهم إنا كنا نتوسل إليك بنبينا ﷺ فتسقينا، وإنا نتوسل إليك بعمّ نبينا فاسقنا! قال: فيسقون."

(صحيح البخاري، كتاب العيدين، أبواب الاستسقاء، باب سؤال الناس الإمام الاستسقاء إذا قحطوا، (١/ ١٣٧) و كتاب المناقب، ذكر عباس بن عبدالمطلب، (١/ ٥٢٦) ط: قديمي)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ قحط کے زمانے میں حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما کے وسیلے سے دعا فرماتے تھے، چناں چہ یوں کہتے تھے: اے اللہ ہم آپ سے اپنے نبی ﷺ کے وسیلے سے دعا کر کے بارش طلب کرتے تھے، اب آپ ﷺ کے چچا کے وسیلے سے آپ سے بارش کی دعا کرتے ہیں، چناں چہ بارش ہو جاتی۔

دعا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے توسل کا ثبوت احادیث کریمہ سے:

دعاؤں میں توسل کا ثبوت احادیث کریمہ سے ملتا ہے چنانچہ حدیث عثمان ابن حنیف رضی اللہ عنہ میں ہے:

"عن عثمان بن حنيف، أن رجلاً ضرير البصر أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: ادع الله أن يعافيني قال: إن شئت دعوت، وإن شئت صبرت فهو خير لك، قال: فادعه، قال: فأمره أن يتوضأ فيحسن وضوئه ويدعو بهذا الدعاء: اللهم إني أسألك وأتوجه إليك بنبيك محمد نبي الرحمة، إني توجهت بك إلى ربي في حاجتي هذه لتقضي لي، اللهم فشفعه في. قال الترمذي: هذا حديث حسن صحيح غريب. وزاد الحاكم في هذه الواقعة: "فدعا بهذا الدعاء فقام وقد أبصر".

"أخرج الإمام أحمد وغيره بسند صحيح عن عثمان بن حنيف أن رجلاً ضرير البصر أتى النبي صلى الله عليه وسلم، فقال : ادع الله أن يعافيني . فقال صلى الله عليه وسلم : (إن شئت دعوت لك، وإن شئت أخّرتُ ذاك، فهو خير لك. [وفي رواية : (وإن شئتَ صبرتَ فهو خير لك)]، فقال : ادعهُ. فأمره أن يتوضأ، فيحسن وضوءه، فيصلي ركعتين، ويدعو بهذا الدعاء : اللهم إني أسألك، وأتوجه إليك بنبيك محمد نبي الرحمة، يا محمد إني توجهتُ بك إلى ربي في حاجتي هذه، فتقضى لي، اللهم فشفّعه فيَّ وشفّعني فيه) . قال : ففعل الرجل فبرأ".

ترجمہ: حضرت عثمان ابن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ھے کہ ایک نابینا شخص نبی کریم صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم کی بارگاہ میں ایااور عرض کیا: اللہ تعالیٰ سے میری عافیت کی دعا کریں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'اگر تم چاہو تو تمہارے لیئے دعا کردوں، اور اگر تم چاہو تو تم صبر کرو اور صبر کرنا تمہارے لیئے زیادہ بہتر ھے۔ انہوں نے عرض کی کی حضور! میرے لیئے دعا کردیں۔ راوی کہتے ہیں: حضور نے فرمایا جاؤ وضو کرو اور بہت احسن وضو کرو اور اس دعا کے ساتھ دعا کرلو"

"اللهم إني أسألك، وأتوجه إليك بنبيك محمد نبي الرحمة، يا محمد إني توجهتُ بك إلى ربي في حاجتي هذه، فتقضى لي، اللهم فشفّعه فيَّ وشفّعني فيه"

یعنی اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں تیرے نبی محمد نبی الرحمۃ کے طفیل، میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے تیرے دربار میں متوجہ ہوں اپنی اس حاجت کے ساتھ تاکہ مولیٰ تو میری یہ حاجت پوری کردے، یا اللہ تو میرے حق میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی سفارش قبول فرمالے۔ ترمذی کہتے ہیں اس حدیث کی سند حسن، صحیح، غریب ہے امام حاکم کی روایت میں ہے ان صحابی رضی اللہ عنہ نے اسی طرح دعا کی اور جب وہ دعا کر کے کھڑا ہوئے تو ان کی بینائی واپس آگئی۔ اسی طرح امام احمد ابن حنبل کی روایت ھے کہ جب وہ دعا سے فارغ ہوئے تو ان کی بصارت ٹھیک ہوگئی تھی۔

(جامع ترمذی، (٥ / ٥٦٩): رقم الحديث: ٣٥٧٨،بَابٌ، أَبْوَابُ الدَّعَوَاتِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)

نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے وسیلے سے ہر حال میں دعا کرنا جائز ھے آپ کی آمد سے قبل، آمد کے بعد، حیات ظاہر میں، بعد وصال ہر حال میں جائز ہے:

چنانچہ شفاء السقام للسبكي (ص:۳۵۸) میں ہے:

"إن التوسل بالنبي صلي الله عليه وسلم جائز في كل حال قبل خلقه و بعد خلقه في مدة حياته في الدنيا و بعد موته في مدة البرزخ". (شفاء السقام للسبكي ص: 358)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل ہر حال میں جائز ہے، چاہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق سے پہلے ہو یا تخلیق کے بعد، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیاوی زندگی میں ہو یا وصال کے بعد حیات برزخی میں ہو۔

حجة الله البالغة میں ہے:

"و من أدب الدعاء تقديم الثناء إلى الله و التوسل بنبي الله صلّى الله عليه وسلّم ليستجاب". (٢/ ٦)

ترجمہ: دعا کے اداب میں سے یہ ہے کہ پہلے اللہ کی حمد وستائش کی جائے، اور اللہ کے نبی کے وسیلہ سے دعا کی جائے؛ تاکہ قبولیت کا شرف حاصل ہو۔

البتہ کسی ولی کی درگاہ میں جاکر ان کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ جل شانہ سے دعائیں مانگنا اور قبولیت کی امید رکھنا اسلاف کا طریقہ ھے۔ اسلیئے کہ اولیاء اللہ کے مزارات جائے قبولیت اور رحمت وانوار الٰہی کے مسلسل نازل ہونے کی جگہیں ہیں وہاں ان کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنے میں قبولیت کی زیادہ امید ھوتی ہے

یہ معلوم ہوا کہ جو اکابرِ دین مقدس ہستیاں وفات پاگئی ہوں یا بقید حیات ہوں دونوں کے وسیلہ سے دعا مانگنا علمائے جمہور اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک جائز ہے، قرآن کریم واحادیثِ مبارکہ اور کتبِ فقھیہ میں ثبوت وارد ہے تاہم دعا کی قبولیت کے لیے وسیلہ واجب یا ضروری نہیں ھے، توسل کا انکار کیئے بغیر بلاوسیلہ دعا مانگنا بھی جائز ہے، اور توسل والی دعا کی قبولیت کا اللہ کے ذمے لازم سمجھنا درست نہیں ہے۔

قران کریم میں ہے:

" وَ لَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ " [البقرة:۸۹]

تفسیر مظہری میں اس کے تحت ہے:

"وَكانُوا أي اليهود مِنْ قَبْلُ أي قبل مبعث النبي صلى الله عليه وسلم يَسْتَفْتِحُونَ يستنصرون عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا أي على مشركي العرب و يقولون: اللهم انصرنا عليهم بالنبي المبعوث في آخر الزمان الذي نجد صفته في التوراة، وكانوا ينصرون."

(التفسير المظهري (١ / ٩٤)، [البقرة: ٨٩]، الناشر: مكتبة الرشدية)

اللہ تعالیٰ کی عطا سے انبیائے کرام واولیاءِ عظام بندوں کی مدد فرماتے ہیں:

یہ بات قرآن وحدیث سے ثابت ہے جیساکہ سورۃُ التحریم پارہ ۲۸ رکی ایت ۴ر میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِیْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَ الْمَلٰٓىٕكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِیْرٌ"

(پ۲۸، التحریم: ۴)

تو بیشک اللہ ان کا مدد گار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے اور اس کے بعد فرشتے مدد پر ہیں۔

جب کسی کی کوئی چیز گم ہوجائے اور کوئی سراغ نہ لگے تو کیا کرے؟:

حدیث شریف میں حضرت سیّدُنا عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پُر نور سیّدُ العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم فرماتے ہیں: "جب تم میں سے کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے اور مدد چاہے اور ایسی جگہ ہو جہاں کوئی ہمدم نہیں تو اسے چاہئے یوں پکارے: اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، کہ اللہ کے کچھ بندے ہیں جنہیں یہ نہیں دیکھتا۔ (معجم کبیر، ۱۵ / ۱۱۷، حدیث: ۲۹۰)

حضرت سیدنا سید الشہداء امیر حمزہ بن عبد المطلب کے مزار کی زیارت کرنا اور ان کے وسیلے سے برکت حاصل کرنا:

قَالَ السَّخَاوِيُّ (م ٩٠٢ هـ) فِي تَرْجُمَةِ عَمِّ رَسُوْلِ الله صلى الله عليه وآله وسلم حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رضى الله عنه : وَجُعِلَ عَلٰى قَبْرِه قُبَّةٌ فَهُوَ يزَارُ وَيتبَرَّكُ بِه.

(شمس الدين السخاوي، التحفة اللطيفة في تاريخ المدينة الشريفة، ١ / ٣٠٧)

امام شمس الدین سخاوی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے حالاتِ زندگی میں لکھتے ہیں: "ان کی قبر مبارک پر قبہ (گنبد) بنایا گیا تھا، آپ رضی اللہ عنہ کی زیارت کی جاتی ہے اور آپ رضی اللہ عنہ سے برکت حاصل کی جاتی ہے۔"

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا بارگاہِ رسالت میں استغاثہ پیش کرنا:

استغاثہ کے اشعار:

اِنْ نَلْتِ يَا رِيْحَ الصَّبَا يَوْمًا اِلٰي اَرْضِ الحَرم
بَلِّغْ سَلاَمِيْ رَوْضَةً فِيْهَا النَّبِيُّ المُحْتَرَم

اے بادِ صبا، اگر تیرا گزر سرزمینِ حرم نبوی تک ہو، تو میرا سلام اس روضہ میں پہنچانا جس میں ہمارے نبیِ محترم صلّی اللہ علیہ والہ وسلم تشریف فرما ہیں۔

مَنْ وَّجْهُهُ شَمْسُ الضُّحٰي مَنْ خَدُّهُ بَدْرُ الدُّجٰي
مَن ذَاتُهُ نُورُ الهُدٰي مَنْ كَفُّهُ بَحْرُ الْهَمَمْ

وہ جن کا چہرۂ انور مہرِ نیمروز ہے اور جن کے رخسار تاباں ماہِ کامل، جن کی ذات نورِ ہدایت، جن کی ہتھیلی گو سخاوت کا دریا ہے۔

قُرْاٰنُهُ بُرْهَانُنَا نَسْخًا لاَدْيَانِ مَّضَتْ
اِذْجَاءَنَا اَحْكَامُهُ كُلُّ الصُّحُفِ صَارَ الْعَدَمْ

ان کا (لایا ہوا) قرآن ہمارے لئے برھان وحجت ہے جس نے ماضی کے تمام دینوں کو منسوخ کر دیا، جب اس کے احکام ہمارے پاس آئے تو (پچھلے) سارے صحیفے معدوم ہو گئے

اَكْبَادُنَا مَجْرُوحَةٌ مِنْ سَيْفِ هِجْرِ الْمُصْطَفٰي
طُوْبٰي لآهل بَلْدَةٍ فِيْهَا النَّبِيُّ المُحْتَشَمْ

ہمارے جگر زخمی ہیں فراقِ مصطفی کی تلوار سے۔، وش نصیبی اس شہر کے لوگوں کی ہے جس میں نبیِ محتشم ہیں۔

يَالَيْتَنِي كُنْتُ كَمَنْ يَّتَّبِعْ نَبِيًا عَالِمًا
يَوْمًا وَلَيْلاً دَائِمًا وَارْزُقْ كَذَالِيْ بِالكَرَمْ

کاش میں اس طرح ہوتا جو نبی کی پیروی علم کے ساتھ کرتا ہے، دن اور رات ہمیشہ یہی صورت اپنے کرم سے عطا فرما۔

يَارَحْمَةً لِّلعَالَمِين اَنْتَ شَفِيْعُ المُذْنِبِيْنْ
اَكْرِمْ لَنَا يَوْمَ الحَزِيْن فَضْلاً وَّجُوْداً وَّالكَرَمْ

اے رحمتِ عالم اپ گناہ گاروں کے شفیع ہیں، ہمیں قیامت کے دن فضل و سخاوت اور کرم سے عزت بخشئے۔

يَارَحْمَةً لِّلعَالَمِينْ اَدْرِكْ لِزَيْنِ الْعَابدِيْن
مَحْبُوْسِ اَيْدِ الظَّالِمِينْ فِيْ الْمَوْكَبِ وَالْمزْدَحَمْ

اے رحمتِ عالم زین العابدین کو سنبھالیئے، وہ ظالموں کے ہاتھوں میں قتل گاہ اور بھیڑ میں گرفتار ہے۔
(امام زین العابدین)

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا استغاثہ بارگاہِ رسالت میں:

دور حیات کی طرح مخاطب ہو کر ذات رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کرنا

يَا أَكْرَمَ الثَّقَلَيْنِ يَا كَنْزَ الْوَرَى
جُدْ لِي بِجُودِكَ وَأَرْضِنِي بِرِضَاكَ
أَنَا طَامِعٌ بِالْجُوْدِ مِنْكَ لَمْ يَكُنْ
لِأَبِي حَنِيفَةَ فِي الْأَنَامِ سِوَاكَ

یعنی: اے جن وانس سے بہتر اور نعمت الٰہی عزوجل کے خزانے! اللہ عزوجل نے جو آپ کو عنایت فرمایا ہے اس میں سے مجھے بھی عطا فرمایئے اور اللہ عزوجل نے آپ کو جو راضی کیا ہے آپ مجھے بھی راضی فرمایئے۔ میں آپ کی سخاوت کا امیدوار ہوں، آپ کے سوا ابو حنیفہ کا مخلوق میں کوئی نہیں۔ (قصیدہ نعمان ابن ثابت رضی اللہ عنہ)

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امت کو یہ عقیدہ بخشا کہ بارگاہِ رسالت میں ڈائیریکٹ، بلاواسطہ اپنی فریادیں پیش کی جاسکتی ہیں اور آپ کے توسل سے دعائیں بھی مانگے جاسکتی ہیں۔

در رسول سے بندوں کو کیا نہیں ملتا:

یہاں یہ واقعہ بھی قابل ملاحظہ ہے، چُنانچہ امام طَبرانی، علامہ ابنُ المُقْری اور امام ابو الشیخ۔ یہ تینوں حدیث کے بہت بڑے امام گزرے ہیں اور یہ تینوں ایک ہی زمانہ میں مدینہ مُنورہ کی ایک درسگاہ میں حدیث کا علم حاصل کرتے تھے، ایک بار ان تینوں طُلباءِ علمِ حدیث پر ایک وقت ایسا گزرا کہ ان کے پاس کھانے کو کچھ نہیں تھا، روزے پر روزے رکھتے رہے، مگر جب بھوک سے نڈھال ہو گئے اور ہمّت جواب دے گئی تو تینوں نے رحمتِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے روضۂ اطہر پر حاضر ہو کر فریاد کی یارسولَ اللہ! ہم لوگ بھوک سے بیتاب ہیں۔ یہ عرض

کر کے امام طبرانی تو استانۂ مبارکہ ہی پر بیٹھے رہے اور کہا: اس در پر موت آئے گی یا روزی، اب یہاں سے نہیں اٹھوں گا۔ امام ابو الشیخ اور ابنُ المُقری اپنی قیام گاہ پر لوٹ آئے، تھوڑی دیر بعد کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، دونوں نے دروازہ کھول کر دیکھا تو عَلَوِی خاندان کے ایک بزرگ دو غلاموں کے ساتھ کھانا لے کر تشریف فرما ہیں اور یہ فرمارہے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ابھی ابھی مجھے خواب میں اپنی زیارت سے مشرّف فرما کر حکم فرمایا کہ میں آپ لوگوں کے پاس کھانا پہنچادوں چُنانچہ جو کچھ مجھ سے فی الوقت ہو سکا حاضر ہے۔

(تذكرةُ الحفّاظ، رقم: ٩١٣، ٣ / ١٢١، ملخصاً)

اللہ کے نیک بندوں سے بھی اپنی فریادیں کی جاسکتی ہیں یہ ایمان کے منافی نہیں ہے۔

امام شافعی کا امامِ اعظم کے مزار پر حاضری کا معمول اور فیوض وبرکات کا حصول:

خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) اور بہت سے ائمہ کی تحقیق کے مطابق امام شافعی جب بغداد میں ہوتے تو حصولِ برکت کی غرض سے امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک کی زیارت کرتے. خطیب بغدادی نقل کرتے ہیں کہ امام شافعی، امام ابو حنیفہ (متوفی ۱۵۰ھ) کے مزار کی برکات کے بارے میں خود اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"إِنِّي لَأَتَبَرَّكُ بِأَبِي حَنِيْفَةَ، وَأَجِيئُ إِلٰى قَبْرِه فِي كُلِّ يَوْم . يَعْنِي زَائِرًا . فَإِذَا عُرِضَتْ لِي حَاجَةٌ صَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ، وَجِئْتُ إِلٰى قَبْرِه، وَسَأَلْتُ اللهَ تَعَالَى الْحَاجَةَ عِنْدَه، فَمَا تَبْعُدُ عَنِّي حَتّٰى تُقْضٰى."

(ذكره خطيب بغدادي في تاريخ بغداد، ١ / ١٢٣، وابن حجر الهيتمي في الخيرات الحسان في مناقب الإمام الأعظم / ٩٤، وابن عابدين الشامي في رد المحتار على الدر المختار، ١ / ٤١، وزاهد الكوثري في مقالات الكوثري / ٣٨١)

"میں امام ابو حنیفہ کی ذات سے برکت حاصل کرتا ہوں اور روزانہ ان کی قبر پر زیارت کے لیے آتا ہوں. جب مجھے کوئی ضرورت اور مشکل پیش آتی ہے تو دو رکعت نماز پڑھ کر ان کی قبر پر آتا ہوں اور اس کے پاس (کھڑے ہو کر) حاجت براری کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں. پس میں وہاں سے نہیں ہٹتا یہاں تک کہ (قبر کی برکت کے سبب) میری حاجت پوری ہو چکی ہوتی ہے۔"

امام ابنِ حبان کا امام علی رضا کے مزار پر حاضری کا معمول اور حصول برکات کا اصول:

مشہور محدّث امام ابنِ حبان (م ۳۵۴ھ) حضرت امام علی بن موسی رضا رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک

کے بارے میں اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قَدْ زُرْتُه مِرَارًا كَثِيْرَةً، وَمَا حَلَّتْ بِي شِدَّةٌ فِي وَقْتِ مُقَامِي بِطَوْسٍ، وَزُرْتُ قَبْرَ عَلِيِّ بْنِ مُوْسَى الرِّضَا صَلَوَاتُ الله عَلٰى جَدِّه وَعَلَيْهِ، وَدَعَوْتُ الله تَعَالَى إِزَالَتَهَا عَنِّي إِلَّا اسْتُجِيْبَ لِي، وَزَالَتْ عَنِّي تِلْكَ الشِّدَّةُ وَهٰذَا شَيْءٌ جَرَّبْتُه مِرَارًا فَوَجَدْتُه كَذَالِكَ، اَمَاتَنَا اللهُ عَلٰى مَحَبَّةِ الْمُصْطَفٰى وَاَهْلِ بَيْتِه صلى الله عليه وآله وسلم وَعَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ.

(ذكره ابن حبان في كتاب الثقات، ٨ / ٤٥٧، الرقم : ١٤٤١١)

"میں نے ان کے مزار کی کئی مرتبہ زیارت کی ہے، میرے شہر طوس میں قیام کے دوران جب بھی مجھے کوئی مشکل پیش آئی اور حضرت امام موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک پر حاضری دے کر، اللہ تعالیٰ سے وہ مشکل دور کرنے کی دعا کی تو وہ دعا ضرور قبول ہوئی، اور مشکل دور ہو گئی. یہ ایسی حقیقت ہے جسے میں نے بارہا آزمایا تو اسی طرح پایا. اللہ تعالیٰ ہمیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اہلِ بیت صلی اللہ وسلم علیہ وعلیہم اجمعین کی محبت پر موت نصیب فرمائے۔"

امام بخاری رحمہ الباری کے مزار پر عوام الناس کی حاضری، اور قبر مبارک سے فیوض وبرکات حاصل کرنا:

امام ذہبی (۷۴۸ھ) نے امیر المؤمنین فی الحدیث سند المحدثین امام محمد بن اسماعیل بخاری (۲۵۶ھ) کی قبر مبارک سے تبرک کا ایک واقعہ درج کیا ہے، لکھتے ہیں:

ابو الفتح نصر بن حسن السکتی سمرقندی نے بیان کیا کہ ایک بار سمرقند میں کچھ سالوں سے بارش نہ ہوئی تو لوگوں کو تشویش لاحق ہوئی پس انہوں نے کئی بار نمازِ استسقاء ادا کی لیکن بارش نہ ہوئی. اسی اثناء میں ان کے پاس ایک صالح شخص جو "صلاح" کے نام سے معروف تھا، سمرقند کے قاضی کے پاس گیا اور اس سے کہا: میں آپ سے اپنی ایک رائے کا اظہار کرنا چاہتا ہوں. قاضی نے کہا: وہ کیا ہے؟ اس نے کہا:

"أَرَى أَنْ تَخْرُجَ وَيَخْرُجَ النَّاسُ مَعَكَ إِلٰى قَبْرِ الْإِمَامِ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْمَاعِيْلَ الْبُخَارِيِّ، وَقَبْرُه بِخَرْتَنْكَ، وَنَسْتَسْقِي عِنْدَه فَعَسَى اللهُ أَنْ يَسْقِيَنَا. قَالَ : فَقَالَ الْقَاضِي : نَعَمْ، مَا رَأَيْتُ. فَخَرَجَ الْقَاضِي وَالنَّاسُ مَعَه، وَاسْتَسْقَى الْقَاضِي بِالنَّاسِ، وَبَكَى النَّاسُ عِنْدَ الْقَبْرِ وَتَشَفَّعُوْا بِصَاحِبِه. فَأَرْسَلَ اللهُ تَعَالَى السَّمَاءَ بِمَاءٍ عَظِيْمٍ غَزِيْرٍ، أَقَامَ النَّاسُ مِنْ أَجْلِه بِخَرْتَنْكَ سَبْعَةَ أَيَّامٍ أَوْ نَحْوِهَا لَا يَسْتَطِيْعُ أَحَدٌ اَلْوُصُوْلَ إِلٰى سَمَرْقَنْدَ مِنْ كَثْرَةِ الْمَطَرِ وَغَزَارَتِه، وَبَيْنَ خَرْتَنْكَ

وَسَمَرْقَنْدَ نَحْوُ ثَلَاثَةِ أَمْيَالٍ." (ذكره الذهبي في سير أعلام النبلاء، ١٢ / ٤٦٩.)

"ترجمہ: میری رائے ہے کہ آپ کو اور آپ کے ساتھ تمام لوگوں کو امام محمد بن اسماعیل بخاری کی قبر مبارک پر حاضری دینی چاہیے، ان کی قبر خرتنک میں واقع ہے، ہمیں قبر کے پاس جاکر بارش طلب کرنی چاہیے عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بارش سے سیر اب کر دے. قاضی نے کہا: آپ کی رائے بہت اچھی ہے. پس قاضی اور اس کے ساتھ تمام لوگ وہاں جانے کے لئے نکل کھڑے ہوئے سو قاضی نے لوگوں کو ساتھ مل کر بارش طلب کی اور لوگ قبر کے پاس رونے لگے اور اللہ کے حضور صاحبِ قبر کی سفارش کرنے لگے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی وقت (اپنے صالح بندہ کی برکت کے سبب) کثیر وافر پانی کے ساتھ بادلوں کو بھیج دیا، تمام لوگ تقریباسات دن تک خرتنک میں رکے رہے، ان میں سے کسی ایک میں بھی کثیر بارش کی وجہ سے سمرقند پہنچنے کی ہمت نہ تھی حالانکہ خرتنک اور سمرقند کے درمیان تین میل کا فاصلہ تھا۔"

خدایا بحق بنی فاطمہ:

شعرائے اسلامی کے استغاثے اور نعت و مناقب نقل کیئے جائیں تو ایک دفتر در ہو گا، یہاں ہم اپنی بات شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر ختم کرتے ہیں یہ شعر اختتامیہ کے طور پر ملاحظہ ہو:

خدایا بحق بنی فاطمہ
کہ برقول ایماں کنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ور قبول
من و دست و دامانِ ال رسول

اے خدا فاطمۃ الزہراء کے بیٹوں کے صدقے ایمان کے کلمے پر میرا خاتمہ فرما، میری یہ دعا رد کرنا اور قبول کرنا تیرے ذمّہ کرم پہ ہے لیکن میری اخری تمنا ھے کہ میرے ہاتھ میں ال رسول کا دامن بنا رہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

"یارسول اللہ! المدد"، "یا علی! المدد"، "یامدار! المدد" کہنا کیسا ہے؟

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

مفتی صاحب کی بارگاہ میں سوال ہے کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم المدد، یا علی مدد، یامدار اعظم مدد کہنا کیسا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یارسول اللہ تو کہہ سکتے ہیں لیکن یارسول اللہ المدد نہیں کہہ سکتے حضور سے بھی مدد نہیں مانگ سکتے یہ شرک ہے۔ تو اس کو دلائل سے واضح کریں کیا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی حضور علیہ السلام کی حیات میں اور اپکے ظاہری وصال کے بعد "یارسول اللہ المدد" کے ساتھ ندا کی ہے؟ اور کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے یا کسی ولی سے ڈائریکٹ مانگنا جائز ہے کہ "یارسول اللہ یہ عطا فرمائیں یامدار العلمین یہ عطا فرمائیں"۔ اگر ایسا کرنا جائز ہے اور قرآن وحدیث اور صحابہ کرام سے ثابت ہے تو اسے دلائل کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ جزاك الله خيرا.

سائل: سیّد محمد ارسلان شاہ المداری الحنفی ملتان پاکستان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب۔ اللّٰهم هداية الحق والصواب

صورت مسئولہ میں توسل، استعانت، استمداد اور ندائے یارسول اللہ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے جواز واستحسان پر قرآن واحادیث اور مفسرین، محدثین، فقہائے اسلام اور اولیائے امت کے اقوال وفرامین سے سلسلہ وار دلائل ہم پیش کرتے ہیں تاکہ مسئلۂ مذکورہ کی خوب خوب وضاحت ہو سکے۔، آپ کے حکم پر استمداد، توسل اور ندائے یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) وغیرہ کی اہمیت وضرورت پر مفصل وباحوالہ علمی و تحقیقی فتویٰ حاضر خدمت ہے،

اسلام دینِ فطرت ہے، جو توحید پر قائم ہے اور بندگی صرف اللہ عزّوجل کے لیے مخصوص ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السّلام، اولیائے کاملین رحمہم اللہ، اور صلحاء ومقربین کو اپنی بارگاہ سے قرب، مقام، وجاہت اور شفاعت کا اختیار عطا فرمایا ہے۔ اسی بنا پر امتِ مسلمہ میں توسل، استمداد اور نداء بالانبیاء والاولیاء کا عقیدہ چودہ صدیوں سے جاری وساری ہے۔

۱. شرعی مسائل میں اہمیت:

استمداد اور توسل کا مسئلہ بنیادی عقائد اور عبادات سے تعلق رکھنے والا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ متعلق بالوسائل اور دعاء کے اداب سے ہے، مگر بعض ناعاقبت اندیش لوگوں کی طرف سے اس پر کفر و شرک کے فتوے لگائے جارہے ہیں، جس سے دین میں تفریق، فساد، اور عوام میں بد گمانی پیدا ہو رہی ہے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وَقَدْ ثَبَتَ التَّوَسُّلُ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَيَاتِهِ وَبَعْدَ مَمَاتِهِ، وَفِي كُلِّ حَالٍ" (الدر المنثور، ج ۲، ص ۱۲۱)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کرنا آپ کی حیات و وصال دونوں حالتوں میں ثابت ہے۔

جب امت کے اکابر و اسلاف، صحابہ، تابعین، ائمہ اربعہ اس عمل کو جائز و پسندیدہ سمجھتے رہے، تو آج اس کو شرک و بدعت کہنا ایک نیا فتنہ اور دین میں تشدد کی علامت ہے۔

۲. عوام الناس کی اصلاح و تسلی:

عام مسلمان فطری طور پر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اور اولیاء کرام سے محبت و عقیدت رکھتے ہیں۔ وہ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم میں عرض کرتے ہیں: "یا رسول اللہ المدد!"، وہ بارگاہِ مولیٰ علی کرم اللہ وجھہ الکریم میں عرض کرتے ہیں: "یا علی مدد!"، وہ بارگاہِ اولیاء میں عرض کرتے ہیں: "یا قطب المدار المدد"، "یا غوث اعظم دستگیر!"، "یا خواجۂ خواجگاں المدد!"، "یا مخدوم المدد"۔

ایسے کلمات دعاء سے، تضرّع، توسل اور محبت کے اظہار ہوتے ہیں۔ لیکن جب انہیں بتایا جائے کہ یہ "شرک" ہے، تو وہ یا تو دین سے بد ظن ہوتے ہیں، یا ان کے دلوں میں وساوس اور شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس مسئلے کی تحقیق کرنا، دلائل سے عوام کو مطمئن کرنا، اہل سنت کی شناخت اور عقیدے کا دفاع کرنا دینی ضرورت ہے۔

۳. ردِ فتنہ و دفاعِ عقیدۂ اہل سنت:

اج کچھ خارجی مزاج گروہ، سلفیت کے نام پر، ہر غیر سلفی عمل کو شرک کہنے لگے ہیں۔ انہیں نہ اصولِ شرک کا فہم ہے، نہ فقہ العقائد کا مطالعہ۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"يَتَوَسَّلُ إِلَى الله بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" (الرد على الجهميه، ص ٧٦)
یعنی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعا کرنا جائز ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"التوسل إلى الله تعالى بنبيه جائز، والطلب من رسول الله في حياته وبعد موته جائز." (الأذكار للنووي، باب زيارة القبور)

"یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے نبی کو وسیلہ بنانا جائز ہے اور نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے طلب کرنا ان کی حیات اور بعد وفات میں جائز ہے"۔

یہ فتنوں کے دور میں اہل سنت کا دفاع ہے کہ ہم نبی وولی کو خالق نہیں بلکہ وسیلہ، سفارشی، دعا گو، اللہ کے محبوب بندے سمجھتے ہوئے ان سے مدد وتوجہ چاہتے ہیں۔

۴. محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تحفظ:

"یارسول اللہ" کہنا صرف نداء نہیں بلکہ عقیدت ومحبت کی صدا بھی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کرتے تھے:

"بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي، يَا رَسُولَ اللهِ!" (صحيح البخاري، حديث: ٢٧٣١)

محبت کا یہی جذبہ آج بھی اہل ایمان کو "یارسول اللہ مدد!" کہنے پر امادہ کرتا ہے۔ اس نداء پر شرک کا فتویٰ لگانا محبتِ رسول کے منہ پر طمانچہ ہے۔

۵. تاریخی وعلمی پس منظر کی ضرورت:

چونکہ اس مسئلے پر علمی انکار اور عوامی جذبات دونوں موجود ہیں، اس لیے اس کا علمی جائزہ:
قران کی ایات، احادیث صحیحہ، آثار صحابہ، اقوالِ ائمہ فقہاء ومفسرین اور فتاویٰ اہل سنت کی روشنی میں دلائل وحوالہ جات کے ساتھ مرتب کرنا نہایت ضروری ہے، تاکہ موجودہ اور ائندہ نسل گمراہی سے بچ سکے۔

- یہ مسئلہ عقیدۂ توحید کی بنیاد کو متاثر کیے بغیر اہل محبت کا جائز عمل ہے۔
- اس پر شرک کے فتوے دینا جہالت اور شدت پسندی ہے۔
- امت کو اس عمل کے جواز، مشروعیت اور استحسان سے روشناس کرانا اہل علم کی شرعی واخلاقی ذمہ داری ہے۔

- اس موضوع پر کتابچہ تیار کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ وما علینا إلا البلاغ.

باب اول: قرآنِ مجید سے توسل واستمداد کے دلائل

قرانِ کریم میں متعدد مقامات پر توسل (وسیلہ بنانے) اور استمداد (مدد طلب کرنے) کے جواز اور جلیل القدر انبیاء وصالحین کے واسطے سے دعاء وطلبِ حاجت کے شواہد موجود ہیں، جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ توسل و استمداد نہ صرف جائز بلکہ مستحسن و محمود عمل ہے۔

۱. آیت وسیلہ:

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ" (المائدہ:۳۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔

امام طبری، امام قرطبی، امام رازی، امام ابن جریر اور دیگر مفسرین کے نزدیک "وسیلہ" کا مطلب ہے: نیک اعمال، انبیاء وصالحین، اور ان کے وسیلے سے اللہ سے قرب حاصل کرنا۔

امام قرطبی فرماتے ہیں:

"الوسیلةُ تُطلَقُ علی القُربةِ والطَّاعةِ، وقد تُطلَقُ علی ذاتِ المُتوسَّلِ به"

(تفسیر قرطبی، المائدہ: ۳۵)

یعنی وسیلہ کبھی عملِ صالح ہوتا ہے اور کبھی وہ شخص یا ذات جس کے ذریعے قربِ الٰہی حاصل ہو۔

۲. حضرت یعقوب علیہ السّلام کا توسل:

"سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ" (یوسف:۹۸)

حضرت یوسف علیہ السّلام کے بھائیوں نے ان کے والد حضرت یعقوب علیہ السّلام سے عرض کی:

"یٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ"

یعنی: آئے ہمارے باپ ہمارے گناہوں کی مغفرت کے لیے اللہ سے دعاء کریں۔

بھائیوں نے براہِ راست اللہ سے معافی نہیں مانگی بلکہ حضرت یعقوب علیہ السّلام کو وسیلہ بنایا۔

حضرت یعقوب علیہ السّلام نے دعا کرنے کا وعدہ فرمایا، جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ بزرگوں، انبیاء یا صالحین سے دعاء کی درخواست کرنا جائز ہے۔

۳. آیت شفاعت و مغفرت عند الرسول:

" وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا "(النساء:٦٤)

ترجمہ: "اور جب وہ مومنین اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھیں تو اے محبوب! اگر وہ آپ کے پاس آئیں اور اللہ سے مغفرت طلب کریں اور رسول بھی ان کے لیے دعاء مغفرت فرمائیں تو ضرور وہ اللہ کو بہت توبہ قبول فرمانے والا پائیں گے"۔

یہاں قرآن خود سکھا رہا ہے کہ اللہ سے مغفرت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے در پر انا، اور ان سے دعا کروانا بہترین وسیلہ ہے۔

یہ آیت بعد از گناہ کی اصلاح کا طریقہ بتا رہی ہے، جو صرف حیاتِ ظاہری تک محدود نہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یہ آیت دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور پر اکر بھی استغفار اور دعاء جائز ہے۔"

(شرح صحیح مسلم، حدیث: ١٣٧٤)

۴. واقعہ: حضرت ادم علیہ السّلام کا توسل:

روایت ہے کہ حضرت ادم علیہ السّلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے اللہ سے معافی طلب کی:

"اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ..."

اللہ تعالیٰ نے پوچھا: محمد کون ہے؟

حضرت ادم علیہ السلام نے عرض کی: یہ وہ ہستی ہے جس کا نام اپ نے اپنے نام کے ساتھ عرش پر لکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"لولا محمد ما خلقتک" (المستدرک للحاکم، حدیث: ٤٢٢٨، صحیح)

حضرت ادم علیہ السّلام نے بھی وسیلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار کیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے وسیلہ کو قبول فرمایا اور معافی عطا کی۔

۵. غیروں سے مدد لینے کی اجازت:

" وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۚ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَ هٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۫ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ " (القصص:۱۵)

ترجمہ: اور شہر میں لوگوں کی بے خبری کے وقت داخل ہوا پھر وہاں دو شخصوں کو لڑتے ہوئے پایا، یہ ایک اس کی جماعت کا تھا اور یہ دوسرا اس کے دشمنوں میں سے تھا، پھر اس نے جو اس کی جماعت کا تھا اپنے دشمن پر اس سے مدد چاہی، تب موسٰی نے اس پر مکا مارا پس اس کا کام تمام کر دیا، کہا یہ تو شیطانی عمل ہے، بے شک وہ کھلا دشمن اور گمراہ کرنے والا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے میں ذکر ہے کہ ان کے ایک ماننے والے نے ان سے مدد طلب کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اس کی مدد کی۔

یہ استغاثہ کسی نبی سے دنیاوی معاملہ میں مدد مانگنے کا قرانی ثبوت ہے۔

کسی بشر سے مدد طلب کرنا شرک نہیں، بشرطیکہ اسے اللہ کا بندہ اور سبب و وسیلہ سمجھا جائے۔

باب دوم: مفسرین کرام رحمہم اللہ کا موقف: توسل، استمداد اور نداء "یارسول اللہ" کے حق میں:

قرانِ کریم کی تفسیر کرتے ہوئے کئی جلیل القدر مفسرین کرام نے توسل، استمداد اور نداء "یارسول اللہ" جیسے امور کو جائز، مشروع اور مستحسن قرار دیا ہے۔ ذیل میں ان کے اقوال، تفسیرات اور حوالہ جات پیش کیے جاتے ہیں:

۱. امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں ایت: "وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ" (المائدہ:۳۵) کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"الوسيلة التقرب إليه تعالى بفعل الطاعات وبالأنبياء والصالحين."

(تفسیر کبیر، المائدہ: ۳۵)

ترجمہ: وسیلہ سے مراد اللہ کا قرب حاصل کرنا ہے، نیک اعمال اور انبیاء اور صالحین کے ذریعے۔

واضح پیغام: امام رازی نے انبیاء و اولیاء کے ذریعے توسل کو آیت کا مصداق قرار دیا۔

۲. امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ (الجامع لاحکام القران) میں ایت: "وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ..." (النساء:۶۴) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"قال علماؤنا: هذه الآية دليل على أن من أتى قبر النبي صلى الله عليه وسلم وتاب، تاب الله عليه." (تفسير قرطبي، النساء: ٦٤)

ترجمہ: ہمارے علما نے فرمایا کہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر حاضر ہو کر توبہ کرے، اللہ تعالیٰ اسے معاف فرماتا ہے۔

مزید فرماتے ہیں:

"و يستحب لمن دخل المسجد أن يأتي القبر و يقول: يا رسول الله جئتك مستغفرًا شافعًا."

ترجمہ: اور مستحب ہے اس شخص کیلئے جو مسجد نبوی میں حاضر ہو وہ قبر شریف کے پاس جائے اور کہے یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) آپ کے پاس مغفرت طلب کرنے آیا ہوں آپ شفاعت فرمانے والے ہیں۔

واضح پیغام: امام قرطبی رحمہ اللہ نے وصالِ ظاہری کے بعد بھی "یارسول اللہ" کہنا مستحب اور مؤثر قرار دیا۔

۳. امام الوسی رحمۃ اللہ علیہ (روح المعانی) میں اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"الآية دليل على جواز التوسل بالنبي بعد وفاته، إذ لا فرق بينه في الحياة و بعد الموت."
(روح المعاني، النساء: ٦٤)

ترجمہ: یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ان سے توسل کے جواز پر دلیل ہے، کیونکہ زندگی اور بعد الوفات میں فرق نہیں۔

۴. امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ (انوار التنزیل) میں ایت: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ" (المائدہ:۳۵) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"الوسيلة ما يتوسل به إلى المطلوب، وأشرفها الإيمان ثم الطاعات."

وسیلہ ہر وہ چیز ہے جو مطلوب تک پہنچائے، اور ان میں سب سے اعلیٰ وسیلہ ایمان اور طاعات ہیں۔

۵. علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (الدر المنثور) میں ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں:

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نابینا صحابی کا واقعہ ذکر کیا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا:

"قل: اللهم اني أسألك وأتوسل إليك بنبيك محمد..." (الدر المنثور، المائدہ: ٣٥)

امام سیوطی نے اس حدیث کو توسل کے دلائل میں شمار کیا اور اس سے "الوسیلہ" کی تفسیر کی۔

٦. امام نیشاپوری (غرائب القران ورغائب الفرقان) میں ایت: "يَبْتَغُونَ إِلَى رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ" (الاسراء: ٥٧) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"يطلبون الوسيلة إلى الله بالنبيّ والصالحين من عباده."

٧. امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ (زاد المسیر) میں سورۃ النساء، ایت: ٦٤ر کے تحت فرماتے ہیں:

"فيه دليل على تعظيم النبي حيا و بعد وفاته، و يشرع المجيء إليه للتوسل و الاستغفار."

باب سوم: احادیثِ کریمہ سے توسل واستمداد کے دلائل

توسل اور استمداد کا عمل صرف قرآن سے ہی نہیں بلکہ سُنّتِ نبویہ اور احادیثِ صحیحہ سے بھی نہایت واضح اور روشن دلائل کے ساتھ ثابت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حیاتِ ظاہری میں بلکہ وصالِ مبارک کے بعد بھی توسل کیا، نداء کی، اور مدد چاہی۔

١. نابینا صحابی کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل:

ایک نابینا صحابی بارگاہِ رسالت میں آئے اور عرض کی:

"یارسولَ اللہ! دعا فرمایئے کہ اللہ مجھے شفادے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إن شئت دعوتُ لك، وإن شئتَ صبرتَ فهو خيرٌ لك"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک دعاء سکھائی:

"اللّٰهُمَّ إنِّي أسألُكَ وأتوجَّه إليكَ بنبيِّكَ محمَّدٍ نبيِّ الرَّحمة..."

(سنن ترمذی، حدیث: ٣٥٧٨)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نابینا صحابی کو اپنے وسیلہ سے دعا سکھائی۔ اس میں ہے: "اللّٰهُمَّ إنِّي أتوسل إليكَ بنبيِّك" یعنی نبی کو وسیلہ بنا کر دعا کی گئی۔ اور یہ دعا آپ کی حیاتِ ظاہری میں سکھائی گئی، لیکن محدثین کے مطابق یہ دعا وصال کے بعد بھی مشروع ہے۔

۲. نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل سکھانا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"توسلوا بجاهي، فإنّ جاهي عندَ الله عظيم" (كنز العمال، حديث: ٣٥١٢٩)

ترجمہ: میرے جاہ و مقام کے ذریعے اللہ سے توسل کرو، کیونکہ میرا جاہ اللہ کے نزدیک بہت بلند ہے۔

یہ حدیث واضح طور پر توسل بجاہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم دیتی ہے۔

"جاہ" یعنی وجاہت، قرب، مقام—جو نبی کو اللہ کی بارگاہ میں حاصل ہے۔

۳. خلیفۂ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا توسل:

جب بارش نہ ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اللّٰهم إنا كنا نتوسل إليك بنبينا فتسقينا، وإنّا نتوسل إليك بعمّ نبيّنا فاسقنا"

(صحيح بخاري، حديث: ١٠١٠)

ترجمہ: اے اللہ! ہم پہلے تیرے نبی کے وسیلہ سے تجھ سے بارش مانگتے تھے، اب نبی کے چچا حضرت عباس کے وسیلہ سے مانگتے ہیں، تو بارش عطا فرما۔

صحابہ کرام کا عقیدہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ان کا وسیلہ قبول ہوتا ہے۔ اور وصال کے بعد انہوں نے نبی کے اہلِ بیت میں سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنایا۔ یہ حدیث وسیلہ بالاشخاص کو جائز اور مستحسن ثابت کرتی ہے۔

۴. قبرِ انور پر حاضری کے وقت دعا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من زار قبري وجبت له شفاعتي" (سنن دارقطني، حديث: ٢٧٣)

دوسری حدیث میں ہے:

"إذا أتيتموني فسلِّموا عليَّ، فإنَّ تسليمكم يبلغني" (مسند احمد، حديث: ٣٧٢٤)

قبورِ انبیاء پر حاضر ہو کر سلام کہنا اور شفاعت کی امید رکھنا، درحقیقت استمداد اور روحانی تعلق کا اظہار ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال کے بعد بھی امت کو تلقین فرمائی کہ میری بارگاہ میں اگر سلام کہو، دعا کرو۔

۵. نداء "یارسول اللہ" کی مشروعیت

ایک جنگِ کے موقع پر ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یا ساریة الجبل! یا ساریة الجبل!" (بیہقی، شعب الایمان، ج ۳، ص ۱۲۱)

یہ روایت بتاتی ہے کہ نداء بُعد مسافت پر بھی ممکن ہے۔ نیز، صحابہ کرام نے بھی بسا اوقات "یارسول اللہ!" کہہ کر نداء کی۔

صحابیِ رسول رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کی قبرِ انور پر حاضر ہو کر عرض کیا:

"یا رسول الله! استسق لأمتك، فإنهم قد هلكوا!" (بیهقی، دلائل النبوة، ج ۷، ص ٤٧)

اور اس کے بعد خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور بارش نازل ہوئی۔

محدثین کرام رحمہم اللہ اور مسئلہ استمداد، توسل، ونداء "یارسول اللہ"

اہل السنۃ والجماعۃ کے جلیل القدر محدثین کرام نے اپنی کتبِ حدیث، شروحات، اور فتاویٰ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء کرام سے توسل، استمداد اور نداء "یارسول اللہ" کو جائز، مشروع، اور برکت کا باعث قرار دیا ہے۔

۱. واقعہ استسقاء:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش کی دعا کی:

"اللهم إنا كنا نتوسل إليك بنبينا فتسقينا، وإنا نتوسل إليك بعم نبينا فاسقنا."

(صحیح بخاری، کتاب الاستسقاء، باب سؤال الناس الإمام الاستسقاء)

اشارہ: اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد توسل منع ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کبھی نہ کرتے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو بغیر کسی انکار کے ذکر کیا۔

۲. امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۷۹ھ)

حدیث: نابینا صحابی کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کروانا

"اللهم اني أسألك وأتوجه إليك بنبيك محمد نبي الرحمة، يا محمد إني أتوجه بك إلى ربي في حاجتي هذه." (جامع ترمذی، حدیث: ۳۵۷۸)

امام ترمذی نے فرمایا: "حديث حسن صحيح."

مفہوم:

یہ حدیث توسل واستمداد کی واضح دلیل ہے۔

صحابی نے براہ راست نداء "یا محمد" بھی کہا۔

۳. امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۳۰۳ھ)

امام نسائی نے "عمل الیوم واللیلہ" میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے استمداد کے الفاظ والی دعائیں ذکر کی ہیں۔

"أغثني يا رسول الله" (عمل اليوم والليله، باب الدعاء عند الكرب)

۴. امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

"باب ما جاء في التوسل إلى الله عز وجل برسوله صلى الله عليه وسلم."

(دلائل النبوة، ج٦، ص ١٦٧)

واقعہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایک شخص نے نبی کی قبر پر اکر عرض کی:

"يا رسول الله، استسق لأمتك فإنهم قد هلكوا."

امام بیہقی نے نقل کیا اور انکار نہ کیا۔

۵. امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۳۶۰ھ)

صحابی حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو سکھایا کہ:

"قل: اللهم إني أسألك وأتوسل إليك بنبيك محمد..." (المعجم الكبير، ج٩، ص ٣٠)

امام طبرانی نے فرمایا:

"وكان عثمان يأمر بذٰلك كل من كانت له حاجة."

۶. امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۳۱۱ھ) انہوں نے نابینا صحابی کی حدیث کو "صحیح" کہا، اور فرمایا:

"فيه دليل على جواز التوسل بالنبي صلى الله عليه وسلم في حياته وبعد وفاته."

۷. امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۷۶ھ) کتاب: الاذکار میں فرماتے ہیں:

"ويستحب زيارة القبر النبوي، والتوسل به صلى الله عليه وسلم، والدعاء عنده."
(الأذكار، باب زيارة قبر رسول الله)

امام نووی نے حدیث "اللهم إني أسألك وأتوسل إليك..." پر کلام کرتے ہوئے فرمایا:

"فيه جواز التوسل بالنبي صلى الله عليه وسلم." (شرح مسلم)

۸. امام سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۷۵۶ھ) فرماتے ہیں:

"إن التوسل بالنبي صلى الله عليه وسلم جائز في حياته وبعد موته، والنداء ب- (يا رسول الله) حسن." (شفاء السقام، ص ۱۸۰)

۹. امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۹۰۲ھ) فرماتے ہیں:

"والناس في شدائدهم يتوسلون بالنبي صلى الله عليه وسلم، ولم يزل هذا العمل متوارثا."

۱۰. امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۹۱۱ھ) نے الدر المنثور اور الخصائص الکبری وغیرہ میں نداء، توسل، اور استمداد کے کئی واقعات اور احادیث ذکر کیں، اور کبھی انکار نہ کیا۔

: شارحینِ حدیث (جیسے امام نووی، ابن حجر عسقلانی، قسطلانی، علی قاری وغیرہ) اور استغاثہ، استمداد، توسل اور ندائے "یارسول اللہ" کی شرعی حیثیت:

۱. حديث: استغاثة بالنبي صلى الله عليه وسلم في حياته:

الحديث: "اللهم إني أسألك وأتوجه إليك بنبيك محمد نبي الرحمة، يا محمد إني أتوجه بك إلى ربي في حاجتي هذه لتقضى لي..."
(رواه الترمذي وقال: حسن صحيح، حديث رقم: ۳۵۷۸)

شرح الإمام الترمذي رحمه الله:

"هذا حديث حسن صحيح غريب، والعمل عليه عند بعض أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم، رأوا أن يتوسل إلى الله بالنبي صلى الله عليه وسلم في الدعاء." (جامع الترمذي، تحت الحديث: ۳۵۷۸)

تشریح: توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ اور تابعین کے عمل سے ثابت ہے۔

٢. حديث: توسل بعد وفات النبي صلى الله عليه وآله وسلم

الأثر: " أن رجلاً كان يأتي قبر النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: يا رسول الله، استسق لأمتك، فإنهم قد هلكوا..." (رواه البيهقي في دلائل النبوة ٧/ ٤٧)

شرح ابن حجر العسقلاني (في فتح الباري):

"وروى سيف في الفتوح أن الذي رأى المنام هو بلال بن الحارث المزني، أحد الصحابة، فجاء إلى القبر وقال: يا رسول الله استسق لأمتك. فذكر الحديث، وفيه: فرأى النبي صلى الله عليه وسلم في المنام..." (فتح الباري، ٢/ ٤٩٥)

تشریح: ابن حجر اس استغاثہ کو نہ صرف نقل کرتے ہیں بلکہ قبول بھی کرتے ہیں، اور کسی انکار کا ذکر نہیں کرتے۔

٣. حديث الشفاعة (استغاثة بالأنبياء يوم القيامة)

الحديث: "فيأتون آدم... ثم نوحًا... ثم إبراهيم... ثم موسى... ثم عيسى... ثم يأتونني، فأقول: أنا لها..." (صحيح البخاري، كتاب الرقاق، حديث ٧٤٤٠)

شرح ابن حجر العسقلاني:

"وفيه مشروعية التوسل إلى الله بالأنبياء والصالحين في المواطن التي يحتاج فيها إلى قضاء الحوائج، واستنزال الرحمة." (فتح الباري، ١١/ ٤٧٣)

تشریح: ابن حجر واضح طور پر اس حدیث سے توسل اور استغاثہ کا جواز اخذ کرتے ہیں۔

٤. نداء "يا رسول الله" بعد الوفاة

اثر معروف: عتبہ بن غزوان سے منقول کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر آ کر عرض کیا:

"يا رسول الله، قد جئت إليك مستغفرًا من ذنبي..."

(شرح القسطلاني على المواهب اللدنية)

یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں آپ کے حضور حاضر ہوں اپ! میرے گناہ کیلئے استغفار کریں۔

"وقد تواترت الأخبار بأن جماعة ممن رآه في المنام أو جاء قبره الشريف، وطلب منه الدعاء أو الشفاعة، قضيت حاجته، وهذا واقع إلى يومنا." (المواهب اللدنية، ٤/ ٥٩٤)

تشریح: امام قسطلانی اس عمل کو متواتر اور جاری عمل بتاتے ہیں۔

٥. شرح الإمام النووي على حديث الضرير (التوسل بالنبي)

"وفي هذا الحديث التوسل برسول الله صلى الله عليه وسلم إلى الله تعالى في الإجابة، ويستحب ذلك." (شرح صحيح مسلم، النووي، تحت الحديث: باب فضائل التوسل)

ائمۂ اربعہ، فقہاءِ اسلام اور اولیاءِ کرام کے نزدیک توسل، استمداد اور ندائے "یارسول اللہ" کا جواز و استحسان

ائمہ اربعہ (امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) اور جملہ اکابر فقہاء و اولیاء کا توسل، استمداد اور ندائے "یارسول اللہ" کے جواز پر اتفاق ہے۔ ان کے اقوال، فتاویٰ اور عملی نمونے اس حقیقت کے شاہد ہیں۔

۱. امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول:

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور کلام ہے:

"وأتوسل إليك بالنبيّ، النبيّ الأميّ."

(دیوان امام اعظم، دعائے معروف)

ترجمہ: اے اللہ! میں تیرے نبی، نبی امّی کے وسیلے سے تجھ سے سوال کرتا ہوں۔

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے براہِ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کی۔ یہ ان کے عقیدۂ توسل کی کھلی دلیل ہے۔

۲. امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ایک واقعہ:

خلیفہ منصور حج کے بعد مدینہ آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر دعا کرنا چاہی۔ اس نے امام مالک سے پوچھا: "قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کروں یا قبر کی طرف؟"

امام مالک نے فرمایا:

"ولم تصرف وجهك عنه وهو وسيلتك ووسيلة أبيك آدم عليه السلام إلى الله؟ بل استقبله واستشفع به." (شفاء السقام، ص ۱۳۳)

ترجمہ: تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ کیسے پھیر سکتے ہو جبکہ وہی تمہارا وسیلہ ہیں اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کا وسیلہ بھی تھے؟ بلکہ ان کی طرف رخ کرو اور ان کے ذریعے شفاعت طلب کرو۔

امام مالک نے قبرِ انور کی طرف رخ کر کے نداء و استمداد کو جائز بلکہ مستحب قرار دیا۔

۳. امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إني لأتبرك بأبي حنيفة، وأجيء إلى قبره كل يوم..." (تاريخ بغداد، ج۱، ص ۱۲۳)

اور ایک اور جگہ فرمایا:

"توسلت بک إلى الله في قضاء حاجتي، فَقُضِيَت لي."

ترجمہ: میں نے آپ (شیخ) کے وسیلہ سے اللہ سے دعا کی، اور میری حاجت پوری ہو گئی۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے متوفی اولیاء کے وسیلہ سے دعا کی، اور اسے مؤثر پایا۔ اس سے بعد الوفات توسل اور روحانی تعلق کا ثبوت ملتا ہے۔

۴. امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ قبرِ انور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نداء دے کر سلام کہنا اور دعا کرنا کیسا ہے؟ فرمایا:

"يُسَلِّمُ عليه، ويَتَوَسَّلُ به إلى الله عزّ وجلّ." (العلل ومعرفة الرجال، ابن القطان)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہے اور ان کے وسیلہ سے اللہ کی بارگاہ میں دعا کرے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک توسل بالنبی جائز ہے، اور قبرِ انور پر دعا و سلام مشروع ہے۔

فقہائے احناف و علمائے متقدمین کے اقوال:

امام طحاوی (عقیدہ طحاویہ) میں فرماتے ہیں:

ونحب أهل العدل والأمانة من المؤمنين، ونتوسل إلى الله بطاعتهم."

علامہ ابن عابدین شامی (رد المحتار) میں فرماتے ہیں:

"يجوز التوسل بالأولياء، الأحياء والأموات." (رد المحتار، باب الحج)

ترجمہ: اولیاء اللہ سے توسل جائز ہے، خواہ وہ زندہ ہوں یا وفات پا چکے ہوں۔

اولیاء کرام اور صوفیاء کے اقوال و معمولات

شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ:

اپ کی کتابوں میں "غوث، مدد" جیسے الفاظ کثرت سے موجود ہیں۔ خود آپ نے فرمایا:

"استغاثوا بي، أغثتُهم بإذن الله." (فتوح الغيب)

ترجمہ: جب لوگ مجھ سے مدد مانگتے ہیں تو میں اللہ کے اذن سے ان کی مدد کرتا ہوں۔

فقہائے احناف و برصغیر کے اکابر علمائے کرام کا موقف: توسل، استمداد، اور نداء "یا رسول اللہ" کے بارے میں:

اس مقام پر ہم امام ابن عابدین شامی، فتاویٰ عالمگیری، فتاویٰ قاضی خان، فتاویٰ ظہیریہ، امام شاہ ولی اللہ دہلوی، اور امام عبد الحق محدث دہلوی رحمہم اللہ جیسے جلیل القدر علما کے اقوال پیش کریں گے۔

۱. امام ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۵۲ھ) کا قول ہے:

"ويجوز التوسل بالصالحين، ويستجاب دعاؤه كما في البحر."

(رد المحتار، ج٥، ص٢٥٤، كتاب الحج، باب زيارة القبور)

ترجمہ: نیک بندوں کے وسیلہ سے دعا کرنا جائز ہے، اور ایسی دعا قبول ہوتی ہے، جیسا کہ "البحر الرائق" میں ہے۔

مزید فرماتے ہیں:

"طلب الدعا من الاولياء جائز، وكذا الاستغاثة في المشاكل بقول يا رسول اللّٰہ، يا شيخ عبد القادر."

امام شامی رحمہ اللہ نے نداء و استغاثہ جیسے "یا رسول اللہ" "یا" "یا شیخ عبد القادر" کو جائز قرار دیا۔

توسل و استمداد فی العقیدہ درست اور مجرب عمل ہے

۲. فتاویٰ عالمگیری (فتاویٰ ہندیہ) میں ہے:

"اذا کان عنده رجل صالح یدعو الله له، لا بأس به، کذا فی التتار خانیة."
(فتاویٰ عالمگیری، ج۵، ص۳٤۸)

ترجمہ: اگر کسی نیک آدمی سے دعا کروائی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ تتار خانیہ میں ہے۔

مفہوم: زندہ ہو یا وفات یافتہ، نیک شخص کے ذریعے توسل کرنا فقہ حنفی میں جائز ہے۔

۳. فتاویٰ قاضی خان (فقہ حنفی کے مستند متون میں سے ہے) اس میں فرماتے ہیں:

"یتوسل إلی الله تعالیٰ بالأنبیاء والصالحین فی الدعاء وهو جائز."
(فتاویٰ قاضی خان، ج۳، ص ٤۰۳)

ترجمہ: دعا میں انبیاء اور نیک بندوں کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جائے، یہ جائز ہے

۴. فتاویٰ ظہیریہ میں علامہ ظہیر الدین رحمہ اللہ کا قول ہے:

"ومن أحبّ أن یتوسل بنبیٍّ أو ولیٍّ فلیتوسل فإنّ ذٰلک حسن."

تشریح: نبی یا ولی کے وسیلہ سے دعا مانگنا پسندیدہ (حسن) عمل ہے۔

۵. شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۱۷٦ھ) کا قول ہے:

"انی رأیت من سیر الصالحین التوسل بأرواح الأولیاء فی الدعاء، وکان لهم تأثیر مجرب فی ذٰلک." (القول الجمیل، ص ۱٤۰)

ترجمہ: میں نے صالحین کی سیرت میں دیکھا کہ وہ دعا میں اولیاء کی ارواح کے وسیلہ سے توسل کرتے تھے، اور اس میں اثر مجرب تھا۔

مزید فرماتے ہیں:

"والتوسل بالأولیاء وطلب الدعاء منهم جائز وواقع فی الحدیث."

٦. حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۰۵۲ھ) کا قول ہے:

"الناس یتبرکون بقبور الصالحین، ویتوسلون بهم، ولا ینکر ذٰلک إلّا من ضاق صدره عن معانی أهل السلوك." (مدارج النبوة، ج۲، ص ٤۸۹)

ترجمہ: لوگ اولیاء کی قبور سے برکت حاصل کرتے اور ان سے توسل کرتے ہیں، اور اس کا انکار وہی کرتا ہے جو تصوف اور معرفت کے رموز سے بے خبر ہو۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"قبر شریف روبرو شود و توجہ تمام بنماید و شفاعت طلبد و استمداد کند از روحانیت آن سرور، واز خدا خواہد بہ حرمت او حاجات خود را۔ واین طریقہ مجرب است در حصول مقاصد دنیوی واخروی۔"

(مدارج النبوۃ، جلد دوم، صفحہ ۴۵۰، مطبع مجتبائی، دہلی)

ترجمہ: "قبرِ مبارک (نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کے سامنے کھڑے ہو کر پورے انہماک سے متوجہ ہو اور شفاعت طلب کرے اور اس برگزیدہ ہستی کی روحانیت سے استمداد کرے، اور اللہ تعالیٰ سے اس (نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کے وسیلے سے اپنی حاجات مانگے۔ اور یہ طریقہ دنیاوی اور اخروی مقاصد کے حصول میں مجرب ہے۔"

کتاب اشعۃ اللمعات کی اصل عبارت:

"و طلب المدد من ارواح الأولیاء والأکابر مشهور بین الناس، وتجربته قاطعة علی صدقه" (اشعة اللمعات، جلد اول، صفحه ٥٧٦، دارالکتب العلمیه، بیروت)

ترجمہ: اور اولیاء اور اکابرین کی ارواح سے مدد طلب کرنا لوگوں میں مشہور ہے، اور اس کا تجربہ اس کی سچائی پر قطعی دلیل ہے۔"

حضرت شیخ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"از ارواح انبیاء و اولیاء طلب استعانت و استمداد کردن و فیض خواستن جائز است، زیرا کہ حق تعالیٰ ایشان را واسطۂ فیوضات گردانیدہ است۔" (تحفہ اثنا عشریہ، فصل پنجم، صفحہ ۳۶۷، مطبع نولکشور، لکھنو)

ترجمہ: "انبیاء اور اولیاء کی ارواح سے استعانت اور استمداد طلب کرنا اور ان سے فیض حاصل کرنا جائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کو اپنی فیوضات کا وسیلہ بنایا ہے۔"

شیخ عبد الحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی روحانیت سے استمداد و توسل اور ان سے حاجات طلب کرنے کو نہ صرف جائز بلکہ مجرب (یعنی تجربہ شدہ مؤثر) فرمایا۔

شیخ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے واضح فرمایا کہ انبیاء و اولیاء کی ارواح سے مدد طلب کرنا اور فیض لینا جائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں واسطۂ فیوض بنایا ہے۔

دونوں اکابر نے توسل، استمداد، استعانت، استغاثہ اور ندائے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم جیسے اعمال کے جواز و استحسان کی واضح تصریح کی ہے۔

مشائخِ صوفیاء واولیائے صالحین کی تعلیمات میں استغاثہ، استمداد، توسل، استعانت اور ندائے "یارسول اللہ"

استغاثہ، استمداد، توسل، استعانت اور ندائے "یارسول اللہ" وہ مسائل ہیں جن پر اہل سنت و جماعت کا ہمیشہ سے واضح موقف رہا ہے۔ مشائخِ صوفیاء اور اولیائے صالحین کی تعلیمات میں ان امور کو خاص اہمیت دی گئی ہے، اور ان کی کتب میں صریح دلائل موجود ہیں۔ ذیل میں ہم کتبِ تصوف اور سیر اولیاء کی روشنی میں اس مسئلے کا تحقیقی جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

استغاثہ واستعانت اور مشائخِ صوفیہ

(الف) حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الفتح الربانی میں فرماتے ہیں:

"إذا ضاقت عليك الأمور، فاستغث بنا، فإنّا نغيثك بإذن الله."

(الفتح الرباني، مجلس: ٦٢)

یعنی: "جب تم پر امور تنگ ہو جائیں تو ہم سے استغاثہ کرو، ہم اللہ کے اذن سے تمہاری مدد کریں گے۔"

(ب) شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"الاستمداد من أرواح الأولياء جائز شرعًا، وقد ثبت بالتجربة أن الاستغاثة بهم تنفع." (الفتوحات المكية، ج ٣، ص ٣٠٦)

یعنی: "اولیاء اللہ کی ارواح سے استمداد شرعاً جائز ہے اور تجربہ سے ثابت ہے کہ ان سے استغاثہ نفع بخش ہے۔"

توسل اور مشائخِ تصوف

(الف) خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"توسل بالأولياء والسادات من السنن المشهورة عند الصالحين."

(سیرتِ خواجہ غریب نواز، ص ٢٤٥)

یعنی: "اولیاء اور سادات کے وسیلے سے دعا کرنا صالحین کی مشہور سنت ہے۔"

(ب) امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"التوسل بالأولياء حق، ومن أنكره فقد جهل طريق القرب من الله."

(مکتوبات امام ربانی، ج ۲، مکتوب ۱۲۳)

یعنی: اولیاء کے وسیلے سے دعا کرنا حق ہے، اور جو اس کا انکار کرے، اس نے قربِ الٰہی کے راستے کو نہیں پہچانا۔

۳. ندائے "یارسول اللہ" اور اقوالِ اولیاء

(الف) حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"منادات النبي صلى الله عليه وسلم بعد وفاته جائز، وقد ثبت بالتجربة أن الاستغاثة به ترفع البلاء." (كشف المحجوب، ص ٢١٢)

یعنی: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات کے بعد پکارنا جائز ہے، اور تجربہ سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ مصائب کو دور کرتا ہے۔"

(ب) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آپ فرماتے ہیں:

"التوسل والتبرك برسول الله صلى الله عليه وسلم مشروع، وهو من أسباب القبول عند الله." (فيوض الحرمين، ص ٦٢)

یعنی: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے اور برکت سے دعا کرنا مشروع ہے، اور یہ اللہ کے ہاں قبولیت کے اسباب میں سے ہے۔"

اولیائے کرام اور مشائخِ تصوف کی تعلیمات میں استغاثہ، استمداد، توسل، استعانت اور ندائے "یارسول اللہ" کی مشروعیت واضح طور پر ثابت ہے۔ یہ امور نہ صرف جواز رکھتے ہیں بلکہ ان سے دین میں برکت اور قربِ الٰہی کا حصول ممکن ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر قائم رکھے اور اپنے نیک و صالح بندوں کے فیوض و برکات سے مستفیض فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین وآلہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم. ھٰذا ماظھر لی والعلم عند ربی وھو اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

نبی کریم ﷺ کی نورانیت وبشریت کی تحقیق

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! بعدہ آپ کی خدمت میں عرض ہے کہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کا بعض لوگ انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نبی نور نہیں ہیں بلکہ بشر ہیں۔ لہذا آپ سے گزارش ہے کہ نبی انور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے نور وبشر ہونے کے مسئلے کو بایں طور مدلل واضح فرمائیں کہ مذکورہ دونوں عقیدوں میں کون درست ہے اور کون غلط ہے؟ واضح ہوجائے۔ یادونوں میں کوئی تطبیق کی صورت ہوسکتی ہے؟ وہ بتائیں۔

المستفتی سید علی بہادر بابا کشتی والے مکنپور شریف۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب۔ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

اللہ تعالیٰ کے محبوب حضور سیدنا جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی حقیقت بلاشک و شبہ نور ہی نور ہے۔ بلکہ اپ سراپا نور ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نور اعظم ہیں۔ اللہ تعالی قران مقدس میں ارشاد فرماتا ہے:

"قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ" (سورۂ مائدہ ایت:۱۵)

اس کی تفسیر میں امام محمد نووی الجاوی اپنی تفسیر "تفسیر المنیر لمعالم التنزیل المعروف بہ مراح لبید" میں فرماتے ہیں:

"قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ، اَیْ رَسُولٌ وَهُوَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ."

یعنی تمہارے پاس بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور آیا یعنی رسول اللہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم تشریف لائے۔

اسی طرح حضرت امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی متوفی سن ۴۶۸ ہجری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر کی کتاب "تفسیر القرآن العزیز" میں فرماتے ہیں:

"قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُورٌ يَعْنِى اَلنَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ."

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

تفسیر بغوی المعروف بہ "معالم التنزیل" میں امام ابو محمد حسین بن مسعود الفرا بغوی رقم طراز ہیں:

"قَدْ جَآءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُورٌ يَعْنِىْ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقِيْلَ الْاِسْلَامُ"

یعنی بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور یعنی محمد ﷺ تشریف لائے اور کہا گیا ہے کہ نور سے مراد اسلام ہے۔

اسی طرح تفسیر خازن اور دیگر بہت سی تفاسیر قرآن میں نور سے مراد حضور سرکار کریم حضرت محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی ذات گرامی کو ہی مراد لیا گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی نورانیت پر: قرآن مجید کی تفاسیر میں کچھ مزید مفسرین اہلِ سنت کی سلسلہ وار گواہیاں

پہلا مقام:

سورۃ المائدہ، آیت ۱۵:

"قَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ" (المائدۃ:۱۵)

مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس آیت میں "نور" سے مراد حضور رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے۔

چنانچہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ت ۶۰۶ھ) "تفسیر کبیر" میں فرماتے ہیں:

" قوله: {قَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ} أي: رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم، وهو قول أكثر المفسرين". (التفسير الكبير، الرازي، ج ١٢، ص ٤٨)

ترجمہ: آیت میں "نور" سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں، یہی جمہور مفسرین کا قول ہے۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ت ۶۷۱ھ) "الجامع لأحكام القرآن" میں فرماتے ہیں:

" قوله تعالى: {قَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ} قيل: هو محمد ﷺ."

(القرطبي، ج ٦، ص ١١٨)

ترجمہ: آیت میں جو "نور" ہے، اس سے مراد محمد ﷺ ہیں۔

حضرت امام الوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ت ۱۲۷۰ھ) "روح المعانی" میں فرماتے ہیں:

" والنور: هو النبي صلى الله عليه وسلم، على الصحيح، وعليه أكثر المفسرين..."

(روح المعاني، الآلوسي، ج ٦، ص ١١٣)

ترجمہ: "نور" سے مراد حضور سیدنا نبی اکرم ﷺ ہیں، یہی صحیح قول ہے، اور اسی پر اکثر مفسرین کا اتفاق ہے۔

دوسرا مقام:

سورۃ الاحزاب، آیت ۴۵-۴۶:

"يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا" (الاحزاب:۴۵-۴۶)

مفسرین کرام نے "سِرَاجًا مُّنِيرًا" کو نبی انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے نورانی وجود سے تعبیر کیا ہے۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وَقِيلَ: السِّرَاجُ الْمُنِيرُ يُرَادُ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ نَفْسُهُ، أَيْ جَعَلَهُ اللَّهُ سِرَاجًا لِلْخَلْقِ، أَيْ نُورًا..." (الجامع لأحكام القرآن، ج ١٤، ص ٢٢٦)

ترجمہ: "سراجاً منیراً" سے مراد حضور سیدنا نبی اکرم ﷺ کا وجودِ مقدس ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مخلوق کے لیے چراغ، یعنی نور بنا دیا۔

علامہ خازن رحمہ اللہ تعالیٰ—لباب التاویل میں فرماتے ہیں:

" وقيل: هو النبي صلى الله عليه وسلم، أي: جعله سراجًا منيرًا، يهتدى به كما يهتدى بالسرج." (تفسير الخازن، ج ٤، ص ١٧٠)

تیسرا مقام:

سورۃ النور، آیت ۳۵:

"اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ" (النور:۳۵)

یہاں "نور" کی نسبت براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، لیکن مفسرین نے "مصباح"، "زجاجه"، اور "مشکاۃ" کی مثال میں نبی کریم ﷺ کی نورانیت کی جھلک بیان کی ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"إنّ المراد بالمشكاة: صدر النبي ﷺ، والزجاجة: قلبه، والمصباح: نور النبوة في قلبه." (التفسير الكبير، ج ٢٣، ص ١٦٦)

ترجمہ: "مشکاۃ" سے مراد نبی ﷺ کا سینہ، "زجاجه" آپ کا قلب، اور "مصباح" نبوت کا نور ہے جو آپ ﷺ کے قلب میں ہے۔

چوتھا مقام:

سورۃ التحریم، آیت ۸:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ" (التحریم:۸)

مفسرین کے مطابق، مومنوں کے نور کی اصل نبی کریم ﷺ کے نور سے حاصل ہے۔

خود آقا علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرا نور بنایا اور میرے ہی نور سے ہر چیز کو خلق فرمایا۔

چنانچہ امام عبد الرزاق جو حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے استاد اور امام بخاری و مسلم کے استاذ الاساتذہ ہیں آپ اپنے "مصنف" میں حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

"قال: قلت یارسولَ اللّٰہِ! بِاَبِی أنْتَ وَاُمِّی اَخْبِرْنِی عَنْ أَوَّلِ شَيْءٍ خَلَقَهُ اللّٰهُ تَعَالَىٰ قَبْلَ الْاَشْيَاءِ قَضالَ يَاجَابِرُ! اِنَّ اللّٰهَ تعالی قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْيَاءِنُورَنَبِيِّکَ مِنْ نُورِہٖ. الحدیث بطولہ..."

یعنی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے بارگاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان مجھے ارشاد فرمائے کہ سب سے پہلے اللہ پاک نے کس شئ کی تخلیق فرمائی؟ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے جابر! بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے خلق فرمایا. اسی طرح امام بیہقی نے دلال النبوۃ میں اس حدیث کی روایت کی ہے اور شیخ محقق نے بھی مدارج النبوۃ میں اس کو روایت کیا ہے۔

حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سراپا نور اور حسین ترین ہونے کا بیان

وسلم. عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما قَالَ : كَانَ رَسُوْلُ الله صلى الله عليه وآله وسلم يَقُوْلُ فِي صَلَاتِهِ أَوْ فِي سُجُوْدِهِ : اَللّٰهُمَّ، اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُوْرًا وَفِي سَمْعِي نُوْرًا وَفِي بَصَرِي نُوْرًا وَعَنْ يَمِيْنِي نُوْرًا وَعَنْ شِمَالِي نُوْرًا وَأَمَامِي نُوْرًا وَخَلْفِي نُوْرًا وَفَوْقِي نُوْرًا

وَتَحْتِي نُوْرًا وَاجْعَلْ لِي نُوْرًا أَوْ قَالَ : وَاجْعَلْنِي نُوْرًا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَهَذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ.

وفي رواية : قَالَ رَسُوْلُ الله صلى الله عليه وآله وسلم : اَللّٰهُمَّ، اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُوْرًا وَفِي لِسَانِي نُوْرًا وَفِي سَمْعِي نُوْرًا وَفِي بَصَرِي نُوْرًا وَمِنْ فَوْقِي نُوْرًا وَمِنْ تَحْتِي نُوْرًا وَعَنْ يَمِيْنِي نُوْرًا وَعَنْ شِمَالِي نُوْرًا وَمِنْ بَيْنِ يَدَيَّ نُوْرًا وَمِنْ خَلْفِي نُوْرًا وَاجْعَلْ فِي نَفْسِي نُوْرًا وَأَعْظِمْ لِي نُوْرًا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ.

وفي رواية عنه : قَالَ : اَللّٰهُمَّ، اجْعَلْ لِي نُوْرًا فِي قَلْبِي وَنُوْرًا فِي قَبْرِي وَنُوْرًا مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ وَنُوْرًا مِنْ خَلْفِي وَنُوْرًا عَنْ يَمِيْنِي وَنُوْرًا عَنْ شِمَالِي وَنُوْرًا مِنْ فَوْقِي وَنُوْرًا مِنْ تَحْتِي وَنُوْرًا فِي سَمْعِي وَنُوْرًا فِي بَصَرِي وَنُوْرًا فِي شَعْرِي وَنُوْرًا فِي بَشَرِي وَنُوْرًا فِي لَحْمِي وَنُوْرًا فِي دَمِي وَنُوْرًا فِي عِظَامِي. اَللّٰهُمَّ، أَعْظِمْ لِي نُوْرًا وَأَعْطِنِي نُوْرًا وَاجْعَلْ لِي نُوْرًا... رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاللَّفْظُ لَهُ.

(أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب : الدعوات، باب : الدعاء إذا انتبه بالليل، ٥ / ٢٣٢٧، الرقم : ٥٩٥٧، ومسلم في الصحيح، كتاب : صلاة المسافرين وقصرها، باب : الدعاء في صلاة الليل وقيامه، ١ / ٥٢٥، ٥٢٩.٥٢٨، الرقم : ٧٦٣، والترمذي في السنن، كتاب : الدعوات عن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم، باب: (٣٠) منه، ٥ / ٤٨٢، الرقم : ٣٤١٩، والنسائي في السنن، كتاب : التطبيق، باب : الدعاء في السجود، ٢ / ٢١٨، الرقم : ١١٢١،)

”ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی للہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نماز اور حالت سجدہ میں یہ دعا مانگا کرتے تھے: اے اللہ! میرے دل میں نور کر دے، میرے کانوں میں نور کر دے، میرے دائیں نور کر دے، میرے بائیں نور کر دے، میرے آگے نور کر دے، میرے پیچھے نور کر دے، میرے اوپر نور کر دے، میرے نیچے نور کر دے، میرے لئے نور کر دے یا فرمایا مجھے (سراپا) نور بنادے۔“

یہ حدیث متفق علیہ ہے، مذکورہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

”ترجمہ: ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! میرے دل میں نور کر دے، میری انکھوں میں نور کر دے، میرے اوپر نور کر دے، میرے نیچے نور کر دے، میرے دائیں نور کر دے، میرے بائیں نور کر دے، میرے سامنے نور کر دے، میرے پیچھے نور کر دے اور میرے اندر نور کر دے اور میرے لئے نور کو عظیم کر دے۔“

اسے امام مسلم، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے۔

"ترجمہ: اے اللہ! میرے دل میں نور کر دے، میری قبر میں، میرے اگے، پیچھے، دائیں، بائیں، اوپر اور نیچے، نور ہی نور پھیلا دے۔ اے اللہ! میرے کانوں، میری انکھوں، میرے بالوں، میرے چہرے، میرے گوشت، میرے خون اور میری ہڈیوں میں نور ہی نور بھر دے۔ اے اللہ! میرے لئے نور کو عظیم فرما۔ مجھے نور عطا فرما اور میرے لئے نور بنا دے۔"

اس حدیث کو امام بخاری، مسلم اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور الفاظ بھی انہی کے ہیں۔

معلوم ہونا چاہئیے کہ نبی کریم مستجاب الدعوات ہیں آپ کی دعائیں رد نہیں کی جاتی ہیں انبیاء کرام کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں۔ "حدیث نور" ایک اور حدیث میں حضور نبی انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی نورانیت کا ذکر مفصل ہے جسے متعدد محدثین نے روایت کیا ہے۔ وہ حدیث شریف درجہ ذیل ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضي اللهُ عنهما قَالَ : قُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللهِ، بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي، أَخْبِرْنِي عَنْ أَوَّلِ شَيءٍ خَلَقَهُ اللهُ تَعَالىٰ قَبْلَ الْأَشْيَاءِ؟ قَالَ : يَا جَابِرُ، إِنَّ اللهَ تَعَالَى قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْأَشْيَاءِ نُوْرَ نَبِيِّكَ مِنْ نُوْرِهِ، فَجَعَلَ ذَلِكَ النُّوْرَ يَدُوْرُ بِالْقُدْرَةِ حَيْثُ شَاءَ اللهُ تَعَالَى، وَلَمْ يَكُنْ فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ لَوْحٌ وَلَا قَلَمٌ، وَلَا جَنَّةٌ وَلَا نَارٌ، وَلَا مَلَكٌ وَلَا سَمَاءٌ، وَلَا أَرْضٌ وَلَا شَمْسٌ وَلَا قَمَرٌ، وَلَا جِنِّيٌّ، وَلَا إِنْسِيٌّ، فَلَمَّا أَرَادَ اللهُ تَعَالَى أَنْ يَخْلُقَ الْخَلْقَ قَسَمَ ذَلِكَ النُّوْرَ أَرْبَعَةَ أَجْزَاءٍ : فَخَلَقَ مِنَ الْجُزْءِ الْأَوَّلِ الْقَلَمَ، وَمِنَ الثَّانِي : اللَّوْحَ وَمِنَ الثَّالِثِ : الْعَرْشَ، ثُمَّ قَسَمَ الْجُزْءَ الرَّابِعَ أَرْبَعَةَ أَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْأَوَّلِ : حَمَلَةَ الْعَرْشِ، وَمِنَ الثَّانِيِّ : الْكُرْسِيَّ وَمِنَ الثَّالِثِ : بَاقِيَ الْمَلَائِكَةِ، ثُمَّ قَسَمَ الْجُزْءَ الرَّابِعَ أَرْبَعَةَ أَجْزَاءٍ، فَخَلَقَ مِنَ الْأَوَّلِ : السَّمٰوَاتِ، وَمِنَ الثَّانِي : الْأَرْضِيْنَ وَمِنَ الثَّالِثِ : اَلْجَنَّةَ وَالنَّارَ ... الحديث. رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ.

(أخرجه عبد الرزاق في المصنف (الجزء المفقود من الجزء الأول من المصنف)، ١ / ٦٣، الرقم : ٦٣، والقسطلاني في المواهب اللدنية، ١ / ٧١، وقال : أخرجه عبد الرزاق بسنده، والزرقاني في شرح المواهب اللدنية، ١ / ٨٩.٩١، والحلبي في السيرة، ١ / ٥٠)

"ترجمہ: مشہور صحابئ رسول علیہ السّلام حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے بارگاہِ رسالت ماب صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر

قربان! مجھے بتائیں کہ للہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس شے کو پیدا کیا؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا : اے جابر! بے شک للہ تعالیٰ نے تمام مخلوق (کو پیدا کرنے) سے پہلے تمہارے نبی (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) کا نور اپنے نور (کے فیض) سے پیدا فرمایا، یہ نور اللہ تعالیٰ کی مشیت سے جہاں اس نے چاہا سیر کرتا رہا۔ اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم، نہ جنت تھی نہ دوزخ، نہ (کوئی) فرشتہ تھا نہ اسمان تھا نہ زمین، نہ سورج تھا نہ چاند، نہ جن تھے اور نہ انسان، جب للہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ مخلوق کو پیدا کرے تو اس نے اس نور کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا۔ پہلے حصہ سے قلم بنایا، دوسرے حصہ سے لوح اور تیسرے حصہ سے عرش بنایا۔ پھر چوتھے حصہ کو (مزید) چار حصوں میں تقسیم کیا تو پہلے حصہ سے عرش اٹھانے والے فرشتے بنائے اور دوسرے حصہ سے کرسی اور تیسرے حصہ سے باقی فرشتے پیدا کئے۔ پھر چوتھے حصہ کو مزید چار حصوں میں تقسیم کیا تو پہلے حصہ سے اسمان بنائے، دوسرے حصہ سے زمین اور تیسرے حصہ سے جنت اور دوزخ بنائی۔۔۔ آگے طویل حدیث بیان ہوئی ہے۔"

اسے حضرت امام عبد الرزاق نے روایت کیا ہے جو حضرت امام بخاری کے دادا استاذ ہیں۔

اسی نورانیت کے سبب سے جب صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو دیکھتے تو حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلّم کی نورانیت کو محسوس کرتے ہوئے اپنی اپنی معرفت کے مطابق حضور نبی انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی نورانیت کو بیان فرماتے تھے چنانچہ صحیحین میں حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه يُحَدِّثُ حِيْنَ تَخَلَّفَ عَنْ تَبُوْکَ قَالَ : فَلَمَّا سَلَّمْتُ عَلَى رَسُوْلِ الله صلى الله عليه وآله وسلم وَهُوَ يَبْرُقُ وَجْهُهُ مِنَ السُّرُوْرِ وَكَانَ رَسُوْلُ الله صلى الله عليه وآله وسلم إِذَا سُرَّ اسْتَنَارَ وَجْهُهُ حَتَّى كَأَنَّهُ قِطْعَةُ قَمَرٍ وَكُنَّا نَعْرِفُ ذَلِکَ مِنْهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَهَذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ.

(أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب : المناقب، باب : صفة النبي صلى الله عليه وآله وسلم، ٣ / ١٣٠٥، الرقم : ٣٣٦٣، وفي كتاب : المغازي، باب : حديث كعب بن مالک رضی الله عنه، ٤ / ١٦٠٧، الرقم : ٤١٥٦، ومسلم في الصحيح، كتاب : التوبة، باب : حديث توبة كعب بن مالک وصاحبيه، ٤ / ٢١٢٧، الرقم : ٢٧٦٩)

"ترجمہ: حضرت سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب وہ غزوہ تبوک سے پیچھے

رہ گئے تھے۔ انہوں نے بیان فرمایا، (توبہ قبول ہونے کے بعد) جب میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا تو آپ کا چہرۂ انور خوشی سے جگمگا رہا تھا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم جب بھی مسرور ہوتے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا چہرہ مبارک یوں نور بار ہو جاتا تھا جیسے وہ چاند کا ٹکڑا ہے۔ ہم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے چہرہ انور ہی سے اس بات کا اندازہ کر لیا کرتے تھے۔"

یہ حدیث متفق علیہ ہے اور مذکورہ الفاظ امام بخاری کے ہیں۔

ایک اور حدیث پاک میں حضور کی نورانیت کا ذکر

حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔

"عَنْ عَائِشَةَ رضي اللهُ عنها أَنَّ رَسُوْلَ اللهُ صلى الله عليه وآله وسلم دَخَلَ عَلَيْهَا مَسْرُوْرًا تَبْرُقُ أَسَارِيْرُ وَجْهِهِ ...الحديث. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ".

(أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب : المناقب، باب : صفة النبي صلى الله عليه وآله وسلم، ٣ / ١٣٠٤، الرقم : ٣٣٦٢، وفي كتاب : الفرائض، باب : القائف، ٦ / ٢٤٨٦، الرقم : ٦٣٨٨، ومسلم في الصحيح، كتاب الرضاع، باب : العمل بإلحاق القائف الولد، ٢ / ١٠٨١، الرقم : ١٤٥٩)

"ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم میرے پاس ایسی مسرت ریز حالت میں تشریف فرما ہوئے کہ چہرہ مبارک (نور سے) جگمگا رہا تھا۔" (یہ حدیث متفق علیہ ہے۔)

حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا روئے مبارک اتنا پر نور تھا گویا چہرہ انور میں سورج پیر تا ہو:

چنانچہ ایک حدیث شریف میں حضور پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے روئے انور کی نورانیت کے بارے میں لکھا ہے گویا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے چہرے میں سورج پیر تا تھا، چنانچہ حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه قَالَ : مَا رَأَيْتُ شَيْئًا أَحْسَنَ مِنْ رَسُوْلِ الله صلى الله عليه وآله وسلم كَأَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِي فِي وَجْهِهِ وَمَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَسْرَعَ فِي مِشْيَتِهِ مِنْ رَسُوْلِ الله صلى الله عليه وآله وسلم كَأَنَّمَا الْأَرْضُ تُطْوَى لَهُ إِنَّا لَنُجْهِدُ أَنْفُسَنَا وَإِنَّهُ لَغَيْرُ مُكْتَرِثٍ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَحْمَدُ.

(أخرجه الترمذي في السنن، كتاب : المناقب عن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم، باب : في صفة النبي صلى الله عليه وآله وسلم، ٥ / ٦٠٤، الرقم : ٣٦٤٨، وفي الشمائل المحمدية، ١/ ١١٢، الرقم : ١٢٤، وأحمد بن حنبل في المسند، ٢ / ٣٥٠، ٣٨٠، الرقم : ٨٥٨٨، ٨٩٣٠)

"ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے زیادہ حسین کوئی چیز نہیں دیکھی، گویا کہ چہرہ انور میں سورج گردش پذیر ہے اور میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے زیادہ تیز رفتار بھی کوئی نہیں دیکھا گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لیے زمین لپیٹ دی جاتی تھی، ہم (چلتے وقت) اپنی جانوں کو مشقت میں ڈالتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم بلا تکلف چلتے تھے۔" اس حدیث کو امام ترمذی اور امام احمد نے روایت کیا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے سراپا نور ہونے کا بیان:

حضرت عقبہ ابن عامر اَلْجُهَنِی سے روایت ہے:

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ رضی الله عنه قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ الله صلى الله عليه وآله وسلم يَقُوْلُ : فذكر الحديث إلى أن قال: حَتّٰى آتِيَ رَبِّي فَيُشَفِّعَنِي وَيَجْعَلَ لِي نُوْرًا مِنْ شَعْرِ رَأْسِي إِلَى ظُفْرِ قَدَمِي...الحديث. رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَالطَّبَرَانِيُّ وَابْنُ عَسَاكِر.

(أخرجه الدارمي في السنن، كتاب : الرقاق، ٢ / ٤٢١، الرقم : ٢٨٠٤، والطبراني في المعجم الكبير، ١٧ / ٣٢٠، الرقم : ٨٨٧، وابن عساكر في تاريخ مدينة دمشق، ٧ / ٤٥٣)

"ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: پھر انہوں (حضرت عقبہ بن عامر) نے پوری حدیث ذکر کی یہاں تک کہ بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: یہاں تک کہ میں اپنے رب تعالیٰ کے پاس اؤں گا تو وہ میری شفاعت قبول فرمائے گا اور میرے سر کے بالوں سے لے کر میرے پاؤں کے ناخنوں تک مجھے (سراپا) نور بنا دے گا (یعنی اس وقت میری نورانیت کو ہر ایک پر عیاں فرما دے گا)۔۔۔ الحدیث۔"

اس حدیث کو امام دارمی، طبرانی اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔

حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلّم کے نورانی دندان مبارک:

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما قَالَ : كَانَ رَسُوْلُ الله صلى الله عليه وآله وسلم أَفْلَجَ الثَّنِيَّتَيْنِ إِذَا تَكَلَّمَ رُئِيَ كَالنُّوْرِ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ ثَنَايَاهُ. رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَالطَّبَرَانِيُّ.

(أخرجه الدارمي في السنن : باب : في حسن النبي صلى الله عليه وآله وسلم، ١ / ٤٤، الرقم : ٥٨، والطبراني في المعجم الأوسط، ١ / ٢٣٥، الرقم : ٧٦٧).

"ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی للہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سامنے والے دندان مبارک قدرے کشادہ تھے اور جب آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کلام فرماتے تو یوں دکھتا کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سامنے والے دندان مبارک سے نور کی کرنیں پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہیں۔" اس حدیث کو امام دارمی اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔

حضور سیدنا نبی کریم چمکتے ہوئے سورج ہیں:

حضرت ابو عبیدہ ابن محمد ابن عمار ابن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ رضى الله عنهم قَالَ : قُلْتُ لِلرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ : صِفِي لَنَا رَسُوْلَ الله صلى الله عليه وآله وسلم ؟ فَقَالَتْ : يَا بُنَيَّ، لَوْ رَأَيْتَهُ رَأَيْتَ الشَّمْسَ طَالِعَةً. رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَالطَّبَرَانِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ.

(أخرجه الدارمي في السنن، باب : في حسن النبي صلى الله عليه وآله وسلم، ١ / ٤٤، الرقم : ٦٠، والطبراني في المعجم الكبير، ٢٤ / ٢٧٤، الرقم : ٦٩٦، والبيهقي في شعب الإيمان، ٢ / ١٥١، الرقم : ١٤٢٠، وابن عساكر في تاريخ مدينة دمشق، ٣ / ٣١٣)

"ترجمہ: حضرت ابو عبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم بیان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی للہ تعالیٰ عنہما سے کہا کہ ہمارے سامنے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے اوصاف مبارکہ بیان کریں، تو انہوں نے فرمایا: اے میرے بیٹے! اگر تم انہیں دیکھتے (تو ایسے ہی تھا گویا) تم نے اپنی پوری اب و تاب سے چمکتا سورج دیکھ لیا ہے۔"

اس حدیث کو امام دارمی، طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

حضرت امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے نزدیک حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی نورانیت مبارکہ

حضرت سیدنا امام حسن علیہ السّلام سے روایت ہے:

عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ عليهما السلام قَالَ : سَأَلْتُ خَالِي هِنْدَ بْنَ أَبِي هَالَةَ التَّمِيْمِيَّ رضی الله عنه وَكَانَ وَصَّافًا عَنْ حُلْيَةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم وَأَنَا أَشْتَهِي أَنْ يَصِفَ لِي مِنْهَا شَيْئًا أَتَعَلَّقُ بِهِ فَقَالَ : كَانَ رَسُوْلُ لله صلى الله عليه وآله وسلم فَخْمًا مُفَخَّمًا يَتَلَأْلَأُ وَجْهُهُ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ... أَقْنَى الْعِرْنَيْنِ لَهُ نُوْرٌ يَعْلُوْهُ يَحْسِبُهُ مَنْ لَمْ يَتَأَمَّلْهُ أَشَمَّ... أَنْوَرُ الْمُتَجَرَّدِ... الحديث.

رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالطَّبَرَانِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ وَابْنُ عَسَاكِرَ وَالتِّرْمِذِيُّ فِي الشَّمَائِلِ.

(أخرجه ابن حبان في الثقات، ٢ / ١٤٦ , ١٤٥، والطبراني في المعجم الكبير، ٢٢ / ١٥٥.١٥٦، الرقم : ٤١٤، وفي أحاديث الطوال، ١ / ٢٤٥، والبيهقي في شعب الإيمان، ٢ / ١٥٥.١٥٤، الرقم : ١٤٣٠، والترمذي في الشمائل المحمدية، ١ / ٣٧، الرقم : ٨، وابن عساكر في تاريخ مدينة دمشق، ٣ / ٢٧٧، ٣٣٨، ٣٤٤، ٣٤٨)

"ترجمہ: حضرت سیدنا امام حسن بن علی علیہما السلام بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے خالو حضرت ہند بن ابی ہالہ تمیمی رضی اللہ عنہ سے پوچھا اور وہ (سب سے بہتر) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حلیہ مبارک کو بیان فرمانے والے تھے اور مجھے یہ خواہش تھی کہ وہ میرے لئے (حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حلیہ مبارک سے) کوئی ایسی شے بیان کریں جس سے میرا بھی تعلق ہو (یعنی بظاہر میرا کوئی وصف بھی اقا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے وصف مبارک سے مشابہت رکھتا ہو) پس انہوں نے کہا: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم بلند رتبہ اور عالی شان تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا چہرہ انور چودھویں کے چاند کے چمکنے کی طرح چمکتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بینی مبارک کی نوک بلند تھی اور اس پر نور جھلکتا رہتا تھا جو اچھی طرح غور سے نہ دیکھتا وہ سمجھتا کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بینی مبارک بلند ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے جسم اقدس کے وہ اعضا جہاں کپڑا نہیں ہوتا، بھی روشن اور منور تھے (جبکہ عام لوگوں کے یہ اعضا گرد و غبار اور دھوپ کے باعث سیاہی مائل ہو جاتے ہیں)۔"

اسے امام ابن حبان، طبرانی، بیہقی، ابن عساکر اور ترمذی نے "الشمائل المحمدیہ" میں روایت کیا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی نظر میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلّم کے حلیہ مبارک و پسینہ مبارک کی نورانیت

عَنْ يُوْسُفَ بْنِ مَازِنٍ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ عَلِيًّا رضی الله عنه فَقَالَ : يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ، انْعَتْ لَنَا رَسُوْلَ الله صلی الله عليه وآله وسلم صِفْهُ لَنَا؟ فَقَالَ : كَانَ لَيْسَ بَالذَّاهِبِ طُوْلًا وَفَوْقَ الرَّبْعَةِ إِذَا جَاءَ مَعَ الْقَوْمِ غَمَرَهُمْ أَبْيَضَ شَدِيْدَ الْوَضَحِ ضَخْمَ الْهَامَةِ أَغَرَّ أَبْلَجَ هَدِبَ الْأَشْفَارِ شَثْنَ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ إِذَا مَشَى يَتَقَلَّعُ كَأَنَّمَا يَنْحَدِرُ فِي صَبَبٍ كَأَنَّ الْعَرَقَ فِي وَجْهِهِ اللُّؤْلُؤُ لَمْ أَرَ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ بِأَبِي وَأُمِّي صلی الله عليه وآله وسلم . رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ سَعْدٍ.

(أخرجه أحمد بن حنبل في المسند، ١ / ١٥١، الرقم : ١٢٩٩، وابن سعد في الطبقات الكبرىٰ، ١ / ٤١١.٤١٢، وابن عساكر في تاريخ مدينة دمشق، ٣ / ٢٦١)

”ترجمہ: حضرت یوسف بن مازن سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: اے امیر المؤمنین! ہمارے لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان فرمایئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم بہت زیادہ دراز قد تھے نہ ہی کوتاہ قد۔ جب آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کچھ لوگوں کے ساتھ ہوتے تو ان سب میں نمایاں ہوتے، نہایت سفید اور روشن رنگ والے تھے، قدرے بھارے بھر کم سر مبارک والے، گورے مکھڑے والے، دراز پلکوں والے، ہاتھوں اور پاؤں مبارک کی انگلیاں سخت تھیں، جب آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم چلتے تو قوت سے پاؤں اٹھاتے گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم بلندی سے پست زمین کی طرف اتر رہے ہوں، پسینہ مبارک قطرے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے چہرہ انور پر موتیوں کی طرح جھلکتے، میں نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے پہلے اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم جیسا حسین کوئی نہیں دیکھا، میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر قربان ہوں۔“

اس حدیث کو امام احمد اور ابن سعد نے روایت کیا ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ ام المؤمنین کی نظر میں حضور کا نورانی چہرہ چودھویں کے چاند سے زیادہ خوبصورت تھا

چنانچہ روایت ہے:

عَنِ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ : كَانَ رَسُوْلُ الله ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا وَأَنْوَرَهُمْ لَوْنًا لَمْ يَصِفْهُ وَاصِفٌ قَطُّ بَلَغَتْنَا صِفَتُهُ إِلَّا شَبَّهَ وَجْهَهُ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَلَقَدْ كَانَ يَقُوْلُ مَنْ كَانَ مِنْهُمْ يَقُوْلُ لَرُبَّمَا نَظَرْنَا إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَيَقُوْلُ : هُوَ أَحْسَنُ فِي أَعْيُنِنَا مِنَ الْقَمَرِ، أَزْهَرُ

اللَّوْنِ نَيِّرُ الْوَجْهِ يَتَلَأْلَأُ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ... الحديث. رَوَاهُ ابْنُ عَسَاكِرَ.

(أخرجه ابن عساكر في تاريخ مدينة دمشق، ٣ / ٣٥٨، والزرقاني على المواهب، ٤ / ٢٢٥)

"ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی للہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تمام لوگوں سے بڑھ کر خوبصورت چہرے والے تھے اور رنگ مبارک کے اعتبار سے بھی سب سے زیادہ نورانی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا کسی نے بھی وصف بیان نہیں کیا جو ہم تک پہنچا ہے مگر اس نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے چہرہ انور کو چودھویں کے چاند کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور ان میں سے کہنے والا کہتا تھا کہ شاید ہم نے چودہویں رات کا چاند دیکھا اور کہا: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہماری نظروں میں چودہویں کے چاند سے بھی بڑھ کر خوبصورت ہیں، جگمگاتی رنگت والے، نورانی مکھڑے والے ہیں جو ایسے چمکتا ہے جیسے چودہویں رات کا چاند چمکتا ہے۔۔۔ الحدیث۔" اس حدیث کو امام ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔

حضرت جابر ابن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظروں میں نورانیت رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم

حضرت جابر ابن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی الله عنه قَالَ : رَأَيْتُ رَسُوْلَ الله صلى الله عليه وآله وسلم فِي لَيْلَةٍ أَضْحِيَانَ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ إِلَيْهِ وَإِلَى الْقَمَرِ. قَالَ : فَلَهُوَ كَانَ أَحْسَنَ فِي عَيْنِي مِنَ الْقَمَرِ.

وفي رواية : فَلَهُوَ أَجْمَلُ عِنْدِي مِنَ الْقَمَرِ.

رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَالْحَاكِمُ وَالطَّبَرَانِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ فِي الشَّمَائِلِ.

وَقَالَ الْحَاكِمُ : هَذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحُ الإِسْنَادِ.

(أخرجه الدارمي في السنن، ١ / ٤٤، الرقم : 57، والنسائي في السنن الكبرى، ٥ / ٤٧٦، الرقم : ٩٦٤٠، والحاكم في المستدرک، ٤ / ٢٠٧، الرقم : ٧٣٨٣، والطبراني في المعجم الكبير، ٢ / ٢٠٦، الرقم : ١٨٤٢، والبيهقي في شعب الإيمان، ٢ / ١٥٠، الرقم : 1417، والترمذي في الشمائل المحمدية، ١ / ٣٩، الرقم : ١٠)

"حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک چاندنی رات میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زیارت کی درانحالیکہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سرخ پوشاک مبارک زیبِ تن کئے ہوئے تھے، میں نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور چاند کی طرف دیکھنا شروع کیا، پس آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم میری

نظروں میں چاند سے بھی حسین تر تھے۔

اور ایک راویت میں ہے کہ میرے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم چاند سے جمیل تر تھے۔"

اس حدیث کو امام دارمی، نسائی، حاکم، طبرانی، بیہقی اور ترمذی نے "الشمائل" میں روایت کیا ہے نیز امام حاکم نے فرمایا کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی نورانیت کو دیکھ کر کیا محسوس کیا:

حضرت زھری روایت کرتے ہیں:

عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ : سُئِلَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ رضی الله عنه عَنْ صِفَةِ النَّبِيِّ صلی الله عليه وآله وسلم قَالَ : أَحْسَنُ الصِّفَةِ وَأَجْمَلُهَا كَانَ رَبْعَةً إِلَى الطُّوْلِ مَا هُوَ بَعِيْدٌ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ، أَسِيْلَ الْجَبِيْنِ، شَدِيْدَ سَوَادِ الشَّعَرِ، أَكْحَلَ الْعَيْنِ، أَهْدَبَ إِذَا وَطِيءَ بِقَدُوْمِهِ وَطِيءَ بِكُلِّهَا لَيْسَ لَهَا أَخْمَصُ إِذَا وَضَعَ رِدَائَهُ عَنْ مَنْكِبَيْهِ فَكَأَنَّهُ سَبِيْكَةُ فِضَّةٍ وَإِذَا ضَحِكَ كَادَ يَتَلَأْ لَأُ فِي الْجُدَرِ لَمْ أَرَ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ صلی الله عليه وآله وسلم . رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ.

وفي رواية : وَكَانَ صلی الله عليه وآله وسلم أَجْلَى الْجَبِيْنِ إِذَا طَلَعَ جَبِيْنُهُ مِنْ بَيْنِ الشَّعْرِ إِذَا طَلَعَ فِي فَلْقِ الصُّبْحِ أَوْ عِنْدَ طِفْلِ اللَّيْلِ أَوْ طَلَعَ بِوَجْهِهِ عَلَى النَّاسِ تَرَاءُوْا جَبِيْنَهُ كَأَنَّهُ ضَوْءُ السِّرَاجِ الْمُتَوَقِّدِ قَدْ يَتَلَأْ لَأُ. رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَابْنُ عَسَاكِرُ.

(أخرجه عبد الرزاق في المصنف، ١١ / ٢٥٩، الرقم : ٢٠٤٩٠، والبيهقي في دلائل النبوة، ١ / ٣٠٢، وابن عساكر في تاريخ مدينة دمشق، ٣ / ٢٥٩، ٢٧٠.)

"ترجمہ: امام زہری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حلیہ مبارک کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نہایت ہی حسین و جمیل حلیہ والے تھے، آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم مائل بہ طول درمیانہ قد تھے، سینہ مبارک کشادہ، کشادہ جبیں، نہایت سیاہ بال، سرمئی چشمانِ مقدس والے، دراز پلکوں والے تھے، جب اپنا پاؤں مبارک زمین پر رکھتے تو پورا رکھتے، پاؤں مبارک چپٹے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنی چادر مبارک اپنے مبارک کندھوں سے اتارتے تو یوں محسوس ہوتا گویا چاندی میں ڈھلے ہوئے ہوں اور جب آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم مسکراتے تو قریب

ہو تا کہ اپ کا نور دیواروں میں جھلکنے لگے۔ میں نے اپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے پہلے اور اپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد بھی کسی کو اپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مثل نہیں دیکھا۔" اس حدیث کو امام عبدالرزاق نے بیان کیا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم روشن جبین تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پیشانی مبارک بالوں کے بیچ میں سے نمودار ہوتی، اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پو پھوٹنے کے وقت، یا اندھیرا چھانے کے وقت لوگوں کی طرف تشریف لاتے، تو وہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پیشانی مبارک کو یوں دیکھتے گویا وہ ایک جلتا ہوا روشن چراغ ہے۔"

اس حدیث کو امام بیہقی اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔

حضور سید نا رسول انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اپنی نورانیت کے ذکر سے بہت خوش ہوتے تھے:

چنانچہ حضرت موسیٰ ابن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

عَنْ مُوْسَى بْنِ عُقْبَةَ رضی الله عنه قَالَ: أَنْشَدَ النَّبِيَّ صلی الله عليه وآله وسلم كَعْبُ بْنُ زُهَيْرٍ " بَانَتْ سُعَادُ " فِي مَسْجِدِهِ بِالْمَدِيْنَةِ فَلَمَّا بَلَغَ قَوْلَهُ: إِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ يُسْتَضَاءُ بِهِ وَصَارِمٌ مِنْ سُيُوْفِ الله مَسْلُوْلُ أَشَارَ رَسُوْلُ الله صلی الله عليه وآله وسلم بِكُمِّهِ إِلَى الْخَلْقِ لِيَسْمَعُوْا مِنْهُ ... الحديث. رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَالْبَيْهَقِيُّ وَالطَّبَرَانِيُّ.

وفي رواية : عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ رضی الله عنه قَالَ : لَمَّا انْتَهَى خَبَرُ قَتْلِ ابْنِ خَطْلٍ إِلَى كَعْبِ بْنِ زُهَيْرِ بْنِ أَبِي سَلْمَى وَكَانَ بَلَغَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صلی الله عليه وآله وسلم أَوْعَدَهُ بِمَا أَوْعَدَهُ ابْنَ خَطْلٍ فَقِيْلَ لِكَعْبٍ إِنْ لَمْ تُدْرِكْ نَفْسَكَ قُتِلْتَ، فَقَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَسَأَلَ عَنْ أَرَقِّ أَصْحَابِ رَسُوْلِ الله صلی الله عليه وآله وسلم فَدُلَّ عَلَى أَبِي بَكْرٍ رضی الله عنه وَأَخْبَرَهُ خَبَرَهُ فَمَشَى أَبُوْ بَكْرٍ وَكَعْبٌ عَلَى إِثْرِهِ حَتَّى صَارَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ الله صلی الله عليه وآله وسلم فَقَالَ يَعْنِي أَبَا بَكْرٍ: اَلرَّجُلُ يُبَايِعُكَ فَمَدَّ النَّبِيُّ صلی الله عليه وآله وسلم يَدَهُ فَمَدَّ كَعْبٌ يَدَهُ فَبَايَعَهُ وَسَفَرَ عَنْ وَجْهِهِ فَأَنْشَدَهُ :

نُبِّئْتُ أَنَّ رَسُوْلَ الله أَوْعَدَنِي
وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُوْلِ الله مَأْمُوْلُ

إِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ يُسْتَضَاءُ بِهِ
مُهَنَّدٌ مِنْ سُيُوْفِ اللهِ مَسْلُوْلُ

فَكَسَاهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم بُرْدَةً لَهُ فَاشْتَرَاهَا مُعَاوِيَةُ رضى الله عنه مِنْ وَلَدِهِ بِمَالٍ فَهِيَ الَّتِي تَلْبَسُهَا الْخُلَفَاءُ فِي الْأَعْيَادِ.

رَوَاهُ ابْنُ قَانِعٍ وَالْعَسْقَلَانِيُّ وَابْنُ كَثِيْرٍ فِي الْبَدَايَةِ، وَقَالَ : قُلْتُ : وَرَدَ فِي بَعْضِ الرِّوَايَاتِ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم أَعْطَى بُرْدَتَهُ حِيْنَ أَنْشَدَهُ الْقَصِيْدَةَ ... وَهَكَذَا الْحَافِظُ أَبُوالْحَسَنِ ابْنُ الْأَثِيْرِ فِي الْغَابَةِ قَالَ هِيَ الْبُرْدَةُ الَّتِي عِنْدَ الْخُلَفَاءِ، قُلْتُ : وَهَذَا مِنَ الْأُمُوْرِ الْمَشْهُوْرَةِ جِدًّا.

(أخرجه الحاكم في المستدرک، ٣ / ٦٧٠. ٦٧٣، الرقم : ٦٤٧٧. ٦٤٧٩، والبيهقي في السنن الكبرىٰ، ١٠ / ٢٤٣، الرقم : ٧٧، والطبراني في المعجم الكبير، ١٩ / ١٧٨. ١٧٧، الرقم : ٤٠٣، والعسقلاني في الإصابة، ٥ / ٥٩٤، وابن هشام في السيرة النبوية، ٥ / ١٩١)

”ترجمہ: حضرت موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مشہور قصیدہ ”بانت سعاد“ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مسجد نبوی میں مدح کی اور جب اپنے اس شعر پر پہنچا:

”بیشک (یہ) رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم وہ نور ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم (کفر و ظلمت کے علمبر داروں کے خلاف) اللہ تعالیٰ کی تیز دھار تلواروں میں سے ایک عظیم تیغِ ابدار ہیں۔“

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے دستِ اقدس سے لوگوں کی طرف اشارہ کیا کہ وہ انہیں (یعنی کعب بن زہیر) کو (غور سے) سنیں۔“

اسے امام حاکم، بیہقی اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔

اور حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے پاس (قبول اسلام سے قبل، گستاخِ رسول) ابن خطل کے قتل کی خبر پہنچی اور اسے یہ خبر بھی پہنچ چکی تھی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسے بھی وہی دھمکی دی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ابن خطل کو

دی تھی تو کعب سے کہا گیا کہ اگر تو بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ہجو سے باز نہیں آئے گا تو قتل کر دیا جائے گا تو اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سب سے زیادہ نرم دل صحابی کے بارے میں معلومات کیں، تو اسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں بتایا گیا، وہ ان کے پاس گیا اور انہیں اپنی (ندامت و توبہ کی) ساری بات بتادی، پس حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ چپکے سے چلے (تاکہ کوئی صحابی راستے میں ہی اسے پہچان کر قتل نہ کر دے) یہاں تک کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سامنے پہنچ گئے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: (یارسول اللہ!) یہ ایک آدمی ہے جو آپ کی بیعت کرنا چاہتا ہے سو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنا دستِ اقدس آگے بڑھایا تو حضرت کعب بن زہیر نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بیعت کر لی پھر اپنے چہرے سے نقاب ہٹالیا اور اپنا وہ قصیدہ پڑھا جس میں ہے:

"مجھے خبر دی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مجھے دھمکی دی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ہاں عفو و درگزر کی (زیادہ) امید کی جاتی ہے۔"

اور اسی قصیدہ میں ہے:

"بیشک (یہ) رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم وہ نور ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم (کفر و ظلمت کے علمبرداروں کے خلاف) اللہ تعالیٰ کی تیز دھار تلواروں میں سے ایک عظیم تیغِ ابدار ہیں۔"

پس حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے (خوش ہو کر) اسے اپنی چادر پہنائی جسے بعد میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی اولاد سے مال کے بدلہ میں خرید لیا اور یہی وہ چادر ہے جسے (بعد میں) خلفاء عیدوں (اور اہم تہواروں کے موقع) پر پہنا کرتے تھے۔"

اس حدیث کو امام ابن قانع اور امام عسقلانی نے روایت کیا ہے اور امام ابن کثیر نے "البدایہ" میں روایت کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ میں کہتا ہوں کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ "حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی چادر مبارک ان کو اس وقت عطا فرمائی جب انہوں نے اپنے قصیدے کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مدح فرمائی۔۔۔ اور اسی طرح حافظ ابو الحسن ابن الاثیر نے "اسد الغابہ" میں بیان کیا ہے کہ یہ وہی چادر ہے جو خلفا

کے پاس رہی اور یہ بہت ہی مشہور واقعہ ہے۔"۔

ام المؤمنین حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نزدیک مصطفیٰ جان عالم ﷺ کی نورانیت

حضرت عایشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ : كُنْتُ قَاعِدَةً أَغْزِلُ وَالنَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم يَخْصِفُ نَعْلَهُ فَجَعَلَ جَبِيْنُهُ يَعْرَقُ وَجَعَلَ عَرَقُهُ يَتَوَلَّدُ نُوْرًا فَبُهِتُّ فَنَظَرَ إِلَيَّ رَسُوْلُ الله صلى الله عليه وآله وسلم فَقَالَ : مَا لَكِ يَا عَائِشَةُ، بُهِتِّ؟ قُلْتُ : جَعَلَ جَبِيْنُکَ يَعْرَقُ وَجَعَلَ عَرَقُکَ يَتَوَلَّدُ نُوْرًا. وَلَوْ رَآکَ أَبُوْ كَبِيْرٍ الْهُذْلِيُّ لَعَلِمَ أَنَّکَ أَحَقُّ بِشِعْرِهِ قَالَ : وَمَا يَقُوْلُ يَا عَائِشَةُ، أَبُوْ كَبِيْرٍ الْهُذْلِيُّ؟ فَقَالَتْ يَقُوْلُ :

وَمُبَرَّءٍ مِنْ كُلِّ غُبَّرِ حَيْضَةٍ
وَفَسَادِ مُرْضِعَةٍ وَدَاءِ مُغْيَلِ
فَإِذَا نَظَرَتَ إِلَى أَسِرَّةِ وَجْهِهِ
بَرِقَتْ كَبَرْقِ الْعَارِضِ الْمُتَهَلِّلِ

قَالَتْ : فَقَامَ إِلَيَّ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم وَقَبَّلَ بَيْنَ عَيْنَيَّ وَقَالَ : جَزَاکِ الله يَا عَائِشَةُ عَنِّي خَيْرًا مَا سُرِرْتِ مِنِّي كَسُرُوْرِي مِنْکِ.

رَوَاهُ أَبُوْ نُعَيْم وَالْبَيْهَقِيُّ وَالْخَطِيْبُ وَابْنُ عَسَاكِرُ.

(أخرجه أبو نعيم في حلية الأولياء، ٢ / ٤٦، والبيهقي في السنن الكبرىٰ، ٧ / ٤٢٢، الرقم : ١٥٢٠٤، والخطيب البغدادي في تاريخ بغداد، ١٣ / ٢٥٢.٢٥٣، الرقم : ٧٢١٠، وابن عساكر في تاريخ مدينة دمشق، ٣ / ٣٠٧.٣٠٨، ٥٩ / ٤٢٤،)

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں بیٹھی سوت کات رہی تھی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے نعلین مبارک گانٹھ رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پیشانی مبارک سے پسینہ بہنے لگا اور اس پسینہ مبارک سے نور پیدا ہونے لگا، میں اس (حسین) منظر میں مستغرق ہو گئی، تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے میری طرف دیکھا اور فرمایا: اے عائشہ! تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم مبہوت سی ہو گئی ہو۔ میں نے عرض کیا: (یارسول اللہ!) آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ ٹپکنے لگا اور وہ پسینہ نور پیدا کرنے لگا

اور اگر ابو کبیر ہذلی (عرب کا مشہور شاعر) اس وقت آپ کو دیکھ لیتا تو یقیناوہ جان لیتا کہ آپ اس کے شعر کے زیادہ حقدار ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! ابو کبیر ہذلی کیا کہتا ہے؟ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی للہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: وہ کہتا ہے:

"میرا ممدوح حیض و نفاس اور ولادت و رضاعت ہر ایک قسم کی الودگیوں سے پاک ہے، جب تو اس کے چہرے کے منور نقوش کو دیکھے تو تجھے محسوس ہو، گویا "عارضِ منور تاباں" ہے جو دہک رہا ہے۔"

سیدہ عائشہ رضی للہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ سن کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم میری طرف تشریف لائے اور میرے ماتھے پر بوسہ دیا اور فرمایا: اے عائشہ! اللہ تعالیٰ تجھے جزائے خیر عطا فرمائے اتنا تم بھی مسرور نہیں ہو گی، جس قدر یہ شعر سن کر ہم تم سے ہوئے ہیں۔"

اسے امام ابو نعیم، بیہقی، خطیب بغدادی اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔

حضرت عباس ابن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی نورانیت:

حضرت خریم بن اوس ابن حارثہ ابن لام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

عَنْ خُرَيْم بْنِ أَوْسِ بْنِ حَارِثَةَ بْنِ لَام رضی الله عنه قَالَ : كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم فَقَالَ لَهُ الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رضي الله عنهما : يَا رَسُوْلَ الله، إِنِّي أُرِيْدُ أَنْ أَمْدَحَكَ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم : هَاتِ لَا يَفْضُضِ الله فَاكَ فَأَنْشَأَ الْعَبَّاسُ رضى الله عنه يَقُوْلُ :

وَأَنْتَ لَمَّا وُلِدْتَ أَشْرَقَتِ
الْأَرْضُ وَضَاءَتْ بِنُوْرِكَ الْأُفُقُ
فَنَحْنُ فِي الضِّيَاءِ وَفِي
النُّوْرِ وَسُبُلُ الرَّشَادِ نَخْتَرِقُ

رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ وَالْحَاكِمُ وَأَبُوْنُعَيْم.

(أخرجه الطبراني في المعجم الكبير، ٤ / ٢١٣، الرقم : ٤١٦٧، والحاكم في المستدرک، ٣ / ٣٦٩، الرقم : ٥٤١٧، وأبو نعيم في حلية الأولياء، ١ / ٣٦٤، والذهبي في سير أعلام النبلاء، ٢ / ١٠٢، وابن عبد البر في الاستيعاب، ٢ / ٤٤٧، الرقم : ٦٦٤)

"حضرت خریم بن اوس بن حارثہ بن لام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے خدمتِ اقدس میں موجود تھے، حضرت عباس بن عبد المطلب رضی للہ عنہما نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یارسول للہ! میں آپ کی مدح ونعت پڑھنا چاہتا ہوں تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: لاؤ مجھے سناؤ للہ تعالیٰ تمہارے دانت صحیح وسالم رکھے (یعنی تم اسی طرح کا عمدہ کلام پڑھتے رہو) تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ پڑھنا شروع کیا:

اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم وہ ذات ہیں کہ جب آپ کی ولادت ہوئی تو ساری زمین چمک اٹھی اور آپ کے نور سے افقِ عالم روشن ہو گیا پس ہم ہیں اور ہدایت کے راستے ہیں اور ہم آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی عطا کردہ روشنی اور آپ ہی کے نور میں ان (ہدایت کی راہوں) پر گامزن ہیں۔"

اس حدیث کو امام طبرانی، حاکم اور ابو نعیم نے روایت کیا ہے۔

نورانیت مصطفیٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے متعلق حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ : سُئِلَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ رضی الله عنه عَنْ صِفَةِ النَّبِيِّ صلی الله عليه وآله وسلم قَالَ : أَحْسَنُ الصِّفَةِ وَأَجْمَلُهَا كَانَ رَبْعَةً إِلَى الطُّوْلِ مَا هُوَ بَعِيْدٌ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ، أَسِيْلَ الْجَبِيْنِ، شَدِيْدَ سَوَادِ الشَّعَرِ، أَكْحَلَ الْعَيْنِ، أَهْدَبَ إِذَا وَطِيءَ بِقَدُوْمِهِ وَطِيءَ بِكُلِّهَا لَيْسَ لَهَا أَخْمَصُ إِذَا وَضَعَ رِدَائَهُ عَنْ مَنْكِبَيْهِ فَكَأَنَّهُ سَبِيْكَةُ فِضَّةٍ وَإِذَا ضَحِكَ كَادَ يَتَلأْلأُ فِي الْجُدَرِ لَمْ أَرَ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ صلی الله عليه وآله وسلم . رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ.

وفي رواية : وَكَانَ صلی الله عليه وآله وسلم أَجْلَى الْجَبِيْنِ إِذَا طَلَعَ جَبِيْنُهُ مِنْ بَيْنِ الشَّعْرِ إِذَا طَلَعَ فِي فَلْقِ الصُّبْحِ أَوْ عِنْدَ طِفْلِ اللَّيْلِ أَوْ طَلَعَ بِوَجْهِهِ عَلَى النَّاسِ تَرَاءُوْا جَبِيْنَهُ كَأَنَّهُ ضَوْءُ السِّرَاجِ الْمُتَوَقِّدِ قَدْ يَتَلأْ لأُ.

رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَابْنُ عَسَاكِرُ.

(أخرجه عبد الرزاق في المصنف، ١١ / ٢٥٩، الرقم : ٢٠٤٩٠، والبيهقي في دلائل النبوة، ١ / ٣٠٢، وابن عساكر في تاريخ مدينة دمشق، ٣ / ٢٥٩، ٢٧٠.)

"ترجمہ: امام زہری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضور نبی اکرم

صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حلیہ مبارک کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نہایت ہی حسین و جمیل حلیہ والے تھے، آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم مائل بہ طول درمیانہ قد تھے، سینہ مبارک کشادہ، کشادہ جبیں، نہایت سیاہ بال، سرمئی چشمانِ مقدس والے، دراز پلکوں والے تھے، جب اپنا پاؤں مبارک زمین پر رکھتے تو پورا رکھتے، پاؤں مبارک چپٹے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنی چادر مبارک اپنے مبارک کندھوں سے اتارتے تو یوں محسوس ہوتا گویا چاندی میں ڈھلے ہوئے ہوں اور جب آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم مسکراتے تو قریب ہوتا کہ اپ کا نور دیواروں میں جھلکنے لگے۔ میں نے اپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے پہلے اور اپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد بھی کسی کو اپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مثل نہیں دیکھا۔" اس حدیث کو امام عبدالرزاق نے بیان کیا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم روشن جبین تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پیشانی مبارک بالوں کے بیچ میں سے نمودار ہوتی، اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پو پھوٹنے کے وقت، یا اندھیرا چھانے کے وقت لوگوں کی طرف تشریف لاتے، تو وہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پیشانی مبارک کو یوں دیکھتے گویا وہ ایک جلتا ہوا روشن چراغ ہے۔"

اس حدیث کو امام بیہقی اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔

حضور سید نا رسول انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اپنی نورانیت کے ذکر سے بہت محظوظ اور خوش ہوتے تھے:

چنانچہ حضرت موسیٰ ابن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

عَنْ مُوْسَى بْنِ عُقْبَةَ رضی الله عنه قَالَ : أَنْشَدَ النَّبِيَّ صلی الله عليه وآله وسلم كَعْبُ بْنُ زُهَيْرٍ ''بَانَتْ سُعَادُ'' فِي مَسْجِدِهِ بِالْمَدِيْنَةِ فَلَمَّا بَلَغَ قَوْلَهُ :

إِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ يُسْتَضَاءُ بِهِ
وَصَارِمٌ مِنْ سُيُوْفِ الله مَسْلُوْلُ

أَشَارَ رَسُوْلُ الله صلی الله عليه وآله وسلم بِكُمِّهِ إِلَى الْخَلْقِ لَيَسْمَعُوْا مِنْهُ ... الحديث. رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَالْبَيْهَقِيُّ وَالطَّبَرَانِيُّ.

وفي رواية : عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ رضی الله عنه قَالَ : لَمَّا انْتَهَى خَبَرُ قَتْلِ ابْنِ خَطْلٍ إِلَى كَعْبِ بْنِ زُهَيْرِ بْنِ أَبِي سَلْمَى وَكَانَ بَلَغَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صلی الله عليه وآله وسلم أَوْعَدَهُ بِمَا

أَوْعَدَهُ ابْنَ خَطْلٍ فَقِيْلَ لِكَعْبٍ إِنْ لَمْ تُدْرِكْ نَفْسَكَ قُتِلْتَ، فَقَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَسَأَلَ عَنْ أَرَقِّ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم فَدُلَّ عَلَى أَبِي بَكْرٍ رضى الله عنه وَأَخْبَرَهُ خَبَرَهُ فَمَشَى أَبُوْ بَكْرٍ وَكَعْبٌ عَلَى إِثْرِهِ حَتَّى صَارَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم فَقَالَ يَعْنِي أَبَا بَكْرٍ: اَلرَّجُلُ يُبَايِعُكَ فَمَدَّ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم يَدَهَ فَمَدَّ كَعْبٌ يَدَهُ فَبَايَعَهُ وَسَفَرَ عَنْ وَجْهِهِ فَأَنْشَدَهُ :

نُبِّئْتُ أَنَّ رَسُوْلَ الله أَوْعَدَنِي
وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُوْلِ الله مَأْمُوْلُ
إِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ يُسْتَضَاءُ بِهِ
مُهَنَّدٌ مِنْ سُيُوْفِ الله مَسْلُوْلُ

فَكَسَاهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم بُرْدَةً لَهُ فَاشْتَرَاهَا مُعَاوِيَةُ رضى الله عنه مِنْ وَلَدِهِ بِمَالٍ فَهِيَ الَّتِي تَلْبَسُهَا الْخُلَفَائُ فِي الْأَعْيَادِ.

رَوَاهُ ابْنُ قَانِعٍ وَالْعَسْقَلَانِيُّ وَابْنُ كَثِيْرٍ فِي الْبَدَايَةِ، وَقَالَ : قُلْتُ : وَرَدَ فِي بَعْضِ الرِّوَايَاتِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم أَعْطَى بُرْدَتَهُ حِيْنَ أَنْشَدَهُ الْقَصِيْدَةَ ... وَهٰكَذَا الْحَافِظُ أَبُوالْحَسَنِ ابْنُ الْأَثِيْرِ فِي الْغَابَةِ قَالَ هِيَ الْبُرْدَةُ الَّتِي عِنْدَ الْخُلَفَاءِ، قُلْتُ : وَهٰذَا مِنَ الْأُمُوْرِ الْمَشْهُوْرَةِ جِدًّا.

(أخرجه الحاكم في المستدرک، ٣ / ٦٧٠. ٦٧٣، الرقم : ٦٤٧٧. ٦٤٧٩، والبيهقي في السنن الكبرىٰ، ١٠ / ٢٤٣، الرقم : ٧٧، والطبراني في المعجم الكبير، ١٩ / ١٧٨. ١٧٧، الرقم : ٤٠٣، والعسقلاني في الإصابة، ٥ / ٥٩٤)

”ترجمہ: حضرت موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مشہور قصیدہ ”بانت سعاد“ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مسجد نبوی میں مدح کی اور جب اپنے اس شعر پر پہنچا:

”بیشک (یہ) رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم وہ نور ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم (کفر و ظلمت کے علمبرداروں کے خلاف) اللہ تعالیٰ کی تیز دھار تلواروں میں سے ایک عظیم تیغ ابدار ہیں۔“

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے دستِ اقدس سے لوگوں کی طرف اشارہ کیا کہ وہ انہیں (یعنی کعب بن زہیر) کو (غور سے) سنیں۔"

اسے امام حاکم، بیہقی اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔

اور حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے پاس (قبول اسلام سے قبل، گستاخِ رسول) ابن خطل کے قتل کی خبر پہنچی اور اسے یہ خبر بھی پہنچ چکی تھی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسے بھی وہی دھمکی دی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ابن خطل کو دی تھی تو کعب سے کہا گیا کہ اگر تو بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ہجو سے باز نہیں آئے گا تو قتل کر دیا جائے گا تو اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سب سے زیادہ نرم دل صحابی کے بارے میں معلومات کیں، تو اسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں بتایا گیا، وہ ان کے پاس گیا اور انہیں اپنی (ندامت و توبہ کی) ساری بات بتادی، پس حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور کعب بن زہیر چپکے سے چلے (تاکہ کوئی صحابی راستے میں ہی اسے پہچان کر قتل نہ کر دے) یہاں تک کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سامنے پہنچ گئے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: (یارسول اللہ!) یہ ایک آدمی ہے جو آپ کی بیعت کرنا چاہتا ہے سو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنا دستِ اقدس اگے بڑھایا تو حضرت کعب بن زہیر نے اپنا ہاتھ اگے بڑھا کر اپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بیعت کر لی پھر اپنے چہرے سے نقاب ہٹالیا اور اپنا وہ قصیدہ پڑھا جس میں لکھا ہے:

"مجھے خبر دی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مجھے دھمکی دی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ہاں عفو و درگزر کی (زیادہ) امید کی جاتی ہے۔"

اور اسی قصیدہ میں ہے:

"بیشک (یہ) رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم وہ نور ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم (کفر و ظلمت کے علمبرداروں کے خلاف) اللہ تعالیٰ کی تیز دھار تلواروں میں سے ایک عظیم تیغِ ابدار ہیں۔"

پس حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے (خوش ہو کر) اسے اپنی چادر پہنائی جسے بعد میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی اولاد سے مال کے بدلہ میں خرید لیا اور یہی وہ چادر ہے جسے (بعد میں) خلفاء عیدوں

(اور اہم تہواروں کے موقع) پر پہنا کرتے تھے۔"

اس حدیث کو امام ابن قانع اور امام عسقلانی نے روایت کیا ہے اور امام ابن کثیر نے "البدایہ" میں روایت کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ میں کہتا ہوں کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ "حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی چادر مبارک ان کو اس وقت عطا فرمائی جب انہوں نے اپنے قصیدے کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مدح فرمائی۔ اور اسی طرح حافظ ابو الحسن ابن الاثیر نے "اسد الغابہ" میں بیان کیا ہے کہ یہ وہی چادر ہے جو خلفا کے پاس رہی اور یہ بہت ہی مشہور واقعہ ہے۔"

واضح ہو کے حضور کی نورانیت میں جس طرح شک وشبہ نہیں کرنا چاہیے اسی طرح آپ کی بشریت کاملہ منیرہ میں بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ بلاشبہ آپ بشر ہیں۔ لیکن آپ کے جیسا کوئی نہیں۔ آپ بے مثل و بے مثال بشر ہیں۔ آپ خود ارشاد فرماتے ہیں:

"ایکم مثلی لست کاحدمنکم"

تم میں کون میرے مثل ہے؟ میں تم میں سے کسی کی طرح نہیں ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی غیر حادث ہے اور مخلوق کا علم عطائی ہے اور حادث ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کسی مخلوق نے تعلیم نہیں دی، بلکہ آپ کا معلم خود اللہ پاک ہے جو علیم وخبیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو کبھی واسطہ ملک اور کبھی بلا واسطہ اپنی ذات وصفات اور اپنی کائنات ارضی وسماوی کے علوم سے حسب ضرورت ممیز وممتاز فرما کر مصطفیٰ و مجتبیٰ بنایا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم بذات خود جو کچھ نہیں جانتے تھے وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھا دیا اور اعلان فرما دیا:

" وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا "

یعنی اے محبوب! آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہر اس چیز کی تعلیم دی جو آپ نہیں جانتے تھے (جس میں امور دین اور علوم غیبیہ بھی شامل ہیں)۔ اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر بڑا فضل ہے۔

اسی طرح دوسری جگہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

"وَمَاهُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ"

اسکے تحت تفسیر خازن میں ہے:

"عَلَى الْغَيْبِ ای الوحی وخبر السما وما اطلع علیه مماکان غائبا عن علمه من القصص والانباء. و بضنین قرء بالظاء ومعناه بِمُتَّهَمٍ وَالْمَظَنَّةُ اَلتُّهْمَةُ. وَقُرِءَ بِضنین بالضادِ ومعناه بِبَخِيلٍ یقول انه یاتیه علم الغیب ولا یبخل به علیکم ویخبرکم به ولا یکتمه الخ" وهکذا فی تفسیر البغوی.

ترجمہ: یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وحی، اسمانی خبریں، غیب کی خبریں اور قصے بتانے میں بخیل نہیں ہیں۔ "ضنین" میں دو قراتیں ہیں ظا سے "ظنین" پڑھا گیا ہے۔ اس کا معنی متہم ہے یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم پر غیب نہ جانے کی تہمت نہیں ہے۔ "مَظَنَّة" تہمت کی معنی میں استعمال ہوتا ہے اور "ضنین" ضاد سے بھی پڑھا گیا ہے۔ اس کا لفظی معنی "بخیل" ہے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم غیب پیش ہوتا ہے اور امت کو علوم غیبیہ بتاتے ہیں آپ غیب بتانے میں بخالت نہیں فرماتے ہیں۔ بلکہ آپ غیب کی خبریں دیتے ہیں اور غیب کی باتیں آپ چھپاتے نہیں ہیں الخ۔ ایسا ہی تفسیر بغوی میں بھی ہے۔

اس آیت کریمہ اور اس کی تفسیر سے بھی ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اللہ تعالیٰ کی عطا سے غیب جانتے ہیں۔ نبی کا لغوی معنی ہی ہے "غیب کی خبر دینے والا"۔ جیسا کہ مصباح اللغات میں ہے۔ هذا ماظهر لی والعلم عند ربی وهو اعلم بالصواب.

کتبـــ"

ابوالحماد محمد اسرافیل حیدری المداری
دار الافتاء والقضاء جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الاولیاء
استانہ زندہ شاہ مدار مکن پور شریف کانپور نگر یوپی انڈیا۔

نبی کریم ﷺ کی نورانیت اور بشریت کی تحقیق اور حضور کو اپنی طرح بشر محض کہنے والے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو محض بشر کہے اور اپنے جیسا بتائے اور ان کے عظیم مقام، معجزات، عصمت، نورانیت کا انکار کرے — تو ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

سائل سید محمد ظفر مجیب مداری۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب

قرانِ مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ" (الکہف:۱۱۰)

ترجمہ: (اے حبیب! آپ فرمادیجیے:) بے شک میں تمہاری طرح (صورت میں) بشر ہوں، مگر مجھ پر وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود بس ایک ہی معبود ہے۔

یہ آیت اس بات پر دلیل ہے کہ اگرچہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ظاہری صورت میں بشر ہیں، مگر وہ وحی اور رسالت کی وجہ سے عام لوگوں سے ممتاز ہیں۔ (التفسیر الکبیر: ۲۱/۹۲)

امام بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ انوار التنزیل میں فرماتے ہیں:

"يُوحٰى إِلَيَّ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّهُ لَيْسَ كَسَائِرِ الْبَشَرِ بَلْ هُوَ مُؤَيَّدٌ بِالْوَحْيِ"

ترجمہ: "مجھ پر وحی کی جاتی ہے" یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ عام بشر کی طرح نہیں، بلکہ وحی سے مؤید ہیں۔ (انوار التنزیل: ٤/٢٥٨)

احادیث شریفہ سے ثبوت

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

" أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللهُ نُورِي" (المواهب اللدنية ١/ ٥٥)

ترجمہ: سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا فرمایا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی حقیقت نورانی ہے، محض مادی بشر نہیں جیسے عام انسان۔

شارحین حدیث کا بیان

امام سمہودی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشَرٌ فِي صُورَتِهِ نُورٌ فِي حَقِيقَتِهِ" (وفاء الوفاء ١/ ٢٧)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صورت میں بشر ہیں لیکن حقیقت میں نور ہیں۔

وہ احادیث کریمہ جن میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے صاف الفاظ میں اپنی بے مثال ہستی کو بیان فرمایا جیسے:

« لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ »، « لَيْسَ أَحَدٌ مِثْلِي » وغيره.

احادیثِ شان وعظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حدیثِ نور:

" عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَوَّلُ شَيْءٍ خَلَقَ اللهُ مَا هُوَ؟ قَالَ: نُورُ نَبِيِّكَ يَا جَابِرُ". (المواهب اللدنية ١/ ٥٥، الخصائص الكبرى للسيوطي ١/ ٦)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کیا پیدا فرمایا؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جابر! تیرے نبی کا نور۔

حدیثِ عرش:

" إِنَّ اللهَ لَمَّا خَلَقَ الْعَرْشَ كَتَبَ عَلَيْهِ: لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ".

(كنز العمال، حديث: ٣٢٥١٥)

ترجمہ: بیشک جب اللہ تعالیٰ نے عرش پیدا فرمایا تو اس پر لکھ دیا: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد صلی اللہ

علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

حدیثِ مقامِ محمود:

" أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ وَلاَ فَخْرَ. (صحيح مسلم، كتاب الفضائل، حديث: ٢٢٧٨)

ترجمہ: حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور اس پر فخر نہیں۔

"حدیثِ شفاعتِ کبریٰ:

" أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي... وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ.

(صحيح البخاري، كتاب التيمم، حديث: ٣٣٥)

ترجمہ: مجھے پانچ چیزیں عطا کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہ ملیں... اور مجھے شفاعت (بڑی سفارش) عطا کی گئی۔

احادیثِ بے مثلیت و بے مثال ہستی:

حدیث « لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ »:

" عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّي لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ، إِنِّي أَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِي ". (صحيح البخاري، كتاب الصوم، حديث: ١٩٦٥)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

« میں تمہاری طرح نہیں ہوں؛ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ »

حدیث « لَيْسَ أَحَدٌ مِثْلِي »:

" عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّي لَسْتُ كَهَيْئَةِ أَحَدٍ مِنْكُمْ". (صحيح مسلم، كتاب الحيض، حديث: ٣٠٤)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« میں تم میں سے کسی کی طرح نہیں ہوں۔ »

حدیثِ مسک:

" عَنْ جَابِرٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَشَى تَبِعَهُ الْمَسْكُ".

(صحيح مسلم، كتاب الفضائل، حديث: ٢٣٣٠)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم چلتے تو آپ کے پیچھے کستوری (خوشبو) کی خوشبو رہتی۔

ان احادیثِ مبارکہ سے واضح ہے کہ:

- اپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی حقیقت نورانی ہے۔
- اپ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں مگر عام بشر جیسے نہیں۔
- اپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی خاص عطا سے بے مثال ہیں۔
- اپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کمی کرنا کفر و گمراہی ہے۔

اقوال شارحین:

حدیثِ « لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ » کے شارحین کی شرح:

علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں:

" قَوْلُهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنِّي لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ» أَيْ: لَسْتُ فِي الْحَاجَةِ إِلَى الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ كَهَيْئَتِكُمْ، بَلْ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِي ".

(عمدة القاري شرح صحيح البخاري، ج ١٠، ص ٢٧٥)

ترجمہ: حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے ارشاد « میں تمہاری طرح نہیں ہوں » کا مطلب ہے کہ مجھے کھانے پینے کی اس طرح حاجت نہیں جیسے تمہیں ہے، بلکہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں فرماتے ہیں:

" قَوْلُهُ «لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ» يُرِيدُ أَنَّ لَهُ خُصُوصِيَّةً فِي التَّقَوِّي بِالرِّزْقِ الْغَيْبِيِّ، وَهَذَا مِنْ خَصَائِصِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ". (فتح الباري بشرح صحيح البخاري، ج ٤، ص ٢٢٧)

ترجمہ: « میں تمہاری طرح نہیں ہوں » سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو غیبی رزق کے ذریعہ قوت عطا ہوتی تھی۔ یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی خصوصیت ہے۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ ارشاد الساری میں فرماتے ہیں:

" قَوْلُهُ: «لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ» أَيْ: لِيَ خَصَائِصُ وَكَرَامَاتٌ لَا تُوجَدُ فِيكُمْ، مِنْهَا أَنَّهُ

يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِي". (إرشاد الساري، ج ٥، ص ١٢١)

ترجمہ: « میں تمہاری طرح نہیں ہوں » یعنی میرے لئے بعض خصوصیات اور کرامتیں ہیں جو تم میں نہیں—ان میں سے یہ کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

حدیثِ « أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ » کی شارحین کی شرح:

علامہ عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں فرماتے ہیں:

" وَفِي قَوْلِهِ «أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ» إِشَارَةٌ إِلَى فَضْلِهِ الْمُطْلَقِ عَلَى جَمِيعِ الْبَشَرِ، وَأَنَّهُ أَفْضَلُهُمْ دَرَجَةً وَأَعْلَاهُمْ مَنْزِلَةً. (فتح الباري، ج ٦، ص ٥٧٣)

ترجمہ: حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے ارشاد « میں اولادِ ادم کا سردار ہوں » میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اپ کو تمام بشر پر مطلق فضیلت حاصل ہے اور اپ سب سے بلند درجہ اور اعلیٰ مقام والے ہیں۔

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں:

" وَقَوْلُهُ «وَلاَ فَخْرَ» أَيْ: لَيْسَ هَذَا قَوْلَ كِبْرٍ وَتَعَالٍ بَلْ إِظْهَارٌ لِنِعْمَةِ اللهِ تَعَالَى عَلَيْهِ. (عمدة القاري، ج ١٦، ص ١٧٧)

ترجمہ: « اور میں اس پر فخر نہیں کرتا » کا مطلب ہے کہ یہ غرور و تکبر کی بات نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو ظاہر فرمانا ہے۔

حدیثِ نورِ محمدی کی شرح میں:

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ المواهب اللدنية میں فرماتے ہیں:

" وَقَدِ اخْتَلَفُوا فِي أَوَّلِ مَخْلُوقٍ، وَالأَكْثَرُ عَلَى أَنَّهُ نُورُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (المواهب اللدنية، ج ١، ص ٢٧)

ترجمہ: علماء کا اختلاف ہے کہ سب سے پہلی مخلوق کیا ہے، اور اکثر کا قول یہی ہے کہ سب سے پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا نور پیدا فرمایا گیا۔

ائمہ عقائد کا بیان

امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ "رسالہ قشیریہ" میں لکھتے ہیں:

"إِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشَرٌ وَلٰكِنَّهُ بَشَرٌ لَا كَالْبَشَرِ، كَالْيَاقُوتِ بَيْنَ الْحِجَارَةِ"

ترجمہ: یقیناً حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم بشر ہیں، لیکن بشر ایسے جو عام بشر کی طرح نہیں، بلکہ جیسے یاقوت پتھروں کے درمیان الگ شان رکھتا ہے۔

فقہائے احناف کی تصریحات

الفتاوی الهندية میں گستاخِ رسول ﷺ کے متعلق واضح الفاظ میں حکم ہے:

" وَمَنْ سَبَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ كَافِرٌ وَإِنْ تَابَ يُقْتَلُ كَفْرًا لاَ حَدًّا.

(الفتاوى الهندية: ج ٢، ص ٢٦٤)

ترجمہ: جو شخص نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی گستاخی کرے وہ کافر ہے۔ اگر وہ توبہ بھی کرے تب بھی اسے کفر کی سزا میں قتل کیا جائے گا، حد کی وجہ سے نہیں۔

پس جو شخص حضور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو محض عام بشر کہے اور اس میں گستاخی کا مفہوم ہو۔ وہ بھی اس حکم میں داخل ہے، کیونکہ یہ مقامِ نبوت کی توہین ہے۔

در مختار مع رد المحتار میں: علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" وَمَنْ أَنْكَرَ نُبُوَّتَهُ أَوْ اسْتَخَفَّ بِهِ أَوْ نَقَصَهُ كَفَرَ."

(رد المحتار على الدر المختار: ج ٤، ص ٢٣٣)

ترجمہ: جس نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا یا آپ کی شان کو ہلکا کیا یا آپ کی تنقیص کی، وہ کافر ہو گیا۔

فتاویٰ قاضی خان میں قاضی خان (مشہور فقیہ حنفی) لکھتے ہیں:

" وَإِنْ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَفْظًا فِيهِ اسْتِخْفَافٌ كَفَرَ.

(فتاویٰ قاضی خان: ج ٤، ص ٣٧٥)

ترجمہ: اگر کوئی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسا لفظ کہے جس میں توہین ہو تو وہ کافر ہے۔

البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے:

"مَنْ نَسَبَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا فِيهِ نَقْصٌ كَفَرَ".

(البحر الرائق: ج ٥، ص ١٢٤)

ترجمہ: جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی نقص منسوب کرے وہ کافر ہے۔

اجماع علمائے امت

اس مسئلے پر فقہائے کرام اور علمائے امت کا اجماع ہے کہ گستاخِ رسول کافر ہے اور اس پر توبہ و تجدید ایمان لازم ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" وَأَجْمَعُوا عَلَى أَنَّ سَابَّهُ كَافِرٌ وَأَنَّ حُكْمَهُ الْقَتْلُ. "(شرح مسلم للنووي: ج ٢، ص ٧١)

ترجمہ: علمائے امت کا اجماع ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کرے وہ کافر ہے اور اس کا حکم قتل ہے۔

فقہائے کرام اور کتبِ معتبرہ کے مطابق:

- جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہے اور اس میں تنقیصِ نبوت کا ارادہ کرے، وہ گستاخ ہے۔
- ایسا شخص اسلام سے خارج ہے۔
- اس پر توبہ و ایمان کی تجدید اور نکاح کی تجدید لازم ہے۔
- اگر توبہ نہ کرے تو اس سے قطع تعلق واجب ہے۔

ائمہ عقائد کے اقوال

امام ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ شرح عقیدہ طحاویہ میں فرماتے ہیں:

" وَإِنَّ نَبِيَّنَا مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَبْعُوثٌ إِلَى جَمِيعِ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ كَافَّةً بِالْحَقِّ وَالْهُدَى وَبِالنُّورِ وَالضِّيَاءِ.

ترجمہ: یقیناً ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم تمام جنّ و انسان کی طرف حق، ہدایت، نور

اور روشنی کے ساتھ بھیجے گئے۔

یہاں « نُورٌ وَضِيَاءٌ» صاف لفظ ہے — یعنی آپ صرف بشر نہیں بلکہ نور و روشنی ہیں۔

(شرح العقيدة الطحاوية: ص ٥٤)

امام نسفی رحمہ اللہ تعالیٰ عقائد نسفیہ میں فرماتے ہیں:

" وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعْصُومٌ عَنِ الْكَبَائِرِ وَالصَّغَائِرِ الْمُخِلَّةِ بِالْمُرُوءَةِ.

(العقائد النسفية مع شرح التفتازاني: ص ١١٢)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبیرہ گناہوں سے اور ان صغیرہ گناہوں سے بھی معصوم ہیں جو شانِ نبوت کو متاثر کریں۔

اس سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہونے کے باوجود معصوم ہیں — عام انسانوں کی طرح نہیں ہیں، خطا و لغزش سے پاک ہیں۔۔ امام بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح عقائد عضدیہ میں فرماتے ہیں:

" إِنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ وَسَيِّدُ الْمُرْسَلِينَ وَأَفْضَلُ الْعَالَمِينَ وَأَكْمَلُ الْبَشَرِ فِي الْخِلْقَةِ وَالْخُلُقِ وَالْعِلْمِ وَالْعِصْمَةِ. (شرح العقائد العضدية للبيضاوي: ص ٣٤)

ترجمہ: یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں، سب رسولوں کے سردار، تمام جہان والوں سے افضل، پیدائش، اخلاق، علم اور عصمت میں تمام بشر سے کامل تر ہیں۔

یعنی آپ بشر ہیں مگر اکمل البشر ہیں — اسی لیے عام بشر جیسے نہیں۔

امام عبد السلام لالہ جی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شرح عقائد میں لکھا ہے:

" وَكُلُّ مَا يَقْدَحُ فِي النُّبُوَّةِ فَهُوَ مُنْتَفٍ عَنْهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُمْلَةً وَتَفْصِيلًا.

(شرح عقائد النسفية للعلامة لاله جي: ص ١٣٥)

ترجمہ: جو چیز بھی نبوت میں نقص پیدا کرے وہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے بالکل نفی شدہ ہے، اجمالاً اور تفصیلاً۔

امام سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ السیف الصقیل میں تحریر فرماتے ہیں:

"مَنْ نَسَبَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَقْصًا أَوْ عَيْبًا فَهُوَ كَافِرٌ".

(السيف الصقيل: ص ٨)

ترجمہ: جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی نقص یا عیب منسوب کرے وہ کافر ہے۔

ائمہ عقائد نے اجماعا فرمایا کہ:

- حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نور ہیں، محض بشر نہیں ہیں۔
- اپ معصوم عن الخطاء ہیں ــــ بشری لغزشوں سے پاک ہیں۔
- اپ افضل البشر اور اکمل البشر ہیں۔
- جو آپ میں عیب یا عام بشر جیسی کمزوری کا عقیدہ رکھے وہ کافر ہے۔

مشائخِ تصوف واولیائے کرام کے اقوال

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشَرٌ نُورَانِيٌّ، لَيْسَ كَغَيْرِهِ مِنَ الْبَشَرِ.

(مکتوبات امام ربانی، جلد ۱، مکتوب ۲۸۶)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نورانی بشر ہیں، وہ عام بشر کی طرح ہر گز نہیں۔

حضرت امام شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" أَجْمَعَ الْمُتَصَوِّفَةُ عَلَى أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الْخَلْقِ وَأَكْمَلُهُمْ نُورًا وَسِرًّا. (الميزان الكبرىٰ للشعراني)

ترجمہ: صوفیہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق میں سب سے افضل اور سب سے زیادہ نور والے اور کامل ترین ہیں۔

گستاخِ رسول ﷺ سے برتاؤ

فقہائے کرام واولیائے کرام کے اجماع سے ثابت ہے:

جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرے یا انہیں عام بشر کہہ کر ان کی شان گھٹائے ــــ وہ اسلام سے خارج ہے۔

مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے شخص سے میل جول ترک کریں، اس کی کسی بات پر اعتماد نہ کریں، اس کی تقریر، تحریر اور مجلس سے دور رہیں۔

اگر وہ توبہ کرے تو علماء اس کی توبہ قبول کروائیں اور دوبارہ نکاح وایمان کی تجدید کرائیں۔

اگر توبہ نہ کرے تو اس کا قتل اسلامی حکومت پر لازم ہے۔(فتاویٰ عالمگیریہ، ردالمحتار)

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی شان میں کمی کرنا، انکارِ معجزہ کرنا، نورانیت کو جھٹلانا، یا انہیں « ہمارے جیسے بشر » کہنا— کفر اور ارتداد ہے۔

فقہائے کرام، مفسرین، محدثین، ائمہ عقائد، مشائخ تصوف — سب کا اجماع ہے کہ گستاخِ رسول ﷺ کا ایمان جاتا رہتا ہے۔

ہر مسلمان کو چاہیے کہ ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو اپنی جان، مال، عزت سے زیادہ عزیز سمجھے۔

جو زبان حضور کی توہین کرے، اس سے اپنی زبان کو بچائے، اور اہلِ ایمان کو اس سے بچائے۔

جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو عام بشر مانے، ان کی شان، نورانیت، معجزات، عصمت اور مقام نبوت کا انکار کرے۔

ایسا شخص کافر، مرتد اور اسلام سے خارج ہے۔ اس پر لازم ہے کہ فوراً توبہ کرے، تجدید ایمان کرے اور اگر شادی شدہ ہو تو نکاح کی بھی تجدید کرے۔ اگر توبہ نہ کرے تو مسلمانوں پر اس سے تعلق توڑنا ضروری ہے۔

واللہ اعلم بالصواب.

کتبـــ
ابوالحماد محمد اسرافیل حیدری المداری
دار الافتاء والقضاء جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الاولیاء
استانہ زندہ شاہ مدار مکن پور شریف کانپور نگر یوپی انڈیا۔

فرض اعتقادی اور فرض عملی میں فرق

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان ذوی الاحترام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فرض اعتقادی اور فرض عملی دونوں میں کوئی فرق ہے یا نہیں دونوں کی تعریفات مع امثلہ تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں؟

المستفتی: محمد محسن خان مداری بیرم نگر خطیب وامام مداری مسجد، بسئی بریلی۔

الجواب

وعلیکم السلام ورحمة الله و برکاته

(۱) فرض اعتقادی وہ ہے جس کا ثبوت دلیل قطعی (ایات محکمہ یا اخبار متواترہ) سے ہو، جیسے: حج، نماز، رکوع، سجدہ وغیرہ۔ فرض عملی (واجب اعتقادی) وہ ہے جس کا ثبوت دلیل ظنی (ایات مؤولہ یا اخبار احاد) سے حاصل ہو، یعنی اس کی دلیل میں کوئی شبہ ہو، لیکن مجتہد کو اپنی دلیل پر ایسا جزم ہو، کہ اس کی روشنی میں وہ عمل بغیر ادائیگی کے ساقط نہ ہو گا۔

درمختار میں ہے:

"فالفرض أعم منهما،و هو ما قطع بلزومه حتىٰ يكفر جاحده كأصل مسح الرأس، و قد يطلق على العملي و هو ما تفوت الصحة بفواته كالمقدار الإجتهادي فى القروض فلا يكفر جاحده" (درمختار،ج:۱،ص:۲۱۶، ۲۱۷،کتاب الطهارة،أركان الوضوء أربعة،دار المعرفة بيروت)

بحر الرائق میں ہے:

"الفرض ماقطع بلزومه من فرض قطع و هو بمعنىٰ قولهم مالزم فعله بدليل قطعي و عرفه فى الكافي بمايفوت الجواز بفوته و هو يشمل كل فرض بخلاف الأول،إذ يخرج عنه المقدار فى مسح الرأس فإنه فرض مع أنه ثبت بظني... و الظاهر من كلامهم فى الأصول و الفروع أن المفروض علىٰ نوعين: قطعي و ظني هو في قوة القطعي فى العمل بحيث يفوت الجواز بفوته،فالمقدر فى مسح الرأس من قبيل الثاني و عند الإطلاق ينصرف إلى الأول لكماله" (بحر الرائق،ج:۱،ص:۲۴، ۲۵،کتاب الطهارة،دار الكتب العلمية)

بنایہ میں ہے:

" فى إصطلاح الشرع ماثبت بدليل قطعي لا شبهة فيه كالكتاب والسنة المتواترة، إذا لم يلحقها خصوص و كالإجماع إذ لم ينتقل بطريق الآحاد و كالقياس المنصوص عليه و المعاني اللغوية تجري فى المعنى الشرعي"

(بنایہ شرح ھدایہ،ج:۱،ص:۱۰۴،کتاب الطهارة،دار الفكر بيروت)

اصول بزدوی میں ہے:

" والفرائض فی الشرع مقدرة لا تحتمل زیادة و لا نقصانا أی مقطوعة،ثبتت بدلیل لا شبهة فیه مثل الإیمان و الصلاة و الزکاة و الحج و سمیت مکتوبة"

(اصول بزدوی،ص:۱۳٦،جاو ید بر یس کراچی)

جوہر کلی میں ہے:

"أما الفرص و هو فی اللغة قطع الشيء) و التقدیر و جنس من التمر و التوقیت،(و أما فی الشرع:فهو ما) أی حکم مقدر لا یحتمل زیادة و لا نقصانا،(ثبت) أی لزم المکلفین (بدلیل قطعي) أی آیة قطعیة الدلالة أو حدیث قطعي الثبوت و الدلالة لا شبهة فیه تاکیدا للفظي،و مراده الفرض الإعتقادي و هو المتبادر عند إطلاق لفظ الفرض وأما الفرض العملي فهو ما تفوت الصحة بفوته کالوتر،تفوت بفوته صحة صلاة الفجرللمتذکر له و کمسح ربع الرأس،وکل فرض مختلف فیه بین المجتهدین"

(الجوهر الکلی شرح عمدة المصلی،ص:۱٤۲،۱٤۳،القسم الثانی:تحقیق النص،دار الکتب العلمیة)

ان دونوں میں مندرجہ وجوہ کے اعتبار سے فرق ہے:

(۱)فرض اعتقادی دلیل قطعی سے ثابت ہوتا ہے اور فرض عملی دلیل ظنی سے ثابت ہوتا ہے، جیسا کہ گزرا۔

(۲)فرض اعتقادی کا منکر بلا تاویل کافر ہے، فرض عملی کا انکار کفر نہیں، فسق ہے۔

(۳)فرض اعقادی پر اعتقاد اور عمل دونوں لازم، جبکہ عملی پر عمل لازم ہے، اعتقاد نہیں۔

(۴)فرض اعتقادی عمداً وسہواً دونوں صورتوں میں ساقط نہیں ہوتا، فرض عملی سہواً ساقط ہو جاتا ہے۔

(۵)فرض اعتقادی مرتبے میں فرض عملی سے اعلیٰ ہے، جبکہ فرض عملی ادنیٰ۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

" الفرض قسمان قطعي و هو ماثبت بدلیل قطعي موجب للعلم البدیهي و یکفر جاحده،و ظني و هو ما ثبت بدلیل قطعي،لکن فیه شبهة و یسمّٰی عملیا و هو ما یفوت الجواز بفواته و حکمه کالأول غیر أنه لا یکفر جاحده،فإن نظر فیه إلیٰ أصل الغسل و المسح،کان من الأول،و إن نظر إلی التقدیر،کان من الثاني"

(طحطاوی علی مراقی الفلاح،ص:٥٦،٥۷،دار الکتب العلمیه)

اللباب فی شرح الکتاب میں ہے:

"و الفرض لغة: التقدير و شرعا ماثبت لزومه بدليل قطعي لا شبهة فيه كأصل الغسل و المسح في أعضاء الوضوء و هو الفرض علما و عملا ويسمّى الفرض القطعي...و كثيرا ما يطلق الفرض علىٰ ما يفوت الجواز بفوته...و هو الفرض عملا لا علما و يسمى الفرض الإجتهادي" (اللباب فی شرح الکتاب،ص:٤٩،کتاب الطهارة،دار الکتب العلمیه)

جوہر کلی میں ہے:

"وحكم هذا الفرض الثواب بالفعل و العقاب بالترك بلا عذر عند القائل به و عدم الكفر بالجحود (وحكمه) أى الفرض الإعتقادي (الثواب يوم القيامة) من الله تعالىٰ (بالفعل) أى بسبب الفعل (والعقاب يوم القيامة أيضا بالترك) بلا عذر شرعي،يبيح الترك أو يوجبه كالسفر فى الفطر و القصر (و الكفر بالإنكار) أى جحود الفرضية"

(الجوهر الکلی شرح عمدة المصلی،ص:١٤٢،القسم الثانی،دار الکتب العلمیه)

اصول ابن مفلح میں ہے:

"وعن أحمد:الفرض آكد اختارها جماعة،منهم: أبو إسحاق بن شاقلا و الحلواني و ذكره ابن عقيل عن أصحابنا و اختلف إختيار القاضي و قاله الحنفية و ابن الباقلاني"

(أصول الفقه لابن المفلح،ص:ج:١،ص:١٨٧،مكتبة العبيكان) و اللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبـــــــ

صحابہ کے بارے میں کیا عقیدہ رکھنا چاہیے؟/مشاجرات کی بنا پر صحابہ پر لعن طعن کرنے کا حکم

سوال: فقہ حنفی کے مطابق ہمیں صحابہ کے بارے میں کیا عقیدہ رکھنا چاہیئے؟ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جو خطائیں اور غلطیاں ہوئی ہیں اس بنا پر صحابہ پر لعن طعن کرنا اور ان کی تضلیل کرنا کیسا گناہ ہے؟ جیسے حضرت امیر معاویہ رضی للہ عنہ وغیرہ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی للہ عنہا وغیرہا کی۔

المستفتی کوثر علی گوندراچکیا مشرقی چمپارن بہار

الجواب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء اور رسولوں کے بعد سب سے افضل صحابۂ کرام کی جماعت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلّم کے لیے اس جماعت کو منتخب فرمایا ہے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین میں ترتیب خلافت کے اعتبار سے سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی للہ عنہ پھر حضرت سیدنا عمر بن الخطاب رضی للہ عنہ پھر حضرت سیدنا عثمان رضی للہ عنہ اور پھر حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم للہ وجہہ الکریم ہیں۔ جملہ صحابۂ کرام سے محبت رکھنا واجب ہے اور ان سے بغض رکھنا حرام ہے۔ صحابۂ کرام معصوم تو نہیں البتہ مغفور تھے۔

جہاں تک حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم، حضرت عائشہ صدیقہ رضی للہ عنہا اور حضرت معاویہ بن سفیان رضی للہ عنہ کے درمیان ہونے والی جنگوں کا مسئلہ ہے تو ان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم حق پر تھے؛ البتہ دوسرے فریق کی خطا اجتہادی منکر تھی جس پر ان کو ملامت نہیں کی جاسکتی؛ اسی لیے احناف بلکہ اہلِ سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ صحابہ کی تعظیم کرنا واجب ہے ان میں سے کسی کو ہدفِ ملامت بنانا جائز نہیں بلکہ لعن طعن کرنے میں کفر کا بھی اندیشہ ہے۔ حدیث شریف میں حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے:

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: لا تسبوا أصحابي، فلو أن أحدكم أنفق مثل أحد، ذهبا ما بلغ مد أحدهم، ولا نصيفه.

(صحيح البخاری رقم: ٣٦٧٣)

ترجمہ: رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے اصحاب پر لعن وطعن مت کرو اسلیے کہ اگر تم احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرڈالو پھر بھی ان کے ایک مُد کے برابر بلکہ اس کے ادھے کے برابر بھی نہیں پہونچو گے۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے، پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان کے برابر۔ ان کے بعد صحابہ میں کسی پر کسی کو ترجیح نہیں دیتے تھے۔

باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: لو كنت متخذا خليلا)عن ابن عمر رضى الله عنهما، قال: كنا فى زمن النبي صلى الله عليه وسلم لا نعدل بأبى بكر أحدا، ثم عمر، ثم عثمان، ثم نترك أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، لا نفاضل بينهم.

(صحيح البخاری رقم: ٣٦٩٧، باب مناقب عثمان بن عفان أبي عمرو القرشي ؓ)

اور "عقیدہ طحاویہ" میں ہے کہ ہم اصحاب رسول صلّی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں، ان کی محبت میں تفریط نہیں کرتے اور نہ ہی کسی سے اپنی برات کا اظہار کرتے ہیں، ان اصحاب رسول صلّی اللہ علیہ وسلم سے جو بغض رکھتا ہے ہم اس سے بغض رکھتے ہیں اور اس کا ذکر بھلائی سے ہم نہیں کرتے اور ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر ہم خیر کے ساتھ کرتے ہیں۔ انکی محبت دین، ایمان اور احسان ہے اور ان کا بغض کفر، نفاق اور طغیان ہے۔

"ونحب أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا نفرط فى حب أحد منهم ولا نتبرأ من أحد منهم ونبغض من يبغضهم وبغير الخير يذكرهم ولا نذكرهم إلا بخير وحبهم دين وإيمان وإحسان وبغضهم كفر ونفاق وطغيان". (العقيدة الطحاوية ص: ٤٣)

اور مسامرہ میں ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ تمام صحابۂ کرام کا تزکیہ وجوبی طور سے کرتے ہیں اور سارے صحابہ کے لیے عدالت کا اثبات کرتے ہیں اور ان کی شان میں طعن و تشنیع کرنے سے روکتے ہیں، اور حضرت معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان جو جنگیں لڑی گئیں وہ اجتہاد پر مبنی تھیں۔

"واعتقاد أهل السنة والجماعة تزكية جميع الصحابة وجوبا بإثبات العدالة لكل منهم والكف عن الطعن فيهم ...وماجرى بين معاوية وعلى من الحروب كان مبنيا على

الاجتهاد". (المسامرة شرح المسايرة:٢/١٥٨)

اور تفسیر قرطبی میں ہے صحابہ کرام میں سے کسی کی طرف کوئی قطعی خطا منسوب کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ ان کے ہر عمل میں ان کا اجتہاد شامل تھا اور انہوں نے اپنے اعمال میں اللہ عزّوجلّ کی رضا کو ہی ملحوظ رکھا۔ وہ سب کے سب ہمارے پیشوا ہیں، ان کے درمیان جو مشاجرات ہوئے ان کے بارے میں ہم کف لسان کرتے ہیں، اور ان کا ذکر ہم صرف خیر کے ساتھ ہی کریں گے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت کی حرمت کی وجہ سے۔ اور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت کے سبب کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلم نے ان پر سَبّ کرنے سے منع فرمایا، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرمادی اور ان کے لیے اپنی رضا وخوشنودی عطا فرمائی۔ فرماتے ہیں:

لا يجوز أن ينسب إلى أحد من الصحابة خطأ مقطوع به، إذ كانوا كلهم اجتهدوا فيما فعلوه وأرادوا الله عز وجل، وهم كلهم لنا أئمة، وقد تعهدنا بالكف عما شجر بينهم، وألا نذكرهم إلا بأحسن الذكر، لحرمة الصحبة ولنهى النبى صلى الله عليه وسلم عن سبهم، وأن الله غفر لهم، وأخبر بالرضا عنهم.

(تفسير القرطبي، ١٦ / ٣٢١، الناشر : دار الكتب المصرية - القاهرة) والله تعالىٰ أعلم بالصواب.

استکتبـــــــ

ہند میں تشریف لائے اور الحمدللہ اس زمانہ سے اب تک خالص حنفی اور ماتریدی سنی مکن پور شریف کے سادات کرام ہیں یہاں کی تقریباً ۱۲/ سو سالہ سنیت پر آج تک بدمذہبیت اور اندھی تقلید کا داغ نہیں لگا ہے۔

مشاجراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں ہم مداری اہل السنہ والجماعہ کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ حسنِ ظن رکھا جائے، ان پر کسی قسم کا طعن نہ کیا جائے، کیوں کہ صحابہ کرام کے جن دو فریقوں میں اختلافات ہوئے، اس کی بنیاد اجتہاد تھا، جن دو جماعتوں کے درمیان جنگ ہوئی ان میں سے ہر ایک فریق اپنے آپ کو حق پر اور فریقِ مخالف کو باغی سمجھتا تھا، اور باغیوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے قرانی طریقہ پر عمل پیرا ہوا۔ لیکن اہل سنت والجماعت کے نزدیک حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم حق پر تھے اور اپنے اجتہاد میں مصیب تھے، جب کہ ان کے مد مقابل اجتہادی چوک کا شکار ہوئے، ان کا اجتہاد خطائے منکر پر مبنی تھا، تاہم فریقین میں سے کسی ایک کا بھی مقصد دنیاوی اغراض نہ تھے، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس معاملے میں خطا پر تھے اور ان کی خطا اجتہادی منکر تھی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم حق پر تھے آپ کے ساتھ حق اور سچ ہمیشہ ساتھ ساتھ رہتا تھا۔

باقی مشاجرات کے معاملے میں سکوت اختیار کرنا چاہیئے، بحث مباحثہ، لعن طعن کرنا بزبانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ممنوع ہے۔

"المعجم الکبیر للطبرانی" میں ہے:

"عن ابن مسعود أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "إذا ذُكر أصحابي فأمسكوا، وإذا ذكرت النجوم فأمسكوا، وإذا ذكر القدر فأمسكوا)".

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: جب میرے اصحاب کا (یعنی ان کے باہمی اختلافات وغیرہ کا) ذکر چھڑے تو باز اجاؤ، اور جب ستاروں کا ذکر چھڑے تو باز اجاؤ، اور جب تقدیر کا ذکر چھڑے تو رک جاؤ، (یعنی اس میں زیادہ غور وخوض اور بحث ومباحثہ نہ کرو)۔

فتح الباری لابن حجر میں ہے:

"واتفق أهل السنة على وجوب منع الطعن على أحد من الصحابة بسبب ما وقع لهم من ذلك، ولو عرف المحق منهم؛ لأنهم لم يقاتلوا في تلك الحروب إلا عن اجتهاد، وقد عفا الله تعالى عن المخطئ في الاجتهاد، بل ثبت أنه يؤجر أجراً واحداً، وأن المصيب

يؤجر أجرين". (كتاب الفتن باب إذا التقى المسلمان، ٤٣/ ١٣)

ترجمہ: اہل سنت والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ صحابہ کے مابین واقع ہونے والے حوادث کی بنا پر ان میں کسی ایک صحابی پر طعن و تشنیع سے اجتناب واجب ہے، اگرچہ یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں صحابی کا موقف موقفِ حق تھا؛ کیوں کہ انہوں نے ان لڑائیوں میں صرف اپنے اجتہاد کی بنا پر حصہ لیا اور اللہ نے مجتہد مخطی کو معاف فرمادیا ہے، بلکہ یہ بات ثابت ہے کہ مجتہد کے اجتہاد میں خطا ہو جائے تب بھی اسے ایک گنا اجر ملے گا، اور جس کا اجتہاد درست ہو گا اسے دو گنا اجر ملے گا۔

بلوغ الأماني من أسرار الفتح الرباني شرح الفتح الرباني لترتيب مسند الإمام أحمد بن حنبل الشيباني میں ہے:

"(قال النووي:) ... واعلم أن الدماء التي جرت بين الصحابة رضي الله عنهم ليست بداخلة في هذا الوعيد، و مذهب أهل السنة و الحق: إحسان الظن بهم و الإمساك عما شجر بينهم و تأويل قتالهم، و أنهم مجتهدون متأولون لم يقصدوا معصية و لا محض الدنيا، بل اعتقد كل فريق أنه المحق و مخالفه باغ، فوجب عليه قتاله ليرجع إلي امر الله، و كان بعضهم مصيباً و بغضهم مخطئاً معذوراً في الخطأ؛ لأنه لاجتهاد، و المجتهد إذا أخطأ لا إثم عليه، وكان علي رضي الله عنه هو المحق المصيب في تلك الحروب، هذا مذهب أهل السنة، وكانت القضايا مشتبهةً حتى أن جماعة من الصحابة تحيروا فيها فاعتزلوا الطائفتين و لم يقاتلوا و لم يتيقنوا الصواب، ثم تأخروا عن مساعدتهم، و الله اعلم".

(باب إحسان النية علي الخير و مضاعفة الاجر بسبب ذلك و ما جاء بسبب العزم و الهم، ٧/ ١٩، ط: دار إحياء التراث العربي، بيروت)

ترجمہ: اہلِ سنت اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں حسن ظن رکھا جائے، ان کے آپس کے اختلافات میں خاموشی اور ان کی لڑائیوں کی تاویل کی جائے۔ وہ بلاشک وشبہ سب مجتہد اور صاحب الرائے تھے معصیت اور نافرمانی ان کا مقصد نہ تھا اور نہ ہی محض دنیا طلبی پیش نظر تھی، بلکہ ہر فریق یہ اعتقاد رکھتا تھا کہ وہی حق پر ہے اور دوسرا اس کے خلاف اور باغی ہے اور باغی کے ساتھ لڑائی ضروری ہے؛ تاکہ وہ امر الٰہی کی طرف لوٹ آئے، اس اجتہاد میں بعض راہ صواب پر تھے اور بعض خطا پر تھے اور ان کی خطا منکر تھی، مگر

خطا کے باوجود وہ معذور تھے؛ کیوں کہ اس کا سبب اجتہاد تھا اور مجتہد سے گر خطا سرزد ہو جائے تو اس پر گناہ نہیں، سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان جنگوں میں حق پر تھے اہلِ سنت کا یہی موقف ہے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم نے آپ رضی للہ عنہ کے بارے میں پہلے سے ارشاد فرمایا تھا علی مع الحق والحق مع علی، یہ معاملات بڑے مشتبہ تھے، یہاں تک کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت اس پر حیران و پریشان تھی جس کی بنا پر وہ فریقین سے علیحدہ رہی اور قتال میں انہوں نے حصہ نہیں لیا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب.

استکتبہ

ابو الحماد محمد اسرافیل حیدری المداری

استانہ عالیہ زندہ شاہ مدار دار الافتاء والقضا جامعہ عربیہ مدار العلوم

مدینۃ الاولیاء مکن پور شریف کانپور نگر یوپی

فرقوں کی اصطلاحات اور ان کی تاریخ

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ فرقوں کی اصطلاحات کب اور کیسے وجود میں ائیں؟

سائل محمد اعجاز قادری بلہور کانپور نگر

الجواب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"میری امت ۷۳/ فرقوں میں بٹ جائے گی اور وہ سبھی فرقے ناری ہوں گے سوائے ایک فرقہ کے اور وہ جماعت ہے۔"

رسولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلّم کے اسی فرمان کے سبب علمائے اسلام نے جدید و قدیم اسلامی فرقوں کی حد بندی کی ہے۔

فرقہ کی تعریف:

"الفرقة جماعة انسلخت عن فرقة أخرى وكونت منهجها الخاص، واعتبرته الصواب على كافة المناهج الأخرى.

"دراصل فرقہ اس جماعت کو کہتے ہیں جو دوسرے فرقہ سے نکلی ہو اور اس کا کوئی خاص منہج ہو جسے دوسرے تمام مناہج سے اس جماعت کے لوگ اسے درست سمجھتے ہوں۔"

متعدد اسلامی مواقع کے مطابق اہل علم نے اعتبار کیا ہے کہ فرقۂ ناجیہ وہ فرقہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلّم نے اپنی زبان مبارک سے ممتاز فرمایا ہے اور وہ فرقہ اہل السنت والجماعت ہے۔

خلیفۂ راشد امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ کے عہد میں فتنۂ کبریٰ کے بعد فرقوں کا ظہور شروع ہوا، جس کے سبب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت عظمیٰ واقع ہوگئی۔ سب سے پہلے خوارج اور روافض کی بدعتیں ظاہر ہوئیں۔

امیر المومنین خلیفہ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت عظمیٰ کے بعد سب سے پہلے خوارج اور روافض نام کی بدعات ظاہر ہوئیں اور انہی کو سب سے پہلے اہل بدعت واہل اہوا کہہ کر پکارا گیا۔

خوارج وروافض کی وجہ تسمیہ:

خوارج نے حضور امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجھہ الکریم کا انکار کیا اور آپ رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا اور وہ جماعت سے باہر ہوگئے اس لیے انہیں خارجی کہا گیا، اور روافض نے حضور مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح معصوم ہونے کا دعوی کیا اور آپ کی تعریف میں حد سے تجاوز کر کے جماعت سے دور ہوگئے اس لیے انہیں رافضی کہا گیا۔

شیعہ مذہب کی ابتداء امیر المومنین حضرت عثمانی غنی رضی اللہ عنہ کے اخری دور میں ہوئی جس کے موجد یہودی الاصل منافق "عبد اللہ بن سبا" اور اس کے رفقاء تھے، ان لوگوں نے اپنے کو شیعانِ علی کے نام سے موسوم کیا اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت میں غلو وافراط سے کام لیا، دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بغض وعداوت اور "نعوذ باللہ" جن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی ان سب کو کافر قرار دیا، اس کے علاوہ ان کے بہت سے باطل عقائد ونظریات ہیں، تفصیل کے لیے دیکھئے حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کی کتاب "تحفۂ اثنا عشریہ"۔ وكذا في كتاب الملل والنحل: ١/ ١٤٦، بيروت) والله تعالىٰ اعلم بالصواب.

ان کے بعد مسلسل بدعتیں ظاہر ہونے لگیں تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اخری عہد میں

حضرت عبد اللہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ اور عبد الملک کے دور میں فرقۂ مرجیہ اور فرقۂ قدریہ کی بدعتیں ظاہر ہوئیں پھر عہد تابعین کے شروع میں اور خلافت امویہ کے اواخر میں جہمیہ، مشبہہ اور ممثلہ گروہوں کا جنم ہوا جو دور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں کچھ بھی نہیں تھے۔

اہل السنۃ والجماعۃ:

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اور احسان کے ساتھ جنہوں نے صحابہ کرام کی اتباع کی اور جنہوں نے ان کا منہج اختیار کیا اور جنہوں نے ان کی پیروی کی اور جن مسلمانوں نے ان کی راہوں کی اتباع کی اور قیامت تک ان کے آثار و احوال کو مظبوطی سے تھاما وہی لوگ اہل سنت والجماعت ہیں۔

اہل سنت و جماعت کا لقب یا اصطلاح قرون ثلاثہ کے بعد کا من گھڑت نہیں ہے، بلکہ یہ جملہ فرقِ مبتدعہ سے قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے ظاہری عہد مبارک سے صحیح العقیدہ اہل حق مسلمانوں کے لیے استعمال ہوتا رہا ہے۔ چناں چہ حضرت سیدنا امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہما کی روایت موجود ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود شریف بھیجنا اہل سنت ہونے کی علامت ہے۔

(الترغیب:۹۶۳، القول البدیع ۵۲، فضائل اعمال ۶۸۸)

مشکوۃ المصابیح میں حدیث شریف ہے:

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الحَفَرِيُّ، عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زِيَادٍ الأَفْرِيقِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بني إسرائيل حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ، حَتَّى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ، وَإِنَّ بني إسرائيل تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً»، قَالُوا: وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي»

عبد اللہ بن عمرو سے مروی ہے، کہتے ھیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تحقیق بنی اسرائیل ۷۲/ فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت ۷۳/ فرقوں میں بٹ جائے گی، ملت واحدہ کے سوا سب دوزخ میں جائیں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی، یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم، وہ ملت واحدہ کون ہوں گے؟ تو

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس طریقے پر میں ہوں اور میرے اصحاب۔

(ترمذی: ٢٦٤١، ابن ماجه: ٣٩٩٢، ابو داؤد: ٤٥٩٧، مشكوة: ١٧١)

امام ملا علی قاری اپنی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: ما انا عليه واصحابی کے مصداق بلاشک وشبہ اہل سنت وجماعت ہی ہیں۔

اور کہا گیا ہے کہ تقدیر عبارت یوں ہے کہ اہل جنت وہ ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے طریقے پر ہیں اعتقاداً، قولاً، فعلاً۔ اس لیے کہ یہ بات بالاجماع معروف ہے کہ علمائے اسلام نے جس بات پر اجماع کر لیا وہ حق ہے اور اس کا ماسوا باطل ہے۔

وعن ابن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " إن الله لا يجمع أمتي أو قال: أمة محمد على ضلالة ويد الله على الجماعة ومن شذ شذ في النار " [رواه الترمذي] وعنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «اتبعوا السواد الأعظم فإنه من شذ شذ في النار» . [رواه ابن ماجه من حديث أنس]

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایات ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ امت محمدی کو گم راہی پر جمع نہیں فرمائے گا اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور سواد اعظم کی پے روی کرو اور جو شخص (جماعت سے اعتقاداً یا قولاً یا فعلاً) الگ ہوا وہ آگ میں الگ ہوا۔ اس کا معنی اور مفہوم یہ ہے کہ جو شخص اپنے اہل جنت اصحاب سے الگ ہوا وہ آگ میں ڈالا جائے گا۔

(ترمذی: ٢١٦٧، کنز العمال: ١٠٢٩، ١٠٣٠، مشكوة: ١٧٣، ١٧٤)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من فارق الجماعة شبرا فمات، إلا مات ميتة جاهلية" (بخاری: ٧٠٥٤)

یعنی جو جماعت (اہل سنت) سے بالشت بھر بھی الگ ہوا، پھر اسی حال میں مرا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

مخالفینِ اہل سنت کے علامہ ابن تیمیہ نے "يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ" (القران) کی تفسیر میں لکھا ہے:

قال ابن عباس وغيره تبيض وجوه اهل السنة والجماعة وتسود وجوه اهل البدعة والفرقة. (مجموع الفتاوی، ٣/٢٧٨)

اور پھر لکھا کہ امت کے تمام فرقوں میں اہل سنت اس طرح وسط اور درمیانے ہیں جیسے تمام امتوں میں امت مسلمہ۔

كما فی قوله تعالى "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا" (البقره: ١٤٣)

(مجموع الفتاوی، ٣/٣٧٠)

اور لکھا:

فان الفرقة الناجية اهل السنة والجماعة. (٣/١٤١)

تفسیر ابن جریر میں آیت قرانی "وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا" کے تحت حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا "قال الجماعة."

اور دوسری سند سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ ھی سے اسی آیت کے تحت لکھا "قال حبل الله الجماعة"

ابن جریر لکھتے ہیں (ولا تفرقوا عن دين الله) عليكم بالطاعة والجماعة اهل السنة والجماعة.

اور تفسیر ابن کثیر میں ہے (يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ) يعنى يوم القيامة حين تبيض وجوه اهل السنة والجماعة وتسود وجوه اهل البدعة والفرقة. (١/٣٩٠)

وَأخرج ابْن أبي حَاتِم وَأَبُو نصر فِي الْإِبَانَة والخطيب فِي تَارِيخه واللالكائي فِي السّنة عَن ابْن عَبَّاس فِي هَذِه الْآيَة قَالَ {تبيض وُجُوه وَتسود وُجُوه} قَالَ تبيض وُجُوه أهل السّنة وَالْجَمَاعَة وَتسود وُجُوه أهل الْبدع والضلالة وَأخرج الْخَطِيب فِي رُوَاة مَالك والديلمي عَن ابْن عمر عَن النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فِي قَوْله تَعَالَى {يَوْم تبيض وُجُوه وَتسود وُجُوه} قَالَ: تبيض وُجُوه أهل السّنة وَتسود وُجُوه أهل الْبدع. وَأخرج أَبُو نصر السجْزِي فِي الْإِبَانَة عَن أبي سعيد الْخُدْرِيّ أَن رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم قَرَأَ {يَوْم تبيض وُجُوه وَتسود وُجُوه} قَالَ: تبيض وُجُوه أهل الْجَمَاعَات وَالسّنة وَتسود وُجُوه أهل الْبدع والأهواء.

(ديلمی مسند الفردوس: ٨٩٨٦، كنز العمال: ٢٦٣٧، تاريخ بغداد: ٣٩٠٨، تفسير مظهری، ١/١١٦، السنة: ٧٤)

اور ابن ابی حاتم اور ابو نصر نے ابانہ میں اور خطیب نے اپنی تاریخ میں اور اللال کائی نے السنۃ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرمائی اس آیت "يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ" (ال عمران:١٠٦) کے بارے میں، فرمایا کچھ چہرے سفید ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ۔ ابن عباس نے فرمایا اہل سنت و جماعت کے چہرے

سفید اور اہل باطل کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

اور دیلمی نے ابن عمر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی یوں ہی تفسیر فرمائی۔

اور ابونصر سجزی نے أبانہ میں ابوسعید خدری سے روایت کی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا اہل سنت کے چہرے روشن ہوں گے اور اہل باطل کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ (الدر المنثور: ۲/۶۳)

اور وہابی، دیوبندی، قادیانی، نیچری، مودودی اور تبلیغی، وغیرہم جماعتیں انگریزوں کے دور میں پیدا ہوئیں۔ جن کا رد وقتاً فوقتاً علمائے اہل سنت نے کر دیا ہے۔ واللہ أعلم بالصواب

کتبـــــــ

طلب کرنا اولی افضل ہے کیونکہ وہی حقیقی معین و مددگار ہے۔ حقیقی مدد اس کی ذاتی ہے عطائی نہیں، جہاں تک انبیاء کرام ورسولان عظام واولیاء اللہ صلحا اور بزرگان دین کے مدد فرمانے کا تعلق ہے وہ ان کا ذاتی نہیں ہے بلکہ عطائی ہے، یعنی کوئی نبی یا رسول کسی بھی انسان کی اللہ تعالیٰ کی طاقت و قوت کے بغیر بہ ذات خود مدد نہیں کر سکتا، کیونکہ ان کے پاس جو طاقت واختیار ہے، عطائی ہے ذاتی نہیں، لہذا اگر کوئی مسلمان اس عقیدہ کو ملحوظ خاطر رکھ کر غائب میں غیر اللہ (نبی یا ولی) سے مدد طلب کرتا ہے تو حقیقتہ وہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتا ہے، نہ کہ غیر اللہ سے، اس عقیدہ کا ثبوت بہت سی قرانی ایات و احادیث طیبہ اور بزرگوں کے واقعات سے مبرہن و مدلل کتب کثیرہ میں موجود ہے، یہاں چند قرانی ایات وروایات اور بزرگوں کے واقعات کو بطور "مشتے نمونہ از خروارے" نقل کر دیتے ہیں:

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱): اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ۔ (سورہ مائدہ، ایہ ۵۵)

ترجمہ: بس تمہارا حمایتی اللہ اور اس کا رسول ہے اور جو ایمان لائے جو قائم رکھتے ہیں نماز کو اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ اور وہ رکوع کرنے والے ہیں۔ (بصیرۃ الایمان ص: ۲۸۰)

(۲): فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ۔ (سورہ تحریم، ۴)

ترجمہ: یقینا رسول کے مددگار اللہ تعالیٰ، جبریل، پرہیزگار مسلمان اور اس کے بعد اس کے فرشتے مددگار ہیں،

(۳): كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۝ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ۔ (سورۃ الانفطار ایۃ: ۱۰-۱۳)

ترجمہ: ہرگز نہیں بل کہ تم جھٹلاتے ہو انصاف کو، اور بے شک تم پر مقرر ہیں ضرور حفاظت فرمانے والے۔ عزت والے لکھنے والے، جانتے ہیں وہ جو تم کرتے ہو۔

اسی طرح قرآن کریم میں خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عمل سے ثابت ہے، آپ نے فرمایا ہے:

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ

الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللهِ ۚ وَ أُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَ الْأَبْرَصَ وَ أُحْيِ الْمَوْتٰى بِإِذْنِ اللهِ ۚ وَ أُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۚ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔

(سورہ ال عمران ۴۹)

ترجمہ: اور رسول بنائے گا اولاد یعقوب کی طرف بے شک میں آیا ہوں تمہارے پاس تمہارے مالک کی نشانی کے ساتھ بے شک میں بناتا ہوں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی شکل کی طرح پھر پھونکتا ہوں میں اس میں تو ہو جاتا ہے وہ پرندہ اللہ کے حکم سے، میں اچھا کرتا ہوں پیدائشی اندھے کو اور کوڑھی کو اور زندہ کرتا ہوں میں مردے کو اللہ کے حکم سے، اور میں خبر دیتا ہوں تم کو اس کی جس کو تم کھاتے ہو اور جو تم ذخیرہ کرتے ہو اپنے گھروں میں بے شک اس میں ضرور نشانی ہے تمہارے لئے اگر ہو تم ایمان والے۔

اور یوسف علیہ السلام کے عمل سے بھی ثابت ہے:

''اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَأَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ أَبِيْ يَأْتِ بَصِيْرًا ۚ وَ أْتُوْنِيْ بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِيْنَ'' (ال عمران:۹۳)

ترجمہ: لے جاؤ یہ میری قمیص پھر ڈالدو تم چہرے پر میرے باپ کے اجائے گی آنکھوں میں روشنی اور لاؤ تم میرے پاس گھر والوں کو تمام۔ (بصیرۃ الایمان)

اسی طرح اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ''

ترجمہ: اور مدد طلب کرو صبر اور نماز کے ذریعہ۔

اور فرمایا:

''وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ''

ترجمہ: مسلمان مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔

اور دوسری جگہ اسی طرح کا ارشاد ہے:

''نَحْنُ أَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْأٰخِرَةِ''

ترجمہ: دنیا و اخرت میں ہم تمہارے مددگار ہیں۔

معلوم ہوا کہ رب بھی تمہارا مددگار ہے اور مسلمان بھی اپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں مگر رب تعالیٰ کی مدد ذاتی ہے ان کی مدد عطائی ہے۔ ان کے علاوہ بہت سی ایات ہیں جو انبیاء و اولیا سے استمداد کے جواز پر دلالت

کرتی ہیں۔

احادیث طیبات سے استدلال:

بخاری شریف میں ہے:

(۱): عن أبي هريرة قال: قلت: يا رسول الله، إني أسمع منك حديث كثيرا أنساه؟ قال: (أبسط رداءك). فبسطته، قال: فغرف بيديه، ثم قال: (ضمه) فضممته، فما نسيت شيئا بعده. (بخاری، کتاب العلم باب حفظ العلم ۱ / ٦٢، حدیث: ۱۱۹ ملخصاً)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ سے بہت ساری حدیثیں سنتا ہوں لیکن بھول جاتا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ میں نے پھیلائی جب میں نے چادر پھیلائی تو حضور علیہ السلام نے کوئی چیز مٹھی میں لی اور چادر میں ڈال دی اور فرمایا اسے اپنے سینے سے لگالو تو میں نے اسے اپنے سینے سے لگالیا اس کے بعد پھر کبھی کوئی چیز نہیں بھولا۔

(۲): وَعَن ربيعَة بن كَعْب قَالَ: كُنْتُ أَبِيتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَيْتُهُ بِوَضُوئِهِ وَحَاجَتِهِ فَقَالَ لِي: «سَلْ» فَقُلْتُ: أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ. قَالَ: «أَو غير ذَلِكَ؟» . قُلْتُ هُوَ ذَاكَ. قَالَ: «فَأَعِنِّي عَلَى نَفسك بِكَثْرَة السُّجُود» .

(صحيح مُسلم كِتَابٌ : الصَّلَاةُ | بَابٌ : فَضْلُ السُّجُودِ وَالْحَثُّ عَلَيْهِ ،رقم ٤٨٩)

ترجمہ: حضرت ربیعہ ابن کعب اسلمی سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں نے اقا علیہ السلام کے ساتھ گزاری تو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت اقدس میں وضو کے لئے پانی پیش فرمایا اس وقت اقا علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کچھ مانگ لو میں نے عرض کیا کہ میں آپ سے جنت میں آپ کی معیت وہمراہی مانگتا ہوں، فرمایا کچھ اور! کچھ اور مانگنا ہے، میں نے کہا صرف یہی، فرمایا کہ اپنے نفس پر زیادہ نوافل سے میری مدد کرو۔

اور اسی حدیث پاک کے تحت اشعۃ اللمعات میں ہے:

واز اطلاق سوال کہ فرمود سل بخواہ و تخصیص نہ کرد، بمطلوبے خاص معلوم می شود کہ کار ہمہ بدست ہمت و کرامت اواست صلی اللہ علیہ وسلم ہر چہ خواہد ہر کرا خواہد باذن پروردگار خود بدہد۔ فان من جودک

الدنیاوضر تھا، ومن علومک علم اللوح والقلم، اگر خیریت دنیاو عقبی آرزو داری، بدرگاہش بیاد ہر چہ می خواہی تمنا کن۔
(اشعۃ اللمعات / کتاب الصلاۃ، باب السجود وفضلہ، الفصل الاول ج:۱ص:۱۹۹، ناشر اہل سنت کتاب گھر)

ترجمہ: سوال کو مطلق فرمانے سے کہ فرمایا کہ کچھ مانگ لو، کسی خاص چیز سے مقید نہ فرمایا، معلوم ہوتا ہے کہ سارا معاملہ حضور ہی کے ہاتھ کریمانہ میں ہے، جو چاہے جس کو چاہیں اپنے رب کے حکم سے دے دیں، کیوں کہ دنیاواخرت آپ ہی کی سخاوت سے ہے اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا ایک حصہ ہے اگر دنیاواخرت کی خیر چاہتے ہو تو ان کے استانے پر اؤاور جو چاہو مانگ لو۔

(۳): عن عبد الله بن مسعود انه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا انفلتت دابة احدكم بارض فلاة فليناد يا عباد الله احبسوا يا عباد الله احبسوا فان لله حاضرا فى الارض سيحبسه .

(مسند ابی یعلیٰ ۹-۱۷۷ / جمع الفوائدمن جامع الاصول ومجمع الزوائد ج:٤ ص ۸۵، دارالکتب العلمیہ)

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جب تم میں سے کسی کی سواری بیابان میں چھوٹ جائے تو اسے چاہئے کہ کہے: یاعباد اللہ احبسوا: اے اللہ کے بندو اسے روکو! اے اللہ کے بندو اسے روکو! کیونکہ اللہ کے حکم سے ہر زمین میں بندہ موجود ہے جو کہ اسے روک دے گا۔

فتوحات ربانیہ میں ہے:

عن عتبه غزوان عن النبي صلى الله عليه وسلم قال إذا ضل احدكم أو أراد عوناوهو بارض ليس بها انس فليقل يا عباد الله اعينوني ثلاثافان لله عباد الا نراهم وقد جرب ذالك كذا في الاصل.

"اقا علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی گم ہو جائے یا مدد لینا چاہے اور وہ ایسی سرزمین پر ہو جہاں کسی انسان کا (دور تک) اتہ پتانہ ہو تو اسے تین مرتبہ یہ کہنا چاہئے کہ اے اللہ تعالیٰ کے بندو میری مدد کرو! اے اللہ کے بندو میری مدد کرو! اے اللہ تعالیٰ کے بندو میری مدد کرو!، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے (اللہ تعالیٰ کی عطا سے بیابانوں جنگلوں میں لوگوں کی امداد رسائی کے لئے مامور) ہوتے ہیں جنہیں ہم دیکھ نہیں سکتے۔ اور یہ مجرب عمل ہے۔"

اوراگے اسی میں ہے:

قال علماءالثقات حديث حسن يحتاج إليه المسافر وروي عن بعض المشائخ أنه مجرب وقرن به النجح، قوله ياعباد الله! قال فى الحرز: المراد بهم الملائكة أو المسلمون من الجن أو رجال الغيب المسلمون بابدال .

(الفتوحات الربانية، ج١ص:١٥٠،١٥١/ باب ما يقول اذا انفلتت دابته / دار احياء التراث العربي بيروت)

(٤): سَمِعْتُ النبيَّ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ يقولُ: مَن يُرِدِ اللهُ به خَيْرًا يُفَقِّهْهُ في الدِّينِ، وإنَّما أنا قاسِمٌ واللهُ يُعْطِي. (بخاری،ج١،ص٤٢،حدیث:٧١)

"حضور علیہ الصلاۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ میں ہی تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ دینے والا ہے"

دسویں صدی ہجری میں وصال فرمانے والے عظیم مُحدّث، حافظ ابنِ حجر ہیتمی مکی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلّم، اللہ تعالیٰ کے خلیفۂ اعظم ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم کے خزانے اور نعمتوں کے دستر خوان حضور صلّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلّم کے ہاتھوں میں دے دیئے ہیں حضور جسے جو چاہیں عطا فرمادیں۔

(الجوهر المنظم في زيارة القبرالشريف النبوي المكرم،ص:٨٠ موسوعه مكة والمدينة/ العاشر:ينبغي له ايضا)

ائمہ حدیث واسلاف اور بزرگان دین کے واقعات سے استمداد کا ثبوت:

روى عن ابى بكر ابن على قال كان ابن مقرى يقول :كنت انا والطبرانى وابوالشيخ بالمدينة ضاق بنا الوقت فواصلنا ذالك اليوم فلما كان وقت العشاء حضرت القبر وقلت :يارسول الله الجوع ! فقال لي الطبراني: اجلس فاما أن يكون الرزق أو الموت ، فقمت اناوابوالشيخ فحضر الباب علوي ففتحنا له فاذا معه غلامان بقفتين فيها شيء كثيروقال: شكوتموني الي النبي صلى الله عليه و اله و سلم، رأيته في النوم فامرني بحمل شيء اليكم.

(تذكرة الحفاظ ،ابن المقرئ ابوبكرالاصبهاني ج:٣ص:٩٧٤،دائرة المعارف عثمانيه حيدرآبادهند / تحفةالزوارالي قبر النبي المختارصلي الله عليه وسلم :٥٩/ الباب الثالث،في توسل الزائر وتشفعه باالنبي صلى الله عليه وسلم، دارالكتب العلمية بيروت)

ترجمہ: امام ابن المقری کہا کرتے تھے کہ میں امام طبرانی اور ابو الشیخ ایک ساتھ طلب حدیث کے لئے مدینہ منورہ میں رہتے تھے ہمارا خرچہ ایک دفعہ ختم ہو گیا اور ہم تنگدستی کے شکار ہو گئے تھے (ہم روزہ پر روزہ رکھ

رہے تھے مگر جب بھوک کی شدت نے بالکل مضطرب وبے حال کر دیا تو)عشاء کے وقت میں (ہم) نے نبی اکرم ﷺ کی قبر انور پر حاضری کا شرف حاصل کیا اور عرض کی یا رسول اللہ! ہم بھوک سے نڈھال ہیں یہ دیکھ کر امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے بیٹھ جاو ہمیں رزق مل جائے گا یا موت آجائے گی چناچہ میں اور ابو الشیخ اٹھ کر باہر آئے تو دروازہ پر علوی خاندان کے ایک شخص کو موجود پایا ہم نے دروازہ کھولا تو اس کے ساتھ دو غلام دو ٹوکروں میں بہت سی چیزیں لیے کھڑے تھے بولا تم نے رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں بھوک کی شکایت کی ہے میں نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے آپ نے مجھے تم لوگوں کو کچھ دینے کا حکم فرمایا ہے۔(سبحان اللہ)

ردالمحتار علی الدر المختار میں ہے:

قرر الزيادي أن الانسان اذا ضاع له شيءواراد أن يرده الله سبحانه عليه فاليقف علي مكان عال مستقبل الكعبة ويقرأ الفاتحة ويهدي ثوابها للنبي صلى الله عليه وسلم ثم يهدي ثواب ذالك لسيدي احمد بن علوان يقول يا سيدي احمديا ابن علوان إن لم ترد على ضالتي والا نزعتك من ديوان الاولياءفان الله تعالي يردعلي من قال ذالك ضالته ببركته .اجهوري مع زيادة.

ترجمہ:جب کسی انسان کی کوئی چیز گم ہو جائے اور وہ اللہ تعالیٰ سے اسے واپس چاہتا ہے تو وہ قبلہ رخ ہو کر اونچی جگہ کھڑا ہو جائے،اور سورہ فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب سب سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کرے پھر اس کے بعد حضرت سیدی احمد بن علوان کو نذر کرے بایں طور دعا کرے اے سیدی احمد یا ابن علوان اگر تم نے میری گمشدہ چیز واپس نہیں لوٹائی تو میں تمہیں اللہ والوں کی جماعت میں سے نہیں مانوں گا تو اللہ تعالیٰ اس گمشدہ چیز کو ان کی برکت سے واپس فرما دیتا ہے۔

(ردالمحتارعلي الدر المختار /كتاب اللقطه ج٦ ص:٤٤٦ /مطلب :سرق مكعبه ووجد مثله أو دونه /دار الكتب العلميه)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد:

"وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ"(سورہ انعام،۸۸) کے تحت تفسیر رازی میں ہے:

وثالثها: الانبياء،وهم الذين أعطاهم الله تعالي من العلوم والمعارف ما لأجله بها يقدرون علي التصرف في بواطن الخلق وارواحهم وأيضاًمن القدرة والمكنة مالاجله

يقدرون علي التصرف في ظواهر الخلق ولما استجمعوا هذين الوصفين لا جرم كانوا هم الحكام علي الاطلاق. (تفسير رازي ج:١٣،ص:٧٢،واعلم أن الحكام علي الخلق : ثلاث طوائف، دار الفكر)

ترجمہ: تیسرے ان میں انبیاء کرام ہیں یہ وہ مبارک ہستیاں ہیں کہ جن پر ان کے پروردگار نے علوم ومعاف اس قدر عطا کئے جن سے وہ مخلوق کی اندرونی حالت اور ان کی ارواح پر تصرف کر سکتے ہیں ان کو اس قدر قدرت وقوت سے نوازہ ہے جس سے مخلوق کے ظاہر پر تصرف کر سکتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد:

"فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ" کی تفسیر سے پہلے تفسیر خازن میں ہے:

فان الاستعانة بالمخلوق فی دفع الضرر جائزة.

(تفسیر الخازن ج ۲ ص: ۵۳۰ سورہ یوسف آیہ ۴۲، ۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اور تفسیر عزیزی میں ہے:

"باید فہمید کہ استعانت از غیر بوجہے کہ اعتماد برآں غیر و اور امظہر عون الٰہی نداند حرام است" واگر التفات محض بجانب حق ست واورا یکی از مظاہر عون دانستہ و نظر بکار خانہ اسباب وحکمت وتعالی دراں نمودہ بغیر استعانت ظاہری نماید دور از عرفان نخواہد بود و در شرع نیز جائز و رواست او انبیاء واولیاء ایں نوع استعانت تعبیر کردہ اند و در حقیقت ایں نوع استعانت بغیر نیست بحضرت حق است لا غیر"

ترجمہ: سمجھ لو کہ کسی غیر سے مدد مانگنا بھروسہ کے طریقہ پر کہ اسکو مدد الٰہی نہ سمجھے (اس طرح مدد مانگنا) حرام ہے "اور اگر توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی مدد کا ایک مظہر جان کر اور اللہ کی حکمت اور کارخانہ اسباب جان کر اس سے ظاہری مدد مانگی تو عرفان الٰہی سے دور نہیں اور شریعت میں بھی (اس طریقے کے مطابق مدد مانگنا) جائز ہے "اور اس قسم کی استعانت بالغیر انبیاء واولیاء نے بھی کی ہے "لیکن حقیقت میں یہ مدد اللہ تعالیٰ کے غیر سے مانگنا نہیں ہے بلکہ (خود) اسکی مدد ہے۔ (تفسیر عزیزی ج ۱ ص ۲۰ / استسعاد کبیر مطبعہ محمدیہ کردیہ)

انبیاء کرام و اولیاء اللہ اور بزرگان دین جس طرح اپنی ظاہری زندگی میں مخلوق خدا کے ظاہری و باطنی احوال میں فریاد رسی کرتے ہیں اسی طرح اپنے ظاہری زندگی سے روپوش ہو جانے کے بعد بھی غمزدوں اور حاجت مندوں کی التجاء و گریہ وزاری کو سن کر اپنے پروردگار کی عطا کردہ قوت واختیار سے اس کو پورا کرتے ہیں۔

جیسا کہ مشکوۃ شریف کے حاشیہ میں ہے:

اما الاستمداد بأهل القبورفي غير النبي صلى الله عليه وآله وسلم او الانبياء عليهم السلام فقد انكره كثير من الفقهاء واثبته المشايخ الصوفيه قدس الله اسرارهم وبعض الفقهاء رحمهم الله تعالى وذالك امر مقدر عند اهل الكشف والكمال منهم ولاشك في ذالك عندهم حتي ان كثيرا منهم حصل لهم الفيوض من الأرواح وتسمي هذه الطائفة اويسية في اصطلاحهم قال الإمام الشافعي قبر موسى الكاظم ترياق مجرب لاجابة الدعاء قال حجة الاسلام محمد الغزالي من يستمد في حياته يستمدبعد مماته.

(مشکوۃ شریف/کتاب الجنائز،باب زیارۃ القبور ص ۱۵٤،مکتبۃ الاتحاد الھند)

"دافع بلاوالام نبی علیہ السلام ودیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ اھل قبور سے دعامانگنے کا بہت سے فقہاء نے انکار کیا جبکہ مشائخ صوفیہ اور بعض فقہاء کرام نے اس کو ثابت کیا ہے،اوران میں سے اصحاب کشف وکمال کے یہاں یہ محقق اور ثابت شدہ ہے،اوران میں سے کسی کو اس بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ انہیں ان بزرگوں کی ارواح سے اکتساب فیض ہوتا ہے،ان کی اصطلاح میں ایسے گروہ وجماعت کو اویسی گروہ وجماعت کہتے ہیں،امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:حضرت موسیٰ کاظم کی قبر برائے قبولیت دعاازمودہ تریاق ہے،اورامام غزالی نے فرمایا کہ جس سے زندگی میں مدد مانگی جاسکتی ہے،اس سے بعد وفات بھی مدد مانگی جاسکتی ہے"۔

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام سے امداد طلب کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ مزارات اولیاء اللہ سے استمداد میں اختلاف ہے، جس میں اصحاب ظواہر کا موقف انکار کا ہے جب کہ صوفیاء کرام اور صاحب کشف وکمال نے حتمی طور پر اسے جائز فرمایا ہے۔

اسی طرح تفسیر عزیزی میں بھی ہے۔

غیر اللہ سے امداد طلب کرنا جائز ومباح بھی ہے،اس لئے کہ شریعت غرہ مطہرہ میں اس کی کہیں بھی ممانعت ثابت نہیں ہے البتہ جن ایات وروایات میں ممانعت کا ثبوت ملتا ہے مثلا:"وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ" ان جیسی جملہ ایات وروایات کا اصل محمل یہ ہے کہ ان کا نزول ورودان کفارومشرکین کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پکارتے تھے اسے معبود حقیقی جان کر اور یہ سمجھتے ہوئے کہ ان کے تمام کام کاج میں بذات خود یہی مدد گار ہیں کوئی اور نہیں،لہذا ایسی ساری ایات وروایات معبودان باطلہ کے لئے ائیں جن

کو یہ مشکل کشا اور حاجت روا مانتے تھے، رہی انبیائے کرام اور بزرگان دین سے استمداد واستعانت تو اس پر کہیں بھی منع نہیں ائی، اس سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ یعنی نبی، ولی سے امداد طلب کرنا جائز و درست ہے اور اسی پر ہمارے تمام علما و اسلاف اور بزرگان دین کا عمل جاری و ساری ہے۔

جیسا کہ اسی طرح کا مضمون الجوھر المنظم، تفسیر عزیزی و دیگر بہت سی کتب قدیمہ میں موجود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبـــــــ

اس حدیث پاک میں استمداد و استعانت بالا نبیاء والا ولیاء کا عقیدہ پوشیدہ ہے۔

علماء کرام فرماتے ہیں: یہ حدیث پاک مطلق تقسیم کرنے کے حوالے سے ہے۔ اس میں یہ نہیں فرمایا کہ جب تک میں حیات ظاہری کے ساتھ زندہ ہوں تو تقسیم کرتا ہوں بلکہ حیات برزخی یعنی روحانی طور پر بھی حضور قاسم نعمات صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم نعمات الٰھیہ تقسیم کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ والہ وسلم تقسیم کرتے ہیں۔

دینے والا کیا کیا دیتا ہے یہ بیان نہیں کیا، چونکہ ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے وہ جو چیز بھی کسی کو دیتا ہے تو بدست مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم عطا کرتا ہے۔

جب یہ معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تقسیم کرنے والے ہیں تو تقسیم کرنے والے کو مجازا عطا کرنے والا کہا جاتا ہے آپ اپنے معاشرے میں مشاہدہ کریں جب بھی کوئی چیز تقسیم کی جاتی ہے تو لوگ اس سے مانگتے ہیں کہ زیادہ دو یا مجھے بھی دو وغیرہ اگرچہ چیز کسی اور کے حکم پر دی جاتی ہے۔

چونکہ ہمارے رسول علیہ الصلوۃ والسلام ہم اہلسنت کے عقیدہ کے مطابق اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث مبارک میں بیان کیا گیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ.

(سنن ابی داؤد، ج: ۱، ص: ۲۷۵)

بیشک اللہ تعالیٰ نے نبیائے کرام کے اجسام کو زمین کے اوپر حرام کر دیا ہے کہ وہ انہیں کھائے پس اللہ کے نبی زندہ ہیں۔

دوسری حدیث پاک میں ہے:

حَيَاتِي خَيْرٌ لَكُمْ وَ مَمَاتِي خَيْرٌ لَكُمْ. (سنن نسائی، ج:۱، ص:۱۸۹)

میری حیات بھی تمھارے لیے بہتر ہے اور میری وفات بھی تمھارے لیے بہتر ہے۔

اسی طرح فرمایا تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں اگر نیک اعمال ہوں تو میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اگر برے ہوں تو میں تمہارے لیے مغفرت طلب کرتا ہوں۔

زیر نظر عنوان میں استعانت و استمداد کا مفہوم و مُراد یہ ہے کہ اللہ رب العزت کو حقیقی مدد گار جانتے

ہوئے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء اللہ سے مدد طلب کرنا بلا شبہ جائز ہے جبکہ عقیدہ یہ ہو کہ حقیقی امداد تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اور یہ سب حضرات اس کی دی ہوئی قدرت سے مدد کرتے ہیں کیونکہ ہر شئ کا حقیقی مالک و مختار صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی عطا کے بغیر کوئی مخلوق کسی ذرّہ کی بھی مالک و مختار نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص فضل و عطا سے اپنے پیارے حبیب جناب احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو کونین کا حاکم و مختار بنایا ہے اور ہمارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام واولیائے عِظام اللہ تعالیٰ کی عطا اور اس کی دی ہوئی قدرت سے مدد فرما سکتے ہیں۔

انبیائے کرام علیہم السلام، شہدائے عظام واولیاء اللہ سے بعد وصال مخاطب ہو کر بلا واسطہ اپنی حاجات بیان کرنا اوران سے مدد طلب کرنا جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے مدد مانگنے کے جواز پر قرآن واحادیث مبارکہ شاہد ہیں۔ اللہ رب العزت قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے:

"اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ" (سورۃ المائدۃ، ایت ۵۵)

ترجمہ: اے مسلمانو! تمہارا مددگار صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ اصحاب ایمان ہیں جو نماز قائم رکھتے اور زکوۃ دیتے ہیں اور وہی رکوع کرنے والے ہیں۔

علامہ احمد بن محمد الصاوی رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۱۲۴۱ھ) تفسیر الصاوی میں آیت کریمہ ﴿وَ لَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ کے تحت تحریر کرتے ہیں:

"اَلْمُرَادُ بِالدُّعَاءِ الْعِبَادَةُ وَحِينَئِذٍ فَلَيْسَ فِي الآيَة دَلِيلٌ عَلَىٰ مَا زَعَمَهُ الْخَوَارِجُ مِنْ اَنَّ الطَّلَبَ مِنَ الْغَيْرِ حَيًّا اَوْمَيِّتًا شِرْكٌ فَاِنَّهُ جَهْلٌ مُرَكَّبٌ لِاَنَّ سُوَالَ الْغَيْرِ مِنْ حَيْثِ اِجْرَاءِ اللّٰهِ النَّفْعَ أَوِ الضَّرَرَ عَلَىٰ يَدِهٖ قَدْيَكُونُ وَاجِبًا لِأَنَّهٗ مِنَ التَّمَسُّكِ بِالْاَسْبَابِ وَلَا يُنْكِرُ الْأَسْبَابَ اِلَّا جَحُودٌ اَوْجَهُولٌ"

ترجمہ: آیت میں پکارنے سے مراد عبادت کرنا ہے، لہٰذا اس آیت میں ان خارجیوں کی دلیل نہیں ہے جو کہتے ہیں کہ غیر خدا سے خواہ زندہ ہو یا فوت شدہ کچھ مانگنا شرک ہے، خارجیوں کی یہ بکواس جہل مرکب ہے، کیونکہ

غیر خدا سے مانگنا اس طرح کہ رب ان کے ذریعے سے نفع و نقصان دے، کبھی واجب بھی ہوتا ہے کہ یہ طلب اسباب ہے اور اسباب کا انکار نہ کرے گا مگر منکر یا جاہل۔ (تفسیر صاوی، جلد ۴، صفحہ ۱۵۵۰، مطبوعہ لاہور)

صحیح المسلم و سنن ابی داود و سنن ابن ماجہ میں حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

"كُنْتُ أَبِيْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَيْتُه بِوَضُوْئِه وَحَاجَتِه فَقَالَ لِيْ: «سَلْ» فَقُلْتُ: أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ. قَالَ: «أَوَ غَيْرُ ذَلِكَ» قُلْتُ: هُوَ ذَاكَ. قَالَ: «فَأَعِنِّيْ عَلَىٰ نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ"

ترجمہ: میں حضور سیدنا خاتم المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس رات کو حاضر رہتا۔ ایک شب حضور کے لیے اب وضو وغیرہ ضروریات لایا حضور پاک کی کرم نوازی ہوئی ارشاد فرمایا: ربیعہ! مانگ کیا مانگتا ہے؟ میں نے عرض کی: میں حضور سے سوال کرتا ہوں کہ جنت میں مجھے اپنی رفاقت عطا فرمائیں۔ فرمایا: کچھ اور؟ میں نے عرض کی: میری مراد تو صرف یہی ہے۔ ارشاد فرمایا: تو میری اعانت کرو کثرت سجود سے۔

(صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، جلد ۱، صفحہ ۳۵۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

احادیث میں نیک لوگوں سے بلاواسطہ حاجات و امداد مانگنے کا ثبوت وارد ہے۔ چنانچہ المعجم الکبیر کی حدیث پاک ہے:

"اُطْلُبُوا الْخَيْرَ وَالْحَوَائِجَ مِنْ حِسَانِ الْوُجُوه"

ترجمہ: خیر اور حاجتیں ان لوگوں سے مانگو جن کے چہرے (عبادت سے) روشن ہیں۔

(المعجم الکبیر، مجاہد عن ابن عباس، جلد ۱۱، صفحہ ۸۱، ط، القاھرۃ)

مسند اسحاق بن راہویہ، فضائل الصحابۃ لاحمد بن حنبل، مسند ابی یعلی الموصلی، المعجم الاوسط، الاسماء و الصفات للبیہقی، اور شعب الایمان میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ المستدرک علی الصحیحین للحاکم میں ہے: حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اُطْلُبُوا الْمَعْرُوفَ مِنْ رُحَمَاءِ أُمَّتِيْ تَعِيْشُوا فِيْ أَكْنَافِهِمْ"

ترجمہ: میرے نرم دل امتیوں سے نیکی و احسان مانگو، ان کے ظل عنایت میں ارام کروگے۔

(المستدرك على الصحيحين للحاكم، كتاب الرقاق، جلد ٤، صفحه ٣٥٧، دار الكتب العلمية، بيروت)

مکارم الاخلاق للخرائطی، مسند الشہاب للقضاعی، ابن حبان، التاریخ للحاکم میں ہے:

(واللفظ للاول) ”اُطْلُبُوا الْفَضْلَ عِنْدَ الرُّحَمَاءِ مِنْ أُمَّتِي تَعِيْشُوا فِي أَكْنَافِهِم فَإِنَّ فِيْهِمْ رَحْمَتِي“

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا فضل میرے رحم دل امتیوں کے پاس طلب کرو کہ ان کے سائے میں چین کرو گے کہ ان میں میری رحمت ہے۔

(المنتقى من كتاب مكارم الأخلاق ومعاليها، باب ما جاء في السخاء...الخ، جلد١، ص: ١٢٥، دار الفكر، دمشق)

اب قارئینِ کرام غور فرمائیں!

انصاف کی انکھیں کہاں ہیں؟ ذرا ایمان کی نگاہ سے دیکھیں یہ حدیثیں کیسا صاف صاف واشگاف فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے نیک امتیوں سے استعانت کرنے، ان سے حاجتیں مانگنے، ان سے خیر واحسان کرنے کا حکم دیا کہ وہ تمھاری حاجتیں بکشادہ پیشانی پوری کریں گے، ان سے مانگو تو رزق پاؤ گے، مرادیں پاؤ گے، ان کے دامن حمایت میں چین کرو گے ان کے سایہ عنایت میں عیش اٹھاؤ گے۔ یارب! مگر استعانت اور کس چیز کا نام ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا صورت استعانت ہو گی، پھر حضرات اولیاء سے زیادہ کون سا امتی نیک ورحم دل ہو گا کہ ان سے استعانت شرک ٹھہرا۔

الحمدُ للہ حق کا افتاب بے پردہ وحجاب روشن ہوا۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابان بن صالح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"إِذَا نَفَرَتْ دَابَّةُ أَحَدِكُم أَوَ بَعِيرَهُ بِفَلاةٍ مِنَ الْأَرْضِ لَايَرَىٰ بِهَا أَحَداً، فَلْيَقُلْ: أَعِينُونِي عِبَادَ اللهِ، فَإِنَّهُ سَيُعَانُ"

ترجمہ: جب تم میں سے کسی کا جانور یا اونٹ بیابان جگہ پر بھاگ نکلے جہاں وہ کسی کو نہیں دیکھتا (جو اس کی مدد کرے) تو وہ یہ کہے: ”اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔“ تو بے شک اس کی مدد کی جائے گی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الدعاء، جلد٦، صفحہ ١٠٣، مطبوعہ الریاض)

المعجم الکبیر میں ہے: حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”إِذَا أَضَلَّ أَحَدُكُمْ شَيْئاً أَوْ أَرَادَ أَحَدُكُمْ عَوناً وَهُوَ بِأَرْضٍ لَيْسَ بِهَا أَنِيسٌ، فَلْيَقُلْ: يَا عِبَادَ اللّٰهِ أَغِيثُونِي، يا عِبَادَ اللّٰهِ أَغِيثُونِي، فَإِنَّ لِلّٰهِ عِبَاداً لَا نَرَاهُمْ“

(المعجم الکبیر للطبرانی، ما اسند عتبة بن غزوان، جلد ۱۷، صفحہ ۱۱۷، مطبوعہ القاھرۃ)

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی شخص کسی چیز کو گم کر دے یا اسے مدد کی حاجت ہو اور وہ ایسی جگہ ہو جہاں کوئی مونس نہیں تو اسے چاہئے یوں پکارے:

"اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو کہ اللہ کے کچھ بندے ہیں جنھیں ہم دیکھ نہیں رہے ہوتے، (وہ اس کی مدد کریں گے۔)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إِذَا انْفَلَتَتْ دَابَّةُ أَحَدِكُمْ بِأَرْضٍ فَلَاةٍ فَلْيُنَادِ: يَا عِبَادَ اللّٰهِ اِحْبِسُوا، يَاعِبَادَ اللّٰهِ اِحْبِسُوا، فَإِنَّ لِلّٰهِ حَاضِراً فِي الأرضِ سَيَحْبِسُهُ"

(مسند ابی یعلی الموصلی، جلد ۹، صفحہ ۱۷۷، دار المامون للتراث، دمشق)

ترجمہ: جب جنگل میں جانور چھوٹ جائے تو یوں ندا کرے، اے اللہ کے بندو! روک دو، اے اللہ کے بندو! روک دو، زمین پر اللہ عزوجل کے کچھ بندے حاضر رہتے ہیں، وہ اس جانور کو روک دیں گے۔

مزید اللہ عزوجل کے نیک بندوں سے بلاواسطہ استمداد کے حوالے سے چند بزرگان دین کے اقوال ملاحظہ ہوں۔ چنانچہ عارف باللہ امام سیدنا عبد الوہاب الشعرانی قدس سرہ رقم فرماتے ہیں:

"سیدی محمد غمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک مرید بازار میں تشریف لیے جاتے تھے۔ ان کے جانور کا پاؤں پھسلا، باواز پکارا "یاسیدی محمد یاغمری" ادھر ابن عمر حاکم صعید کو بحکم سلطان چقمق قید کیے لیے جاتے تھے، ابن عمر نے فقیر کا نداء کرنا سنا، پوچھا یہ سیدی محمد کون ہیں؟ کہا: میرے شیخ، کہا: میں بھی کہتا ہوں، یاسیدی یاغمری لاحِظنی "اے میرے سردار! اے محمد غمری! مجھ پر نظر عنایت کرو، ان کا یہ کہنا ہے کہ حضرت سیّدی محمد غمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور مدد فرمائی کہ بادشاہ اور اس کے لشکریوں کی جان پر بن گئی، مجبوراً ابن عمر کو خلعت دے کر رخصت کیا۔ (لواقح الانوار فی طبقات الاخیار، ترجمہ الشیخ محمد الغمری، جلد ۲، صفحہ ۸۸، مصر)

نیز اسی لواقح الانوار فی طبقات الاخیار میں ہے:

"حضرت محمد شمس الدین حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مرضِ موت میں فرماتے تھے:

"مَنْ كَانَتْ حَاجَةٌ فَلْيَأْتِ إِلَىٰ قَبْرِي وَ يَطْلُبْ حَاجَتَهُ أَقْضِهَالَهُ فَإِنَّ مَابَيْنِي وَ بَيْنَكُم غَيْرَ ذِرَاعٍ مِنْ تُرَابٍ وَكُلُّ رَجُلٍ يَحْجِبُهُ عَن اَصْحٰبِهٖ ذِرَاعٌ مِنْ تُرَابٍ فَلَيسَ بِرَجُلٍ"

(لواقح الانوار فی طبقات الاخیار، ترجمہ مولٰنا شمس الدین الحنفی، جلد۲، صفحہ۹۶، مصر)

ترجمہ: جسے کوئی حاجت ہو وہ میری قبر پر حاضر ہو کر حاجت مانگے میں رَوا کر دوں گا کہ مجھ میں تم میں یہی ہاتھ بھر مٹی ہے جو حائل ہے اور جس مرد کو اتنی مٹی اپنے اصحاب سے حجاب میں کر دے، وہ مرد کاہے کا۔

شیخ الاسلام شہاب رملی انصاری کے فتاویٰ میں ہے:

"سئل عما یقع من العامة من قولهم عند الشدائد یا شیخ فلان و نحو ذالك من الاستغاثة بالانبیاء والمرسلین والصالحین وهل للمشائخ اغاثة بعد موتهم ام لا ؟ فاجاب بما نصه ان الاستغاثة بالانبیاء والمرسلین والاولیاء والعلماء الصالحین جائزة وللانبیاء والرسل والاولیاء والصالحین اغاثة بعد موتهم"

(فتاوی رملی، مسائل شتی، تفضیل البشر علی الملائکه، جلد٤، صفحہ۳۸۲، مکتبة الاسلامیه)

یعنی ان سے استفتاء ہوا کہ عام لوگ جو سختیوں کے وقت انبیاء و مرسلین و اولیاء و صالحین سے فریاد کرتے اور یا شیخ فلاں (یارسول اللہ، یا علی، یا مدار، یا غوث، یا خواجہ) اور ان کی مثل کلمات کہتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں ؟ اور اولیاء اللہ بعد انتقال بھی مدد فرماتے ہیں یا نہیں ؟ انہوں نے جواب دیا کہ بے شک انبیاء و مرسلین و اولیاء و علماء سے مدد مانگنی جائز ہے اور وہ بعد انتقال بھی امداد فرماتے ہیں۔

مسلمان اللہ عزوجل کے نیک بندوں سے جو مدد مانگتے ہیں، وہ ان کو واسطہ و وصولِ فیض اور وسیلۂ قضائے حاجات سمجھتے ہیں کہ اولیاء اللہ مانگنے والے اور رب عزوجل کے درمیان واسطہ ہیں، وہ اللہ عزوجل کی مدد کے مظہر ہیں اور یہ قطعاً یقیناً درست ہے کہ اللہ عزوجل نے قرآن عظیم میں ﴿وابتغوا الیہ الوسیلۃ﴾ یعنی اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔ کا حکم فرمایا ہے۔ حقیقی استعانت صرف اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہے کہ وہ قادر بالذات و مالک مستقل و غنی بے نیاز ہے۔ استعانت حقیقیہ کا اعتقاد اگر کوئی کسی ولی کے لیے رکھے، تو یہ حرام و شرک ہے۔ بحمد اللہ کوئی مسلمان بھی اس معنی کا اعتقاد کسی ولی کے لیے نہیں رکھتا۔

اہل ایمان انبیائے کرام اور اولیاء اللہ سے استعانت کا معنی کیا مراد لیتے ہیں ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل استعانت سے پوچھو تو کہ تم انبیاء و اولیاء علیہم افضل الصلوۃ والثنا کو عیاذاً باللہ خدا یا خدا کا ہمسر یا قادر بالذات یا معین مستقل جانتے ہو یا انہیں اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے، اس کی سرکار میں عزت و وجاہت والے، اس کے حکم سے اس کی نعمتیں بانٹنے والے مانتے ہو ؟ دیکھیے آپ کو اس کا کیا جواب ملتا ہے۔

امام علامہ خاتمۃ المجتہدین تقی الملۃ والدین فقیہ محدث ناصر السنۃ ابوالحسن علی بن عبدالکافی سبکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کتاب مستطاب "شفاء السقام" میں استمداد واستعانت کو بہت احادیث صریحہ سے ثابت کرکے ارشاد فرماتے ہیں:

"لیس المراد نسبة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم إلى الخلق والاستقلال بالأفعال هذا لا يقصده مسلم فصرف الكلام إليه ومنعه من باب التلبيس في الدين والتشويش على عوام الموحدين"

یعنی: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مدد مانگنے کا یہ مطلب نہیں کہ حضور انور کو خالق اور فاعل مستقل ٹھہراتے ہوں۔ یہ تو اس معنی پر کلام کو ڈھال کر استعانت سے منع کرنا دین میں مغالطہ دینا اور عوام مسلمانوں کو پریشانی میں ڈالنا ہے۔

حضرت امام ابن حجر مکی قدس سرہ کتاب افادت نصاب "جوہر منظم" میں حدیثوں سے استعانت کا ثبوت دے کر فرماتے ہیں:

فَالتَّوَجُّهُ وَالْاِسْتَغَاثَةُ بِهٖ صلى الله تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِغَيْرِهٖ لَيْسَ لَهُمَا مَعْنًى فِي قُلُوبِ الْمُسْلِمِينَ غَيْرَ ذٰلِكَ وَلَا يَقْصُدُ بِهِمَا أَحَدٌ مِنْهُم سِوَاهُ فَمَنْ لَمْ يَنْشَرِحْ صَدْرُه لِذٰلِكَ فَلْيَبْكِ عَلَىٰ نَفْسِهٖ نَسْأَلُ اللهَ الْعَافِيَةَ وَالْمُسْتَغَاثُ بِهٖ فِي الْحَقِيقَةِ هُوَ الله، وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالَىٰ عَلَيهِ وَاسِطَةٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمُسْتَغِيثِ فَهُوَ سُبْحَانَه مُسْتَغَاثٌ بِهٖ وَالْغَوثُ مِنْه خَلْقاً وَإِيجَاداً وَالنَّبِيُّ صَلَّى الله تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَغَاثٌ وَالْغَوثُ مِنْهُ سَبَباً وَكَسَباً"

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا اور انبیاء علیہم السلام واولیاء اللہ کی طرف توجہ اور ان سے فریاد کے یہی معنی مسلمانوں کے دل میں ہیں اس کے سوا کوئی مسلمان اور معنی نہیں سمجھتا، نہ قصد کرتا ہے تو جس کا شرحِ صدر اس مسئلہ میں نہیں ہوا ہے تو وہ اپنی ذات پر گریہ کرے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرتے ہیں۔ مستغاث بہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، ہمارے نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ اور مستغیث کے درمیان واسطہ ہیں اور اللہ تعالیٰ مدد کا موجد اور خالق ہے اور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلّم اس معنی میں مستغاث ہیں کہ آپ کی مدد کسبی اور مجازی ہے۔ ھذا ماظھر لی والعلم عند ربی وھو اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

ابو الحماد محمد اسرافیل حیدری المداری
دار الافتاء والقضاء جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الاولیاء
استانہ زندہ شاہ مدار مکن پور شریف کانپور نگر یوپی انڈیا۔

صحیح عقیدہ کے بغیر اعمال کی حیثیت

کیا بغیر صحت عقیدہ اللہ کے دربار میں اعمال قبول ہو جائیں گے ؟عقیدہ کے کتنے خاص ارکان ہیں؟ جواب سے نوازا جائے۔

سائل۔ مولانا رستم علی چمپارنی گوالیار ایم۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الجواب۔ اللّٰھم ہدایۃ الحق والصواب

۱-کتاب وسنت کے شرعی دلائل سے یہ بات ذہن نشین ہونی چاہئے کہ کوئی بھی عمل یا قول اسی وقت صحیح اور قابلِ قبول ہو سکتا ہے جب کرنے والے کا عقیدہ درست ہو، چنانچہ عقیدہ درست نہ ہونے کی وجہ سے تمام اعمال اور اقوال باطل ہو جاتے ہیں، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَ مَنۡ یَّکۡفُرۡ بِالۡاِیۡمَانِ فَقَدۡ حَبِطَ عَمَلُہٗ ۫ وَ ہُوَ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ"

ترجمہ: اور جس نے بھی ایمان کے بجائے کفر اختیار کیا اس کا وہ عمل برباد ہو گیا اور اخرت میں وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔ (المائدۃ/۵)

"وَ لَقَدۡ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ وَ اِلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکَ ۚ لَئِنۡ اَشۡرَکۡتَ لَیَحۡبَطَنَّ عَمَلُکَ وَ لَتَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ" (الزمر/۶۵)

ترجمہ: آپ کی طرف یہ وحی کی جا چکی ہے اور ان لوگوں کی طرف بھی جو آپ سے پہلے تھے، کہ اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے عمل برباد ہو جائیں گے اور آپ خسارہ اٹھانے والوں میں شامل ہو جائیں گے۔

اس مفہوم کی بہت زیادہ ایات قرآن مجید میں موجود ہیں۔

۲- قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے فرامین سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ صحیح عقیدہ: اللہ تعالیٰ، فرشتوں، کتابوں، رسولوں، اخرت کے دن، اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لانے کا نام ہے، یہ چھ ارکان ہیں صحیح

عقیدہ کے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نازل کیا ہے اور اسی کو دیکر اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا ہے۔

ایمان کے چھ ارکان کے بارے میں کتاب و سنت میں بہت سے دلائل ہیں جن میں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

"لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ" (البقرۃ/۱۷۷)

ترجمہ: نیکی یہی نہیں کہ تم اپنا رخ مشرق یا مغرب کی طرف پھیر لو۔ بلکہ اصل نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر، روز قیامت پر، فرشتوں پر، کتابوں پر اور نبیوں پر ایمان لائے۔

اسی طرح فرمایا:

"اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ" (البقرۃ/۲۸۵)

ترجمہ: رسول پر جو کچھ اس کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا، اس پر وہ خود بھی ایمان لایا اور سب مومن بھی ایمان لائے۔ یہ سب اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی میں بھی تفریق نہیں کرتے۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا" (النساء/۱۳۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! (خلوص دل سے) اللہ پر، اس کے رسول پر اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے۔ نیز اس کتاب پر بھی جو اس سے پہلے اس نے نازل کی تھی۔ اور جو شخص اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور روز اخرت کا انکار کرے تو وہ گمراہی میں بہت دور تک چلا گیا۔

عقیدہ انسان کی زندگی میں ایک اہم بلکہ بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ اس کا کردار کسی بھی عمارت کی بنیاد کی طرح ہے۔

عقیدہ کی قوت انسان پر روحانی بوجھ کو ہلکا کرتی ہے اور اس ذہنی سکون فراہم کرتا ہے۔ اور عبادت خدا کی راہ میں انے والی مشکلات کو اسان کر دیتا ہے۔

عقیدہ کی قوت انسان کے دل میں جرات اور ان کے مخالفین کے دلوں میں ڈر پیدا کرتا ہے۔

عقیدہ کی قوت نہ صرف اسکے ایمان کی حفاظت کرتا ہے، بلکہ سبب بنتا ہے کہ دوسرے بھی اسکے ایمان کو قبول کرے۔

میں قبر میں صرف اپنا عقیدہ ساتھ لے جاؤنگا مجھے میرا عقیدہ درست کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے عقیدے درست فرمانے کی توفیق عطا فرمائے امین۔

کتبـــــــ

بالمعنى المستنبط من هذه الأصول."

"قد قيل في وجه انحصار الأصول على الأربعة أن الحكم إما أن يثبت بالوحي أو بغيره والأول إما أن يكون متلوا.....أو لم يكن والأول هو الكتاب والثاني هو السنة، وإن ثبت بغيره فإما أن يثبت بالرأي الصحيح أو بغيره والأول إن كان رأي الجميع فهو الإجماع، وإن لم يكن فهو القياس."

(كشف الأسرار شرح أصول البزدوی ،ج١،ص٣٣،ط دارالكتب العلميه، وهكذا في نور الأنوار) والله أعلم بالصواب.

کتبـــــــ

کتبـــــــ

کی ہدایت و رہنمائی قطب ارشاد سرانجام دیتا ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ حضرت بدیع الدین شیخ مدار قدس سرہ قطب مدار تھے اور عظیم شان والے تھے۔"

اسی طرح میر جعفر مکی علیہ الرحمہ جو سیدنا نصیر الدین چراغ دہلوی کے مرید و خلیفہ ہیں اپنی کتاب بحر المعانی میں فرماتے ہیں:

"قطب عالم در ہر زمانہ و عصر یکے باشد ووجود جمیع موجودات از اہل دنیا و آخرت یعنی سفلی و علوی بوجود قطب عالم قائم باشد و قطب عالم را فیض حق تعالی بے واسطہ باشد و قطب عالم را قطب مدار نیز گویند یعنی مدار موجودات سفلی و علوی از برکت وجود اوست"۔ (بحر المانی صفحہ ۸۳)

یعنی قطب عالم ہر زمانے میں ایک ہوتا ہے اور اہل دنیا و اخرت میں سے تمامی موجودات یعنی عالم سفلی و علوی کا وجود قطب عالم کے سبب قائم ہے اور قطب عالم کو نبی کریم کے صدقے حق تعالیٰ سے بے واسہ فیض پہنچتا ہے اور قطب عالم کو قطب مدار بھی کہتے ہیں یعنی موجودات سفلی و علوی کا دارومدار قطب مدار کے وجود کی برکت کے سبب ہے۔

مزید فرماتے ہیں کہ:

"قطب عالم یعنی قطب مدار متصرف بر جمیع اقالیم و جمیع اقطاب باشد واز عرش تاثریٰ متصرف بود"

یعنی قطب مدار تمام اقالیم یعنی تمام جہانوں اور تمام قطبوں پر متصرف ہوتا ہے۔ اس کا تصرف عرش سے تحت الثریٰ تک ہوتا ہے۔

شیخ عبد الرزاق کاشانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"القطب في اصطلاح القوم اكمل الانسان متمكن في مقام الفردية تدور عليه احوال الخلق"

صوفیا کی اصطلاح میں قطب المدار اس اکمل انسان کو کہتے ہیں جو مقام فردانیت پر فائز ہو جس پر مخلوق کے احوال گردش کرتے ہوں۔

علامہ شامی قدس اللہ سرہ النورانی اپنے رسالہ ابن عابدین میں نقل فرماتے ہیں:

"الخليفه الباطن وهو سيد اهل زمانه سمي قطبا لجمع جميع المقامات والاحوال

ودورانها علیه "(رساله ابن عابدین الشامی: ص ٢٦٥)

یعنی خلیفہ باطن جو اپنے زمانے والوں کے سردار اور سرتاج ہوتا ہے اس کو قطب المدار کہتے ہیں کیونکہ تمام مقامات واحوال کا وہ جامع ہوتا ہے اور تمام مقامات ومراتب اسی کے ارد گرد گھومتے ہیں،،

تفسیر روح البیان میں ہے:

"ہر زمانے میں ایک قطب ہوتا ہے یہ قطب سب سے بڑا ہوتا ہے اسے مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے قطب عالم "قطب کبری" قطب الارشاد" قطب مدار" قطب جہاں" اور جہانگیر عالم، عالم علوی اور عالم سفلی میں اسی کا تصرف ہوتا ہے,اور سارا عالم اسی کے فیض وبرکت سے قائم ہوتا ہے، اگر قطب عالم کا وجود درمیان سے ہٹا دیا جائے تو سارا عالم درہم برہم ہو کر رہ جائے، قطب عالم براہ راست اللہ تعالیٰ سے احکام وفیض حاصل کرتا ہے، اور ان فیوض کو اپنے ماتحت اقطاب میں تقسیم کرتا ہے، وہ دنیا کے کسی بڑے شہر میں سکونت رکھتا ہے بڑی عمر پاتا ہے نور خام مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات ہر سمت سے حاصل کرتا ہے، وہ اپنے ماتحت اقطاب کے تقرر وتنزل اور ترقی کے اختیار کا مالک ہوتا ہے۔ ولی کو معزول کرنا، ولایت کو سلب کرنا، ولی کو مقرر کرنا، اوراس کے درجات میں ترقی دینا اسی کے فرائض میں ہے۔ وہ ولایت شمس پر فائز ہوتا ہے لیکن اس کے ماتحت اقطاب کو ولایت قمر میں جگہ ملتی ہے۔ قطب عالم اللہ تعالیٰ کے اسم رحمٰن کی تجلی کا مرکز ہوتا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم مظہر خاص تجلی الولایت ہیں۔ قطب عالم سالک بھی ہوتا ہے اور اس کا مقام ترقی پذیر ہوتا ہے۔ حتی کہ وہ مقام فردانیت پر پہنچ جاتا ہے، یہ مقام محبوبیت ہے۔ رجال اللہ میں اسی قطب عالم کا نام عبد اللہ بھی ہے۔

(تفسیر روح البیان اردو صفحہ ۱۲ جلد ۱۵ پارہ ۳۰ زیر آیت والجبال اوتادا، مترجم مولانا فیض احمد اویسی مطبوعہ رضوی کتاب گھر مٹیا محل دہلی)

ان حوالجات سے مقام قطب المدار اور منصب شان زندہ شاہ مدار روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے میرا رسالہ مقام مداریت کا مطالعہ فرمائیں جو ماھنامہ دمدار مئی ۲۰۱۲ء میں مکمل شائع ہو چکا ہے۔

جو بزرگ اس شان کا ہو کہ جسے وہ چاہے ولی بنائے، جس کی ولایت جب چاہے سلب کر لے، ولایت کے عہدے میں ترقی فرما دے یا چاہے تو نور ولایت کے منصب سے نیچے اتار دے۔ اس ولی اللہ کا سلسلہ کتنا عالی کتنا شاندار اور کتنا پر وفیض ہو گا؟ اہل علم ہی اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ وہ ولی جس کا تصرف و اختیار عرش سے تحت الثریٰ تک ہو، عالم علوی اور عالم سفلی میں جس کا حکم و اختیار چلتا ہو، جو اللہ تعالیٰ کے فیض کو اپنے ماتحتوں میں خود تقسیم کرتا ہو، جو سارے جہان میں متصرف ہو، جو اپنے زمانے کے ولیوں کا سردار ہو، جو کارخانۂ ہستی و توابع ہستی کا

کو چلاتا ہو، کیا اس سے نیچے درجے کا کوئی ولی اس پر اثر انداز ہو سکتا ہے؟ اس کے تصرفات و اختیارات کو کم کر سکتا ہے؟ اس کے خلفاء و مریدین کو کوئی گمراہ کر سکتا ہے؟ اس کے سلسلے بیعت و خلافت کو کوئی گزند پہنچا سکتا ہے؟ حاشا وکلا!! ایسا ہر گز نہیں ہو سکتا ہے۔ بلکہ جو ولی اللہ اس قطب مدار سے ذرہ برابر بھی سوئے ظن یا عداوت رکھے گا، یا کسی بنا پر خود قطب مدار اس ولی سے ازردہ ہو جائے تو وہ ولی ہدایت کے نور سے محروم ہو جائے گا۔

چنانچہ حضرت امام ربانی شیخ مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی ارشاد فرماتے ہیں:

"قطب ارشاد جو کمالات فردیہ کا بھی جامع ہوتا ہے بہت عزیز الوجود اور نایاب ہے. بہت سے قرنوں اور بے شمار زمانوں کے بعد اس قسم کا جوہر وجود میں آتا ہے۔ عالم تاریک اس کے نور ظہور سے نورانی ہوتا ہے اور اس کی ہدایت وارشاد کا نور محیط عرش سے لے کر مرکز فرش تک تمام جہانوں کو شامل ہوتا ہے۔ اور جس کسی کو رشد و ہدایت اور ایمان و معرفت حاصل ہوتا ہے اسی کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے، اور اس کے وسیلے کے بغیر کوئی شخص اس دولت کو نہیں پا سکتا۔ مثلاً اس کی ہدایت کا نور دریائے محیط کی طرح تمام جہان کو گھیرا ہوا ہے اور وہ دریا گویا منجمد ہے اور ہر گز حرکت نہیں کرتا اور وہ شخص جو اس بزرگ کی طرف متوجہ ہو تو توجہ کے وقت گویا طالب کے دل میں ایک روزن کھل جاتا ہے اور اس راہ سے توجہ و اخلاص کے مطابق اس دریا سے سیراب ہوتا ہے ایسے ہی وہ شخص جو ذکر الٰہی کی طرف متوجہ ہے اور اس عزیز کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہے انکار سے نہیں۔ بلکہ اس کو پہچانتا نہیں ہے۔ تو اس کو بھی یہ فائدہ حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن پہلی صورت میں دوسری صورت کی نسبت افادہ بہتر اور بڑھ کر ہے۔ لیکن وہ شخص جو اس بزرگ قطب الارشاد کا منکر ہے یا وہ بزرگ اس سے ازردہ ہے تو وہ اگرچہ ذکر الٰہی میں مشغول ہے لیکن وہ نور ہدایت کی حقیقت سے محروم ہے۔ یہ انکار و ازار اس کے فیض کا مانع ہو جاتا ہے۔ بغیر اس امر کے کہ وہ بزرگ اس کے عدم افادہ کی طرف متوجہ ہو یا اس کی ضرر کا قصد کرے۔ کیونکہ ہدایت کی حقیقت اس سے مفقود ہے۔ وہ صرف مرشد کی صورت ہے اور صورت بے معنی کچھ فائدہ نہیں دیتی۔

(مکتوبات امام ربانی جلد دوئم دفتر اول حصہ چہارم مکتوب نمبر ۲۶۰)

قطب المدار کے اسی فیضان خاص کی وجہ سے بڑے بڑے نامور اکابر اولیاء اللہ نے آپ سے اس فیضان خاص کو حاصل فرما کر آپ کے چاہنے والوں میں اپنا نام درج کرایا ہے، اور آپ کے سلسلہ کی نسبت کو اپنی معرفت کی تکمیل کا ذریعہ تسلیم کیا ہے۔ سلسلہ عالیہ مداریہ کے فیضان و برکات حاصل کرنے والوں کی بڑی لمبی فہرست ہے۔ بطور نمونہ کچھ اکابر اولیاء اللہ کے اسماء گرامی سند و حوالے کے درج کیے جا رہا ہے۔ سلسلہ برکاتیہ کے ایک امام

حضرت شاہ جمال الاولیاء کوڑہ جہان ابادی ہیں۔ ۹۷۳ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۰۴۷ ہجری میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ اپنے والد ماجد کے ساتھ اپنے خاندانی نسبتوں سے ماذون ہونے کے بعد مکن پور شریف تشریف لائے اور استانۂ قطب المدار پر حاضری دی۔ اس وقت حضرت سید مبارک علی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت ابو الحسن طیفور خلیفہ قطب المدار مدار کی اولاد میں سے ہیں، نے آپ کو اپنے گھر میں اپنا مہمان بنایا اور اپنے سلسلۂ عالیہ مداریہ کی نسبت عطا فرما کر خلافت و اجازت سے بھی سرفراز فرمایا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے (مدائح حضور نور غلام شبر قادری برکاتی)

میر سید محمد ترمذی کالپوی نے سلسلہ مداریہ کی اجازت و خلافت حاصل کی۔ چنانچہ میر غلام علی ازاد بلگرامی فرماتے ہیں:

میر سید محمد ترمذی کالپوی قدس سرہ (۱۰۰۶ ہجری ۱۰۷۱ ہجری) تتمہ کتب تحصیلی قدرے پیش مولانا محمد عمر جاجی موی روّح اللہ روحہ اکثر در حلقۂ درس شیخ جمال کوڑوی قدس سرہ و گزارنید، و در فضیلت صوری رتبہ بلند حاصل کرد، وفاتحہ فراغ از شیخ جمال الاولیاء گرفتند، وہم با حضرت شیخ در طریقہ عالیہ چشتیہ بیعت کردند۔ و اجازت سلاسل قادریہ سہر وردیہ مداریہ یافتند۔ (ماثر الکرام صفحہ ۸۱)

اسی طرح غلام شبر برکاتی بدایونی تحریر کرتے ہیں کہ حضرت میر سید محمد کالپوی قدسرہ نے حضرت جمال الاولیاء کڑوی قدس سرہ سے طریقہ چشتیہ میں بیعت کی اور قادریہ، سہر وردیہ اور مداریہ میں اجازت پائی۔
(مدائح حضور نور مطبوعہ ۱۳۳۴ ہجری صفحہ ۲۸۔ ائینہ کالپی صفحہ ۲۰)

اور حضرت میر ابو العلا احراری علیہ الرحمہ جو سلسلہ ابو العلایہ کے بانی ہیں۔ آپ نے بھی اس سلسلۂ عالیہ مداریہ کی اجازت و خلافت حاصل کی۔ (تذکرہ مشائخ قادریہ برکاتیہ رضویہ صفحہ ۳۱۶ مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارک پور)

حضرت شاہ برکت اللہ مارہروی قدس اللہ سرہ القوی جو سلسلۂ برکاتیہ کے بانی ہیں۔ نام نامی محتاج تعارف نہیں ہے۔ آپ کے پیر و مرشد نے آپ کو پانچ سلسلوں کی اجازت و خلافت دی جس میں پانچواں سلسلہ مداریہ بدیعیہ ہے اجازت سلاسل خمسہ قادریہ چشتیہ نقشبندیہ سہر وردیہ مداریہ مع سند و خلافت دیگر اعمال و نوازش فرمود۔
(اصح التواریخ شاہ محمد میاں برکاتی مارہروی)

حضرت سید شاہ ال رسول احمدی و حضرت سید ابو الحسین احمد نوری علیہما الرحمۃ و الرضوان ان دونوں بزرگوں سے مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی کو نسبت ارادت و اجازت و خلافت حاصل ہے۔ ان دونوں حضرات کو بھی اس سلسلہ عالیہ بدیعیہ مداریہ کی اجازت و خلافت حاصل ہے۔

(تذکرہ مشائخ قادریہ برکاتیہ ص ۱۳۸۰ اور تذکرہ نوری، ص ۱۳)

حضرت سید العلماء سید ال مصطفیٰ مارہروی قدس سرہ فرماتے ہیں:

"آپ تو اچھی طرح جانتے ہیں خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ میں صدیوں سے ناموس اولیاء کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کے لیے اپنی ساری قوتیں اور طاقتیں بازی پر لگائے ہوئے ہے۔ تو پھر اس خانقاہ شریف کے ایک حقیر خادم کی حیثیت سے کیوں کر متصور تھا کہ وہ اپنے ایک مرشد اجازت ذات برگزیدہ صفات حضور پر نور سیدنا قطب المدار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ فضیلت پناہ میں زبان گستاخانہ دراز کرتا۔ اے سبحان اللہ! کیا میں اتنا احمق تھا کہ جس شاخ پر بیٹھا تھا اسی پر کلہاڑی چلاتا. سلسلہ عالیہ مداریہ کے اجرائے فیض کا انکار کیا خود میرے جد کریم سید شاہ برکت اللہ قدس اللہ العزیز کو معاذ اللہ تجہیل تحمیق کے مترادف نہ ہوتا"۔

مزید فرماتے ہیں:

"فقیر کے اس اقرار کے باوجود کہ میرے خاندان باوقار کے پاس سلسلۂ مداریہ کی اجازت موجود ہے جو کالپی شریف سے آئی ہے اور خود فقیر کو اجازت ہے۔ مجھ پر سلسلہ عالیہ کے سرے سے سوخت ہونے کا عقیدہ کا الزام بہتان ہے یا نہیں؟ لہذا فقیر کا مسلک سماعت فرمائیں کہ یہ فقیر خاک پائے مرشدان عظام حضور پر نور سید بدیع الملۃ والطریقۃ والاسلام والدین شیخنا مرشدنا سیدی قطب المدار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ویسا ہی مرشد اجازت مفید و مفیض یقین کرتا ہے جیسا کہ خواجہ خواجگان سلطان الہند عطاء رسول سیدنا خواجہ غریب نواز چشتی اجمیری، حضرت خواجہ بہاء الملۃ والدین سیدنا مولائے نقشبند و سیدنا شیخ شہاب الملۃ والدین عمر سہروردی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو۔"

مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی جو سلسلہ رضویہ کے بانی ہیں آپ کو اجازت خلافت ۱۳/ طریقوں سے تھی آپ کے خلیفہ ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین بہاری اپنی کتاب حیات اعلیٰ حضرت میں آپ کے ۱۳/ سلسلے مع شجرات کے نقل فرماتے ہیں: لکھتے ہیں:

"دوازدہم سلسلہ عالیہ بدیعیہ مداریہ مثل قادریہ جدیدہ تاجمال اولیاء یعنی فاضل بریلوی کے پیر حضرت شاہ ال رسول احمدی، ان کے پیر حضرت سید شاہ ال احمد اچھے میاں صاحب قدس سرہ ان کے حضرت شاہ حمزہ صاحب قدس سرہ، ان کے حضرت شاہ ال محمد مارہروی قدس سرہ، ان کے حضرت سید شاہ برکت اللہ مارہروی قدس سرہ

ان کے حضرت سید شاہ فضل اللہ کالپوی مارہروی قدس سرہ ان کو حضرت سید احمد کالپوی قدس سرہ سے انہیں حضرت سید شاہ محمد کالپوی قدس سرہ سے انہیں حضرت شاہ جمال الاولیاء کوڑہ جہان ابادی قدس سرہ سے انہیں انکے پیر حضرت شیخ قیام الدین قدس سرہ سے انہیں حضرت شیخ قطب الدین قدس سرہ سے ، انہیں حضرت سید جلال الدین عبد القادر قدس سرہ سے انہیں حضرت سید مبارک قدس سرہ سے انہیں حضرت سید اجمل قدس سرہ سے انہیں حضرت عارف اجل بدیع الدین مدار مکن پوری قدس سرہ سے انہیں حضرت شیخ عبد اللہ شامی قدس سرہ سے انہیں حضرت شیخ عبد الاول قدس سرہ سے ، انھیں حضرت شیخ امین الدین قدس سرہ سے انہیں حضرت امیر المومنین علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم سے انہیں حضرت سید المرسلین خاتم النبیین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والہ اجمعین سے۔

(حیات اعلی حضرت جلد دوم ص ۳۷۵ مطبوعہ پور بندر گجرات) علماء حرمین میں کے لیے اجازت نامے فاضل بریلوی صفحہ ۸۲، ۸۳ پر)

ہندوستان و بیرون ہند سلسلۂ مجددیہ نقشبندیہ کے بانی امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی کو سلسلہ مداریہ کی اجازت ان کے والد بزرگوار سے حاصل ہوئی۔ چنانچہ خزینۃ الاصفیاء میں ہے:

"حضرت شیخ مجدد الف ثانی قدس سرہ کو سلسلہ رفاعیہ و مداریہ و کبرویہ وغیرہ میں تلقین فرمانے کی اجازت آپ کے والد بزرگوار شیخ عبد الاحد قدس سرہ سے ہے۔ (خزینۃ الاصفیا جلد اول صفحہ ۶۰۹)

حضرت غلام علی نقشبندی، مرزا مظہر جان جاناں، احمد سعید دہلوی، حضرت شاہ محمد شیر میاں پیلی بھیت، حضرت قبلہ درگاہی شاہ رامپوری، حضرت مولانا احمد حسن کانپوری، حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد ابادی، حضرت سید محمد شہباز بھاگلپوری حضرت مولانا وجیہ الدین اشرف علوی گجراتی، حضرت محمد غوث گوالیاری صاحب جواہر خمسہ، حضرت نعیم عطا شاہ سلونی علیہم الرحمۃ والرضوان ان سبھی بزرگان دین و رہبران شرح متین نے اور ان جیسے دیگر ہزاروں علماء مشائخ دین سلسلہ مداریہ کی اجازت و خلافت حاصل فرما کر فیضان مداریت سے مالامال ہوئے ہیں۔

اب اگر اج کی تاریخ میں کوئی مولوی، عالم یا ظاہری پیر اپنی بے لگام زبان سے یہ کہہ دے کہ سلسلہ مداریہ کے مریدین و متوسلین اور مشائخ کو پیران عظام گمراہ یا کافر ہیں: تو یک لخت اس ظالم نے مذکورہ بالا جملہ مشائخ کبار و اولیائے عظام و پیران کرام اور علماء ذوی الاحترام کو کافر و گمراہ کہا۔ وہ اس جرم عظیم کی وجہ سے خود کافر گمراہ ہو گیا۔ اگر شادی شدہ ہے تو بیوی نکاح سے نکل گئی۔ مرید ہے تو بیعت فسخ ہو گئی۔ اس پر اعلانیہ توبہ و تجدث ایمان و تجدید نکاح وہ بیعت لازم

ہوگئی۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اگر وہ امام ہے تو امامت سے اسے ہٹادیں اور اس کے پیچھے پڑھی ہوئی نمازوں کا اعادہ کریں۔فقط. ھٰذا ما ظھر لی والعلم عند ربی وھو اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

٤/ ٥٥٧، رقم: ٨٦٧٣ - قال الحاكم: "هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ" ووافقه الذهبي)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میری امت کے اخری زمانہ میں مہدی کا ظہور ہو گا، اللہ تعالیٰ ان کو بارش عطا فرمائے گا، زمین اپنی پیداوار نکالے گی، مال فراخی سے تقسیم ہو گا، مویشیوں کی کثرت ہو گی، امت کی عظمت بڑی ہو جائے گی، وہ سات یا اٹھ سال حیات رہیں گے (راوی نے کہا: یعنی حج کے اعتبار سے)۔"

(٢) عَن جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، يَقُولُ: «لَا يَزَالُ الدِّينُ قَائِمًا حَتّٰى تَقُومَ السَّاعَةُ، أَوْ يَكُونَ عَلَيْكُمُ اثْنَا عَشَرَ خَلِيفَةً، كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ»

(صحيح مسلم، كِتَابُ الْإِمَارَةِ، باب النَّاسِ تَبَعٌ لِقُرَيْشٍ وَالْخِلَافَةُ فِي قُرَيْشٍ، رقم: ١٨٢١)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: "دین (اسلام) ہمیشہ قائم رہے گا یہاں تک کہ قیامت اجائے، یا تم پر بارہ خلفاء ہوں گے، اور یہ سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔"

شرح واشارات:

١. **اثنا عشر خلیفہ:** اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بارہ خلفاء کی خبر دی ہے، جن میں سے ایک کو محدثین و مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے "امام مہدی علیہ السلام" قرار دیا ہے۔

٢. **دین کا قیام:** دین اسلام کا استحکام اور بقاء قیامت تک جاری رہے گا، اور اس کا ظہور و غلبہ ان خلفاء، خصوصا حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ذریعہ ظاہر ہو گا۔

٣. **قریشی النسب:** یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سیدنا امام مہدی قریش سے ہوں گے، جیسا کہ دیگر احادیث میں تصریح کے ساتھ ایا ہے کہ وہ فاطمی ہوں گے۔

اس حدیث سے متعلق شارحین کی وضاحت:

امام نووی علیہ الرحمۃ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

"هَذَا فِيهِ بَيَانٌ لِأَنَّ الْخِلَافَةَ الْحَقَّةَ الَّتِي تَكُونُ عَلَى مَنْهَجِ النُّبُوَّةِ سَتَكُونُ فِي قُرَيْشٍ، وَقَدْ يَكُونُ الْمُرَادُ بِهٰؤُلَاءِ الْأَثْنَي عَشَرَ، مَنِ اجْتَمَعَتْ عَلَيْهِ الْأُمَّةُ وَكَانَتْ خِلَافَتُهُ شَرْعِيَّةً،

وَمِنْهُمْ الْمَهْدِيُّ الْمُنْتَظَرُ." (شرح النووی علی مسلم، ج ۱۲، ص ۲۰۱)

ترجمہ: "اس میں اس بات کا بیان ہے کہ خلافتِ حقہ جو نبوت کے طریقہ پر ہو گی، وہ قریش میں ہو گی، اور ممکن ہے کہ ان بارہ خلفاء سے مراد وہ حضرات ہوں جن پر امت کا اجماع ہوا اور ان کی خلافت شرعی ہو گی، اور ان میں سے امام مہدی منتظر بھی ہیں۔"

امام مہدی نسل رسول کریم علیہ السلام سے ہوں گے جو روئے زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے

(۳) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الْمَهْدِيُّ مِنِّي، أَجْلَى الْجَبْهَةِ، أَقْنَى الْأَنْفِ، يَمْلَأُ الْأَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا وَظُلْمًا، يَمْلِكُ سَبْعَ سِنِينَ». (سنن أبي داود، كتاب المهدي، حديث: ٤٢٨٥ | صحيح)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: "مہدی میری نسل سے ہو گا، کشادہ پیشانی والا اور بلند ناک والا ہو گا۔ وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جیسے کہ وہ ظلم وجور سے بھری ہوئی ہو گی، وہ سات سال حکومت کرے گا۔"

حضرت امام مہدی علیہ السلام اہل بیت میں سے ہوں گے

(٤) عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الْمَهْدِيُّ مِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ، يُصْلِحُهُ اللهُ فِي لَيْلَةٍ» (مسند أحمد بن حنبل، حديث: ٦٥٥ | صحيح على شرط مسلم)

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجھہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مہدی ہمارے اہلِ بیت میں سے ہو گا، اللہ تعالیٰ ایک ہی رات میں اس کی اصلاح فرمادے گا۔"

مہدی اولاد فاطمہ سے ہوں گے

(٥) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «الْمَهْدِيُّ مِنْ وُلْدِي، مِنْ وُلْدِ فَاطِمَةَ» (سنن أبي داود، كتاب المهدي، حديث: ٤٢٨٤ | صحيح)

ترجمہ: حضرت امّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ کو فرماتے ہوئے سنا: "مہدی میرے اہلِ بیت سے ہو گا، فاطمہ کی اولاد سے ہو گا۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا نزول اور حضرت امام مہدی علیہ السلام کی امامت

(٦) عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَنْزِلُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ، فَيَقُولُ أَمِيرُهُمُ الْمَهْدِيُّ: تَعَالَ صَلِّ بِنَا، فَيَقُولُ: لَا، إِنَّ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ أُمَرَاءُ، تَكْرِمَةَ اللهِ هَذِهِ الْأُمَّةَ»

(صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب نزول عيسى ابن مريم حاكما بشريعة نبينا، حديث: ١٥٥)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "حضرت عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے، تو ان کا امیر حضرت مہدی انہیں نماز پڑھانے کے لیے کہے گا، مگر وہ کہیں گے: نہیں! تم میں سے بعض کو اللہ نے بعض پر امیر بنایا ہے، یہ اس امت کی اللہ کے ہاں عزت و تکریم کی علامت ہے۔"

آخری زمانے میں ایک شہزادۂ رسول علیہ السّلام پیدا ہوں گے جن کا نام رسول اللہ ﷺ کے نام پر ہوگا

چنانچہ ارشاد رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ہے:

(٧) قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَوْ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا يَوْمٌ، لَطَوَّلَ اللهُ ذَلِكَ الْيَوْمَ حَتَّى يَبْعَثَ فِيهِ رَجُلًا مِنِّي، أَوْ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي، يُوَاطِئُ اسْمُهُ اسْمِي، وَاسْمُ أَبِيهِ اسْمَ أَبِي».

(مسند احمد: ٦٤٦٩ | سنن ابی داود: ٤٢٨٢ | ترمذی: ٢٢٣٠ | مستدرک حاکم: ٨٦٦٩ | صحيح على شرط الشيخين)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اگر دنیا کی عمر ایک دن بھی باقی ہو تو اللہ تعالیٰ اس دن کو اتنا طویل کر دے گا یہاں تک کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کو (یعنی حضرت مہدی کو) بھیج دے، جس کا نام میرے نام سے، اور اس کے والد کا نام میرے والد کے نام سے موافقت رکھتا ہو گا۔"

حضرت سیدنا امام مہدی کی حکومت سات سال سے نو سال تک قائم رہے گی

(٨) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَكُونُ فِي أُمَّتِي الْمَهْدِيُّ، إِنْ قَصُرَ فَسَبْعُ سِنِينَ، وَإِنْ طَالَ فَتِسْعُ سِنِينَ، فَيَمْلَأُ الْأَرْضَ عَدْلًا وَقِسْطًا كَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا وَظُلْمًا».

(سنن ابی داود، حدیث: ٤٢٨٦ | مسند احمد: ١٠٨٩٨ | ابن كثير: البدايه والنهايه، جلد ٩، ص: ١٢٩)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میری امت میں مہدی ہوں گے، اگر ان کی حکومت قلیل ہو تو سات سال، اور اگر طویل ہو تو نو سال تک رہے گی۔ وہ

زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے، جیسے وہ ظلم وجور سے بھری ہو گی۔"

مشرق کی طرف سے کالے جھنڈے والے ظاہر ہوں گے

(۹) عَنْ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَقْتَتِلُ عِندَ كَنْزِكُمْ ثَلَاثَةٌ كُلُّهُمُ ابْنُ خَلِيفَةٍ، ثُمَّ لَا يَصِيرُ إِلَى وَاحِدٍ مِنْهُمْ، ثُمَّ تَطْلُعُ الرَّايَاتُ السُّودُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ، فَيَقْتُلُونَكُمْ قَتْلًا لَمْ يُقْتَلْهُ قَوْمٌ، ثُمَّ ذَكَرَ شَيْئًا لَا أَحْفَظُهُ، فَقَالَ: فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَبَايِعُوهُ وَلَوْ حَبْوًا عَلَى الثَّلْجِ، فَإِنَّهُ خَلِيفَةُ اللهِ الْمَهْدِيُّ».

(سنن ابن ماجه، حديث: ٤٠٨٢ | مسند احمد: ٢٢٣٨٧ | الحاكم: ٨٦٦٩ (صحيح الاسناد)

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تمہارے خزانے کے پاس تین افراد لڑیں گے، جو سب کے سب خلیفہ کے بیٹے ہوں گے، مگر وہ خزانہ کسی ایک کو نہ ملے گا، پھر مشرق سے سیاہ جھنڈے والے نمودار ہوں گے جو ایسی جنگ کریں گے جو کسی قوم نے پہلے نہ دیکھی ہو۔ پھر فرمایا: جب تم مہدی کو دیکھو تو ان سے بیعت کر لینا، چاہے برف پر گھٹنوں کے بل چل کر جانا پڑے، کیونکہ وہ اللہ کے خلیفہ مہدی ہوں گے۔"

حضرت امام مہدی علیہ السلام اہل مدینہ میں سے ہوں گے لوگ رکن حجر اسود اور مقام ابراہیم علیہ السلام کے درمیان آپ سے بیعت کریں گے

چنانچہ ارشاد رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ہے:

(۱۰) قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَكُونُ اخْتِلَافٌ عِنْدَ مَوْتِ خَلِيفَةٍ، فَيَخْرُجُ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ، فَيَأْتِي مَكَّةَ، فَيُبَايِعُهُ النَّاسُ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ».

(مسند احمد: ٦٧٣٥ | سنن ابی داود: ٤٢٨٠ | صحيح ابن حبان: ٦٧٨٥)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب ایک خلیفہ کی موت واقع ہو گی تو اس وقت اختلاف پیدا ہو گا، پھر مدینہ سے ایک شخص نکلے گا، اور مکہ آئے گا، لوگ رکن ومقام کے درمیان اس سے بیعت کریں گے۔"

حضرت سیدنا امام مہدی علیہ السلام مال کو گنے بغیر تقسیم کریں گے

(۱۱) قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «سَيَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ خَلِيفَةٌ، يُقْسِمُ الْمَالَ وَلَا يَعُدُّهُ».

(صحيح مسلم، كتاب الزكاة، حديث: ٢٩١٣)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اخری زمانے میں ایک خلیفہ ہو گا، جو مال کو گنے بغیر تقسیم کرے گا۔"

حضرت امام مہدی خلیفہ ہوں گے وہ سنت پر جہاد کریں گے

چنانچہ ارشاد رسول علیہ السلام ہے:

(١٢) قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الْمَهْدِيُّ خَلِيفَةٌ يُقَاتِلُ عَلَى السُّنَّةِ كَمَا قَاتَلْتُ أَنَا».

(ابو نعيم، صفة المهدى، حديث: ١١ | ابن عساكر، تاريخ دمشق، ج ٥١، ص ١٠٢)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مہدی خلیفہ ہوں گے، وہ سنت پر اسی طرح جہاد کریں گے جیسے میں نے کیا۔"

حضور سیّدنا امام مہدی علیہ السلام کے ظہور پر اکابرِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال:

❶ حضرت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

«يَمْلَأُ اللهُ بِهِ الْأَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَجَوْرًا».

(مصنف ابن أبي شيبه: ١٥/ ١٦٥، رقم: ٣٨٥٣٢)

ترجمہ: عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ امام مہدی کے ذریعے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ ظلم وجور سے بھر چکی ہو گی۔"

❷ حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

«الْمَهْدِيُّ مِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ». (سنن ابن ماجه: ٤٠٨٥)

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ارشاد فرمایا: "مہدی ہمارے اہل بیت سے ہوں گے۔"

❸ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

«لَوْ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا يَوْمٌ، لَطَوَّلَ اللهُ ذَلِكَ الْيَوْمَ، حَتَّى يَبْعَثَ رَجُلًا مِنْ وُلْدِ فَاطِمَةَ». (المعجم الأوسط للطبراني: ٦/ ٣٠٤، رقم: ٦٥٠٨)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "اگر دنیا کا صرف ایک دن باقی رہ جائے، تو اللہ تعالیٰ اس دن کو اتنا طویل کر دے گا کہ فاطمہ (سلام اللہ علیہا) کی اولاد میں سے ایک شخص (امام مہدی) کو بھیج دے۔"

❹ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

"قِيلَ لِجَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَيَكُونُ بَعْدَ ذَلِكَ مِنَ الأَئِمَّةِ شَيْءٌ؟ قَالَ: نَعَمْ، يَخْرُجُ المَهْدِيُّ فَيَخْتِمُ بِهِ الدِّينَ كَمَا فَتَحَ بِهِ" (الفتن لنعيم بن حماد: رقم ١٠١٤)

ترجمہ: جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا: "کیا اس (فتنوں) کے بعد بھی کوئی امام آئے گا؟" فرمایا: "ہاں، جناب مہدی آئیں گے، اور ان کے ذریعے دین کا اختتام ہو گا جیسے کہ ان ہی کے ذریعے اس وقت دین کو فتح ملی۔"

خلاصہ کلام یہ کہ:

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے اقوال سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت سیدنا امام مہدی علیہ السلام کا تصور، ان کے نسب، صفات، خروج کے وقت، اور ان کے ذریعہ عدل و انصاف کے قیام کا علم صحابہ کرام کے درمیان متداول و معروف تھا۔ ان اقوال سے اہلسنت کے یہاں امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کا عقیدہ مضبوط بنیادوں پر قائم ہے۔

تابعینِ کرام کے اقوال برائے امام مہدی علیہ السلام:

❶ حضرت مُحَمَّدُ بنُ المُنكَدِرِ (ت: ۱۳۰ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اکابر تابعین میں سے ہیں ان سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لَوْ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا يَوْمٌ، لَبَعَثَ اللهُ فِيهِ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ بَيْتِي، يَمْلَأُهَا عَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا" (السنن الكبرى للبيهقي (٨/ ١٥٦)

ترجمہ: "اگر دنیا میں صرف ایک دن باقی رہ جائے، تب بھی اللہ تعالیٰ میرے اہلِ بیت میں سے ایک شخص (امام مہدی) کو ضرور بھیجے گا، جو دنیا کو عدل سے بھر دے گا جس طرح وہ ظلم سے بھر چکی ہو گی۔"

حضرت محمد بن منکدر تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو بطور حجت و عقیدہ بیان کیا۔

❷ حضرت أَبُو سَلَمَةَ بنُ عَبدِ الرَّحْمٰنِ (ت: ۹۴ھ) جو فقہاءِ مدینہ میں سے تھے، آپ نے فرمایا:

"المَهْدِيُّ حَقٌّ، يَخْرُجُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ، يَكُونُ عَلَى يَدَيْهِ فَتْحٌ وَعَدْلٌ"

(كتاب الفتن لنعيم بن حماد (١/ ٩٠)

ترجمہ: "مہدی برحق ہیں، وہ اخری زمانے میں ظاہر ہوں گے، اور ان کے ہاتھوں (دنیا میں) فتوحات اور عدل قائم ہو گا۔"

❸ حضرت سَعِيدُ بنُ المُسَيَّبِ (ت:۹۴ھ) تابعین کے اکابرین میں سے ہیں، آپ فرماتے تھے:

"يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ خَلِيفَةٌ يُقَالُ لَهُ المَهْدِيُّ، يُقَاتِلُ عَلَى السُّنَّةِ كَمَا قَاتَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى الْوَحْيِ" (جامع بيان العلم وفضله لابن عبد البر (۲/ ۱۹۸)

ترجمہ: "اخری زمانے میں ایک خلیفہ ہو گا جسے مہدی کہا جائے گا، وہ سنت پر جنگ کرے گا جیسے رسول اللہ ﷺ نے وحی پر جنگ کی۔"

❹ حضرت عَلْقَمَةُ بنُ قَيْسٍ (ت:۶۲ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص شاگرد تھے، فرماتے ہیں:

"إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّايَاتِ السُّودَ قَدْ أَقْبَلَتْ مِنْ خُرَاسَانَ، فَاعْلَمُوا أَنَّ المَهْدِيَّ فِيهَا"

المصدر: الفتن لنعيم بن حماد (۱/ ٦٦)

ترجمہ: "جب تم خراسان سے سیاہ جھنڈوں کو آتا دیکھو، تو جان لو کہ ان میں مہدی موجود ہیں۔"

❺ إمامُ عَطَاءُ بنُ أَبِي رَبَاحٍ (ت:۱۱۴ھ) حرم مکہ کے مشہور تابعی، فرماتے ہیں:

"لَا يَكُونُ هَذَا الْأَمْرُ حَتَّى يَخْرُجَ المَهْدِيُّ، وَإِنَّهُ قَرِيبٌ، فَانْتَظِرُوهُ"

(الفتن لنعيم بن حماد (۱/ ۹۱)

ترجمہ: "یہ (اسلامی خلافت کا) امر اس وقت تک قائم نہ ہو گا جب تک مہدی نہ اجائیں، اور بے شک وہ قریب ہیں، پس ان کا انتظار کرو۔"

خلاصہ:

ائمۂ تابعین کا مجموعی اجماع یہی ہے کہ امام مہدی علیہ السلام برحق شخصیت ہیں، ان کا ظہور اخری زمانے میں ہو گا، اور وہ عدل، سنت، اور فتوحات کے علمبردار ہوں گے۔ ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ صرف حدیث پر نہیں بلکہ سلفِ صالحین کے اجماعی فہم پر بھی مبنی ہے۔

امام مہدی علیہ السلام کا علم، اجتہاد اور ہدایت کی حیثیت

❶ حضرت امام مہدی علم وعدل کے وارث ہوں گے:

عن أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ، قالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: " يَخْرُجُ فِي آخِرِ أُمَّتِي المَهْدِيُّ، يَسْقِيهِ اللهُ الغَيْثَ، وتُخْرِجُ الأَرْضُ نَباتَهَا، ويُعْطِي المالَ صِحاحًا، وتَكْثُرُ الماشِيَةُ، وتَعْظُمُ الأُمَّةُ، يَعِيشُ سَبْعًا، أَوْ ثَمانِيًا".

(مسند أحمد: ١٠٨٩٨، المستدرك للحاكم: ٨٦٧٣ – وقال: صحيحٌ على شرط مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میری امت کے اخر میں مہدی ظاہر ہوں گے، اللہ تعالیٰ ان کو بارش عطا فرمائے گا، زمین اپنی نباتات نکالے گی، وہ مال کو عدل کے ساتھ تقسیم کریں گے، مال و دولت خوب عام ہو گا، مویشی بہت بڑھ جائیں گے، اور امت عظیم ہو جائے گی۔ وہ سات یا اٹھ سال حکومت کریں گے۔"

"اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علم، عدل، اجتہاد اور حکمت کے حامل ہوں گے"۔

❷ علم واجتہاد کا وارث خاندان نبوت سے ہو گا:

عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: " يَكُونُ فِي آخِرِ أُمَّتِي خَلِيفَةٌ، يَحْثُو المالَ حَثْوًا، لا يَعُدُّهُ عَدًّا." (صحيح مسلم: ٢٩١٤)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "میری امت کے اخر میں ایک خلیفہ ہو گا (امام مہدی)، جو لوگوں میں مال کو مٹھی بھر بھر کر بانٹے گا، گن کر نہیں۔"

"یہ انداز خلفائے راشدین کی سنت کا وارث ہونے کا ثبوت ہے، اور ایسا صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو علم واجتہاد کا دروازہ کھولے۔"

❸ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول: علم ان کے سینے میں ودیعت ہو گا:

قال عليٌّ رضيَ اللهُ تعالىٰ عنهُ: "المَهْدِيُّ مِنَّا أَهْلَ البَيْتِ، يُصْلِحُهُ اللهُ فِي لَيْلَةٍ".

(سنن ابن ماجه: ٤٠٨٥، وقال الألباني: حسن صحيح)

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا: "مہدی ہم اہل بیت میں سے ہوں گے، اللہ تعالیٰ ایک

ہی رات میں ان کی اصلاح فرمائے گا۔"

"إصلاح" سے مراد بعض محدثین کے نزدیک علوم و معارف کا الہامی فیضان ہے، یعنی اللہ تعالیٰ انہیں ایک ہی رات میں علومِ شریعت، اجتہاد اور حکمت عطا فرمائے گا۔

❹ امام مہدی علیہ السلام اجتہاد کے درجہ پر فائز ہوں گے — اقوالِ ائمہ:

علامۃ السفارینی الحنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"ولا مانع من كونه مجتهدًا مستقلًا، يجدد الله به الدين كما قال ﷺ: يجدد لها دينها." (لوامع الأنوار البهية: ٢/٨٤)

ترجمہ: "امام مہدی کے مجتہد مستقل ہونے میں کوئی مانع نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے دین کی تجدید فرمائے گا، جیسا کہ حدیث میں ایا: 'اللہ ہر صدی کے اغاز پر اس امت کیلئے مجدد بھیجتا ہے۔"

❺ امام مہدی مسلک پر نہیں، وحی و علم نبوی کی ہدایت پر ہوں گے

علامہ ابن القیم الجوزیہ لکھتے ہیں:

"المهدي ليس مقلدًا ولا مقيَّدًا بمذهب، بل متبعٌ للحقِّ حيثُ كان."

(الطرق الحكمية: ص ١٢٣)

ترجمہ: "امام مہدی نہ کسی کے مقلد ہوں گے اور نہ ہی کسی مخصوص فقہی مذہب کے پابند، بلکہ جہاں کہیں حق ہو گا، وہ اس کی اتباع کریں گے۔"

خلاصہ کلام یہ کہ:

۱. امام مہدی علیہ السلام کا اجتہاد اور علم، الہامی فیضان اور نبوی علوم کا نتیجہ ہو گا۔

۲. وہ کسی خاص مسلک یا مکتبِ فکر کے پابند نہیں ہوں گے، بلکہ پورے دین کے جامع نمائندہ ہوں گے۔

۳. ان کی قیادت عدل و علم پر مبنی ہو گی، اور ان کا عمل خلفائے راشدین کا عکاس ہو گا۔

امام مہدی علیہ السلام کی شخصیت اور صفات کے بارے میں احادیثِ مبارکہ اور اقوالِ تابعین و اولیاء اللہ کے حوالہ سے شاندار دلائل پیش کئے گئے۔

ہم فقہاءِ اسلام کے اقوال سے بھی مضمون کو مزین کر رہے ہیں، جنہوں نے ظہورِ امام مہدی علیہ السلام کو

قطعی و یقینی عقیدہ قرار دیا، اور اسے اسلامی عقائد کا ایک اہم حصہ گردانا۔

فقہاءِ اسلام کے اقوال

❶ إمام ابن حجر الهيتمي الشافعي (۹۷۴ھ) رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

«وَالْأَحَادِيثُ الَّتِي جَاءَتْ فِي الْمَهْدِيِّ مُتَوَاتِرَةٌ، وَكَذَا الَّتِي فِي الدَّجَّالِ وَفِي نُزُولِ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ.» (كتاب: القول المختصر في علامات المهدي المنتظر، ص: ۳۸)

ترجمہ: "مہدی کے بارے میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں وہ متواتر (یقینی) ہیں، اسی طرح دجال اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے متعلق احادیث بھی۔"

❷ ابن خلدون المالكي (۸۰۸ھ) رحمہ اللہ تعالیٰ (اگرچہ بعض لوگ ابن خلدون کی طرف انکار کی نسبت کرتے ہیں، لیکن حقیقت میں انہوں نے مہدی کی اصل عقیدے کو رد نہیں کیا بلکہ بعض روایات کی سند پر کلام کیا۔) فرماتے ہیں:

«اعْلَمْ أَنَّ فِي الظُّهُورِ الْمَهْدِيِّ أَحَادِيثَ كَثِيرَةً مُسْتَفِيضَةً، نَقَلَهَا الْخَلَفُ عَنِ السَّلَفِ، حَتَّى جَعَلُوا ذَلِكَ مِنْ مَسَائِلِ الْعَقِيدَةِ.» (مقدمة ابن خلدون، الفصل ۵۲)

ترجمہ: "جان لو کہ امام مہدی کے ظہور سے متعلق بہت سی احادیث مروی ہیں، جو پے در پے نقل ہوئی ہیں، خلف نے انہیں سلف سے لیا، حتیٰ کہ اس کو عقائد کے مسائل میں شمار کیا جانے لگا۔"

❸ الإمام السيوطي الشافعي (۹۱۱ھ) رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

«الْمُتَقَدِّمُونَ وَالْمُتَأَخِّرُونَ مِنَ الْمُحَدِّثِينَ اتَّفَقُوا عَلَى أَنَّ الْمَهْدِيَّ مَوْجُودٌ فِي آخِرِ الزَّمَانِ، وَأَنَّهُ مِنْ وُلْدِ فَاطِمَةَ، وَأَنَّهُ يُؤَيِّدُ بِعِيسَى بْنِ مَرْيَمَ.» (الحاوي للفتاوي، ج۲، ص۱۶۸)

ترجمہ: "پہلے اور بعد کے تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ امام مہدی اخر زمانہ میں موجود ہوں گے، وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہوں گے، اور حضرت عیسیٰ ابن مریم ان کی تائید کریں گے۔"

❹ علامه الشوكاني (۱۲۵۰ھ) فرماتے ہیں:

«التَّوَاتُرُ حَاصِلٌ بِمَجْمُوعِ مَا جَاءَ فِي الْمَهْدِيِّ الْمُنْتَظَرِ، وَإِنْ كَانَ فِي بَعْضِهِ ضَعْفٌ.» (التوضيح في تواتر ما جاء في المنتظر والدجال والمسيح، ص۳)

ترجمہ: "امام مہدی کے بارے میں جو روایات آئی ہیں ان کا مجموعہ تواتر کی حد کو پہنچتا ہے، اگرچہ ان میں سے بعض میں ضعف بھی ہو۔"

امام مہدی موعود علیہ الرضوان کے بارے میں فقہائے احناف اور متکلمین احناف کے اقوال نہایت واضح، مسلم الثبوت اور اجماعی حیثیت رکھتے ہیں۔ احناف کے ائمہ و متکلمین نے نہ صرف امام مہدی کی آمد کو ثابت مانا بلکہ ان کے خروج کو عقیدۂ اہلسنت میں شامل قرار دیا ہے۔ ذیل میں ہم تفصیل وار ان کے معتبر اقوال پیش کرتے ہیں:

فقہائے احناف کے اقوال

❶ امام طحاوی (متوفی ۳۲۱ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ – عقیدہ طحاویہ میں فرماتے ہیں:

" الْمَهْدِيُّ الَّذِي يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ فَإِنَّهُ حَقٌّ".

(شرح العقيدة الطحاوية، ص ٥٨٩، بتحقيق الألباني، دار المعارف)

ترجمہ: اخر الزمان میں جو مہدی آئیں گے وہ حق ہیں۔

إمام الطحاوي الحنفي (۳۲۱ھ) رحمہ اللہ تعالیٰ مزید فرماتے ہیں:

" «وَنُؤْمِنُ بِخُرُوجِ الْمَهْدِيِّ.» (العقيدة الطحاوية، بند: ٧٤)

ترجمہ: "ہم امام مہدی کے ظہور پر ایمان رکھتے ہیں۔"

خلاصہ یہ کہ:

امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اہل السنۃ والجماعۃ کے متفقہ عقائد بیان کرتے ہوئے امام مہدی کے ظہور کو عقائد اہلسنت میں شامل فرماتے ہیں۔

❷ علامہ ابن الہمام (متوفی ۸۶۱ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ – شرح ہدایہ (فتح القدیر) میں فرماتے ہیں:

" وَاخْتُلِفَ فِي الْمَهْدِيِّ: وَالْمُعْتَمَدُ أَنَّهُ يُوجَدُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ كَمَا وَرَدَتْ بِهِ الْأَخْبَارُ".

(فتح القدير، ج ٣، ص ١٧٩، مطبوعہ دار الفكر)

ترجمہ: امام مہدی کے بارے میں اختلاف ہوا، لیکن معتبر قول یہی ہے کہ وہ اخر الزمان میں ضرور ظاہر ہوں گے جیسا کہ احادیث سے وارد ہے۔

❸ علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۰۸۸ھ)-الدر المختار میں فرماتے ہیں:

" يُؤْمِنُ بِالْمَهْدِيِّ الْمُنتَظَرِ، وَهُوَ مِنْ عَقَائِدِ أَهْلِ السُّنَّةِ".

(الدر المختار مع رد المحتار، ج ٦، ص ٤٠٣، دار الفكر)

ترجمہ: مہدی منتظر پر ایمان رکھنا اہل سنت کے عقائد میں شامل ہے۔

❹ علامہ شامی (ابن عابدین الشامی، متوفی ۱۲۵۲ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ-رد المحتار میں فرماتے ہیں:

" وَظُهُورُ الْمَهْدِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَقٌّ، وَقَدْ وَرَدَتْ بِهِ أَخْبَارٌ كَثِيرَةٌ صَحِيحَةٌ".

(رد المحتار، ج ٦، ص ٤٠٣)

ترجمہ: امام مہدی کا ظہور حق ہے، اور اس بارے میں کثیر صحیح احادیث وارد ہوئی ہیں۔

❺ ملا علی قاری (متوفی ۱۰۱۴ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ-مرقاۃ المفاتیح میں فرماتے ہیں:

"وَفِي الْمَهْدِيِّ أَخْبَارٌ كَثِيرَةٌ صَحِيحَةٌ جَاءَتْ مِنْ طُرُقٍ مُتَعَدِّدَةٍ ".

(مرقاة المفاتيح، ج ٥، ص ١٨٠، تحت حديث ٥٤٦٥)

ترجمہ: امام مہدی کے بارے میں بہت سی صحیح احادیث وارد ہوئی ہیں جو کئی مختلف اسناد سے مروی ہیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ احناف کے متکلم، محدث اور شارح حدیث ہیں، ان کا یہ قول اجماعی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت امام مہدی اہل بیت میں سے ہوں گے:

❻ شیخ عبد الغنی نابلسی (متوفی ۱۱۴۳ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ-جو احناف کے عقائد پر شارح ہیں تحریر فرماتے ہیں:

" الْمَهْدِيُّ مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ، وَخُرُوجُهُ مِنَ الْمَسَائِلِ الَّتِي تَوَاتَرَتْ فِيهَا الْأَحَادِيثُ".

(الحجة البالغة على العقيدة السلفية، ص ١٠١)

ترجمہ: امام مہدی اہل بیت سے ہوں گے، اور ان کے ظہور کے متعلق احادیث متواترہ وارد ہوئی ہیں۔

علمائے دیوبند بھی ظہور امام مہدی علیہ السلام کے قائل ہیں

چنانچہ محدث دیوبند علامہ انور شاہ کشمیری (متوفی ۱۳۵۲ھ) تحریر کرتے ہیں:

"أحاديث المهدي متواترة، فَظُهُورُهُ مِنْ دَوَاعِي الْإِيمَانِ وَعَقِيدَةِ السَّلَفِ."

(التصريح بما تواتر في نزول المسيح، ص ٢٣٢)

ترجمہ: امام مہدی کے بارے میں احادیث متواتر ہیں، لہٰذا ان کا ظہور ایمان اور سلف کی عقیدہ کا حصہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ:

- فقہائے کرام کا امام مہدی علیہ السلام کے ظہور پر اتفاق ہے۔
- اس کو عقائد کا حصہ شمار کیا گیا ہے۔
- یہ عقیدہ احادیثِ متواترہ پر مبنی ہے۔

ائمۂ علم کلام کے اقوال پیش کرتے ہیں جنہوں نے حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کو عقیدۂ اسلام کا ایک اہم جزو قرار دیا ہے۔ یہ اقوال متکلمین کی ان کتب سے لیے گئے ہیں جن میں اصولِ دین، عقائدِ اسلامیہ، اور اشراط الساعۃ پر گفتگو ہوتی ہے۔

ائمۂ علمِ کلام کے اقوال:

❶ الإمامُ أَبُو الحَسَنِ الأَشْعَرِيُّ (المتوفّى ٣٢٤هـ):

" قالَ الإمامُ أَبُو الحَسَنِ الأَشْعَرِيُّ في كتابِهِ "مقالاتُ الإسلاميِّين": "وقد قالَتِ الفرقةُ السوادُ الأَعظمُ منَ المسلمينَ: إنَّ المَهْدِيَّ الموعودَ بِهِ هوَ من وُلدِ فاطمةَ، يَخرجُ في آخرِ الزمانِ، يَمْلأُ الأَرضَ قِسْطًا وعَدلاً كما مُلِئَتْ جورًا وظُلمًا."

ترجمہ: امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مقالات الاسلامیین میں فرمایا: "اہلِ سنت والجماعت کی اکثریتی جماعت کا عقیدہ ہے کہ مہدی موعود سیدہ فاطمہؓ کی نسل سے ہوں گے، اخر الزمان میں ظاہر ہوں گے، اور زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے جیسے وہ ظلم وجور سے بھر چکی ہو گی۔"

❷ الإمامُ التَّفْتَازَانِيُّ (المتوفّى ٧٩١هـ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرحُ العقائدِ النسفيَّة میں فرماتے ہیں:

"واتَّفقتِ الأُمَّةُ إلَّا مَن شذَّ على أنَّ خروجَ المهديِّ حقٌّ، وأنَّه من علاماتِ السّاعةِ الكبرى."

ترجمہ: "امت کا اجماع ہے سوائے چند شاذ اقوال کے کہ امام مہدی کا ظہور برحق ہے اور یہ قیامت کی بڑی

نشانیوں میں سے ایک ہے۔"

❸ الإمامُ جلالُ الدِّينِ السُّيُوطِيُّ (المتوفّى ٩١١هـ) رحمۃ اللہ تعالیٰ "اپنی کتاب "العرفُ الورديُّ في أخبارِ المهديِّ" میں فرماتے ہیں:

"المهديُّ مِنَ المسائلِ المتواترةِ، وقد نَقَلَ التواتُرَ جماعةٌ منَ الحُفّاظِ والعلماءِ كالحافظِ ابنِ حجرٍ والسَّخاويِّ والمناويِّ."

ترجمہ: "حضرت امام مہدی کے متعلق احادیث متواتر ہیں، اور اس تواتر کو حفاظ اور علماء کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے جیسے حافظ ابن حجر، سخاوی اور مناوی رحمہم اللہ۔"

❹ علامه الشَّهْرَسْتَانِيُّ (المتوفّى ٥٤٨هـ) نے "الملل والنحل" میں رقم کیا کہ:

"أجمعتْ فرقُ أهلِ السُّنَّةِ على أنَّ المهديَّ المنتظرَ من آلِ البيتِ، وأنَّه يَخرجُ في آخرِ الزمانِ ليُقيمَ الشَّريعةَ."

ترجمہ: امام شہرستانی نے الملل والنحل میں فرمایا: "اہلِ سنت کے تمام فرقوں کا اس پر اجماع ہے کہ امام مہدی اہلِ بیت میں سے ہوں گے، اور اخر الزمان میں شریعت کے قیام کے لیے ظہور کریں گے۔

❺ إمامُ ابنُ خَلْدُونَ (المتوفّى ٨٠٨هـ)

ابن خلدون رحمہ اللہ نے ابتدا میں بعض احادیث پر اشکال کیا، لیکن اخر میں اس بات کا اعتراف کیا کہ:

"والحقُّ أنَّ الحديثَ في المهديِّ قد جاءَ من طرقٍ كثيرةٍ شهيرةٍ، حتّى صارَ كثيرٌ مِنَ الأَئِمَّةِ يَعدُّونَهُ منَ المتواترِ."

ترجمہ: "حق یہ ہے کہ حضرت مہدی کے بارے میں احادیث متعدد مشہور طرق سے مروی ہیں، حتیٰ کہ بہت سے ائمہ نے ان احادیث کو متواتر شمار کیا ہے۔"

خلاصہ:

ائمۂ کلام اور اصولی متکلمین نے حضرت امام مہدی کے بارے میں جو کچھ بیان کیا وہ عقیدے کی حیثیت رکھتا ہے، اور نہ صرف یہ بلکہ انہوں نے تواتر، اجماع اور اہلِ سنت کی اکثریت کی گواہی کے ساتھ اس عقیدے کو ثابت کیا۔ امام مہدی کا عقیدہ صرف محدثین یا فقہاء کا نہیں بلکہ ائمۂ کلام کا بھی اجماعی موقف ہے۔

❶ علامہ محمد بن جعفر الکتانی (م ۱۳۴۵ھ) رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وَالأَحَادِيثُ المُتَوَاتِرَةُ فِي المَهْدِيِّ كَثِيرَةٌ جِدًّا، بَلْ زَعَمَ غَيْرُ وَاحِدٍ تَوَاتُرَهَا كَأَبِي الحَسَنِ الآبِرِيِّ وَالقُرْطُبِيِّ وَغَيْرِهِمَا." (نظم المتناثر، ص ۲۰۳)

ترجمہ: "امام مہدی سے متعلق احادیث بہت زیادہ ہیں اور کئی اکابر علماء جیسے امام ابو الحسن الابری، امام قرطبی وغیرہ نے ان احادیث کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔"

❷ امام محمد بن حسین الابری السجستانی (م ۳۶۳ھ) فرماتے ہیں:

"قد تَواتَرَتِ الأخبارُ واستَفاضَت عن رسولِ اللهِ ﷺ بذِكرِ المهدِيِّ، وأنَّه من أهلِ بيته ﷺ، وأنَّه يَمْلَأُ الأرضَ عَدْلًا." (منقول از: تذكرة القرطبي، ۹/ ٤٧٣)

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ سے امام مہدی کا ذکر کرنے والی خبریں متواتر اور مشہور ہیں، اور یہ کہ وہ حضور ﷺ کے اہلِ بیت سے ہوں گے، اور وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔"

❸ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں:

"الأحاديثُ التي جَاءَتْ في المهديِّ مُتعدِّدةٌ مُستفِيضةٌ، بلْ متواتِرةٌ، يُوجِبُ الإيمانَ بِهِ، ومَن جَحَدَها فهو ضَالٌّ مُضِلٌّ." (العرف الوردی، ج ۲، ص ۲۳۷)

ترجمہ: "جو احادیث امام مہدی سے متعلق وارد ہوئی ہیں وہ متعدد اور مشہور ہیں، بلکہ متواتر ہیں، جو ان پر ایمان کا تقاضا کرتی ہیں، اور جو انکار کرے وہ گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے۔"

❹ علامہ عبد العزیز پرہاروی الحنفی (م ۱۲۳۹ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر کرتے ہیں:

"أحاديث المهدي عليه السلام صحيحةٌ، بلْ حَسَنةٌ، بلْ بَعْضُهَا صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ." (فتح الملهم شرح مسلم، ٤/ ١٧٦)

ترجمہ: "امام مہدی علیہ السلام سے متعلق احادیث صحیح ہیں، بلکہ بعض حسن اور بعض شیخین (بخاری و مسلم) کی شرط پر بھی صحیح ہیں۔"

❺ حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

"والمهديُّ من الأُمورِ الثَّابتةِ عندَ أَهلِ السُّنَّةِ، وجاءَتْ فيه الأخبارُ الكثيرةُ الصحيحةُ."

(فتح الباري، شرح البخاري ١٣/ ٧٩)

ترجمہ: "امام مہدی کا ظہور اہلِ سنت کے نزدیک ثابت ہے، اور اس بارے میں کثیر صحیح احادیث وارد ہوئی ہیں۔"

❻ علامہ شوکانی (م ۱۲۵۰ھ) فرماتے ہیں:

" "قَدْ ثَبَتَتْ الأحاديثُ عن النَّبِيِّ ﷺ في خروجِ المهديِّ، وأنه من آلِ بيتِه... وهذه الأحاديثُ تبلغُ حدَّ التواتُرِ." (التوضيح في تواتر ما جاء في المهدي المنتظر والدجال والمسيح، ص ١٧)

ترجمہ: "نبی کریم ﷺ سے امام مہدی کے خروج کی احادیث ثابت ہیں، اور یہ کہ وہ آپ ﷺ کے اہلِ بیت میں سے ہوں گے، اور یہ احادیث حدِ تواتر تک پہنچتی ہیں۔"

نتیجہ و تاثر:

ائمۂ حدیث اور اصولِ حدیث کے ان اقوال سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کا ظہور نہ صرف حدیثی لحاظ سے ثابت اور قطعی ہے بلکہ ایمانیات میں بھی اس کا ایک اہم مقام ہے۔ انکارِ مہدی کا مطلب صرف کسی تاریخی شخصیت کا انکار نہیں، بلکہ حدیثِ رسول ﷺ کا انکار ہے، جس پر امت کا اجماع ہے۔۔ اب ہم اہلِ تصوف کے اقوال اور ان کی گہری روحانی بصیرت کی روشنی میں امام مہدی علیہ السلام کے متعلق کچھ اہم اور بلیغ اقوال پیش کرتے ہیں، جن سے یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ صوفیاء کرام نے امام مہدی علیہ السلام کو محض ظاہری امام نہیں بلکہ باطنی و روحانی مجدد اور نورانی ہدایت کا مظہر مانا ہے۔

اَقوالُ الصُّوفِیاءِ الْکِرَام عَنِ الْمَهْدِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ

❶ حضرت شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

" المَهْدِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَظْهَرُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ لِيُجَدِّدَ الطَّرِيقَةَ وَيُقِيمَ شَرَائِعَ الحَقِّ وَيُظْهِرَ أَنْفَاسَ الرَّسُولِ فِي قُلُوبِ الْعَارِفِينَ". (رسائل القوم، ملفوظاتِ جنید، ص: ١١٩)

ترجمہ: "امام مہدی علیہ السلام اخری زمانے میں ظاہر ہوں گے تاکہ طریقت کی تجدید کریں، دینِ حق کے احکام کو قائم کریں، اور عارفین کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کے انفاسِ روحانی کو زندہ کریں۔"

❷ حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

" المَهْدِيُّ رُوحُ الرَّحْمَةِ الظَّاهِرَةِ، مَنْ نَظَرَ إِلَيْهِ نَظَرَ إِلَى بَهَاءِ النُّبُوَّةِ، وَمَنْ سَمِعَ كَلَامَهُ سَمِعَ نَفْسَ الرَّسُولِ ﷺ . (طبقات الصوفيه، جلد ١، ص: ٤٠٢)

ترجمہ: "مہدی رحمت ظاہری کی روح ہیں۔ جو ان کی طرف دیکھے، وہ گویا نبوت کے جمال کو دیکھتا ہے، اور جو ان کی بات سنے، وہ گویا رسول اللہ ﷺ کی سانس سنتا ہے۔"

❸ حضرت سیدنا عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

" سَيَظْهَرُ رَجُلٌ مِنْ أَوْلَادِي يُقَالُ لَهُ الْمَهْدِيُّ، يَكُونُ عَلَى سِرِّي، وَيَسِيرُ بِأَمْرِي، وَيُظْهِرُ طَرِيقَتِي وَيَكُونُ فِي زَمَانِ الْفِتَنِ". (فتوح الغيب، مجلس نمبر ٣٨)

ترجمہ: "عنقریب میرے اولاد میں سے ایک شخص ظاہر ہو گا جسے مہدی کہا جائے گا، وہ میری روحانیت پر ہو گا، میرے طریق پر چلے گا، میری طریقت کو ظاہر کرے گا اور فتنے کے زمانے میں نمودار ہو گا۔"

❹ شیخ ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

" المَهْدِيُّ عَلَى كَمَالِ الظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ، ظِلٌّ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ فِي زَمَانِهِ، تَجْمَعُ الْأُمَّةُ عَلَيْهِ". (درر الشاذليه، ص: ٣٩)

ترجمہ: "امام مہدی علیہ السلام ظاہر و باطن کے کمال پر ہوں گے۔ وہ اپنے زمانے میں رسول اللہ ﷺ کے ظل کی حیثیت سے ہوں گے اور ساری امت ان پر جمع ہو گی۔"

❺ قطب زماں حضرت شیخ احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

" يَكُونُ الْمَهْدِيُّ عَلَى طَرِيقَةِ الْفُقَرَاءِ، مُتَوَاضِعًا، نَقِيَّ السَّرِيرَةِ، وَيُجَدِّدُ دِينَنَا وَيُجَدِّدُ ذِكْرَنَا. " (حكمة الرفاعيه، ص: ٧٧)

ترجمہ: "امام مہدی فقراء کے طریق پر ہوں گے، نہایت متواضع، دل کے پاکیزہ ہوں گے۔ وہ ہمارے دین کی اور ہمارے ذکر کی تجدید کریں گے۔"

اہلِ تصوف نے امام مہدی علیہ السلام کو: روحانیت کا مجدد، طریقت و شریعت کا احیا کنندہ، رسول اللہ ﷺ کے فیضان کا مظہر، باطنی اسرار کے وارث کے طور پر بیان کیا ہے۔

یہ اقوال ظاہر کرتے ہیں کہ امام مہدی علیہ السلام نہ صرف ظاہری خلافت قائم کریں گے بلکہ باطنِ محمدی

ﷺ کا فیضان بھی لوگوں کے قلوب میں جاری کریں گے۔

❻ علامہ ملا علی بن سلطان القاری (م ۱۰۱۴ھ)- مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں فرماتے ہیں:

"وَاعْلَمْ أَنَّ الْمَذْهَبَ الصَّحِيحَ عِنْدَ أَهْلِ السُّنَّةِ: أَنَّ الْمَهْدِيَّ مَوْجُودٌ، سَيَظْهَرُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ، وَأَنَّهُ مِنْ أَوْلَادِ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا." (المرقاة، ج ٥، ص ١٨٠١)

ترجمہ: اور جان لو کہ اہلِ سنت کے نزدیک صحیح مذہب یہی ہے کہ امام مہدی موجود ہوں گے، اور اخری زمانے میں ظاہر ہوں گے، اور وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد میں سے ہوں گے۔

❼ علامہ عبد الرؤوف المناوی (م ۱۰۳۱ھ)- فیض القدیر میں فرماتے ہیں:

"الْمَهْدِيُّ مَشْهُورٌ خُرُوجُهُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ، وَأَنَّهُ مِنْ أَوْلَادِ فَاطِمَةَ، وَأَنَّهُ يَمْلَؤُ الْأَرْضَ عَدْلًا، كَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا." (فيض القدير، ج ٦، ص ٣٥٦)

ترجمہ: امام مہدی کے اخری زمانے میں ظاہر ہونے کا معاملہ مشہور ہے، وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد میں سے ہوں گے، اور وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے جیسے وہ ظلم وجور سے بھر چکی ہو گی۔

❽ حافظ ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ)- فتح الباری میں فرماتے ہیں:

"وَقَدْ تَوَاتَرَتِ الْأَخْبَارُ فِي الْمَهْدِيِّ، وَأَنَّهُ يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ، وَأَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ." (فتح الباري، ج ١٣، ص ٧٩)

ترجمہ: امام مہدی کے متعلق احادیث تواتر کے ساتھ وارد ہوئی ہیں کہ وہ اخری زمانے میں ہوں گے اور اہلِ بیت میں سے ہوں گے۔

❾ علامہ شوکانی (م ۱۲۵۰ھ)- "التوضيح في تواتر ما جاء في المهدي والدجال والمسيح" میں فرماتے ہیں:

"الْأَحَادِيثُ الْوَارِدَةُ فِي الْمَهْدِيِّ مُتَوَاتِرَةٌ، فَإِنَّهَا كَثِيرَةٌ جِدًّا، تَفُوقُ حَدَّ التَّوَاتُرِ فِي الْأَكْثَرِ." (التوضيح، ص ٣)

ترجمہ: امام مہدی سے متعلق وارد شدہ احادیث متواتر ہیں، کیونکہ وہ بہت زیادہ ہیں، اکثر پہلوؤں سے تواتر کی حد کو بھی عبور کر چکی ہیں۔

⑮ علامہ صدیق حسن خان بھوپالی القنوجی (م ۱۳۰۷ھ)-الإذاعة لما كان وما يكون بين يدي الساعة میں تحریر کرتے ہیں:

"وَالَّذِي يَظْهَرُ أَنَّ الْمَهْدِيَّ شَخْصٌ مَعْيَّنٌ، يَأْتِي فِي آخِرِ الزَّمَانِ، وَأَنَّ أَحَادِيثَ ظُهُورِهِ مُتَوَاتِرَةٌ." (الإذاعة، ص ۱۲۱،)

ترجمہ: جو بات ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ امام مہدی ایک مخصوص شخصیت ہیں، جو اخری زمانے میں ائیں گے، اور ان کے ظہور کے متعلق احادیث متواتر ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ، هذا ماظهرلی والعلم عند ربی وهو أعلم بالصواب.

کتبـــــــ

" سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ " (سورہ اسرا آیت ۱)

ترجمہ: پاکی ہے اس ذات کیلئے جو رات کے ایک مختصر حصے میں اپنے عبدِ خاص (حضرت محمد صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم کو) مسجد حرام (خانۂ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) لے گئی۔ جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھ دی کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ دائمی سننے والا دیکھنے والا ہے۔

{سُبْحٰنَ: پاک ہے} اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر عیب و نقص سے پاک ہے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے "سُبْحَانَ اللّٰهِ" کی تفسیر کے بارے میں دریافت کیا تو آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ہر بری چیز سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا۔ (المستدرک علی الصحیحین للحاکم)

{سُبْحٰنَ الَّذِیْ: پاک ہے وہ ذات۔} ہر کمزوری، عیب اور نقص سے خداوندِ قدوس کی عظیم ذات پاک ہے جس نے اپنے خاص بندے یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو شبِ معراج رات کے کچھ حصے میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک سیر کرائی حالانکہ مسجدِ اقصیٰ مکۂ مکرمہ سے تیس دن سے زیادہ کی مسافت پر ہے، وہ مسجدِ اقصیٰ جس کے اردگرد ہم نے دینی و دُنیوی برکتیں رکھی ہیں اور سیر کرانے کی حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی عظمت اور قدرت کی عظیم نشانیاں دکھانا چاہتا تھا۔ جب سرکارِ دو عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شبِ معراج درجاتِ عالیہ اور مَراتبِ رفیعہ پر فائز ہوئے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے خطاب فرمایا، اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) یہ فضیلت و شرف میں نے تمہیں کیوں عطا فرمایا؟ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کیا: اس لئے کہ تو نے مجھے عَبْدِیَّت کے ساتھ اپنی طرف منسوب فرمایا۔ اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن، الاسراء)

{اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ: } اپنے بندے کو سیر کرائی۔} آیت کے اس حصے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے معراج شریف کا تذکرہ ہے۔

معراج شریف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ایک جلیل القدر معجزہ اور اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمت ہے، اس سے حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا وہ کمالِ قرب ظاہر ہوتا ہے جو مخلوقِ الٰہی میں اقا صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی کو میسّر نہیں۔

معراج شریف سے متعلق عقیدہ

(۱) اعلان نبوت کے بعد بارہویں سال سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم معراج سے نوازے گئے اور ستائیسویں رجب کو معراج ہوئی۔

(۲) مکہ مکرمہ سے حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بیت المقدس تک رات کے چھوٹے سے حصہ میں تشریف لے جانا نصِ قرانی سے ثابت ہے، یعنی اس کا منکر کافر ہے اور اسمانوں کی سیر اور منازلِ قرب میں پہنچنا احادیثِ صحیحہ مُعتمدہ مشہورہ سے ثابت ہے جو حدِ تواتُر کے قریب پہنچ گئی ہیں، یعنی اس کا منکر گمراہ ہے۔

(۳) معراج شریف بحالتِ بیداری جسم وروح دونوں کے ساتھ واقع ہوئی، یہی جمہور اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے اور اصحابِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کثیر جماعتیں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ اسی کے معتقد ہیں، ایات واحادیث سے بھی یہی سمجھ آتا ہے اور جہاں تک بیچارے فلسفیوں کا تعلق ہے جو علّت ومَعلول کے چکر میں پھنس کر عجیب وغریب شکوک وشُبہات کا شکار ہیں تو ان کے فاسد اوہام محض باطل ہیں، قدرتِ الٰہی کے معتقد کے سامنے وہ تمام شبہات محض بے حقیقت ہیں۔

(تفسیرات احمدیہ، خزائن العرفان)

سفرِ معراج کا خلاصہ

معراج شریف کے بارے میں احادیث کثیرہ ہیں جن کا ایک مختصر خلاصہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ معراج کی رات حضرت جبریل عَلَیْہِ السَّلَام بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے، آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کی خوش خبری سنائی اور آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مقدس سینہ کھول کر اسے آبِ زمزم سے دھویا پھر اسے حکمت وایمان سے بھر دیا۔ اس کے بعد تاجدارِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں براق پیش کی اور انتہائی اکرام واحترام کے ساتھ اس پر سوار کر کے مسجدِ اقصیٰ کی طرف لے گئے۔ بیت المقدس میں سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تمام انبیاء ومُرسَلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امامت فرمائی پھر وہاں سے آسمانوں کی سیر کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضرت جبریل امین عَلَیْہِ السَّلَام نے باری باری تمام آسمانوں کے دروازے کھلوائے، پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہم الصلوٰۃ والسلام، دوسرے آسمان پر حضرت یحییٰ اور حضرت

عیسیٰ علیہا الصلوٰۃ والسلام، تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام، چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت و ملاقات سے مشرف ہوئے، انہوں نے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و تکریم کی اور تشریف اوری کی مبارک بادیں دیں، حتّٰی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک اسمان سے دوسرے اسمان کی طرف سیر فرماتے اور وہاں کے عجائبات دیکھتے ہوئے تمام مُقَرَّبین کی آخری منزل سِدرۃُ المنتہیٰ تک پہنچے۔ اس جگہ سے آگے بڑھنے کی چونکہ کسی مقرب فرشتے کو بھی مجال نہیں، اس لئے حضرت جبریل امین عَلَیْہِ السَّلَام آگے ساتھ جانے سے معذرت کر کے وہیں رہ گئے اور بول اٹھے:

اگر یک سرِ موئے برتر پرم
فروغِ تجلّی بسوزد پرم

پھر مقامِ قربِ خاص میں حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ترقیاں فرمائیں اور اس قربِ اعلیٰ میں پہنچے کہ جس کے تَصَوُّر تک مخلوق کے افکار و خیالات بھی پرواز سے عاجز ہیں۔ وہاں رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر خاص رحمت و کرم ہوا. آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انعاماتِ الٰہیہ اور مخصوص نعمتوں سے سرفراز فرمائے گئے، زمین و آسمان کی بادشاہت اور ان سے افضل و برتر علوم پائے۔ امت کے لئے نمازیں فرض ہوئیں، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بعض گناہگاروں کی شفاعت فرمائی، جنت و دوزخ کی سیر کی اور پھر دنیا میں اپنی جگہ واپس تشریف لے آئے۔

جب سَرورِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس واقعے کی خبریں دیں تو کفار نے اس پر بہت واویلا کیا اور حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بیتُ المقدس کی عمارت کا حال اور ملکِ شام جانے والے قافلوں کی کیفیتیں دریافت کرنے لگ گئے۔ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سب کچھ بتادیا اور قافلوں کے جو احوال سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بتائے تھے، قافلوں کے آنے پر ان سب کی تصدیق ہوئی۔

معراجِ حبیب اور معراجِ کلیم

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو جو معراج عطا فرمائی اور اپنے کلیم حضرت موسیٰ

علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جو معراج عطا فرمائی، یہاں ان میں فرق ملاحظہ ہو:

- کلیم علیہم الصلوٰۃ والسلام کی معراج درختِ دنیا پر ہوئی، (چنانچہ ارشاد فرمایا):

"نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ" (سورہ قصص:۳۰)

برکت والی جگہ میں میدان کے دائیں کنارے سے ایک درخت سے انہیں ندا کی گئی۔

- لیکن اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی معراج سِدرۃُ المنتہیٰ و فردوسِ اعلیٰ تک بیان فرمائی، (چنانچہ ارشاد فرمایا):

"عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى" (سورہ النجم:۱۵،۱۴)

سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ اس کے پاس جنت الماویٰ ہے۔

- مزید فرماتے ہیں: کلیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر حجابِ نار سے تجلی ہوئی (چنانچہ ارشاد فرمایا):

"فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا" (نمل:۸)

پھر موسیٰ آگ کے پاس آئے تو (انہیں) ندا کی گئی کہ اس (موسیٰ) کو جو اس آگ کی جلوہ گاہ میں ہے اور جو اس (آگ) کے اس پاس (فرشتے) ہیں انہیں برکت دی گئی۔

- جبکہ حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر جلوۂ نور سے تجلی ہوئی اور وہ بھی غایت تفخیم و تعظیم کیلئے بالفاظِ ابہام بیان فرمائی گئی (کہ):

"اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى" (سورہ نجم:۱۶)

جب چھا گیا سدرہ پر جو کچھ چھایا۔

- (اللہ تعالیٰ نے) کلیمُ اللہ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْم سے طور پر کلام کیا اور اسے سب پر ظاہر فرمادیا (چنانچہ ارشاد فرمایا):

"وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ۝ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝" (طٰہٰ:۱۴،۱۳)

میں نے تجھے پسند کیا تو اب اسے غور سے سن جو وحی کی جاتی ہے۔ بیشک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری عبادت کر اور میری یاد کے لئے نماز قائم رکھ۔

- مگر حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے فوق السّمٰوٰت مُکالَمہ فرمایا اور سب سے چھپایا (چنانچہ ارشاد فرمایا):

"فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى" (سورہ النجم:۱۰)

پھر اس نے اپنے بندے کو وحی فرمائی جو اس نے وحی فرمائی۔

{اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا: مسجدِ اقصیٰ تک۔} سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مسجدِ اقصیٰ تک سیر کرانے میں ایک حکمت یہ ہے کہ تمام انبیاء ومُرسَلین علیہم الصلوٰۃ والسلام پر آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا شرف اور فضیلت ظاہر ہو جائے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی جگہ میں انہیں امام بن کر نماز پڑھائی اور جسے گھر والوں پر مُقدّم کیا جائے اس کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ سلطان ہوتا ہے کیونکہ سلطان کو اپنے علاوہ لوگوں پر مُطْلَقاً تَقَدُّم حاصل ہے۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ حشر کے دن مخلوق اسی سرزمین میں جمع ہوگی اس لئے یہ جگہ تاجدارِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کی برکات سے نہال ہو جائے تاکہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت پر محشر میں وُقوف آسان ہو۔ (تفسیر صاوی، الاسراء)

{اَلَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ: جس کے اردگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں} آیت کے اس حصے میں اللہ تعالیٰ نے مسجدِ اقصیٰ کی شان بیان فرمائی ہے کہ اس کے اردگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں دینی بھی اور دنیوی بھی۔ دینی برکتیں یہ کہ وہ سرزمین پاک وحی کے اترنے کی جگہ اور انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عبادت گاہ اور ان کی قیام گاہ بنی اور ان کی عبادت کا قبلہ تھی۔ دنیوی برکتیں یہ کہ وہاں قرب وجوار میں نہروں اور درختوں کی کثرت تھی جس سے وہ زمین سرسبز وشاداب ہے اور میووں اور پھلوں کی کثرت سے بہترین عیش وراحت کا مقام ہے۔
(تفسیر مدارک، الاسراء، بنی اسرائیل)

{لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا: تاکہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں} آیت کے اس حصے میں معراج شریف کی ایک حکمت بیان کی گئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو رات کے کچھ حصے میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک سیر کرائی تاکہ ہم انہیں اپنی قدرت کے عجائبات دکھائیں۔ علامہ علی بن محمد خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: بے شک اس رات نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا، انہیں نماز پڑھائی اور بڑی عظیم نشانیاں دیکھیں۔

مزید فرماتے ہیں: اس آیت میں "مِنْ اٰیٰتِنَا" کے الفاظ ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ کچھ نشانیاں دکھائیں

جبکہ حضرت ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

" وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ " (انعام:۷۵)

اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی عظیم سلطنت دکھاتے ہیں۔

اس آیت کے ظاہر سے ایسا لگتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام کو سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر فضیلت حاصل ہے، حالانکہ ایسا نہیں اور نہ ہی کوئی ان کی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر اس اعتبار سے فضیلت کا قائل ہے کیونکہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت بھی اللہ تعالیٰ کی (تمام نہیں بلکہ) بعض ہی نشانیاں ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کی (دوسری) نشانیاں اس (آسمان و زمین کی بادشاہت) سے کہیں زیادہ اور بڑھ کر ہیں (اسی اعتبار سے ہم کہتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ نے معراج کی رات اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو جو نشانیاں و عجائبات دکھائے وہ زمین و آسمان کی بادشاہت سے بڑھ کر ہیں، اس بیان سے ظاہر ہو گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر فضیلت حاصل ہے۔ (تفسیر خازن)

شب معراج کی تاریخی حیثیت کے حوالے سے یہ بات یاد رکھنے والی ہے کہ

معراج کے مبارک نورانی سفر میں پہلا پڑاؤ مسجد اقصیٰ ہے جو فلسطین میں ہے جو بہت سے نبیوں رسولوں کی سرزمین ہے، جہاں بہت سے رسولوں اور نبیوں کی قبریں ہیں اور بہت سی ایسی تاریخی مساجد ہیں جن میں انبیاء و مرسلین علیہم السلام نے نمازیں ادا کی ہیں۔ لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ کی یہ انفرادیت قابل ذکر ہے کہ اس میں امام الانبیاء سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جملہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلاۃ والتسلیم کی امامت فرمائی ہے. اس لحاظ سے سید المرسلین نبی اخر الزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر عربی اور عجمی امتی پر فرض ہے کہ وہ مسجد اقصیٰ اور مقدس سرزمین فلسطین کی حفاظت کرے اور جو عسکری سیاسی اور معاشی طاقت و قوت رکھتے ہیں ان پر براہ راست یہ فرض عائد ہوتا ہے۔

معراج نبوی حضور رسولِ کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے ساتھ پوری انسانیت کی معراج ہے

سفر معراج ایک نہایت ہی حیران کن مُعجزۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلّم ہے۔

یہ ایک ایسے دور میں واقع ہوا جب انسان جدید ترین الات و وسائل سے کوسوں دُور تھا یہی وجہ ہوئی کہ جب شبِ اسریٰ کے دولہا نے اپنی معراج کی خبر دی تو کفارِ مکہ کے ساتھ بعض نو مسلم، ضعیف العقیدہ مسلمان بھی

مرتد ہو گئے کیوں کہ معراجِ جسمانی کسی بھی طرح اس زمانے میں عقل میں آنے والی بات نہ تھی۔ وسائل اتنے محدود تھے کہ بیت المقدس جو مکہ معظمہ سے تقریباً ۱۳۰۰ کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے اس کا سفر تیز رفتار سواری کے ذریعے بیس سے تیس دنوں کا تھا۔ اب اس زمانے میں کوئی اٹھ کر یہ دعویٰ کرے کہ اس نے رات کے مختصر سے حصے میں دونوں طرف کا سفر طے کر لیا ہے تو یقیناً سر کے اوپر سے گزر جانے والی بات تھی۔ بس اسی وجہ سے کفارِ مکہ نے اسمانی سفر کی بات ہی نہیں کی۔ انھوں نے ایک رات میں بیت المقدس کے آنے جانے کو ہی محال اور عقلِ انسانی سے بعید تر خیال کرتے ہوئے معراج کا انکار کر دیا تھا، کیوں کہ اس زمانے کے تیز ترین سواری کے اعتبار سے ایک ہی رات میں بیت المقدس کے دونوں طرف کا سفر یقیناً محال تھا۔ لیکن یاد رہے کہ معراج کا معجزہ اس زمانے کے ساتھ خاص نہیں تھا بلکہ اس کا سمجھنا تا قیامِ قیامت پوری عقلِ انسانی کے لیے چیلنج کی طرح ہے، بلکہ یہ سفر معراج تو انسانی عقل میں آنے والی بات ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب یارِ غار مصطفیٰ کریم حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ابو جہل نے کہا کہ تم اس کے بارے میں کیا کہتے ہو جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے راتوں رات مسجد اقصیٰ کا سفر کیا اور اسمانوں کا بھی سفر طے کر کے واپس آگیا تو بغیر کسی توقف کے انھوں نے کہا کہ جس نے یہ دعویٰ کیا ہے وہ جھوٹا ہے، ابو جہل خوش ہوا اور کہا کہ یہ کسی اور کا نہیں بلکہ تمہارے نبی کا دعویٰ ہے تو اب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلا توقف کہا: "اگر انھوں نے کہا ہے تو یہ حق ہے اور سچ ہے"۔ گویا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بھی یہ سفر عقل سے بعید تھا لیکن قدرتِ خداوندی سے قریب تر بات ہے۔ اس لیے مسلمان اسے ربِ عظیم کی قدرت کا اظہار اور مصطفیٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلّم کا عظیم معجزہ مانتے ہیں، صحابۂ کرام نے بھی پورے یقین و اعتماد کے ساتھ بے چوں چرا اس کو تسلیم کیا اور ہم غلامانِ مصطفیٰ جانِ عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلّم ساڑھے چودہ سو سال سے لے کر آج تک پورے یقین کے ساتھ معراج النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلّم کی تصدیق کرتے ارہے ہیں اور ذرہ برابر بھی اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کرتے۔ کیوں کہ رب قدیر کی قدرت پر پورا یقین ہے۔

انسانی عقل کی عجز و درماندگی

اب ذرا ہم انسانی عقل کے عجز و درماندگی کی بات کرتے ہیں۔ آج جب کہ جدید سائنس ترقی کی راہوں پر گامزن ہے اور روز بروز نئی نئی تحقیقات کائنات عالم کے بہت سارے راز ہائے سربستہ کو منکشف کر رہے ہیں وہیں

معراج مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلّم کے بھی عقدے کھل رہے ہیں جس سے اللہ رب العزت کی قدرت اور مصطفیٰ جانِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلّم کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن کتنے رازوں سے پردے اٹھیں گے اور کتنے راز پردۂ خفا ہی میں رو جائیں گے کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ بہر حال انسانی عقل اس لیے حیران ہے کہ اتنا طویل ترین سفر ایک رات کے نہایت مختصر حصے میں کیسے ممکن ہوا؟ بلکہ دعویٰ بھی کیسے کیا جاسکتا ہے؟ کیوں کہ اس زمانے میں تو کوئی "برقی رفتار" (Speed of Light) کے بارے میں جانتا ہی نہیں تھا۔

سائنس کے اعتبار سے سفر معراج کا اندازہ

سائنسی اعتبار سے ہم اقا علیہ الصلوۃ والسلام کے سفر معراج مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلّم کی عظمت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

سیاروں کے نام اور ان کے درمیان کے اوسط فاصلے

پہلے تمام سیاروں کے نام اور ان کے درمیان اوسط فاصلے (Earth-Sun Distance ، جیسے Astronomical Unit یا AU کہا جاتا ہے) ملاحظہ کریں

ہمارے نظام شمسی

(Solar System) میں کل ۸/ سیارے ہیں:

۱. **عطارد** (Mercury)

سورج سے اوسط فاصلہ: تقریباً ۵۸/ ملین کلو میٹر ہے

۲. **زہرہ** (Venus)

سورج سے اوسط فاصلہ: تقریباً ۱۰۸/ ملین کلو میٹر ہے۔

۳. **زمین** (Earth)

سورج سے اوسط فاصلہ: تقریباً ۱۵۰/ ملین کلو میٹر ہے۔

۴. **مریخ** (Mars)

سورج سے اوسط فاصلہ: تقریباً ۲۲۸/ ملین کلو میٹر ہے۔

۵. **مشتری** (Jupiter)

سورج سے اوسط فاصلہ: تقریبا۷۷۸ر ملین کلومیٹر ہے۔

۶. **زحل** (Saturn)

سورج سے اوسط فاصلہ: تقریبا۱ء۴۳ر بلین کلومیٹر ہے

۷. **یورینس** (Uranus)

سورج سے اوسط فاصلہ: تقریبا۲ء۸۷ر بلین کلومیٹر ہے۔

۸. **نیپچون** (Neptune)

سورج سے اوسط فاصلہ: تقریبا۵۰ء۴ر بلین کلومیٹر ہے۔

یہ تمام فاصلے اوسط ہیں کیونکہ سیارے بیضوی مدار میں گھومتے رہتے ہیں۔

اب سیاروں کے اپس کے درمیان کا فاصلہ بھی ملاحظہ کرلیں۔

سیاروں کے آپس کے درمیان کا فاصلہ

سائنسی رو سے سیاروں کے درمیان فاصلہ مستقل نہیں رہتا، کیوں کہ وہ بیضوی (elliptical) مدار میں گھومتے ہیں۔ تاہم، ان کے درمیان اوسط فاصلے درج ذیل ہیں:

عطارد سے زہرہ: تقریبا۵۰ر ملین کلومیٹر ہے

زہرہ سے زمین: تقریبا۴۱ر ملین کلومیٹر ہے

زمین سے مریخ: تقریبا۷۸ر ملین کلومیٹر ہے

مریخ سے مشتری: تقریبا۵۵۰ر ملین کلومیٹر ہے۔

مشتری سے زحل: تقریبا۶۵۰ر ملین کلومیٹر ہے۔

زحل سے یورینس: تقریبا۱ء۱۵۴ر بلین کلومیٹر ہے

یورینس سے نیچون: تقریبا۱ء۶ر بلین کلومیٹر ہے۔

مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک کے سفر کی تعجب خیزی:

سفر معراج کی تعجب خیزی کا اندازہ لگائیں کہ مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک کا سفر تقریبا ۱۳۰۰ کلومیٹر ہے جو کہ آج کی تیز ترین سواری ہوائی جہاز سے رات کے مختصر سے حصے میں ممکن ہے مثلا ہوائی جہاز کی ایک خاص

قسم سپر سونک جیٹس جس کی رفتار ۲۱۸۰/ کلومیٹر فی گھنٹہ ہے تو ایک طرف کا راستہ ۳۶/ منٹ میں طے ہو گا اور دونوں طرف کا راستہ ۷۲/ منٹ یعنی ایک گھنٹہ بارہ منٹ میں صرف آنا جانا ممکن ہو گا۔

اگر سفر معراج کو اس کے ایک جز (مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ) تک ہی کا فرض کریں تو کیا ایک گھنٹہ بارہ منٹ تک بستر گرم ہو گا؟، وضو کا پانی بہتا رہے گا اور زنجیر ہلتی رہے گی؟؟ ہر گز نہیں!!! بلکہ ماننا پڑے گا کہ معراج کا یہ سفر ہوائی جہاز کی رفتار سے بہت تیز تھا کیوں کہ ہم نے صرف مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کا سفر فرض کیا تھا لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے کہ یہ تو صرف اس عظیم سفر کا ایک بہت ہی چھوٹا سا حصہ ہے۔ ع

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

ہمارے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو چاند و سورج اور دیگر تمام اسمانی سیاروں سے گزرتے ہوئے پہلے اسمان تک پہنچے اور وہاں سے آگے تشریف لے گئے۔

بجلی کی تیز رفتاری سے سفر معراج کی سرعت کا ایک اندازہ

اب ہم دنیا کی سب سے تیز ترین بجلی کی رفتار (Speed of Light) سے اندازہ کرتے ہیں اور سفر کی دُوری بڑھا کر سورج تک کر دیتے ہیں تو سورج زمین سے ۱۴۹٫۶/ ملین کلومیٹر دور ہے اور اس کی روشنی خلا میں دولاکھ ننانوے ہزار سات سو بانوے (۲۹۹،۷۹۲) کلومیٹر فی سکینڈ کی رفتار سے سفر طے کرتی ہوئی زمین پر پہنچتی ہے تو اسے ۸/ منٹ ۲۰/ سیکنڈ لگتے ہیں اگر سفر معراج سورج تک مان لیں تو آنے جانے میں ۱۶/ منٹ ۴۰/ سیکنڈ لگ جائیں گے اور کوئی عقل مند یہ نہیں کہے گا کہ ۱۶/ منٹ تک وضو کا پانی بہتا رہے گا یا زنجیر ہلتی رہے گی اور بستر گرم رہے گا۔ اگر کہہ بھی دے کہ ایسا ممکن ہو سکتا ہے تو سفر معراج سورج تک تو تھا نہیں بلکہ یہ تو فرض کیا گیا ہے اس کے آگے ملکی وے (Milky Way) ہے جس کا قطر تقریباً ایک لاکھ (۱۰۰،۰۰۰) نوری سال ہے۔ اور ایک نوری سال (Light Aear) تقریباً ۹٫۴۶/ کھرب کلومیٹر ہے۔

اگر روشنی کی رفتار (Speed of Light) سے سفر کیا جائے تو اس کہکشاں کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جانے میں ایک لاکھ نوری سال لگیں گے۔ اب ظاہر سی بات ہے کہ ملکی وے (Milky Way) صرف یہی ایک کہکشاں نہیں ہے بلکہ ہمارے پیاری کہکشاں ملکی وے سے قریب ایک اور کہکشاں ہے جس کا نام اینڈرومیڈا (Andromeda Galaxy) ہے جو ملکی وے سے بھی دوگنی ہے یہ ہماری زمین سے دولاکھ ہزار نوری سال کی

دُوری پر ہے۔ ایسے کہکشاؤں کی تعداد سائنسی معلومات کے مطابق دو ہزار ارب سے بھی زیادہ ہے۔

ذرا تصور کریں کہ کیا کوئی روشنی کی رفتار (Speed of Light) سے بھی ان کہکشاؤں کو پار کر سکتا ہے؟ ہر گز نہیں۔

ایک (کہکشاں) کو بھی پار کرنا سائنسی نقطہ نظر سے ناممکن ہے کیوں کہ روشنی کی رفتار سے سفر کرنا فی الحال ناممکن ہے اور ایسے دو ہزار ارب کہکشاں موجود ہیں تو کوئی اپنی طاقت سے کیسے انھیں پار کر سکتا ہے؟۔ جبھی تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ" [الرحمن:۳۳]

ترجمہ اے گروہ جنات و انسان! اگر تم اپنی استطاعت رکھتے ہو کہ اسمان کی سرحدوں کو عبور کر کے آگے گزر جاؤ تو گزر کر دیکھ لو! تم نہیں گزر سکتے ہو مگر اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی طاقت سے۔

سارے کہکشاں آسمان اول کے نیچے ہیں

تعجب خیز مقام یہ ہے کہ یہ سارے کہکشاں پہلے اسمان کے نیچے ہی موجود ہیں۔ قرآن مقدس پارہ ۲۹/ سورہ ملک میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

"وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ"

ترجمہ: اور بے شک ہم نے اسمانِ دنیا کو چراغوں سے مزین کیا۔

اسی طرح پارہ ۲۳/ سورۂ صٰفّٰت میں ہے:

"اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ"

ترجمہ: اور بے شک ہم نے دنیا کے اسمان کو تاروں کے سنگار سے اراستہ کیا۔

حضور پاک علیہ الصلوۃ والسلام کا سفر معراج تو ان تمام ستاروں اور کہکشاؤں کے پار ہوا جہاں تک سائنس کی رسائی نہیں یعنی جس جگہ پہنچ کر سائنس دم توڑ دیتی ہے اور اس کے آگے جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی وہ تو ہمارے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے سفر معراج کا ابتدائی مرحلہ تھا کیوں کہ اس کے آگے دوسرا اسمان ہے جس کی دُوری پہلے اسمان سے اتنی ہی ہے جتنی کہ زمین سے پہلے اسمان کی، اسی طرح کل سات اسمان ہیں اور ہر ایک کی دُوری یہی ہے

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان تمام اسمانوں کے پار تشریف لے گئے۔ (مفہوم حدیثِ ترمذی، حدیث نمبر:۳۲۹۸)

سفرِ معراج میں حضور نبیِ کریم ﷺ اور آپ کے توسل سے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی تیز رفتاریاں:

مصطفیٰ جان عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلّم کا مسجد حرام سے بیت المقدس کا سفر "براق" پر ہوا جس کی رفتار کے بارے علمائے اہلسنت فرماتے ہیں کہ: "بُرَّاق: مشتق ہے برق سے بمعنی بجلی یا چمک دار سفیدی، چونکہ اس کی رفتار بجلی کی طرح تیز ہے اور وہ چمک دار سفید رنگ ہے اس لیے اسے بُرَّاق کہتے ہیں۔"

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھنا

سفر معراج میں بیت المقدس تک کے سفر میں مصطفیٰ کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے حضرت سیدنا موسیٰ علیٰ نبیناوعلیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، حدیث پاک کے الفاظ یہ ہے:

"وَقَدْ رَأَيْتُنِي فِي جَمَاعَةٍ مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ فَإِذَا مُوسَىٰ قَائِمٌ يُصَلِي"

میں نے خود کو جماعت انبیاء میں دیکھا تو موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔"

دوسری روایت میں یہ ہے:

"مَرَرْتُ عَلَى مُوسَى لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي عِنْدَ الْكَثِيبِ الْأَحْمَرِ ، وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي قَبْرِهِ"

یعنی شب اسراء میرا گزر حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی قبر کے پاس سے ہوا، جو ریت کے سرخ ٹیلے کے پاس ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔

اور جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام بیت المقدس پہنچے تو دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام سمیت تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والتسلیم وہاں آپ کے استقبال کیلئے موجود ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام اپنی قبر میں نماز ادا کر رہے تھے، نماز کے مکمل کرنے کے بعد ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے استقبال کے لیے بیت المقدس کی طرف چلے ہوں گے لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے ہی بیت المقدس بھی پہنچ گئے۔ ظاہر ہے کہ وہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے بھی تیز رفتاری کے ساتھ تشریف لے گئے ہوں گے جبھی تو پہلے پہنچے، حالاں کہ حضور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی رفتار بھی بہت تھی۔ پھر یہ بات بھی انسان کو حیرت میں مبتلا کر دیتی ہے کہ یہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام جو بیت المقدس میں استقبال کے لیے اور حبیب خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلّم کی اقتدا میں نماز ادا کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے تھے اسمانوں پر بھی پہلے ہی سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے

استقبال کے لیے موجود تھے۔

آسمانوں پر انبیائے کرام کی موجودگی

جب حضور رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم مکین سدرہ کے ہمراہ پہلے اسمان پر تشریف فرما ہوئے تو وہاں ابو البشر سیدنا ادم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے ملاقات ہوئی، دوسرے پر حضرت عیسیٰ ویحیٰی علیھما السلام، تیسرے پر حضرت یوسف علیہ السّلام، چوتھے پر حضرت ادریس علیہ السّلام، پانچویں پر حضرت ہارون علیہ السّلام، چھٹے پر حضرت موسیٰ علیہ السّلام، ساتویں پر اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علی نبیناوعلیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ یقینا بیت المقدس سے یہ تمام انبیاورسل حکم خدا سے اس کے محبوب کے استقبال کے لیے برق رفتاری کے ساتھ سفر کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کے پہنچنے سے قبل ہی اپنے اپنے مقام پر پہنچ چکے تھے اور یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ پہلے اسمان والوں سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ دوسرے اسمان والے گئے ہوں گے دوسرے سے زیادہ تیسرے اسمان والے تیز گئے ہوں گے وعلیٰ ھذاالقیاس۔

یقیناشب معراج کی انبیائے کرام علیہم السلام کی یہ برق رفتاریاں دنیاوالوں کو حیران کرتی رہیں گی اور جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ بیت المقدس اور اسمانوں پر انبیائے کرام علیھم السلام کا حضورانور صلی اللہ علیہ والہ وسلّم سے پہلے پہنچنا ہمارے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے استقبال کے لیے تھاورنہ اس سفر میں ایک وقت وہ ایاجب حضور نبیِ پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلّم سدرۃ المنتہیٰ کے بعد براق کو چھوڑ کر "رَف رَف" (نورانی تخت) کی سواری فرمائی:

رَفْ رَفْ کی سواری

علامہ شہاب الدین خفاجی مصری علیہ الرحمہ اپنی کتاب نسیم الریاض میں فرماتے ہیں:

" وَرَدَ فِي الْمِعْرَاجِ أَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَلَغَ سِدْرَةَ الْمُنْتَهَى ، جَاءَهُ بِالرَّفْرَفِ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ الصَّلَوٰةُ وَالسَّلَام فَتَنَا وَلَهُ فَطَارَ بِهِ إِلَى الْعَرْشِ "

یعنی حدیث معراج میں ایاہے کہ جب سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلّم سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے، حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام رف رف لے کر حاضر بارگاہ ہوئے تو وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو لے کر عرش کی طرف پرواز کر گیا۔ اب اس کی رفتار کا عالم کیا تھاوہ رب کریم ہی جانے اور رف رف کی سواری کرنے والے مصطفیٰ کریم جانیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلّم۔

اتنا کہا جا سکتا ہے کہ یہ بُراق سے بھی برق رفتاری کے ساتھ عرشِ اعظم کی طرف رواں دواں ہوا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے بعد مکینِ سدرہ نے آگے جانے سے معذرت کرلی۔ اور بزبان حال عرض گزار ہوئے:

اگر یک سر موئے برتر پرم
فرغ تجلی بسوزد پرم

گویا اب وہ اپنی پرواز اور رفتار کی انتہا کو پہنچ گئے تھے اس لیے مصطفیٰ کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے اپنا آگے کا سفر جاری رکھا۔

مقام مستوی سے آگے کا سفر

مقام مُستویٰ جہاں آپ نے قلموں کی اواز سنی اس کے اوپر اللہ رب العزت کی کرسی تک پہنچے جس کی لمبائی، چوڑائی اور وسعت کے بارے میں خود خالق کائنات نے فرمایا:

"وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ"

ترجمہ: اور اس کی کرسی اسمانوں اور زمین کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔

اور حدیث پاک میں ہے کہ ساتوں اسمان اور زمین کرسی کے سامنے ایسے ہیں جیسے وسیع صحرا میں ایک حلقہ پڑا ہو۔ اتنی بڑی اور عظیم کرسی کو پار کرنے میں کتنا عرصہ لگے گا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا ہے۔ کیوں کہ سائنس تو پہلے ہی اسمان کے سفر سے پہلے کہکشاؤں کو پار کرنے کی بات پر دم توڑ دیتی ہے پھر ساتوں اسمانوں اور کرسی کے اوپر جانے کی بات متصور ہی نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہاں ٹھہر کر ذرا اندازہ کریں کہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلّم سدرۃ المنتہیٰ کے آگے اس کرسی سے بھی اوپر تشریف لے گئے۔

عرش اعظم کا سفر جو کرسی الٰہی سے اوپر ہے

عرش اعظم جو کرسی سے بھی اوپر ہے جیسا کہ سیدنا امام غزالی اپنی کتاب "مکاشفۃ القلوب میں فرماتے ہیں:

عرش ایک نورانی شئ ہے جو کرسی سے اوپر ہے اور ایک علاحدہ وجود رکھتا ہے۔ امام غزالی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ عرش الٰہی مخلوقات کی چھت ہے، کوئی چیز اس کے دائرہ سے باہر نہیں نکل سکتی، وہ بندوں کے علم و ادراک اور مطلوب کی انتہا ہے۔"

حضور سیدنا رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلّم عرش اعظم کو اپنے پاے اقدس کا بوسہ عطا کرتے

ہوئے مزید آگے بڑھ گئے۔ کیا کوئی سائنس داں اتنے عظیم سفر کی سوچ بھی سکتا ہے؟ ہر گز نہیں کیوں کہ معراج تو عقل کو دنگ کر دینے والا معجزہ ہے۔

سفرِ لامکاں

یہ جو کچھ میں نے بیان کیا وہ مکانوں کے تذکرے تھے جو اندازے سے باہر ہو گئے۔ مگر حبیب خدا تو لا مکاں کی سیر کرنے بھی گئے "کر کے اچکے ہیں۔ لامکاں اور قصر دنیٰ کا سفر کتنا عظیم ہو گا یہ بس رب عظیم ہی جانتا ہے۔

مراحل معراج کی تحقیق

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ دہلوی نے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اس مقدس مرحلہ وار سفر کے باب میں اپنی کتاب "فوائد الفوائد" میں تین اصطلاحات استعمال فرمائی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

اسراء: مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کا سفر.

معراج: بیت المقدس سے مرحلہ وار ساتوں اسمانوں اور سدرۃ المنتہی تک کا سفر

اعراج: سدرۃ المنتہی سے مقام قاب قوسین تک عروج۔ (فوائد الفوائد، ۴:۳۵۰)

سفر معراج کے ان تینوں مراحل کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تینوں شانوں کی انتہائی قرب و مناسبت کا پتہ چلتا ہے جسے اچھی طرح ذہن نشین کر لینے کے بعد حقیقت و فلسفۂ معراج کی تفہیم ممکن ہے اور اس سلسلے میں پیدا کئے گئے اشکالات خود بخود رفع ہو جاتے ہیں۔

اگرچہ یہ تینوں شانیں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات کا جزو لاینفک ہونے کے ناطے سے پہلو بہ پہلو موجود ہیں لیکن ان میں سے ہر ہر شان کا اظہار اپنے اپنے مقام و مرحلے پر ہوا۔ بحیثیت مجموعی معراج مصطفوی بشریت، نورانیت اور مظہریت و حقیقت کے تمام کمالات کی بدرجہ اتم جامع ہے۔

{اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا: مسجدِ اقصیٰ تک۔} سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مسجدِ اقصیٰ تک سیر کرانے میں ایک حکمت یہ ہے کہ تمام انبیاء و مُرسَلین علیہم الصلوٰۃ والسلام پر آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا شرف اور فضیلت ظاہر ہو جائے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی جگہ میں انہیں کے امام بن کر نماز پڑھائی اور جسے گھر والوں پر مُقدّم کیا جائے اس کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ سلطان ہوتا ہے کیونکہ سلطان کو اپنے علاوہ لوگوں پر مُطْلَقاً تقدُّم حاصل ہے۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ حشر کے دن مخلوق اسی سرزمین میں جمع ہو گی

اس لئے یہ جگہ تاجدارِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کی برکات سے نہال ہو جائے تاکہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت پر محشر میں وُقوف آسان ہو۔ (تفسیر صاوی، الاسراء)

حاصل کلام

حاصل کلام یہ ہے کہ معراج کے توسط سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات وصفات کے ہر پہلو اور ہر شان کی تکمیل بدرجہ اتم کر دی گئی اور آپ اوصاف وکمالات ایزدی کا مظہر اتم بن کر منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئے، لیکن ان کا کماحقہ ادراک عقل انسانی کی گرفت سے باہر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس مقام پر جلوہ گر ہوئے جس مقام عظمت کا تصور بھی تمام نورانی اور خاکی مخلوقات کے لئے ممکن نہیں۔ بقول غالب

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
ان ذاتِ پاک مرتبہ دان محمد است

آیات ربانی کا مشاہدہ اور دیدار حق

معراج کی شب کوئی چیز براہ غیب میں نہ رہی۔ جب دیدار خداوندی کی سعادت نصیب ہو گئی، محب اور محبوب کے درمیان دو کمانوں سے بھی کم فاصلہ رہ گیا تو وہ کونسی چیز تھی جو اس کے بعد بھی حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نظروں سے اوجھل رہی۔

معراج میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو قیامت تک ہونے والے تمام واقعات کا علم عطا کر دیا گیا۔ جنت ودوزخ اور عالم اخروی کے حقائق کا مشاہدہ کروایا گیا۔ کتب حدیث میں ان کی تفصیلات شرح وبسط سے بیان کی گئی ہیں۔ ان مشاہدات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے قدوم میمنت لزوم عرش معلی پر پہنچے اور پھر سدرۃ المنتہیٰ سے آگے بڑھنے کا مرحلہ ایا۔ جبرئیل علیہ السلام اس مقام پر رک گئے جیسا کہ اوپر بیان ہوا اور بڑے ادب سے عرض کیا کہ اس سے آگے مجھے بڑھنے کی مجال نہیں۔ اگر میں سوئی کی نوک کے برابر بھی آگے قدم رکھوں گا تو انوار الٰہی کی تجلیات سے جل کر راکھ ہو جاؤں گا۔ آپ تنہا آگے تشریف لے جایئے۔

حضور سیدنا مصطفیٰ جانِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا چھٹے اسمان سے اللہ رب العزت کے قربِ خاص میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گزارش پر نمازوں کی تخفیف کے لیے بار بار جانا اور آنا۔ یہ سفر مزید وُسعت رکھنے والا اور انسانی عقل کو حیران کر دینے والا ہے۔

کتبـــــــ

اہلِ سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ:

۱- اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر ممکن چیز پر محیط ہے۔

محالِ ذاتی (یعنی جو عقلاً و ذاتاً ناممکن ہو، مثلاً شریکِ باری تعالیٰ کا ہونا، یا اللہ کا جھوٹ بولنا) اس پر قدرت کا سوال ہی نہیں۔

ممکنات جو نہ عقلاً ممتنع ہوں اور نہ ذاتاً، بلکہ صرف عادت کے خلاف ہوں ان پر اللہ تعالیٰ ہر وقت قادر ہے۔

قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

"اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ" (یٰسٓ:۸۲)

ترجمہ: اللہ کا حکم تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس سے کہتا ہے: 'ہو جا'، تو وہ ہو جاتی ہے۔

۲- محال کی درجہ ذیل اقسام ہیں:

(الف) محالِ ذاتی / عقلی

وہ چیز جو عقلاً و ذاتاً ناممکن ہو، مثلاً:

- اللہ تعالیٰ کا شریک ہونا
- اللہ تعالیٰ کا فنا ہونا
- متناقض چیزوں کا اجتماع (مثلاً ایک ہی وقت میں کسی کا زندہ اور مردہ ہونا)

ایسے امور ممکنات میں داخل ہی نہیں، اس لیے "اللہ تعالیٰ قادر ہے یا نہیں" کا سوال ہی غلط ہے۔

(ب) محالِ عادی

وہ چیز جو عادت کے خلاف ہو، مگر عقلاً و ذاتاً ممکن ہو، مثلاً:

- مُردوں کو زندہ کرنا
- دن کو رات میں بدل دینا
- آسمان سے پتھر برسنا
- رات کے بارہ بجے سورج کا ظاہر ہونا

یہ تمام امور عادتاً محال ہیں مگر عقلاً اور ذاتاً ممکن ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس پر ہر وقت قادر ہے اور بوقتِ مشیئت ایسا فرمائے گا۔

قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

"وَ جَعَلْنَا الَّيْلَ وَ النَّهَارَ اٰيَتَيْنِ" (الاسراء:۱۲)

ترجمہ: اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنائیں۔

پس یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ رات دن میں اور دن رات میں بدل دے۔

۳- "اللہ تعالیٰ بھی اس پر قادر نہیں" کہنا، یہ عقیدہ فاسد اور خطرناک ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو "عادۃً محال" پر نافذ نہ ماننا، اللہ تعالیٰ کی قدرت کو ناقص ماننا ہے۔

اہلِ سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ عادت کا خالق خود اللہ تعالیٰ ہے، لہٰذا اگر چاہے تو وہ عادت کو بدل دے۔

امام نسفی عقائد نسفیہ میں فرماتے ہیں:

«إِنَّ اللهَ تَعَالَى قَادِرٌ عَلَى كُلِّ مُمْكِنٍ، وَإِيجَادُ الْمُمْكِنِ وَإِعْدَامُهُ بِقُدْرَتِهِ.»

(عقائد النسفی، ص: ۹)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہر ممکن پر قادر ہے، اور ممکن کو پیدا کرنا اور فنا کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہے۔

ائمۂ متکلمین نے قدرتِ الٰہیہ کے دائرہ کو سمجھانے کے لئے یہ تقسیم کی ہے:

امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

«إِنَّ قُدْرَةَ اللهِ تَعَالَى مُتَعَلِّقَةٌ بِالْمُمْكِنَاتِ دُونَ الْمُحَالَاتِ.»

(اللمع فی الرد علی أهل الزيغ والبدع، ص: ۳۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی قدرت ممکنات سے متعلق ہے، محالات سے نہیں۔

امام ابو منصور ماتُریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

«الْمُحَالُ لَيْسَ بِشَيْءٍ، وَإِنَّمَا الْقُدْرَةُ عَلَى الشَّيْءِ، فَلَا يُقَالُ: إِنَّهُ قَادِرٌ عَلَى الْمُحَالِ.»

(التوحید للماتُریدی، ص: ۷۸)

ترجمہ: محال کوئی شئ ہی نہیں، اور قدرت شئے پر ہوتی ہے، اس لئے یہ کہنا درست نہیں کہ اللہ تعالیٰ محال پر قادر ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

«لَيْسَ فِي إِظْهَارِ الْمُعْجِزَاتِ عَلَى خِلافِ الْعَادَةِ مَحَالٌ، بَلْ هُوَ مُمْكِنٌ يَتَعَلَّقُ بِهِ الْقُدْرَةُ.» (الاقتصاد فی الاعتقاد، ص: ٦٥)

ترجمہ: خلافِ عادت معجزہ ظاہر کرنا محال نہیں، بلکہ ممکن ہے اور اس پر قدرت متعلق ہے۔

اِمام فخر الدین رازی رَحِمَہُ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

«إِخْرَاجُ الشَّمْسِ فِي غَيْرِ وَقْتِهَا عَادَةً مُمْتَنِعٌ، عَقْلًا مُمْكِنٌ، فَهُوَ تَحْتَ الْقُدْرَةِ.» (المطالب العالية، ٤/ ٩٥)

ترجمہ: سورج کو غیر وقت میں نکالنا عادتاً ممتنع ہے مگر عقلاً ممکن ہے، پس یہ قدرتِ الٰہیہ کے تحت ہے۔

اِمام سعد الدین تفتازانی رَحِمَہُ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

«الْمُحَالُ الْعَادِيُّ هُوَ مِمَّا يَتَعَلَّقُ بِهِ الْقُدْرَةُ وَيَقَعُ الْمُعْجِزُ بِهِ.» (شرح المقاصد، ٤/ ٤٧)

ترجمہ: محالِ عادی وہ ہے جس پر قدرت متعلق ہوتی ہے اور معجزہ اسی کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے۔

شعر میں جو کہا گیا کہ۔ "رات کو دن اور دن کو رات کر دینا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں ہے" تو یہ تصرف بالاذن (اللہ کے حکم واذن سے اختیار) کے معنی میں درست ہے، جیساکہ قرآن حکیم میں فرمایا:

" وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى " (الأنفال:١٧)

ترجمہ: اور (اے حبیب!) جب آپ نے کنکری پھینکی تو حقیقت میں آپ نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کو "اختیارات تفویضی" ملے جو کہ دراصل اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہیں، جیسے سورج کا پلٹ آنا (حدیث ردّ شمس) وغیرہ۔

اور کسی کا یہ کہنا کہ: "اللہ تعالیٰ بھی رات کے ۱۲/ بجے سورج نکالنے پر قادر نہیں" یہ عقیدہ باطل اور گمراہی ہے، کیونکہ:

یہ دراصل اللہ تعالیٰ کی قدرت کو محالِ عادی میں محدود کرتا ہے، حالانکہ معجزات اسی پر مبنی ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ عادت کو بدلنے پر قادر نہیں، جو کہ نقصان فی الاعتقاد ہے۔

رات کے ۱۲/ بجے سورج کا طلوع ہونا محالِ عادی ہے، نہ کہ محالِ عقلی۔ لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں داخل ہے اور معجزہ یا کرامت کے طور پر ممکن ہے۔

جو شخص یہ کہے کہ "اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر نہیں" وہ کلامی انحراف میں مبتلا ہے، اور اگر وہ اس پر اصرار کرے تو یہ کلام کفریہ ہونے کے قریب ہے، کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کو ناقص مانا۔

البتہ اگر کسی نے یہ جملہ "محالِ عقلی" اور "محالِ عادی" کی علمی تفریق نہ سمجھتے ہوئے کہا اور مراد صرف "عادت کا بدلنا مشکل ہے" لیا تو وہ کافر نہیں ہوگا، مگر سخت گمراہی اور حرام کلام کا مرتکب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہر ممکن شئ پر قادر ہے، اور محالِ عادی ممکن ہے، لہٰذا سورج کا غیر وقت میں نکلنا بھی قدرتِ الٰہیہ کے تحت ہے۔

ایسا عقیدہ رکھنا کہ "اللہ تعالیٰ اس پر قادر نہیں" عقیدے کی خرابی اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی توہین ہے۔

ائمۂ متکلمین نے واضح کیا ہے کہ محالِ عادی قدرتِ الٰہیہ کے دائرے میں ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

«إِخْرَاجُ الشَّمْسِ فِي غَيْرِ وَقْتِهَا مُمْكِنٌ، وَاللهُ قَادِرٌ عَلَيْهِ، وَلَا يُقَالُ إِنَّهُ مُحَالٌ، بَلْ هُوَ خَارِقٌ لِلْعَادَةِ.» (التفسير الكبير، تفسير آيت "إِنَّ اللهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ")

ترجمہ: سورج کو غیر وقت میں نکالنا ممکن ہے، اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔ یہ محال نہیں بلکہ عادت کے خلاف ہے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عقیدہ طحاویہ میں لکھتے ہیں:

«وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَا يَعْجِزُهُ شَيْءٌ.» (العقيدة الطحاوية، ص: ٥)

ترجمہ: اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔

اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ:

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو اپنی عطا سے تصرفاتِ کائنات میں اختیار دیا ہے۔

اسی لیے قرآن مجید میں فرمایا گیا: ﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ﴾ (الانفال:۱۷)

اس شعر میں "یہ سب نظامِ زمانہ نبی کے ہاتھ میں ہے" کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا و مشیئت سے، نہ کہ استقلالاً۔

جو شخص یہ کہے کہ:

"اللہ تعالیٰ رات کے بارہ بجے سورج نکالنے پر بھی قادر نہیں" وہ قدرتِ الٰہی کو ناقص مانتا ہے۔

اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ "یہ عقلاً محال ہے" تو یہ کفرِ صریح ہے، کیونکہ عقلاً ممکن کو اللہ تعالیٰ کے لیے محال کہنا، اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار ہے۔

اگر لاعلمی یا جہالت میں محض "عادۃً محال" کے معنی میں کہا، اور اس کی نیت اللہ کی قدرت کا انکار نہیں تھا، تو یہ کلام کفر کے قریب اور سخت گمراہی ہے۔ ایسے شخص پر لازم ہے کہ فوراً توبہ کرے اور اپنے عقیدہ کی اصلاح کرے۔

اگر مقصد اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار ہے تو ایسا کہنا کفر ہے۔

اگر جہالت سے کہا تو سخت ضلالت ہے، اور لازم ہے کہ فوراً توبہ واستغفار و تجدیدِ ایمان کرے۔ ھٰذا ماظھر لی والعلم عند ربی وھو اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

طہارت کا بیان

نجاست غلیظہ کا حکم

السلام علیکم و رحمة الله و برکاته

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین در مسئلہ ذیل میں ایک درہم سے کم اگر کپڑے پر مزی لگی ہوئی ہے تو شرعی حکم کیا ہے نماز ہو جائے گی یا نہیں مدلل جواب عنایت فرمائیں مہربانی ہو گی۔

سائل: عامر علی، سرنیہ چندپور بریلی

الجواب

وعلیکم السلام و رحمة الله تعالیٰ و برکاته

ایک درہم سے کم کپڑے پر مذی لگی ہوئی ہو اور اسی حالت میں نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی، البتہ یہ خلاف سنت ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ نماز کو دہرا لے۔

جیسا کہ فتاویٰ تارتارخانیہ میں ہے:

"يجب أن يعلم بأن القليل من النجاسة عفو عندنا ثم النجاسة علي نو عين غليظة وخفيفة، فالغليظ اذاكانت قدر الدرهم أو اقل فهي قليله لا تمنع جواز الصلاة وإن كانت أكثر من قدر الدرهم منعت جواز الصلاة"

(تارتارخانیہ ج۱، ص: ٤٤٠، كتاب الطهارة، النوع الثاني فصل: ٧ مكتبه زكريا ديوبند)

اسی طرح در مختار میں ہے:

"(عفي) الشارع (عن قددرهم) وإن كره تحريما فيجب غسله وما دونه تنزيها فيسن وفوقه مبطل فيفرض اهـ."

(درمختار ج:۱ص:۵۲۰/ كتاب الطهارة، باب الانجاس، دارالكتب العلمية بيروت)

اور ہندیہ میں ہے:

"الأول المغلظ:وعلي منها قدر الدرهم كل ما يخرج من بدن الإنسان مما يوجب خروجه الوضوء أو الغسل فهو مغلظ كالغاط والبول والمني والمذي....فإذا أصاب الثوب أكثر من الدرهم يمنع جواز الصلاة كذافي المحيط.ألثاني عفي منها مادون ربع

الثوب كذا في أكثر المتون...قيل: المعتبر ربع الثوب طرف أصابته النجاسة كالذيل والكم والدخريص إن كان المصاب ثوبا وربع العضو المصاب كاليدوالرجل إن كان بدناوصححه صاحب التحفه والمحيط والبدايع والمجتبي والسراج الوهاج، في الحقائق وعليه الفتوي كذا في البحر الحرائق."

(هنديه ج١ ص:٥١/ كتاب الطهارة، باب النجاسةواحكامها، الفصل الثاني، الباب السابع، دار الكتب العلمية بيروت)

صورت مسئولہ کی تفصیل یہ ہے کہ نجاست دو طرح کی ہوتی ہے ۱: غلیظہ، ۲: خفیہ، نجاست غلیظہ وہ ہے کہ انسان کے بدن سے ایسی چیز نکلے کہ اس سے غسل یا وضو واجب ہو جیسے: پاخانہ، پیشاب، بہتا خون، پیپ، منہ بھر قے حیض ونفاس واستحاضے کا خون، منی مذی اور ودی وغیرہ، نجاست غلیظہ کا حکم یہ ہے کہ اگر ایک درھم سے زیادہ کپڑے یا بدن پر لگ جائے تو اس کا پاک کرنا فرض ہے اگر اس حالت میں نماز پڑھ لی گئی تو نماز نہیں ہوئی، اگر ایک درھم کے برابر ہے تو اسے صاف کرنا واجب ہے فرض نہیں، اس حالت میں نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی لیکن مکروہ تحریمی ہو گی جس کا دوہرانا واجب ہے، اور اگر نجاست غلیظہ ایک درہم سے کم ہے تو اس کو صاف کرنا فرض وواجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے اس کے ساتھ اگر نماز پڑھ لی گئی تو نماز ہو جائے گی، اعادہ کر لینا بہتر ہے جیسا کہ، نیز نجاست غلیظہ گاڑھی بھی ہوتی ہے اور پتلی بھی اگر گاڑھی ہے تو درھم کے برابر ہونے کا مطلب یہ ہو گا کہ وزن میں اس کے برابر ہو اور اگر پتلی ہے تو درھم کی لمبائی چوڑائی دیکھی جائے گی، درھم کی لمبائی کے بارے میں فقہانے یہ کہا کہ ہتھیلی خوب پھیلائی جائے پھر بیچ میں پانی رکھا جائے تو جتنے میں پانی رک سکے اتنا حصہ درہم کی مقدار کہلائے گا۔

جیسا کہ شرح وقایہ میں ہے:

"واعتبر وزن الدرهم بقدمثقال في الكقيف ومساحته قدر عرض كف في الرقيق المراد بعرض الكف عرض مقعر الكف وهو داخل مفاصل الاصابع"

(شرح وقايه ج١ ص:١٢٤، /كتاب الطهارة، باب الانجاس)

دوسری نجاست خفیفہ جن جانوروں کا گوشت حلال ہے جیسے گائے بیل، بھینس، بکری اور اونٹ وغیرہ ان کا پیشاب، گھوڑے کا پیشاب اور جس پرندے کا گوشت حرام ہے خواہ شکاری ہو یا نہیں جیسے: کوا، چیل شکرا بازو غیرہ کی بیٹ، نجاست خفیفہ ہے۔ نجاست خفیفہ کا حکم یہ ہے کہ کپڑے کے جس حصے یا بدن کے جس حصے میں

لگی ہے اگر اس کی چوتھائی سے کم ہے تو معاف ہے مثلا استین میں لگی ہے تو استین کی چوتھائی سے کم ہے یا دامن میں لگی ہے تو دامن کی چوتھائی سے کم ہے یا ہاتھ میں لگی ہے اور ہاتھ کی چوتھائی سے کم ہے تو معاف ہے، یعنی اس صورت میں پڑھی گئی نماز ہو جائے گی اور پوری چوتھائی میں لگی ہو تو بغیر پاک کئے نماز نہیں ہو گی۔

مذکورہ بالا مسئلہ نجاست غلیظہ سے متعلق ہے لہذا اگر کسی نے ایک درہم سے کم مذی لگے ہوئے کپڑے میں نماز پڑھی تو نماز ہو جائے گی، بہتر یہ ہے کہ اعادہ کر لے۔ واللہ اعلم.

کتبـــ
_____

احقر محمد ندیم مصباحی مداری عفی عنہ
خطیب وامام مسجد بیرم نگر بریلی
۱۷/رجب المرجب ۱۴۴۳ھ
الجوابـــ
_____

سائل: عامر علی، پرسونہ بریلی

الجوابـــ
_____

حائضہ عورت سے ناف سے لے کر گھٹنے کے علاوہ پورے جسم سے لطف اندوز ہو سکتا ہے، خواہ کوئی چیز حائل ہو یا نہ ہوں، البتہ ناف کے نیچے اور گھٹنے کے اوپر اگر کوئی موٹا کپڑا حائل ہے، تو لطف اندوزی میں کوئی حرج نہیں، ہاں بچنا اولی ہے خواہ شہوت ہو یا نہ ہو، اور اگر کوئی کپڑا حائل نہیں یا باریک کپڑا حائل ہے، تو بغیر وطی کے بھی مباشرت کرنا حرام ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

"فيجوز الاستمتاع بالسرة و ما فوقها و الركبة و ما تحتها و لو بلا حائل، و كذا بما بينهما بحائل بغير الوطئ و لو تلطخ دما"

[ردالمحتار، ج:١، ص:٤٨٦، كتاب الطهارة، باب الحيض، دار عالم الكتب رياض]

بنایہ میں ہے:

"قال أبو حنيفة و هو رواية عن أبي يوسف يجوز الإستمتاع بالحائض بما فوق السرة و ما تحت الركبة و تحرم المباشرة بين السرة و الركبة بدون إزار"

[بنايه شرح هدايه، ج:١، ص:٦٤٦، كتاب الطهارة، باب الحيض و الاستحاضة، دار الكتب العلميه بيروت] **واللہ تعالیٰ اعلم.**

کتبـــــــ

درمختار میں ہے:

"بتغير أحد أوصافه) من لون أو أطعم أو ريح (ينجس) الكثير و لو جاريا إجماعاً"

(درمختار، ج:۱، ص:۳٦۷، كتاب الطهارة، مطلب حكم سائر المائعات كالماء فى الاصح، دار المعرفة بيروت)

مراقی الفلاح میں ہے:

"وأما إذا كان عشرا في عشر بحوض مربع، فلا ينجس إلا بظهور وصف للنجاسة فيه حتىٰ موضع الوقوع و به أخذ مشايخ بلخ توسعة على الناس و التقدير بعشر في عشر هو المفتىٰ به" (مراقی الفلاح، ص:۲۷، ۲۸، كتاب الطهارة، دار الكتب العلميه)

فتاویٰ سراجیہ میں ہے:

"حوض كبير يصير عشرا في عشر، لا يتنجس بوقوع النجاسة فيه"

(فتاوی سراجیه، ص:۳۸، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، دار الكتب العلميه) واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبـــــــ

جو ایسی جگہ بہ کر چلا جائے جس جگہ کو وضو یا غسل میں دھونا فرض ہے اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اور اگر ایسی جگہ بہ کر پہنچ جائے جس جگہ کا وضو یا غسل میں دھونا فرض نہیں ہے تو وضو نہیں جاتا، جیسے انکھ میں دانہ تھا وہ پھوٹ کر انکھ ہی میں پھیل گیا باہر نہیں نکلا تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ جیسا کہ

فتاویٰ شامی میں ہے:

"(وينقضه) خروج منه كل خارج (نجس) بالفتح ويكسر (منه) أي من المتوضئ الحي معتادا أو لا، من السبيلين أو لا (إلى ما يطهر) بالبناء للمفعول: أي يلحقه حكم التطهير. ثم المراد بالخروج من السبيلين مجرد الظهور وفي غيرهما عين السيلان ولو بالقوة، لما قالوا: لو مسح الدم كلما خرج ولو تركه لسال نقض وإلا لا"

(تنوير الابصار ودرمختار ج:١ص:٢٦٠، ٢٦١، ٢٦٢، مطلب: نواقض الوضوء، دار عالم الكتب رياض)

شرحِ وقایہ میں ہے:

"وناقضه ماخرج من السبيلين ...أو من غيره إن كان نجسا سال إلي مايطهر) أي إلي موضع يجب تطهيره في الجملة اما في الوضوء أو في الغسل."

(شرح وقايه ج ١، ص:٦٥/ كتاب الطهارة، ونواقض الوضوء، دارالشاعت ديوبند)

اسی میں ہے:

"وقوله الى مايطهر احتراز عمااذاقشرت نفطة في العين فسال الصديد بحيث لم يخرج من لا ينقض الوضوء لان داخل العين لايجب تطهيره اصلا لا في الوضوء ولا في الغسل إذ ليس له حكم ظاهر البدن فالمعتبر الخروج إلي ما هو ظاهر البدن شرعا."

(ج١، ص:٦٧، / كتاب الطهارة، نواقض الوضوء) والله اعلم.

کتبـــــــ

ناپاک کپڑے کے اوپر پاک کپڑا پہننے کا حکم

اسلام علیکم ورحمة الله و برکاته

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید رات کو سویا گرم بنیان گرم پجامی پہن کر پھر رات میں احتلام ہو گیا اور زید نے صبح اٹھ کر انہیں ناپاک کپڑوں پر پاک کپڑے پہن لئے پھر کچھ وقت گزار کر اس نے غسل کیا اور ناپاک کپڑوں کو اتار دیا مگر جو پاک کپڑے ناپاک کپڑوں پر پہنے تھے انہی کو پھر پہن کر نماز ادا کی تو کیا زید کی نماز ہو گئی یا نہیں ہوئی؟ مدلل جواب دیں عین نوازش ہو گی۔

المستفتی: عابد حسین، گرام تلسی پور ضلع بریلی شریف (یوپی) (انڈیا)

الجواب بعون البديع الوهاب

وعلیکم السلام و رحمة الله تعالیٰ و برکاته

ناپاک کپڑے میں پاک یا پاک میں ناپاک کپڑا لپیٹا گیا اور پاک کپڑے میں ناپاک کپڑے کی نجاست کا اثر ظاہر ہو گیا یا پاک کپڑا اتنا تر ہو گیا کہ اس کو نچوڑا جائے تو پانی کے قطرے ٹپکیں، تو پاک کپڑا ناپاک کپڑے کی امیزش سے ناپاک ہو جائے گا، ورنہ فقط نم ہو جانے سے پاک کپڑا ناپاک نہ ہو گا۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

"إعلم أنه إذا لف طاهر جاف في نجس مبتل، واكتسب الطاهر منه، اختلف فيه المشايخ، فقيل يتنجس الطاهر و اختار الحلواني أنه لا يتنجس إن كان الطاهر بحيث لا يسيل منه شيئ و لا يتقاطر لو عصر و هو الأصح كما في الخلاصة و غيرها و هو المذكور في عامة كتب المذهب متونا و شروحا...وقيده في شرح المنية بما إذا كان النجس مبلولا بالماء لا بنحو البول و بما إذا لم يظهر في الثوب الطاهر أثر النجاسة"

[ج:١، ص:٦١٧، دار المعرفة بيروت]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"إن لف الثوب النجس فى الثوب الطاهر فظهرت نداوته فى الثوب الطاهر لكن لم يصر رطبا بحيث لو عصر، يسيل منه شئ و لا يتقاطر فالأصح أنه لا يصير نجسا"

[الفتاوى الهندية، ج:١، ص:٥٢، كتاب الطهارة، باب النجاسة و أحكامها، الفصل الثانى فى الأعيان النجسة، دار الكتب العلمية بيروت]

ایسا ہی کنز الدقائق، المجمع الانہر وغیرہ میں ہے۔ اور صورت مسئولہ میں اگر پاک کپڑے پر نجاست کا اثر یعنی رنگ یا بو ظاہر ہو گیا ہے، تو پاک کپڑا بھی ناپاک ہو گیا، لہذا اس میں نماز جائز نہیں ہو گی، اور اگر نجاست کا اثر ظاہر نہیں ہوا، تو اس میں نماز جائز ہے۔ و اللہ تعالیٰ اعلم.

کتبـــــــ

مٹی کے برتن کے ساتھ بھی جائز ہے۔"

۲. رد المحتار (الفتاویٰ الشامیہ) المعروف بہ رد المحتار علی الدر المختار ۱/۱۷۸ میں امام ابن عابدین شامی قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

"يجوز التيمم بكل ما كان من جنس الأرض، كالأحجار والرمل، سواء كان عليه غبار أو لا، بخلاف ما ليس من جنسها كالمعدن والخشب."

یعنی: "تیمم ہر اس چیز سے جائز ہے جو زمین کی جنس سے ہو، جیسے پتھر اور ریت، خواہ ان پر غبار ہو یا نہ ہو، لیکن ان چیزوں سے جائز نہیں جو زمین کی جنس سے نہیں، جیسے دھات اور لکڑی۔"

۳. فتح القدیر ۱/۱۳۳ میں امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"والحق أن المراد بما صعد من الأرض ما صدق عليه اسمها عرفا، وهو التراب وما تولد منه كالرمل والجص والنورة، بخلاف المعادن."

یعنی: "درست بات یہ ہے کہ تیمم کے لیے زمین کی وہ اشیاء معتبر ہیں جو عرف عام میں زمین کہلاتی ہیں، جیسے مٹی اور وہ چیزیں جو اس سے بنی ہوں، جیسے ریت، چونا، سرمہ، لیکن دھاتیں اس میں شامل نہیں۔"

۴. النہر الفائق شرح کنز الدقائق ۱/۸۹ میں امام زیلعی فرماتے ہیں:

"يجوز التيمم بالحجر والرمل والطين اليابس والجدار الذي من جنس الأرض."

یعنی: "تیمم پتھر، ریت، خشک مٹی اور اس دیوار سے جائز ہے جو زمین کی جنس سے ہو۔"

فقہ حنفی میں تیمم کے لیے وہ تمام چیزیں جائز ہیں جو زمین کی جنس سے ہوں، جیسے:

مٹی، ریت، خشک مٹی، پتھر، اینٹ، مٹی کی دیوار، چونا، (جص، نورۃ) سرمہ، وغیرہ۔

جبکہ درج ذیل چیزوں سے تیمم جائز نہیں:

دھات (مثلاً لوہا، سونا، چاندی)، لکڑی، کپڑا، کھانے پینے کی چیزیں۔

یہ اصول فقہ حنفی کی مستند کتب فتاویٰ عالمگیری، رد المحتار، فتح القدیر، اور النہر الفائق سے ثابت ہیں۔

کتبـــــــ

پانی پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں کاغذ سے استنجا اور وضو کرنے کا حکم

السّلام علیکم ورحمة الله

مفتی صاحب حضور میں ہوائی جہاز کے سفر میں اتے جاتے رہتا ہوں کبھی پانی کی بڑی قلت ہو جاتی ہے تو کیا میں کاغذ سے استنجاء اور کاغذ سے تیمم کر سکتا ہوں فقہ حنفی کی مستند کتابوں سے جواب عنایت فرمائیں۔

محمد عاقل علی خان اندور

وعلیکم السلام ورحمة الله وبرکاته

الجواب بعون الملک الوهاب

محترم محمد عاقل علی خان صاحب! آپ کے سوال کا جواب فقہ حنفی کی مستند کتابوں کی روشنی میں پیش خدمت ہے۔

۱. کیا کاغذ سے استنجاء کرنا جائز ہے؟

فقہ حنفی میں استنجاء کے لیے پاک، نرم اور نجاست کو اچھی طرح صاف کرنے والا کوئی بھی مواد استعمال کیا جا سکتا ہے، جیسے پتھر، کپڑا، مٹی، یا دیگر پاک اشیاء۔ البتہ وہ چیزیں جن کی تعظیم کی جاتی ہو، جیسے روٹی، کاغذ جس پر لکھائی ہو یا جس کا عام استعمال عزت و احترام کا ہو، ان سے استنجاء مکروہ اور ناجائز ہے۔

الدر المختار مع رد المحتار ۱/۲۰۵ میں ہے:

"ویجوز الاستجمار بکل طاهر قالع غیر محترم، والمحترم کالمطعوم والورق المکتوب لا یجوز به."

ترجمہ: "استنجاء ہر اس پاک چیز سے جائز ہے جو نجاست کو دور کرے اور جس کی تعظیم نہ کی جاتی ہو، مگر جس چیز کا احترام واجب ہو، جیسے کھانے پینے کی چیزیں اور لکھا ہوا کاغذ، ان سے استنجاء جائز نہیں۔"

لہٰذا عام غیر مطبوع کاغذ سے استنجاء کرنا جائز ہو گا، بشرطیکہ وہ پاک ہو اور نجاست کو اچھی طرح صاف کر دے۔ البتہ، اگر اس پر قرآن، حدیث یا کوئی محترم تحریر ہو، تو اس کا استعمال ناجائز ہو گا۔

۲. کیا کاغذ سے تیمم کرنا جائز ہے؟

فقہ حنفی میں تیمم صرف ان اشیاء سے جائز ہے جو زمین کی جنس سے ہوں، جیسے مٹی، ریت، پتھر، چونا، اینٹ وغیرہ۔ وہ چیزیں جو زمین کی جنس سے نہ ہوں، جیسے دھات، لکڑی، یا کاغذ، ان سے تیمم جائز نہیں۔

الفتاویٰ الہندیہ ۱/ ۲۴ میں ہے:

"ولا يجوز التيمم بخشب أو معدن أو ثوب أو طعام."

یعنی: "لکڑی، دھات، کپڑے یا کھانے کی چیز سے تیمم جائز نہیں۔"

فتح القدیر، ص، ۱/ ۱۳۴ میں ہے:

"ولا يجوز إلا بما كان من جنس الأرض."

یعنی: "تیمم صرف ان چیزوں سے جائز ہے جو زمین کی جنس سے ہوں۔"

چونکہ کاغذ درختوں کی لکڑی یا دیگر نباتاتی مواد سے بنایا جاتا ہے اور یہ زمین کی جنس میں شامل نہیں، لہٰذا کاغذ سے تیمم کرنا جائز نہیں ہوگا۔

- خلاصۂ کلام یہ کہ عام کاغذ سے استنجاء کرنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ پاک ہو اور اس پر کوئی محترم تحریر نہ ہو۔
- کاغذ سے تیمم کرنا جائز نہیں، کیونکہ وہ زمین کی جنس سے نہیں ہے۔ تیمم صرف مٹی، ریت، پتھر، یا دیگر زمینی اشیاء سے کیا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح دین سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، امین۔

کتبـــ
ابو الحماد محمد اسرافیل حیدری المداری
دار الافتاء والقضاء جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الاولیاء
استانہ زندہ شاہ مدار مکن پور شریف کانپور نگر یوپی انڈیا۔

پیشاب کے قطرے آنے پر وضو و نماز کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ زید بہت دنوں سے جب جب بھی نماز کے لئے وضو کر کے فارغ ہوتا ہے تو اسے پیشاب کے قطرے آتے ہیں اور یہ حالت مسلسل جاری ہے،

تو اس کے لئے شریعت مطہرہ میں کوئی راحت ہو تو ضرور بتائیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: ننھے خاں بیرم نگر (گڑھی محلہ) میر گنج بریلی

الجواب

کوئی بھی شخص ایسی بیماری میں مبتلا ہو کہ اس پر ایک نماز کا پورا وقت گزر جاتا ہو اور اسے اتنا بھی وقت نہ مل پاتا ہو کہ وضو کے ساتھ فرض نماز ادا سکے، تو ایسا شخص شریعت مطہرہ میں معذور کہلاتا ہے، جیسے پیشاب کے قطرے ٹپکتے ہیں یا دکھتی انکھ سے پانی گرتا ہے یا دست اتے ہیں یا استحاضہ کا خون اتا ہے یا گیس کی دقت ہے وغیرہ، تو ایسے لوگوں کے لئے حکم یہ ہے کہ جب کسی نماز کا وقت اجائے تو وضو کریں اور اسی وضو سے جتنی نمازیں چاہیں پڑھیں اور جتنی کلام اللہ کی تلاوت کرنا چاہیں کرتے رہیں، لہذا اس درمیان میں آنے والے قطروں سے اس قت تک وضو نہیں ٹوٹے گا جب تک کہ نماز کا وقت باقی رہے گا اور جیسے ہی نماز کا وقت ختم ہو گا وضو ٹوٹ جائے گا دوسری نماز کے لیے دوبارہ وضو کرنا پڑے گا، البتہ جس شخص کو مسلسل قطرے آنے کی وجہ سے معذور مان لیا گیا تو نماز کے پورے وقت میں قطرہ آنے سے اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا لیکن اگر کوئی دوسری چیز وضو توڑنے والی پائی گئی مثلا ریح خارج ہو گئی تو اس سے وضو جاتا رہے گا۔

جیسا کہ بدائع الصنائع میں ہے:

”أما أصحاب الأعذار كالمستحاضة وصاحب الجرح السائل والمبطون، ومن به سلسل البول، ومن به رعاف أو ريح ونحوذالك لايمضي عليه وقت صلاة إلا ويوجدماابتلي به من الحدث فيه فخروج النجس من هؤلاء لايكون حدثافي الحال مادام وقت الصلاة قائما حتي أن المستحاضةلوتوضات في أول الوقت فلها أن تصلي ماشاءت من الفرائض والنوافل مالم يخرج الوقت، وان دام السيلان.وهذاعندنا“

(بدايع الصنائع للكاساني ج١، ص١٢٦/ كتاب الطهارة، نواقض الوضوء، مكتبه زكريا ديوبند)

جیسا کہ در مختار ہے:

”(صاحب العذر من به سلسل) بول لا يمكنه امساكه (واستطلاق بطن أو انفلات ريح أو بعينه رمد أو عمش أو غرب وكذا كل ما يخرج بوجع ولو من أذن وثدي سرة (أن استوعب عذره تمام وقت مفروضة) بأن لايجدفي جميع وقتها زمنا يتوضأويصلي فيه

خالياعن الحدث (ولوحكما) لأن الانقطاع اليسير ملحق بالعدم، (وهذا شرط) العذر (في حق الابتداء وفي) حق (البقاءكفي وجوده في جزء من الوقت) ولومرة (وفي) حق الزوال يشترط (استيعاب الانقطاع) تمام الوقت (حقيقة) لأنه الانقطاع الكامل، (وحكمه الوضوء) لا غسل ثوبه ونحوه (لكل فرض) الام للوقت كما في. لدلوك الشمس (ثم يصلي) به فيه فرضا ونفلا) ... (فإذا خرج الوقت بطل) اي يظهر حدثه السابق، حتي لو توضأعلي الانقطاع ودام الي خروجه لم يبطل باالخروج مالم يطرأ حدث آخراويسيل كمسألةخفه"

(درمختار ج:۱ ص:٥٠٤، ٥٠٥، ٥٠٦/ كتاب الطهارة، باب الحيض، مطلب في احكام المعذور، دارالكتب العلميه)

اور اگے اسی میں ہے:

"و إن سال على ثوبه) فوق الدرهم (جازله أن لا يغسله ان لوغسله تنجس قبل الفراغ منها) أى الصلاة (والا) يتنجس قبل فراغه (فلا) يجوز ترك غسله هوالمختار للفتوي ... (هو المختار الفتوي) وقيل لا يجب اصلا وقيل إن كان مقيدا بأن لايصيبه مرة آخر يجب "وإن كان يصيبه المرة بعد الأخري فلا، واختاره السرخسي. بحر"

(درمختار ورد المحتار ج:۱ ص:٥٠٧، ٥٠٦/ كتاب الطهارة، باب الحيض، مطلب في احكام المعذور، دارالكتب العلميه)

اور ہندیہ میں ہے:

"المستحاضة، ومن به سلسل البول أو استطلاق البطن أو انفلات الريح أو رعاف دائم أو جرح لا يرقأ يتوضؤون لوقت كل صلاة ويصلون بذالك الوضوء في الوقت ما شاؤوامن الفرائض و النوافل هكذا فى البحر الرائق"

(هنديه ج۱ ص:٤٥، كتاب الطهارة / باب الدماء المختصة بالنساء، اخكام المعذور، دارالكتب العلميه)

لہذا صورت مسئولہ میں زید کو اگر اس تسلسل کے ساتھ قطرے اتے ہیں کہ اسے ایک نماز کے پورے وقت میں اتنا بھی وقت نہیں مل پاتا کہ جس میں وضو کے ساتھ فرض نماز پڑھ سکے تو زید معذور ہے، لہذا اس کو چاہیے کہ نماز کے وقت میں وضو کرے اور اسی نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے تک فرائض ونوافل میں سے جتنی نمازیں چاہے پڑھے، اور تلاوت کرنا چاہے کرے۔ ہاں اگر پیشاب کے قطروں سے اس کے کپڑے نجس ہو جاتے

ہوں تو اگر ایک درہم سے زیادہ نجس ہوا ہے اور وہ جانتا ہے کہ اتنا موقع ہے کہ کپڑے دھو کر پاک کپڑوں سے نماز پڑھ سکے گا تو دھو کر نماز پڑھنا فرض ہے، اور اگر جانتا ہے کہ نماز کی حالت میں پھر اتنا ہی ناپاک ہو جائے گا تو دھونا ضروری نہیں اسی میں پڑھ لے، نہ دھونے میں کوئی کوئی حرج نہیں، یعنی درہم برابر ہو تو تو دھونا واجب ہے درہم سے زیادہ ہو تو فرض اور درہم سے کم ہو تو سنت۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبـــ

احقر محمد ندیم مصباحی مداری عفی عنہ
خطیب وامام مداری مسجد بیرم نگر گونٹیا
۲۲/رجب المرجب ۱۴۴۳ھ
الجواب صحیح
خوشنود خان مداری عفا اللہ عنہ
صدر المدرسین جامعہ عربیہ مدار العلوم گوبندہ پور بریلی وناظم اعلی دار الافتا مداریہ

نماز کا بیان

نماز فجر کے درمیان طلوع آفتاب کا علم ہو تو کیا کرے؟

السلام علیکم ورحمة اللہ تعالیٰ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع متین کہ خالد نماز فجر پڑھ رہا ہے جماعت چھوٹ جانے کے بعد اور اسکو طلوع افتاب کا وقت کا علم نہیں ہے اب جیسے ہی خالد نے دو رکعت فجر کی نیت باندھی اور ایک رکعت جیسے ہی ادا ہوئی فورا مولوی صاحب نے ٹائم بتایا کہ اب طلوع افتاب نکل چکا ہے کوئی شخص اب بیس منٹ تک نماز ادانا کرے چونکہ خالد ایک رکعت پڑھ چکا اب خالد کو کیا کرنا چاہیے نماز ترک کر دینا چاہیے یا پوری ادا کرنا چاہیے اور اگر اسنے طلوع افتاب نکلنے بعد بھی نماز پڑتا رہا تو کیا اسکی نماز ہو گی یا اسکو قضاء کرنا ہو گی؟

محمد شاہد خان دولی شاہی

الجواب

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ

صورت مستفسرہ میں خالد کی نماز باطل ہو جائے گی، اور وہ فجر کی نماز قضا کرے، چونکہ فجر کا پورا وقت کامل ہوتا ہے، اسی لیے فجر بھی کامل واجب ہوئی، ناقص نہیں، البتہ عصر کی نماز کا حکم اس سے مستثنیٰ ہے۔

علاء الدین حصکفی الدر المنتقی میں لکھتے ہیں:

"و إنما جاز العصر عند الغروب دون الفجر عند الطلوع"

(الدر المنتقی فی شرح الملتقی، ج:۱، ص:۱۱۰، کتاب الصلاۃ، دار الکتب العلمیہ بیروت)

رد المحتار میں ہے:

" (قوله: بخلاف الفجر إلخ) أي فإنه لا يؤدي فجر يومه وقت الطلوع؛ لأن وقت الفجر كله كامل فوجبت كاملة، فتبطل بطرو الطلوع الذي هو وقت فساد."

(رد المحتاد، ج:۲، ص:۳۲، کتاب الصلاۃ، مطلب: یشترط العلم بدخول الوقت، دار عالم الکتب ریاض) واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبہ

محمد تسلیم مداری مصباحی
علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی

اذان کے جواب کا حکم

اذان کا جواب دینا کیسا ہے؟

الجواب

وعلیکم السلام ورحمة الله تعالیٰ و برکاته

زبان سے اذان کا جواب دینا مستحب ہے، واجب نہیں، اگر متعدد جگہ اذانیں ہو رہی ہوں تو صرف پہلی اذان کا جواب دینا مستحب ہے، بقیہ اذانوں کا جواب دینا زیادہ سے زیادہ بہتر، لہذا یہ کہنا کہ پہلی اذان کا جواب دینا واجب یا ضروری ہے، یا دوسری مسجد کے امام صاحب کا یہ کہنا کہ دوسری اذانوں کا جواب دینا بھی واجبات سے ہے، جہالت اور بغیر علم کے مسئلہ بتانا ہے، اگر نیت میں فساد ہے تو گناہ کبیرہ ہوا، اور حدیث شریف "من افتی بغیر علم کان إثمه علی من أفتاه کما قال علیه السلام" کے مطابق اس کا گناہ مسئلہ بتانے والے پر پڑے گا۔ اذان کے جواب کی ایک صورت وجوب کی یہ ہے کہ اذان سن کر مسجد جایا جائے، زبان سے اذان اذان کا جواب دینا واجب نہیں مستحب ہے۔

فتح القدیر میں ہے:

"سئل ظهير الدين عمن سمع فی وقت من جهات ماذا علیه؟ قال: إجابة أذان مسجده بالفعل و هذا ليس مما نحن فيه إذ مقصود السائل أي مؤذن يجيب باللسان إستحبابا أو وجوبا و الذي ينبغی إجابة الاول سواء كان مسجده أو غيره لأنه حيث يسمع الأذان ندب له الإجابة أو وجبت"

[فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الأذان، ج:١، ص:٢٥٤، دار الكتب العلمية بيروت]

مراقی الفلاح میں ہے:

"و إذا تتعدد الأذان يجيب الأول"

طحطاوی میں ہے:

"مطلقا سواء كان أذان مسجده أم لا لأنه حيث سمع الأذان ندبت له الإجابة"

[طحطاوی مع مراقی الفلاح، ص:٢٠٣، كتاب الصلاة، باب الأذان، دار الكتب العلمية بيروت]

در مختار میں ہے:

"و هذا بناء على أن الإجابة المطلوبة بقدمه لا بلسانه"

اس کے ماتحت رد المحتار میں ہے:

"أى لأن الإجابة به مندوبة على هذا القول كما مر"

[در مختار مع رد المحتار، ج:٢، ص:٦٨، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فى كراهية الجماعة فى المسجد، دار عالم الكتب رياض] والله تعالىٰ اعلم.

کتبـــــــ

الجواب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مروجہ تثویب کا حکم نہ قرآن مجید سے ثابت ہے نہ ہی احادیث کریمہ میں مذکور۔ نماز سے قبل اور اذان کے بعد جو تثویب کہتے ہیں دور صحابہ میں سختی سے اس کا انکار ہوتا تھا۔

چنانچہ محدث ابن ابی شیبہ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے کہ امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت ابو محذورہ مؤذن رسول صلی اللہ علیہ وسلم اذان کے بعد حاضر ہوئے اور الصلاۃ الصلاۃ کہنے لگے، پھر کیا ہوا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جلال میں آگئے اور ارشاد فرمایا: ابو محذورہ تیرے لیے تباہی ہو کیا تو مجنون و پاگل ہو گیا ہے؟ کیا تیری اذان میں وہ دعوت نہیں جس پر لبیک کہہ کر حاضر ہوتے۔ علامہ عبد الحی لکھنوی نے عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ جلد اول صفحہ ۱۳۵/ پر ابن ابی شیبہ کی روایت یوں نقل فرمائی ہے:

واما التثويب بين الاذان والاقامة فلم يكن فى ذالك العهد بل قد انكر عليه كما اخرجه ابن ابى شيبة ان ابا محذورة موذن مكة اتى عمر بعد الاذان وقال الصلاة الصلاة فقال عمر ويحك امجنون انت اما كان فى دعائك الذى دعوتنا ما ناتيك.

اور اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے تثویب کا انکار فرمایا ہے چنانچہ اسی عمدۃ الرعایۃ میں ہے: وكذا انكر التثويب بين الاذان والاقامة ابن عمر رضى الله عنهما۔ كما فى سنن ابى داود چنانچہ امام ابو داود اپنی سنن میں روایت فرماتے ہیں امام مجاہد سے، امام مجاہد فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر کے ساتھ تھا کہ ایک شخص نے ظہر یا عصر میں تثویب پڑھی تو آپ نے فرمایا کہ اے مجاہد ہمیں یہاں سے لے چلو۔ بلاشبہ یہ بدعت ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے:

عن مجاهد قال كنت مع ابن عمر فثوب رجل فى الظهر او العصر قال اخرج فان هذه بدعة.

اسی طرح الہدایۃ مع الدرایۃ مطبوعہ مکتبہ بلال دیوبند صفحہ ۸۷/ حاشیہ نمبر ۱۱/ پر مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی ایک روایت ہے:

ان عليا رأى موذنا يثوب فى العشاء فقال اخرجوا هذا الرجل من المسجد.

ان آثار و احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ دور صحابہ میں تثویب مروجہ کا کوئی وجود نہیں تھا بلکہ تثویب

کہنے والوں کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ و حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور مولائے کائنات علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ناپسند فرمایا کرتے تھے اور بدعتی کہتے تھے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی صراحۃً تثویب کا کوئی حکم صادر نہیں۔

علمائے متقدمین تثویب کو مکروہ سمجھتے تھے چنانچہ صاحب ہدایہ نقل فرماتے ہیں:

والتثويب فى الفجر حى على الصلاة حى على الفلاح مرتين بين الاذان والاقامة حسن لانه وقت نوم و غفلة و كره فى سائر الصلوات. (هداية، جلد اول، ص: ۸۷، باب الاذان)

یعنی تثویب فجر میں حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح کے بعد دو دو بار کہنا مستحسن ہے۔ اس لیے کہ وہ نوم و غفلت کا وقت ہے۔ فجر کے علاوہ باقی ساری نمازوں میں تثویب مکروہ ہے۔

ان عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ دور صحابہ و تابعین میں تثویب کو ناپسندیدہ عمل اور مکروہ سمجھا جاتا تھا۔

صلاۃ و تثویب پکارنا شرع مطہر میں نہ سنت ہے نہ واجب اور نہ ہی شعار اہل سنت ہے۔ جو لوگ تثویب نہ کہنے والوں کو وہابی دیوبندی اور گمراہ و بدمذہب کہتے ہیں وہ خود گمراہ اور گمراہ گر ہیں۔ بلکہ مسلمانان اہل سنت کو وہابی دیوبندی کہہ کر وہ خود مکفر المسلمین ہو گئے۔ ان پر توبہ، تجدید ایمان و تجدید بیعت لازم اور تجدید نکاح بھی۔ کہ ان ظالموں نے معاذ اللہ صحابہ کرام پر بدمذہبی و گمراہی کے فتوے جمانے کی جرات کی۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

ہندو پاک کے علاوہ اب کہیں بھی تثویب کا رواج نہیں۔ تو معاذ اللہ یہ ظالم سارے عالم اسلام کو گمراہ اور بدمذہب لکھ کر خود کتنے بڑے گمراہ اور بدمذہب ہوئے۔ لا يقول هكذا الا من هو ضال و مضل و مردود.

دراصل تثویب کے متعلق فقہائے احناف و دیگر کے درمیان اختلاف ہے، اس بابت تین اقوال نقل کیے گئے ہیں۔

(۱) فجر کے علاوہ باقی تین وقتوں میں تثویب مکروہ ہے۔

(۲) تثویب صرف امرا و حکام اور مسلمانوں کے کاموں میں مصروف کے لیے جائز ہے۔ دوسروں کے لیے نہیں۔

(۳) بعد کے فقہاء کے نزدیک تثویب کہنا اچھا ہے ہر نماز کے وقت میں۔

چنانچہ مولانا عبد الحی فرنگی محل عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ میں تحریر فرماتے ہیں:

واختلف الفقهاء في حكم هذا التثويب على ثلاثة أقوال:

الأوّل: إنّه يكره في جميعِ الصلوات إلا الفجر؛ لكونِه وقتَ نوم وغفلة، ويشهد له حديث أبي بكرة: خرجت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم لصلاةِ الصبح فكان لا يمرُّ برجلٍ إلا ناداه بالصلاةِ أو حرَّكه برجله، أخرجه أبو داود؛ فإنّه يدلّ على اختصاصِ الفجر في الجملة،

الثاني: ما قاله أبو يوسفَ واختاره قاضي خان: إنّه يجوزُ التثويب للأمراء، وكلّ مَن كان مشغولاً بمصالحِ المسلمين؛ كالقاضي والمفتي في جميع الصلوات لا لغيرهم، ويشهدُ له ما ثبتَ بروايات عديدةٍ أنَّ بلالاً كان يحضرُ باب الحجرةِ النبويَّةِ بعد الأذان، ويقول: الصلاة الصلاة، والثالث: ما اختاره المتأخِّرون أنّ التثويبَ مستحسنٌ في جميعِ الصلوات لجميع الناس لظهور التكاسل في أمورِ الدين، لا سيّما في الصلاة، ويستثنى منه المغرب بناء على أنّه ليس يفصلُ فيه كثيراً بين الأذان والإقامة، صرح به في العناية و الدرر و النهاية وغيرها.

ان عبارتوں سے ظاہر و باہر کہ تثویب شروع ہی مسلمانوں کے درمیان امر مختلف فیہ رہا ہے، کسی زمانہ میں نہ واجب رہا نہ سنت۔ صرف علمائے متاخرین کی یہ ایجاد انھوں نے ہی بس جائز قرار دیا ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

جو مولوی آیت کریمہ ان اللہ وملائکتہ سے تثویب کا وجوب ثابت کرتا ہے وہ کتنا بڑا جاہل ہے، اس کا اندازہ اہل علم کو تو کرتے ہی ہیں لم خواندہ لوگ بھی کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے جال لوگوں سے اپنی پناہ میں رکھے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں حدیث شریف میں کہا گیا ہے کہ جاہل نا اہل فتویٰ دیں گے تو خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ ھذا ما ظھر لی والعلم عند ربی وھو اعلم بالصواب.

استکتبہ

استکتبہ ابو الحماد محمد اسرافیل حیدری المداری
خادم دار الافتاء دار النور مکن پور شریف، کانپور نگر یوپی
مؤرخہ: ۲۷ ستمبر ۲۰۱۸ء

سات سال کے بچے کی اذان کا حکم/اذان کے لیے کتنی عمر شرط ہے؟

سوال: کیا سات سال کا بچہ جماعت کی اذان دے سکتا ہے؟ اذان دینے کے لیے کیا کسی عمر کی شرط ہے؟
سائل: سید رشک قمر جعفری مکنپور شریف۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب

سات سال کا عاقل بچہ اگر صاف الفاظ میں اذان دے سکتا ہو اور اس کی اذان سے لوگ دھوکہ نہ کھائیں (یعنی بچے کی اواز، تلفظ اور سمجھ بوجھ مناسب ہو)، تو اذان درست ہے اور جماعت کے لیے کافی ہے۔ تاہم بالغ، سمجھدار اور خوب اواز والے شخص کو ترجیح دی جائے گی، کیونکہ اذان عبادت بھی ہے اور اعلان بھی۔

قرآن کریم میں ہے:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ" (سورہ الجمعہ، ایت:۹)

"اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔"

اس آیت میں اذان کے احترام اور اثر کی اہمیت بتائی گئی ہے، مگر اذان دینے والے کی عمر کی کوئی صراحت نہیں ہے۔

اذان کی مشروعیت اور عمومی اجازت:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" إِذَا كَانَتِ السَّاعَةُ فَارْفَعْ صَوْتَكَ بِهَا، فَإِنَّهُ لَا يَسْمَعُ صَوْتَ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَلَا إِنسٌ وَلَا شَيْءٌ إِلَّا شَهِدَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ " (صحيح البخاری، حديث: ٦٠٩)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اذان کی فضیلت ہر شخص کے لیے عام ہے، لیکن اذان کو سن کر عمل کرنے والا ہونا چاہیے۔

. نبی کریم ﷺ کا بچوں کو نماز کی تربیت دینا:

"مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ" (سنن أبي داود، حديث: ٤٩٥)

"اپنے بچوں کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو"

جب سات سال کے بچے کو نماز کا حکم ہے تو وہ نماز کی تیاری (اذان وغیرہ) بھی سیکھ سکتا ہے، بشرطیکہ صحیح الفاظ ادا کر سکے۔

فقہاءِ احناف کی کتابوں سے دلائل:

فتاوی ہندیہ میں ہے:

" وَيُجْزِئُ أَذَانُ الْمُمَيِّزِ عِنْدَنَا، وَيُكْرَهُ أَذَانُ الْمَجْنُونِ وَالصَّبِيِّ غَيْرِ الْمُمَيِّزِ "

(الفتاوى الهندية، ج ١، ص ٥٤)

ترجمہ: ہمارے نزدیک تمیز والے بچے کی اذان درست ہے، اور غیر ممیز بچے (جو اچھا برا نہ سمجھتا ہو) کی اذان مکروہ ہے۔

الدر المختار مع رد المحتار میں ہے:

" وَيُجْزِئُ أَذَانُ الْمُمَيِّزِ لِأَنَّهُ عِبَارَةٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ فَيَجُوزُ مِنْهُ كَالتَّسْبِيحِ "

(الدر المختار مع رد المحتار، ج ١، ص ٣٨٩)

اذان چونکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، اس لیے ممیّز (سمجھدار) بچے سے جائز ہے، جیسے تسبیح و دعا وغیرہ۔

شرائطِ صحتِ اذان درجہ ذیل ہیں:

۱. مؤذن مسلمان ہو

۲. عاقل ہو (پاگل کی اذان درست نہیں)

۳. ممیز ہو (اچھا برا سمجھتا ہو، عام طور پر ۷ سال کی عمر یا اس سے زیادہ)

۴. اذان کے کلمات صحیح ادا کرے

۵. اذان ترتیب اور سنت طریقے سے دے

اگر یہ شرائط پوری ہوں تو سات سال کے بچے کی اذان درست اور معتبر ہے۔

احتیاطی بات:

- اگر بچے کی آواز یا ادائیگی ایسی ہو کہ لوگ اذان کو مذاق یا کھیل سمجھیں، یا اذان کے الفاظ بگاڑ دے، تو ایسی اذان مکروہ ہے اور دوبارہ اذان دینا چاہیے۔

- سات سال کا سمجھدار بچہ (ممیّز) اذان دے سکتا ہے، اگر الفاظ صحیح پڑھے۔
- اذان درست اور جماعت کے لیے کافی ہو گی۔
- فقہائے احناف کے نزدیک شرط "عقل و تمیز" ہے، عمرِ بلوغ شرط نہیں۔
- افضل یہی ہے کہ بالغ، متقی اور خوش الحان مؤذن کو مقرر کیا جائے۔۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبـــــــ

الفتاویٰ الہندیہ میں ہے:

«ومن شروط السجود وضع جبهة وأنف ويدين وركبتين وأصابع الرجلين»

(الفتاوى الهندية ١/ ٧٣)

یعنی سجدہ کی شرط یہ ہے کہ پیشانی، ناک، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور پاؤں کی انگلیاں زمین پر رکھی جائیں۔

در مختار میں ہے:

«(ووضع بعض بطن أصابع الرجلين) أي ظهر الأصابع لا يكفي بل لا بد من وضع بعض بطن كل واحدة من الأصابع ولا يضر رفع عقب ولا ظهر القدم.» (رد المحتار ١/ ٤٧٣)

یعنی پاؤں کی انگلیوں کا اوپر کا حصہ کافی نہیں بلکہ ہر انگلی کے پیٹ کا کچھ حصہ زمین پر لگنا ضروری ہے۔

احتیاط:

اکثر لوگ اس پر توجہ نہیں دیتے اور سجدے میں پاؤں کھڑے نہیں رکھتے یا انگلیاں نہ لگنے دیتے ہیں۔ اس لئے خاص طور پر پاؤں کی انگلیوں کو درست رکھنا ضروری ہے۔

حکم شرعی:

اگر امام اور مقتدیوں سب کے ساتھ ایسا ہوا کہ سجدے میں دونوں پاؤں کی تینوں انگلیوں کا پیٹ زمین پر نہ لگا تو ان کی نماز درست نہیں ہوئی، ان سب کو نماز دوبارہ پڑھنی ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

باندھی دو رکعت پر قعدہ اولیٰ کیا پھر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوا اور بھولے سے تیسری کو دوسری رکعت سمجھ کر پھر قعدہ کیا پھر چوتھی رکعت کے لئے کھڑا ہوا اور چوتھی میں قعدہ نہیں کیا بل کہ پانچوی رکعت میں قعدہ کیا اور سلام پھیر دیا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کی نماز ہوئی یا نہیں، مدلل جواب عنایت فرمائیں مہربانی ہوگی۔

المستفتی: محمد شاہ رخ خان مداری بیرم نگر بریلی

الجواب

وعلیکم السلام ورحمة الله وبرکاته

صورت مستفسرہ میں زید کی نماز نہیں ہوئی، اس لئے کہ زید نے ظہر کی چار رکعت پر قاعدہ اخیرہ نہیں کیا بل کہ پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا حالانکہ قاعدہ اخیرہ نماز میں خواہ فرض ہو یا نفل، فرض ہے، لہذا نماز کے فرض کو چھوڑ دینے کی وجہ سے نماز نہیں ہوئی البتہ اگر پانچویں کے لئے کھڑا ہوا تھا اور اس کا سجدہ کرنے سے پہلے بیٹھ گیا تو سجدہ سہو کے ساتھ نماز ہو جائے گی، اسی طرح اگر قاعدہ اخیرہ کر لیا تھا پھر بھول کر کھڑا ہو گیا اور پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کر لیا تو اب ایک رکعت اور ملالے تاکہ چار فرض ہو جائیں اور دو نفل، اور سجدہ سہو کر کے نماز کو پورا کر لے۔

جیسا کہ ہندیہ میں ہے:

"الاخيرة فرض في الفرض والتطوع حتي لو صلي ركعتين ولم يقعدفي آخرها وقام وذهب تفسد صلاته كذا في الخلاصة"

[فتاوی عالمگیری، ج:1، ص:78، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، الباب الرابع، دار الکتب العلمیة بیروت]

اور ہندیہ ہی میں ہے:

"صلي الظهر خمسا وقعد في الرابعة قدر التشهد إن تذكر قبل أن يقيدالخامسة بالسجدة أنها الخامسة عاد إلي القعدة وسلم كذا في المحيط ويسجد للسهو كذا في السراج الوهاج، وان تذكر بعدماقيد الخامسةباالسجدة أنها الخامسة لا يعود إلى القعدة ولايسلم بل يضيف اليها ركعة أخري حتي يصير شفعا و يتشهد ويسلم هكذافي المحيط، ويسجد للسهو استحسانا كذا في الهداية وهو المختارفي الكفاية، ثم يتشهدويسلم كذا المحيط، والركعتان نافلة ولاتنوبان عن سنة الظهر علي الصحيح كذا في الجوهر النيرة...وفي

الفجرواذا قام الي الثالثةبعد ما قعد قدر التشهد وقيدها بالسجدة لا يضم إليها رابعة كذا في التبيين وصرح في التجنيس بأن الفتوي علي رواية هشام من عدم الفرق بين الصبح والعصر في عدم كراهة الضم كذا في البحرالرايق واذالم يقعدقدر التشهد في الفجر بطل فرضه بترك القعود علي الركعتين ...وإن لم يقعد علي رأس الرابعة حتي قام الي الخامسة إن تذكر قبل أن يقيد الخامسة بالسجدة عاد إلي القعدة هكذا في المحيط وفي الخلاصة يتشهد ويسلم ويسجد للسهو كذا في التتارخانية وإن قيدالخامسة باالسجدة فسد ظهره عندنا كذا في المحيط...والمختار للفتوي قول محمدرحمه الله كذا النهاية"

[فتاوی عالمگیری، ج:1، ص:١٤٢-١٤٣، کتاب االصلاة/ باب سجود السهو، فصل سهو الإمام، دار الکتب العلمیة بیروت]

اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

"ولو أن الإمام لم يقعد علي رأس الرابعة وقام الي الخامسة ساهيا وتشهد المقتدي وسلم قبل أن يقعد الإمام الخامسة بالسجدة ثم قيد ها بالسجدة فسدت صلاتهم"

[قاضی خان، ج:١، ص:٩٢، کتاب الصلاة، باب فیمن یصح الإقتداء به و فیمن لا یصح، دار الکتب العلمیة بیروت]

اسی طرح حلبی کبیر میں ہے:

"[والسادسة) من الفرائض (القعدة الأخيرة) اللتي تكون في آخر الصلاة سواءتقدمها قعده أو لا كمافي الثنائية...في هذه المسائل الآتي ذكرها (الأولي رجل صلي الظهر ونحوها (خمسا) بأن قيد الخامسة بالسجدة (ولم تقعد علي رأس الرابعة بطلت فرضيته) اي فرضية صلاته لتركه الفرض علي وجه لا يمكن تداركه لزيادة ركعة تامة بالسجود االخامسة" [حلبی کبیر، ج:١، ص:٢٩٠، /کتاب الصلاة، درسعادت ترکی مکتبه]

اور فتاویٰ تتارخانیہ میں ہے:

"صلي الظهر خمسا وقعد في الرابعة قدر التشهد يضيف اليها ركعة أخري ويتشهدويسلم ويسجدسجدتي السهو ويتشهدويسلم ثانيا...وانمايضيف إلي الخامسة

ركعة أخري حتي يصير شفعا، ثم لم يحكم بفساد الفرض ههنا في الخلاصة الخانية عندنا سواء فعل ذالك ساهيا أو عامدا"

[فتاوى تاتارخانية، ج:١ ص:٥٢٥، ٥٢٦/ كتاب الصلاة، نوع آخر فيمن صلي الظهر خمسا، داراحياء التراث العربي]

اور بحر العلوم محقق علی الاطلاق شیخ عبد العلی لکھنوی رسائل الارکان میں لکھتے ہیں:

"وان سهيٰهي عن القعدة الاخيرة وقام يصلي وتذكر قبل أن يقيد بالسجدةيعود إلي القعدة ويلزمه سجدة السهو لتأخير ركن القعدة عن موضعها وإن قيد بالسجدة فسدت الصلاة المفروضة لاستحكام الشروع في النفل قبل تمام أركان الفرض ومن ضرورته الخروج من الفرض قبل تمام أركانه."

[رسائل الأركان، ص:٢٧٧، الرسالة الأولىٰ فى الصلاة، فصل فى سجود السهو، دار الكتب العلمية بيروت] واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبـــــــ

وعلیکم السلام ورحمة الله وبرکاته

صورت مستفسرہ میں زید نے ناپاکی کی حالت میں نماز پڑھی ہے لہذا نماز نہیں ہوئی کیوں کہ نماز کے لئے پاکی شرط ہے جو یہاں نہیں پائی گئی تو زید اپنی نماز کی قضا کرے، ہاں وہ اگر کسی مسجد کا امام ہو اور مقتدیوں کے ڈر سے یا کسی اور وجہ سے نماز پڑھادے تو سخت گناہگار اور مستحق عذاب نار ہوا اور اگر اس نے اسے جائز سمجھ کر کیا تب تو اسلام سے خارج ہو گیا اس پر اسے توبہ اور تجدید ایمان لازم وضروری ہے اور شادی شدہ ہے تو تجدید نکاح بھی ضروری۔

نورالایضاح میں ہے:

"و إن ظهر بطلان صلاة امامه اعاد و يلزم الإمام إعلام القوم بإعادة صلوتهم بقدر التمكن في المختار.....و على رضي الله عنه صلى بالناس ثم تبين له أنه كان محدث فأعاد وأمرهم أن يعيدوا" (نور الإيضاح مع مراق الفلاح صفحه ١١٠، باب الإمامة)

اور ہندیہ میں ہے:

"وهی عندناسبعة: الطهارة من الاحداث والطهارةمن الانجاس وستر العورة واستقبال القبلة والوقت والنيةوالتحريمة." (هنديه ج:١ ص:٥٨)

اور ہدایہ میں ہے:

يجب علي المصلي أن يقدم الطهارة من الأحداث والانجاس ... قال الله تعالى "وثيابك فطهر "وقال الله تعالى "وإن كنتم جنبا فاطهروا"

(هدايه ج:١:ص:٩١/ كتاب الصلاة، مكتبه ياسر نديم اينڈ كمپنى ديوبند)

کتبـــ
مفتی محمد ندیم خان مصباحی مداری بیرم نگر میر گنج بریلی یوپی

الجواب صحیح

خوشنود خان مداری عفی عنہ

صدر المدرسین مدرسہ مدار العلوم گوونده پور بریلی وناظم اعلیٰ دار الافتا مداریہ

وطن کی قسمیں/نیز مسافر کس وطن میں قصر کرے گا اور کس میں نہیں؟

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

لائق صد احترام مفتیان دین وشرع متین کیا فرماتے ہیں کہ اگر زید کے والد مرحوم ایک مکان دلی میں ہے۔ زید کا اس میں ترکہ نکلتا ہے۔ لیکن وہ اس میں رہائش پذیر نہیں ہے اور اپنے کاروبار کے مقصد سے اس کا دلی آنا جانا لگا رہتا ہے۔ کبھی کبھی زید وہاں کسی دوسرے محلہ اپنے سالے صاحب کے ٹھہرتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ وہاں سے پرانی دلی میں بھی اپنے عزیز کے ٹھہرتا ہے۔ تب اس صورت میں اس قصر کے شرائط لاگو ہوں گے یا نہیں۔

براہ کرم قرآن کریم اور احدیث شریف کی روشنی میں مسئلہ کا حل عنایت فرمائیں۔ جزاک اللہ خیرا کثیرا

انوار صمدانی امروہہ یو۔پی

الجواب

وعلیکم السلام ورحمة الله وبرکاته

صورت مستفرہ میں زید کے والد مرحوم کا جو مکان دلی میں ہے جس میں اس کا ترکہ نکل رہا ہے وہ زید کا وطن اصلی نہیں ہے، لہذا جب تک زید کا ارادہ وہاں پندرہ دن یا اس زیادہ ٹھہرنے کا نہ ہو وہ مقیم نہ ہوگا بل کہ مسافر ہی رہے گا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ وطن کی تین قسمیں ہیں، ۱. وطن اصلی: اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں انسان کی پیدائش ہوئی ہو یا وہ جگہ جہاں انسان نے سکونت اختیار کرلی ہو اور یہ عزم وارادہ ہو کہ تازندگی وہیں رہے گا، یا وہ جگہ جہاں انسان کے اہل وعیال (گھر والے) مستقل رہائش پذیر ہوں، یا جہاں وہ شادی کرکے رہے، اسی طرح عورت کا میکہ بھی وطن اصلی ہوتا ہے. ۲. وطن اقامت: وہ جگہ جو قابل رہائش ہو، وہاں کوئی انسان پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرے. ۳: وطن سکنیٰ: وہ جگہ جہاں انسان پندرہ دن سے کم ٹھہرے، اس شرط کے ساتھ کہ وہ وطن اصلی کے حکم میں نہ ہو اسے وطن سکنی کہا جاتا ہے۔

لہٰذا دلی کا وہ مکان جو اسے اپنے والد مرحوم کے ترکہ سے مل رہا ہے اس پر وطن اصلی کی تعریف منطبق نہیں ہوتی، تو زید کا اپنے کاروبار کے مقصد سے دلی آنا اور سالے کے یہاں قیام پذیر ہونا اگر پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت سے ہو تو زید مقیم بن جائے گا، ورنہ مسافر ہی رہے گا، اور ایسے ہی پرانی دلی میں بھی اپنے عزیز کے یہاں ٹھہرتا ہے تو اگر وہاں بھی پندرہ دن ٹھہرنے کے ارادہ سے ہے تو وہ مقیم ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

واضح رہے مذکورہ بالا احکام اسی صورت میں جاری ہوں گے جب کہ زید کے ابائی وطن اور جائے سفر کے درمیان شرعی مسافت سفر (۹۲ر کلومیٹر) پائی جارہی ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ" (النساء ۱۰۱)

بدائع الصنائع میں ہے:

"ثم الاوطان ثلاثة: وطن اصلي: وهو وطن الإنسان في بلدته أو بلدة أخرى اتخذها دارا وتوطن بها مع أهله وولده، وليس من قصد الارتحال عنها، بل التعش بها، ووطن الإقامة: وهو ان يقصد الانسان أن يمكث في موضع صالح لاقامة خمسة عشر يوما أو أكثر، ووطن السكنى: وهو أن يقصد الانسان المقام في غير بلدته اقل من خمسة عشريوما".

(بدائع الصنائع ج۱:ص:٤٩٧، ٤٩٨/ كتاب الصلاة، فصل في بيان مايصير به المسافر مقيما، دارالكتب العلمية بيروت)

فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

"عبارة عامة المشائخ: الاوطان ثلاثة، وطن اصلي وهو مولد الرجل أو البلد الذي تأهل به، وطن سفر وقد سمي وطن إقامة وهو البلد الذي ينوي الإقامة فيه خمسة عشر يوما أو أكثر، وطن سكني: وهو البلد الذي ينوي الإقامة فيه دون خمسة عشر يوما".

(فتاوي عالم گیری ج:۱ص:۲۰۲، / كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر/ دارالفكر)

شامی میں ہے:

"(الوطن الاصلى) هو موطن ولادته أو تأهله أو توطنه ...قوله الوطن الأصلي ويسمي بالاهلي ووطن الفطرة والقرار، ح عن القهستاني قوله (أو تأهله) اي تزوجه... (أو توطنه) عزم علي القرار فيه وعدم الارتحال وإن لم يتأهل، فلو كان أبوان ببلدغيرمولده وهو بالغ ولم يتأهل به فليس ذلك وطناله، الا إذا عزم علي القرار فيه وترك الوطن الذي كان له قبله شرح المنية".

(ردالمحتارعلي الدرالمختار ج۲ص:٦١٤، / كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر / مطلب في الوطن الأصلي ووطن الإقامة، دارالكتب العلمية بيروت)

عمدۃ الرعایۃ شرحِ وقایہ میں ہے:

"وطن الإقامة ما ينوي فيه الإقامة خمسة عشر يوما فصاعدا، ولم يكن مولده ولا له أهل به."

(عمدة الرعاية شرح وقايه ج۲ ص:۳۱۲/ كتاب الصلاة، صلاة مسافر، دار الكتب العلمية) والله تعالیٰ اعلم.

کتبـــــــ

یعنی امام کوئی ایسا عمل نہ کرے جو حنفی اصول کے مطابق نماز فاسد کرنے والا ہو۔ اس کی بنیاد فقہ کی یہ عبارت ہے:

"وَإِذَا كَانَ صَلَاةُ الْإِمَامِ صَحِيحَةً عِنْدَ الْمُقْتَدِي فَجَائِزَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا: لَا تَصِحُّ وَبِهِ يُفْتَى" (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ج ١، ص ٥٦٣)

ترجمہ: اگر امام کی نماز مقتدی کے نزدیک صحیح ہو تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک وہ جائز ہے، جبکہ صاحبین (حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ) کے نزدیک نہیں جائز ہے، اور فتوے میں اسی پر عمل کیا جاتا ہے۔

یعنی امام اگر ایسا عمل کرے جو حنفی مسلک میں نماز کو باطل نہ کرے، تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اس کے پیچھے نماز جائز ہو گی، لیکن صاحبین کی رائے میں جائز نہیں۔

شرط (۲): وضو کے مسائل میں احتیاط:

شافعی مسلک میں عورت کو بلا حائل چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے جبکہ حنفی مسلک میں نہیں۔ اگر کسی شافعی امام نے ایسی حالت میں نماز پڑھائی کہ اس کے وضو کے ٹوٹنے کا احتمال ہو، تو حنفی مقتدی کی نماز صحیح نہیں ہو گی۔

"إِذَا صَلَّى الْحَنَفِيُّ خَلْفَ الشَّافِعِيِّ وَكَانَ الشَّافِعِيُّ يَرَى نَقْضَ الْوُضُوءِ بِمَا لَا يَنْقُضُ عِنْدَ الْحَنَفِيِّ فَلَا تَصِحُّ صَلَاةُ الْحَنَفِيِّ خَلْفَهُ" (البحر الرائق، ج ١، ص ٤٣٣)

ترجمہ: اگر حنفی، شافعی امام کے پیچھے نماز پڑھے اور شافعی امام ایسا وضو کرے جو حنفی کے نزدیک ناقص ہو، تو حنفی مقتدی کی نماز صحیح نہ ہو گی۔

شرط (۳): قراتِ فاتحہ کے اختلاف پر احتیاط:

شافعی مسلک میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے، جبکہ حنفی مسلک میں مقتدی کے لیے قرات نہ کرنا سنت ہے۔ اگر شافعی امام فاتحہ نہ پڑھنے والے مقتدی کی نماز کو فاسد سمجھے، تو یہ ایک مسئلہ بن سکتا ہے۔

"وَإِنْ كَانَ يُوجِبُ قِرَاءَةَ الْفَاتِحَةِ عَلَى الْمَأْمُومِ وَيَرَى بُطْلَانَ صَلَاتِهِ بِتَرْكِهَا فَإِنَّهُ لَا تَجُوزُ الصَّلَاةُ خَلْفَهُ" (رد المحتار، ج ١، ص ٥٦٤)

ترجمہ: اگر امام مقتدی پر سورہ فاتحہ واجب قرار دے اور اس کے ترک پر نماز کو باطل سمجھے، تو اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہو گی۔

شرط (۴): دیگر فقہی اختلافات کا لحاظ:

دیگر فقہی مسائل میں بھی اگر امام اور مقتدی کے مسلک میں بنیادی فرق ہو جو حنفی اصول کے مطابق نماز کو فاسد کر سکتا ہو، تو اس کا لحاظ ضروری ہے۔

خلاصہ: کب نماز جائز اور کب ناجائز؟

جائز ہو گی اگر:

۱. امام کی نماز حنفی اصول کے مطابق بھی درست ہو۔

۲. امام کا وضو ایسا نہ ہو جو حنفی مسلک میں ناقص سمجھا جاتا ہو۔

۳. امام ایسے فقہی اختلافات نہ کرے جو مقتدی کی نماز کو متاثر کریں۔

ناجائز ہو گی اگر:

۱. امام کا وضو ایسا ہو جو حنفی اصول کے مطابق ناقص ہو (مثلاً کسی عورت کو چھونا)۔

۲. امام مقتدی کی قراتِ فاتحہ نہ پڑھنے کو نماز کے لیے باطل سمجھے۔

۳. امام کوئی ایسا عمل کرے جو حنفی اصول کے مطابق نماز فاسد کر دے۔

اخری بات: اضطراری حالت میں جواز کی گنجائش:

اگر واقعی کوئی مجبوری ہو اور شافعی امام کی نماز حنفی اصول کے مطابق بھی درست ہو، تو اس کے پیچھے نماز ادا ہو جائے گی، البتہ ترجیح یہی ہے کہ حنفی مقتدی حنفی امام کے پیچھے نماز ادا کرے تاکہ فقہی اختلافات سے بچا جا سکے۔

ماخذ:

الدر المختار مع رد المحتار (ابن عابدین)
البحر الرائق (ابن نجیم)
الفتاویٰ الہندیہ (عالمگیری) فقط ھٰذا ما ظھر لی والعلم عند ربی وھو اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

بھول کر قنوت نہ پڑھی، رکوع میں یاد آیا تو کیا کرے؟

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین شرع متین مسئلۂ ھٰذا میں کہ امام نے وتر میں دعا قنوت نہ پڑھی اور رکوع میں چلا گیا پھر مقتدی نے لقمہ دیا امام نے لقمہ لیا اور کھڑے ہو کر دعاء قنوت پڑھی اور رکوع کیا اور بغیر سجدۂ سہو کے سلام پھیر دیا تو نماز ہو گی یا نہیں؟ بینوا توجروا.

العارض: محمد ناظر خاں، بیرم نگر بریلی یوپی

الجواب

جب امام نے دعاے قنوت نہ پڑھی، اور رکوع میں چلا گیا تو اسے مقتدی کے لقمہ پر دوبارہ قیام کی طرف لوٹنے کی ضرورت نہیں تھی، بلکہ اخیر میں سجدۂ سہو سے ترک قنوت کی تلافی ہو جاتی، لیکن وہ رکوع سے دوبارہ قنوت پڑھنے کے لیے واپس ہوا اور قنوت پڑھ کر نماز پوری کی، اس صورت میں بھی اس کی نماز فاسد نہ ہوئی، البتہ قنوت کو غیر محل میں اور تاخیر سے پڑھنے کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوا، لیکن صورت مستفسرہ میں امام نے سجدۂ سہو نہیں کیا، اس لیے نماز واجب الاعادہ ہو گی، اور نماز دوبارہ ادا کرنا واجب ہو گا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"ومنها القنوت فإذا تركه يجب عليه السهو و تركه يتحقق برفع رأسه من الركوع"

[الفتاوى الهندية، ج:١، ص:١٤١، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، دار الكتب العلمية بيروت]

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

"أكثر المشايخ على أن سجود السهو يجب بستة أشياء:بتقديم ركن، و بتأخير ركن و بتكرار ركن و بتغيير واجب و بترك واجب و بترك سنة يضاف إلى جميع الصلاة"

[الفتاوى التاتارخانية، ج:١، ص:٥١٧، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر فى سجود السهو، نوع آخر فى بيان ما يجب به سجود السهو و ما لا يجب، دار احياء التراث العربي بيروت]

اسی میں ہے:

"و أما السهو فى القنوت إن ترك القنوت ساهيا ثم تذكر بعد ما سجد لا يعود إلى القيام فى هذه الصورة و لا يقنت، بل يمضي فى صلاته و يسجد للسهو فى آخره"

[الفتاوى التتارخانية، ج:١، ص:٥٢٢، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر فى سجود السهو، نوع آخر فى بيان ما يجب به سجود السهو و ما لا يجب، دار احياء التراث العربي بيروت]

در مختار میں ہے:

"(ولو نسيه) أی القنوت (ثم تذكره فی الركوع، لا يقنت) فيه لفوات محله. (و لا يعود إلى القيام) فی الأصح، لأن فيه رفض الفرض للواجب (فإن عاد إليه و قنت و لم يعد الركوع، لم تفسد صلاته) لكون ركوعه بعد قراءة تامة (و سجد للسهو) قنت أو لا لزواله عن محله." [در مختار مع تنوير الأبصار، ج:٢، ص:٤٤٦، ٤٤٧، كتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل، دار عالم الكتب رياض] والله تعالىٰ اعلم.

کتبـــــــ

الجواب

تراویح کے بعد بارگاہ رسالت ماب ﷺ میں اجتماعی طور پر صلات وسلام پڑھنا جائز و مستحسن ہے، اس کے حرام ہونے پر کوئی دلیل نہیں، البتہ اس کا حکم فقط جواز تک محدود ہے، لہذا اگر یہ عمل واجب یا فرض سمجھ کر کیا جاتا ہے، تو یہی عمل مباح اب مکروہ ہو جائے گا، اور اسے نہ کرنے کا حکم ہو گا، اور اگر جائز و مستحسن سمجھ کر کیا جاتا ہے، تو کوئی حرج نہیں، بلکہ باعث برکت ہے، اور امام صاحب اس لیے منع کرتے ہیں کہ عوام اسے واجب یا فرض سمجھ کر کرتی ہے، یا واجب یا فرض سمجھ لینے کا ڈر ہے، تو امام صاحب کا منع کرنا درست ہے، اس پر عمل بجالانا چاہیے۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا"

[سورة الأحزاب:٥٦]

رد المحتار میں ہے:

"الاصل فی الأشیاء الإباحة، ففی تحریر ابن الهمام: المختار الإباحة عند جمهور الحنفیة و الشافعیة" [رد المحتار، ج:٦، ص:٢٦٨، کتاب الجهاد، باب استیلاء الکفار، دار عالم الکتب ریاض]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"وأما إذا سجد بغیر سبب، فلیس بقربة، ولا مکروه، وما یفعل عقیب الصلاة، مکروه؛ لأن الجهال یعتقدونها سنة، أو واجبة، وکل مباح یؤدي إلیه فمکروه"

[الفتاوی الهندیة، ج:١، ص:١٥٠، کتاب الصلاة، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوة، دار الکتب العلمیة بیروت]

فیض القدیر میں ہے:

"من أصر علی أمر مندوب و جعله عزما و لم یعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال" [فیض القدیر، ج:٢، ص:٢٩٣، دار المعرفة بیروت] واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبـــــــ

تراویح بیس رکعات یا آٹھ رکعات؟

کیا فرماتے ہیں مفتیان دین و شرع متین مسئلہ جو گردش کر رہا ہے کہ سعودی حکومت نے امسال اٹھ رکعات تراویح کا اغاز کرایا، اور حرمین شریفین میں بیس رکعات تراویح کے بجاے اٹھ رکعات تراویح ادا کی جارہی ہے، تراویح اٹھ رکعات ہے یا بیس رکعات، مدلل جواب سے نواز کر ممنون و مشکور ہوں۔

سائل: انجمن غلامان اہل بیت و صحابہ، گوالیار ایم پی

الجواب

تراویح بالاجماع بیس رکعات سنت مؤکدہ ہے، اور اسی پر خلفاے راشدین اور جملہ صحابہ و اہل بیت کا عمل تھا، اور یہی جمہور اکابر امت کا موقف ہے، اس کے بر خلاف اٹھ رکعات کا قول یا عمل فقط ضلالت اور گمراہی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

"فانه من يعش منكم بعدي، فسيرى اختلافا كثيرا، فعليكم بسنتي و سنة الخلفاء المهديين الراشدين من بعدي، تمسكوا بها و عضوا عليها بالنواجذ"

[سنن أبى داؤد، ج:٥، ص:١٣، كتاب السنة، باب فى لزوم السنة، رقم الحديث: ٤٦٠٧، دار ابن حزم]

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

"وإنما ثبت العشرون بمواظبة الخلفاء الراشدين ما عدا الصديق رضي الله تعالى عنهم، ففى البخاري فتوفى رسول الله ﷺ و الأمر على ذلك فى خلافة أبى بكر و صدر من خلافة عمر حين جمعهم عمر على أبي بن كعب فقام بهم فى رمضان، فكان ذلك أول إجتماع الناس على قارئ واحد فى رمضان كما فى فتح الباري، و بالجملة فهي سنة رسول الله ﷺ سنها لنا و ندبنا إليها، و كيف لا و قد قال ﷺ: عليكم بسنتى و سنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدي، عضوا عليها بالنواجذ.و روى أبو نعيم من حديث عروبة الكندي أن رسول الله ﷺ قال:ستحدث بعدي أشياء، فأحبها إلي أن تلزموا ما أحدث عمر"

[حاشية الطحطاوي على مراقى الفلاح، ص: ٤١١، كتاب الصلاة، فصل فى سجود السهو، دار الكتب العلمية بيروت]

رد المحتار میں ہے:

" (و هي عشرون ركعة) هو قول الجمهور و عليه عمل الناس شرقا و غربا"

[رد المحتار مع در مختار، ج:٢، ص:٤٩٥، كتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل، مبحث:صلاة التراويح، دار عالم الكتب رياض]

حلبی کبیر میں ہے:

"(التراويح عشرون ركعة بعشر تسليمات) علم من هذه المسألة أن التراويح عندنا عشرون ركعة بعشر تسليمات" [غنية المتملي شرح منية المصلي، ج:٢، ص:١٩١، ١٩٢، كتاب الصلاة، تتمة سنن الصلاة، فصل فى التراويح، دار الكتب العلمية بيروت]

البحر الرائق میں ہے:

"و ذكر فى الإختبار أن أبا يوسف سأل أبا حنيفة عنها و ما فعله عمر فقال: التراويح سنة مؤكدة و لم يتخرجه عمر من تلقاء نفسه و لم يكن فيه مبتدعا و لم يأمر به إلا عن أصل لديه و عهد من رسول الله ﷺ"

[البحر الرائق، ج:٢، ص:١١٦، ١١٧، كتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل، دار الكتب العلمية بيروت]

علامہ قسطلانی ارشاد الساری شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

"و المعروف و هو الذي عليه الجمهور أنه عشرون ركعة بعشر تسليمات و ذلك خمس ترويحات كل ترويحة أربع ركعات بتسليمتين غير الوتر و هو ثلاث ركعات"

[إرشاد الساري شرح الصحيح البخاري، ج:٣، ص:٤٢٦، المطبعة الكبرى بولاق مصر ١٣٠٦ھ]

محقق علی الاطلاق شیخ عبد الحق محدث دہلوی "ماثبت من السنۃ" میں تحریر کرتے ہیں:

"فعندنا هي عشرون ركعة لما روى البيهقي بإسناد صحيح أنهم كانوا يقومون على عهد عمر بعشرين ركعة و فى عهد عثمان و علي مثله و الذى استقر عليه الأمر و اشتهر من الصحابة و التابعين و من بعدهم هو العشرون" [ما ثبت من السنة فى أيام السنة، شهر رمضان، الفصل الأول فى تعداد ركعاتها، دار الكتب العلمية بيروت] والله تعالیٰ و رسوله ﷺ اعلم.

کتبـــــــ

تراویح مستحب یا سنت مؤکدہ؟

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیان شرع متین کہ زید کہتا ہے کہ تراویح پڑھنا نفلی نماز کی طرح مستحب ہے، جبکہ بکر کا کہنا ہے کہ تراویح پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، دونوں میں کون درست ہے؟

سائل: نسیم احمد، مرادآباد

الجواب

ماہ رمضان المبارک کے انتیس یا تیس دن تک تراویح پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، لہذا بکر کا کہنا درست ہے، اور زید اپنے قول سے رجوع کرے۔

در مختار میں ہے:

"التراويح سنة مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين للرجال و النساء إجماعا"

[در مختار، ج: ۲، ص:۳۹٤، كتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل، دار عالم الكتب رياض]

مجمع الانہر میں ہے:

"التراويح سنة مؤكدة فى كل ليلة من رمضان بعد العشاء قبل الوتر و بعده بجماعة عشرون ركعة إلخ..."

[مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبهر، ج:۱، ص:۲۰۲، كتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل، دار الكتب العلمية بيروت]

مراقی الفلاح میں ہے:

"(التراويح سنة) كما فى الخلاصة، و هي مؤكدة كما فى الاختيار و روى أسد بن عمرو عن أبى يوسف قال سألت أبا حنيفة عن التراويح و ما فعله عمر رضي الله عنه فقال:التراويح سنة مؤكدة"

[مراقى الفلاح على نور الإيضاح، ص: ١١٤ كتاب الصلاة، فصل فى صلاة التراويح، دار الكتب العلمية بيروت]

فقہ کے عام متون و شروح میں یہی صراحت و وضاحت موجود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبہ

احقر العباد تسلیم مداری مصباحی علیگ عفی عنہ
۵/ رمضان المبارک ۱۴۴۳ھ

الجواب صحیح
خوشنود خان مداری غفرلہ
صدر المدرسین مدرسہ مدار العلوم گوونده پور بریلی و ناظم اعلیٰ دار الافتا مداریہ

تراویح میں بھول سے دو کی بجائے چار رکعت پڑھنا

سوال: تراویح میں ایک ترویحہ میں کسی امام نے بھول سے دو رکعت کی جگہ تین رکعت پڑھ دی اور سلام پھیر دیا تو کیا نماز واجب الاعادہ ہو گی یا سجدہ سہو سے نماز ہو جائے گی تفصیلی جواب مع حوالہ چاہئے مہربانی ہو گی۔
سائل۔ قاری بلال احمد داڑھن کی مسجد مکنپور شریف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب

اگر کسی امام نے تراویح میں بھول کر دو رکعت کے بجائے تین رکعت پڑھ لیں اور سلام پھیر دیا تو اس صورت میں نماز واجب الاعادہ ہو گی، کیونکہ نفل نماز (جس میں تراویح بھی شامل ہے) کو دو، دو رکعت کر کے پڑھنا مسنون اور مشروع ہے۔ اگر کوئی نفل نماز تین رکعت کی صورت میں پڑھی جائے تو وہ صحیح نہیں ہوتی، کیونکہ یہ وتر کی مشابہت اختیار کر لیتی ہے، جبکہ وتر کو مخصوص طریقے سے ادا کرنا واجب ہے۔

۱. حدیث شریف میں ہے:
نبی کریم ﷺ نے فرمایا:
"صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى" (صحيح بخاری: ۹۹۰، صحيح مسلم: ۷۴۹)
"ترجمہ: رات کی نماز دو، دو رکعت کر کے ہے۔"
اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ نفل نماز، بشمول تراویح، دو رکعتوں کی تعداد میں پڑھی جائے گی۔ اگر کسی نے بھول کر تین رکعت پڑھ لیں تو اس کی نماز کے اندر عدد (تعداد) کی خرابی پیدا ہو گئی، جو اس کے بطلان کا سبب بنے گی۔

۲. فقہاء کی تصریحات:
امام ابن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
"وَإِنْ صَلَّى التَّطَوُّعَ أَكْثَرَ مِنْ رَكْعَتَيْنِ، لَمْ يُجْزِئْهُ، لِأَنَّهُ لَمْ يَرِدْ بِهِ الشَّرْعُ، فَيَكُونُ بَاطِلًا كَمَا لَوْ صَلَّى الْفَرِيضَةَ خَمْسًا." (المغنی، ۲/۹۲)

"**ترجمہ:**: اگر کسی نے نفل نماز دو رکعت سے زیادہ (بیک وقت) پڑھی تو وہ کافی نہ ہوگی، کیونکہ شریعت میں اس کی اجازت نہیں، لہٰذا وہ نماز باطل ہو جائے گی، جیسے فرض نماز اگر پانچ رکعت پڑھی جائے تو وہ درست نہیں ہوگی۔"

۳. فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"وَإِنْ زَادَ فِي صَلَاةِ التَّرَاوِيحِ رَكْعَةً سَهْوًا، فَسَدَتْ صَلَاتُهُ، وَعَلَيْهِ أَنْ يُعِيدَهَا."

(الفتاوىٰ الهنديه، ۱/ ۱۱۷)

"**ترجمہ:** اگر کسی نے تراویح کی نماز میں سہواً ایک رکعت زیادہ پڑھ لی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اس پر لازم ہے کہ وہ دوبارہ پڑھے۔"

کیا سجدہ سہو کافی ہوگا؟

سجدہ سہو صرف ان غلطیوں کی اصلاح کے لیے ہے جو نماز کے اندر ترکِ واجب یا زیادتی کی صورت میں واقع ہوں، بشرطیکہ وہ نماز کے بنیادی اصولوں (مثلاً رکعات کی تعداد) کو نہ بدلیں۔ لیکن یہاں تین رکعت پڑھنے سے نماز کی اصل ہیئت بدل گئی ہے، جس کی اصلاح سجدہ سہو سے نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ایسی صورت میں نماز کا اعادہ کرنا ضروری ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر امام نے غلطی سے تراویح میں دو کے بجائے تین رکعت پڑھیں اور سلام پھیر دیا، تو وہ نماز باطل ہو جائے گی اور اس کا اعادہ ضروری ہوگا۔ سجدہ سہو سے اس غلطی کی تلافی نہیں ہوگی، بلکہ دوبارہ دو، دو رکعت کرکے نماز پڑھنی ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب هذا ماظهر لی والعلم عند ربی وهو اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

اذان ہوئے بغیر سنتیں پڑھ لینے کا حکم

السلام علیکم ورحمة الله و برکاته

کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں اگر کوئی شخص مسجد میں داخل ہوا اور وقت ظہر شروع ہو گیا ہو مگر ظہر کی نماز کے لیے مسجد میں اذان نہ دی گئی ہو اس صورتحال میں اگر کوئی شخص اذان سے پہلے سنت ادا کر لے اس کے بعد فرض نماز امام کے ساتھ ادا کرے اب کیا اس شخص کی سنت ادا ہو گی یا نہیں جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

خادم حمد الطاف نظامی

الجواب

صورت مسئولہ میں نماز درست ہوئی، اذان دینا فرائض پنج گانہ باجماعت کے لیے سنت مؤکدہ ہے، یہاں تک کہ اگر وہ فرض بھی بغیر اذان کے پڑھ لیتا، تو نماز جائز ہو جاتی، لیکن ایسا کرنا مکروہ اور برا ہے۔

مبسوط میں ہے:

"و إن صلى أهل المصر بجماعة بغير أذان و لا إقامة فقد أساؤا لترك سنة مشهورة و جازت صلاتهم لأداء أركانها و الأذان و الإقامة سنة"

[مبسوط للسرخسي، ج:١، ص:١٢٢، دار المعرفة بيروت]

محیط برہانی میں ہے:

"وذكر الإمام الصفار:و إن صلوا بغير أذان و إقامة و جماعة يجوز، لأن فعل النبي عليه الصلاة و السلام يدل على الجواز و لا يدل على الوجوب"

[محيط برهاني، ج:٢، ص:١٠٠، ١٠١، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض و الواجبات و السنن، ادارة القرآن]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"الأذان سنة لأداء المكتوبات بالجماعة كذا في فتاوى قاضي خان وقيل إنه واجب و الصحيح أنه سنة مؤكدة كذا في الكافي و عليه عامة المشايخ هكذا في المحيط...و ليس لغير الصلوات الخمس و الجمعة نحو السنن و الوتر و التطوعات و التراويح و العيدين

أذان" [فتاوی عالمگیری، ج:۱، ص:۵۹، کتاب الصلاۃ، الباب الثانی فی الاذان، الفصل الاول فی صفته و أحوال المؤذن، دار الکتب العلمیه بیروت لبنان] واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبـــــــ

تاخیر میں بھی سجدہ سہو واجب ہونا چاہیے کیونکہ وہاں پر بھی تسبیحات کے واسطے سے قومہ اور جلسہ جو کہ واجب ہیں ان کی ادائیگی میں تاخیر پائی جارہی ہے لہذا یہاں پر بھی واجب ہونا چاہیے، لیکن اس صورت میں فقہاء نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ سجدہ سہو واجب نہیں۔

اقوال فقہاء کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

السائل۔ حافظ محمد عاطف قادری۔ قادری منزل، ساکن بہیڑی ضلع بریلی شریف

وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَمَنْ وَالَاهُ، اَمَّا بَعْدُ:

سوال کا خلاصہ:

اپ نے دریافت فرمایا کہ: تاخیرِ سُنَّت سے سجدۂ سہو واجب نہیں۔ لیکن بعض مواقع پر جیسے ثناء، امین، درود شریف وغیرہ میں تاخیر سے سجدۂ سہو واجب کہا گیا۔ اگر یہ وجہ ہو کہ فرض یا واجب میں تاخیر ہوئی تو پھر رکوع یا سجدہ کی تسبیحات میں تاخیر سے بھی سجدۂ سہو واجب ہونا چاہیے کیونکہ اس سے قومہ یا جلسہ کی ادائیگی میں تاخیر ہوتی ہے۔ تو پھر دونوں میں فرق کیا ہے؟

الجواب۔ اللّٰهم هداية الحق والصواب

فقہاءِ احناف کا معتمد قول:

اصل قاعدہ:

تکبیراتِ انتقال اور اذکار و تسبیحات خود سنت ہیں۔ ان کی ادائیگی میں تاخیر، بشرطیکہ خاموشی اختیار کی گئی ہو، واجب میں تاخیر شمار نہیں ہوتی۔ لیکن اگر قراءت (جو فرض ہے) یا سورت ملانا (جو واجب ہے) یا قعدۂ اخیرہ میں سلام (جو واجب ہے) ان میں تاخیر ہو تو اس تاخیر کی وجہ سنت نہیں بلکہ فرض و واجب کا موخر ہونا ہے، اس لئے سجدۂ سہو واجب ہے۔

دلائل فقہیہ:

الدُّرُّ الْمُخْتَارِ میں ہے:

«تَأْخِيرُ السُّنَّةِ عَنْ وَقْتِهَا لَا يُوجِبُ السَّهْوَ.»

(الدُّرُّ الْمُخْتَار مع رد المحتار، ج۲، ص٦٧٧، باب سُجود السَّهْو، دار الفكر)

فرق کی وضاحت:

الدر المنتقیٰ میں ہے:

«فَلَوْ سَكَتَ فِي رُكُوعٍ أَوْ سُجُودٍ حَتَّى فَاتَ التَّسْبِيحُ لَا سَهْوَ عَلَيْهِ؛ لِأَنَّهُ سُنَّةٌ.»

(الدر المنتقى مع مجمع الأنهر، ج۱، ص۲۲۷، بيروت)

علامہ شامی علیہ الرحمۃ وضاحت کرتے ہیں:

«فَإِنْ أَخَّرَ الثَّنَاءَ فَأَخَّرَ بِسَبَبِهِ الْقِرَاءَةَ وَهِيَ فَرْضٌ أَوِ السُّورَةَ وَهِيَ وَاجِبٌ، وَنَحْوَهُ وُجِبَ السُّجُودُ لِتَأْخِيرِ الْفَرْضِ أَوِ الْوَاجِبِ، لَا لِتَأْخِيرِ السُّنَّةِ.» (رد المحتار، ج۲، ص٦٧٧)

اگر تاخیر سے صرف سنت میں خلل آئے تو سجدۂ سہو واجب نہیں۔

اگر تاخیر سے فرض یا واجب میں خلل آئے تو سجدۂ سہو واجب ہے۔

رکوع وسجدہ کی تسبیحات میں تاخیر کی تخصیص:

فقہاءِ کرام فرماتے ہیں:

«وَإِذَا سَكَتَ فِي الرُّكُوعِ أَوِ السُّجُودِ بَعْدَ التَّكْبِيرِ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ؛ لِأَنَّهُ تَأْخِيرُ سُنَّةٍ.»

(مجمع الأنهر، ج۱، ص۲۲۷)

یعنی یہاں اصل رکن یعنی رکوع یا سجدہ ادا ہو رہا ہے، خاموشی یا سوچنے کی صورت میں تسبیح مؤخر ہوئی، لیکن رکن (رکوع یا سجدہ) قائم ہے، اس لئے واجب میں تاخیر نہیں۔

اصلی فرق:

قراءت، سورت اور سلام: یہ اصل فرض یا واجب افعال ہیں، ان کا موخر ہونا حقیقی خلل ہے۔

قومہ اور جلسہ: یہ واجب ہیں لیکن ان میں تاخیر تب ہوگی جب کوئی اور غیر ضروری فعل آئے۔ محض رکوع یا سجدہ کو طول دینا تاخیر نہیں بلکہ رکن کو طول دینا ہے جو درست ہے۔

قومہ اور جلسہ میں اصل مطلوب قیام اور بیٹھنا ہے، نہ کہ ان میں مخصوص ذکر۔ ذکر سنت ہے، اس لئے ذکر کے ترک سے واجب کو مؤخر نہیں کہا جاتا۔

خلاصۂ جواب:

تسبیحات ترک یا مؤخر ہونے سے قومہ یا جلسہ مؤخر نہیں ہوتے کیونکہ قومہ اور جلسہ کی حقیقت جسمانی

قیام یا جلوس ہے۔ اس کا وجود برقرار رہتا ہے، اس لئے سجدۂ سہو واجب نہیں۔

ثناء، امین، درود وغیرہ کے ذریعہ فرض قراءت یا واجب سورت یا سلام کو مؤخر کیا گیا تو یہاں تاخیر اصل فرض یا اصل واجب کی ہوئی، اس لئے سجدۂ سہو واجب ہے۔

حکم شرعی:

- تاخیر سنت محض سے سجدۂ سہو لازم نہیں۔
- اگر تاخیر سے فرض یا واجب مؤخر ہو تو سجدۂ سہو لازم ہوگا۔
- رکوع و سجود کی تسبیحات کی تاخیر سے قومہ و جلسہ مؤخر نہیں ہوتے بلکہ رکن برقرار رہتا ہے۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

کتبـــــــ

"قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ"

ایت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مسجد حرام یعنی قبلہ کی جانب رخ کرنے کا حکم دیا ہے۔ استقبال قبلہ صحت نماز کے لیے شرط ہے، استقبال قبلہ پر قادر ہونے کے باوجود کوئی بندہ کسی اور طرف رخ کر کے نماز ادا کرے تو اس کی نماز درست نہیں ہو گی۔

فتاویٰ ہندیہ جلد اول میں شرائط نماز شمار کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

"و هی عندنا سبعة الطهارة من الاحداث والطهارة من الانجاس و ستر العورة و استقبال القبلة والوقت والنية والتحريمة."

(فتاوی عالمگیری، ج:۱، ص:٦٤، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، دار الکتب العلمیه بیروت)

اور کتاب الفقہ جلد اول کتاب الصلوۃ میں مذکور ہے:

"وقد أجمع المسلمون على ان استقبال القبلة شرط من شروط صحة الصلاة."

(کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة، ج:۱، ص:۱۷۳، کتاب الصلاة، دلیل اشتراط استقبال القبله، دار الفکر بیروت)

اور بحر الرائق جلد دوم میں استقبال قبلہ کے مسائل کے تحت تحریر ہے:

"و قيد بترك القيام. لانه لو ترک استقبال وجهه الى القبلة وهو قادر عليه، لا يجزيه فی قولهم جميعا. فعليهم ان يستقبلوا بوجوههم القبلة كلما دارت السفينة يحول وجهه إلى هٰكذا فی الإستيجابی."

(البحر الرائق، ج:۲، ص:۲۰۷، کتاب الصلاة، باب صلاة المریض، دار الکتب العلمیه بیروت)

صورت مسئولہ میں زید اگر استقبال قبلہ کو چھوڑ کر مدینہ شریف کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا ہے تو اسکی نماز درست نہیں ہو گی۔

اور زید صرف سنت نماز پڑھتا ہے اور فرض نماز نہیں پڑھتا تو سخت گنہگار ہے اور مستحق نار ہے فرض نماز پہلے ہے سنن و نوافل بعد میں، قیامت کے دن حقوق اللہ میں پہلا سوال فرض نماز کا ہو گا اس تعلق سے احادیث کی کتب میں کثرت سے روایات موجود ہیں چنانچہ سنن ابن ماجہ جلد دوم میں ہے:

"أخبرهم انی سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم يقول إن أول ما يحاسب به

العبد المسلم يوم القيامة الصلوة المكتوبة" (سنن ابن ماجه، ج:۲، ص:۱۹۷، كتاب اقامة الصلاة و السنة فيها، باب ماجاء فی اول ما يحاسب به العبد الصلاة، رقم:۱٤۲٥، دار الكتب العلميه بيروت)

اور ترمذی شریف کتاب الصلوۃ باب ماجاء ان اول مایحاسب بہ العبد یوم القیامۃ الصلوۃ کے تحت روایت ہے:

"عن ابی هريرة رضی الله تعالی عن قال سمعت رسول الله صلی الله عليه و سلم يقول إن أول ما يحاسب به العبد يوم القيامة من عمله صلاته فان صلحت فقد أفلح و أنجح و ان فسدت فقد خاب و خسر فان انتقص من فريضته شیء قال الرب انظروا هل لعبدی من تطوع ؟ فيكمل بها ما انتقص من الفريضة ثم يكون سائر عمله علی ذلک."

(سنن الترمذی، ص:۱۲٦، دار الكتب العلميه بيروت)

مذکورہ روایت سے معلوم ہوا کہ سنن و نوافل فرض کی کمی کو پورا کرنے کے لئے ہیں اور جو شخص فرض ہی نہ پڑھتا ہو تو وہ سنن و نوافل سے کس کمی کو پورا کرے گا۔ زید تارک فرض ہونے کی وجہ سے مرتکب گناہ کبیرہ ہے اور اگر معاذ اللہ فرض نماز کی فرضیت کا منکر ہے تو کافر ہے، اور زید کے استقبال قبلہ کو چھوڑنے کی وجہ پوچھنے پر یہ کہنا کہ ہم اپ سے کچھ نہیں کہتے اپ بھی ہم سے کچھ نہ کہو یہ جہالت ہے اگر پوچھنے والے سے کوئی اختلاف ہے تو اس کی جگہ اپنے پسندیدہ عالم دین سے اپنے اس فعل کے تعلق سے معلومات کر کے اپنی اصلاح کرے۔ واللہ اعلم بالصواب.

کتبـــ

الجواب

وعلیکم السلام و رحمة اللہ و برکاته

قعدۂ اخیرہ میں امام بقدر تشہد بیٹھ چکا تھا کہ مقتدی پر ریاح کا غلبہ ہوا تو وہ اس عذر کے باعث سلام کے ذریعہ نماز سے نکل جائے؛ نماز ہو جائے گی، چوں کہ بقدر فرض مقتدی بیٹھ چکا ہے، یعنی بقدر تشہد بیٹھنا فرض تھا، وہ حاصل ہو چکا اور امام کی متابعت جو واجب تھی، وہ عذر کے باعث ساقط ہو گئی۔

چناں چہ در مختار میں ہے

"ولو أتمه قبل امامه جاز وكره" اهـ (درمختار ج: ۲ ص: ۲۹۲؛داراحیاء التراث العربی)

ردالمحتار میں اس کے تحت مرقوم ہے:

وانما كره للمؤتم ذلک لتركه متابعة للامام بلا عذر؛ فلو به كخوف حدث او خروج وقت جمعة او مرور مار بين يديه فلا كراهة "اهـ

(ردالمحتار ج: ۲؛ ص: ۲۹۲؛ دار احیاء التراث العربی)

مراقی الفلاح میں ہے:

"وكره سلام المقتدی بعد تشهد الامام لوجود فرض القعود قبل سلامه لتركه المتابعة وصحت صلاته"

اس کے تحت حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

"الا ان يكون القيام لضرورة صون صلاته عن الفساد كخوف حدث لوانتظر السلام و خروج وقت فجر و جمعة وعيد و معذور وتمام مدة مسح ومرور مار بين يديه؛ فلا يكره حينئذ ان يقوم بعد القعود قدر التشهد قبل السلام " اهـ . (الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص:۳۱۱، كتاب الصلاة فصل فيما يفعله المقتدی،دارالكتب العلمية بيروت) والله تعالیٰ اعلم بالصواب .

كتبـــــــ

مقتدی کا امام سے پہلے سلام پھیرنا

کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان شرع متین در مسئلہ ذیل کہ مقتدی نے بلا عذر امام سے پہلے سلام پھیر دیا تو کیا حکم ہے۔ بینوا و توجروا.

المستفتی۔ چاند بابو قریشی بیرم نگر میر گنج بریلی

الجواب

مقتدی کا امام سے پہلے بلا عذر سلام پھیر دینا مکروہ تحریمی اور نماز واجب الاعادہ ہے اور اگر بقدرِ تشہد بیٹھنے سے پہلے اس نے سلام پھیر دیا تو نماز نہیں ہوگی۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ولو قام فی غیرها بعد قدر التشهد صح و یکره تحریما کذا فی فتح القدیر والبحر الرائق وان قام قبل ان یقعد قبل التشهد لم یجز. اهـ

(الفتاوی الهندیه، کتاب الصلوة؛ الباب الخامس فی الامامة؛ الفصل السابع فی المسبوق واللاحق، ج۱، ص: ۱۴۹، ط المکتبه الاشرفیه، دیوبند الهند)

ردالمحتار میں اس کے تحت مرقوم ہے:

وانما کره للمؤتم ذلك لترکه متابعة للامام بلا عذر، فلو به کخوف حدث او خروج وقت جمعة او مرور مار بین یدیه فلا کراهة. اهـ

(ردالمحتار، ج۲: ص: ۲۹۲؛ دار احیاء التراث العربی) واللہ اعلم.

کتبـــــــ

صف میں اکیلے کھڑے ہونے والے کی نماز ہوگی یا نہیں؟

مسئلہ: اگر کسی شخص نے جماعت میں صف مکمل ہونے کی صورت میں پچھلی صف میں اکیلے کھڑے ہو کر نماز ادا کی تو کیا اس کی نماز ہو جائے گی؟ ہم نے سنا ہے کہ آگے والی صف میں سے کسی کو کھینچ لینا چاہیئے اکیلے کھڑے نہیں ہو سکتے۔

سید نوازش علی، مکن پور شریف کانپور نگر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب۔ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

اگر کوئی شخص جماعت کے دوران پچھلی صف میں اس حال میں اکیلا کھڑا ہو کہ اگلی صف مکمل ہو چکی ہو اور کسی جگہ سے اس کے لیے داخل ہونا ممکن نہ ہو، تو ایسے شخص کی نماز صحیح ہے، فاسد نہیں، البتہ تنہا کھڑا ہونا مکروہِ تنزیہی ہے۔

ایسے موقع پر صف توڑ کر کسی کو پیچھے کھینچنا جائز نہیں، کیونکہ یہ دوسرے نمازی کی جماعت فوت ہونے کا سبب بن سکتا ہے، اور صف توڑنا مکروہِ تحریمی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

"عَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَجُلًا يُصَلِّي خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهُ، فَأَمَرَهُ أَنْ يُعِيدَ." (سنن أبي داود: ٦٨٢، سنن الترمذي: ٢٣٠)

ترجمہ: حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھتے دیکھا تو آپ نے اسے نماز دوبارہ پڑھنے کا حکم دیا۔

وضاحت:

احناف کے نزدیک یہ حدیث اس شخص کے لیے ہے جس نے بلا عذر صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھی، حالانکہ صف میں داخل ہونے کی گنجائش موجود تھی۔ اگر صف مکمل ہو چکی ہو اور جگہ نہ ہو، تو حدیث کا حکم لاگو نہیں ہوتا۔

فقہ حنفی کی بنیادی کتب سے اقوال:

البحر الرائق میں علامہ ابن نجیم حنفی فرماتے ہیں:

" وَلَا يَكْرَهُ وُقُوفُهُ وَحْدَهُ فِي صَفٍّ قَدِ امْتَلَأَ، لِأَنَّهُ تَرَكَ الْجَمَاعَةَ فِي غَيْرِ وَقْتِ الْكَرَاهَةِ، فَلَا تَكُونُ مَكْرُوهَةً." (البحر الرائق ، الجزء الثاني، ص: ٤٤، دار الكتب العلمية)

ترجمہ: اگر صف بھر چکی ہو تو اکیلے کھڑا ہونا مکروہ نہیں، کیونکہ اس نے کسی مکروہ وقت میں جماعت ترک نہیں کی۔

الدر المختار مع رد المحتار (فتاویٰ شامی) میں ہے:

" وَلَوْ وَقَفَ وَحْدَهُ وَالصَّفُّ قَدِ امْتَلَأَ لَمْ يُكْرَهْ. قَالَ فِي الْبَزَّازِيَّةِ: إِنِ امْتَلَأَ الصَّفُّ فَوَقَفَ وَحْدَهُ لَا يُكْرَهُ، وَإِنْ لَمْ يَمْتَلِئْ يُكْرَهُ."

(الدر المختار مع رد المحتار الجزء الأول، ص: ٥٦٦، دار الفكر)

ترجمہ: اگر صف پوری ہو چکی ہو اور کوئی شخص اکیلا کھڑا ہو جائے تو مکروہ نہیں۔ لیکن اگر صف میں جگہ ہو اور وہ پھر بھی اکیلا کھڑا ہو تو مکروہ ہے۔

الفتاوی الہندیۃ (الفتاویٰ عالمگیری) میں ہے:

"وَإِذَا امْتَلَأَتِ الصُّفُوفُ فَصَلَّى رَجُلٌ وَحْدَهُ لَا يُكْرَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ تُكْرَهُ." (الفتاوى الهندية الجزء الأول، ص: ٨٨، دار الفكر)

ترجمہ: اگر صفیں بھر چکی ہوں اور ایک شخص اکیلا نماز پڑھے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکروہ نہیں، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکروہ ہے۔

صف سے نمازی کو کھینچنا:

اگے کی صف سے کسی نمازی کو کھینچ کر پیچھے لانا جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں اس شخص کی جماعت فوت ہو سکتی ہے، اور صف کو توڑنا فقہ حنفی میں مکروہ تحریمی ہے۔

خلاصہ حکمِ شرعی:

- اگر صف مکمل ہو چکی ہو اور کوئی نمازی اکیلا کھڑا ہو جائے تو اس کی نماز صحیح ہے، البتہ خلافِ اولیٰ

اور مکروہِ تنزیہی ہے۔

- اگر صف میں جگہ ہو اور پھر بھی کوئی اکیلا کھڑا ہو، تو یہ مکروہ ہے۔
- اگے کی صف سے کسی کو کھینچ کر پیچھے لانا مکروہ تحریمی ہے، لہٰذا اس سے اجتناب واجب ہے۔
- نماز دہرانے کی ضرورت نہیں، نہ ہی نماز فاسد ہوتی ہے۔ واللّٰہ أعلم بالصّواب.

کتبـــ
ابو الحماد محمد اسرافیل حیدری المداری
دار الافتاء والقضاء جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الاولیاء
استانہ زندہ شاہ مدار مکن پور شریف کانپور نگر یوپی انڈیا
یوم: ۹/ مئی ۲۰۲۵ء مطابق ۱۰/ ذوالقعدہ ۱۴۴۶ھ

ایک مشت سے کم داڑھی رکھنے والے کی امامت کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ:

ایک شخص جس کی ڈاڑھی ایک مشت سے کم ہے، یعنی وہ اس کو کترتا یا منڈاتا ہے، اور اس پر عمل کا تسلسل بھی پایا جاتا ہے

(۱) کیا ایسا شخص شرعاً فاسق معلن ہے؟

(۲) کیا وہ امامتِ صغریٰ (نماز باجماعت کی امامت) کا اہل ہے؟

(۳) ڈاڑھی رکھنا فرض ہے، واجب ہے یا سنتِ مؤکدہ؟

(۴) ایک مشت ڈاڑھی کا حکم دینا درست ہے؟

(۵) اگر کوئی کہے کہ خوبصورتی یا فطرت کے لحاظ سے رکھی جائے تو کیا یہ معتبر ہوگا؟

المستفتی: سید سہیل مجیب مداری مکنپور شریف

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب وباللہ توفیق الصواب

(۱)ڈاڑھی رکھنا شریعت میں کیسا ہے؟

ڈاڑھی رکھنا شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام میں واجب ہے۔ اور اسے ایک مشت (قبضہ) تک بڑھانا بھی واجب ہے۔ اس کو کاٹنا یا ایک مشت سے کم رکھنا حرام یا کم از کم مکروہِ تحریمی ہے۔

حدیثِ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم میں ہے:

" عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: "خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ، وَفِّرُوا اللِّحَى، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ" (صحيح البخاري، رقم الحديث: ٥٨٩٢)

ترجمہ: حضرت سیدنا عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مشرکوں کی مخالفت کرو، ڈاڑھیاں بڑھاؤ، اور مونچھیں کتراؤ۔"

یہ حکم امر (فعلِ امر) کے صیغے میں ہے، اور اصول فقہ کے مطابق امر وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

عملِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم:

حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ جب اپنی ڈاڑھی کو ایک مشت سے زائد پاتے تو قبضہ میں لے کر زائد حصہ کاٹ دیتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، جلد ۸، ص: ۳۷۵)

موطا الامام محمد، ص ۳۸۶ر میں ہے:

"أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ إِذَا حَجَّ أَوِ اعْتَمَرَ، قَبَضَ عَلَى لِحْيَتِهِ، فَمَا فَضَلَ أَخَذَهُ".

ترجمہ: ہمیں امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت نافع رحمہ اللہ تعالیٰ کے واسطے سے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ وہ جب حج یا عمرہ کرتے تو اپنی ڈاڑھی کو قبضہ میں لیتے اور جو بال زائد ہوتے انہیں کاٹ دیتے۔

شرح معانی الآثار للطحاوی، ج ۴، ص ۲۲۹ر میں ہے:

" فَأَمَرَ بِإِعْفَاءِ اللِّحَى، وَمَعْلُومٌ أَنَّ إِعْفَاءَهَا أَنْ يُتْرَكَهَا حَتَّى تَكْمُلَ، وَلَا يُقْطَعَ مِنْهَا

شَيْءٌ. وَقَدْ رُوِيَ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُمَا كَانَا يَأْخُذَانِ مِنْ طُولِهَا وَعَرْضِهَا، مَا زَادَ عَلَى الْقَبْضَةِ، لَا مَا نَقَصَ".

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ڈاڑھی بڑھانے (اعفاء) کا حکم دیا، اور یہ بات معلوم ہے کہ اعفاء کا مطلب یہ ہے کہ ڈاڑھی کو پوری طرح چھوڑ دیا جائے، اور اس سے کچھ نہ کاٹا جائے۔

اور یہ مروی ہے کہ حضرت سیدنا عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ڈاڑھی کی لمبائی اور چوڑائی سے وہی بال کاٹتے تھے جو قبضہ سے زیادہ ہوتے تھے، کم نہیں۔

یہ بتا رہا ہے کہ ایک مشت تک بڑھانا ہی سنتِ نبوی اور عملِ صحابہ ہے، اور اس سے کم رکھنا بدعت و معصیت ہے۔

امام ابن عابدین الشامی علیہ الرحمۃ والرضوان لکھتے ہیں:

"الأخذ منها وهي دون القبضة كما يفعله بعض الأعاجم يكره تحريماً، كذا في المجتبىٰ" (ردالمحتار: ٢/٤١٨)

ترجمہ: ڈاڑھی کو ایک مشت سے کم کرنا جیسا کہ بعض عجمی لوگ کرتے ہیں، مکروہِ تحریمی ہے۔

فتح القدیر، ج ۲، ص ۳۴۸، میں ہے:

" وَكَذٰلِكَ يُفْهَمُ مِنْ فِعْلِ اِبْنِ عُمَرَ الَّذِي رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، أَنَّهُ كَانَ إِذَا حَجَّ أَوِ اعْتَمَرَ قَبَضَ عَلَى لِحْيَتِهِ، فَمَا فَضَلَ أَخَذَهُ، وَهٰذَا يُفِيدُ أَنَّ الْأَخْذَ مِمَّا دُونَ الْقَبْضَةِ لَا يُجَوِّزُهُ اِبْنُ عُمَرَ، وَهُوَ مَذْهَبُنَا أَيْضًا، فَيَكُونُ مَكْرُوهًا ".

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عمل سے — جو بخاری میں مروی ہے — یہ سمجھ میں آتا ہے کہ وہ جب بھی حج یا عمرہ کرتے، ڈاڑھی کو قبضہ میں پکڑتے اور جو زائد ہوتا، کاٹ دیتے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قبضہ سے کم لینا حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک جائز نہیں تھا، اور یہی ہمارا (احناف کا) مذہب بھی ہے، لہٰذا یہ فعل مکروہ (تحریمی) ہے۔

بدائع الصنائع للامام الکاسانی، ج ۱، ص ۳۰۴، میں ہے:

" وَأَمَّا اللِّحْيَةُ، فَالْمُخْتَارُ أَنَّ مَا زَادَ عَلَى الْقَبْضَةِ يُؤْخَذُ، وَمَا دُونَهَا لَا يُؤْخَذُ، لِأَنَّ

فِي ذٰلِكَ تَغْيِيرَ الْخِلْقَةِ، وَهُوَ مُثْلَةٌ، وَقَدْ نُهِينَا عَنِ الْمُثْلَةِ ".

ترجمہ: رہی بات ڈاڑھی کی: تو ہمارے نزدیک راجح (معتبر) قول یہ ہے کہ جو بال قبضہ سے زیادہ ہوں وہ کاٹے جائیں، اور اس سے کم لینا جائز نہیں، کیونکہ اس میں اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بدلنا ہے، اور یہ مثلہ (بد نمائی) ہے، جبکہ ہمیں مثلہ سے منع کیا گیا ہے۔

مراقی الفلاح، میں ہے:

" وَأَمَّا الْأَخْذُ مِنْهَا وَهِيَ دُونَ الْقَبْضَةِ، كَمَا يَفْعَلُهُ بَعْضُ الْأَعَاجِمِ، فَمَكْرُوهٌ تَحْرِيمًا، كَمَا فِي الْمُجْتَبَىٰ ".(مراقي الفلاح، ص ٣٤٨)

ترجمہ: ڈاڑھی سے (اتنا بال) لینا جبکہ وہ قبضہ سے کم ہو، جیسا کہ بعض عجمی لوگ کرتے ہیں، مکروہِ تحریمی ہے، جیسا کہ کتاب المجتبیٰ میں لکھا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"التَّحْلِيقُ حَرَامٌ كَمَا فِي الذَّخِيرَةِ، وَكَذَا الْأَخْذُ مِنَ اللِّحْيَةِ وَهِيَ دُونَ الْقَبْضَةِ، كَمَا فِي الْمُجْتَبَىٰ." (الفتاوى الهندية، ج ٥، ص ٣٥٨، ط: دار الفكر)

ترجمہ: ڈاڑھی منڈانا حرام ہے جیسا کہ ذخیرہ میں ہے، اسی طرح ایک مشت سے کم لینا بھی حرام ہے جیسا کہ مجتبیٰ میں ہے۔

البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے:

"وَيُكْرَهُ تَحْرِيمًا أَخْذُ اللِّحْيَةِ وَهِيَ دُونَ الْقَبْضَةِ كَمَا فِي الْمُجْتَبَى، فَالْحَالِقُ لِحْيَتَهُ فَاسِقٌ وَيُكْرَهُ إِمَامَتُهُ." (البحر الرائق، ج ٢، ص ٤٩٠، ط: دار الكتب العلمية)

ترجمہ: ڈاڑھی کو ایک مشت سے کم لینا مکروہِ تحریمی ہے، جیسا کہ مجتبی میں ہے، لہٰذا جو شخص ڈاڑھی منڈاتا ہے وہ فاسق ہے اور اس کی امامت مکروہ ہے۔

المحيط البرهاني في الفقه النعماني میں ہے:

"وَيُكْرَهُ أَخْذُ مَا دُونَ الْقَبْضَةِ مِنَ اللِّحْيَةِ، لِأَنَّهُ تَغْيِيرٌ لِخِلْقَةِ اللّٰهِ، وَفِيهِ تَشَبُّهٌ بِالْمَرْأَةِ، وَقَدْ نُهِيَ عَنْ ذٰلِكَ." (المحيط البرهاني، ج ٨، ص ٤٤٩، ط: دار الكتب العلمية)

ترجمہ: ایک مشت سے کم ڈاڑھی لینا مکروہ ہے، کیونکہ یہ اللہ کی خلقت میں تبدیلی ہے، اور اس میں عورت سے مشابہت ہے، اور اس سے منع کیا گیا ہے۔

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

"وَفِي الظَّهِيرِيَّةِ: وَأَمَّا الْأَخْذُ مِنَ اللِّحْيَةِ دُونَ الْقَبْضَةِ، فَهُوَ مَكْرُوهٌ تَحْرِيمًا."

(الفتاوى التاتارخانية، ج ١٧، ص ٣٨٧، ط: سعيد)

ترجمہ: ظہیریہ میں ہے: ڈاڑھی کو قبضہ (ایک مشت) سے کم لینا مکروہ تحریمی ہے۔

الجامع الصغير للنسفي میں ہے:

"أَخْذُ مَا زَادَ عَلَى الْقَبْضَةِ مِنَ اللِّحْيَةِ لَا بَأْسَ بِهِ، وَمَا دُونَهَا يُكْرَهُ."

(الجامع الصغير، ص ٤٣٩، ط: دار الكتب العلمية)

ترجمہ: ڈاڑھی سے ایک مشت سے زائد لینا جائز ہے، اس سے کم لینا مکروہ ہے۔

المجتبیٰ میں ہے:

"وَفِي الْمُجْتَبَى: الْأَخْذُ مِنَ اللِّحْيَةِ وَهِيَ دُونَ الْقَبْضَةِ مَكْرُوهٌ تَحْرِيمًا."

(المجتبى مع رد المحتار، ٢/ ٤١٨)

السِّرَاجُ الْوَهَّاجُ على متن التنوير میں ہے:

"وَتُكْرَهُ إِمَامَةُ الْفَاسِقِ كَالْحَالِقِ لِحْيَتَهُ، لِأَنَّهُ مُصِرٌّ عَلَى الْمَعْصِيَةِ."

ترجمہ: فاسق (جیسے کہ ڈاڑھی منڈانے والا) کی امامت مکروہ ہے، کیونکہ وہ گناہ پر اصرار کرتا ہے۔ (السراج الوهاج، ص ١٢٨، ط: دار الفكر)

الحاوی القدسی میں ہے:

"اللِّحْيَةُ مِنْ سُنَنِ الْأَنْبِيَاءِ، وَقَدْ أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِإِعْفَائِهَا، وَأَخْذُ مَا زَادَ عَلَى الْقَبْضَةِ لَا بَأْسَ بِهِ، وَمَا دُونَهُ يُكْرَهُ."

ترجمہ: داڑھی انبیائے کرام علیہم السلام کی سنتوں میں سے ہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے بڑھانے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ پس ایک مشت سے جو زائد ہو اسے کاٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور ایک مشت سے کم کو کاٹنا مکروہِ (تحریمی) ہے۔ (الحاوي القدسي، ج ٢، ص ١٨٠، ط: دار الكتب العلمية)

الخُلاصَة للإمام القُدُورِي میں ہے:

"وَالأَخْذُ مِنَ اللِّحْيَةِ وَهِيَ دُونَ الْقَبْضَةِ مَكْرُوهٌ تَحْرِيمًا، وَهُوَ قَوْلُ أَكْثَرِ الْمَشَايِخِ."

(الخلاصة، ج ٤، ص ٢٢٧، ط: مكتبة زهران)

ترجمہ: ایک مشت سے کم ڈاڑھی لینا مکروہِ تحریمی ہے، اور یہی اکثر مشائخ (احناف) کا قول ہے۔

(۲) ڈاڑھی منڈانے والے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟:

جو شخص جان بوجھ کر ڈاڑھی کاٹتا یا ایک مشت سے کم رکھتا ہے، وہ شریعت کی کھلی نافرمانی کر رہا ہے، اس لیے وہ فاسقِ معلن ہے۔

(۳) کیا ایسا شخص امام بن سکتا ہے؟

جواب: نہیں!

شرعاً امام کے لئے عدل (یعنی فسق سے پاک ہونا) شرط ہے۔

جب امام ہی فاسقِ معلن ہو (یعنی اس کا فسق ظاہری ہو چکا ہو)، تو اس کی امامت مکروہِ تحریمی ہو جائے گی۔

الدر المختار مع رد المحتار میں ہے:

"وَيُكْرَهُ إِمَامَةُ الفَاسِقِ المُعْلِنِ بِفِسْقِه كَالحَالِقِ لِحْيَتَه"

(رد المحتار، ١/ ٥٦٢)

لھٰذا "ایسا شخص جو ڈاڑھی مونڈتا ہے یا ایک مشت سے کم رکھتا ہے، وہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہے، اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔"

کیا ایک مشت ڈاڑھی کا حکم لگانا درست ہے؟

جواب: جی ہاں، بالکل درست ہے۔ کیونکہ عملِ صحابہ، خاص کر حضرت عبد اللہ بن عمر و حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ:

"كان إذا حج أو اعتمر قبض على لحيته فما فضل أخذه."

(بخاری، کتاب اللباس)

اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے فقہائے احناف نے "قبضہ (ایک مشت)" کی حد مقرر کی ہے، اس لیے یہ معیار شرعی، صحیح اور معتبر ہے۔

کیا خوبصورتی یا فطری دلیل کافی ہے؟

جواب: نہیں!۔

ڈاڑھی کا حکم شریعت سے ہے، نہ کہ صرف فطرت یا شخصی جمالیات سے۔

اگر کوئی کہے کہ:

"میں اتنی ڈاڑھی رکھتا ہوں جتنی خوبصورتی لگے" یا

"بس فطرت میں ڈاڑھی ہے، یہ کافی ہے"

تو یہ کہنا شرعی دلیل کے خلاف ہے، کیونکہ شریعت نے مقدار (ایک مشت) مقرر فرمائی ہے۔ خوبصورتی کا معیار شریعت نہیں بلکہ امر الٰہی ہے۔

خلاصۂ حکم:

- ڈاڑھی رکھنا واجب ہے، اور ایک مشت تک بڑھانا شرعی حد ہے۔
- اس سے کم رکھنا یا مونڈنا حرام یا مکروہ تحریمی ہے۔
- ایسا شخص فاسقِ معلن شمار ہوگا۔
- فاسقِ معلن کی امامت مکروہِ تحریمی ہے۔
- خوبصورتی یا فطری دلیل شریعت کے مقابل میں ناقابلِ قبول ہے۔

لہٰذا:

جس امام کی ڈاڑھی ایک مشت سے کم ہو اور وہ تسلسل سے اسے کترتا ہو، وہ نماز باجماعت کی امامت کا شرعی طور پر اہل نہیں ہے۔

ایسے شخص کو امام مقرر کرنا گناہ اور موجبِ فسادِ جماعت ہے۔

هذا ما ظهر لي والعلم عند ربي وهو تعالىٰ أعلم بالصواب وهو الهادي إلى سواء الصراط.

کتبـــــــ

بیوی کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس کے شوہر کا اس کی سگی بہن سے نکاح پڑھانے والے امام کے پیچھے نماز کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان دین اس مسئلہ میں کہ زید جو کہ مسجد کا امام ہے اس نے بکر کا نکاح ایک ایسی عورت سے پڑھایا جس کی بڑی بہن پہلے ہی سے بکر کے نکاح میں ہے جب معاملہ کی تفصیل کی غرض سے زید یعنی امام سے کہا گیا اس نے بکر کا نکاح تحقیق کرنے کے بعد پڑھایا ہے تو اولا زید نے کہا کہ بکر کا لین دین ہو چکا ہے پھر تھوڑی دیر کے بعد زید نے اپنے بیان سے پھرتے ہوئے کہا کہ بکر نے میرے سامنے بڑی بہن کو طلاق دی اسی کے بعد میں نے بکر کا نکاح چھوٹی بہن سے پڑھایا ہے درانحالیکہ بڑی بہن کو اور اس کے اہل خانہ کو بکر کے طلاق دینے اور دوسرے نکاح کا کچھ بھی علم نہیں اور زید کہتا ہے کہ یہ نکاح درست ہے ایا اب یہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں اگر واقع ہوئی تو بڑی بہن عدت میں ہوئی تو کیا بڑی بہن کی عدت میں ہونے کے ساتھ بکر کا نکاح چھوٹی بہن سے جائز ہے اور اگر طلاق واقع نہ ہوئی تو امام کا چھوٹی بہن سے بکر کا نکاح پڑھانا درست ہے؟ اور زید کا یہ کہنا کہ یہ نکاح درست ہے کیا درست ہے؟ زید کے مذکورہ بالا فعل کو انجام دینے اور قول کرنے سے امام پر کیا شرع کی رو سے کیا حکم نافذ ہو گا؟ ایا زید امامت کے لائق ہے یا اسی پر توبہ وغیرہ ہے؟ اور اپنی اس کرتوت سے اسے پر رجوع لازم ہے؟ اور بکر کی چھوٹی بہن کے درمیان لقاء وخلوت صحیحہ کا گناہ کس پر عائد ہو گا؟ زید پر یا بکر پر یا اخت صغری پر؟ شرع کی رو سے مسئلہ مذکورہ کو واضح فرمائیں۔

سائل: بلال خان بانگر مئو ضلع اناؤ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب اللهم هداية الحق والصواب بـــــــ

حدیث شریف میں ہے:

"من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلایجمعن ماءہ فی رحم اختین"

یعنی جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے تو وہ اپنے نطفے کو ہر گز دو بہنوں کے رحم میں جمع نہ کرے یعنی دو بہنوں سے عقد نہ کرے۔

فتاویٰ عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۳۵۹ میں ہے:

" لایجمع بین اختین بنکاح "

یعنی دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع نہ کرے۔

دوسری بہن سے نکاح منعقد نہیں ہوا۔ زید امام مذکور اپنے حرام کام کو چھپانے کے لیے مکر کر رہا ہے اگر بکر نے زوجہ اولیٰ کو بالفرض طلاق دے دی تو بھی بغیر عدت کی تکمیل کیے اس کی دوسری بہن سے نکاح حرام ہے۔

عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ۲۶۱ میں ہے:

"لایجوز ان یتزوج اخت معتدۃ سواء کانت العدۃ من طلاق رجعی او بائن او ثلث"

یعنی اس عورت کی بہن سے نکاح جائز نہیں جو عدت میں ہو، خواہ عدت طلاق رجعی کی ہو یا بائن کی یا مغلظہ کی ہو۔

زید امام مذکور نے بے علم دین کے دین کا فتوی دیا جو اس کا دوسرا عمل حرام ہے اس کے اس فعل حرام سے بکر نے جو اپنی بیوی کی بہن سے خلوت و جماع کیا وہ بھی حرام۔ اس حرام کاری کا موجب یہی مذکور امام۔ اگر یہ سارے حرام کاموں کو جائز سمجھ کر کیا تو اس امام پر اعلانیہ توبہ و تجدید ایمان و بیعت لازم ہے اگر صرف کسی نتر و مال کی لالچ میں کیا تو بھی توبہ و تجدید ایمان کرے اگر توبہ کرنے میں ذرا بھی حیل و حجت کرے فورا اسے امامت سے برخاست کر دیا جائے کہ چند روپیوں کی لالچ میں عصمت مسلمہ سے کھلواڑ کر رہا ہے۔ والعیاذ باللہ . ھذا ماظھر لی والعلم عند ربی وھو اعلم بالصواب .

کتبـــــــ

امام پر جھوٹا الزام لگانے والوں کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلۂ ذیل میں کے ایک گاؤں نورنگ اباد ہے اس گاؤں میں امام صاحب نے ایک نکاح پڑھایا۔ نکاح پڑھانے کے بعد میں کچھ لوگوں نے کہا امام صاحب اس عورت کی طلاق تو ہوئی نہیں تھی لہذا آپ نے نکاح کیوں پڑھایا؟ لہذا آپ توبہ کریں تو اس بات پر امام صاحب نے جنہوں نے نکاح پڑھایا تھا اس بات کی تصدیق کی تو پتہ چلا طلاق ہو چکی تھی اور طلاق کی گواہی لڑکی خود دے رہی ہے لڑکی سے پوچھا گیا تو لڑکی نے ۱۰/۱۵ لوگوں کے سامنے اقرار کیا میری طلاق ہو چکی ہے۔ شوہر نے مجھ سے کہا تو بچھیاں اتار دے چوڑی اتار دے اور تین طلاق دی اور مجھے گھر سے نکال دیا۔ تقریباً سات مہینے پہلے طلاق دیدی تھی اور لڑکی قرآن و ایمان کی قسم کھا کر کہتی ہے طلاق ہو چکی ہے اور لڑکی کا باپ بھی شاہد ہے اور بہت سے لوگ بھی شاہد ہیں لہذا نکاح ثانی جائز ہے کہ نہیں؟ اور امام صاحب کے لیے کیا حکم ہے اور جو لوگ خرافات کر رہے ہیں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

فقط والسلام مولانا ناصر حسین لوچن پور، تھانہ بیناور، ضلع بدائیوں۔

الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب بـــ

صورت مسئولہ میں جب کہ شوہر طلاق دینے کا قائل ہے۔ عورت اور دیگر شاہدین شہادت دے رہے ہیں کہ شوہر نے طلاق دے دی ہے تو اب نکاح ثانی کے لیے عدت کی شرط ہے عدت کی مدت تین حیض کے ایام پورے ہونے کے بعد اس مطلقہ عورت کا نکاح دوسرے سے جائز ہے۔ امام مذکور نے عدت کی مدت پوری ہونے کے بعد اگر نکاح پڑھائی ہے تو نکاح ثانی جائز ہے۔ اور امام مذکور نے نکاح پڑھا کر کار خیر کیا عند اللہ ثواب کا مستحق ہے جو لوگ امام مذکور کے خلاف فتنہ و ہنگامہ کر رہے ہیں انہیں اس عمل سے رک جانا چاہیے۔ قران مجید میں ہے: "و الفتنة اشد من القتل" اور فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے۔ کسی مسلمان پر بے وجہ شرعی الزام نہیں لگانا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَ لَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ

الْاِیْمَانِ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ" (الحجرات/۱۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! کوئی جماعت دوسری جماعت پر نہ ہنسے، ہو سکتا ہے کہ وہ ان ہنسنے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں پر ہنسیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان ہنسنے والی عورتوں سے بہتر ہوں اور اپس میں کسی کو طعنہ نہ دو اور ایک دوسرے کے برے نام نہ رکھو، مسلمان ہونے کے بعد فاسق کہلانا کیا ہی برا نام ہے اور جو توبہ نہ کریں تو وہی ظالم ہیں۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان پر طعنہ زنی و چھینٹا کشی نہیں کرنا چاہیے۔

امام مذکور کے خلاف پروپیگنڈا کرنے والوں کو توبہ کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی شافعی تلخیص الجبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر میں حدیث شریف تحریر کرتے ہیں:

" حديث:أنه صلى الله عليه و سلم صلى بالناس عشرين ركعة ليلتين فلما كان فى الليلة الثالثة، اجتمع الناس، فلم يخرج إليهم، ثم قال من الغد:و خشيت أن تفرض عليكم فلا تطيقوها.متفق على صحته"

ترجمہ:اپ صلی اللہ ﷺ نے صحابہ کو بیس رکعات تراویح دو راتیں پڑھائیں، پس جب تیسری رات ہوئی، تو صحابۂ کرام جمع ہو گیے، لیکن حضور ﷺ ان کی طرف نہ نکلے، پھر حضور ﷺ نے دوسرے دن فرمایا: مجھے اس بات کا ڈر ہوا کہ تم پر یہ نماز فرض نہ کر دی جائے، اور تم اس کی طاقت نہ رکھو، اس کی صحت پر اتفاق ہے۔

[تلخيص الجبير فى تخريج أحاديث الرافعي الكبير، ج:٢، ص:٤٥، كتاب الصلاة، باب صلاة التطوع، رقم الحديث:٥٤١، مؤسسة قرطبة-مصر-]

امام بخاری کے استاذ حافظ ابو بکر عبد اللہ بن ابو شیبہ اپنی مصنف میں روایت کرتے ہیں:

"حدثنا يزيد بن هارون قال أنا ابراهيم بن عثمان عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ كان يصلى فى رمضان عشرين ركعة و الوتر"

ترجمہ:حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ رمضان شریف میں بیس رکعات نماز تراویح اور وتر پڑھاتے تھے۔

[مصنف ابن ابى شيبة، ص:٣٩٥، كتاب الصلاة، باب:٧٢١-٧٢٢، رقم الحديث: ٧٧٦٦، مكتبة الرشد]

اس روایت کو دوسری حدیث سے تقویت پہنچتی ہے، چنانچہ امام حافظ ابو القاسم حمزہ بن یوسف سہمی متوفیٰ ۴۲۷ھ اپنی کتاب کتاب معرفۃ علماء اھل جرجان میں ایک روایت نقل کرتے ہیں:

"حَدَّثَنَا أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَحْمَدَ الْقَصْرِيُّ الشَّيْخُ الصَّالِحُ رَحِمَهُ اللهُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ الْعَبْدُ الصَّالِحُ قَالَ أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْحنازِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عَتِيكٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ خَرَجَ النبي صلى الله عليه وسلم ذَاتَ لَيْلَةٍ فِي رَمَضَانَ فَصَلَّى النَّاسُ أَرْبَعَةً وَعِشْرِينَ رَكْعَةً وَأَوْتَرَ بِثَلاثَةٍ."

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ رمضان شریف کی ایک رات تشریف لائے۔ لوگوں کو چار (فرض) اور بیس رکعات (تراویح) اور تین وتر پڑھائے۔

[تاريخ جرجان-للسهمي (م٤٢٧ هـ)، ص:٢٨٦، حرف العين، من اسمه عَلِي أَبُو الْحَسَن عَلِي بْن مُحَمَّد بْن أَحْمَدَ بْن ... رقم الحديث: ٥٥٦]، دائرة المعارف العثمانية حيدرآباد دكن الهند]

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے جو دورات تراویح ادا فرمائی پھر فرضیت کے خوف سے ترک فرمادی، اس کی تعداد بیس رکعات تھی، لہذا یہ کہنا کہ حضور ﷺ سے بیس رکعات کا ثبوت نہیں، قطعی غلط ہے، البتہ بیس رکعات تراویح پر تاکیدی عمل اور دوام و استمرار دور فاروقی سے جاری ہوا، دور صدیقی فتنوں اور ارمائشوں کی کثرت اور مدت خلافت کی قلت کے باعث اس سنت کے قیام سے خالی رہا، چنانچہ ملا علی قاری حنفی مرقات المفاتیح میں لکھتے ہیں:

"و إن كانت لم تكن فی عهد أبی بكر رضي الله عنه فقد صلاها رسول الله ﷺ و إنما قطعها إشفاقا من أن تفرض على أمته و كان عمر ممن تنبه عليها و سنها على الدوام، فله أجرها و أجر من عمل بها إلى يوم القيامة"

ترجمہ: اگرچہ تراویح باجماعت حضرت ابو بکر کے زمانے میں نہیں تھی، لیکن چوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پڑھا تھا، اور پھر اس کو امت پر فرض ہو جانے کے خوف سے ترک کیا۔ اور حضرت عمر ان لوگوں میں سے تھے جو اس حقیقت سے باخبر تھے، انھوں نے دائمی طور پر جاری فرمادیا تو انھیں اس کا بھی اجر ہے اور قیامت تک جو لوگ عمل کرتے رہیں گے ان کا بھی اجر ہے۔

[مرقات المفاتيح، ج:٣، ص:٣٤٢، كتاب الصلاة، باب قيام شهر رمضان، دار الكتب العلمية بيروت]

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں بیس رکعات تراویح ادا کرنے کا تاکیدی حکم فرمایا، اور صحابہ کے مجمع میں یہ فیصلہ قائم ہوا، اور کسی نے اس سے انکار نہیں کیا، چنانچہ حافظ ذہبی سیر اعلام النبلا میں روایت نقل کرتے ہیں:

"و فی سنن أبی داؤد: يونس بن عبيد عن الحسن أن عمر بن الخطاب جمع الناس على أبي بن كعب فی قيام رمضان فكانت يصلی بهم عشرين ركعة"

ترجمہ: سنن ابو داؤد میں ہے حضرت حسن فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب نے رمضان شریف میں

نماز تراویح پڑھنے کے لیے حضرت ابی بن کعب کی امامت پر لوگوں کو جمع کیا، تو حضرت ابی بن ان کو بیس رکعات نماز تراویح پڑھاتے تھے۔[سیر أعلام النبلاء، ج:١، ص:٤٠٠، مؤسسة الرسالة]

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

"وكيع عن مالک بن أنس عن يحي بن سعيد أن عمر بن الخطاب أمر رجلا يصلي بهم عشرين ركعة، إسناده مرسل قوي قاله النيموي"

ترجمہ: یحی بن سعید سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات نماز تراویح پڑھائے، اور اس کی اسناد قوی مرسل ہے، اس بات کو علامہ نیموی نے کہا۔

[المصنف لابن ابی شیبة، ج:٥، ص:٢٢٣، کتاب الصلاة، باب کم یصلی فی رمضان من رکعة، رقم الحدیث:٧٧٦٤، دار قرطبة بیروت]

مسند ابن جعد میں حضرت سائب بن یزید سے روایت ہے:

"كانوا يقومون على عهد عمر فی شهر رمضان بعشرين ركعة و إن كانوا ليقرؤن بالمئين من القرآن"

ترجمہ: لوگ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں رمضان شریف کے مہینے میں بیس رکعات نماز تراویح پابندی سے پڑھتے اور قرآن مجید کی دو سو ایات پڑھتے تھے۔

[مسند علي بن الجعد، ج:١، ص:١٠١٠، رقم الحدیث:٢٩٢٦، مکتبة الفلاح]

حضرت سائب بن یزید کے دونوں شاگرد حضرت حارث بن عبد الرحمن اور حضرت یزید بن خصیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیس رکعات تراویح کے ہی راوی ہیں، ان کی روایات سنن بیہقی اور عمدۃ القاری میں مذکور ہیں۔

دور فاروقی کے بعد حضرت عثمان غنی پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی بیس رکعات تراویح ادا کرنے کا حکم فرمایا اور عمل فاروقی کو جاری رکھا، ان کی روایات سنن بیہقی، منہاج السنہ اور مسند امام زید میں موجود ہیں۔

ان تمام تفصیلات کے بعد واضح ہو کہ جس طرح رسول کریم ﷺ کی تائید قولی و فعلی سے سنت مؤکدہ کا ثبوت ہو جاتا ہے، اسی طرح صحابۂ کرام کے تاکیدی اقوال و افعال سے بھی سنت مؤکدہ ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت عبد العزیز بخاری حنفی متوفی ۷۳۰ھ اصول بزدوی کی شرح کشف الاسرار میں لکھتے ہیں:

"وعندنا أقوال الصحابة حجة، فيكون أفعالهم سنة؛ لأنها طريقة أمرنا بإحيائها... بقوله عليه السلام:عليكم بسنتي الحديث"

[كشف الأسرار، ج:٢، ص:٤٤٧، باب العزيمة و الرخصة، دار الكتب العلمية بيروت]

ترجمہ: ہمارے نزدیک صحابہ کے اقوال حجت ہیں، تو ان کے افعال بھی سنت ہوئے، کیوں کہ حدیث پاک "میری اور میرے خلفاے راشدین کی سنت کو لازم جانو" سے ہمیں سنت صحابہ کے احیا کا حکم دیا گیا ہے۔

مزید فرماتے ہیں:

"وأما التراويح فی رمضان فإنه سنة الصحابة، فإنه لم يواظب عليها رسول الله ﷺ بل واظب عليها الصحابة، و هذا مما يندب إلى تحصيله و يلام على تركه و لكنه دون ما واظب عليه رسول الله ﷺ فإن سنة النبي أقوى من سنة الصحابة و هذا عندنا"

[كشف الاسرار، ج:٢، ص:٤٤٧، باب العزيمة و الرخصة، دار الكتب العلمية بيروت]

ترجمہ: رمضان میں تراویح صحابہ کی سنت ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس پر مواظبت نہیں فرمائی، بلکہ صحابہ نے مواظبت فرمائی ہے، صحابہ کی مواظبت سے جو چیز ثابت ہو، اس پر عمل کے لیے رغبت دی جاتی ہے، اور چھوڑنے پر ملامت کی جاتی ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ کی مواظبت سے ثابت شدہ چیز سے کم؛ کیوں کہ سنت نبوی سنت صحابہ سے قوی تر ہے۔

لہذا بیس رکعات تراویح کے سنت مؤکدہ ہونے میں کوئی خفا نہیں، چوں کہ ان کا تاکیدی ثبوت خلفاے راشدین کے اقوال و افعال سے منقول ہے، اور جب عام صحابہ کے افعال و اقوال حجت ہیں، اور ان سے سنت کا ثبوت ہوتا ہے، تو خلفاے راشدین کے اقوال و افعال سے بدرجۂ اولی سنت کا حکم مستفاد ہوگا، جبکہ خلفاے راشدین کی سنتوں پر عمل کرنے کا حکم صریح احادیث میں مخصوص ہے، چنانچہ سنن ابو داؤد میں حضرت عرباض بن ساریہ سے روایت ہے:

"فانه من يعش منكم بعدي، فسيرى اختلافا كثيرا، فعليكم بسنتي و سنة الخلفاء المهديين الراشدين من بعدي، تمسكوا بها و عضوا عليها بالنواجذ"

[سنن أبی داؤد، ج:٥، ص:١٣، كتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم الحديث: ٤٦٠٧، دار ابن حزم]

ترجمہ: حضور رسالت مآب ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: میرے بعد تم میں سے جو زندہ رہے گا تو وہ بہت زیادہ اختلاف

وانتشار کو دیکھے گا، پس تم پر میرے بعد میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاے راشدین کی سنتوں پر عمل لازم ہے، تم ان کو داڑھوں سے مضبوطی سے پکڑ لینا۔ واللہ تعالی اعلم.

کتبـــــــ

ترجمہ: کپڑے لپیٹ دیا کرو کہ ان کی جان میں جان اجائے کیونکہ شیطان جب لپٹا ہوا کپڑا پاتا ہے تو اس کو نہیں پہنتا ہے۔ اور جب اس کو پھیلا ہوا پاتا ہے تو پہن لیتا ہے۔

(المعجم الاوسط للطبرانی ج ۱ ص ۳۰ رقم الحدیث ۵۷۰۲ دار الحرمین للطباعة و النشر و التوزیع)

اسی طرح الجامع الصغیر للسیوطی میں ہے۔

الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر ص ۷۳ رقم الحدیث ۱۱۲۰ دار الکتب العلمیة بیروت لبنان

اور کنز العمال میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں مروی ہے:

"الشیاطین یستمتعون بثیابکم فاذا نزع احدکم ثوبه فلیطوه حتیٰ ترجع الیها انفاسها فان الشیطان لا یلبس ثوبا مطویا"

کنز العمال ج ۱۵ ص ۲۹۹ الباب الثالث فی اللباس رقم الحدیث ۴۱۱۰۰ مطبوعه المؤسسة الرسالة

علامہ شبلی متوفی ۷۶۹ھ نے اپنی مایہ ناز تصنیف اکام المرجان فی احکام الجان میں قیس بن ابو حازم کے طریق سے نقل کیا ہے:

ما من فراش یکون فی بیت مفروشا لا ینام علیه احد الا نام علیه الشیطان.

(آکام المرجان فی احکام الجان ص ۱۷۵ دار الکتب العلمیة بیروت لبنان.) واللہ اعلم.

کتبـــــــ

سائل: چاند بابو قریشی بیرم نگر بریلی

الجواب

صورت مستفسرہ میں نماز درست ہوئی، چونکہ جن نمازوں میں قراءت جہر ایعنی بلند اواز سے واجب ہے، اگر سر ایعنی مدھم اواز میں کی، اور ایک بڑی آیت یا تین ایتوں کے بقدر کی، تو سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے، صورت مسئولہ میں امام صاحب نے سجدۂ سہو کر لیا ہے، اسی لیے نماز درست ہو گئی۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"لو جهر فيما يخافت او خافت فيما يجهر وجب عليه سجود السهو واختلفوا فى مقدار مايجب به السهو منهما قيل يعتبر فى الفصلين بقدر ماتجوز به الصلاة وهو الاصح"

ترجمہ: اگر امام نے سری نماز میں جہری قراءت کی یا جہری نماز میں سری قراءت کی تو سجدہ سہو واجب ہو جائے گا۔ پھر فقہاء کا اس مقدار کے متعلق اختلاف ہے جس سے سجدہ سہو لازم ہوتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ دونوں صورتوں میں بقدر جواز نماز معتبر ہے اور یہی اصح ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری، ج:۱ ص:۷۹، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، الفصل الثانی فی واجبات الصلاۃ، دار الکتب العلمیہ)

جوہرہ نیرہ میں باب سجود السہو میں ہے:

"أو جهر الإمام فيما يخافت فيه أو خافت فيما يجهر به لأن الجهر فى موضعه و المخافة فى موضعها من الواجبات...و اختلف فى المقدار و الأصح قدر ما تجوز به الصلاة فى الفصلين.اهـ." (جوهر نيره، ج:۱، ص:۹۳، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، دار الكتاب ديوبند)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

"قال شرق الأيمة لا خلاف أنه لو جهر بأكثر الفاتحة فيما يخافت ثم ذكر يتمها و لو خافت بأكثرها فيما يجهر قال شمس الأئمة قياس مسائل الجامع أنه يؤمر بالإعادة"

(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص:٤٦١، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، دار الكتب العلميه بيروت) واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبہ

احقر محمد تسلیم مداری مصباحی عفی عنہ

اذان خطبہ سے متعلق چند سوالوں کے جوابات

کیا فرماتے علماے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں:

۱۔ کیا امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد فوراً اذان ثانی دے دی جائے یا جو مسجد کے اندر ٹائم رکھا گیا ہے، اس کا انتظار کیا جائے یا نہیں؟

۲۔ کیا امام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ٹائم سے دو منٹ پہلے یا دو منٹ بعد جو ٹائم مسجد میں متعین ہے اذان ثانی دلا سکتا ہے یا نہیں؟

۳۔ اور اگر ایسا امام کرتا ہے (یعنی ٹائم سے پہلے یا بعد والا فعل) تو امام کے لیے کیا حکم ہے؟

۴۔ اور اگر امام کے مذکورہ بالا فعل پر کوئی اعتراض کرتا ہے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

سائل: حافظ محمد شاہد مشارقی مداری، امام بی بی فاطمہ قصبان مسجد ٹھریا نجابت خاں بریلی

الجواب

صورت مسئولہ کی پہلی اور دوسری شق کا جواب یہ ہے کہ اگر مسجد کا متعینہ وقت نہ ہوا ہو، تو امام صاحب کے منبر پر بیٹھنے کے بعد فوراً اذان نہ دی جائے، بلکہ مقررہ وقت کا انتظار کیا جائے، جس کی وضاحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کے لیے پانچوں نمازوں کو ان کے مقررہ وقت پر پڑھنا فرض قرار دیا ہے، لیکن لوگوں کی مصالح وسہولیات اور اوقات مستحبہ کی رعایت کے ساتھ اگر نمازوں کے لیے کوئی وقت متعین کر لیا جائے، تو اسی وقت میں اذان ثانی دینا چاہئے اور نماز پڑھانی چاہئے، اگر وقت میں گنجائش ہو اور لوگوں پر گراں نہ ہو، کسی وقت، وقت کو گھٹا کر یا بڑھا کر نماز پڑھا دی تو یہ درست ہے امام کو اس کا حق ہے، اسی طرح امام صاحب مسجد میں موجود نہ ہوں لیکن انا یقینی ہو یا وہیں مسجد میں ہوں لیکن حجرے سے نکلنے یا وضو کرنے میں مصروف ہونے کی وجہ سے تاخیر ہو گئی یا اتفاقاً لوگوں کی کثرت کے پیش نظر یا کسی باعمل نیک عالم کی وجہ سے یا کسی رئیس کے فتنہ اٹھانے کی وجہ سے امام صاحب نے تاخیر کر دی تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن مذکورہ بالا تمام صورتوں میں بہ ضابطہ تقدیم وتاخیر مثلاً دو منٹ پہلے یا دو منٹ بعد کا معمول بنا لینا، کہیں سے کہیں تک مناسب نہیں، اور اس میں لوگوں کو ایذا

دینا ہے جو کہ ایذائے مسلم ہے، اس سے امام صاحب اور ہم سب کو بچنا چاہئے۔

تیسری اور چوتھی شق کا جواب یہ ہے کہ امام صاحب کی فضیلت مسلم اور ثابت شدہ ہے، اس لیے ان کی عظمت و وقار کو ملحوظ خاطر رکھ کر ادب کے دائرے میں ان سے اس فعل کی بابت دریافت کرنا چاہیئے، اور امام صاحب کو اس سے ناراض نہ ہو کر پابندی کے ساتھ متعینہ وقت پر ہی نماز پڑھانا چاہیئے نہ کہ بے وقت، تاکہ ان کے فعل پر کسی کو اعتراض نہ ہو۔

ارشاد ربانی ہے:

''اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا'' (آیت:۱۰۳)

ردالمحتار میں ہے:

لو انتظر الاقامة ليدرك الناس الجماعة يجوز لواحد بعد الاجتماع لا الخ...

(باب صفة الصلاة مطلب في إطالة الركوع، ج:۲ ص:۱۹۸/ دار عالم الكتب رياض)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

"واما الانتظار قبل الشروع في غير ما يكره تاخيره كمغرب وعند ضيق وقت فالظاهر عدم الكراهة ولولمعين الا اذا ثقل علي القوم.

(حاشية الطحطاوي علي الدرالمختار،كتاب الصلاة،فصل واذا اراد الشروع / ج۱، ص:۱۸۰/ دارالكتب العلمية)

کتاب الانقرویہ میں ہے:

"وفي الوقت سعة فيعذر"

(كتاب الانقروية ج:۱ ص:۵۰/ كتاب الصلاة/ القروي محمد بن حسن)

فتاویٰ شامی میں ہے:

"والحاصل أن التاخير القليل لإعانة أهل الخير غيرمكروه"

(كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة ج:۱ ص:۴۹۵/ دارالفكر بيروت)

"رئيس المحلة لاينتظر،مالم يكن شريرا،والوقت متسع"

(تنوير الابصار مع الدرالمختار،ج:۱،ص:۷۱/ كتاب الصلاة،باب الأذان،دار الكتب العلمية)

اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وينتظر المؤذن الناس ويقيم للضعيف المستعجل ولا ينتظر ئيس المحلة...
(هنديه ج:١ص: ١١٤ ص:كتاب الصلاة/ الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة، دارالفكر بيروت) والله اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

زید کہتا ہے کہ خطبہ کے وقت جو اذان ہوتی ہے وہ منبر کے پاس خطیب کے سامنے متوارث اور مسنون ہے۔ فقہاء کرام کے اقوال، مراقی الفلاح، امداد الفتاح، نور الایضاح، وغیرہ کے حوالے دیئے۔ بہر حال جو شرع شریف سے ثابت ہو قرآن واحادیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا وتوجروا.

السائل: محمد شمیم احمد ساکن قصبہ نواب گنج، ضلع بریلی۔

الجواب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

جمعہ کے دن خطبہ کے وقت جو اذان ہوتی ہے وہ حضور نبی کریم علیہ الصلواۃ والتسلیم کے وقت سے ہے اور آپ کے زمانہ مبارکہ سے لیکر حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ مقدسہ تک جمعہ کی نماز کے لئے پنج وقتہ نمازوں کی طرح صرف ایک ہی اذان ہوتی تھی لیکن مدینہ منورہ کی ابادی بڑھ جانے کیوجہ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم نے ایک اذان جمعہ کی نماز کی اطلاع کے لئے اور اضافہ کردی تاکہ اس اذان کو سنتے ہی لوگ جمعہ کی نماز کے لئے تیاری کرلیں اور خطبہ و نماز پانے میں سہولت ہو جائے۔ جمعہ کی نماز کے لئے دو اذانیں ہو گئیں۔ اس لئے پہلے خطبہ کی اذان سے جو کام لیا جاتا تھا یعنی مسجد کے باہر کے لوگوں کو خطبہ اور نماز کی اطلاع کرنا اور عام اعلان کرنا تھا وہ حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی اضافہ کردہ اذان سے پورا ہونے لگا۔ اسی لئے امیر المومنین حضرت عثمان غنی نے پہلی اذان مسجد کے باہر مقام زوراء سے دینے کا حکم فرمایا اور خطبہ کی اذان منبر کے قریب خطیب کے سامنے دینے کا معمول بنایا۔ اس عمل سے بلا اختلاف تمام صحابہ کرام نے خاموشی کے ساتھ اتفاق فرمایا۔ اس لئے باجماع صحابہ جس طرح ایک اذان کا اضافہ صحابہ کی سنت مانا گیا۔ اسی طرح خطبہ کی اذان کا منبر کے قریب خطیب کے سامنے ہونا بھی باتفاق صحابہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے معمول و مسنون قرار پایا اور اس وقت سے خطبہ کی اذان کا مقصد صرف مسجد میں موجود اور حاضر لوگوں کو اطلاع کرنا رہ گیا۔

اسی لئے اس اذان ثانی میں پہلی اذان کے مقابلہ اواز بھی پست کردی گئی جیسا کہ آج بھی یہی معمول ہے۔ اذان ثانی حاضرین کی اطلاع کے لئے ہے۔ حضرت سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی یہی ظاہر ہے کہ پہلی اذان منارہ سے اور دوسری خطبہ والی اذان منبر کے قریب سے ہونا چاہیے۔ علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

وعن الحسن بن زياد عن ابی حنيفة هو اذان المنارة. لانه لو اشترط الاذان عند المنبر يفوقه اداء السنة وسماع الخطبة وربما يفوته اداء الجمعة كان المصر بعيد الاطراف.

حضرت زیاد حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے ناقل ہیں کہ کاروبار بند کرنے میں پہلی منارہ والی اذان کا اعتبار ہو گا کیونکہ اگر منبر والی اذان کی قید لگائی جائے تو سنت کی ادائیگی اور خطبہ کا سننا چھوٹ جائے گا جبکہ شہر کی ابادی دور ہو گی۔

بنایہ شرح الہدایہ جلد اول، صفحہ: ۱۰۱۴، میں ہے کہ اس عبارت میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے پہلی اذان کو اذان المنارۃ اور دوسری خطبہ والی اذان کو عند المنبر " فرمایا ہے جس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بھی خطبہ کی اذان منبر کے قریب ہی سے دی جاتی تھی۔

علامہ عینی حنفی شرح ہدایہ میں تحریر فرماتے ہیں: متن: "بذالك" شرح: "ای بالاذان، بين يدی المنبر بعد الأذان على المنارة "۔ متن: "جری التوارث"۔ شرح: "من زمن عثمان الی يومنا هذا"۔ اسی طریقہ پر اپنی منبر کے قریب سامنے اذان دینے پر منارہ والی اذان کے بعد توارث جاری ہے یعنی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ہمارے زمانہ تک۔

علامہ عینی حنفی علیہ الرحمۃ والرضوان کتنی صراحت کے ساتھ فرمارہے ہیں کہ منارہ والی اذان کے بعد دوسری خطبہ والی اذان منبر کے قریب سے دینے کا معمول و دستور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ سے ہمارے زمانہ تک رہا ہے۔ اور عملی طور پر جاری ہے۔

اسی طرح علامہ شرنبلالی حنفی مراقی الفلاح میں فرماتے ہیں:

والاذان بين يديه جری به التوارث كا لاقامة بعد الخطبة. (مراقي الفلاح، ص: ۱۰۳)

خطبہ کے بعد اقامت کی طرح خطیب کے سامنے قریب سے خطبہ کی اذان دینے کا معمول چلا ارہا ہے۔

امداد الفتاح میں ہے:

والاذان بين يديه كا لاقامة سنة.

خطیب کے سامنے قریب سے اذان دنیا اقامت کی طرح سنت ہے۔

جس طرح اقامت مسجد کے اندر اور عام طور پر پہلی صف میں دی جاتی ہے اور کوئی اس کو مکروہ نہیں کہتا

اسی طرح خطبہ کی اذان بھی مسجد کے اندر خطیب کے سامنے پہلی صف سے دنیا حضرت امیر المومنین عثمان غنی کے زمانہ سے متوارث ہے۔ لہذا اذان ثانی اندرون مسجد خطیب کے سامنے پہلی صف کے قریب سے دی جاتی ہے۔ یہی درست طریقہ ہے۔

عمرو کو چاہیے کہ طریقہ متوارث کو چھوڑ کر نو ایجاد طریقہ پر زور نہ دے اور فتنہ پیدا نہ کرے کہ بہت سخت گناہ کبیرہ ہے۔ ارشاد باری ہے: "اَلْفِتْنَةِ أَشَدَّ مِنَ الْقَتْلِ"، زید کا قول درست اور صحیح ہے اور عمرو کی پیش کردہ عبارت عام صلات خمسہ کی اذان کے بارے میں ہیں۔ فی زماننا لاؤڈ اسپیکر کا استعمال ہے۔ پنج وقتہ اذانیں بھی مسجد کے اندر ہوتی ہیں۔ کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ

فقیر مداری سید نثار حسین جعفری
استانہ عالیہ مداریہ دار النور مکن پور شریف کان پور یوپی

تکبیر میں اسم رسالت پر انگلیاں چومنے کا حکم / جمعہ کی اذان ثانی کہاں ہونی چاہیے / کیا نکاح و فاتحہ کے بعد سلام پڑھنا ضروری ہے؟

کیا فرماتے ہیں علماے دین مسئلہ ذیل میں:

(۱) زید کہتا ہے کہ اگر نماز جمعہ کی تکبیر میں اشہد ان محمد رسول اللہ پر انگلیاں نہیں چومی تو جمعہ کی نماز نہیں ہوگی۔

(۲) زید کہتا ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر درست نہیں ہے خارج مسجد ہونا چاہیے جبکہ اس مسجد میں ہمیشہ سے اندر ہی ہوتی چلی ارہی ہے۔

(۳) زید کہتا ہے کہ نکاح کے بعد فاتحہ کے بعد سلام پڑھنا ضروری ہے۔ زید کہتا ہے کہ قبر پر اذان دینا ضروری ہے۔ لیکن بکر کہتا ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے لہذا قرآن و حدیث کی روشنی میں ان مسئلوں کا جواب عنایت فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

العارض محمد عارف علی مداری بھٹولی رورا کانپور دیہات۔

الجواب۔ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

(۱) عند التشہد انگوٹھا چومنا مستحب ہے یعنی کوئی اگر چومتا ہے تو اسے ثواب ملے گا اور نہیں چومتا ہے تو

گنہگار نہیں ہو گا مگر نیک کام میں سبقت کرنا اللہ پاک پسند فرماتا ہے۔ زید کا یہ کہنا کہ انگلی نہیں چومی تو جمعہ کی نماز نہیں ہو گی محض جہالت ہے۔ بے علم کو شریعت کے احکام بیان کرنے کی ہر گز اجازت نہیں۔ زید کو اللہ پاک کی بارگاہ میں توبہ کرنا چاہیے اندرون مسجد بھی جمعہ کی اذان ثانی درست ہے اکثر علماء اہل سنت خصوصا علمائے مکن شریف، بدایوں شریف، کچھوچھہ شریف، اجمیر شریف، رامپور اور مراد اباد شریف، پیلی بھیت، اور علمائے فرنگی محل وحیدراباد کا یہی معمول ہے اور یہی دیار وامصار اسلام عرب وعجم میں شائع ہے۔ بعض علمائے اہل سنت خارج مسجد اذان دینے کے قائل ہیں ان کے لیے ان کی دلیلیں ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب.

(۲) نکاح کے بعد اور فاتحہ اور دیگر امور حسنہ کے بعد سلام پڑھنا شرع شریف میں ممنوع نہیں ہے لھذا جائز ومباح ہوا مگر ضروری اور واجب ہر گز نہیں۔ شریعت میں جو امر واجب وضروری نہ ہو اس کو واجب وضروری کہنا اور بتانا ناجائز وسخت گناہ ہے اور امت مسلمہ کو گمراہ کرنا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

(۳) قبر پر اذان دینا نہ واجب ہے نہ سنت نہ قرآن واحادیث اور ائمہ مجتہدین کے اقوال سے اس کا کوئی ثبوت ہے۔ مولانا مفتی احمد رضا خان فاضل بریلوی صاحب نے اپنی کوشش کر کے اس کے جواز میں ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام "ایذان الاجر فی اذان القبر" ہے جس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ یہ اذان مباح اور جائز ہے۔ جس طرح کوئی حافظ قرآن قرآن مجید کو کھول کر ہاتھ میں لے کر پڑھے، یا دیکھ کر پڑھے تو اس کے لیے جائز ہے اور اگر دیکھ کے یا ہاتھ میں لے کر نہ پڑھے بلکہ زبانی پڑھے تو یہ بھی حرام وگناہ نہیں ہے بلکہ یہ صورت بھی جائز ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ فاضل بریلوی کے نزدیک بھی اذان قبر صرف جائز ہے واجب وضروری نہیں ہے اور وہ جائز کام جسے کسی سبب سے لوگ واجب یا سنت سمجھنے لگیں اور اس کا عقیدہ بنالیں تو علمائے اہل سنت فرماتے ہیں کہ اس کا ترک واجب ہے اور کرنا مکروہ ہے۔ چنانچہ ایک مسئلہ کے تحت علامہ ابراہیم الحلبی المداری غنیۃ المستملی صفحہ ۹۵۶ر پر تحریر فرماتے ہیں:

"وما یفعل عقیب الصلوۃ فمکروہ لان الجھال یعتقدونھا سنۃ او واجبۃ وکل مباح یودی الیہ فمکروہ"

یعنی جس جائز کام کو جاہل لوگ سنت یا واجب عقیدہ کرلیں اس کام کو کرنا مکروہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ھذا ماظھر لی والعلم عند ربی.

کتبـــــــ

دیہات میں جمعہ کا حکم

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان ذوی الاحترام کہ ہمارے گاؤں گرام ملہوپور تھانہ بھوتا تحصیل فرید پور میں قریبا ۵۰ سال قبل سے جمعہ قائم تھا، ۲۰۰۸ء میں مولانا اشراف رجا (اشرف رضا) نے آکر ظہر قائم کر دی، جس سے عوام میں تفرقہ پھیل گیا کچھ لوگ ادھر ادھر بھی جانے لگے۔ سب کا اتفاق ہے کہ مسجد میں جمعہ ہی قائم کیا جائے۔

سائل: محمد عرفان، مذکورہ پتہ

الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

فقہائے احناف کے نزدیک صحت جمعہ کے لیے مصر یا فنائے مصر کی شرط رکھی گئی ہے اور مصر کی تعریف میں فقہائے احناف کا اختلاف ہے۔ اکثر فقہائے احناف نے ظاہر روایت کے مطابق مصر کی یہ تعریف کی ہے:

کل موضع له امیر و قاض ینفذ الاحکام و یقیم الحدود کما الھدایۃ وغیرھا من الکتب الفقھیۃ.

یعنی وہ موضع جہاں کوئی حاکم یا قاضی، جج ہو جو احکام نافذ کر سکتا ہو اور حدود قائم کرتا ہو۔

امام علاء الدین سمرقندی نے تحفۃ الفقہاء میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے مصر کی تعریف اس طرح نقل فرمائی ہے: مصر وہ موضع ہے جہاں متعدد کوچے اور بازار ہوں اور وہ ضلع یا پرگنہ ہو اور وہاں کوئی حاکم ہو جو مقدمات رعایا کا فیصلہ کرنے پر مقرر ہو خواہ اپنئ علم سے یا دوسرے کے علم۔ جس کی حشمت وشوکت اس قابل ہو کہ وہ ظالم سے مظلوم کا انصاف لے سکے۔ ملتقی الابحر، مجمع الانہر، ظہیریہ و خلاصہ وغیرہ کتب فقہیہ میں اسی تعریف کو ظاہر مذہب قرار دیا گیا ہے۔ علامہ وعلامہ کرخی وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ مصر کی اس تعریف کے مطابق ہندوستان ودیگر اسلامی ملکوں کے لاکھوں مواضع، بلاد، ٹاؤن، ایریا وقصبات مصریت کی تعریف سے خارج ہو رہے ہیں۔ کہ ان میں ایسا امیر و قاضی نہیں جو احکام شرع نافذ کرے اور حدود شرعیہ قائم کرے۔ اور جب یہ بلاد مصر کی تعریف سے خارج ہوں گے تو کروڑوں مسلمانوں کی جماعت شرف جمعہ سے محروم ہو گی۔ آج گلوبلائزیشن کے دور میں کل کے جو مصر تھے آج قصبات وبلاد میں وہ سہولیات اور آبادیوں کی بہتات دیکھنے کو

مل رہی ہے۔ دین میں سب کے لیے آسانی کیراہ نکالنا مفتیان وقت کی ذمہ داری بن گئی ہے۔ چنانچہ اسی کے پیش نظر حضرت ابو عبد اللہ بلخی مصر کی تعریف اس طرح فرماتے ہیں:

انه قال احسن ما سمعت انه اذا اجتمعوا فی اکبر مساجدهم لم یسعوا فیه فهو مصر.

یعنی ایسی جگہ جہاں کے مکلف مسلمان اپنی سب سے بڑی مسجد میں جمع ہوں تو وہ اس مسجد میں سما نہ سکیں تو وہ مصر ہے۔ ایسا ہی امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کما فی الهداية وعناية شرح الهداية للامام اکمد الدین۔ اسی کو امام ثلجی رضی اللہ عنہ نے اختیار فرمایا جو امام کے اصحاب میں سے ہیں۔ متاخرین نے اسی کو اختیار کیا ہے اور اکثر فقہائے حنفیہ نے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔ چنانچہ در المختار میں ہے: علیه اکثر الفقهاء مجتبیٰ لظهور التوانی فی الاحکام۔ الغرض مصر کی تعریف میں اختلاف علماو فقہا ہونے کی وجہ سے ہندوستان اور دوسرے اسلامی ملکوں بلکہ اکثر ایشیائی ممالک میں بلاد و مواضع وقصبات میں صحت جمعہ کے لیے شک واشتباہ ہو گیا ہے۔ اور وہ مواضع جہاں وقصبات جن کی مصریت میں شک و اشتباہ ہو اور جہاں جمعہ کی صحت پر تردد ہو۔ وہاں علمائے اسلام اور فقہائے دین ومذہب سے بچنے کے لیے صرف خواص کے لیے ظہر احتیاطی پڑھنے کا حکم ہے۔ عوام کے لیے یہ حکم نہیں ہے۔ لان الخروج من الخلاف مستحب اجماعا ما لم یلزم المحذور. رد المحتار المعروف بالفتاویٰ الشامیۃ میں ہے:نقل عن المقدسی عن المحیط کل موضع وقع الشك فی کونه مصرا ینبغی ان یصلوا بعد الجمعة اربعا بنیة الظهر احتیاطا ومثله فی کافی وفی القنیة امر أمتهم بالاربع حتما احتیاطا. اھ۔ رہا یہ کہ ظہر احتیاطی واجب ہے یا مستحب تو اس کے لیے علامہ مقدسی کا یہ قول کافی ہے:یعنی اگر صحت جمعہ میں وہم ہو تو مندوب و مستحب اور اور شک وتردد ہو تو واجب ہے۔ قال ذکر ابن شحنة عن هذا التصریح بالندب وبحث فیه بانه ینبغی ان یکون عند مجرد التوهم اما عند قیام الشك والشتباه فی صحة الجمعة فالظاهر الوجوب. و نقل عنه شیخه ابن الهمام ما یفیده. علامہ مقدسی نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ظہر احتیاطی کا حکم صرف خواص کو دیا جائے عوام کو نہیں۔ اسی لیے علامہ مقدسی فرماتے ہیں: وقال المقدسی نحن لا نامر بذالك امثال هذه العوام بل ندل علیه الخواص ولو بالنسبة الیهم. ملخصا۔ خواص بھی اس ظہر احتیاطی کو انفرادی پور پر پڑھیں اس لیے کہ ظہر احتیاطی جماعت سے نہیں پڑھتے ہیں۔ اس میں بہتر اور اولیٰ طریقہ یہ ہے کہ اپنے گھر جاکر خفیہ طور سے پڑھیں۔ جمعہ کی نماز کے بعد فوراً ظہر احتیاطی

باجماعت اسی مصلے پر انھیں مقتدیوں کے ساتھ پڑھنے یا پڑھانے میں بعض ناخواندہ مسلمانوں کو عدم فرضیت جمعہ کا شبہ ہو سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ لوگ فرضیت جمعہ کے ہی سرے سے منکر ہو جائیں۔ اور ایسی صورت میں اس کی تکفیر ہو گی۔ اور اس کا سبب ظہر احتیاطی باجماعت پڑھانے والا امام اور پڑھنے والے مقتدی ہوں گے۔ اس طرح دونوں فریق گناہ عظیم میں مبتلا ہو جائیں گے۔ والعیاذ باللہ۔

اس لیے ہمارے علمائے ذوی الفہم والا دراک اور اولو الالباب فقہائے اسلام نے عوام کو ظہر احتیاطی کی اطلاع تک نہیں دی۔ خواص کو خفیہ طور سے اپنے گھروں میں منفرد پڑھنے کا کہا۔ چنانچہ در المختار میں لکھا: وفی البحر : وقد افتیت کرارا لعدم صلاۃ الاربع بعدھا بنیۃ اخر ظھر خوف اعتقاد عدم فرضیۃ الجمعہ وھو الاحتیاط فی زماننا. واما من لا یخاف علیہ مفسدۃ منھا فالاولیٰ ان تکون فی بیتہ خفیۃ. یعنی در مختار میں البحر سے منقول ہے کہ میں نے بارہا یہ فتویٰ دیا ہے کہ جمعہ کے بعد اخر ظہر کی نیت سے چار رکعت نماز نہ پڑھی جائے، ہو سکتا ہے لوگ جمعہ فرض نہ ہونے کا اعتقاد بنالیں۔ اور ہمارے زمانے میں نہ پڑھنے میں ہی بس احتیاط ہے۔ اور جن لوگوں کے بارے میں فساد اعتقاد کا خوف نہ ہو ان کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ اپنے گھر جا کر خفیہ طور سے چار رکعت پڑھ لیں۔

جس نے فرض جمعہ کے بعد اسی مصلے پر اسی امام کی قیادت میں چار رکعت ظہر احتیاطی باجماعت قائم کیا ہے وہ جاہل نہیں تو گمراہ ہے اور گمراہ نہیں تو جاہل ضرور ہے۔ وہ مسلک حنفی سے منحرف ہو کر شاید کسی نئے مسلک کو رواج دینے کی جرات کر رہا ہے۔ اس کا یہ عمل شرع شریف، تعامل ناس اور اجماع بین المسلمین کے خلاف ہے۔ سلف صالحین اور خلف راشدین سے باجماعت ظہر کا ثبوت کیوں نہیں ملا۔ اور ایسی صورت میں جب کہ اس کی وجہ سے آپسی اختلاف وانتشار برپا ہے۔، نقض امن کا خطرہ ہے۔ اور اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں عوام یہ نہ ماننے لگے کہ جمعہ سرے سے خدا کے فرض میں سے ہی نہیں ہے۔ یا جمعہ کے جمعہ کے وقت دو دو فرض ہے دو جمعہ کے الگ اور چار ظہر کے الگ۔ امام مذکور پر لازم ہے کہ جمعہ کے بعد باجماعت ظہر احتیاطہ پڑھانے سے باز آجائے۔ اور الفتنۃ اشد من القتل کو سامنے رکھتے ہوئے فتنے کو ہوا نہ دے۔ اور جو غلطی کر چکا ہے اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرے اور اپنی غلطی کی معافی مانگے۔ اس مسئلے میں مزید معلومات کے لیے الجامعۃ الاشرفیہ مبارک اعظم گڑھ سے مجلس شرعی کا فیصلہ بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ہذا ما ظہر لی والعلم عند الخبیر العلیم بالصواب۔

استکتبہ

ابو الحماد محمد اسرافیل حیدری
خادم دار الافتاء دار النور مکن پور شریف، کانپور نگر یوپی

جماعت چھوڑنے والے کی امامت کا حکم/کیا ہر مکروہ تحریمی سے نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے؟/واجب داخلی اور واجب خارجی کا فرق

السلام علیکم ورحمة الله و برکاته

کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ ایک حافظ قرآن ہیں جو پارسل کا کام کرتے ہیں نماز کی پابندی کرتے ہیں یا نہیں یہ کسی کو نہیں معلوم البتہ جماعت سے نماز نہیں پڑھتے، اس میں کوئی شک نہیں۔ کیا ایسے حافظ صاحب کو امام تراویح بنایا جاسکتا ہے؟ بینوا و توجروا

المستفتی: ازہر القادری، تنگا گاؤں ساکی وہار روڈ پوئی ممبئی

الجواب

وعلیکم السلام و رحمة الله تعالیٰ و برکاته

نماز کو جماعت سے ادا کرنا واجب ہے، اور اس کو بلا عذر ترک کرنے والا فاسق و فاجر اور سزا کا مستحق ہے، لہذا ایسے شخص کے پیچھے تراویح یا کوئی دوسری نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، کسی ایسے پابند شرع حافظ قرآن کو امام تراویح بنائیں، جو فرائض و واجبات سے بھی واقف ہو، تاہم اس کے پیچھے نماز تراویح ادا کی گئی تو نماز ہو جائے گی، اور اعادہ بھی ضروری نہیں، چونکہ یہ واجب نماز سے خارج ہے، لیکن اس ثواب کا حقدار نہیں ہوگا، جو ایک متقی اور پابند شرع کی اقتدا میں ملے گا۔

رد المحتار میں ہے:

"و هو أن صلاة الجماعة واجبة على الراجح فى المذهب أو سنة مؤكدة فى حكم الواجب كما فى البحر و صرحوا بفسق تاركها و تعزيره و أنه يأثم"

[رد المحتار، ج:٢، ص:١٤٨، كتاب الصلاة/ باب صفة الصلاة، دار الكتب العلمية بيروت]

بدائع الصنائع میں ہے:

"و أما بيان من يصلح للإمامة فى الجملة فهو كل عاقل مسلم، حتى تجوز إمامة العبد و الأعرابي و الأعمى و ولد الزنى و الفاسق و هذا قول عامة العلماء و قال مالك لا تجوز...و لنا ماروي عن النبي ﷺ أنه قال:صلوا خلف من قال لا إله إلا الله و قوله ﷺ: صلوا خلف كل بر و فاجر و الحديث و الله أعلم و إن ورد فى الجمع و الأعياد لتعلقهما بالأمراء و أكثرهم فساق، لكنه بظاهره حجة فيما نحن فيه، إذ العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب و كذا الصحابة رضي الله عنهم كابن عمر و غيره و التابعون اقتدوا بالحجاج فى صلاة الجمعة و غيرها مع أنه كان أفسق أهل زمانه"

[بدائع الصنائع، ج:١، ص:٦٦٦، كتاب الصلاة، فصل فى بيان من يصلح للإمامة، دار الكتب العلمية بيروت]

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

"قال أما الفاسق فتجوز الصلاة خلفه لقوله عليه الصلاة و السلام:صلوا خلف كل بر و فاجر و لأن الصحابة و التابعين رضي الله تعالى عنهم لم يمتنعوا عن الجمعة خلف الحجاج مع أنه كان أفسق أهل زمانه... و لكن مع هذا يكره تقديمه لما فيه من تقليل الجماعة فلما يرغب الناس فى الإقتداء بالفاسق" [الفتاوى التتارخانية، ج:٢، ص:١٧٨، كتاب الصلاة، الفصل السادس، أحكام الإمامة و الإقتداء، دار إحياء التراث العربي بيروت]

رد المحتار میں ہے:

"إلا أن يدعى تخصيصها بأن مرادهم بالواجب و السنة التى تعاد بتركه، ما كان من ماهية الصلاة و أجزائها، فلا يشتمل الجماعة لأنها وصف لها خارج عن ماهيتها أو يدعى تقييد قولهم...و يؤيده أيضا أنهم قالوا:يجب الترتيب فى سور القرآن فلو قرأ منكوسا أثم لكن لا يلزمه سجود السهو، لأن ذلك من واجبات القراءة لا من واجبات الصلاة كما ذكره فى البحر فى باب السهو"

[رد المحتار، ج:٢، ص:١٤٨، كتاب الصلاة/ باب صفة الصلاة، دار الكتب العلمية بيروت]

منحۃ الخالق شرح البحر الرائق میں ہے:

"ومن ارتكب مكروها تحريما تجب عليه إعادة الصلاة أو مكروها تنزيها تستحب كما سنذكره فى الباب الآتى فالأولى تأويل القاعدة بأن يراد بالواجب و السنة الذى تعاد الصلاة بتركه ما كان من أجزاء الصلاة و ماهيتها و الجماعة وصف لها خارج عنها فلا تعاد الصلاة لتركه فليتأمل" [منحة الخلق على البحر الرائق مع كنز الدقائق، ج:٢، ص:١٢٨، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة دار الكتب العلمية بيروت]

فاسق کی امامت مکروہ بھی اسی وقت ہے جب وہاں کوئی دوسرا اس سے بہتر مستحق امامت موجود ہو، اور اسے اس کی موجودگی میں امامت کے لیے آگے بڑھایا جائے، لیکن اگر کوئی دوسرا متقی باشرع فرد وہاں موجود نہ ہو، تو پھر اس کی امامت میں کوئی کراہت بھی نہیں، چنانچہ بحر العلوم ملک العلما شیخ عبد العلی لکھنوی رسائل الارکان میں لکھتے ہیں:

"و يكره إمامة الفاسق بعد الإعتماد على الإتيان بشروط الصلاة على وجه الإحتياط ثم الكراهة إنما هي إذا وجد إمام تقي و تقدم عليه الفاسق و أما إذا لم يجد فلا كراهة"

[رسائل الأركان، ص:٩٨، كتاب الصلاة، فصل فى الجماعة، المطبع اليوسفى لكنؤ] واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبـــــــ

الجواب ـــــــ

ہوں، پھر وہ جوان کے بعد ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صف میں بڑوں اور سمجھ داروں کو مقدم رکھا جائے، البتہ بچوں کی موجودگی قطعِ صف نہیں کہلاتی بشرطیکہ وہ مُمیز ہوں۔

أقوالُ الفُقَهاءِ :

۱.الفتاوی الهنديَّة میں ہے:

" الْمُمَيِّزُ لَا تَنْقَطِعُ بِهِ الصَّفُّ، وَالْغَيْرُ الْمُمَيِّزِ تَنْقَطِعُ عَلَى الْأَصَحِّ."

(الفتاوى الهنديَّة، ج ١، ص ٨٦)

ترجمہ: مُمیز بچے سے صف نہیں ٹوٹتی، اور غیر مُمیز سے صف ٹوٹ جاتی ہے، یہی صحیح قول ہے۔

۲.ردُّ المُحتارِ:

" فَالصَّبِيُّ الْمُمَيِّزُ لَا تَنْقَطِعُ الصَّفُّ بِهِ، كَمَا فِي الْبَحْرِ. " (ردُّ المُحتار، ج ١، ص ٥٦٦)

ترجمہ: مُمیز بچہ صف میں ہو تو اس سے صف نہیں ٹوٹتی، جیسا کہ بحر الرائق میں ہے۔

۳.عمدةُ القارِي میں ہے:

"الصَّغِيرُ إِنْ كَانَ مُمَيِّزًا وَكَانَ يُصَلِّي، فَلَا بَأْسَ بِوُقُوفِهِ فِي الصَّفِّ."

(عمدةُ القارِي، ج ٥)

ترجمہ: اگر بچہ مُمیز ہو اور نماز پڑھ رہا ہو تو اس کا صف میں کھڑا ہونا درست ہے۔

۴.شرحُ صحيحِ مُسلِمٍ للنَّوَوِيِّ میں ہے:

" لَوْ صَلَّى الصَّبِيُّ مَعَ الْقَوْمِ فِي صَفِّهِمْ فَصَلَاتُهُ صَحِيحَةٌ وَلَا تُفْسِدُ صَلَاتَهُمْ."

(شرحُ صحيحِ مُسلِمٍ، تحت حديث: ٤٣٢)

ترجمہ: اگر بچہ جماعت کے ساتھ صف میں نماز پڑھے تو اس کی نماز بھی درست ہے اور وہ دوسروں کی نماز کو فاسد نہیں کرتا۔

نتیجۂ فتویٰ:

۱.جو بچہ مُمیز ہو (یعنی سات سال یا اس سے زیادہ عمر کا ہو اور نماز کے افعال درست طور پر ادا کر سکتا ہو) وہ صف میں کھڑا ہو تو اس سے قطعِ صف نہیں ہوتی۔

۲. جو بچہ غیرُ مُمیز ہو (یعنی تین، چار یا پانچ سال کا ایسا بچہ جو نماز کے افعال صحیح طور پر نہ کر سکتا ہو) تو اگر وہ دو بالغوں کے درمیان کھڑا ہو تو قطعِ صف ہو جاتی ہے۔

۳. لہٰذا بہتر اور اولیٰ یہی ہے کہ چھوٹے بچوں کو صف کے کنارے یا پیچھے کھڑا کیا جائے، تاکہ صف کا اتصال باقی رہے اور شریعت کے اداب بھی ملحوظ رہیں۔ واللّٰہُ تعالی أعلمُ بالصَّواب.

کتبـــــــ

مسند احمد بن حنبل میں حدیث شریف ہے:

"اتموا الصف المقدم ثم الذى يليه فما كان من نقص فليكن في الصف المؤخر"

[مسند احمد بن حنبل، ج٢١، ص١١٤، مؤسسة الرسالة، بيروت]

در مختار میں ہے:

"و لو صلى على رفوف المسجد، إن وجد فى صحنه مكانا، كره كقيامه فى صف خلف صف فيه فرجة"

اس کے درج ذیل فتاویٰ شامی میں ہے:

"هل الكراهة تنزيهية أو تحريمية، و يرشد إلى الثانى قوله عليه الصلاة و السلام:و من قطعه قطعه الله"

[رد المحتار مع در مختار، ج:٢، ص:٣١٢، كتاب الصلاة/ باب الإمامة، دار عالم الكتب رياض]

بدائع الصنائع میں ہے:

"ثم الصلاة منفردا خلف الصف إنما تكره إذا وجد فرجة فى الصف فأما إذا لم يجد فلا تكره لأن الحال حالةالعذر و إنها مستثناة"

[بدائع الصنائع، ج:٢، ص:٨٧، كتاب الصلاة/ فصل فيما يستحب و يكره فيها، دار الكتب العلمية بيروت]

عمدۃ الرعایہ میں ہے:

" (و القيام خلف صف وجد فيه فرجة) و ذلك لحديث "أتموا الصف المقدم ثم الذى يليه فما كان من نقص، فليكن فى الصف المؤخر، أخرجه أبو داؤد و النسائي و هو يفيد كراهة القيام فى المؤخر قبل إتمام المقدم" [عمدة الرعاية على شرح الوقاية، ج:٢، ص:٢٠٠، كتاب الصلاة/ باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، دار الكتب العلمية بيروت]

لیکن اگر کوئی شخص اس خالی جگہ کو چھوڑ کر دوسری صف میں کھڑا ہو گیا تو نماز ہو جائے گی، نماز سے خارج نہ ہو گا، چوں کہ اتمام صف یعنی صف کو پورا کرنا واجب ضرور ہے، اور اس کا خلاف مکروہ تحریمی؛ البتہ یہ واجبات نماز سے نہیں، بلکہ واجبات صف سے ہے، اور نماز واجب الاعادہ یا فاسد ایسے ترک واجب سے ہوتی ہے، جو اجزاے نماز سے ہو یا نفس نماز سے متعلق ہو، اور جو واجبات نماز سے نہ ہو بلکہ واجبات قراءت سے ہو جیسے قرآن کی سورتوں

میں ترتیب کا وجوب؛ یا واجبات امامت سے ہو جیسے امام کا فاسق نہ ہونا؛ یا واجبات صف سے ہو جیسے تسویۂ صف، اتمام صف اور تراص صف کا وجوب وغیرہ، پس ان تمام واجبات کے ترک سے نماز واجب الاعادہ یا فاسد نہیں ہوتی، لیکن بلا عذر ایسا کرنے والا مکروہ تحریمی کا مرتکب اور گنہ گار ہوتا ہے۔

بخاری شریف میں حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

"أنه إنتهى إلى النبي ﷺ و هو راكع، فركع قبل أن يصل إلى الصف فذكر ذلك للنبي ﷺ فقال: زادك الله حرصا ولا تعد"

[الصحيح البخاري، أبواب صفة الصلاة/ باب إذا ركع دون الصف، دار الكتب العلمية بيروت]

علامہ عینی حنفی عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں:

"بل الصواب أن يقول:فلتكن التسوية واجبة بمقتضى الأمر و لكنها ليست من واجبات الصلاة بحيث أنه إذا تركها فسدت صلاته أو نقصتها، غاية ما فى الباب إذا تركها يأثم" [عمدة القاري على الصحيح البخاري، ج:٥، ص:٣٧١، كتاب الأذان/ باب تسوية الصفوف عند الإقامة، دار الكتب العلمية بيروت]

رد المحتار میں ہے:

"قالوا:يجب الترتيب فى سور القرآن فلو قرأ منكوسا أثم لكن لا يلزمه سجود السهو، لأن ذلك من واجبات القراءة، لا من واجبات الصلاة، كما ذكره فى البحر فى باب السهو" [رد المحتار، ج:٢، ص:١٤٨، كتاب الصلاة/ باب صفة الصلاة، دار عالم الكتب رياض]

لہذا صورت مسئولہ میں تیسری صف والے نماز سے خارج نہیں ہوں گے، البتہ ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے، اور بلا عذر ایسا کیا ہے تو گنہ گار ہوئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبـــــــ

بلاضرورت وحاجت اور بے محل لقمہ دینے اور امام کے لینے سے نماز مطلقا فاسد نہیں ہوتی/دو درجن حوالوں سے لبریز تحقیقی فتویٰ

کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وشرع متین مسئلہ ذیل میں کہ اگر مقتدی نے بلاضرورت وحاجت امام صاحب کو لقمہ دے دیا اور امام صاحب نے لے لیا تو کیا امام سمیت سب مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائے گی، مثلا امام صاحب نے صحیح پڑھا اور مقتدی نے لقمہ دے دیا اور امام۔ صاحب نے لقمہ لے لیا، یا امام صاحب قراءت کی مایجوز مقدار پڑھ چکے ہیں، اور مقتدی نے لقمہ دیا اور امام صاحب نے لے لیا، یا امام صاحب نے وتر کی جماعت میں قنوت چھوڑ دی اور رکوع میں جا پہنچے، مقتدی نے لقمہ دیا امام صاحب نے لے لیا اور دوبارہ قنوت کے لیے قیام کی طرف واپس ہوئے، چونکہ ان تمام صورتوں میں مقتدی نے بے محل اور بلاضرورت لقمہ دیا اور امام صاحب نے لے لیا، تو کیا ان تمام صورتوں میں امام سمیت سب مقتدیوں کی نماز فاسد ہو گی یا درست، صحیح جواب سے نواز کر عند اللہ ماجور اور عند الناس مشکور ہوں۔

سائل: مولانا ایاز حسین تسلیمی، ساکن محلہ ٹانڈہ متصل مسجد مدار اعظم بہیڑی ضلع بریلی

الجواب

صورت مستفسرہ میں کسی کی نماز فاسد نہیں ہو گی نہ لقمہ دینے والے مقتدی کی اور نہ امام کی کیونکہ بلا ضرورتِ ملجئہ وغیر محل میں لقمہ دینا اگرچہ خلاف اولی ومکروہ ہے لیکن مفسد نماز نہیں ہے۔ حدیث کی رو سے مقتدی کا اپنے امام کو لقمہ دینا مطلقا جائز ہے خواہ امام قدر مایجوز بہ الصلوٰۃ کی قراءت کر چکا ہو یا نہیں۔ اگر امام قدر مایجوز بہ الصلوٰۃ کی قراءت کر چکا ہو یا کسی دوسری آیت کی طرف چلا جائے یا قدر مایجوز بہ الصلوٰۃ کی قراءت کرنے کے بعد ٹھہر جائے اور دوسری آیت کی طرف منتقل نہ ہو۔ یا وتر کی تیسری رکعت میں بھول کر دعائے قنوت پڑھے بغیر رکوع میں چلا جائے پھر مقتدی امام کو لقمہ دے اور امام اس کا لقمہ لے کر پھر قیام کی طرف واپس اکر دعائے قنوت پڑھ لے، اور اخر میں سجدہ سہو کر لے، تو مذکورہ صورتوں میں سے کسی بھی صورت میں کسی کی نماز فاسد نہیں ہو گی۔ جیسا کہ ابوالحسنات حضرت علامہ عبدالحئ فرنگی محلی علیہ الرحمہ اپنے رسالہ قوت المغتذین بفتح المقتدین میں فرماتے ہیں:

"اختلف المشايخ فی ما اذا قرأ الامام مقدار ما يجوز به الصلوٰة او انتقل الى آية اخرىٰ ففتح هل تفسد صلوٰته؟ قال بعضهم: نعم، و لو اخذ الامام فتحه تفسد صلوٰته أيضاو كذا اختلف فی ما اذا قرأ الامام مقدار ما يجوز به الصلوٰة و توقف و لم ينتقل الى آية اخرىٰ ففتحه المقتدی هل تفسد صلوٰته؟ قال بعضهم:نعم، واستدلوا على ذالك بان الفتح انما جوز للضرورة و لا ضرورة فی هذه الصورة، لكن الأصح أنه لا تفسد صلوٰة الفاتح و لا المستفتح فی ما اذافتح المقتدی امامه مطلقاً، نعم الامتناع عن الفتح و الاستفتاح اولى عند عدم الضرورة الملجئة كذا فی النهر الفائق و ملتقى الابحر و غيرهما و فی مجمع الانهر و عليه الفتوىٰ. قلت و يدل عليه حديث ابی داؤد الذی ذكرنا ايضًا، فان النبی عليه الصلوٰة والسلام لما ترك آية و قال له رجل تركت آية كذا و كذا قال هلا أ ذكرتنيها فلو لم يكن مطلق الفتح جائزاً لما حضضه على الفتح مع قراءته قدر ما يجوز به الصلوٰة" [قوت المغتذين بفتح المقتدين، ص: ٢٤/ ، ٢٥، اصدار مركز انوار العلماء للدراسات]

در مختار مع الشامی میں ہے:

"بخلاف فتحه على إمامه فإنه لا يفسد مطلقا لفاتح و آخذ بكل حال"

آگے شرح کرتے ہوئے علامہ شامی لکھتے ہیں:

"سواء قرأ الامام قدر ما تجوز به الصلوة أم لا انتقل الى آية اخرىٰ ام تكر الفتح ام لا هو الأصح" [رد المحتار، ج:٢، ص: ٣٨١/٣٨٢، كتاب الصلوٰة باب ما يفسد الصلوٰة و ما يكره فيها، دار عالم الكتب للطباعة والنشر و التوزيع الرياض]

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

" و إن فتح على إمامه لم تفسد ثم قيل ينوى الفاتح بالفتح على إمامه التلاوة و الصحيح ان ينوى الفتح على إمامه دون القراءة قالوا هٰذا اذا ارتج عليه قبل ان يقرأ قدر ما تجوز به الصلوة او بعد ما قرأ و لم يتحول الى آية اخرىٰ و اما اذا قرأ و تحول ففتح عليه، تفسد صلوٰة الفاتح و الصحيح أنها لا تفسد صلوٰة الفاتح بكل حال و لا صلوٰة الامام لو

اخذ منه على الصحيح" [الفتاوى الهندية، ج:١، ص:٩٩، كتاب الصلوٰة، الباب السابع فيما يفسد الصلوٰة و ما يكره فيها، المطبعة الكبرىٰ الأميرية ببولاق مصر المحمية]

البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے:

"و ذكر فى الأصل و الجامع الصغير انه اذا فتح على إمامه يجوز مطلقاً لأن الفتح و ان كان تعليما ولكن التعليم ليس بعمل كثير و أنه تلاوة حقيقية فلا يكون مفسدا و ان لم يكن محتاجا إليه و صحح فى الظهيرية أنه لا تفسد صلوٰة الفاتح على كل حال و تفسد صلوٰة الامام اذا اخذ من الفاتح بعد ما انتقل الى آية اخرىٰ و صحح المصنف فى الكافى أنه لا تفسد صلوٰة الإمام ايضًا. فصار الحاصل أن الصحيح من المذهب ان الفتح على إمامه لا يوجب فساد صلوٰة احد لا الفاتح و الآخذ مطلقاً فى كل حال" [البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج: ٢، ص: ١٠، كتاب الصلوٰة باب ما يفسد الصلوٰة و ما يكره فيها، دار الكتب العلمية بيروت لبنان]

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

"و ان قرأ الامام مقدار ما تجوز به الصلوٰة إلا أنه توقف و لم ينتقل الى آية أخرىٰ حتىٰ فتح المقتدى اختلفوا فيه و الصحيح أنه لا تفسد صلوٰة الفاتح و ان اخذ الامام بفتحه لا تفسد صلوٰتهم"

[فتاویٰ قاضی خان، ج:١، ص:١٢٦، كتاب الصلوٰة، فصل فيما يفسد الصلوٰة، دار الكتب العلمية بيروت لبنان]

مجمع الانہر میں ہے:

"لا تفسد ان فتح على إمامه مطلقاً سواء كان مقدار ما يجوز به الصلوٰة او لم يقرأ او تحول الى آية اخرىٰ او لم يتحول و الأصح و عليه الفتوى إحتراز عن قول بعض المشائخ أنه اذا قرأ مقدار ما تجوز به الصلوٰة او انتقل الى آية اخرىٰ ففتح تفسد صلوٰة الفاتح و ان اخذ الامام منه تفسد صلوٰة الامام ايضًا لأن هذا الفتح لم يكن كلاما إستحسانا" [مجمع الانهر فى شرح ملتقى الابحر، ج:١، ص:١٨٠، كتاب الصلوٰة/باب ما يفسد الصلوٰة و ما يكره فيها، دار الكتب العلمية بيروت لبنان]

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں ہے:

"و إن فتح على إمامه لا تفسد استحسانًا و قيل ان قرأ قدر ما تجوز به الصلوٰة تفسد لأنه لا ضرورة إليه و قيل ان انتقل الى آية أخرىٰ ففتح عليه تفسد صلوٰة الفاتح و كذا صلوٰة الإمام إن أخذ بقوله لعدم الحاجة إليه وجه الأول قوله عليه الصلوٰة والسلام اذا استطعمك الإمام فأطعمه مطلقًا من غير فصل" [تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج:١، ص:٣٩٣، كتاب الصلوٰة، باب ما يفسد الصلوٰة و ما يكره فيها، دار الكتب العلمية بيروت]

حاشیہ چلپی علیٰ تبیین الحقائق میں ہے:

"و فى جامع قاضى خان و فتاواه و جامع التمرتاشى لو استفتح بعد ما قرأ مقدار ما تجوز به الصلوٰة ففتح عليه اختلفوا فيه قيل تفسد صلوٰته و لو اخذ الامام تفسد صلوٰة الكل و الأصح أنه لا تفسد صلوٰة أحد" [حاشية الشلبي على تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج:١ ص:٣٩٣، كتاب الصلوٰة، باب ما يفسد الصلوٰة و ما يكره فيها، دار الكتب العلمية بيروت]

نہر فائق میں ہے:

"و يفسد ايضًا فتحه أى المصلى على غير إمامه"

پھر ایک سطر بعد فرماتے ہیں:

"وقيد به لأن فتحه على إمامه غير مفسد سواء قرأ قدر ما تجوز به الصلوٰة أم لا انتقل الى آية اخرىٰ أم لا كره ام لا هو الأصح لإطلاق الحديث"

[النهر الفائق ج:١، ص:٢٦٩، كتاب الصلوٰة، باب ما يفسد الصلوٰة و ما يكره فيها، دار الكتب العلمية بيروت لبنان]

حاشیۃ الدر الحکام فی شرح غرر الاحکام میں ہے:

"و إن فتح على إمامه لا تفسد استحسانًا أى مطلقًا سواء قرأ ما تجوز به الصلوٰة أو لا و هو الأصح و إليه اشار بقوله عقبه و قيل إن قرأ قدر ما تجوز به الصلوٰة تفسد و سواء انتقل أو لا على ما عليه عامتهم من عدم الفساد و هو الأوفق لإطلاق المرخص و إليه أشار بقوله و قيل ان انتقل إليه... كما فى فتح القدير و سواء تكر منه الفتح او لا وهو

الأصح كما فى البحر" [حاشية الدر للشرنبلالى، ج:١، ص:١٠، كتاب الصلوٰة/باب ما يفسد الصلوٰة و ما يكره فيها، مكتبة مير محمد كتب خانه آرام باغ كراتشي]

جامع الرموز میں ہے:

"و إلىٰ أن صلوة المفتوح عليه لم تفسد بالأخذ و إلىٰ أن الفتح على الامام غير مفسد لا لصلاته و لا لصلوة الفاتح و قيل تفسد صلوٰتهما و الصحيح انه لا تفسد بكل حال" [جامع الرموز، ج:١، ص:٦٢٦، كتاب الصلاة، فصل يفسدها الكلام، دار الكتب العلمية بيروت]

حلبی کبیر میں ہے:

"و إن فتح على إمامه قيل ان فتح بعد ما قرأ الامام مقدار ما تجوز به الصلوٰة تفسد صلوٰة الفاتح و إن اخذ الامام بقوله تفسد صلوٰة الكل وهو القياس لكونه تعليما و تعلما من غير ضرورة و الصحيح أنه أى الشان لا تفسد صلوٰة الفاتح و لا صلوٰة الامام ان اخذ بقوله وهو الإستحسان لما روى إلخ..."

[الحلبى الكبير، ج:٢، ص:٢٥٧، كتاب الصلاة، باب فيما هو يفسد الصلاة، دار الكتب العلمية بيروت]

بحر العلوم شیخ عبد العلی لکھنوی رسائل الارکان میں رقم طراز ہیں:

"و إن فتح على إمامه لا تفسد لأنه إصلاح صلوٰته لما روى الحديث إلخ... لو كان الامام انتقل الى آية اخرىٰ فسدت صلوٰته لأنه وجد تلقين و تلقن من غير عذر كذا فى الهداية و الحديث يحكم بخلافه كما لا يخفى فى فتح القدير هذا عند بعض المشائخ وعامتهم على ما يفيد المحيط على انها لا تفسد هذا هو الصحيح" [رسائل الاركان، ص:86، الرسالة الاولىٰ / فصل فيما يفسد به الصلوٰة، المطبع اليوسفى لمحمد يوسف الانصارى اللكنوى]

شرح الوقایہ میں ہے:

"و فتحه على غير إمامه و إنما قال على غير إمامه لان فتحه على إمامه لا يفسد قال بعض المشايخ اذا قرأ إمامه مقدار ما يجوز به الصلوٰة او انتقل الى آية اخرىٰ ففتح تفسد صلوٰة الفاتح و إن اخذ الامام منه تفسد صلوٰة الامام ايضًا و بعضهم قالوا لا تفسد

فی شیئ من ذالك و سمعت أن الفتوىٰ علیه"

[شرح الوقایة، ص: ١٤٠، کتاب الصلوٰة/ باب ما یفسد الصلوٰة و ما یکره فیها، مؤسسة الوراق للنشر و التوزیع]

مذکورہ بالا اقوالِ فقہاء سے ثابت ہوا کہ قرات میں بے محل لقمہ دینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، اب ذیل میں ہم وہ دلائل پیش کریں گے جن سے ثابت ہو گا کہ جس طرح قرات میں بے محل لقمہ دینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے اسی طرح ارکان میں بھی بے محل لقمہ دینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے مثلاً، امام دوسری رکعت میں قعدہ اولی کیے بغیر کھڑا ہو جائے اور مقتدی لقمہ دے دیں تو اگرچہ مکروہ ہے لیکن اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، نہ مقتدی کی اور نہ امام کی۔

ملاحظہ فرمائیں:

عَنِ ابْنِ بُحَيْنَةَ،أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى، فَقَامَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ، فَسَبَّحُوا فَمَضَى، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ.

(سنن النسائی باب التطبیق، باب ترك التشهد الأول رقم الحدیث ١١٧٨)

ترجمہ: حضرت ابن بحینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز پڑھائی تو آپ دو رکعات پر کھڑے ہو گئے، تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے سبحان اللہ کہا، تو آپ ﷺ نے قیام کو جاری رکھا، تو جب آپ ﷺ اپنی نماز سے فارغ ہوئے، تو دو سجدے کئے، پھر سلام پھیرا۔

مذکورہ بالا حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ اگر امام چار رکعت والی نماز میں دو رکعت پر بیٹھنے کے بجائے سیدھا کھڑا ہو جائے اور مقتدی اس کو لقمہ دے دیں تو اس کو یہ لقمہ نہیں لینا چاہیے بلکہ اپنے قیام کو جاری رکھنا چاہیے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد سجدہ سہو کر لینا چاہیے، اور دوسری یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ لقمہ دینے والے کی نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، اگر فاسد ہوتی تو رسول اللہ ﷺ نماز دہرانے کا حکم ارشاد فرماتے۔

سنن ابی داؤد میں زیاد بن علاقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ قَالَ،صَلَّى بِنَا الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ فَنَهَضَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ، قُلْنَا، سُبْحَانَ اللهِ. قَالَ، سُبْحَانَ اللهِ. وَمَضَى، فَلَمَّا أَتَمَّ صَلَاتَهُ وَسَلَّمَ سَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ، رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ كَمَا صَنَعْتُ.

ترجمہ: حضرت زیاد بن علاقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں، ہمیں مغیرہ بن شعبہ

رضی للہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھائی تو آپ دوسری رکعت پر کھڑے گئے، ہم نے کہا سبحان للہ تو آپ نے بھی سبحان للہ کہا اور اپنے قیام کو جاری رکھا، تو جب اپنی نماز پوری کرلی اور سلام پھیرا، تو سہو کے دو سجدے کئے، تو جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا، کہ میں نے رسول للہ ﷺ کو ایسے ہی کرتے ہوئے دیکھا ہے جیسا کہ میں نے کیا۔

قَالَ أَبُو دَاوُدَ : وَكَذَلِكَ رَوَاهُ ابْنُ أَبِي لَيْلَى، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، وَرَفَعَهُ. وَرَوَاهُ أَبُو عُمَيْسٍ، عَنْ ثَابِتِ بْنِ عُبَيْدٍ، قَالَ، صَلَّى بِنَا الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ. مِثْلَ حَدِيثِ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ، أَبُو عُمَيْسٍ أَخُو الْمَسْعُودِيِّ، وَفَعَلَ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ مِثْلَمَا فَعَلَ الْمُغِيرَةُ وَعِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ وَالضَّحَّاكُ بْنُ قَيْسٍ وَمُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ، وَابْنُ عَبَّاسٍ أَفْتَى بِذَلِكَ، وَعُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ، وَهَذَا فِيمَنْ قَامَ مِنْ ثِنْتَيْنِ، ثُمَّ سَجَدُوا بَعْدَمَا سَلَّمُوا.

(سنن أبي داؤد كتاب الصلوة، تفريع أبواب الركوع والسجود، باب من نسي أن يتشهد وهو جالس، رقم الحديث ١٠٣٧)

ترجمہ: امام ابو داؤد رحمہ للہ تعالیٰ فرماتے ہیں، اور اسی طرح اس کو ابن ابی لیلیٰ نے شعبی سے انہوں نے مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا اور اس کو مرفوع بیان کیا ہے، اور اس کو ابو عمیس نے ثابت بن عبید سے روایت کیا، فرماتے ہیں ہمیں مغیرہ بن شعبہ نے نماز پڑھائی زیاد بن علاقہ کی حدیث کی طرح، امام ابو داؤد رحمہ للہ تعالیٰ فرماتے ہیں ابو عمیس مسعودی کے بھائی ہیں، اور سعد بن ابی وقاص نے اسی طرح کیا جیسا کہ مغیرہ بن شعبہ، عمران بن حصین، ضحاک بن قیس، اور معاویہ بن ابی سفیان، رضی للہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے کیا، اور ابن عباس رضی للہ تعالیٰ عنہ نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے، اور عمر بن عبد العزیز رضی للہ تعالیٰ عنہ نے، امام ابو داؤد رحمہ للہ تعالیٰ فرماتے ہیں، اور یہ ان لوگوں کے متعلق ہے جو دوسری رکعت سے کھڑے ہو جائیں پھر سجدہ کریں سلام پھیرنے کے بعد۔

مذکورہ بالا حدیث پاک سے بھی ثابت ہوا کہ اگر امام دوسری رکعت پر بیٹھے بغیر کھڑا ہو جائے اور مقتدی لقمہ دے دیں تو اگرچہ بے محل ہے لیکن اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی، صورتِ مذکورہ میں لقمۂ بے محل اگر کلام کے درجہ میں ہوتا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی للہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ سب کی نماز فاسد ہو جاتی کیونکہ مقتدی کے سبحان للہ کہنے پر آپ نے بھی سبحان للہ کہا، اور اخر میں سجدہ سہو کیا، اور نماز نہیں دہرائی۔

علامہ عینی رحمۃ للہ تعالیٰ علیہ مذکورہ بالا حدیث پاک کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

و هذا الحديث أيضا بعينه مذهب أبي حنيفة في جميع أحكامه وهو حجة علي مخالفيه، وأخرجه الترمذي وقال هذا حديث حسن صحيح.

ترجمہ: اور یہ حدیث بھی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب کے مطابق ہے، اس کے تمام احکام میں، اور آپ کے مخالفین کے خلاف حجت ہے، اس کو امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لائے ہیں اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (شرح سنن أبي داؤد للعيني، جلد ۳ صفحه ۲٤۱، كتاب الصلوة، تفريع أبواب الركوع والسجود، باب من نسي أن يتشهد وهو جالس، مطبوعه دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

سنن الترمذی میں حضرت شعبی سے مروی ہے:

عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ، صَلَّى بِنَا الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ، فَنَهَضَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ، فَسَبَّحَ بِهِ الْقَوْمُ، وَسَبَّحَ بِهِمْ، فَلَمَّا قضى صَلَاتَهُ سَلَّمَ، ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ وَهُوَ جَالِسٌ، ثُمَّ حَدَّثَهُمْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ بِهِمْ مِثْلَ الَّذِي فَعَلَ.

ترجمہ: حضرت شعبی سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں ہمیں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھائی تو آپ دو رکعت پر کھڑے ہو گئے تو قوم نے آپ کو سبحان اللہ کے ذریعہ تنبیہ کی اور آپ نے بھی ان کو سبحان اللہ کے ذریعہ تنبیہ کی، تو جب آپ نے اپنی نماز پوری کر لی، تو سلام پھیرا، پھر سہو کے دو سجدے کئے، درانحالیکہ آپ بیٹھے ہوئے تھے، پھر ان کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا جیسا کہ انہوں نے کیا۔

(سنن الترمذي، أبواب الصلوة عن رسول الله صلي الله تعالي عليه وآله وسلم، باب الإمام ينهض في الركعتين ناسيا، رقم الحديث ۳٦٤)

سنن الدارمی میں حضرت زیاد بن علاقہ سے یوں مروی ہے:

عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ قَالَ، صَلَّى بِنَا الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ، فَلَمَّا صَلَّى رَكْعَتَيْنِ قَامَ وَلَمْ يَجْلِسْ، فَسَبَّحَ بِهِ مَنْ خَلْفَهُ، فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ أَنْ قُومُوا، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ صَلوتِهِ سَلَّمَ وَسَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ : هَكَذَا صَنَعَ بِنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(سنن الدارمي كتاب الصلوة، باب إذا كان في الصلوة نقصان، رقم الحديث ۱٥٤۲)

ترجمہ: حضرت زیاد بن علاقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں، ہمیں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھائی، تو جب آپ نے دو رکعت نماز پڑھ چکے تو کھڑے ہو گئے اور بیٹھے نہیں، تو پیچھے والوں نے آپ کو سبحان اللہ کے ذریعہ تنبیہ کی، تو آپ نے ان کو اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ، تو جب آپ اپنی نماز سے فارغ ہوئے، تو سلام پھیرا

اور سہو کے دو سجدے کئے، اور سلام پھیرا، اور فرمایا اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ہمارے ساتھ کیا۔

المبسوط للسرخسی میں ہے:

قال رضي الله تعالي عنه، رجل أم قوما، فنسي أن يتشهد حتي قام إلي الثالثة فعلي القوم أن يقوموا معه لأنهم تبع له، وقد جاء في الحديث أن النبي صلي الله تعالي عليه وآله وسلم قام من الثانية إلي الثالثة ولم يقعد فسبحوا به فسبح بهم حتى قاموا.

ترجمہ: امام سرخسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، کوئی شخص کسی قوم کی امامت کرے کہ تشہد پڑھنا بھول جائے، یہاں تک کہ تیسری رکعت کی جانب کھڑا ہو جائے، تو قوم پر لازم ہے کہ وہ اس کے ساتھ کھڑے ہو جائیں، کیونکہ وہ اس کے تابع ہیں، اور حدیث پاک میں ایا ہے کہ نبی اکرم ﷺ دوسری رکعت سے تیسری رکعت کی جانب کھڑے ہو گئے تو مقتدیوں نے آپ ﷺ کو سبحان کے ذریعہ اگاہ کیا تو آپ ﷺ نے بھی ان کو سبحان اللہ کے ذریعہ تنبیہ فرمائی یہاں تک کہ وہ کھڑے ہو گئے۔

(المبسوط للسرخسی، جلد ۲ صفحہ ۱۱۱، باب السهو، مطبوعہ، دار المعرفة، بیروت، لبنان)

النھر الفائق شرح کنز الدقائق میں ہے:

ثم رأيته في المجتبي، قال: لو قام إلي الثالثة في الظهر قبل أن يقعد فقال المقتدي، سبحان الله، قيل لا تفسد، وعن الكرخي تفسد، وأقول، الظاهر، أن هذا الإختلاف له إلتفات إلي آخر هو أنه لو عاد بعد ما كان إلي القيام أقرب ففي فساد صلاته خلاف، وعلي عدمه فهو مفيد. (النهر الفائق، شرح كنز الدقائق، جلد ۱ صفحہ ۲۷۰، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة، وما يكره فيها، مطبوعہ دار الكتب العلمية، بيروت لبنان)

ترجمہ: پھر میں نے اس کو مجتبیٰ میں دیکھا مصنف نے فرمایا ہے کہ اگر ظہر کی نماز میں بیٹھنے سے پہلے تیسری رکعت کی طرف کھڑا ہو جائے، تو مقتدی سبحان اللہ کہدے، تو کہا گیا ہے کہ نماز فاسد نہیں ہو گی، اور امام کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ فاسد ہو جائے گی، میں کہتا ہوں، ظاہر ہے، کہ اس اختلاف کا ایک رخ دوسری جانب ہے، وہ یہ کہ اگر کھڑا ہونے کے قریب تھا، اس کے بعد لوٹا، تو اس کی نماز کے فاسد ہونے میں اختلاف ہے، اور نماز کے عدم فساد کے قول کے مطابق، تو تسبیح مفید ہے۔

منحۃ الخالق علی البحر الرائق، میں ہے:

قوله (ثم رأيته في المجتبي،الخ) قال في النهر، أقول: الظاهر، أن هذا الإختلاف له التفات إلي آخر، هو أنه لو عاد بعد ما كان إلي القيام أقرب، ففي فساد صلاته خلاف، وعلي عدمه فهو مفيد، أي وعلي القول بعدم الفساد، فالتسبيح مفيد، وسيأتي في السهو تصحيح المؤلف القول بعدم الفساد وأنه الحق.

ترجمہ: النہر الفائق میں ہے، میں کہتا ہوں، ظاہر ہے، کہ اس اختلاف کا ایک رخ دوسری جانب ہے، وہ یہ کہ اگر کھڑا ہونے کے قریب تھا، اس کے بعد لوٹا، تو اس کی نماز کے فاسد ہونے میں اختلاف ہے، اور نماز کے عدم فساد کے قول کے مطابق، تو تسبیح مفید ہے، یعنی نماز کے فاسد نہ ہونے والے قول کے مطابق تسبیح مفید ہے، اور عنقریب سہو کے بیان میں مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نماز کے فاسد نہ ہونے والے قول کی تصحیح آئیگی، اور وہی حق ہے۔

(منحة الخالق على البحر الرائق، جلد ٢ صفحه ١٣ كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها، مطبوعه دار الكتب العلمية، بيروت لبنان) و الله اعلم.

كتبـــــــ

سائل محمد جابر حنفی پوٹاکلاں پیلی بھیت

الجواب

وعلیکم السلام و رحمة الله و برکاته

شخصیت کا تعارف اسی لفظ سے کیا جاتا ہے، جس سے وہ مشہور ہوتا ہے، اور کوئی ذات اپنے نام سے مشہور نہیں، البتہ کنیتوں یا القاب سے مشہور ہے، تو اسی کنیت یا لقب کو ذکر کرنا مناسب ہوتا ہے، جس کی طرف باسانی ذہن سبقت کر جاتا ہے، یا اگر وہ اپنے نام سے مشہور ہے، کنیت اور لقب سے نہیں، تو فقط نام کو ذکر کرنا کافی ہوتا ہے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی کنیت ابو بکر اور لقب صدیق سے زیادہ مشہور ہوئے، اسی لیے انھی کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے، والد ماجد کا ذکر نہیں کیا جاتا، یہ کوئی ایسا ضروری مسئلہ نہیں، جس پر حوالہ دیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبہ

احقر ہاشم بدیعی مصباحی
مدرس جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الاولیا مکن پور شریف
۱۵/ رجب المرجب ۱۴۴۳ھ

سوال عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی شرعی حیثیت؟

سوال عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

سائل: عنوان علی جعفری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب۔ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

مذہب اسلام میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ مسلمانوں کا سب سے بڑا تہوار اور خوشی کا سب سے بڑا دن مانا جاتا ہے۔ رمضان المبارک کے روزوں کا اختتامیہ عید الفطر ہے پورے ایک ماہ کے روزوں اور عبادتوں کے اجر کے طور پر بطور انعام یہ خوشی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت کی گئی ہے۔ مسلمان اس خوشی کو اس قدر جمعیت، اجتماعیت اور اپسی محبت و رواداری کے ساتھ مناتے ہیں گویا سارا عالم ایک ہی پریوار ہو۔ بلا تفریق مذہب و ملت اس خوشی کو

ہر ادم زاد کے ساتھ شیئر کی جاتی ہے اور آج ہی کے دن صحیح معنوں میں شیخ سعدی کا یہ شعر صادق نظر آتا ہے۔

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند
کہ در آفرینش زیک جوہر اند

عیدین کی نماز کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مکی زندگی میں نہیں تھا بلکہ اس کا حکم ہجرتِ مدینہ کے پہلے سال دیا گیا۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمانے کی یہ نشانی ہے ۔بلفظ دیگر یہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ عیدین دراصل فروغ اسلام کی علامت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی خوشی اور فرحت کے لئے سال میں دو اہم دن مقرر فرمایا ہے جن میں سے ایک کا نام عید الفطر کا دن ہے تو دوسرے کا نام عید الاضحیٰ ہے۔ صحابیٔ رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے آپ صلّی اللہ علیہ والہ وسلم نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ دو دن کھیل تماشے میں گزارتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ دن کیا ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہم ایام جاہلیت میں ان دو دنوں میں کھیل تماشے کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ قَدْ اَبْدَلَكُمْ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا؛ يَوْمَ الْاَضْحٰى وَ يَوْمَ الْفِطْرِ.

"اللہ تعالیٰ نے ان ایام کے بدلے میں تمہیں ان سے بہتر دو ایام: یوم الاضحی اور یوم الفطر عطا فرمائے ہیں۔"

(ابو داؤد، السنن، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ العیدین، ۱: ۲۹۵، رقم: ۱۱۳٤)

اگر یہ پوچھا جائے کہ اخر عید الفطر کو اتنی بڑی خوشی کا دن کیوں قرار دیا گیا؟

جواباً عرض ہے کہ عید الفطر دراصل بہت سی خوشیوں کا مجموعہ ہے۔

۱- رمضان المبارک کے روزوں کی خوشی۔
۲- رمضان المبارک میں راتوں کی عبادات کی خوشی۔
۳- رمضان المبارک میں نزول قرآن مجید کی خوشی۔
۴- ہزاروں مہینوں سے بہتر رات لیلۃ القدر ملنے کی خوشی۔
۵- اللہ تعالیٰ کی طرف سے روزہ داروں کے لئے رحمت، بخشش اور نجات اور عذاب جہنم سے ازادی کی خوشی۔

پھر ان تمام خوشیوں کا اظہار صدقہ و خیرات سے کرنے کا حکم (جسے صدقہ فطر کہا جاتا ہے) تاکہ اپنی خوشی کے ساتھ غرباء و مساکین کو شامل کرے خوشی کے فیضان کو عام و تام کیا جاسکے۔ یہی وہ وجوہات ہیں جن کی

بناء پر اسے مومنوں کے لئے "خوشی کا دن" قرار دیا گیا۔

عید کے دن روزہ رکھنا جائز نہیں:

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے عید کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

نَهَى رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ صِيَامِ يَوْمَيْنِ: يَوْمِ الْفِطْرِ وَ يَوْمِ الْاَضْحَى.

"حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ والہ وسلم نے عید الفطر فطر اور اضحی کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔"

(ابو داؤد، السنن، کتاب الصیام، باب فی صوم العیدین، ۲: ۳۱٤، رقم: ۲٤۱۷)

سوال: عید الفطر کی نماز کا وقت کیا ہے اور اس کی ادائیگی میں تاخیر جائز ہے؟

جواب: عید الفطر کی نماز کا وقت آفتاب کے بلند ہو جانے کے بعد زوال سے پہلے تک رہتا ہے۔ عید الفطر کی نماز میں تاخیر کرنا جائز ہے جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نجران میں حکم دیا:

عَجِّلِ الْاَضْحٰى وَاَخِّرِ الْفِطْرَ وَذَكِّرِ النَّاسَ.

"عید الاضحیٰ کی نماز جلدی ادا کرو اور عید الفطر کی نماز دیر سے ادا کرو اور لوگوں کو وعظ سناؤ۔"

(بیہقی، السنن الکبری، ۳: ۲۸۲، رقم: ٥۹٤٤)

اگر پہلے دن نماز عید کسی عذر شرعی کی وجہ سے رہ گئی تو دوسرے دن اجتماعی طور پر ادا کرنا جائز ہے جبکہ عید الفطر کی نماز تیسرے دن جائز نہیں ہے بخلاف عید الاضحیٰ کے۔ اگر پہلے اور دوسرے دن کسی عذر شرعی کی وجہ امام اور مقتدی نماز ادا نہ کر سکیں تو تیسرے دن بھی عید الاضحیٰ کی نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ (مرغینانی، الہدایہ، ۱: ۱۳۲، ۱۳۳)

عید کی نماز میں نہ اذان ہوتی ہے اور نہ اقامت:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں:

شَهِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ الله صلى الله عليه وآله وسلم الصَّلَاةَ يَوْمَ الْعِيْدِ، فَبَدَاَ بِالصَّلَاةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ.

"میں عید کے دن نماز عید میں حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ حاضر تھا۔ پس آپ نے اذان اور تکبیر کے بغیر عید کی نماز پڑھی اور بعد میں خطبہ دیا۔"

(مسلم، الصحیح، کتاب صلاۃ العیدین، باب ۲: ۶۰۳، رقم: ۸۸۵)

نمازِ عید ادا کرنے کا طریقہ

نمازِ عید ہر اس شخص پر واجب ہے جس پر جمعہ فرض ہے۔ عید کی نماز دو رکعتوں والی نماز ہے۔ نمازِ عیدین کا طریقہ وہی ہے جو دیگر نمازوں کا ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ نماز عیدین میں چھ زائد تکبیریں کہی جاتی ہیں۔ امام تکبیر تحریمہ کے بعد ثنا پڑھے گا، پھر ہاتھ اٹھا کر تین تکبیریں کہے گا، مقتدی بھی ویسا ہی کریں گے۔ امام تیسری تکبیر کے بعد ناف کے نیچے ہاتھ باندھ لے گا، مقتدی بھی ایسا ہی کریں گے۔ پھر امام تعوذ و تسمیہ کے بعد باواز بلند قرات کرے گا اس اثناء میں مقتدی خاموشی کے ساتھ امام کی قرات سنیں گے۔ قرات کے بعد دوسری باجماعت نمازوں کی طرح رکوع و سجود کیئے جائیں گے۔ پھر دوسری رکعت شروع ہوگی تو امام قرات کرے گا اور مقتدی سماعت کریں گے، قرات ختم ہونے کے بعد امام تین مرتبہ ہاتھ اٹھا اٹھا کر تکبیریں کہے گا مقتدی بھی اس کے ساتھ ویسا ہی کریں گے اور چوتھی مرتبہ امام ہاتھ اٹھائے بغیر تکبیر رکوع کہتے ہوئے امام رکوع میں چلا جائے گا، مقتدی بھی ویسا کریں گے، اس طرح دو رکعت نماز مکمل کی جائے گی۔ واللہ أعلم بالصواب.

کتبـــ
ابو الحماد محمد اسرافیل حیدری المداری
دار الافتاء والقضاء جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الاولیاء
استانہ زندہ شاہ مدار مکن پور شریف کانپور نگر یوپی انڈیا۔

ستونوں کے درمیان صف لگانے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ھذا میں کہ ہمارے گاؤں کی مسجد میں محراب کے بعد دو صفیں مسلسل و متواتر ہیں تیسری صف کی جگہ میں دو ستون بھی بنے ہوئے ہیں جن میں ہر ایک ستون کا فاصلہ اتنا ہے کہ ان کے درمیان سات لوگ کھڑے ہو کر نماز پڑھ لیتے ہیں اس کے بعد پھر تین صفوں کی جگہ بلا حائل ہے۔

دریافت یہ ہے کہ محراب کے بعد کی دو صفوں کے بعد جو تیسری صف ستون والی ہے پہلے اس کو پر کر لیا جائے یا ستون والی جگہ کو چھوڑ کر تیسری صف قائم کی جائے؟ کچھ لوگ ستون والے صف کو خالی چھوڑ کر تیسری صف اس کے بعد لگاتے ہیں کیا ان کا یہ عمل درست ہے؟ ستون والی صف میں قطع صف ہوتا ہے اس سے بچنے کے

لیے ایک صورت یہ نکلتی ہے کہ امام کا مصلی محراب کے باہر پہلی صف میں بچھایا جائے تو پھر پہلی اور دوسری صف کے درمیان کا فاصلہ ایک فٹ سے زیادہ نہیں بچتا ہے تو کیا عذر کی بنا پر مصلی محراب کے باہر پہلے صف میں بچھایا جائے یا اگر مصلی محراب میں رہے تو پھر تیسری صف کہاں قائم ہو؟ جواب سے نواز کر عند اللہ ماجور ہوں۔

فقط محمد طاہر مداری انڈلا جاگیر ضلع بریلی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب۔ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں سب سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ امام کا مصلی شرعی طور سے کہاں ہونا چاہیے؟ حضرت امام ابن عابدین شامی درالمختار کی شرح رد المحتار جلد اول صفحہ ۴۲، (متبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان) میں نقل فرماتے ہیں:

"السنة ان يقوم فی المحراب ليعتدل الطرفان"

ترجمہ "یعنی سنت یہ ہے کہ امام محراب میں کھڑا ہو تاکہ صف کے دونوں اطراف برابر رہیں۔

مزید فرماتے ہیں:

"الاصح ماروی عن ابی حنيفة رضی الله تعالیٰ عنه انه قال اكره ان يقوم بين السار يتين او فی زاو ية او فی ناحية المسجد او الی سار ية لانه خلاف عمل الامة قال عليه الصلاة والسلام توسطو الامام وسدوا الخلل"

ترجمہ: یعنی زیادہ صحیح وہ ہے جو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ امام کا دو ستونوں کے درمیان یا مسجد کے کسی ایک زاویے میں یا مسجد کے کسی ایک کنارے یا کسی کھمبے و ستون کے طرف کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ اس لیے کہ یہ امت کے عمل کے خلاف ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم ارشاد فرماتے ہیں: امام کو مسجد کے بیچ میں کھڑا کرو اور اپنی صفوں کے درمیان کے خلل یعنی خالی جگہ کو پر کرلو۔

اس کے آگے امام ابن عابدین الشامی علیہ الرحمۃ والرضوان تنبیہاً ارشاد فرماتے ہیں:

" يفهم من قوله او الی سار ية كراهية قيام الامام في غير المحراب يوئيده قوله وقبله السنة ان يقوموا في المحراب وكذا قوله في موضع اخره السنة ان يقوم الامام ازاء وسط

الصف، الا ترى ان المحاريب ما نصبت اوسط المساجد وهي قد عينت للمقام الامام"

یعنی "او الی سار یة" سے سمجھ میں آگیا کہ غیر محراب میں امام کا کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ اور اس بات کی تائید اس سے پہلے کہ اس قول سے بھی ہو رہی ہے کہ سنت یہ ہے کہ امام محراب میں کھڑا ہو۔ اور ایسے ہی ایک مقام پر اور ارشاد ہے کہ سنت یہ ہے کہ امام صف کے بیچ میں کھڑا ہو۔ آپ لوگ دیکھتے نہیں ہو کہ محراب مسجد کے بیچ ہی میں نصب کیے جاتے ہیں اور یہی امام کے کھڑا ہونے کے لیے معین جگہ ہے۔

حدیث شریف اور فقہ اسلامی سے ثابت ہو گیا کہ امام کا مصلی محراب میں ہی بچھایا جائے گا۔ اب اس کے بعد پہلی صف اور دوسری صف کے بعد تیسری صف میں ایک صف سے یا اس سے زائد کی خلا ہوتی ہے اور مسجد میں نمازیوں کی کثرت ہے تو تیسری صف بے وجہ تنگی مقام وبسبب عذر ستونوں کے درمیان قائم کرنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔ بلاوجہ شرعی صفوں میں خلا پیدا کرنا بھی منشائے شرع مطہر کے خلاف ہے۔ اور بلا عذر شرعی ستونوں کے درمیان صف قائم کرنے سے بھی شرع شریف میں ممانعت ہے۔

چنانچہ ابن ماجہ شریف میں حدیث نمبر (۱۰۰۲) میں حضرت معاویہ ابن قرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے زمانے میں ستونوں کے ساتھ صف بندی کرنے سے سختی سے منع کیا جاتا تھ۔ ااسی طرح سنن ترمذی میں حدیث نمبر ۲۲۹/ میں حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول منقول ہے: مروی ہے کہ ہم حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے سے بچتے تھے۔

تاہم اگر ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے کی ضرورت درپیش ہو جائے کہ نمازی زیادہ ہو جائیں اور مسجد میں جگہ کی تنگی ہو جائے تو ایسی صورت میں کوئی حرج نہیں ہے۔

بعض علماء نے اس پر فی زمانا اجماع نقل کیا ہے۔ لہذا جب مسجد ائیں اور لوگ صفوں میں کھڑے ہو چکے ہوں اور کسی کو یا لوگوں کو ستون کے بعد میں صف میں کھڑے ہونے کی جگہ نہ ملے تو ایسی صورت میں وہاں کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ محراب چھوڑ کر مصلی بچھانا مکروہ ہے اور خلاف سنت ہے۔ اور ستونوں کے درمیان بلا عذر شرعی جماعت سے نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ البتہ اگر منفرد یعنی تنہا ستونوں کے درمیان نماز ادا کرتا ہے تو جائز

ہے۔ چنانچہ عمدۃ القاری جلد ۴/ صفحہ ۲۸۴/ میں ہے:

"اذا كان منفردا لا باس في الصلوة بين السار يتين اذا لم يكن في جماعة"

یعنی جب تنہا نماز ادا کر رہا ہو تو ستونوں میں نماز ادا کرنے میں حرج نہیں ہے جبکہ وہ جماعت میں نہ ہو۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کعبہ معظمہ شریف میں تشریف لے گئے تو ۲/ ستونوں کے درمیان نماز ادا فرمائی جیسا کہ صحاح میں حضرت ابن عمر و حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ ھذا ما ظھر لی و العلم عند ربی وھو اعلم بالصواب .

استکتبہ

ابو الحماد محمد اسرافیل حیدری المداری
دار الافتاء والقضاء جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الاولیاء
استانہ زندہ شاہ مدار مکن پور شریف کانپور نگر یوپی انڈیا۔
۲۲ محرم الحرام ۱۴۳۹ھ

تثویب (صلوٰۃ) کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ھذا میں کہ ہمارے علاقے میں اذان کے بعد تثویب کہتے ہیں جس کو یہاں کی زبان میں صلوٰۃ کہا جاتا ہے۔ کیا اذان کے بعد صلوۃ پکارنے کا حکم قرآن شریف یا حدیث شریف میں کہیں ہے؟ کیا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کا حکم منقول ہے؟ اس بارے میں علماء متقدمین کا کیا فتوی ہے؟ ہمارے یہاں کے لوگوں کا کہنا ہے کہ صلوۃ پکارنا ضروری ہے، سنیوں کی پہچان ہے؛ جو لوگ صلوٰۃ نہیں پکارتے وہ گمراہ اور بد مذہب، دیوبندی اور وہابی ہیں۔ ایک مولانا صاحب نے ہمارے گاؤں میں تقریر کی انہوں نے کہا کہ صلاۃ (تثویب) قرآن سے ثابت ہے۔ اللہ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ... الآیۃ... عرض یہ ہے کہ اس آیت سے صلاۃ یعنی تثویب پکارنے کا وجوب ثابت ہوتا ہے؟ صحیح جواب سے نواز کر عند اللہ ماجور ہوں۔

فقط نیاز مند: محمد قاسم مداری گرگیا، ضلع بریلی شریف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب۔ اللّٰهم هداية الحق والصواب

مروجہ تثویب کا حکم نہ قرآن مجید سے ثابت ہے نہ ہی احادیث کریمہ میں مذکور ہے۔ نماز سے قبل اور اذان کے بعد جو تثویب کہتے ہیں دور صحابہ میں سختی سے اس کا انکار ہوتا تھا چنانچہ محدث ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے کہ امیر المومنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حضرت ابو محذورہ موذن رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذان کے بعد حاضر ہوئے اور الصلوۃ الصلوۃ کہنے لگے پھر کیا ہوا کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلال میں اگئے اور ارشاد فرمایا: ابو محذورہ! تیرے لیے تباہی ہو! کیا تو مجنون و پاگل ہو گیا ہے؟ کیا تیری اذان میں وہ دعوت نہیں پہونچی جس پر لبیک کہہ کر حاضر ہوتے ہیں؟

علامہ عبد الحی لکھنوی نے عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ جلد اول صفحہ ۱۳۵/ پر ابن ابی شیبہ کی روایت یوں نقل فرماتے ہیں:

"واما التثويب بين الاذان والاقامة فلم يكن فى ذالك العهد بل انكر عليه كما اخرجه ابن ابى شيبه ان ابامحذورة مؤذن مكة اتى عمر رضى الله عنه بعد الاذان وقال الصلوة الصلوة. فقال عمر: ويحك! آمجنون انت؟ اما كان فى دعائك الذى دعوتنا ماناتيك"

اور اسی طرح حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے تثویب کا انکار فرمایا ہے۔ چنانچہ اسی عمدۃ الرعایہ میں ہے:

"وكذالك انكر التثويب بين الاذان والاقامة ابن عمر رضى الله عنهما كما فى سنن ابى داؤد"

چنانچہ امام ابو داؤد اپنی سنن میں روایت فرماتے ہیں امام مجاہد سے امام مجاہد فرماتے ہیں: میں حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ تھا کہ ایک شخص نے ظہر یا عصر میں تثویب پڑھی۔ تو آپ نے فرمایا کہ اے مجاہد ہمیں یہاں سے لے چلو! بلاشبہ یہ بدعت ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے:

"عن مجاهد قال كنت مع ابن عمر فثوب رجل في الظهر والعصر قال اخرج بنا فان هذه بدعة"

اسی طرح الہدایۃ مع الدرایۃ مطبوعہ مکتبہ بلال دیوبند ص نمبر ۸۷/ حاشیہ نمبر ۱۱/ پر مولا علی کرم اللہ وجہ

الکریم کی ایک روایت ہے:

"ان علیا رائی مؤذنا یثوب في العشاء فقال اخرجوا هذا المبتدع من المسجد"

ان آثار واحادیث سے صاف ظاہر ہے کہ دور صحابہ میں تثویب کا کوئی وجود نہیں تھا بلکہ تثویب کہنے والوں کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما و حضرت مولائ کائنات علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم ناپسند فرماتے تھے اور بدعتی کہتے تھے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی صراحۃً تثویب کا کوئی حکم صادر نہیں ہے۔ علمائے متقدمین تثویب کو مکروہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ نقل فرماتے ہیں:

والتثويب في الفجر حي على الصلاة، حي على الفلاح مرتين بين الاذان والاقامة حسن لانه وقت نوم وغفلة وكره في سائر الصلوات. (هداية الجلد الاول ص۸۷،باب الأذان)

یعنی تثویب فجر میں حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح دو دو مرتبہ اذان و اقامت کے درمیان کہنا مستحسن ہے اس لیے کہ وہ نوم وغفلت کا وقت ہے فجر کے علاوہ باقی ساری نمازوں میں تثویب مکروہ ہے۔ ان عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ دور صحابہ و تابعین میں تثویب کو ناپسندیدہ عمل مکروہ سمجھا جاتا تھا۔ صلوۃ و تثویب پکارنا شرع مطہرہ میں نہ سنت ہے نہ واجب ہے اور نہ ہی شعار اہل سنت ہے۔ جو لوگ تثویب نہیں پکارنے والوں کو وہابی دیوبندی اور گمراہ وبدمذہب کہتے ہیں وہ خود گمراہ گمراہ گر ہیں بلکہ مسلمانان اہل سنت کو وہابی دیوبندی کہہ کر وہ خود مکفر المسلمین ہو گئے۔ ان پر توبہ و تجدید ایمان و تجدید بیعت لازم و تجد نکاح بھی کہ ان ظالموں نے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ہندو پاکستان کے علاوہ پورے عالم اسلام میں اب کہیں بھی تثویب کا رواج نہیں ہے تو معاذ اللہ ان ظالموں نے تمام عالم اسلام کو گمراہ وبدمذہب کہہ کر خود کتنے بڑے گمراہ وبدمذہب ہوئے! لا يقول هكذا الا من هو ضال ومضل ومردود.

دراصل تثویب سے متعلق خود فقہائے احناف و دیگر کے درمیان اختلاف ہے۔ اس بابت تین اقوال نقل کیے گئے ہیں:

نمبر ایک: فجر کے علاوہ بقیہ چار وقتوں میں تثویب مکروہ ہے۔

نمبر دو: تثویب صرف امراء وحکام اور مسلمانوں کے کاموں میں مصروف و مشغول حضرات کے لیے

جائز ہے دوسروں کے لیے نہیں۔

نمبر تین: بعد کے فقہاء یعنی متاخرین کے نزدیک تثویب کہنا اچھا ہے ہر نماز کے وقت میں اس لیے کہ آج کل دین کے کاموں میں سستی کرتے ہیں خاص طور سے نمازوں میں۔

چنانچہ مولانا عبد الحئ فرنگی محلی علیہ الرحمہ عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ صفحہ ۱۳۵/ پر تحریر فرماتے ہیں:

"اختلف الفقهاء في حكم هذا التثويب على ثلاثة اقوال الاول انه يكره في جميع الصلوات الا الفجر لكونه وقت نوم وغفلة ويشهد له حديث ابي بكر خرجت مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لصلوة الصبح فكان لا يمر برجل الا ناداه الصلوة او حركه برجله اخرجه ابو داوود. فانه يدل على اختصاص الفجر بتثويب في الجملة الثاني ما قاله ابو يوسف واختاره قاضي خان انه يجوز التثويب للامراء وكل من كان مشغولا بمصالح المسلمين كالقاضي والمفتي في جميع الصلوات لا لغيرهم ويشهد له ما ثبت بروايات عديدة ان بلال كان يحضر باب الحجرة النبويه بعد الاذان ويقول الصلوة الصلوة الثالث ما اختاره المتاخرون ان التثويب مستحسن في جميع الصلوات لجميع الناس لظهور التكاسل في امور الدين لا سيما في صلاتي ويستثنى منه المغرب بناء على انه ليس بفصل فيه كثيرا بين الاذان والاقامة صرح به في العنايه والدرر والنهايه وغيرها"

ان عبارتوں سے ظاہر و باہر ہے کہ تثویب مسلمانوں کے درمیان شروع سے ہی امر مختلف فیہ رہا ہے کسی بھی زمانے میں نہ یہ واجب نہ سنت بلکہ صرف علمائے متاخرین نے اسے ایجاد کیا اور جائز ٹھہرایا بس اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ جو مولوی آیت کریمہ "اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ..." سے تثویب کا وجود ثابت کرتا ہے وہ کتنا بڑا جاہل اور دین کے خلاف جری ہے!!! اس کا اندازہ اہل علم تو کرتے ہی ہیں کم خواندہ لوگ بھی کر سکتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے جاہل لوگوں سے اپنی پناہ میں رکھے ایسے ہی لوگوں کے لیے حدیث شریف میں کہا گیا ہے کہ جاہل اور نااہل فتوی دیں گے تو خود بھی گمراہ ہوں گے اور مسلمانوں کو بھی گمراہ کریں گے۔ ھٰذا ما ظهر لی والعلم عند ربی وهو اعلم بالصواب.

استکتبہ

ابو الحماد محمد اسرافیل حیدری المداری

دار الافتاء والقضاء جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الاولیاء
استانہ زندہ شاہ مدار مکن پور شریف کانپور نگر یوپی انڈیا۔ مورخہ ۲۷ ستمبر ۲۰۱۸ء

نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں:

نماز کے بعد دعا کرنا کیسا ہے اور دعاؤں میں ہاتھ اٹھانے کا کیا ثبوت ہے احادیث اور فقہائے اسلام کے اقوال پیش کر کے تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی۔ حافظ بشر، سٹھمرا کانپور دیہات مورخہ ۲۰،۰۹،۲۰۰۸ء

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب۔ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسئولہ میں نمازِ پنجگانہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے بارے میں مختلف احادیث اور فقہاء کے اقوال موجود ہیں۔ ذیل میں ان احادیث کو عربی متن، ترجمہ اور حوالہ جات کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے:

۱. عمومی دعا میں ہاتھ اٹھانے کا ثبوت

حديث: عن سلمانَ رضي الله عنه قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ: "إِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيمٌ، يَسْتَحْيِي مِنْ عَبْدِهِ، إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَيْهِ، أَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا"

(سنن الترمذي، حديث: ٣٥٥٦، وصححه الألباني)

ترجمہ: تمہارا رب حیادار اور کریم ہے، جب بندہ اس کی طرف اپنے دونوں ہاتھ بلند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو خالی ہاتھ لوٹانے سے حیا کرتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کرتے وقت ہاتھ اٹھانا مسنون عمل ہے۔

۲. نماز کے بعد دعا کرنے کا ثبوت

حديث: عن معاذ بن جبل رضي الله عنه، أنَّ رسولَ اللهِ ﷺ أخذ بيده، وقال: "يا مُعاذُ! واللهِ إنِّي لَأُحِبُّكَ، أوصيكَ يا مُعاذُ! لا تَدَعَنَّ في دُبُرِ كلِّ صلاةٍ أن تقولَ: اللَّهُمَّ أعِنِّي على ذِكرِكَ وشُكرِكَ وحُسنِ عبادتِكَ"

(سنن أبي داود، حديث: ١٥٢٢، وصححه الألباني)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: "اے معاذ! اللہ کی قسم، میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ اے معاذ! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا چھوڑنا مت: اے اللہ! مجھے اپنے ذکر، شکر اور حسن عبادت کی توفیق عطا فرما۔"

اس حدیث میں نماز کے بعد دعا کا واضح حکم موجود ہے۔

۳. ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کی صراحت

حديث: عن أنسٍ رضي الله عنه قال: "كان النبيُّ ﷺ يَرفعُ يَدَيْهِ في الدُّعاءِ حتى يُرَى بَياضُ إبْطَيْهِ" (صحيح البخاري، حديث: ٦٣٤١)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ دعا کرتے وقت اپنے ہاتھ اتنے بلند کر لیتے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آجاتی۔

یہ حدیث ثابت کرتی ہے کہ نبی ﷺ دعا میں ہاتھ اٹھایا کرتے تھے، جس میں نماز کے بعد کی دعا بھی شامل ہو سکتی ہے۔

۴. عام دعاؤں میں ہاتھ اٹھانے کا عمل

حديث: عن عائشةَ رضي الله عنها قالت: "كان النبيُّ ﷺ يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ في دُبُرِ الصَّلاةِ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ أَعْمَلْ"
(صحيح مسلم، حديث: ١٣٤٠)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نماز کے بعد بکثرت یہ دعا پڑھا کرتے تھے: "اے اللہ! میں ان برے اعمال کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو میں نے کیے اور جو نہیں کیے۔"

اس حدیث سے نماز کے بعد دعا کا ثبوت ملتا ہے، اور دیگر دلائل کے مطابق ہاتھ اٹھانے کی اجازت بھی ثابت ہوتی ہے۔

فقہاء کی اراء

فقہ حنفی:

علامہ ابن عابدین الشامی فرماتے ہیں:

"الدُّعَاءُ بَعْدَ الصَّلَاةِ مَسْنُونٌ، وَرَفْعُ الْيَدَيْنِ فِيهِ لَمْ يَرِدْ فِيهِ نَصٌّ، وَلَكِنَّهُ جَائِزٌ لِعُمُومِ النُّصُوصِ فِي رَفْعِ الْيَدَيْنِ" (رد المحتار، ج ۲، ص ۲٤۲)

ترجمہ: نماز کے بعد دعا کرنا مسنون ہے، اور ہاتھ اٹھانے کے بارے میں کوئی صریح نص (حدیث) نہیں، لیکن عمومی احادیث کی بنا پر اسے جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔

فقہ حنفی میں ہاتھ اٹھانے کو جائز کہا گیا ہے، لیکن ضروری قرار نہیں دیا گیا۔

فقہ شافعی:

امام نووی فرماتے ہیں:

"يُسْتَحَبُّ الدُّعَاءُ بَعْدَ الصَّلَاةِ، وَيُسْتَحَبُّ فِيهِ رَفْعُ الْيَدَيْنِ" (المجموع، ج ۳، ص ٤۹۹)

ترجمہ: نماز کے بعد دعا مستحب ہے، اور اس میں ہاتھ اٹھانا بھی مستحب ہے۔

فقہ شافعی میں ہاتھ اٹھا کر دعا کو مستحب قرار دیا گیا ہے۔

فقہ حنبلی:

امام ابن قدامہ فرماتے ہیں:

"الدُّعَاءُ بَعْدَ الصَّلَاةِ جَائِزٌ، وَرَفْعُ الْيَدَيْنِ فِيهِ مِنْ جُمْلَةِ مَا وَرَدَتْ بِهِ الْأَحَادِيثُ" (المغني، ج ۱، ص ۷۱۳)

ترجمہ: نماز کے بعد دعا جائز ہے، اور ہاتھ اٹھانا ان اعمال میں سے ہے جن پر احادیث وارد ہوئی ہیں۔

فقہ حنبلی میں بھی ہاتھ اٹھانے کو جائز سمجھا گیا ہے۔

فقہ مالکی:

فقہ مالکی میں نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا عام طور پر مسنون نہیں سمجھا جاتا، لیکن اگر کوئی کرے تو منع بھی نہیں کیا جاتا۔

امام دسوقی فرماتے ہیں:

"لَا يُسْتَحَبُّ رَفْعُ الْيَدَيْنِ فِي الدُّعَاءِ بَعْدَ الصَّلَاةِ، لِأَنَّهُ لَمْ يُنْقَلْ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ" (حاشية الدسوقي، ج ۱، ص ۲۱۷)

ترجمہ: نماز کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانا مستحب نہیں، کیونکہ یہ نبی ﷺ سے منقول نہیں۔

فقہ مالکی میں ہاتھ اٹھانا عام معمول نہیں، لیکن اگر کوئی کرے تو اسے بدعت نہیں کہا جاسکتا۔

خلاصہ یہ کہ

۱. نماز کے بعد دعا کرنا مسنون عمل ہے، جیسا کہ متعدد احادیث میں اس کا ذکر آیا ہے۔

۲. دعا میں ہاتھ اٹھانے کا عمومی ثبوت موجود ہے، جسے نماز کے بعد کی دعا پر بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔

۳. فقہ حنفی، شافعی، اور حنبلی میں ہاتھ اٹھانے کو جائز یا مستحب سمجھا نے گیا ہے، جبکہ فقہ مالکی میں اسے عام طور پر مستحب نہیں سمجھا جاتا، لیکن ممنوع بھی نہیں کہا گیا ہے۔

نماز پنجگانہ کے بعد دعا کرنا مستحب ہے اور احادیث سے ثابت ہے، اور عمومی دعا میں ہاتھ اٹھانے کے دلائل کی بنا پر نماز کے بعد بھی ہاتھ اٹھانے کی گنجائش موجود ہے۔ البتہ اگر کوئی ہاتھ نہ اٹھائے تو اس پر نکیر نہیں کی جانی چاہیے، اور اگر کوئی اٹھائے تو اسے بدعت نہیں کہا جاسکتا۔ ھذا ماظھر لی والعلم عند ربی وھو اعلم بالصواب.

کتبـــ
ابو الحماد محمد اسرافیل حیدری المداری
دار الافتاء والقضاء جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الاولیاء
استانہ زندہ شاہ مدار مکن پور شریف کانپور نگر یوپی انڈیا

عذر شدید میں نماز ترک کرنے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع متین اس مسلہ میں کہ زید صاحب ترتیب ہے سفر میں حضر میں اللہ کے فضل وکرم سے نماز ترک نہیں ہوی ہے، لیکن فی زمانہ ہمارے ملک ہندوستان میں خصوصا اتر پردیش میں مساجد گھر اور خانقاہوں کے علاوہ ہر جگہ نماز ادا کرنے پر سخت پابندی ہے۔ موجودہ حکومت ٹرین اسٹیشن بس اڈہ یا کسی بھی کھلی جگہ میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دیتی اگر کوئی خوف خدا سے پڑھلے تو مصیبت میں پڑجاتا ہے۔ زید اس حادثہ کا شکار ہوچکا ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے موجوہ حکومت کی اجازت نہ ہونے کی بنیاد پر ٹرین میں اسٹیشن پر بس میں اگر نماز چھوٹ جاے تو زید عند الشرع گنہگار ہوگا یا نہیں ادلہ شرعیہ کی روشنی میں جواب عنایت فرماکر شکریہ کا موقع دیں۔

المستفتی فقیر ریاض احمد مداری، متصل مسجد مدار العالمین محلہ عباس نگر بہیڑی بریلی یوپی انڈیا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب۔ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

معلوم ہو کہ نماز اسلام کا بنیادی رکن ہے اور کسی بھی حالت میں اس کا ترک جائز نہیں، خواہ حضر ہو یا سفر، خوف ہو یا امن، البتہ شرعی مجبوریوں کی بنا پر بعض احکام میں رخصت دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا"

ترجمہ: بیشک نماز مومنین پر وقت مقررہ میں فرض کی گئی ہے۔ (النساء:۱۰۳)

صورت مسئولہ میں اگر حکومتِ وقت ٹرین اسٹیشن، بس اڈے یا دیگر عوامی مقامات پر نماز ادا کرنے کی اجازت نہیں دیتی اور اس پر گرفت و سزائیں دی جاتی ہیں، تو شریعتِ مطہرہ میں ایسی حالت کو عذرِ شرعی شمار کیا جائے گا۔ البتہ، اس عذر کی موجودگی میں بھی حتی الامکان نماز کو ترک نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کے لیے ممکنہ متبادل طریقے اختیار کیے جائیں۔

۱. اگر قیام ممکن نہ ہو

اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر گرفتاری یا ایذا رسانی کا یقینی اندیشہ ہو، تو بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھنی چاہیے، جیسا کہ فقہِ حنفی میں مجبور شخص کے لیے یہ گنجائش موجود ہے۔

۲. ٹرین یا بس میں نماز

اگر مسافر کو کسی بھی حالت میں زمین پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی اجازت نہ ہو، تو وہ اپنی نشست پر بیٹھ کر اشارے سے نماز ادا کرے گا۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"إذا عجز عن الصلاة قائما قعد ويومئ بالركوع والسجود" (الفتاوى الهندية ١/ ٧٢)

ترجمہ: اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے عاجز ہو تو بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھے گا۔

۳. قضا کرنے کا حکم

اگر کسی نے مذکورہ شرعی عذر کی وجہ سے نماز ہی نہیں پڑھی، تو فقہ حنفی کے مطابق بعد میں اس نماز کی قضا لازم ہو گی، کیونکہ نماز معین وقت میں فرض ہے اور بغیر کسی شرعی عذر کے ترک کرنا جائز نہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

"إذا لم يستطع الصلاة في الوقت لخوف شديد، فانه يقضيها بعد زوال العذر"

ترجمہ: اگر کسی شخص کو شدید خوف کی وجہ سے وقت میں نماز ادا کرنے کی استطاعت نہ ہو، تو عذر کے زوال کے بعد اس پر قضا واجب ہو گی۔

۴. شدید خوف کی حالت

اگر کوئی شخص شدید خوف یا حقیقی جان و مال کے خطرے کی بنا پر نماز ادا نہ کر سکے، تو بعد میں قضا لازم ہو گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ"

(البقرۃ:۲۳۹)

ترجمہ: پس اگر تمہیں خطرہ ہو تو پیدل یا سوار جس طرح ممکن ہو نماز پڑھ لو، پھر جب امن حاصل ہو جائے تو اللہ کا ذکر کرو جیسے اس نے تمہیں سکھایا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

"إذا لم يستطع الصلاة في الوقت لخوف شديد، فإنه يقضيها بعد زوال العذر"

ترجمہ: اگر کسی شخص کو شدید خوف کی وجہ سے وقت میں نماز ادا کرنے کی استطاعت نہ ہو، تو عذر کے زوال کے بعد اس پر قضا واجب ہو گی۔

(رد المحتار، ج ۲، ص ٦٢)

غرضیکہ موجودہ حکومت کی پابندیوں کے پیش نظر، اگر نماز کی ادائیگی پر شدید گرفتاری یا ظلم و زیادتی کا اندیشہ ہو اور کھلی جگہ نماز ادا کرنا ممکن نہ ہو، تو:

۱. جہاں ممکن ہو، وہاں نماز ادا کی جائے (مثلاً مسجد، ہوٹل، یا کسی محفوظ جگہ)۔

۲. اگر کھلی جگہ ممکن نہ ہو تو ٹرین، بس، یا اسٹیشن پر بیٹھ کر اشارے سے نماز ادا کی جائے۔

۳. اگر بالکل بھی ممکن نہ ہو، تو بعد میں اس نماز کی قضا کی جائے۔

۴. ایسا شخص عند اللہ گنہگار نہیں ہو گا، بشرطیکہ وہ معذور شرعی ہو اور کوئی متبادل راستہ موجود نہ ہو۔ ھٰذا ما ظھر لی والعلم عند ربی وھو اعلم بالصواب.

کتبہ

ابو الحماد محمد اسرافیل حیدری المداری
دار الافتاء والقضاء جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الاولیاء
استانہ زندہ شاہ مدار مکن پور شریف کانپور نگر یوپی انڈیا۔ مورخہ: ۲۷، ۲، ۲۰۲۵ء

محراب کا ثبوت اور اس کی اہمیت

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کیا فرماتے ہیں حضرت مفتی صاحب قبلہ کہ مساجد میں محراب کی اہمیت اور اس میں نماز پڑھنے کے بارے میں کیا ثبوت ہے؟ ایک مولانا صاحب کا کہنا ہے کہ محراب کی کوئی اہمیت اور مشروعیت نہیں ہے قرآن و احادیث اور فقہائے اسلام کے اقوال اور حوالے کی ساتھ جواب مرحمت فرمائیں مہربانی ہوگی۔

سائل: مولانا محمد حاتم المصباحی نوتنوا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب۔ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

مساجدِ اسلامیہ میں "محراب" کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں امام جماعت نماز کی امامت کرتا ہے اور مقتدی اس کی اقتداء میں صف بستہ ہوتے ہیں۔ بعض لوگوں کی طرف سے اسے اہمیت نہ دینا یا بدعت قرار دینا جاہلانہ جرات ہے، حالانکہ قرآن و سنت، آثار صحابہ، اقوالِ ائمہ اور فقہاءِ امت سے محراب کی اصل و مشروعیت واضح ہے۔

(۱) محراب کا ذکر قرآن مجید میں

"كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِندَهَا رِزْقًا" (ال عمران:۳۷)

ترجمہ: جب بھی زکریا (علیہ السلام) ان کے پاس محراب میں اتے تو ان کے پاس رزق پاتے۔

ایک جگہ اور ارشاد ہے:

"فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ" (ال عمران:۳۹)

ترجمہ: تو فرشتوں نے زکریا (علیہ السلام) کو اواز دی جب وہ محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

ایک جگہ سورۂ مریم میں ارشاد ہے:

"فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ" (مریم:۱۱)

ترجمہ: پھر وہ (زکریا علیہ السلام) اپنی قوم کے پاس محراب سے نکلے۔

تفاسیر:

الامام الطبری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"الْمِحْرَابُ: هُوَ الْمَوْضِعُ الْعَالِي مِنَ الْمَسْجِدِ، وَهُوَ مَوْضِعُ الْعِبَادَةِ"

(تفسير الطبري، ٦/ ٣٤٣)

ترجمہ: محراب وہ بلند مقام ہے جو مسجد کے اندر عبادت کی جگہ کے طور پر مخصوص ہوتا ہے۔

الامام القرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"الْمِحْرَابُ: أَشْرَفُ مَوَاضِعِ الْمَسْجِدِ وَأَفْضَلُهَا." (الجامع لأحكام القرآن، ٤/ ٦٠)

ترجمہ: محراب مسجد کی سب سے معزز اور افضل جگہ ہے۔

(۲) محراب کا ذکر حدیث شریف میں

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"اتَّخَذَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ مُصَلًّى يُصَلِّي فِيهِ." (سنن ابن ماجه، حديث: ١٤٢٥)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں ایک مصلّیٰ مخصوص کیا جہاں آپ نماز پڑھا کرتے تھے۔

اثر سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

"كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَوَّلَ مَنْ بَنَى الْمِحْرَابَ فِي الْمَسْجِدِ." (فتح الباري، ١/ ٤٨٠)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے مسجد میں محراب بنایا۔

(۳) محراب کا ذکر فقہا و محدثین کے اقوال میں

فقہائے احناف:

امام کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وَإِنْ جُعِلَ لِلْمَسْجِدِ مِحْرَابٌ فَلَا بَأْسَ، لِأَنَّهُ عَلَامَةُ مَوْضِعِ الْإِمَامِ، وَفِيهِ إِقَامَةُ

لِلنِّظَامِ." (بدائع الصنائع، ١/ ٤٩٩)

ترجمہ: اگر مسجد میں محراب بنایا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ امام کی جگہ کی علامت ہے اور اس میں نماز کے نظم کی رعایت ہے۔

ابن عابدین الشامی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"جَعْلُ الْمِحْرَابِ فِي الْمَسْجِدِ لَيْسَ بِبِدْعَةٍ، بَلْ مِنَ الْأُمُورِ الْمُسْتَحْسَنَةِ لِحُسْنِ التَّنْظِيمِ فِي الصَّلَاةِ." (رد المحتار، ١/ ٤٩٥)

ترجمہ: مسجد میں محراب بنانا بدعت نہیں بلکہ ان مستحسن امور میں سے ہے جو نماز کے بہتر نظم کے لیے مفید ہیں۔

فقہائے شافعیہ:

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"يُسْتَحَبُّ أَنْ يَكُونَ لِلْإِمَامِ مَوْضِعٌ مَخْصُوصٌ يُعْرَفُ بِهِ فِي الْمَسْجِدِ، وَيَجُوزُ اتِّخَاذُ الْمِحْرَابِ لِذٰلِكَ." (المجموع شرح المهذب، ٣/ ٢٠٧)

ترجمہ: مستحب ہے کہ امام کے لیے مسجد میں ایک مخصوص جگہ ہو جو پہچانی جا سکے، اور اس مقصد کے لیے محراب بنانا جائز ہے۔

فقہائے مالکیہ:

حضرت امام الدردیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"وَالْمِحْرَابُ جَائِزٌ إِنْ خَلَا مِنَ الزَّخَارِفِ الْمُلْهِيَةِ عَنِ الْخُشُوعِ."

(الشرح الكبير، ١/ ٣٠٠)

ترجمہ: اگر محراب میں وہ نقش و نگار نہ ہوں جو خشوع میں خلل ڈالیں تو اس کا بنانا جائز ہے۔

اقوال المحدثین:

امام ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"المحراب نُقل عن الصحابة كعمر رضي الله عنه، وكان الغرض منه تمييز مكان

الإمام، وهو مشروع من حيث المعنى." (فتح الباري، ١/ ٤٨٠)

ترجمہ: محراب کا رواج صحابہ کرام جیسے عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، اس کا مقصد امام کی جگہ کو نمایاں کرنا تھا، اور یہ معنی کے اعتبار سے مشروع ہے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اتخاذ المحراب في المسجد من سنن الخلفاء الراشدين، وقد روى ذلك جماعة من الثقات." (الحاوي للفتاوي، ١/ ٢١١)

ترجمہ: مسجد میں محراب بنانا خلفائے راشدین کی سنتوں میں سے ہے، اور اسے ثقہ راویوں نے نقل کیا ہے۔

(۴) محراب کے حکمتیں اور اس کے فوائد

- امام کی جگہ کی تعیین۔
- صفوں کے نظم و ترتیب میں سہولت۔
- مسجد کی زینت اور شانِ اسلام کی نمائندگی۔
- انبیائے کرام علیہم السلام کی عبادت گاہوں کی یاد دہانی۔

قرآن مجید کا ارشاد:

"خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ"۔ (الاعراف:۳۱)

ترجمہ: ہر نماز کے وقت اپنی زینت اختیار کرو۔

مندرجہ بالا دلائل سے واضح ہے کہ محراب مسجد کی شرعی علامت اور سنت سے ثابت شعیرہ ہے۔ اس کی اصل قرآن، سنت، آثار صحابہ، اقوالِ فقہاء و محدثین سے قطعی طور پر ثابت ہے۔ اس لیے محراب کو اہمیت نہ دینا یا اسے بدعت کہنا جہالت اور قطعاً باطل ہے۔ هٰذا ما ظهر لي والعلم عند ربي والله أعلم بالصواب.

کتبـــــــ

مسجد میں جگہ نہ ہو تو اس کے گرد مکانات کی چھتوں پر، میدانوں اور سڑکوں میں نماز ادا کرنے کا حکم

حضور فقیہ اعظم صاحب قبلہ شیخ الاسلام، استاذ الاساتذہ، فقیہ عصر، محقق مداریت، مفتی الشاہ ابو الحماد محمد اسرافیل حیدری المداری دامت برکاتہم العالیہ کی بارگاہ میں سوال یہ ہے کہ ہمارے یہاں جمعہ کے دن یا عیدین کی نمازوں میں لوگ نماز کے لیے مسجدوں میں لوگ خوب جمع ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ مسجد کی چھت پر ایک فرد کے لیے بھی نماز پڑھنے کے لیے مصلی بچھانے کی گنجائش تک نہیں رہتی ایسی صورت میں بہت سے افراد مسجد سے ملی جلی چھتوں پر نماز پڑھ لیتے ہیں جس سے ان کے درمیان دیوار حائل ہو جاتی ہے چھتیں اونچی نیچی بھی ہوتی ہیں اور نماز ادا کر لی جاتی ہے۔

بعض اوقات ایسا بھی دیکھا گیا کہ ایک پورا میدان ہے لیکن بیچ میں کہیں پر ایک مقبرہ بنا ہوا ہے اس مقبرے کی چھت پر لوگ نماز پڑھ لیتے ہیں باقی چاروں طرف لوگ زمین پر پڑھتے ہیں، بعض اوقات ایسا بھی دیکھا گیا کہ مسجد کی چھت خالی چھوڑ دی گئی اور دوسری چھتوں پر نماز ادا کی گئی جیسا کہ ۲۰۱۹ء کرونا کال میں دیکھا گیا۔

اور امسال تو ہمارے یہاں عید گاہ میں گورنمنٹ کی گائیڈ لائن کے مطابق روڈ پر نماز نہیں پڑھی گئی اس بنا پر لوگوں نے عید گاہ سے ملے ہوئے مکانوں کی چھتوں پر نماز ادا کی ان کی صفیں عید گاہ کی صفوں سے بالکل الگ تھیں عید گاہ کی صفیں زمین پر اور وہ دوسری تیسری منزل پر نماز ادا کر رہے تھے۔

اسی طرح روڈ پر نماز ادا کرنا یا میدان میں نماز ادا کرنا جہاں سے انسان، جانور گزرتے ہیں گندگی بھی کرتے ہیں پیشاب، پاخانہ، گوبر، تھوکنا وغیرہ دیگر دوسری غلاظتیں جس سے زمین ناپاک ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود صرف جھاڑو دے کر صفیں قائم کر دی جاتی ہیں نماز ادا کی جاتی ہے۔

کیا ان تمام صورتوں میں اس طرح انہیں جماعت کا ثواب ملے گا یا ان کی نماز ہو جائے گی؟

سائل: العاصی غلام فرید ابن جناب غلام نبی ازاد صاحب
ساکن: بیسلپور ضلع پیلی بھیت۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب۔ اللّٰهم هداية الحق والصواب

مندرجہ بالا تمام صورتوں میں نماز اور جماعت کے حکم کا انحصار شرائطِ اقتداء پر ہے، جو فقہائے احناف نے واضح کی ہیں۔

(۱) مسجد یا میدان کے اندر صفوں کا متفرق ہونا یا چھت پر ہونا:

اگر مسجد یا میدان کے اندر لوگ صفیں بنا کر اس طرح نماز پڑھ رہے ہیں کہ امام یا امام کے پیچھے کھڑے لوگوں کو دیکھ سکتے ہیں، یا ان کی اواز سن سکتے ہیں، یا صفیں عرفا متصل شمار کی جائیں، تو ایسی صورت میں اقتداء درست ہے، اگرچہ درمیان میں معمولی فاصلہ یا دیوار ہو۔۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نماز کے لیے مسجد تشریف لائے تو رسول اللہ ﷺ رکوع کی حالت میں تھے، انہوں نے جلدی میں (کہ رکعت نہ نکل جائے) صف میں شامل ہونے سے پہلے ہی اقتدا کر کے رکوع کر لیا، پھر اسی حالت میں صف میں شامل ہو گئے، رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ آپ کا شوق مزید بڑھائے، لیکن ائندہ ایسے نہ کرنا۔

"عن أبي بكرة رضي الله عنه: أنه انتهى إلى النبي صلى الله عليه وسلم وهو راكع، فركع قبل أن يصل إلى الصف، فذكر ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم، فقال: زادك الله حرصًا، ولا تعُدْ". (رواه البخاري في كتاب صفة الصلاة، باب إذا ركع دون الصف ١/ ٢٧١ (٧٥٠)

معلوم ہوا کہ مسجدِ شرعی کی حدود میں کہیں بھی اقتدا کی جائے تو نماز ہو جائے گی، تاہم یہ مکروہ ہو گا؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بھی، اور دیگر کئی احادیث میں صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنے سے منع فرمایا ہے؛ لہٰذا عمومی احوال میں فاصلہ رکھ کر نماز ادا کرنا مکروہِ تحریمی ہے۔

الفتاوٰی الہندیۃ میں ہے:

"وَلَوْ صَلَّى فِي سَطْحِ الْمَسْجِدِ وَالْإِمَامُ فِي الْمَسْجِدِ، إِنْ كَانَ يَرَى الْإِمَامَ أَوْ مَنْ خَلْفَهُ، أَوْ يَسْمَعُ التَّكْبِيرَ، أَوْ كَانَتِ الصُّفُوفُ مُتَّصِلَةً، صَحَّتِ الصَّلَاةُ."

(الفتاوى الهنديّة، ج ١، ص ٨٥)

اسی طرح اگر صفیں عرفا متصل ہوں، یعنی درمیان میں اتنا فاصلہ نہ ہو جسے عرفا جدائی کہا جائے، تو جماعت صحیح ہے۔

البحر الرائق میں ہے:

"وَالشَّرْطُ أَنْ لَا يَكُونَ بَيْنَ الْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ مَسَافَةٌ تُفَصِّلُ فَصْلًا يُكْثِرُ عُرْفًا."

(البحر الرائق، ج ٢، ص ٤٢)

(۲) چھتوں پر یا اونچے نیچے طبقات میں صفیں قائم کرنا:

اگر مسجد کی چھت یا اس پاس کی عمارتیں ایک دوسرے سے عرفاً متصل ہوں، اور صفوں میں ربط ہو، یا امام یا مقتدیوں کو دیکھا یا سنا جا سکے، تو ایسی صورت میں بھی جماعت کا ثواب حاصل ہو گا۔ لیکن اگر صفیں بالکل جدا ہوں، کوئی ربط نہ ہو، امام یا مقتدی نظر یا سنائی نہ دیں، تو ایسی صورت میں شرعاً جماعت کی اقتداء درست نہیں۔

الدر المختار مع ردّ المحتار میں ہے:

"وَيَصِحُّ اقْتِدَاؤُهُ إِذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَهُمَا حَائِلٌ يَمْنَعُ الْقُدْوَةَ، كَجِدَارٍ غَلِيظٍ لَا يُسْمَعُ مَعَهُ الصَّوْتُ، وَلَا يُرَى الْإِمَامُ، وَلَا مَنْ وَرَاءَهُ." (الدر المختار مع ردّ المحتار، ج ١، ص ٥٧٤)

المحیط البرہانی میں ہے:

"(وَمِنْهَا نَهْرٌ عَظِيمٌ لَا يُمْكِنُ الْعُبُورُ عَنْهُ إِلَّا بِالْعِلَاجِ كَالْقَنْطَرَةِ وَغَيْرِهَا، هَكَذَا فِي شَرْحِ الطَّحَاوِيِّ).

فَإِنْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْإِمَامِ نَهْرٌ كَبِيرٌ يَجْرِي فِيهِ السُّفُنُ وَالزَّوَارِقُ يَمْنَعُ الِاقْتِدَاءَ، وَإِنْ كَانَ صَغِيرًا لَا تَجْرِي فِيهِ لَا يَمْنَعُ الِاقْتِدَاءَ، هُوَ الْمُخْتَارُ، هَكَذَا فِي الْخُلَاصَةِ، وَهُوَ الصَّحِيحُ.

وَإِنْ كَانَ عَلَى النَّهْرِ جِسْرٌ، وَعَلَيْهِ صُفُوفٌ مُتَّصِلَةٌ، لَا يَمْنَعُ صِحَّةَ الِاقْتِدَاءِ لِمَنْ كَانَ خَلْفَ النَّهْرِ، وَلِلثَّلَاثَةِ حُكْمُ الصَّفِّ بِالْإِجْمَاعِ، وَلَيْسَ لِلْوَاحِدِ حُكْمُ الصَّفِّ بِالْإِجْمَاعِ، وَفِي الْمُثَنَّى اخْتِلَافٌ عَلَى مَا مَرَّ فِي الطَّرِيقِ.

وَإِنْ كَانَ بَيْنَهُمَا بُرْكَةٌ أَوْ حَوْضٌ، إِنْ كَانَ بِحَالٍ لَوْ وَقَعَتِ النَّجَاسَةُ فِي جَانِبٍ يَتَنَجَّسُ الْجَانِبُ الْآخَرُ، لَا يَمْنَعُ الِاقْتِدَاءَ، وَإِنْ كَانَ لَا يَتَنَجَّسُ، يَمْنَعُ الِاقْتِدَاءَ، هَكَذَا فِي الْمُحِيطِ."

(المحيط البرهاني، ج ١، ص ٨٧، الباب الخامس في بَيَانِ مَقَامِ الْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ، ط: سعيد)

ترجمہ:

(۱) اور ان (رکاوٹوں) میں سے ایک بڑی نہر بھی ہے جس کے پار جانا صرف کسی ذریعہ (جیسے پل وغیرہ)

کے ذریعے ممکن ہو، جیسا کہ شرح الطحاوی میں ذکر ہے۔

(۲) اگر امام اور مقتدی کے درمیان ایک بڑی نہر ہو جس میں کشتیاں اور زوارق (چھوٹی کشتیوں) کا گزر ہوتا ہو، تو وہ اقتداء کو روک دیتی ہے (یعنی ایسی حالت میں جماعت صحیح نہیں)۔

اور اگر نہر چھوٹی ہو اور اس میں کشتیاں نہ چلتی ہوں، تو ایسی نہر اقتداء کو نہیں روکتی۔ یہی قول معتبر اور صحیح ہے، جیسا کہ خلاصہ میں ہے۔

(۳) اگر نہر پر ایک پل (جسر) ہو اور اس پر متصل صفیں قائم ہوں، تو نہر کے اس پار والوں کی اقتداء درست ہو گی۔

(۴) اور یہ بات اجماعی ہے کہ تین افراد کی جماعت کا حکم صف کا ہوتا ہے، اور ایک فرد کے لیے صف کا حکم نہیں ہوتا، اور دو افراد (مقتدی) کے بارے میں اختلاف ہے، جیسا کہ راستہ (طریق) کے مسئلے میں گزرا۔

(۵) اگر امام و مقتدی کے درمیان کوئی حوض یا تالاب ہو، تو اگر اس کی کیفیت ایسی ہو کہ اگر ایک طرف نجاست گر جائے تو دوسری طرف بھی ناپاک ہو جائے، تو یہ اقتداء سے مانع نہیں۔

لیکن اگر ایسا نہ ہو، یعنی دوسری طرف نجاست اثر نہ کرے، تو ایسی صورت میں اقتداء درست نہ ہو گی۔

یہ عبارت المحیط البرہانی سے ہے۔

(۳) غیر طاہر زمین پر نماز:

جہاں جانور پیشاب پاخانہ کرتے ہوں، اگر صرف جھاڑو دے دی گئی ہو اور زمین پاک نہ کی گئی ہو، تو ایسی جگہ نماز جائز نہیں، کیونکہ نجاست اگر باقی ہو تو نماز باطل ہو جائے گی۔

رد المحتار میں ہے:

"لَوْ صَلَّى عَلَى نَجَاسَةٍ لَا يُعْفَى عَنْهَا، لَمْ تَصِحَّ صَلَاتُهُ." (ردّ المحتار، ج ۱، ص ۳٦۷)

(۴) کرونا یا عذر کی حالت میں گھروں، چھتوں یا مختلف جگہوں پر جماعت:

اگر کسی مجبوری یا سرکاری ہدایت کے تحت لوگ مسجد یا عید گاہ میں جماعت کے لیے جمع نہ ہو سکیں اور چھتوں، گھروں یا دوسری جگہوں پر نماز پڑھیں، اور ان میں جماعت کی صفیں ربط سے بن جائیں یا امام کی اواز سنائی دے، تو ایسی حالت میں بھی جماعت کا ثواب ملے گا۔

خلاصہ یہ کہ:

- اگر صفیں عرفاً متصل ہوں، یا امام کی اواز سنائی دے، یا مقتدیوں کو دیکھا جا سکے تو جماعت صحیح ہے۔
- اگر درمیان میں بڑی دیوار ہو، صفیں ٹوٹ جائیں اور امام کی اقتداء ممکن نہ رہے تو جماعت نہیں ہوگی۔
- ناپاک زمین پر نماز جائز نہیں جب تک زمین شرعاً پاک نہ کی جائے۔
- بلند چھتوں پر نماز تب ہی درست ہے جب اقتداء کی شرائط پوری ہوں۔ واللہ أعلمُ بالصواب.

کتبـــــــ

تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر مواقع پر رفع یدین نہ کرنے کے دلائل درج ذیل ہیں:

حدیث شریف کی مشہور کتاب مسند ابی یعلی میں ہے:

١: "عن البراء قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم رفع يديه حين استقبل الصلاة، حتى رأيت إبهاميه قريبًا من أذنيه ثم لم يرفعهما."

(مسند البراء بن عازب رضي الله عنه، ج:3، ص:٢١٠، ط: دار الحديث - القاهرة- حيدرى)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ دونوں ہاتھوں کو اٹھایا جس وقت نماز شروع فرمائی تھی، حتی کہ میں نے دیکھا کہ دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کو دونوں کانوں کے قریب پہنچایا، اس کے بعد پھر اخیر نماز تک دونوں ہاتھوں کو نہیں اٹھایا۔

شرح معانی الآثار میں ہے:

٢: "عن عبد الله بن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يرفع يديه في أوّل تكبيرة ثم لايعود." (باب بيان مشكل ما روي عن عبد الله بن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم في هذا المعنى، ج:١٥، ص:٣٥، ط: مؤسسة الرسالة، حيدرى)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ صرف شروع کی تکبیر میں دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے، پھر اس کے بعد اخیر نماز تک نہیں اٹھاتے تھے۔

وفیہ ایضاً:

٣: "عن المغيرة قال: قلت لإبراهيم: حديث وائل أنه رأى النبي صلى الله عليه وسلم يرفع يديه إذا افتتح الصلاة وإذا ركع وإذا رفع رأسه من الركوع، فقال:إن كان وائل رآه مرةً يفعل ذلك فقد رآه عبد الله خمسين مرةً لايفعل ذلك."

(باب بيان مشكل ما روي عن عبد الله بن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم في هذا المعنى، ج:١٥، ص:٣٧، ط: مؤسسة الرسالة- حيدرى)

ترجمہ: حضرت مغیرہؒ نے حضرت امام ابراہیم نخعیؒ سے حضرت وائل ابن حجرؓ کی حدیث ذکر فرمائی کہ حضرت وائل بن حجرؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے جب نماز شروع فرماتے اور جب رکوع میں جاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اس پر ابراہیم نخعیؒ

نے مغیرہ سے کہا کہ اگر وائل بن حجرؓ نے حضور ﷺ کو اس طرح رفع یدین کرتے ہوئے ایک مرتبہ دیکھا ہے تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور کو پچاس مرتبہ رفع یدین نہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(کیوں کہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ مدینہ کے رہائشی نہ تھے، بلکہ اسلام قبول کرنے کے بعد چند دن مدینہ منورہ میں رہ کر اسلامی تعلیمات سیکھ کر تشریف لے گئے تھے، جب کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سفر و حضر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے والے، آپ ﷺ کے خادمِ خاص بھی تھے، اور لسانِ نبوت سے علم و فضل کی سند بھی حاصل کر چکے تھے، اور آپ ﷺ نے امت کو ان کی پیروی کا حکم بھی دیا ہے، نیز صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی ان سے علم حاصل کرتے تھے اور فتویٰ لیتے تھے، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر اور اصحابِ فضل و علم صحابہ کرام نے ان کے کمالِ علم کی تعریف فرمائی۔)

صحیح مسلم میں ہے:

٤: "عن جابر بن سمرة قال: خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: مالي أراكم رافعي أيديكم كأنها أذناب خيل شمس اسكنوا في الصلاة." (كتاب الصلاة، باب الأمر بالسكون في الصلاة، والنهي عن الإشارة باليد، ج:١، ص:٣٢٢، ط: دار إحياء التراث العربي، حيدری)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف تشریف لا کر فرمایا: مجھے کیا ہو گیا کہ میں تم لوگوں کو نماز کے اندر اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے ہوئے دیکھتا ہوں، گویا کہ ایسا لگتا ہے جیسا کہ بے چینی میں گھوڑے اپنی دم کو اوپر اٹھا اٹھا کر ہلاتے ہیں، تم نماز کے اندر ایسا ہر گز مت کیا کرو، نماز میں سکون اختیار کرو۔

سنن ترمذی میں ہے:

٥: "عن علقمة، قال: قال عبد الله بن مسعود: «ألا أصلي بكم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم،» فصلى، فلم يرفع يديه إلا في أول مرة."

(أبواب الصلاة، باب رفع اليدين عند الركوع، ج:١، ص:٢٩٧، ط: دار الغرب الإسلامي- حيدری)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ تم آگاہ ہو جاؤ! بے شک میں تم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھا کر دکھاتا ہوں، یہ کہہ کر نماز پڑھائی اور اپنے دونوں ہاتھوں کو صرف اول تکبیر میں اٹھایا پھر پوری نماز میں نہیں اٹھایا۔

سنن نسائی میں ہے:

٦: "عن علقمة ، عن عبد الله أنه قال: «ألا أصلي بكم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فصلى، فلم يرفع يديه إلا مرة واحدة». " (كتاب التطبيق، باب رفع اليدين حذو المنكبين عند الرفع من الركوع، الرخصة في ترك ذلك، ج:2، ص:195، ط: المكتبة التجارية الكبرى بالقاهرة، حيدرى)

ترجمہ: حضرت علقمہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ آگاہ ہو جاؤ! میں تمہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھ کر دکھاتا ہوں، یہ کہہ کر نماز پڑھی تو اپنے دونوں ہاتھوں کو صرف ایک مرتبہ اٹھایا پھر نہیں اٹھایا۔

سنن الکبری للبیہقی میں ہے:

٧: "عن عبد الله بن مسعود قال: صليت خلف النبي صلى الله عليه وسلم، وأبي بكر وعمر فلم يرفعوا أيديهم إلا عند افتتاح الصلاة." (كتاب الصلاة، باب من لم يذكر الرفع إلا عند الافتتاح، ج:٣، ص:٤٩٦، ط: مركز هجر للبحوث والدراسات العربية والإسلامية، حيدرى)

ترجمہ: حضرت علقمہ، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن مسعود نے فرمایا: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی ہے ان میں سے کسی نے اپنے ہاتھوں کو تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ کسی اور تکبیر میں نہیں اٹھایا۔

(معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما جو باتفاقِ امت سب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے افضل ہیں، اور دنیا و آخرت میں آپ ﷺ کے مصاحب ہیں، صحابہ کرام میں سب سے اَعلم ہیں انہوں نے حضور ﷺ کی نماز سے سنت اسی کو سمجھا کہ تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ رفعِ یدین نہ کیا جائے۔ آگے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل بھی بحوالہ آرہا ہے کہ وہ بھی تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ رفعِ یدین نہیں کرتے تھے، گویا خلفاءِ راشدین مہدیین رضی اللہ عنہم کا عمل ترکِ رفع یدین ہے، اور آپ ﷺ نے ہمیں خلفاءِ راشدین کا طریقہ اختیار کرنے کا بھی حکم فرمایا ہے، اگر حضور ﷺ سے رفعِ یدین کے بارے میں صریح روایت نہ بھی منقول ہوتی اور خلفاءِ راشدین کا عمل اسی طرح ہوتا تو بھی یہ ترکِ رفع کے سنت ہونے کی کافی دلیل تھی، کیوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دین کے حوالے سے کوئی بات بلا دلیل نہ کہتے تھے نہ عمل کرتے تھے۔)

موطا امام مالک میں ہے:

٨:"عن عاصم بن كليب الجرمي عن أبيه قال: رأيت على بن أبي طالب رفع يديه في التكبيرة الأولى من الصلاة المكتوبة ولم يرفعهما فيما سوى ذلك."

(أبواب الصلاة، باب: افتتاح الصلاة، ج:٥٨، ص:١٠٥، ط: المكتبة العلمية. حيدرى المدارى)

ترجمہ: عاصم بن کلیب اپنے والد کلب جرمی سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ فرض نماز میں صرف تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھاتے تھے، اور اس کے علاوہ کسی اور تکبیر میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ (فقط واللہ أعلم بالصواب.)

کتبـــــــ

فرمائیں کہ یہ جملہ کہنے میں شرعاً کوئی خرابی ہے؟ مدلل جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔
المستفتی احقر العباد فقیر ریاض احمد مداری بہیڑی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب۔ اللّٰهم هداية الحق والصواب

وعلیکم السلام ورحمة الله وبرکاته

حضرت مولانا ریاض احمد مداری صاحب! آپ نے جتنے بڑے بڑے القابات اس فقیر مداری کیلئے لکھے ہیں وہ مجھے قطعی زیب نہیں دیتے۔۔ چہ نسبت خاک را با عالمے پاک ع آئندہ احتیاط کریں۔ بڑے لوگوں کے القاب چھوٹے لوگوں پر چسپاں کرنا دیانت کے خلاف ہے۔ اب آپ اپنے سوالات کے جواب ملاحظہ فرمائیں

(۱) کیا یہ جملہ "یا اللہ! دنیا بھر میں جہاں جہاں مسلمان ذلیل وخوار ہو رہے ہیں تو ان مسلمانوں کو ذلت و خواری سے محفوظ فرما" شرعاً درست ہے؟

یہ جملہ دعاء المسلِم لِأخیه کے اصول پر مبنی ہے، اور قرآن وسنت، آثار صحابہ اور کتبِ فقہیہ سے اس کا کامل جواز اور حسنِ دعا ہونا واضح ہے۔

قرآن کریم میں دعاء سیدنا ابراہیم وسیدنا اسماعیل علیہما منقول ہے:

"رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ" (البقرة:۱۲۸)

اس آیت میں پوری امت مسلمہ کے حق میں اصلاح، بقا اور اسلام پر قائم رہنے کی دعا کی گئی۔

سورۃ آل عمران میں ایک دعا اسطرح منقول ہے:

"رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا۔۔۔ وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ" (آل عمران:۱۴۷)

یہاں نصرت وعزت کی دعا ہے، جو ذلت سے حفاظت کے مترادف ہے۔

سورۃ الممتحنہ میں ایک دعا اس طرح منقول ہے:

"رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا" (الممتحنة:۵)

امام قرطبی، رازی اور طبری کے مطابق "فتنہ" سے مراد ذلت، شکست، مغلوبیت ہے۔

حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعا اس طرح منقول ہے:

" اللَّهُمَّ أَعِزَّ الإِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِينَ". (أبو داود: ١٥٣٨، حسّنه الألباني)

ترجمہ: اے میرے اللہ! تو اسلام اور مسلمانوں کو عزت عطا فرما۔

یہاں واضح دعا ہے کہ مسلمانوں کو عزت دے، دشمنوں پر غلبہ دے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا رونا اور دعائیں کرنا:

"سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

"رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ، يَرْفَعُ يَدَيْهِ، يَدْعُو لأُمَّتِهِ..." (صحيح ابن حبان: ٦٤٨٣)

الفتاوی الہندیہ میں ہے:

" ويستحبّ بعد الصلاة أن يدعو للمؤمنين والمؤمنات، ولجميع المسلمين"

(الفتاوى الهندية، ج١، ص٧٣)

تمام مسلمانوں کے لیے اجتماعی دعا مستحب ہے، چاہے حاضر ہوں یا غائب، زندہ ہوں یا مظلوم۔

الدر المختار مع رد المحتار میں ہے:

" وَيُسْتَحَبُّ الدُّعَاءُ بَعْدَ الْفَرَائِضِ لِنَفْسِهِ وَلِلْمُسْلِمِينَ."

(الدر المختار، ج١، ص٤٠٦؛ رد المحتار، ج١، ص٥٢٦)

یہاں ذکر ہے کہ فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا مستحب ہے اور امتِ مسلمہ کی فلاح و نصرت کی دعا اس میں داخل ہے۔

البحر الرائق میں علامہ ابن نجیم مصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" الدعاء للمسلمين من جملة ما يثاب عليه، خصوصًا عند المظالم والفتن"

(البحر الرائق، ج٢، ص١٠)

فتنہ وذلت کے وقت مسلمانوں کے لیے دعا کرنا مستحب و مستحسن ہے۔

کیا امام کو مقتدی کے اعتراض پر یہ جملہ ترک کر دینا چاہیے؟

جواب۔ اصول شرعی ہے کہ:

اگر کوئی کام شرعاً درست ہو اور سنت کے مطابق ہو، تو کسی فرد کی ناراضی اس کے ترک کا جواز نہیں بنتی۔

امام کو شرع کی پیروی کرنی ہے، نہ کہ ہر فرد کی ذاتی پسند و ناپسند کی۔

قرآن مقدس میں ارشاد ہے:

"اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ" (سورۃ الاعراف:۳)

یعنی اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر چلو، مخلوق کی خوشنودی کے پیچھے نہ لگو۔

- حاصل مقصودِ یہ کہ مذکورہ جملہ ("یا اللہ! مسلمانوں کو ذلت و خواری سے محفوظ رکھ") بالکل جائز، شرعی، اور مستحب دعا ہے۔
- قرآن و سنت، فقہ حنفی اور آثار سلف صالحین سے اس کا واضح ثبوت موجود ہے۔
- کسی مقتدی کی ناپسندیدگی شرعی دعا کو روکنے کا سبب نہیں بن سکتی۔
- البتہ اگر معاملہ فتنہ یا مسجد میں جھگڑے کی شکل اختیار کرے، تو الفاظ میں تھوڑی حکمت و تبدیلی (معنی قائم رکھتے ہوئے) کی جاسکتی ہے، لیکن اصل دعا ترک کرنا ضروری نہیں۔
- اگر وہ مقتدی واقعی متکبر یا معترض ہے، تو وہ خود اذیت مسلمین کا مرتکب ہو رہا ہے، جو سخت گناہ ہے۔ واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب.

کتبـــــــ

مقتدی اور امام یا مقتدی اور صف کے درمیان جسمانی اتصال یا معقول قرب ضروری ہے، تاکہ مقتدی "امام کی اقتداء" عملاً کر رہا ہو۔

حدیثِ صف بندی:

"عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: "أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ، فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي" (رواه البخاري، ٧٢٥/ و مسلم، ٤٣٠)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "صفوں کو سیدھا کرو، کیونکہ میں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی تمہیں دیکھتا ہوں۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صف کا قیام، اتصال اور قرب لازمی ہے۔

قطعِ صف سے ممانعت:

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: "مَنْ وَصَلَ صَفًّا، وَصَلَهُ اللهُ، وَمَنْ قَطَعَ صَفًّا، قَطَعَهُ اللهُ". (رواه أبو داود، ٦٦٦/ والنسائي، ٨١٨)

ترجمہ: "جو صف کو جوڑے، اللہ اسے جوڑے، اور جو صف کو توڑے، اللہ اسے توڑے۔"

مطلب یہ کہ صف میں خلا یا فاصلہ رکھنا ناجائز یا کم از کم مکروہ ہے، اور اقتداء میں خلل پیدا کرتا ہے۔

فقہاءِ کرام کے اقوال:

◉ امام محمد بن حسن الشیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وَلَا تَجُوزُ الصَّلَاةُ فِي الْجَمَاعَةِ إِلَّا إِذَا كَانَ بَيْنَ الْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ اتِّصَالٌ فِي الْمَوْقِفِ، بِحَيْثُ لَا يَكُونُ بَيْنَهُمَا فَرَاغٌ غَيْرُ مَسْدُودٍ." (الأصل، للإمام محمد، ج١، ص١٤٣)

ترجمہ: "نمازِ جماعت اس وقت درست ہوتی ہے جب امام اور مقتدی کے درمیان اتصال ہو، یعنی ایسا فاصلہ نہ ہو جس میں کوئی رکاوٹ یا رابطہ نہ ہو۔"

◉ امام سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

"إِنْ تَبَاعَدَ عَنْ الْإِمَامِ مِقْدَارًا لَا يَتَّصِلُ بِهِ، لَا تَجُوزُ اقْتِدَاؤُهُ."

(المبسوط، للإمام السرخسي، ج١، ص٢١٠)

ترجمہ: "اگر مقتدی امام سے اتنا دور ہو جائے کہ اس سے اتصال باقی نہ رہے، تو اس کی اقتداء درست نہیں ہو گی۔" امام اور مقتدی کے درمیان اگر ایک گز تک کا فاصلہ ہو نماز ہو جائے گی۔ چنانچہ

◉ فتاویٰ عالمگیری (ہندیۃ) میں ہے:

"وَإِنْ كَانَ بَيْنَ الْإِمَامِ وَالْمُقْتَدِي نَهْرٌ صَغِيرٌ يُمْكِنُ اجْتِيَازُهُ فَالاقْتِدَاءُ صَحِيحٌ، وَإِنْ كَانَ نَهْرًا كَبِيرًا لَا يُمْكِنُ اجْتِيَازُهُ فَالاقْتِدَاءُ بَاطِلٌ." (الفتاوى الهندية، ج١، ص٨٨)

ترجمہ: "اگر امام اور مقتدی کے درمیان ایسا چھوٹا نالہ ہو جسے پار کیا جا سکے تو اقتداء درست ہے، لیکن اگر ایسا فاصلہ ہے جو ناقابلِ عبور ہو تو اقتداء درست نہیں۔"

خلاصۂ جواب:

اگر امام اور مقتدی کے درمیان ایک گز (تقریباً تین فٹ) کا فاصلہ ہے:

اگر دونوں ایک ہی جگہ (مثلاً ایک ہی ہال، مسجد یا صف) میں ہیں اور درمیان میں کوئی دیوار یا ناقابلِ عبور رکاوٹ نہیں ہے، اور صف کا سلسلہ جڑا ہوا ہے، تو نماز درست ہے۔

اور اگر فاصلہ اتنا ہے کہ امام اور مقتدی کے درمیان صف یا جماعت کا اتصال نہیں ہے (یعنی درمیان میں خلا ہے یا مقتدی بالکل پیچھے تنہا کھڑا ہے اور درمیان میں کوئی موجود نہیں)، تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ ھذا ما ظھر لی والعلم عند ربی وھو اعلم بالصواب.

کتبـــ

ابو الحماد محمد اسرافیل حیدری المداری

دار الافتاء والقضاء جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الأولیاء

آستانہ زندہ شاہ مدار مکن پور شریف کانپور نگر یوپی انڈیا۔

لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے اذان، نماز، اور امام کی اقتداء کے جواز و شرائط

السلامُ علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

سوال:

۱۔ لاؤڈ اسپیکر (مائیکروفون) کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ نئی آواز پیدا کرتا ہے یا صرف آواز کو بلند کرتا ہے؟

۲۔ کیالاؤڈ اسپیکر کے ذریعے امام کی اقتداء صحیح ہے؟

۳۔ امام کے پیچھے مقتدی کی اقتداء کے شرائط کیاہیں؟ شرعی جواب عطافرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔

سائل علی سعد حیدری مکنپور شریف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب۔ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

محترم علی سعد حیدری صاحب!، مکنپور شریف

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسئولہ صورتوں میں سب سے پہلے لاؤڈ اسپیکر اور مائیکروفون کا سائنسی تجزیہ ملاحظہ فرمائیں۔

مائیکروفون اور لاؤڈ اسپیکر کا سائنسی تجزیہ

مائیکروفون کا کام:

مائیکروفون ایک برقی آلہ ہے جو آواز (صوتی توانائی) کو برقی سگنل میں تبدیل کرتا ہے۔ مختلف اقسام کے مائیکروفونز میں یہ عمل مختلف طریقوں سے ہوتا ہے:

ڈائنامک مائیکروفون: اس میں ایک کوائل اور مقناطیس کا استعمال ہوتا ہے، جہاں آواز کی لہریں ایک ڈایافرام کو حرکت دیتی ہیں، جو کوائل کو مقناطیسی میدان میں حرکت دیتی ہیں اور برقی کرنٹ پیدا کرتی ہیں۔

کنڈینسر مائیکروفون: اس میں ایک متغیر صلاحیت کا اصول استعمال ہوتا ہے، جہاں آواز کی لہریں ایک پتلی پلیٹ کو حرکت دیتی ہیں، جو برقی سگنل پیدا کرتی ہیں۔

MEMS مائیکروفون: یہ سلیکان چپ پر مبنی ہوتے ہیں اور جدید الیکٹرانک آلات میں استعمال ہوتے ہیں۔

لاؤڈ اسپیکر کا کام:

لاؤڈ اسپیکر بھی ایک ٹرانسڈیوسر ہے، لیکن یہ برقی سگنل کو صوتی لہروں میں تبدیل کرتا ہے:

ڈائنامک لاؤڈ اسپیکر: اس میں ایک کوائل، مقناطیس اور ڈایافرام (عام طور پر مخروطی شکل) ہوتا ہے۔ برقی سگنل کی لہریں کوائل میں کرنٹ پیدا کرتی ہیں، جو مقناطیسی میدان میں حرکت کرتی ہیں اور ڈایافرام کو آگے پیچھے حرکت دیتی ہیں، جس سے ہوا میں کمپن پیدا ہوتی ہے اور آواز سنائی دیتی ہے۔

پیزو الیکٹرک لاؤڈ اسپیکر: یہ برقی سگنل کو براہ راست کمپن میں تبدیل کرتے ہیں، جو آواز پیدا کرتے ہیں۔

آواز میں تاخیر (Latency)

لاؤڈ اسپیکر اور مائیکروفون کے درمیان آواز میں تاخیر (Latency) ایک قدرتی عمل ہے۔ یہ تاخیر مختلف عوامل کی وجہ سے ہوتی ہے:

مائیکروفون سے لاؤڈ اسپیکر تک سگنل کی پروسیسنگ: مائیکروفون سے آواز کا سگنل پروسیسنگ یونٹ، مکسنگ کنسول، اور دیگر آلات سے گزرتا ہے، جس میں بہت ہی معمولی تاخیر ہوتی ہے جسے محسوس نہیں کیا جاسکتا۔

ڈیجیٹل سے اینالاگ تبدیلی: ڈیجیٹل سگنل کو اینالاگ سگنل میں تبدیل کرنے کے عمل میں بھی قدرے تاخیر ہوتی ہے لیکن اصل آواز اور لاؤڈ اسپیکر کی آواز میں اتنا شدید اور قریبی اتصال ہوتا ہے کہ اسے تسلیم تو کرسکتے ہیں لیکن محسوس نہیں کرسکتے۔

لاؤڈ اسپیکر کی کارکردگی: لاؤڈ اسپیکر کے ڈایافرام کی حرکت اور آواز کی پیداوار میں بھی معمولی تاخیر ہوتی ہے۔

عام طور پر، یہ تاخیر ۱۰ر سے ۵۰ر ملی سیکنڈ کے درمیان ہوتی ہے، جو انسان کے لیے زیادہ قابل توجہ نہیں ہوتی بلکہ اسے تسلیم تو کیا جاسکتا ہے لیکن تاخیر محسوس نہیں کی جاسکتی۔

لاؤڈ اسپیکر کی حقیقت اور مقاصد:

لاؤڈ اسپیکر (مُکَبِّرُ الصَّوت) دراصل ایک مُرَفِّعُ الصَّوت آلہ ہے، یہ بولنے والے کی اصل آواز کو برقی لہروں میں تبدیل کرکے پھر وہی آواز زیادہ قوت کے ساتھ خارج کرتا ہے۔ یہ کوئی نئی آواز پیدا نہیں کرتا، بلکہ اصل آواز کو تقویت دے کر زیادہ فاصلے تک پہنچاتا ہے۔

Engineering Acoustics, Leo L. Beranek, 2012 میں ہے:

"A loudspeaker converts electrical signals into acoustic energy without altering the pitch or tone, only amplifying sound".

ترجمہ: لاؤڈ اسپیکر برقی اشاروں کو صوتی لہروں میں منتقل کرتا ہے، آواز کے آہنگ کو نہیں بدلتا بلکہ صرف اسے بلند کرتا ہے۔

اس طرح یہ آلہ شریعت کے اصل مقاصد یعنی اذان و خطبہ تقاریر اور بیانات کو زیادہ لوگوں تک پہنچانے میں مددگار ہے۔

لاؤڈ اسپیکر پر نماز اور اذان

اذان و خطبہ کا مقصد زیادہ سے زیادہ لوگوں کو دین کی دعوت اور نماز کی اطلاع دینا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

«أَذِّنُوا فِي أَسْوَاقِكُمْ» (سنن ابن ماجه، كتاب الإيمان، حديث ١١٠٨)

ترجمہ: اپنے بازاروں میں اذان دو تا کہ لوگ نماز کے لیے جمع ہوں۔

معاصر فقہاء نے لاؤڈ اسپیکر کو اسی مقصد کے لیے جائز قرار دیا ہے:

"اِستعمالُ الميكروفونِ واللَّاؤُد سْپِيكَر جائزٌ لإذاعةِ الأذانِ والخُطبة بحيثُ يسمعُها أكبرُ عددٍ من النّاس، مع مراعاةِ عدمِ الإزعاجِ للآخرين.

(الفتاوى الإسلامية المعاصرة، ج ٢، ص ١٤٨)

یعنی اذان و خطبہ میں مائیک اور اسپیکر کا استعمال جائز ہے، بشرطیکہ لوگوں کو تکلیف نہ ہو یعنی ساؤنڈ سسٹم صحیح ہو بے جا سیٹی وغیرہ کی آواز نہ آتی ہو جس سے نماز کا خشوع و خضوع زائل ہو اور مقصد امر دین کو سب تک پہونچانا ہو۔

لاؤڈ اسپیکر پر اقتداء کا جواز

امام کی آواز اگر براہِ راست یا لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے مقتدی تک پہنچے، تو مقتدی اسی آواز کی بنیاد پر امام کی حرکات کو پہچان سکتا ہے۔ فقہی اصول یہی ہے کہ مقتدی کو امام کی اقتداء میں یقین حاصل ہو۔

لہٰذا لاؤڈ اسپیکر پر امام کی اقتداء صحیح ہے، کیونکہ: لاؤڈ اسپیکر یا مائیکروفون کی آواز اصل ہی کی تقویت شدہ صورت ہے۔

مقتدی امام کی حرکات کو اسی آواز سے جان کر پیروی کرتا ہے۔

اقتداء کے شرائط (فقہ احناف کے مطابق)

- **امام کی حرکات کی پیروی:**

امام کے ساتھ رکوع و سجود کرنا، اس سے آگے نہ بڑھنا۔

ابن عابدین شامی قدس سرہٗ السامی فرماتے ہیں:

«مَنْ صَلَّى خَلْفَ الإِمَامِ يَجِبُ عَلَيْهِ أَنْ يَقْتَدِيَ بِكُلِّ أَفْعَالِهِ وَلاَ يُسْبِقُ الإِمَامَ فِي

شَيْءٍ.» (ابن عابدين، رد المحتار على الدر المختار، ج ١، ص ٢١٠)

ترجمہ: جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے، اسے امام کے تمام افعال کی پیروی کرنی چاہیے اور کسی چیز میں امام سے آگے نہیں بڑھنا چاہیے۔

- **امام کے ساتھ ایک ہی نماز ہونا:**

امام اور مقتدی ایک ہی فریضہ کی نیت کریں۔

- **اقتداء کی جگہ کا اتصال:**

مقتدی اور امام کے درمیان اس قدر فاصلہ نہ ہو کہ اقتداء منقطع سمجھی جائے۔

امام کاسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

«الاقتداءُ بالإمامِ في الصَّلوةِ شرطٌ لصحَّةِ الصَّلاةِ، ويجبُ انتظارُ أفعالِهِ في الرُّكوعِ والسُّجود.» (الكاساني، بدائع الصنائع، ج ١، ص ١٦٣)

ترجمہ: نماز کی صحت کے لیے امام کی اقتداء شرط ہے، اور رکوع و سجود میں امام کے افعال کا انتظار لازم ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ

- لاؤڈ اسپیکر نئی آواز پیدا نہیں کرتا، بلکہ موجودہ آواز کو بلند کرتا ہے۔
- اذان، خطبہ اور نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال جائز ہے، کیونکہ یہ مقاصدِ شریعت یعنی اعلانِ دین اور سہولتِ عبادت کے عین مطابق ہے۔
- امام کی اقتداء لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے جائز ہے، بشرطیکہ مقتدی کو امام کی حرکات کی پہچان اسی آواز کے ذریعے ہو۔
- اقتداء کے شرائط فقہ حنفی میں یہ ہیں: امام کے افعال کی پیروی، امام سے سبقت نہ کرنا، امام کے ساتھ ایک ہی نماز کی نیت، اور اتصالِ صفوف۔ اور یہ لحاظ رہے کہ بڑی جماعت میں تکبیر کہنے کی سنت نہ فوت ہو اس لیئے مکبر کھڑا کرنا بہر صورت پیش نظر ہو۔ واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب.

کتبـــــــ

روزہ کا بیان

ناپاکی کی حالت میں سحری کھانا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کیا حالت جنابت میں سحری کھاسکتے ہیں، روزہ ہو گا یا نہیں؟

سائل: عبد اللہ مداری، رامپور

الجواب

کوئی شخص حالت جنابت میں سحری کھانا چاہے تو کھا سکتا ہے اور سحری کھا کر اسکا روزہ رکھنا درست ہو گا۔ حالت جنابت میں سحری کھا کر روزہ رکھنے سے روزہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ بدائع الصنائع جلد دوم صفحہ ۶۰۳ کتاب الصوم میں مذکور ہے:

"ولو اصبح جنبا فی رمضان فصومه تام عند عامة الصحابة مثل علي وابن مسعود إلخ..."

اور فتاویٰ تاتارخانیہ جلد ۳، صفحہ ۳۸۴، مطبوعہ زکریا میں مذکور ہے:

"واذا اصبح جنبا لا يفسد صومه"

اور در مختار جلد ۳، ص: ۳۷۲، مطبوعہ زکریا میں ہے:

"او اصبح جنبا وان بقي كل اليوم لم يفطر"

لہٰذا حالت جنابت میں سحری کھانے سے روزہ درست ہو گا۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ

بندہ محمد اصف قمر مداری عفی عنہ
خادم التدریس مدرسہ مدار العلوم گوبندہ پور بریلی
۳/ رمضان المبارک ۱۴۴۳ھ

الجواب صحیح
خوشنود خان مداری غفرلہ
صدر المدرسین مدرسہ مذکورہ وناظم اعلیٰ دار الافتا مداریہ

کیا انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بہ حالت روزہ انجکشن لگوانا کیسا ہے؟ اگر کوئی بھوک وپیاس اور طاقت کا انجکشن لگوائے تو کیا حکم ہوگا؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ بڑی مہربانی ہوگی۔

سائل: محمد عمران بیگ ضلع جھنجھنو (راجستھان)

الجواب

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانا اگرچہ روزے کی حکمت ومصلحت کے خلاف ہے، اس کے باوجود اگر انجکشن لگوایا گیا، خواہ بھوک وپیاس اور طاقت کے ارادہ سے ہو یا نہ ہو روزہ نہیں ٹوٹے گا، البتہ بھوک وپیاس کی ضرورت کی تکمیل کے لئے لگوایا گیا، تو روزہ مکروہ ہو جائے گا۔ اس سلسلے میں ایک قاعدۂ کلیہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ دوا یا غذا جو مسامات اور گوں کے ذریعے جسم میں پھیل جائے، تو اس سے روزہ نہیں جاتا، بلکہ وہ دوا یا غذا جو کسی اور طریقۂ منفذ سے پیٹ یا دماغ میں پہنچ جائے تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے، لہذا جس طرح کھانے پینے اور جماع سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح اگر کوئی چیز مسامات یا رگ کے علاوہ کوئی اور منفذ (راستہ) کے ذریعہ دماغ یا پیٹ میں داخل ہو جائے تو روزہ جاتا رہے گا ورنہ نہیں۔

ہندیہ میں ہے:

"وما يدخل من مسام البدن من الدهن لا يفطر، هكذا في شرح المجمع. ومن اغتسل في ماء وجد بزادة في باطنه، لا يفطر هكذا في النهر الفائق"

(هندية ج:1، ص:٢٢٤، كتاب الصوم، باب فيما يفسد وما لا يفسد، دار الكتب العلمية)

نہر فائق میں ہے:

"لان الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن والمفطر انما الداخل من المنافذ، لاتفاق علي أن من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه أنه لا يفطر."

(النهر الفائق ج:١، ص:١٧، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسده، دارعالم الكتب)

اور ہندیہ میں ہے:

وفي دواءالجايفة والآمة أكثر المشايخ علي أن العبرة للوصول إلي الجوف والدماغ لا لكونه رطبااو يابسا حتي اذاعلم أن اليابس وصل يفسد صومه ولو علم أن الرطب لم يصل لم يفسد هكذا في العنايه.

(هنديه ج:١، ص:٢٢٤/ كتاب الصوم، باب فيما يفسد ومالا يفسد، دارالكتب العلمية بيروت)

اور مبسوط میں ہے:

"فاماالسعوط والوجور يفطره لوصوله إلي أحد الجوفين إما الدماغ أو الجوف، والفطر مما يدخل"

(مبسوط ج:٢ص:٧٢، كتاب الصوم، دارالكتب العلمية) والله اعلم.

کتبـــــــ

ذرا پہلے ہی ہوں تو اس کا روزہ جاتا رہا اور اب اس کے لئے کھانا پینا جائز ہے البتہ رمضان المبارک میں روزے کے احترام کو بجالا کر چھپ کر کھانا پینا کرے، رمضان المبارک کے بعد چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کرے۔

جیسا کہ بدائع الصنائع میں ہے:

"ولو حاضت المرأة او نفست بعد طلوع الفجر فسد صومها لأن الحيض والنفاس منافيان للصوم لمنافاتهما اهلية الصوم شرعا."

(كتاب الصوم/ حكم فساد الصوم ج:٢ ص:٦٠٩/ دار الكتب العلميه)

اور جوھر نیرہ شرح مختصر للقدوری میں ہے:

"واذا حاضت المرأة افطرت وقضت ولذا إذا نفست وهل تأكل سرا او جهرا؟ قيل سرا او قيل جهرا لايجب عليها التشبه"

(جوهر نيره ج:١ ص:٣٤٨/ كتاب الصوم، مسايل في الصيام/ دار الكتب العلميه بيروت)

اور حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

واما وفي حالة تحقق الحيض والنفاس فيحرم الامساك لان الصوم منهماحرام، والتشبه بالحرام حرام وكذلك لايجب الامساك علي المريض.

(حاشيه طحطاوي على مراقي الفلاح ج١ ص:٦٧٨، فصل يجب الامساك/ كتاب الصوم، دار الكتب العلميه بيروت)

اور الفقہ فی المذاھب الاربعہ میں ہے:

"إذا حاضت المرأة الصايمة أو نفست وجب عليها الفطر وحرم الصيام ولو صامت فصومها باطل وعليها القضاء"

(الفقه علي المذاهب الأربعة / كتاب الصوم، صوم الحائض والنفاس ج١ ص:، ٤٨٧/ دار الفكر) والله اعلم.

كتبـــــــ

روزہ کی حالت میں آنکھ میں دواڈالنا کیسا؟

حضور مفتی صاحب قبلہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

روزہ کی حالت میں انکھ میں دواڈال سکتے ہیں یا نہیں۔ روزہ فاسد یا مکروہ تو نہیں ہو گا جو حکم شرع ہو بیان فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

سائل:- غلام مرسلین رسول اباد کانپور دیہات

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الجواب۔ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

روزہ کی حالت میں انکھ میں دواڈال سکتے ہیں کوئی حرج نہیں ہے اگرچہ اس کا ذائقہ حلق میں محسوس ہو۔ جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ جلد اوّل ص ۲۲۴/ پر ہے:

"وَلَوْ أَقْطَرَ شَيْئًا مِنْ الدَّوَاءِ فِي عَيْنِهِ لَا يُفْطِرُ صَوْمَهُ عِنْدَنَا، وَإِنْ وَجَدَ طَعْمَهُ فِي حَلْقِهِ، وَإِذَا بَزَقَ فَرَأَى أَثَرَ الْكُحْلِ وَ لَوْنَهُ فِي بُزَاقِهِ عَامَّةُ الْمَشَايِخِ عَلَى أَنَّهُ لَا يُفْسِدُ صَوْمَهُ كَذَا فِي الذَّخِيرَةِ، وَهُوَ الْأَصَحُّ هَكَذَا فِي التَّبْيِينِ. اھ.

اور مجلس شرعی کے فیصلے جلد اوّل ص۲۵۸/ میں ہے:

"اس پر تمام مندوبین کا اتفاق ہے کہ انکھ میں دواڈالنے سے روزہ فاسد نہ ہو گا، اس لیے کہ خود انکھ جوف کے حکم میں نہیں، نہ ہی اس میں ایسا کوئی منفذ ہے جو دوا کو جوف تک پہنچائے۔ فقہاے کرام کی عبارتوں میں بھی صراحت موجود ہے کہ انکھ میں دواڈالنا مفسد صوم نہیں۔- واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتبہ

ابوالحماد محمد اسرافیل حیدری المداری

دار الافتاء والقضاء جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الاولیاء

استانہ زندہ شاہ مدار مکن پور شریف کانپور نگر یوپی انڈیا

حالت روزہ میں انسولین لگوانا

کیا فرماتے ہیں حضور مفتی صاحب قبلہ درجہ ذیل مسئلہ میں میرے ایک دوست شگر کے مریض ہیں روزہ رکھنا چاہتے ہیں لیکن روزانہ انسولین کا انجکشن لگوانا پڑتا ہے۔ کیا فقہ حنفی کی رو سے ان کا انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جائے گا؟

سائل علی احمد گنگواپور کانپور نگر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب۔ اللّٰهم هداية الحق والصواب

مسلک احناف کے مطابق، روزے کی حالت میں انسولین کا انجکشن لگوانا روزہ نہیں توڑتا، کیونکہ یہ انجکشن براہ راست معدے میں داخل نہیں ہوتا، بلکہ جلد یا پٹھوں کے ذریعے خون میں جذب ہوتا ہے۔

فقہ حنفی کی رو سے روزہ اس وقت ٹوٹتا ہے جب کوئی چیز جوفِ بدن (یعنی وہ جگہ جہاں سے خوراک اور پانی جسم میں داخل ہو، جیسے معدہ) میں داخل ہو اور اس سے جسم کو غذائیت یا طاقت ملے۔ امام ابن عابدین الشامی قدس سرہٗ السامی اپنی کتاب "رد المحتار علی الدر المختار" میں فرماتے ہیں:

"فلو داوىٰ جائفة أو مأمومة لم يفطر؛ لأن الدواء لا يصل إلى الجوف، بل إلى باطن الجرح، وهو ليس بجوف حقيقة" (رد المحتار، جلد ۲، صفحہ ۳۹۵)

یعنی اگر کسی نے زخم کے ذریعے دوا جسم میں داخل کی، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ وہ معدے میں نہیں جاتی۔ انسولین کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے، کیونکہ یہ خون میں جذب ہوتی ہے، نہ کہ معدے میں جاتی ہے۔

مزید وضاحت:

فقہائے احناف نے اس اصول کو اختیار کیا ہے کہ وہ چیزیں جو جسم کے اندر جاتی ہیں، مگر کسی ایسے راستے سے نہیں جو معدے سے متصل ہو، وہ روزہ نہیں توڑتیں۔

حاصل کلام

انسولین کا انجکشن لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کیونکہ:

۱. یہ معدے میں داخل نہیں ہوتا، بلکہ خون میں جذب ہوتا ہے۔

۲. فقہ حنفی کے مطابق، جلد یا رگ کے ذریعے داخل ہونے والی دوا روزہ نہیں توڑتی، جب تک کہ وہ براہ راست معدے میں نہ جائے۔

۳. فقہاء کرام نے وضاحت کی ہے کہ زخم یا جلد کے ذریعے دوا کا داخل ہونا روزہ کو فاسد نہیں کرتا۔

احتیاطی مشورہ:

اگر کسی مریض کو شدید کمزوری یا ہائپو گلیسیمیا کا سامنا ہو، تو وہ اپنی صحت کو مد نظر رکھتے ہوئے روزہ توڑ سکتا ہے، کیونکہ شریعت میں جان کی حفاظت کو فوقیت دی گئی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبـــ
_____ه

ابو الحماد محمد اسرافیل حیدری المداری
دار الافتاء والقضاء جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الاولیاء
استانہ زندہ شاہ مدار مکن پور شریف کانپور نگر یوپی انڈیا

فلکی حسابات کی بنیاد پر رویت ہلال کی شہادت کا حکم

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیلیہ میں کہ کیا فقہ حنفی کے مطابق فلکی حسابات کی بنیاد پر رویت ہلال کی شہادت کی نفی کرنا جائز ہے؟

الف- اگر فلکی حسابات کے ذریعے معلوم ہو کہ ابھی چاند کی ولادت ہی نہیں ہوئی ہے اور کوئی شخص یا جم غفیر رویت ہلال کی شہادت کر دے تو کیا اس بنا پر شہادت کو رد کرنا جائز ہے؟ کیا ولاوت قمر کے فلکی حسابات قطعی ہیں؟

ب- اگر ماہرین فلکیات یہ کہیں کہ ولادت قمر کے اتنے گھنٹوں تک چاند قابل رویت نہیں ہوتا اور ان کے ذکر کردہ گھنٹوں سے پہلے کوئی شخص یا جم غفیر رویت ہلال کی شہادت کر دے تو کیا اس بنا پر شہادت کو رد کرنا جائز ہے؟ ولادت قمر کے بعد رویت ممکن نہ ہونے کا پوری دنیا کے لیے کوئی قطعی فلکی قاعدہ ہے؟ اور یہ فلکی حسابات کیا قطعی ہیں یا ظنی؟

حافظ زبیر اختر چھترپور پلاموں جھارکھنڈ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب۔ اللّٰهم هداية الحق والصواب

واضح ہو کہ شرعی احکامات کا مدار چاند کے افق پر موجود ہونے پر نہیں ہے، اس لیے کہ چاند اپنے مستقر میں کہیں نہ کہیں موجود ہوتا ہے، کسی دن اور کسی وقت بھی معدوم نہیں ہوتا بلکہ شرعی احکامات کا مدار چاند کے عام انکھوں سے دیکھے جانے پر ہے، نکاح، طلاق، عدت وغیرہ کے مسائل ہوں یا ماہ رمضان کی ابتداء وانتہاء ہو، یا عید منانے کا مسئلہ ہو، تمام احکامات کا مدار چاند کی رؤیت پر ہے نہ کہ چاند کے افق میں موجود ہونے پر جیسا کہ متعدد احادیث سے یہ بات ثابت ہے، نیز اسلامی عبادات مثلاً روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کا تعلق قمری مہینہ سے ہے، اور خصوصا رمضان مبارک کی تو ابتداء ہی چاند دیکھنے پر موقوف ہے، اور اس کے لیئے حضور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ایک اسان اور عام فہم طریقہ ارشاد فرمادیا ہے کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو، اور چاند دیکھنے پر افطار کرو، تاکہ ایک عام فہم، سادہ لوح مسلمان کے لیے بھی فرائض کی ادائیگی اسان ہو، فلکی حسابات پر اس کا مدار نہیں رکھا، جیسا کہ مشکاۃ المصابیح میں ہے:

"عن ابن عمر قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «لا تصوموا حتى تروا الهلال ولا تفطروا حتى تروه فإن غُمَّ عليكم فاقدروا له» .وفي رواية قال: «الشهر تسع وعشرون ليلة فلا تصوموا حتى تروه فإن غم عليكم فأكملوا العدة ثلاثين.(بخارى ومسلم)" (١/١٧٤، باب روية الهلال، الفصل الاول، ط: قديمى)

ترجمہ: "حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "روزہ اس وقت تک نہ رکھو، جب تک چاند نہ دیکھ لو، اسی طرح عید کے لیے افطار اس وقت تک نہ کرو، جب تک کہ عید کا چاند نہ دیکھ لو، اگر چاند تم پر مستور ہو جائے تو حساب لگالو (یعنی حساب سے تیس دن پورے کرلو)۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلّم نے فرمایا: مہینہ کبھی انتیس رات کا بھی ہوتا ہے اس لئے جب تک چاند نہ دیکھ لو روزہ نہ رکھو اور اگر چاند تم پر مستور ہو جائے تو تو تیس دن پورے کرو (یعنی شعبان کا مہینہ تیس دن کا سمجھو)"۔ (بخاری ومسلم)

مذکورہ تفصیل سے چند باتیں معلوم ہوئی: (۱) قمری مہینہ انتیس یا تیس دن ہی کا ہو سکتا ہے، اس سے کم یا

زیادہ کا نہیں ہو سکتا۔ (۲) روزہ اور عید کا مدار چاند کو دیکھنے پر ہے، چاند کے موجود ہونے پر نہیں ہے۔ (۳) چاند کی رؤیت کا مدار فلکی حسابات پر نہیں ہے۔

نیز فلکی حسابات اور الات کے نتائج یقینی نہیں ہیں، بلکہ تخمینی اور ظنّی ہیں، یہی وجہ ہے کہ ماہرین فن کا اس میں اختلاف بھی ہوتا ہے، اور کبھی ایک تحقیق کو بعد میں آنے والے دوسری تحقیق رد کر دیتی ہے، اگر سائنس کی ترقی کی وجہ سے بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ الات میں غلطی کا احتمال نہیں ہے تو ان الات کو واقعات پر منطبق کرنا تو بہر حال انسانی عمل اور نظر ہے، اس میں فرق ممکن ہے۔ جیسا کہ چوتھی صدی ہجری کے مشہور اسلامی فلاسفر اور ماہر فلکیات "ابو ریحان البیرونی" نے الات رصدیہ کے نتائج کے غیر یقینی ہونے کو ماہرین کا اتفاقی نظریہ بتلایا ہے:

"ان علماء الهيئة مجمعون علي انّ المقادير المفروضة في اواخر اعمال رؤية الهلال هي ابعاد لم يوقف عليها الا بالتجربة وللمناظر احوال هندسية يتفاوت لإجلها المحسوس بالبصر في العظم والصغر وفي ما اذا تأمّلها متأمّل منصف لم يستطع بتّ الحُكم على وجوب رؤية الهلال اَو امتناعها."

(آثار الباقية عن القرون الخالية، ص: ۱۹۸، طبع:۱۹۲۳، لیزك)

ترجمہ: "علماء ریاضی وہیئت اس پر متفق ہیں کہ رویت ہلال کے عمل میں آنے کے لیے جو مقداریں فرض کی جاتی ہیں وہ سب ایسی ہیں جن کو صرف تجربہ سے معلوم کیا جاسکتا ہے، اور مناظر کے احوال مختلف ہوتے ہیں، جن کی وجہ سے انکھوں سے نظر آنے والی چیز کے سائز میں چھوٹے بڑے ہونے کا فرق ہو سکتا ہے، اور فضائی و فلکی حالات ایسے ہیں کہ ان میں جو بھی ذرا غور کرے گا تو رویت ہلال کے ہونے یا نہ ہونے کا قطعی فیصلہ ہر گز نہیں کر سکے گا۔"

نیز کشف الظنون میں زیج شمس الدین محمد بن علی خواجی وا بکنوی کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے چالیس سال تک فلکیات پر تحقیق کی، اور ان کا یہ چالیس سالہ تجربہ نقل کیا ہے کہ فلکیاتی حسابات تخمینی (اندازے اور تجربات کی بنیاد پر) ہوتے ہیں، اور یہ اندازے مختلف ہوتے رہتے ہیں، ان کے بارے میں کوئی صحیح اور یقینی پیش گوئی نہیں کی جاسکتی کہ جس پر اعتماد کیا جاسکے۔ ملاحظہ ہو:

"زيج: شمس الدين محمد بن علي خواجه الوابكنوي. فارسي. مختصر. ذكر فيه: أنه أرصد أربعين سنة. واجتهد بآلات مصححة. وذكر أن: ضبط كميات الحركات السماوية كما ينبغي معتذر، لأن درجة من دوائر الفلك، أعظم بكثير من دوائر الأرض، فضلا بالنسبة إلى الآلة.حتى قالوا: ليس للأرض قدر محسوس، بالنسبة إلى فلك المريخ، فلا سبيل إلى التحقيق، سوى التخمين والتقريب.ولذلك كانت الأزياج والأرصاد مختلفة." (كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون (٢ / ٩٦٩) باب الزاي المعجمة، ط:مكتبة المثنى - بغداد)

خلاصہ یہ ہے کہ چاند کی رویت کا مدار، چاند دیکھنا ہے، اگر مہینہ انتیس کا ہو جانے کے بعد چاند کی دیکھنے کی شہادت، شرعی شرائط وضوابط کے مطابق اجائے تو اسے صرف تخمینی حسابات کی بناء پر رد نہیں کیا جائے گا، تاہم شہادت قبول کرنے کا اختیار قاضی کو ہے، اور قاضی مختلف جہات سے گواہی کو جانچ کر فیصلہ کرتا ہے اور مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی قاضی شرعی کی حیثیت رکھتی ہے، لہذا شہادت موصول ہونے پر اگر وہ اعلان کردے تو ملک میں جن لوگوں تک یہ اعلان معتبر ذرائع سے پہنچ جائے، ان پر روزہ رکھنا یا عید کرنا لازم ہوگا، اگر مرکزی رویت ہلال کمیٹی چاند نظر نہ آنے کا اعلان کرے تو اس کے فیصلہ پر عمل لازم ہوگا، البتہ جس شخص نے رمضان المبارک کا چاند خود دیکھا تو اس پر اپنی ذات کے لحاظ سے اس پر عمل کرنا ضروری ہوگا، لیکن چوں کہ اس کو ولایت حاصل نہیں ہے اس لیے اس کی گواہی دوسرے کے حق میں معتبر نہیں ہوگی جب تک قاضی اس کی گواہی پر فیصلہ کرکے اس کا اعلان نہ کردے۔

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

"الفتاوى النسفية:سئل عن قضاء القاضي برؤية هلال شهر رمضان بشهادة شاهدين عند الاشتباه في مصر، هل يجوز لإهل مصر آخر العمل بحكمهم؟ فقال: لا، ولا يكون مصر آخر تبعا لهذا المصر، انما سكان هذا المصر وقراها يكون تبعا له."
(٣/ ٣٦٥، كتاب الصوم، الفصل :٢، رؤية الهلال، ط: زكريا،) فقط والله اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

روزہ کی توہین کرنے والے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کہ ایک شخص کلمات کفر بولے اور کہے کہ روزہ وہ رکھے جسکے پاس کھانے کو نہیں ہے۔ ایسے بولنے والے پر شرع شریف کیا حکم نافذ ہو گا قرآن مجید و حدیث رسول سے اسکا جواب عنایت فرمائیں۔

سائل سید ظفر مجیب المداری۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب۔ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

روزہ اسلام کا ایک بنیادی فرض ہے، جو شریعت اسلامیہ میں ضروریاتِ دین میں شامل ہے۔ جو شخص اس کا انکار کرے یا اس کی توہین و مذاق کرے تو وہ حرام کار، بدکار، بدعتی، بلکہ کافر و مرتد ہو جاتا ہے۔

اس پر متعدد احادیث و آثار صحابہ دلالت کرتے ہیں کہ دین کے کسی فرض یا حکم کا مذاق اڑانا کفر ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

«بُنِيَ الإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، وَإِقَامِ الصَّلاَةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ، وَحَجِّ الْبَيْتِ.» (بخاری، رقم: ٨، مسلم، رقم: ١٦)

ترجمہ: ”اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی:

(۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

(۲) نماز قائم کرنا۔

(۳) زکوٰۃ ادا کرنا۔

(۴) رمضان کے روزے رکھنا۔

(۵) بیت اللہ کا حج کرنا۔“

اس حدیث سے واضح ہے کہ رمضان کے روزے دین کے بنیادی ستونوں میں سے ہیں۔ اس کی تحقیر دینِ اسلام کی جڑ پر ضرب ہے۔

احکامِ شریعت کا مذاق کفر ہے: صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں ایک منافق نے حضور نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا مذاق اڑایا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

"وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ" (سورۃ التوبہ:۶۵-۶۶)

ترجمہ: "اگر آپ ان سے پوچھیں تو کہیں گے: ہم تو بس یونہی باتیں کرتے اور کھیلتے تھے۔ آپ فرمادیجئے: کیا اللہ، اس کی ایتوں اور اس کے رسول کا مذاق اڑاتے تھے؟ بہانے نہ بناؤ! تم ایمان کے بعد کافر ہو چکے۔"

یہ آیت واضح دلیل ہے کہ دین کی کسی بات کا مذاق اڑانا صریح کفر ہے۔

امام طبری نے "تفسیر طبری" میں اور دیگر مفسرین نے ان ایات کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ منافقین کے ایک گروہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں طنز و مزاح کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو کافر قرار دیا۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ "روضة الطالبين" میں لکھتے ہیں:

«مَنْ اسْتَهْزَأَ بِاللهِ أَوْ رَسُوْلِهِ أَوْ كِتَابِهِ أَوْ شَيْءٍ مِنَ الشَّرَائِعِ كَفَرَ»

(روضة الطالبين، ج ١٠، ص ٦٤)

ترجمہ: جس نے اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم، اللہ کی کتاب یا کسی شرعی حکم کا مذاق اڑایا، وہ کافر ہے۔

فقہائے احناف نے اصولی قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ دین کی کسی لازمی چیز کی تحقیر یا اس کا مذاق کرنا کفر ہے۔

امام علاء الدین حصکفی اور علامہ ابن عابدین شامی "الدُّرُّ الْمُخْتَار مع رد المحتار" میں فرماتے ہیں:

"مَنْ اِسْتَخَفَّ بِشَيْءٍ مِمَّا عَظَّمَهُ الشَّرْعُ كَفَرَ."

(الدُّرُّ الْمُخْتَار مع رد المحتار، ج ٤، ص ٢٣٣، مطبوعه دار الفكر)

ترجمہ: جو شخص کسی ایسی چیز کو حقیر سمجھے جس کو شریعت نے عظمت دی ہے وہ کافر ہے۔

اس سے ثابت ہے کہ اگر کوئی شخص رمضان کے فرض روزے کو حقیر سمجھے یا مذاق بنائے تو فقہ حنفی کے مطابق اس نے کفر کیا۔

الفتاویٰ الہندیہ میں ہے:

"وَمَنْ جَحَدَ فَرْضًا مَعْلُومًا مِنَ الدِّينِ بِالضَّرُورَةِ كَفَرَ."

(الْفَتَاوَى الْهِنْدِيَّةُ، ج ٢، ص ٢٥٩، مطبوعه دار الفكر)

ترجمہ: جو شخص کسی ایسے فرض کا انکار کرے جو دین میں ضروری اور مشہور ہے تو وہ کافر ہے۔

روزہ انہی فرائضِ قطعیہ میں سے ہے جس کا انکار یا مذاق کفر کی حد میں داخل کر دیتا ہے۔

علمائے عقائد نے ہمیشہ اصولی طور پر یہ بات بیان فرمائی ہے کہ دین کی کوئی بات ہو — خواہ فرض ہو، واجب ہو، سنت ہو یا شعائرِ اسلام میں سے کوئی علامت۔ اگر اس کی اہانت کی جائے یا اس کا مذاق اڑایا جائے تو یہ کفر ہے۔

امام تفتازانی متکلم کبیر قدس سرہٗ نے مشہور کتاب شرح عقائد نسفی میں بیان فرمایا:

«وَأَمَّا السَّبُّ وَالتَّنْقِيصُ وَالتَّسْخِيْرُ وَالتَّهَكُّمُ بِالدِّيْنِ أَوْ بِشَيْءٍ مِنْهُ فَهُوَ كُفْرٌ.»

(شرح العقائد النسفية مع الحاشية، ص ١٨٣، مطبوعه دار الفكر)

ترجمہ: "جہاں تک دین کو گالی دینا، اس کی توہین کرنا، مذاق اڑانا، یا اس میں سے کسی چیز کا مذاق اڑانا ہے — تو یہ کفر ہے۔"

امام نسفی عالم عقائد حنفی قدس سرہٗ نے العقائد النسفیہ میں فرمایا:

«وَمَنْ اسْتَهْزَأَ بِالدِّيْنِ أَوْ شَيْءٍ مِنْهُ كَفَرَ.» (العقائد النسفية مع الشروح، ص ٧١)

ترجمہ: "جو دین یا اس کی کسی چیز کا مذاق اڑائے وہ کافر ہے۔"

امام ابن عابدین شامی فقیہ و متکلم قدس سرہٗ نے احکامِ مرتدین میں تفصیل سے بیان کیا ہے کہ:

«قَدْ تَقَرَّرَ أَنَّ مَنْ أَنْكَرَ مَعْلُوْمًا مِنَ الدِّينِ بِالضَّرُورَةِ أَوْ اسْتَهْزَأَ بِهِ يَكْفُرُ.»

(رد المحتار، ج ٦، ص ٣٥٢، باب المرتد)

ترجمہ: "یہ اصول طے شدہ ہے کہ جو شخص دین کی کسی ضروری بات کا انکار کرے یا اس کا مذاق اڑائے وہ کافر ہو جاتا ہے۔"

"شرح المقاصد للتفتازانی" میں ہے:

«الِاسْتِهْزَاءُ بِشَعَائِرِ الْإِسْلَامِ كُفْرٌ.» (شرح المقاصد، ج ٢، ص ٢٣٣)

ترجمہ: "اسلام کی نشانیوں کا مذاق اڑانا کفر ہے۔"

روزہ چونکہ اسلامی شعائر میں سے ایک عظیم شعار ہے، لہٰذا اس کا مذاق کفر میں شمار ہو گا۔

علمائے عقائد نے واضح طور پر قرار دیا ہے کہ:

دین کی کسی لازمی چیز کی اہانت، کسی شعارِ اسلام کا مذاق، کسی فرض قطعی کو حقیر بتانا یہ سب موجب کفر ہیں۔

احناف کی دیگر کتابوں میں بھی مذاق کا یہی حکم ہے:

«وَمَنْ اسْتَهْزَأَ بِشَيْءٍ مِنَ الدِّينِ أَوْ أَحْكَامِهِ كَفَرَ.»

ترجمہ: جو دین کی کسی بات یا اس کے احکام کا مذاق اڑائے، وہ کافر ہے

علمائے تفاسیر نے بھی مذکورہ آیت (التوبہ: ۶۵-۶۶) کی تفسیر میں لکھا کہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ دین کی باتوں کا مذاق اڑانے والا کافر ہو جاتا ہے۔

لھٰذا اگر کوئی شخص رمضان کے فرض روزے کو غرباء کے ساتھ جوڑ کر تحقیر کرے اور یوں کہے کہ "روزہ وہ رکھے جس کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے" تو یہ مذاق اور تحقیر ہے۔ اس پر توبہ و تجدیدِ ایمان اور اگر شادی شدہ ہو تو تجدیدِ نکاح لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب.

کتبـــــــ

محدثین وشارحین حدیث کا اس پر اجماع ہے۔ چنانچہ احادیث کریمہ میں وارد ہے:

- **حدیث:(۱)**

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ صَوْمِ يَوْمَيْنِ، الْفِطْرِ، وَالنَّحْرِ. (صحيح البخاری: ۱۹۹۲)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے صراحتاً دو دنوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا: یوم الفطر (۱ر شوال) اور یوم النحر (۱۰ر ذوالحجہ)۔

علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (شرح صحیح بخاری، ج۴، ص۱۹):

"فِيهِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّهُ حَرَامٌ، لِأَنَّهُ نَهْيٌ عَنْ عِبَادَةٍ وَاجِبَةٍ فِي غَيْرِهَا، فَتَكُونُ فِي هَذَا الْيَوْمِ مَحْظُورَةً." (شرح صحيح بخاری لابن بطال، ج ٤، ص ١٩)

یعنی: عبادت کو روکا گیا جو کہ دوسرے دنوں میں مستحب یا واجب ہے، پس ان دنوں میں وہ عبادت حرام ہو جاتی ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (شرح صحیح مسلم، میں فرماتے ہیں:

"فِيهِ تَحْرِيمُ صَوْمِ هَذَيْنِ الْيَوْمَيْنِ... لَمْ يَصِحَّ نَذْرُهُ" (شرح صحيح مسلم، ج ۸، ص ۱۸)

یعنی ان دنوں روزہ حرام ہے حتیٰ کہ اگر کوئی ان دنوں کا روزہ نذر مانے تب بھی نذر صحیح نہیں۔

- **حدیث:(۲)**

عَنْ نُبَيْشَةَ الْهُذَلِيِّ، قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَيَّامُ التَّشْرِيقِ أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرِ اللهِ. (صحيح مسلم: ١١٤١)

یہ حدیث ایام تشریق: (۱۱، ۱۲، ۱۳ ذوالحجہ) کے روزے کی حرمت کو ظاہر کرتی ہے، کیونکہ جب شریعت نے ان دنوں کو کھانے پینے کے لیے مخصوص کیا تو اس میں روزہ رکھنا مقصدِ شریعت کی مخالفت ہے۔

امام سیوطی (شرح سنن النسائی، ج۴، ص ۱۷۲) میں فرماتے ہیں:

"فَالصَّوْمُ فِيهِمَا مُنَافٍ لِلْمَقْصُودِ"

یعنی ان دنوں میں روزہ رکھنا مقصدِ شریعت کے خلاف ہے۔

امام خطابی (شرح سنن ابی داود، ج ۲، ص ۱۵۸) میں فرماتے ہیں:

"أَيَّامُ عِيدٍ وَسُرُورٍ، فَلَا يُلِيقُ فِيهَا الْإِمْسَاكُ" (شرح سنن ابی داود، ج ۲، ص ۱۵۸)

یعنی یہ ایام عید اور خوشی کے ہیں، ان میں روزہ رکھنا گویا غمگینوں کی مشابہت ہے۔

- **حدیث:(۳)**

"عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ لَا يَصُومُ فِي الْأَضْحَى، وَلَا فِي الْفِطْرِ، وَلَا فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ، وَيَقُولُ: إِنَّهَا أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ." (سنن ابی داود: ۲٤۱۸)

یہ اثر ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعً حکم کا فہم ہے، جو سنتِ نبوی کے استقراء اور عمل سے ماخوذ ہے۔ اور یہ تابعین اور صحابہ کی اجماعی روش پر دلالت کرتا ہے۔

- **حدیث:(۴)**

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنْ صِيَامِ يَوْمِ الْفِطْرِ، وَيَوْمِ النَّحْرِ."
(سنن النسائی: ۲۱۷۵)

یہ حدیث بھی حرمتِ روزہ پر قطعی دلیل ہے۔

امام نووی وابن رجب کا فہم:

ایامِ عید اور تشریق میں روزہ رکھنا نہ صرف حرام ہے بلکہ اگر کوئی رکھے گا تو مخالفتِ شریعت اور بدعت کا مرتکب ہو گا۔

ابن رجب اپنی شرح النسائی، ج ٦، ص ۱٦۰) میں فرماتے ہیں:

"فَعَلُ الصَّوْمِ فِيهَا يُعَدُّ مُخَالَفَةً وَبِدْعَةً."

- **حدیث:(۵)**

"عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ، أَنَّهُمْ شَكُّوا فِي صِيَامِ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ عَرَفَةَ، فَبَعَثَتْ إِلَيْهِ بِقَدَحِ لَبَنٍ، فَشَرِبَهُ، فَعَرَفُوا أَنَّهُ لَمْ يَصُمْ." (مسند احمد: ۲٥٤۰۳)

یہ حدیث یوم عرفہ (۹ ذوالحجہ) میں حج کرنے والے کے لیے روزہ ترک کرنے پر عملِ نبوی ہے، تاکہ اس پر مشقت نہ ہو۔ اور جو دن مشقت کے لیے ہے، اس کے بعد والے ایام (تشریق) میں روزہ رکھنا شریعت میں بالاولیٰ منع کے تحت آتا ہے۔

فقہائے کرام کے نزدیک پانچ دن کے روزوں کا حکم

❶ امام سرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ -المبسوط میں فرماتے ہیں

"وَأَمَّا صِيَامُ يَوْمِ الْفِطْرِ وَيَوْمِ الْأَضْحَىٰ فَهُوَ حَرَامٌ عِنْدَ عَامَّةِ الْعُلَمَاءِ، كَذَلِكَ صَوْمُ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ." (المبسوط، جلد: ٣، صفحه: ٩٥)

ترجمہ: عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنا جمہور علماء کے نزدیک حرام ہے، اسی طرح ایامِ تشریق (یعنی ۱۱، ۱۲، ۱۳/ ذوالحجہ) میں بھی روزہ رکھنا حرام ہے۔

❷ امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ -فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

وَكُلُّ يَوْمٍ نُهِيَ عَنْ صَوْمِهِ، فَإِنَّهُ لِلْحُرْمَةِ، كَيَوْمِ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ وَأَيَّامِ التَّشْرِيقِ.
(فتح القدير، جلد: ٢، صفحه: ٣٧٣)

ترجمہ: ہر وہ دن جس کے روزے سے ممانعت آئی ہے تو وہ ممانعت حرمت کے درجہ میں ہے، جیسے عید الفطر، عید الاضحیٰ، اور ایامِ تشریق۔

❸ امام شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ -مراقی الفلاح میں فرماتے ہیں:

"وَيَحْرُمُ صَوْمُ يَوْمَيِ الْعِيدِ وَأَيَّامِ التَّشْرِيقِ الثَّلَاثَةِ." (مراقي الفلاح مع الطحطاوي، ص ٣٣٤)

ترجمہ: عید کے دونوں دنوں اور ایامِ تشریق کے تین دنوں میں روزہ رکھنا حرام ہے۔

❹ علامہ حصکفی الحنفی -الدر المختار میں فرماتے ہیں:

(وَيَحْرُمُ صَوْمُ يَوْمِ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ وَأَيَّامِ التَّشْرِيقِ) لِقَوْلِهِ ﷺ: "أَيَّامُ التَّشْرِيقِ أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ" رواه مسلم. (الدر المختار، جلد: ٢، ص: ٤٢١)

ترجمہ: عید الفطر، عید الاضحیٰ، اور ایامِ تشریق کے روزے حرام ہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ایامِ تشریق کھانے پینے کے دن ہیں" (صحیح مسلم)۔

❺ علامہ ابن عابدین الشامی -رد المحتار میں اس کے تحت فرماتے ہیں:

"قَوْلُهُ (وَيَحْرُمُ) أَيْ تَحْرِيمًا، حَتَّى إِنَّهُ يَأْثَمُ بِفِعْلِهِ، وَيَكُونُ صَوْمُهُ بَاطِلًا."
(رد المحتار على الدر المختار، جلد ٢، ص ٤٢١):

ترجمہ: مصنف کا قول "وَيَحْرُمُ" یعنی تحریماً حرام ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی ان دنوں میں روزہ رکھے تو گناہ گار ہو گا اور اس کا روزہ باطل شمار ہو گا۔

خلاصہ یہ کہ عید الفطر (۱ شوال)، عید الاضحیٰ (۱۰ ذوالحجہ)، اور ایامِ تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳ ذوالحجہ) میں روزہ رکھنا احادیثِ صحیحہ، عملِ صحابہ، اور فقہاءِ احناف کے اقوال کی روشنی میں صراحتاً حرام ہے۔ جو شخص ان دنوں میں روزہ رکھے گا، وہ گناہ گار ہو گا اور اس کا روزہ باطل شمار ہو گا۔ حتیٰ کہ اگر کسی نے روزہ رکھنے کی نذر بھی مانی ہو تب بھی وہ قابلِ اداء ہیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

کتبـــ

ابو الحماد محمد اسرافیل حیدری المداری
دار الافتاء والقضاء جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الأولیاء
آستانہ زندہ شاہ مدار مکن پور شریف کانپور نگر یوپی انڈیا

زکوٰۃ کا بیان

سونے اور چاندی کے نصاب کا مسئلہ

مسئلہ: کیا سونے اور چاندی کو ملا کر نصاب مکمل ہونے پر زکوٰۃ واجب ہو گی؟

سائل: اصف اعجاز

الجواب

فقہ حنفی کے مطابق اگر کسی کے پاس کچھ سونا اور کچھ چاندی ہو، اور دونوں کی مجموعی مالیت چاندی کے نصاب (۵۲ء۵ تولہ چاندی کی قیمت) کے برابر یا اس سے زیادہ ہو، تو زکوٰۃ فرض ہو گی۔ اس کی دلیل احادیث مبارکہ اور فقہائے احناف کے اقوال دونوں سے ملتی ہے۔

پہلی دلیل: احادیث مبارکہ

۱. حدیثِ نبوی: سونے اور چاندی پر زکوٰۃ کا وجوب

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضي الله عنه، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: "لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ مِنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ." (صحيح البخاري، حديث: ١٤٤٧، صحيح مسلم، حديث: ٩٧٩)

ترجمہ: "پانچ اوقیہ (۵۲ء۵ تولہ) چاندی سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔"

استدلال:

یہ حدیث چاندی کے نصاب کو واضح کرتی ہے۔ جب سونے اور چاندی کی مجموعی مالیت چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے، تو زکوٰۃ واجب ہو گی۔

۲. حدیث: عمومی زکوٰۃ کا حکم

عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضي الله عنه، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: "مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَلَا فِضَّةٍ لَا يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا، إِلَّا إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ صُفِّحَتْ لَهُ صَفَائِحُ مِنْ نَارٍ."
(صحيح مسلم، حديث: ٩٨٧)

ترجمہ: "جو شخص سونے اور چاندی کا مالک ہو اور اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے، تو قیامت کے دن اس کے لیے آگ کی چادریں بنا دی جائیں گی۔"

استدلال:

حدیث میں سونے اور چاندی دونوں کا ذکر ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان دونوں کو ملا کر زکوٰۃ کا حساب کیا جاسکتا ہے۔

۳. حدیث: زکوٰۃ کا عمومی اصول

عن ابن عمر رضي الله عنه، قال: قال رسول الله ﷺ: "إذا كان لك مائتا درهم، وحال عليه الحول، ففيه خمسة دراهم، وليس عليك شيء – يعني في الذهب – حتى يكون لك عشرون دينارا، فإذا كان لك عشرون دينارا، وحال عليه الحول، ففيه نصف دينار."
(سنن أبي داود، حديث: ١٥٧٣، سنن الترمذي، حديث: ٦٢٠)

ترجمہ: "اگر تمہارے پاس ۲۰۰/ درہم (چاندی) ہو اور اس پر سال گزر جائے، تو اس میں ۵ درہم زکوٰۃ ہے، اور سونے میں کچھ لازم نہیں جب تک کہ وہ ۲۰/ دینار نہ ہو، اور جب ۲۰/ دینار (سونا) ہو جائے اور اس پر سال گزر جائے، تو اس میں نصف دینار زکوٰۃ ہے۔"

استدلال:

یہ حدیث سونے اور چاندی دونوں پر زکوٰۃ واجب ہونے کی دلیل ہے، اور ان کی قیمت کو ایک دوسرے کے ساتھ ملانے کا اصول بھی اخذ کیا جاتا ہے۔

۴. حدیث: مال بڑھنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو زکوٰۃ واجب ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: قال رسول الله ﷺ: "ليس على المسلم في عبده ولا فرسه صدقة." (صحيح البخاري، حديث: ١٤٦٣، صحيح مسلم، حديث: ٩٨٢)

ترجمہ: "کسی مسلمان پر اس کے غلام اور گھوڑے کی زکوٰۃ نہیں ہے۔"

استدلال:

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف وہی مال زکوٰۃ کے دائرے میں آتا ہے جو بڑھنے (نمو) کی صلاحیت رکھتا ہو۔ سونا اور چاندی دونوں کرنسی کی حیثیت رکھتے ہیں اور قابلِ نمو ہیں، اس لیے ان کو ایک ساتھ ملا کر زکوٰۃ نکالی جائے گی۔

۵. حدیث: زکوٰۃ کا عمومی اصول

عن معاذ بن جبل رضي الله عنه أن النبي ﷺ قال له حين بعثه إلى اليمن: "خذ الحب من الحب، والمال من المال." (سنن أبي داود، حديث: ١٥٨٥)

ترجمہ: "حبوب (غلہ) سے زکوٰۃ لو اور مال سے مال کی زکوٰۃ لو۔"

استدلال:

یہ حدیث زکوٰۃ کے عمومی اصول کو بیان کرتی ہے، جس کے تحت سونے اور چاندی کو ایک دوسرے کے ساتھ شامل کیا جائے گا تاکہ نصاب مکمل ہو۔

دوسری دلیل: فقہائے احناف کے اقوال

۱. امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"يضم الذهب إلى الفضة في تكميل النصاب، ويخرج زكاتها منهما جميعًا بحسب القيمة." (المبسوط للسرخسي، ج ٢، ص ١٩٤)

ترجمہ: "سونے کو چاندی کے ساتھ ملا کر نصاب مکمل کیا جائے گا، اور زکوٰۃ دونوں کی مجموعی قیمت کے مطابق ادا کی جائے گی۔"

۲. امام محمد بن الحسن الشیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"إذا كان لرجل ذهب وفضة، يضم أحدهما إلى الآخر في تكميل النصاب، لأن المقصود منهما كونهما مالًا ناميًا."

(الأصل المعروف بالمبسوط، ج ٢، ص ٢١٠)

ترجمہ: "اگر کسی شخص کے پاس سونا اور چاندی دونوں ہوں، تو ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا کر نصاب مکمل کیا جائے گا، کیونکہ ان دونوں کا مقصد ایک ہی ہے، یعنی بڑھنے والی دولت ہونا۔"

۳. امام السرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ويجب ضم الذهب إلى الفضة في النصاب، لأن كل واحد منهما أصل لوجوب الزكاة." (المبسوط، ج ٢، ص ١٩٤)

ترجمہ: "سونے کو چاندی کے ساتھ نصاب میں ملانا واجب ہے، کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک زکوٰۃ کے وجوب کی بنیادی چیز ہے۔"

۴. علامہ ابن نجیم الحنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"الذهب والفضة إذا كانا بحيث يكمل النصاب بالضم، تجب فيهما الزكاة، لأنهما جنسان من الأثمان، فيُضم أحدهما إلى الآخر."

(البحر الرائق، ج ۲، ص ۲۲۸)

ترجمہ: "اگر سونا اور چاندی اس طرح ہوں کہ دونوں کو ملانے سے نصاب مکمل ہو جائے، تو ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی، کیونکہ یہ دونوں ثمن (کرنسی) کے اجناس ہیں، اس لیے ایک کو دوسرے کے ساتھ شامل کیا جائے گا۔"

۵. علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"لأنهما يشتركان في كونهما ثمنا للأشياء، فوجب اعتبار قيمتهما في استكمال النصاب." (ردالمحتار، ج ۲، ص ۲۵۸)

ترجمہ: "کیونکہ یہ دونوں اشیاء کی قیمت (کرنسی) کے طور پر استعمال ہوتے ہیں، اس لیے ان کی مالیت کو نصاب مکمل کرنے کے لیے شمار کرنا ضروری ہے۔"

مندرجہ بالا احادیث اور فقہائے احناف کے اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر سونے اور چاندی کو ملا کر چاندی کے نصاب (۵۲ء۵ تولہ چاندی کی قیمت) کے برابر یا زیادہ ہو جائے، تو زکوٰۃ فرض ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

بکریوں کا سال بھر پاس میں رہنا ضروری ہے یا جب تعداد ۴۰ر کو پہنچ جائے زکاۃ واجب ہو جائے گی۔

محمد احمد ممبئی

الجواب

و علیکم السلام و رحمة الله و برکاته

بکریوں پر زکوۃ واجب ہونے کے لئے شرط ہے کہ وہ کم از کم چالیس عدد ہوں اور ان پر ایک سال گزر جائے۔ اگر ایک سال نہیں گزرا تو زکوۃ واجب نہیں ہے۔

جن جن جانوروں پر زکوۃ واجب ہے ان تمام جانوروں پر شریعت مطہرہ نے ایک سال کے گزرنے کی شرط رکھی ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

لیس فی اقل من اربعین من الغنم السائمة صدقة فاذا کانت اربعین سائمة و حال علیها الحول ففیها شاة الی مأة و عشرین.

(فتاویٰ هندیه ج ۱ ص ۱۷۸ کتاب الزکوٰة. فصل فی الغنم. مطبوعه. المطبعة الکبریٰ الامیریه ببولاق مصر المحمیه.)

(و هکذا فی الهدایه ج ۱ ص ۲۰۶ کتاب الزکوٰة. فصل فی الغنم. مطبوعه مکتبه رحمانیه)

فتاویٰ ولوالجیہ میں ہے:

"و ان اشتراها للتجارة ثم جعلها سائمة ادی صدقة السائمة اذا تم الحول عند جعلها سائمة." (ولوالجیه ج ۱ ص ۱۸۴ کتاب الزکوٰة. مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت. لبنان). والله تعالیٰ اعلم.

کتبـــــــ

سونا چاندی نصاب سے کم ہو، لیکن دونوں کو ملانے سے چاندی کے نصاب کی قیمت پوری ہو رہی ہو تو زکوٰۃ کا حکم

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین مسئلۂ ذیلیہ میں کہ اگر کسی شخص کے پاس کچھ سونا ہے اور کچھ چاندی ہے الگ الگ دونوں نصاب کے برابر نہیں ہیں لیکن اگر دونوں کی قیمت جمع کر دیا جائے تو چاندی کے نصاب کے برابر ہو جارہا ہے تو کیا دونوں کو ملا کر فقہ حنفی میں زکوٰۃ ادا کرنی ہو گی؟ برائے مہربانی مسئلے کی وضاحت فرمائیں۔

سائل محمد طارق پنکی کٹرہ کانپور نگر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب۔ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

متاخرین احناف کے نزدیک سونے اور چاندی کو ملا کر نصاب مکمل کرنے کے مسئلے میں بعض اختلافات پائے جاتے ہیں، لیکن جمہور متاخرین احناف کا موقف یہی ہے کہ سونے اور چاندی کے نصاب کو الگ الگ شمار کیا جائے گا اور انہیں جمع کر کے نصاب مکمل نہیں کیا جائے گا۔

۱. متقدمین احناف کا اصول

احناف کے قدیم اور راجح موقف کے مطابق سونے اور چاندی کو ملا کر نصاب مکمل نہیں کیا جائے گا، بلکہ ہر ایک کا الگ نصاب دیکھا جائے گا۔

علامہ سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"لَا يُضَمُّ أَحَدُ الْجِنْسَيْنِ إِلَى الْآخَرِ فِي تَكْمِيلِ النِّصَابِ" (المبسوط، ج ۲، ص ۱۶۲)

ترجمہ: سونے اور چاندی میں سے کسی ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا کر نصاب مکمل نہیں کیا جائے گا۔

یعنی اگر کسی کے پاس کچھ سونا اور کچھ چاندی ہو، اور دونوں نصاب سے کم ہوں، تو ان کی مجموعی مالیت کو شمار کر کے زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی، بلکہ ہر ایک کو الگ دیکھا جائے گا۔

۲. متاخرین احناف کی بعض اراء

متاخرین احناف میں بعض لوگوں نے ضرورت و مصلحت کے پیش نظر سونے اور چاندی کی مجموعی مالیت کو شمار کرنے کی رائے دی ہے، تاکہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں سہولت ہو اور فقہ کے عمومی اصول "سدّ الذرائع" (برائی کے دروازے بند کرنا) پر عمل کیا جاسکے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض متاخرین احناف نے اس مسئلے میں فقہ شافعی و حنبلی کے قول کی طرف رجحان ظاہر کیا ہے کہ اگر سونا اور چاندی دونوں کی مجموعی قیمت چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے، تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

۳. راجح موقف

راجح موقف یہی ہے کہ فقہ حنفی کے جمہور متاخرین بھی متقدمین کے اصل اصول کو ہی برقرار رکھتے ہیں، یعنی:

سونے اور چاندی کی زکوٰۃ الگ الگ دیکھی جائے گی۔

اگر کسی کے پاس ۸۵ر گرام سونا یا ۵۹۵ر گرام چاندی ہو، تبھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

اگر کسی کے پاس ۵۰ر گرام سونا اور ۳۰۰ر گرام چاندی ہو، تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، کیونکہ دونوں نصاب سے کم ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وَإِنْ كَانَ مَعَهُ ذَهَبٌ وَفِضَّةٌ لَا يُضَمُّ أَحَدُهُمَا إِلَى الْآخَرِ فِي تَكْمِيلِ النِّصَابِ"

(رد المحتار، ج ۲، ص ۳۰۱)

ترجمہ: اگر کسی کے پاس کچھ سونا اور کچھ چاندی ہو، تو ان دونوں کو ملا کر نصاب مکمل نہیں کیا جائے گا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ متاخرین احناف میں بھی راجح اور فتوے کا قول یہی ہے کہ سونا اور چاندی کو جمع نہیں کیا جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب.

کتبـــ_____ه

ابو الحماد محمد اسرافیل حیدری المداری
دار الافتاء والقضاء جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الاولیاء
استانہ زندہ شاہ مدار مکن پور شریف کانپور نگر یوپی انڈیا۔

فقہ حنفی کے مطابق فلیٹوں اور دکانوں پر زکوٰۃ کا حکم

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ

کیا فرماتے ہیں حضور مفتی بارگاہِ قطب المدار الحاج ابو الحماد محمد اسرافیل حیدری المداری صاحب اس بارے میں کہ میرے پانچ فلیٹ اور کچھ دکانیں ہیں جن کو میں نے کرایہ پر اٹھار کھا ہے وہ میری ضروریات سے زائد ہیں تو کیا میں ان فلیٹوں کی مالیت اور دکانوں کی مالیت کے اعتبار سے زکوٰۃ ادا کروں گا یا ان سے ہونے والی آمدنی پر زکوٰۃ فرض ہو گی؟ فقہ حنفی سنی کے اعتبار سے جواب چاہیئے۔

سائل اصغر علی ڈسوجہ کمپاؤنڈ جری مری ممبئی۔ یکم رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ

وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب۔ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

فقہ حنفی میں زکوٰۃ کا اصول یہ ہے کہ صرف ان اموال پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جو تجارتی مال میں شمار ہوتے ہیں یا جو سونا، چاندی، نقدی، یا زرعی پیداوار کی صورت میں ہوں۔

۱. فلیٹ اور دکانوں کی مالیت پر زکوٰۃ کا حکم:

اگر یہ فلیٹ اور دکانیں ذاتی استعمال کے لیے رکھی گئی ہیں (یعنی کرایہ پر نہیں دی گئیں)، تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

اگر یہ فلیٹ اور دکانیں کرایہ پر دی گئی ہیں، تب بھی ان کی اصل مالیت پر زکوٰۃ نہیں ہو گی، کیونکہ یہ تجارتی مال کے حکم میں نہیں آتیں۔

۲. کرایہ کی آمدنی پر زکوٰۃ کا حکم:

جو کرایہ آپ کو ہر مہینے یا سالانہ ملتا ہے، وہ آپ کی آمدنی میں شامل ہو گا۔ اگر سال کے اختتام پر یہ رقم نصاب (ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کے برابر نقدی) کو پہنچ جائے اور اس پر ایک سال گزر جائے، تو اس پر ۲٫۵٪ زکوٰۃ واجب ہو گی۔ اگر کرایہ کی آمدنی خرچ ہو جاتی ہے اور سال کے اخر میں قابلِ زکوٰۃ

مال نہیں بچتا، تو زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی۔

فقہ حنفی کے مشہورِ عالَم امام علامہ ابن عابدین شامی قدس سرہٗ السامی فرماتے ہیں:

"الأملاك التي لا تُعدُّ للتجارة، كالمباني المؤجرة، لا زكاة فيها، بل الزكاة في ريعها إذا بلغ النصاب وحال عليه الحول." (رد المحتار، جلد ۲، صفحہ ۲٦٥)

ترجمہ: "وہ جائیداد جو تجارت کے لیے نہ ہو، جیسے کرایہ پر دی گئی عمارتیں، ان پر زکوٰۃ نہیں، بلکہ ان کی آمدنی پر زکوٰۃ واجب ہو گی اگر وہ نصاب کو پہنچے اور سال گزر جائے۔"

الحاصل:- فلیٹوں اور دکانوں کی مالیت پر زکوٰۃ واجب نہیں، کیونکہ وہ تجارتی مال میں شامل نہیں۔ کرایہ سے حاصل ہونے والی رقم اگر سال کے اختتام پر نصاب کے برابر ہو اور اس پر ایک سال گزر جائے، تو اس پر زکوٰۃ فرض ہو گی۔ اگر کرایہ خرچ ہو جائے اور سال کے اخر میں قابلِ زکوٰۃ رقم باقی نہ ہو، تو زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی۔ واللہ اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاته

الجواب۔ اللّٰھم ھدایة الحق والصواب

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ"

ترجمہ: اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔ (سورۃ التوبہ: ۳۴)

فقہاء نے اس آیت سے زکوٰۃ کے عمومی وجوب پر استدلال کیا ہے، مگر زکوٰۃ صرف ایسے مال پر فرض ہے جو نامی (بڑھنے والا) ہو، جیسے نقدی، سونا، چاندی، تجارتی مال، زرعی پیداوار وغیرہ۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

"لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِي فَرَسِهِ وَغُلَامِهِ صَدَقَةٌ" (صحیح بخاری: ١٤٦٤، صحیح مسلم: ٩٨٢)

ترجمہ: مسلمان کے گھوڑے اور خادم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

اس حدیث سے فقہاء نے استدلال کیا کہ جو چیز ذاتی استعمال یا کاروبار میں مددگار ہو، مگر براہِ راست تجارتی مال نہ ہو، اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔

فقہ حنفی کے مطابق زکوٰۃ کا اصول:

فقہ حنفی میں زکوٰۃ صرف ان اموال پر فرض ہوتی ہے جو:

۱. تجارتی مال ہوں (یعنی خرید و فروخت کے لیے رکھے گئے ہوں)۔

۲. سونا، چاندی، نقدی یا زرعی پیداوار کی صورت میں ہوں۔

۳. نامی (بڑھنے والے) ہوں، یعنی جن کا مقصد تجارت ہو۔

فقہ حنفی کی اہم کتب میں وضاحت:

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"الأموال التي تُستخدم ولا تُباع، فلا زكاة فيها، كأدوات الحرفة والدواب التي تُستخدم للعمل." (فتاویٰ عالمگیری، ج ۱، ص ١٨٦)

ترجمہ: وہ مال جو استعمال کے لیے ہو، بیچنے کے لیے نہ ہو، اس پر زکوٰۃ نہیں، جیسے پیشہ ورانہ الات اور سواری کے جانور جو کام کے لیے رکھے جائیں۔

فتح القدیر میں ہے:

"الزكاة لا تجب في آلات الصنعة كآلات النجار والحداد والطبيب، وإن كانت ثمينة." (فتح القدير، ج ٢، ص ١٦)

ترجمہ: زکوٰۃ ہنر کے الات پر واجب نہیں، جیسے بڑھئی، لوہار اور ڈاکٹر کے اوزار، چاہے وہ قیمتی ہوں۔

ہسپتال کی مشینوں پر زکوٰۃ کا حکم:

CT،MRI اسکین اور دیگر طبی مشینیں چونکہ کاروبار میں مددگار الات ہیں، نہ کہ بیچنے کے لیے رکھی گئی تجارتی اشیاء، اس لیے ان کی مالیت پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

البتہ، ان مشینوں سے حاصل ہونے والی آمدنی پر زکوٰۃ واجب ہوگی، بشرطیکہ وہ نصاب (ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا یا اس کے برابر نقدی) کو پہنچ جائے اور اس پر ایک قمری سال گزر جائے۔

۱. CT،MRI اسکین، اور دیگر طبی مشینوں کی قیمت پر زکوٰۃ واجب نہیں، کیونکہ یہ تجارتی مال نہیں، بلکہ کاروبار کے الات ہیں۔

۲. ان مشینوں سے حاصل شدہ منافع (نقد رقم) پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اگر وہ نصاب کو پہنچے اور سال گزر جائے۔

۳. اگر کوئی شخص ان مشینوں کو خرید و فروخت کے لیے رکھے (یعنی ایک دکاندار کی طرح مشینوں کی تجارت کرے)، تو پھر ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب.

کتبـــ

اور اس میں سونا اور چاندی کے زیورات بھی دیتے ہیں جنکی قیمت پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔ لیکن اس مال کی زکوٰۃ ایک مرتبہ دے دی گئی اب اگلے سال وہ شوہر اتنا نہیں کماپاتا ہے جو سال بھر کسی بڑی رقم اس کے پاس رہے لیکن وہ زیورات اسکی بیوی کے پاس ہیں تو کیا اس معاملے میں بھی زکوٰۃ ان زیورات کی ادا کی جائے گی؟

سائل قاضی سید توشیق مداری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

آپ کے سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر شادی میں ملے زیورات پر ایک مرتبہ زکوٰۃ ادا کر دی گئی، لیکن اگلے سال شوہر کی آمدنی کم ہو اور وہ زکوٰۃ نہ دے سکے، تو کیا بیوی کے زیورات پر زکوٰۃ واجب ہو گی؟

الجواب۔ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

جی قاضی صاحب! اگر بیوی کے زیورات نصاب (یعنی کم از کم مقدار جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے) کے برابر یا اس سے زیادہ ہوں اور اس پر سال گزر جائے، تو ہر سال اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، چاہے شوہر کی آمدنی کم ہو۔

قرآن مجید سے دلائل:

اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو ایک مسلسل فرض قرار دیا ہے:

"اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ" (سورہ البقرہ ۲:۴۳)

ترجمہ: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

اسی طرح، جو لوگ سونے چاندی کو جمع کرتے ہیں اور اس کی زکوٰۃ نہیں دیتے، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ"
(سورہ التوبہ ۹:۳۴)

ترجمہ: اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، حبیب! انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔

یہ آیت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی ہر سال لازم ہے، جب تک کہ نصاب کی مقدار باقی رہے۔

حدیث شریف سے دلائل:

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

"ما من صاحب ذهب ولا فضة لا يؤدي منها حقها إلا إذا كان يوم القيامة صفحت له صفائح من نار" (صحيح مسلم، حديث ٩٨٧)

ترجمہ: جو شخص سونے اور چاندی کا مالک ہو اور اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے، تو قیامت کے دن اس کے لیے آگ کی چادریں بنائی جائیں گی۔

یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ سونے چاندی پر زکوٰۃ واجب ہے، اور اگر وہ نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ ہو تو ہر سال زکوٰۃ دینی ہو گی۔

اجماع (علماء امت کا اتفاق):

تمام فقہائے کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ:

اگر کسی کے پاس ۷ء۵ر تولہ سونا یا ۵ء۵۲ر تولہ چاندی یا اس کی قیمت کے برابر نقدی موجود ہو، اور اس پر سال گزر جائے، تو اس پر ۵ء۲٪ زکوٰۃ واجب ہو گی۔

یہ زکوٰۃ ہر سال دینا ضروری ہے جب تک کہ وہ مال یا زیورات نصاب کے برابر باقی رہیں۔

ملکیت اور زکوٰۃ کی ذمہ داری:

زکوٰۃ کی ذمہ داری اس پر ہے جس کے پاس زیورات کی ملکیت ہو، یعنی اگر زیورات بیوی کے ہیں، تو زکوٰۃ کی ذمہ داری بھی بیوی پر ہو گی، نہ کہ شوہر پر۔

اگر بیوی کے پاس نقدی نہ ہو تو وہ زیورات کا کچھ حصہ بیچ کر زکوٰۃ ادا کر سکتی ہے۔

سوال: کیا ایک مرتبہ زکوٰۃ دینے کے بعد دوبارہ دینی ہو گی؟

جواب: جی ہاں، زکوٰۃ صرف ایک بار نہیں بلکہ ہر سال دینی ہو گی، جب تک کہ زیورات یا دیگر زکوٰۃ کے قابلِ ادائیگی مال کی مقدار نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ ہو۔

سوال: کیا شوہر کی آمدنی کا اثر ہو گا؟

جواب: نہیں! زکوٰۃ بیوی کے زیورات پر ہے، نہ کہ شوہر کی آمدنی پر۔ اگر شوہر کے پاس زکوٰۃ دینے کی استطاعت نہ ہو تو بیوی خود زکوٰۃ ادا کرے گی، چاہے وہ زیورات فروخت کر کے ادا کرے۔

حاصل گفتگو یہ کہ بیوی کے زیورات پر ہر سال زکوٰۃ فرض ہو گی جب تک کہ وہ نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ ہوں اور ان پر سال مکمل ہو جائے۔ شوہر کی آمدنی کم ہونے کا اس پر کوئی اثر نہیں ہو گا، کیونکہ زکوٰۃ بیوی کے مال کی ذمہ داری ہے، نہ کہ شوہر کی۔ ھٰذا ما ظھر لی والعلم عند ربی وھو اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

۱- فقہ حنفی میں صدقۂ فطر کے نصاب کا اصول

فقہ حنفی کے مطابق صدقۂ فطر کی ادائیگی کے لیے دو شرائط دیکھی جاتی ہیں:

(۱) صاحبِ نصاب ہونا: یعنی اتنا مال موجود ہو جو چاندی کے نصاب (۵۹۵ر گرام چاندی) کے برابر ہو۔

(۲) ضرورت سے زائد مال: وہ مال جو رہائش، لباس، استعمالی اشیاء، کاروباری ضروریات اور روزمرہ اخراجات سے زائد ہو۔

علامہ ابن عابدین الشامی قدس سرہٗ السامی فرماتے ہیں:

"وَيُعْتَبَرُ كَوْنُهُ يَمْلِكُ نِصَابًا فَاضِلًا عَنْ حَوَائِجِهِ الْأَصْلِيَّةِ، وَيُضَمُّ بَعْضُهُ إِلَى بَعْضٍ"

(رد المحتار، ج ۳، ص ۳۱۶)

ترجمہ: صدقۂ فطر کے لیے شرط یہ ہے کہ آدمی نصاب کا مالک ہو، جو اس کی بنیادی ضروریات سے زائد ہو، اور اس میں مختلف اموال کو آپس میں جمع کیا جائے گا۔

نتیجہ:

صدقۂ فطر میں سونا، چاندی، نقدی اور دیگر مالیت کو جمع کیا جائے گا اور اگر ان کی مجموعی مالیت چاندی کے نصاب (۵۹۵ر گرام چاندی) کے برابر ہو، تو صدقۂ فطر واجب ہو گا۔

۲- اگر کسی کے پاس کچھ سونا اور کچھ چاندی ہو؟

زکوٰۃ میں: سونا اور چاندی کو جمع نہیں کیا جائے گا، بلکہ ہر ایک کا الگ الگ نصاب دیکھا جائے گا۔ اگر دونوں میں سے کوئی بھی نصاب کو نہیں پہنچتا، تو زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی۔

صدقۂ فطر میں: سونا، چاندی، نقدی اور دیگر زائد مال کی مجموعی مالیت کو چاندی کے نصاب سے موازنہ کیا جائے گا۔ اگر کسی کے پاس کچھ سونا اور کچھ چاندی ہے، تو ان کی مالیت کو ملا کر چاندی کے نصاب تک پہنچایا جائے گا۔ اگر مجموعی مالیت ۵۹۵ر گرام چاندی کے برابر یا اس سے زیادہ ہو، تو صدقۂ فطر واجب ہو گا۔

۳- عملی مثال

مثال (۱):

کسی کے پاس ۴۰/ گرام سونا ہے (جو ۸۵/ گرام کے نصاب سے کم ہے)۔
اس کے پاس ۲۰۰/ گرام چاندی بھی ہے (جو ۵۹۵/ گرام کے نصاب سے کم ہے)۔
اگر یہ شخص زکوۃ کا حساب کرے، تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی کیونکہ نہ سونا نصاب کو پہنچا، نہ چاندی۔
مگر اگر ان دونوں کی مالیت کو جوڑا جائے اور وہ ۵۹۵ گرام چاندی کی مالیت کے برابر ہو جائے، تو اس پر صدقۂ فطر واجب ہوگا۔

مثال (۲):

- کسی کے پاس ۱۰/ گرام سونا، ۱۰۰/ گرام چاندی، اور ۲۰،۰۰۰/ روپے نقد موجود ہیں۔
- اگر یہ تمام اموال ملا کر ۵۹۵/ گرام چاندی کے برابر ہو جائیں، تو اس پر صدقۂ فطر واجب ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ صدقۂ فطر کی ادائیگی میں سونے، چاندی، نقدی، اور دیگر زائد مال کو ملا کر چاندی کے نصاب کے برابر کیا جائے گا۔ اگر کسی کے پاس کچھ سونا اور کچھ چاندی ہے، تو ان کی مجموعی مالیت ۵۹۵ گرام چاندی کے برابر ہو، تو صدقۂ فطر واجب ہوگا۔

کتبـــــــ

حج و عمرہ کا بیان

بغیر محرم کے عمرے کو جانا

السلام علیکم و رحمة الله و برکاته

کیا فرماتے ہیں علماے کرام ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت ہے نہ اس کا شوہر ہے نہ بیٹا نہ والدین نہ بھائی، وہ عمرے کو جانا چاہتی ہے، تو کیا وہ جا سکتی ہے یا نہیں؛ وہ نکاح بھی کرنا چاہتی ہے، مگر کوئی اس سے نکاح نہیں کرتا وجہ یہ ہے کہ اس کے پاس چار لڑکیاں ہیں، جواب عنایت فرمائیں، نوازش ہو گی۔

سائل: غلام چشتی اشرفی

الجواب

وعلیکم السلام و رحمة و برکاته

بغیر محرم یا شوہر کے عورت حج، عمرہ یہاں تک کہ سفر بھی نہیں کر سکتی، اگر شوہر نہیں اور کوئی محرم ہے تو اس کے ساتھ عمرہ کے لیے جا سکتی ہے، اور اگر کوئی محرم بھی نہیں تو اس کے لیے حج یا عمرہ کے لیے جانا جائز نہیں، ہاں اپنے نام سے نفلی عمرہ کرا سکتی ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

"و أما الناس يخص النساء شرطان أحدهما أن يكون معها زوجها أو محرم لها، فإن لم يوجد أحدهما لا يجب عليها الحج و هذا عندنا"

(بدائع الصنائع، ج:٣، ص:٥٤، كتاب الحج، دار الكتب العلميه بيروت)

جوہرہ نیرہ میں ہے:

"و أما إذا لم يكن للمرأة محرم و لا زوج، لم يجب عليها أن تتزوج بمن يحج بها كما لا يجب عليها إكتساب الراحلة"

(الجوهرة النيرة، ج:١، ص:٣٦٢، كتاب الحج، دار الكتب العلميه بيروت)

امام ابو بکر رازی ایک حدیث شریف کے فوائد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لم يسئله عن حج المرأة؛ أفرض هو أم نفل و فى ذلك دليل على تساوى حكمهما فى إمتناع خروجها بغير محرم، فثبت بذلك أن وجود المحرم للمرأة من شرائط

الإستطاعة" (أحكام القرآن للجصاص، ج:٢، ص:٣٠٩، باب فرض الحج، دار احياء التراث العربی بيروت)

در مختار میں ہے:

"الأصل أن كل من أتى بعبادة ما له جعل ثوابها لغيره"

اس کے ماتحت رد المحتار میں ہے:

"(بعبادة ما) أی سواء كانت صلاة أو صوما أو صدقة أو قراءة أو ذكرا أو طوافا أو حجا أو عمرة أو غير ذلك من زيارة قبور الأنبياء عليهم الصلاة و السلام و الشهداء و الأولياء و الصالحين و تكفين الموتىٰ و جميع أنواع البر كما فی الهندية.اهـ"

(در مختار مع رد المحتاد، ج:٤، ص:١٠، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، دار الكتب العلميه بيروت) واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبـــــــ

طواف کو چھوڑ کر کیوں کہ احرام اور سعی کیلیے حیض سے پاکیزگی شرط نہیں ہے، تاہم حائضہ خاتون پاک ہونے تک بیت اللہ کا طواف نہیں کر سکتی۔ اس بناپر جو عورت حج یا عمرے کا ارادہ رکھتی ہو تو وہ میقات سے حیض کی حالت میں احرام کی نیت کرلے تو اس کا احرام شروع ہو جائے گا۔

اس کی دلیل:

"اسماء بنتِ عمیس حین نفست بذی الحلیفه انّ رسول الله صلی الله علیه وسلم امر ابا بکر فامرها ان تغتسل وتهلّ" (مسلم شریف باب نمبر ۳۵۸ حدیث نمبر ۲۸۰۵)

سیدہ اسما بنت عمیس یعنی سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے ذوالحلیفہ میں بچے کو جنم دیا اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہل مدینہ کی میقات ذوالحلیفہ میں حج کی نیت سے پڑاؤ کیے ہوئے تھے، تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب پیغام بھیجا کہ اب وہ کیا کریں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (غسل کرو اور لنگوٹ باندھ لو، اور احرام کی نیت کرلو)

مطلب یہ ہے کہ اپنے مخصوص حصے پر اچھی طرح سے کپڑا وغیرہ باندھ لے اور پھر احرام کی نیت کرلے، حج یا عمرہ دونوں کا یکساں حکم ہے۔

نیز حیض کا خون نفاس کے خون جیسا ہوتا ہے، اس لیے ماہواری والی خاتون جب میقات سے گزرے تو غسل کرے اور حدیث پر عمل کرتے ہوئے لنگوٹ باندھ لے۔

اسی طرح مخصوص ایام میں عورت صفا اور مروہ کی سعی بھی کر سکتی ہے، تاہم طواف کرنا اس کیلیے صحیح نہیں ہے؛ اس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدہ عائشہ کو حکم دیا جب حضرتِ عائشہ عمرے کہ دوران حائضہ گئیں۔

"عن عائشة قالت حضت فامرنی النبیّ صلی الله علیه وسلم ان اقضی المناسك کلها الا طواف بالبیت قال ابو عیسی والعمل علی هذاالحدیث عند اهل العلمِ انّ الحائض تقضی المناسك کلها ما خلا طواف بالبیت" (جامع ترمزی حدیث نمبر ۹۳۲ باب نمبر ٦٤٨)

"عن عائشة عن النبي ﷺ قال: الحائض تقضي المناسک کلها إلا الطواف بالبیت. رواه أحمد و ابن أبي شیبة". (الدر المختار وحاشیة ابن عابدین رد المحتار، ۱/ ۲۹۰)

اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

" (منها): أنه يحرم عليهما وعلى الجنب الدخول في المسجد سواء كان للجلوس أو للعبور... (ومنها): حرمة الطواف لهما بالبيت وإن طافتا خارج المسجد. هكذا في الكفاية. وكذا يحرم الطواف للجنب. هكذا في التبيين".

(فتاوي هنديه ج١،ص: ٤٣ كتاب الطيارة / باب الدماء المختصة باالنساء) والله اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

اور جو شخص اپنا فرض حج پہلے کر چکا ہے، اس پر شوال المکرم میں عمرہ کرنے سے حج فرض نہیں ہو گا۔

الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین (رد المحتار) (۲/ ۴۵۹):

"(صحيح) البدن (بصير) غير محبوس وخائف من سلطان يمنع منه. (قوله: صحيح البدن) أي سالم عن الآفات المانعة عن القيام بما لا بد منه في السفر، فلايجب على مقعد ومفلوج وشيخ كبير لايثبت على الراحلة بنفسه وأعمى، وإن وجد قائداً ومحبوس، وخائف من سلطان لا بأنفسهم، ولا بالنيابة في ظاهر المذهب عن الإمام وهو رواية عنهما وظاهر الرواية عنهما وجوب الإحجاج عليهم، ويجزيهم إن دام العجز وإن زال أعادوا بأنفسهم.

الحاصل: أنه من شرائط الوجوب عنده ومن شرائط وجوب الأداء عند هما وثمرة الخلاف تظهر في وجوب الإحجاج والإيصاء كما ذكرنا وهو مقيد بما إذا لم يقدر على الحج وهو صحيح فإن قدر ثم عجز قبل الخروج إلى الحج تقرر دينا في ذمته، فيلزمه الإحجاج، فلو خرج ومات في الطريق لم يجب الإيصاء لأنه لم يؤخر بعد الإيجاب ولو تكلفوا الحج بأنفسهم سقط عنهم وظاهر التحفة اختيار قولهما وكذا الإسبيجابي وقواه في الفتح ومشى على أن الصحة من شرائط وجوب الأداء اه- من البحر والنهر، وحكى في اللباب اختلاف التصحيح وفي شرحه أنه مشى على الأول في النهاية وقال في البحر العميق إنه المذهب الصحيح وأن الثاني صححه قاضي خان في شرح الجامع واختاره كثير من المشايخ ومنهم ابن الهمام (قوله: بصير) فيه الخلاف المار كما علمته (قوله: غير محبوس) هذا من شروط الأداء كما مر والظاهر أنه لو كان حبسه لمنعه حقًا قادراً على أدائه لايسقط عنه وجوب الأداء.

[تنبيه] ذكر في شرح اللباب عن شمس الإسلام أن السلطان ومن بمعناه من الأمراء ملحق بالمحبوس فيجب الحج في ماله الخالي عن حقوق العباد وتمامه فيه ولايخفى أن هذا إن دام عجزه إلى الموت وإلا فيجب عليه الحج بنفسه بعد زوال عذره وهو مقيد

أيضاً بما إذا كان قادراً على الحج ثم عجز وإلا فلايلزمه الإحجاج على الخلاف المذكور آنفاً (قوله: يمنع منه) أي من الحج أي الخروج إليه ط".

وفيه ايضا (٢/ ٤٦٠):

"في اللباب: الفقير الآفاقي إذا وصل إلى ميقات فهو كالمكي قال شارحه أي حيث لايشترط في حقه إلا الزاد والراحلة إن لم يكن عاجزاً عن المشي، وينبغي أن يكون الغني الآفاقي كذلك إذا عدم الركوب بعد وصوله إلى أحد المواقيت فالتقييد بالفقير لظهور عجزه عن المركب".

وفيه ايضا (٢/ ٦٠٤):

"وأفتى سيدي عبد الغني النابلسي بخلافه وألف فيه رسالة لأنه في هذا العام لايمكنه الحج عن نفسه لأن سفره بمال الآمر فيحرم عن الآمر ويحج عنه، وفي تكليفه بالإقامة بمكة إلى قابل ليحج عن نفسه ويترك عياله ببلده حرج عظيم، وكذا في تكليفه بالعود وهو فقير حرج عظيم أيضاً.

وأما ما في البدائع فإطلاقه الكراهة المنصرفة إلى التحريم يقتضي أن كلامه في الصرورة الذي تحقق الوجوب عليه من قابل كما يفيده ما مر عن الفتح، نعم قدمنا أول الحج عن اللباب وشرحه أن الفقير الآفاقي إذا وصل إلى ميقات فهو كالمكي في أنه إن قدر على المشي لزمه الحج". -فقط والله تعالىٰ اعلم بالصواب-

كتبـــــــ

جنائز کا بیان

جنازہ پڑھانے کا حق کس کو ہے/داڑھی کاٹنے والے کی امامت کا حکم

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا والد فوت ہوتا ہے جنازہ تیار ہے میت کے لڑکے نے نماز جنازہ پڑھادی جو حافظ قرآن بھی تھا لیکن اس کی داڑھی کچھ کٹی ہوئی تھی ایا اس کی نماز ہو جائے گی؟ جنازہ پڑھانے کا حق کس کو ہے؟ امام مسجد کو یا اس کے بیٹے کو جو حافظ قرآن بھی ہے، اور وہ امام موقع پر موجود بھی ہو؟ یا کسی اور کو یہ حق حاصل ہے؟

مستفتی۔ مولانا اشتیاق القادری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب۔ اللّٰهم هداية الحق والصواب

فقہِ حنفی میں نماز جنازہ کی امامت کے لیے سب سے مقدم مسلمان حاکمِ وقت ہے اگر موجود ہو، یا اس کا نائب، پھر قاضی شہر، پھر امامِ جامع مسجد پھر امام مسجدِ محلہ اور پھر میت کا ولی۔ محلہ کے امام کا ولی پر حقِ امامت میں مقدم ہونا استحبابا ہے، یعنی اگر باوجود امامِ محلہ کے ولی نماز پڑھادے تو یہ بھی درست ہے۔ لہذا اگر مذکورہ صورت میں میت کا بیٹا جو اگرچہ عالم نہیں، لیکن نمازِ جنازہ پڑھانا اور اس کے متعلقہ مسائل جانتا ہو اور دِین دار ہو تو امام کی موجودگی میں اس کا نماز پڑھانا درست اور جائز ہے۔ فتاوی شامی میں ہے:

"(ويقدم في الصلاة عليه السلطان) إن حضر (أو نائبه) وهو أمير المصر (ثم القاضي) ثم صاحب الشرط ثم خليفته القاضي (ثم إمام الحي) فيه إيهام وذلك أن تقديم الولاة واجب، وتقديم إمام الحي مندوب فقط بشرط أن يكون أفضل من الولي وإلا فالولي أولى، كما في المجتبى و شرح المجمع للمصنف، وفي الدراية: إمام المسجد الجامع أولى من إمام الحي أي مسجد محلته، نهر، (ثم الولي) بترتيب عصوبة الإنكاح إلا الأب". (رد المحتار، ٢/ ٢١٩)

تبیین الحقائق میں ہے:

"(فصل) قال رحمه الله : (السلطان أحق بصلاته) نص عليه أبو حنيفة بقوله:

الخليفة أولى إن حضر، فإن لم يحضر فإمام المصر، وهو سلطانها؛ لأنه في معنى الخليفة، وبعده القاضي، وبعده صاحب الشرطة، وبعده خليفة الوالي، وبعده خليفة القاضي، وبعد هؤلاء إمام الحي، فإن لم يحضروا فالأقرب من ذوي قرابته، وذكر في الأصل: أن إمام الحي أولى بها، وقال أبو يوسف: ولي الميت أولى بها؛ لأن هذا حكم تعلق بالولاية كالإنكاح. وجه الأول ما روي أن الحسين بن علي لما مات الحسن رضي الله عنهم قدم سعيد بن العاص فقال: لولا السنة لما قدمتك، وكان سعيد والياً في المدينة يومئذٍ، هكذا ذكره في اللباب ؛ ولأن في التقدم عليه استخفافاً به، وتعظيمه واجب شرعاً، وما ذكره في الأصل محمول على ما إذا لم يحضر السلطان، ولا من يقوم مقامه". (تبيين الحقائق،۳/۱۷۵) فقط. والله اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

فقہ حنفی میں نمازِ جنازہ کے بعد دعا مانگنے کو مستحب قرار دیا گیا ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

"وَيُسْتَحَبُّ بَعْدَهَا (أي بعد الصلاة على الجنازة) أَنْ يَقُولَ: اللَّهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَهُ، وَيَدْعُو لِلْمَيِّتِ وَلِلْمُسْلِمِينَ، لِأَنَّهُ زَمَنُ رَجَاءِ الْإِجَابَةِ"

(رد المحتار على الدر المختار، ج ٢، ص ٢٣٤)

ترجمہ: نمازِ جنازہ کے بعد مستحب ہے کہ (یہ دعا پڑھی جائے): "اے اللہ! ہمیں اس (میت) کے اجر سے محروم نہ کر اور اس کے بعد ہمیں فتنہ میں نہ ڈال، اور ہمیں اور اس کو بخش دے۔" اور میت اور تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرے، کیونکہ یہ دعا کی قبولیت کا وقت ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہ حنفی میں جنازہ کے بعد دعا کو مستحب سمجھا گیا ہے۔

۲. شافعی فقہ میں موقف

امام نووی فرماتے ہیں:

"وَيُسْتَحَبُّ بَعْدَ الصَّلَاةِ أَنْ يَدْعُوَ لِلْمَيِّتِ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِينَ"

(المجموع شرح المهذب، ج ٥، ص ٢١١)

ترجمہ: نماز جنازہ کے بعد میت اور تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرنا مستحب ہے۔

یہاں بھی دعا کے استحباب کا ذکر ہے۔

۳. حنبلی فقہ میں موقف

امام ابن قدامہ فرماتے ہیں:

"وَإِذَا فَرَغَ مِنَ الصَّلَاةِ عَلَى الْجِنَازَةِ اسْتُحِبَّ أَنْ يَدْعُوَ لِلْمَيِّتِ وَلِأَهْلِهِ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِينَ" (المغني، ج ٢، ص ٣٨٠)

ترجمہ: جب نماز جنازہ سے فارغ ہو جائے تو مستحب ہے کہ میت، اس کے اہلِ خانہ اور تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرے۔

یہاں بھی دعا کا استحباب ذکر ہے۔

۴. مالکی فقہ میں موقف

فقہ مالکی میں نماز جنازہ کے بعد اجتماعی دعا مستحب نہیں سمجھی جاتی، بلکہ انفرادی طور پر دعا کی تلقین کی جاتی ہے۔

امام دسوقی فرماتے ہیں:

"وَلَا يُسْتَحَبُّ الْجُلُوسُ بَعْدَ الصَّلَاةِ لِلدُّعَاءِ وَلَا رَفْعُ الْأَيْدِي"

(حاشية الدسوقي على الشرح الكبير، ج ١، ص ٤١٥)

ترجمہ: نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے بیٹھنا اور ہاتھ اٹھانا مستحب نہیں۔

یہ فقہ مالکی میں ہے۔

خلاصہ:

۱. فقہ حنفی، شافعی، اور حنبلی میں نماز جنازہ کے بعد دعا کو مستحب قرار دیا گیا ہے۔

۲. فقہ مالکی میں اجتماعی دعا اور ہاتھ اٹھانے کو مستحب نہیں سمجھا جاتا۔

نتیجہ

فقہاء کی کتب سے ثابت ہوتا ہے کہ نمازِ جنازہ کے بعد دعا مانگنا مستحب ہے، لیکن ہاتھ اٹھانے کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض علماء اسے جائز کہتے ہیں جبکہ بعض اسے غیر مسنون قرار دیتے ہیں۔ تاہم، چونکہ دعا بذاتِ خود مستحب ہے، اس لیے اگر کوئی ہاتھ اٹھا کر دعا کرے تو اسے بدعت کہنا درست نہیں، اور اگر کوئی نہ کرے تو اسے اس پر مجبور نہیں کیا جانا چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب.

کتبـــ

ابو الحماد محمد اسرافیل حیدری المداری

دار الافتاء والقضاء جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الاولیاء

استانہ زندہ شاہ مدار مکن پور شریف کانپور نگر یوپی انڈیا۔

جنازہ میں مجمع زیادہ ہونے کی امید پر نماز جنازہ کی تاخیر کا حکم

سوال: اگر جنازہ تیار ہو مگر مجمع کم ہو، اور امید ہو کہ کچھ دیر میں مجمع زیادہ ہو جائے گا، تو کیا نمازِ جنازہ کو مؤخر کرنا جائز ہے؟ (خصوصاً اگر جمعہ کی نماز کے بعد زیادہ لوگوں کی شرکت کی امید ہو۔)

سائل سید ازہر علی مکنپور شریف۔

الجواب۔ اللّٰهم هداية الحق والصواب

نمازِ جنازہ میں زیادہ تعداد کی شرکت باعثِ فضیلت ہے، اور اگر تاخیر سے میت کو نقصان نہ پہنچے تو کچھ دیر انتظار کرنا جائز ہے، بلکہ بعض صورتوں میں افضل بھی ہے۔ تاہم طویل تاخیر اور بلاضرورت تاخیر مکروہ ہے۔

قرآن مجید میں براہِ راست اس مسئلہ کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے، لیکن عمومی احکامات میں مؤمن کی تعظیم اور دعا کیلئے زیادہ افراد کی شمولیت کی ترغیب ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

"وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى" (المائدہ:۲)

"نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔"

اس سے اشارہ ملتا ہے کہ جنازہ میں زیادہ لوگوں کی شرکت دعا میں تعاون اور نیکی کا کام ہے۔

احادیثِ نبویہ ﷺ سے دلائل:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"ما من ميت يصلي عليه أمة من المسلمين يبلغون مائة، كلهم يشفعون له، إلا شفعوا فيه" (صحيح مسلم، حديث: ٩٤٧)

"جو مسلمان فوت ہو جائے اور سو مسلمان اس کی نمازِ جنازہ پڑھیں اور اس کیلئے سفارش کریں تو ان کی سفارش قبول کی جاتی ہے۔"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مزید مروی ہے:

"ما من رجل مسلم يموت، فيقوم على جنازته أربعون رجلا، لا يشركون بالله شيئا، إلا شفعهم الله فيه" (صحيح مسلم: ٩٤٨)

"جب کسی مسلمان کی نمازِ جنازہ میں ۴۰/ ایسے لوگ شریک ہوں جو شرک نہ کرتے ہوں تو اللہ تعالیٰ میت کے حق میں ان کی سفارش قبول فرمالیتا ہے۔

یہ احادیث کریمہ ہمیں بتاتی ہیں کہ جنازہ میں بغیر حرج شرعی کے زیادہ مومنین کی شرکت باعثِ مغفرت و شفاعت ہے۔

آثار صحابہ کرام و تابعین:

حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"كانوا يستحبون أن يؤخروا الجنازة قليلاً حتى يجتمع الناس ويكثر الجمع."

(مصنف ابن أبي شيبة، جلد ٣، ص ٢٣٩)

"صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم و تابعین حضرات پسند کرتے تھے کہ تھوڑی دیر جنازے کو مؤخر کیا جائے تاکہ زیادہ لوگ شریک ہو سکیں۔"

امام طحاوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲۳۹-۳۲۱ھ) کے نزدیک:

امام طحاوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی مشہور کتاب شرح معانی الآثار میں اس مسئلے پر تفصیلا بحث کی ہے فرماتے ہیں:

قال أبو جعفر الطحاوي: "فإن أُخرت الجنازة رجاء اجتماع الناس، فلا بأس بذلك، وقد روي عن النبي ﷺ أنه أُخرت جنازته حتى اجتمع الناس"

(شرح معاني الآثار ، طحاوی، ج١، ص ٥١٢)

تشریح: حضرت امام طحاوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مطابق اگر جنازے میں تاخیر اس نیت سے ہو کہ لوگ زیادہ ہو جائیں تو یہ جائز ہے، اور اس پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا عمل بھی دلیل ہے (چنانچہ آپ ﷺ کا جنازہ بھی صحابہ کرام کی بڑی جماعت کی شرکت کے لیے کچھ وقت مؤخر ہوا)۔

امام محمد بن حسن الشیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۳۲-۱۸۹ھ) کے نزدیک:

امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتاب الاصل میں جنازہ سے متعلق اصولی بحث کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"ولا بأس أن يؤخر قليلاً إذا كان يرجو كثرة من يصلي عليه"

(الأصل، للإمام محمد، بتحقيق الكتاني، ج١، ص ٢٦٩)

تشریح: اگر جماعت کی زیادتی کی امید ہو، تو تھوڑی دیر انتظار کرنا جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔

المبسوط از امام سرخسی (ت:۴۸۳ھ) کے نزدیک:

امام شمس الائمہ السرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے المبسوط میں واضح فرمایا ہے:

"فإن أُخرت الصلاة على الجنازة لانتظار جماعة أكثر، فلا بأس بذلك، لأن فيه زيادة الدعاء، وهو مقصود" (المبسوط، للسرخسي، ج٢، ص ٦٥)

تشریح: اگر نمازِ جنازہ کو اس نیت سے مؤخر کیا جائے کہ زیادہ لوگ شریک ہو کر دعا کریں تو یہ جائز ہے کیونکہ نمازِ جنازہ کا اصل مقصد ہی دعا اور استغفار ہے، اور زیادہ لوگ زیادہ دعا کا سبب ہیں۔

امام کاسانی قدس سرہٗ (ت:۵۸۷ھ)–بدائع الصنائع میں تحریر فرماتے ہیں:

"ولا بأس بتأخيرها إلى وقت يرجى فيه حضور جماعة أكثر لما في ذلك من زيادة الدعاء، ولا يجوز تأخيرها تأخيرًا طويلاً" (بدائع الصنائع، ج۱، ص ۳۱۳)

تشریح: اگر زیادہ جماعت کی امید ہو تو تھوڑی تاخیر جائز بلکہ باعثِ خیر ہے، البتہ طویل تاخیر مکروہ ہے۔

فتاویٰ عالمگیری (ہندیہ) میں ہے:

"ولا بأس بأن ينتظر بها رجاء كثرة الجماعة" (الفتاوىٰ الهندية، ج۱، ص۱۶۳)

"اگر جماعت کی زیادتی کی امید ہو تو جنازے کے ساتھ کچھ دیر انتظار کرنا کوئی حرج کی بات نہیں۔"

الدر المختار میں ہے:

"ولا بأس بالتأخير إذا رجي زيادة الجماعة" (الدر المختار مع رد المحتار، ج۲، ص۲۳۳)

"اگر جماعت کی زیادتی کی امید ہو تو تاخیر میں کوئی مضائقہ نہیں۔"

البتہ بلاوجہ یا طویل تاخیر مکروہ ہے۔

خلاصۂ حکم یہ کہ:

اگر جنازہ تیار ہے اور امید ہے کہ مزید افراد کی شرکت ممکن ہے (خصوصاً جمعہ یا کسی اور اجتماع کے بعد)، اور میت یا ورثاء کو ضرر نہ ہو، تو:

"نمازِ جنازہ کو کچھ دیر مؤخر کرنا جائز ہے"، بلکہ افضل ہے تاکہ زیادہ دعائیں حاصل ہوں۔ لیکن بلاوجہ یا بہت زیادہ تاخیر مکروہ ہے۔ واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب.

کتبـــــــ

کسی کے انتظار میں میت کی تجہیز وتکفین میں تاخیر کرنے کا حکم

میت کی تجہیز و تکفین میں کسی کے انتظار کی وجہ سے تاخیر کرنا کیسا ہے؟ اکثر لوگ انتظار کی وجہ سے میت کو برف لگادیتے ہیں یہ برف لگانا یا کولڈ اسٹور میں رکھنا کیسا ہے کسی مسجد میں سرد خانہ بنانا کیسا ہے؟۔

سائل سید ازبر علی مداری دار النور مکنپور شریف۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب۔ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

میت کو غسل دینے اور تکفین و تدفین کے انتظام کے بعد نمازِ جنازہ میں بلاوجہ شرعی زیادہ تاخیر کرنے سے حدیث شریف میں منع کیا گیا ہے، نیز نمازِ جنازہ کی ادائیگی کے بعد میت کو جلد دفن کرنے کا حکم بھی حدیث مبارک میں وارد ہے، لہٰذا نمازِ جنازہ کے بعد صرف چہرہ دکھانے کے لیے تدفین میں تاخیر کرنا مکروہ اور خلافِ سنت ہے۔

علامہ ابن عابدین الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"(قَوْلُهُ: وَيُسْرَعُ فِي جِهَازِهِ)"؛ لِمَا رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ: «عَنْهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا عَادَ طَلْحَةَ بْنَ الْبَرَاءِ وَانْصَرَفَ، قَالَ: مَا أَرَىٰ طَلْحَةَ إِلَّا قَدْ حَدَثَ فِيهِ الْمَوْتُ، فَإِذَا مَاتَ فَآذِنُونِي حَتَّىٰ أُصَلِّيَ عَلَيْهِ، وَعَجِّلُوا بِهِ، فَإِنَّهُ لَا يَنْبَغِي لِجِيفَةِ مُسْلِمٍ أَنْ تُحْبَسَ بَيْنَ ظَهْرَانِي أَهْلِهِ».

وَالصَّارِفُ عَنْ وُجُوبِ التَّعْجِيلِ الِاحْتِيَاطُ لِلرُّوحِ الشَّرِيفَةِ؛ فَإِنَّهُ يَحْتَمِلُ الْإِغْمَاءَ. "

(رد المحتار، ۲/ ۱۹۳)

ترجمہ: "(قوله: وَيُسْرَعُ فِي جِهَازِهِ): یعنی میت کی تجہیز و تکفین میں جلدی کی جائے، اس حدیث کی بنا پر جو ابو داؤد نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم جب طلحہ بن براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عیادت کے بعد واپس لوٹے تو آپ نے ارشاد فرمایا: مجھے لگتا ہے کہ طلحہ میں موت داخل ہو چکی ہے، جب وہ فوت ہو جائیں تو مجھے اطلاع دینا تاکہ میں ان کی نماز پڑھاؤں، اور ان کو جلدی دفن کرو، کیونکہ مسلمان کی نعش کا اس کے گھر والوں کے درمیان رکے رہنا مناسب نہیں ہے۔"

اور تجہیز و تدفین میں تعجیل کو واجب قرار دینے سے روکنے والا سبب یہ ہے کہ کہیں وہ محض بے ہوشی نہ ہو، یعنی روحِ مبارک کا لحاظ اور احتیاط ہے۔

میت کو سرد خانہ (کولڈ اسٹوریج) میں رکھنا اگر کسی عذر کی وجہ سے ہو مثلاً: بعض دفعہ کوئی قانونی پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے، یا بعض دفعہ شناخت مشکل ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے تدفین میں تاخیر ہوتی ہے، ایسے موقع پر میت میں تعفن پیدا نہ ہو، اس لیے اسے سرد خانہ (Cold House) میں رکھتے ہیں، شرعاً اس کی گنجائش ہے، لیکن محض اس غرض سے سرد خانہ میں رکھنا کہ اس پر جمعِ عظیم نمازِ جنازہ پڑھ سکے یا دور دراز سے آنے والے رشتہ دار زیارت وغیرہ کر سکیں تو یہ مکروہ ہے، اور مسجد کے قریب سرد خانہ اگر مسجد کی وقف زمین میں بنایا جائے تو یہ جائز نہیں ہے، البتہ اگر مسجد کی وقف زمین کے علاوہ اطراف میں کسی واقعی ضرورت کے لیے بنایا جائے اور اس میں مسجد کی آمدنی بھی استعمال نہ کی جائے تو اس کی ممانعت نہیں ہے۔

البحر الرائق شرح کنز الدقائق (۲/۲۰۶) میں ہے:

"(قَوْلُهُ: وَيُعَجَّلُ بِهِ بِلَا خَبَبٍ)"، وَهُوَ بِمُعْجَمَةٍ مَفْتُوحَةٍ وَمُوَحَّدَتَيْنِ: ضَرْبٌ مِنَ الْعَدْوِ، وَقِيلَ: هُوَ كَالرَّمَلِ، وَحَدُّ التَّعْجِيلِ الْمَسْنُونِ: أَنْ يُسْرَعَ بِهِ بِحَيْثُ لَا يَضْطَرِبَ الْمَيِّتُ عَلَى الْجَنَازَةِ؛ لِلْحَدِيثِ: «أَسْرِعُوا بِالْجَنَازَةِ، فَإِنْ كَانَتْ صَالِحَةً قَرَّبْتُمُوهُ إِلَى الْخَيْرِ، وَإِنْ كَانَتْ غَيْرَ ذَلِكَ فَشَرٌّ تَضَعُونَهُ عَنْ رِقَابِكُمْ».

وَالْأَفْضَلُ أَنْ يُعَجَّلَ بِتَجْهِيزِهِ كُلِّهِ مِنْ حِينَ يَمُوتُ، وَلَوْ مَشَوْا بِهِ بِالْخَبَبِ كُرِهَ؛ لِأَنَّهُ ازْدِرَاءٌ بِالْمَيِّتِ وَإِضْرَارٌ بِالْمُتَّبِعِينَ،

وَفِي الْقُنْيَةِ: وَلَوْ جُهِّزَ الْمَيِّتُ صَبَاحَةَ يَوْمِ الْجُمُعَةِ يُكْرَهُ تَأْخِيرُ الصَّلَاةِ وَدَفْنِهِ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهِ الْجَمْعُ الْعَظِيمُ بَعْدَ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ."

ترجمہ: "(قوله: وَيُعَجَّلُ بِهِ بِلَا خَبَبٍ): یعنی جنازے کو جلد لے جایا جائے لیکن اتنی تیز رفتاری نہ ہو جو خبب کہلاتی ہے (خبب: دوڑنے کی ایک قسم ہے)۔ بعض کے نزدیک خبب کا مطلب رَمل (تیز قدموں سے چلنا) ہے۔ مسنون تعجیل کی حد یہ ہے کہ میت کو تیزی سے لے جایا جائے، لیکن اس قدر نہیں کہ میت جنازے پر ہلنے لگے۔

کیونکہ حدیث ہے:

"جنازے کے ساتھ جلدی کرو، اگر وہ نیک ہے تو اسے خیر کی طرف لے جا رہے ہو، اور اگر ویسا نہ ہو تو یہ

ایک بوجھ ہے جسے تم اپنی گردنوں سے اتار رہے ہو۔"

افضل یہ ہے کہ میت کی پوری تجہیز (غسل، کفن، نماز) وفات کے وقت سے ہی جلد شروع کر دی جائے۔ اگر میت کو 'خبب' کے ساتھ لے جایا جائے تو یہ مکروہ ہے کیونکہ اس میں میت کی بے ادبی ہے اور جنازے کے پیچھے چلنے والوں کو تکلیف ہے۔

اور "قنية" میں ہے: اگر میت جمعہ کے دن صبح کے وقت تیار ہو جائے، تو صرف اس لیے نماز اور دفن میں تاخیر کرنا کہ جمعہ کے بعد بڑا مجمع نماز پڑھے، یہ مکروہ ہے۔

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح (ص:۶۰۴) میں ہے:

"وَكَذَا يُسْتَحَبُّ الْإِسْرَاعُ بِتَجْهِيزِهِ كُلِّهِ"، أَيْ: مِنْ حِينَ مَوْتِهِ، فَلَوْ جُهِّزَ الْمَيِّتُ صَبَاحَةَ يَوْمِ الْجُمُعَةِ يُكْرَهُ تَأْخِيرُ الصَّلَاةِ عَلَيْهِ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهِ الْجَمْعُ الْعَظِيمُ بَعْدَ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ، وَ لَوْ خَافُوا فَوْتَ الْجُمُعَةِ بِسَبَبِ دَفْنِهِ يُؤَخَّرُ الدَّفْنُ، ا.ه.

ترجمہ: "اسی طرح میت کی مکمل تجہیز میں جلدی کرنا مستحب ہے"، یعنی وفات کے فورا بعد۔ اگر میت جمعہ کے دن صبح تیار ہو جائے، تو صرف اس لیے نماز میں زیادہ تاخیر کرنا کہ جمعہ کے بعد بڑا مجمع نماز پڑھے، یہ مکروہ ہے۔ البتہ اگر دفن کی وجہ سے جمعہ کی نماز چھوٹنے کا اندیشہ ہو تو دفن مؤخر کیا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ أعلم بالصواب.

کتبـــــــ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب

قرانِ کریم میں میّت کے اٹھانے یا لے جانے کی کیفیت کا براہِ راست ذکر نہیں۔ البتہ میّت کے ساتھ عزت، وقار اور احترام کی تعلیم دی گئی ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ" [الاسراء:۷۰]

ترجمہ: بنی ادم کو ہم نے عزت بخشی۔

اس سے اشارہ ملتا ہے کہ میّت کو عزت و وقار کے ساتھ لے جانا چاہیے اور سر کا آگے رہنا عزت و وقار کی علامت ہے۔

احادیثِ مبارکہ میں ہے کہ میّت کو جلد از جلد دفن کیا جائے اور میّت کا احترام کیا جائے چنانچہ ارشاد ہے:

" عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَسْرِعُوا بِالْجَنَازَةِ."..

[صحيح بخاری: ۱۳۱۵، صحيح مسلم: ۹٤٤]

ترجمہ: "جنازہ کو جلد لے جاؤ..."

اس میں بظاہر سمت کا ذکر نہیں ہے، بس عزت و احترام اور جلدی دفن کا حکم دیا گیا۔

آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثبوت:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر:

امام ابن أبي شيبة رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "المصنف" میں نقل کیا:

" حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَوْنٍ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ قَالَ: كَانَ ابْنُ مَسْعُودٍ إِذَا حُمِلَتْ جِنَازَةٌ قَدَّمُوا رَأْسَهَا". [المصنف لابن أبي شيبة: ۳/ ۲۵۸، رقم: ۱۱۸۵۳]

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب جنازہ اٹھاتے تو سرہانے کو آگے رکھتے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر:

امام ابن أبي شيبة رحمہ اللہ تعالیٰ ہی نے دوسری روایت میں حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل ذکر کیا ہے:

" حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ حبيب بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، قَالَ: كَانَ عُمَرُ يَقُولُ: إِذَا حَمَلْتُمُ الْجِنَازَةَ فَقَدِّمُوا رَأْسَهَا". [المصنف لابن أبي شيبة: ٢٥٨/٣، رقم: ١١٨٥٤]

ترجمہ: حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے: جب جنازہ اٹھاؤ تو اس کا سر آگے رکھو۔

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجھہ الکریم کا اثر:

اسی طرح ایک روایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے بھی مروی ہے:

" قَالَ عَلِيٌّ: إِذَا حَمَلْتُمُ الْجِنَازَةَ فَقَدِّمُوا رَأْسَهَا."

[المصنف لابن أبي شيبة: ٢٥٨/٣، رقم: ١١٨٥٥]

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجھہ نے ارشاد فرمایا: جب جنازہ اٹھاؤ تو اس کا سر آگے رکھو۔

محدثین کا اعتماد:

یہ آثار صحابہ کرام سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہیں اور فقہاء نے انہی پر عمل کو افضل قرار دیا ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد (رحمہما اللہ) نے بھی ان آثار پر عمل کی طرف میلان ظاہر کیا۔

غرضیکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک سرہانہ آگے رکھنا مستحب عمل ہے۔ فقہاءِ احناف نے بھی اسی کو مستحب کہا ہے

فقہاءِ احناف کا موقف:

فقہاءِ احناف کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ میّت کو قبرستان لے جاتے وقت سرہانہ آگے کی طرف رکھا جائے، یعنی میّت کا چہرہ پیچھے رہنے والوں کی طرف ہو۔ اس کی حکمت یہ بیان کی گئی کہ جیسے زندہ انسان چلتا ہے، اسی طرح میّت کو بھی چلنے کی کیفیت میں ہی لے جایا جائے۔

فتاویٰ عالمگیری (ہدایہ) میں ہے:

" يُسْتَحَبُّ أَنْ يُقَدَّمَ رَأْسُهُ إِلَى قِبْلَةِ مَسِيرِهِمْ." [الهداية مع الفتح: كتاب الجنائز]

(مستحب ہے کہ میّت کا سر اس طرف ہو جس طرف لوگ جا رہے ہوں)

در مختار میں بھی یہی ہے:

" وَيُقَدَّمُ رَأْسُهُ إِلَى جِهَةِ الْمَسِيرِ كَالْحَيِّ " [رد المحتار: ٢٣٢/٢]

(میّت کا سر چلنے کی سمت میں آگے ہو، جیسے زندہ انسان چلتا ہے)

سرہانہ آگے کی طرف رکھنا افضل ہے، یعنی پاؤں پیچھے کی طرف ہوں۔
یہ بہتر اور مستحب ہے، لازم نہیں۔ اگر کسی جگہ عرفاً الٹ طریقہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔

مستحب طریقہ:

سرہانہ آگے کی طرف رکھا جائے۔ واللہ أعلم بالصواب.

کتبـــــــ

"يتحمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام" (قواعد الفقه: قاعدہ نمبر ٢٦)

ترجمہ: "عمومی نقصان سے بچنے کے لیے خاص نقصان کو برداشت کیا جاتا ہے۔"

فقہائے اسلام نے یہ فرمایا

"الميت يصان كالحي" (الفتاوىٰ الهنديه ٥ /٣٥٨)

ترجمہ: "میت کی حفاظت ایسے کی جائے جیسے زندہ انسان کی کی جاتی ہے۔"

حدیث شریف میں ہے:

عن عائشة رضى الله عنها، قال رسول الله ﷺ: "كسر عظم الميت ككسره حيًا" (سنن ابى داود: ٣٢٠٧، ابن ماجه: ١٦١٦)

ترجمہ: مردے کی ہڈی توڑنا ایسا ہے جیسے زندہ انسان کی ہڈی توڑنا۔

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

"فيه دليل على أن حرمة الميت كحرمة الحى، فيجب اجتناب كل ما يوجب أذاه ولو كان غير محسوس" (ردالمحتار ٢/٢٣٦)

یعنی: "اس حدیث میں دلیل ہے کہ میت کی حرمت زندہ کی حرمت جیسی ہے، لہٰذا ہر وہ عمل جس سے میت کو اذیت ہو، خواہ وہ محسوس نہ ہو، اجتناب لازم ہے۔"

میت کی چیر پھاڑ ناجائز:

امام کاسانی (المتوفی ٥٨٧ھ) لکھتے ہیں:

"يجب ستر العورة للميت، و يحرم النظر إليها و مسها و لو للتعلم" (بدائع الصنائع ١/٣٠٣)

حتیٰ کہ تعلیم و تربیت جیسے مقاصد کے لیے بھی میت کے ستر کو دیکھنا یا ہاتھ لگانا منع ہے، تو چیر پھاڑ تو بدرجہ اولیٰ ممنوع ہو گی۔

جواز کی صورت:- اضطرار (مجبوری کی حالت میں)

اصول فقہ یہ ہے:

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة كانت أو خاصة" (الاشباه والنظائر للسيوطى، قاعده ١٠)

یعنی: "ضرورت (خواہ عام ہو یا خاص) کو شرعاً ضرورتِ کاملہ کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔" مثالیں:

قتل کی تحقیق کیلئے: اگر کسی کی موت کا سبب قتل سے معلوم ہو، اور قاتل کی شناخت پوسٹ مارٹم کے بغیر ممکن نہ ہو، تو یہ "دفع الضرر العام" کی صورت ہے۔

وبا یا نئی بیماری کی تحقیق کیلئے: یعنی وبا یا نئی بیماری کی تحقیق کیلئے پوسٹ مارٹم ناگزیر ہو اور عام طریقے سے مرض کی اصل وجہ معلوم نہ ہو اور علاج یا حفاظتی تدابیر ممکن نہ ہو ہو تو ایسی صورت میں پوسٹ مارٹم جائز ہے۔

قانونی حکم (جس کا انکار جرم ہو): اگر کسی ملک کے قانون کے تحت پوسٹ مارٹم ضروری ہو، اور انکار پر ورثاء کو نقصان ہو، تو جواز کی گنجائش ہے۔

فقہی لحاظ سے شرائطِ جواز:

۱. واقعی شدید مجبوری ہو۔
۲. صرف اتنی چیر پھاڑ کی جائے جتنی ناگزیر ہو۔
۳. ذمہ دار، ماہر اور دیانت دار طبیب کرے۔
۴. کسی بدنیتی یا تحقیری مقصد کے بغیر ہو۔
۵. میت کی دوبارہ تجہیز و تکفین باعزت طریقے سے ہو۔
۶. اگر ممکن ہو، ورثاء کی اجازت لی جائے۔

خلاصہ فتویٰ:

پوسٹ مارٹم شرعاً ناجائز و ممنوع ہے کیونکہ یہ میت کی بے حرمتی پر مبنی ہے اور حدیثِ صحیح سے اس کی ممانعت ثابت ہے۔

جواز کی گنجائش:

مگر اگر پوسٹ مارٹم، قتل، وبا، علاج یا قانونی مجبوری کی وجہ سے ناگزیر ہو جائے، تو اصولِ فقہیہ کے مطابق مشروط و محدود اجازت ہے۔

کتبہ

ابو الحماد محمد اسرافیل حیدری المداری
دار الافتاء والقضاء جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الاولیاء
استانہ زندہ شاہ مدار مکن پور شریف کانپور نگر یوپی انڈیا۔

عورت کے انتقال کے بعد شوہر کا اسے دیکھنے اور قبر میں اتارنے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء ذوی الاحترام اس مسئلہ میں کہ کیا عورت کے انتقال کے بعد اسکا شوہر اسکو دیکھ سکتا ہے اسکو قبر میں اتار سکتا ہے ایسا کرنے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے قرآن وحدیث سے تشفی بخش جواب عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں بینوا توجروا۔

المستفتی سید ظفر مجیب مداری

الجواب بعون الملک الوھاب

یہ مسئلہ فقہاءِ کرام کے درمیان مختلف فیہ ہے، مگر جمہورِ احناف کے نزدیک عورت کے انتقال کے بعد اس کا شوہر نہ اسے دیکھ سکتا ہے، نہ اسے غسل دے سکتا ہے، اور نہ ہی بلاضرورت اس کو قبر میں اتار سکتا ہے۔

دلائلِ شرعیہ واقوالِ فقہاءِ احناف:

نکاح موت کے بعد ختم ہو جاتا ہے:

مذہبِ احناف میں موت کے بعد نکاح ختم ہو جاتا ہے، اس لیے شوہر کے لیے بیوی کا جسم دیکھنا یا چھونا جائز نہیں رہتا۔

الامام السرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وَإِذَا مَاتَتِ الْمَرْأَةُ لَمْ يَجُزْ لِزَوْجِهَا أَنْ يُغَسِّلَهَا، وَلَا أَنْ يَنْظُرَ إِلَيْهَا، لِأَنَّ النِّكَاحَ قَدِ انْقَطَعَ بِالْمَوْتِ." (المبسوط للإمام السرخسي، ج ١، ص ٧٧)

ترجمہ: "جب عورت کا انتقال ہو جائے تو شوہر کو نہ اسے غسل دینا جائز ہے، نہ اسے دیکھنا، کیونکہ موت کے ساتھ نکاح ختم ہو جاتا ہے۔"

فتاویٰ عالمگیری کا فیصلہ ہے:

"لَا يُغَسِّلُ الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ إِذَا مَاتَتْ وَلَا يَرَاهَا." (الفتاوىٰ الهندية، ج ١، ص ١٦١)

ترجمہ: "جب عورت فوت ہو جائے تو شوہر نہ اسے غسل دے سکتا ہے اور نہ دیکھ سکتا ہے۔"

قبر میں اتارنے کا حکم:

احناف کے نزدیک عورت کو قبر میں اتارنے کا کام محارم مرد انجام دیں۔ شوہر کو یہ عمل کرنا مکروہِ تنزیہی ہے۔

"الكراهة التنزيهية تعني أنّه يترك هذا العمل احتياطًا وتعظيمًا لحرمة المرأة بعد موتها."

البتہ اگر کوئی محرم نہ ہو اور شوہر مجبور ہو تو ستر ڈھانپ کر قبر میں اتارنے کی اجازت دی گئی ہے، مگر یہ حالتِ اضطرار ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو غسل دینا:

اس واقعہ سے بعض فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ شوہر بیوی کو غسل دے سکتا ہے، مگر احناف کے نزدیک یہ واقعہ یا تو خصوصی معاملہ ہے یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وصیت پر عمل کیا۔ لہٰذا اس سے عام حکم اخذ نہیں کیا جا سکتا۔

حنابلہ کا موقف:

حنابلہ کے نزدیک نکاح وفات کے بعد بھی بعض احکام کے ساتھ باقی رہتا ہے، اس لیے شوہر کو غسل دینا جائز ہے، کیونکہ عدّت کا حکم باقی ہوتا ہے۔

قال الامام ابن قُدامۃ رحمہُ اللہ:

"وَلِزَوْجِهَا أَنْ يُغَسِّلَهَا، قَالَ أَحْمَدُ: عَلِيٌّ غَسَّلَ فَاطِمَةَ."

(المغني لابن قدامة، ج ٢، ص ٤٠٣)

احناف کے نزدیک اور راجح قول:

فتویٰ احناف کے اس قول پر ہے کہ عورت کے انتقال کے بعد:

- شوہر نہ اسے غسل دے
- نہ اسے دیکھے
- نہ اسے چھوئے
- نہ قبر میں اتارے (جب تک کوئی مجبوری نہ ہو)

- اگر مجبوری ہو تو ستر ڈھانپ کر قبر میں اتارنے میں مضائقہ نہیں۔ وَاللهُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ، وَهُوَ الْهَادِي إِلَى سَوَاءِ السَّبِيلِ.

کتبـــــــ

عمل کے ساتھ ساتھ، ہندو عقائد کو اپنا چکا تھا اور مرتے وقت تک اس نے اسلام میں واپسی (توبہ) نہیں کی تو شریعت کی رو سے اس کی نمازِ جنازہ جائز نہیں اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا بھی ناجائز ہے۔ ایسا شخص مرتد شمار ہو گا، اور مرد کی تجہیز و تکفین کے احکام مسلمانوں سے جدا ہوتے ہیں۔

لیکن اگر: اس کے ارتداد کی صراحت و شہادت قطعی نہ ہو، اور اس کے اقوال کو مذاق، غصہ یا وقتی ذہنی کیفیت پر محمول کیا جا سکتا ہو، یا وہ مرتے وقت اسلام پر ہی قائم ہو، تو ایسی صورت میں: اسے مسلمان شمار کیا جائے گا، اس کی نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے گی اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن بھی کیا جائے گا۔

الدر المختار مع رد المحتار میں ہے:

"المرتد لا يغسل ولا يصلى عليه ولا يدفن في مقابر المسلمين." (ج ٢، ص ٢٠٩)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"من ارتد عن الإسلام، فلا يغسل ولا يصلى عليه، ولا يدفن فى مقابر المسلمين" (ج ١، ص ١٦٣)

ترجمہ: جو شخص اسلام سے پھر گیا تو مرنے پر نہ اسے غسل دیا جائے اور نہ ہی اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے، اور نہ ہی مسلمانوں کے قبرستان میں اسے دفن کیا جائے۔

حاصل حکم یہ کہ جب تک کسی شخص کے ارتداد (اسلام چھوڑنے) کا واضح، قطعی اور معتبر ثبوت موجود نہ ہو، شریعت اس کے ظاہری اسلام کو معتبر مانتی ہے۔ لہٰذا ایسے معاملے کو کسی مقامی مفتی یا دارالافتاء کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ وہ شہادتوں، قرائن اور حالات کی روشنی میں حتمی فیصلہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان پر زندگی اور ایمان پر موت نصیب فرمائے۔ امین۔ واللہ اعلم بالصواب.

کتبـــ

ابو الحماد محمد اسرافیل حیدری المداری

دار الافتاء والقضاء جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الاولیاء

استانہ زندہ شاہ مدار مکن پور شریف کانپور نگر یوپی انڈیا۔

تاریخ اصدار: ۲۰ جولائی ۲۰۲۵

مردے کا ہاتھ سینے پر رکھا جائے یا دائیں بائیں؟

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کہ بعد فوت مردہ مرد یا عورت کے ہاتھ کہاں رکھے جائیں گے سینے پر یا دائیں بائیں؟ جواب باصواب سے نوازیں۔

المستفتی سید اختر مجیب مداری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب۔ اللّٰهم هداية الحق والصواب

چونکہ میّت بے بس ہوتی ہے، اس کا جسم ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ اس کا احترام اور ستر باقی رکھنا واجب ہے، اس لیے فقہاء نے ہاتھوں کی ایسی ترتیب تجویز کی جو ستر کے تقاضے اور تکریم دونوں کو پورا کرے۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ سے بھی ہمیں میت کے ساتھ حسنِ سلوک، تکریم اور ستر کا التزام ملتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

" إِذَا كَفَّنَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُحْسِنْ كَفَنَهُ" (صحيح مسلم، رقم الحديث: ٩٤٣)

"جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کفن دے، تو اچھا کفن دے۔"

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ میّت کی عزت اور ترتیب میں بہتری مطلوب ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ایک روایت ہے:

" كَانَ عَلِيٌّ يَضَعُ يَدَ الْمَيِّتِ عَلَى صَدْرِهِ وَيَشُدُّهُمَا"

(مصنف ابن أبي شيبة، ج ٣، ص ٢٤٧، رقم: ١١٩٩٠)

"حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم میّت کے ہاتھ اس کے سینے پر رکھتے اور باندھ دیتے تھے۔"

اس اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے عمل میں میت کے ہاتھوں کو سینے پر باندھنا معروف تھا۔

الدر المختار مع رد المحتار لابن عابدین شامی میں ہے:

" ويجعلُ يَدَا الرَّجُلِ عَلَى صَدرِهِ كَهَيْئَتِهِ فِي الصَّلَاةِ، وَيَدَا الْمَرْأَةِ عِندَ جَنْبَيْهَا".

(الدر المختار مع رد المحتار، ج ٢، ص ٢٠٥، دار الفكر)

مرد کی میّت کے ہاتھ سینے پ، بالکل نماز کی ہیئت میں۔ عورت کے ہاتھ پہلو میں رکھے جائیں۔

الفتاوى الهندية المعروف بہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"ثُمَّ يُجْعَلُ يَدَا الرَّجُلِ عَلَى صَدْرِهِ كَهَيْئَتِهِ فِي الصَّلَاةِ، وَيَدَا الْمَرْأَةِ عِنْدَ جَنْبَيْهَا".

(الفتاوى الهندية، ج ١، ص ١٦٣، دار الفكر)

یہی ترتیب فقہاء نے واضح کی ہے:

مرد کے ہاتھ: سینے پر، دایاں بائیں پر۔

عورت کے ہاتھ: دائیں بائیں پہلو میں۔

الفتاوى التتارخانية میں ہے:

"يُوضَعُ يَدُ الرَّجُلِ عَلَى صَدْرِهِ كَهَيْئَتِهِ فِي الصَّلَاةِ، وَيَدُ الْمَرْأَةِ عَلَى جَنْبِهَا."

(الفتاوى التتارخانية، ج ٢، ص ٢٠)

المبسوط میں إمام السرخسي (ت ۴۸۳ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

" ويجعل يدا الرجل على صدره، كهيئته في الصلاة، ويدا المرأة عند جنبها.

(المبسوط، للإمام السرخسي، ج ٢، ص ٦٥، دار المعرفة، بيروت)

ترجمہ: "اور مرد کے دونوں ہاتھ اس کے سینے پر رکھے جائیں، جیسے نماز میں ہوتے ہیں، اور عورت کے دونوں ہاتھ اس کے پہلو میں رکھے جائیں۔"

یہ واضح تصریح ہے کہ میت کے ہاتھ نماز کی طرح رکھنا سنت طریقہ ہے، خصوصاً مرد کے لیے۔

فتح القدیر میں إمام ابن الھمام (ت ۸۶۱ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"ويجعل يدا الرجل على صدره، كهيئته في الصلاة، ويدا المرأة عند جنبها، لأنّ هذه هيئة حسنة، وفيها صيانة عن انكشاف العورة." (فتح القدير، ج ٢، ص ١٣٣، دار الفكر)

ترجمہ: "اور مرد کے ہاتھ سینے پر رکھے جائیں، جیسے نماز کی حالت ہوتی ہے، اور عورت کے ہاتھ اس کے پہلو میں رکھے جائیں، کیونکہ یہ ترتیب خوبصورت ہے اور اس میں (میت کے) ستر کے کھلنے سے حفاظت ہے۔"

ابن الھمام رحمہ اللہ نے اس مسئلے کے علت (سبب) کو بھی واضح کیا:

۱. حسنِ ترتیب

۲. ستر عورت و مرد کی حفاظت

البحر الرائق شرح کنز الدقائق (ت ۹۷۰ھ) میں علامہ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"ويجعل يدا الرجل على صدره كهيئته في الصلاة، ويدا المرأة عند جنبها، لما فيه من الستر والصيانة." (البحر الرائق، ج ۲، ص ۱۹۵، دار الكتاب الإسلامي)

ترجمہ: "اور مرد کے ہاتھ اس کے سینے پر رکھے جائیں جیسے نماز کی حالت میں ہوتے ہیں، اور عورت کے ہاتھ اس کے پہلو میں، کیونکہ اس میں ستر اور حفاظت ہے۔"

یہاں بھی علت یہی بتائی گئی ہے: ستر وصیانت۔

یہ تمام اکابر ائمہ کی تصریحات اس بات پر اجماعِ عملی کو ظاہر کرتی ہیں کہ:

- مرد میت کے لیے ہاتھوں کو نماز کی ترتیب پر رکھنا مستحب وحسن ہے۔
- عورت میت کے لیے ہاتھوں کو پہلو میں رکھنا زیادہ ستر دار اور محتاط طریقہ ہے۔ هذا ما ظهر لي والعلم عند ربي. وهو أعلم بالصواب.

کتبـــــــ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب۔ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

شریعتِ مطہرہ نے مسلمان میت کے لیے چند اہم احکام مقرر فرمائے ہیں:

(الف) غسلِ میت:

- میت کو پاک پانی سے غسل دیا جائے، مرد کو مرد اور عورت کو عورت غسل دے۔
- بیوی شوہر کو اور شوہر بیوی کو غسل دے سکتا ہے۔

"عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ وَنَحْنُ نُغَسِّلُ ابْنَتَهُ فَقَالَ: اغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا، أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ إِنْ رَأَيْتُنَّ، بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وَاجْعَلْنَ فِي الْآخِرَةِ كَافُورًا" (صحيح البخاري، حديث: ١٢٥٣)

ترجمہ: "نبی کریم ﷺ تشریف لائے جب ہم اپنی بیٹی کو غسل دے رہی تھیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسے تین یا پانچ بار غسل دو، یا اس سے زیادہ اگر تم مناسب سمجھو، پانی اور بیری کے پتوں سے، اور آخری مرتبہ کافور ڈالنا۔"

(ب) تکفین:

- مرد کا کفن تین کپڑوں کا اور عورت کا پانچ کپڑوں کا ہو۔
- سفید کپڑا افضل ہے، خوشبو لگانا سنت ہے۔

(ج) نمازِ جنازہ:

- فرضِ کفایہ ہے۔

(د) تدفین:

- قبر آدمی کے سینے تک یا قد تک گہری ہو، میت کو قبلہ رخ لٹایا جائے۔

کفن پر کلمات لکھنے اور قبر میں متبرک اشیاء رکھنے کا مسئلہ

یہ عمل دو شکلوں میں آتا ہے:

۱. کفن، عمامہ یا پیشانی پر کلماتِ طیّبہ یا عہد نامہ لکھنا۔

۲. قبر یا کفن میں متبرک اشیاء رکھنا (قرآن پاک، حرمین طیبین کی مٹی، اولیاء اللہ کے تبرکات وغیرہ)۔

بعض صحابہ کرام سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی قبر میں بعض تبرکات نبویہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رکھنے کیلئے خاص وصیت فرمائی حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ایک اثر منقول ہے۔

اثر حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

"أَخْبَرَنَا مَعْمَرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ أَنَّ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا لَمَّا حَضَرَتْهَا الْوَفَاةُ أَمَرَتْ عَلِيًّا فَوَضَعَ لَهَا غُسْلًا، فَاغْتَسَلَتْ وَتَطَهَّرَتْ، وَدَعَتْ بِثِيَابِ أَكْفَانِهَا فَلَبِسَتْهَا، وَمَسَّتْ مِنَ الْحَنُوطِ، ثُمَّ أَمَرَتْ عَلِيًّا أَنْ لَا تُكْشَفَ إِذَا هِيَ قُبِضَتْ، وَأَنْ تُدْرَجَ كَمَا هِيَ فِي أَكْفَانِهَا، فَقُلْتُ لَهُ: هَلْ عَلِمْتَ أَحَدًا فَعَلَ نَحْوَ ذَلِكَ؟ قَالَ: نَعَمْ كَثِيرُ بْنُ عَبَّاسٍ، وَكَتَبَ فِي أَطْرَافِ أَكْفَانِهِ: يَشْهَدُ كَثِيرُ بْنُ عَبَّاسٍ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ." (المصنّف لعبد الرزاق، ج ۳، ص ٤١١)

ترجمہ: معمر بن عبد اللہ بن محمد بن عقیل نے خبر دی کہ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو وفات کا وقت آیا تو انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان کے لیے غسل کا انتظام کریں، پھر خود غسل کیا اور پاک صاف ہوئیں، اور اپنے کفن کے کپڑے منگوائے تو انہیں پہن لیا، اور کچھ حنوط (خوشبو) لگائی، پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جب ان کا انتقال ہو جائے تو انہیں نہ کھولا جائے بلکہ جس حالت میں ہوں اسی طرح کفن میں لپیٹ دیا جائے۔

راوی نے کہا: میں نے ان سے پوچھا، کیا آپ نے کسی اور کو بھی ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے؟

انہوں نے کہا: جی ہاں، کثیر بن عباس نے بھی ایسا کیا تھا، اور انہوں نے اپنے کفن کے کناروں پر یہ لکھا تھا:

"کثیر بن عباس گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔"

(ب) امام صفّار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ – جواز کتابتِ کلماتِ طیبات بر کفن میت کے بارے میں فرماتے ہیں:

"وفي البزّازِيَّة قُبَيْلَ كتابِ الجِنَايَاتِ، وذكرَ الإمامُ الصَّفَّارُ: لو كُتِبَ على جبهةِ الميّتِ أو على عمامَتِهِ أو كَفَنِهِ عَهْدُ نامَةٍ، يُرْجَى أَنْ يَغفِرَ اللهُ تعالى للميّتِ ويجعلَه آمِنًا مِن عَذابِ القَبرِ". (الدر المختار مع رد المحتار، ج ۳، ص ۱۸۵)

ترجمہ: اگر میت کی پیشانی، عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھا جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کو بخش دے اور

عذابِ قبر سے محفوظ رکھے۔

(ج) قبر میں متبرک مٹی رکھنا:

امام بیہقی نے روایت کیا:

"أَنَّ بِلَالَ بْنَ الْحَارِثِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَخَذَ مِنْ تُرَابِ قَبْرِ النَّبِيِّ ﷺ، فَجَعَلَهُ مَعَهُ فِي سَفَرِهِ، وَكَانَ يَسْتَشْفِي بِهِ، وَجَعَلَ مِنْهُ فِي قَبْرِهِ". (شعب الإيمان، ج ٦، ص ٦٠)

ترجمہ: حضرت بلال بن حارث رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے نبی ﷺ کی قبر کی مٹی لی اور سفر میں ساتھ رکھتے، اس سے شفا لیتے اور قبر میں بھی رکھی۔

(د) قبر میں قرآن مجید میں سے کوئی جزء رکھنے کا جواز:

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: "وَإِذَا جُعِلَ مَعَ الْمَيِّتِ شَيْءٌ مِنَ الْقُرْآنِ أَوْ مِنَ الذِّكْرِ لَا بَأْسَ بِهِ تَبَرُّكًا" (الفتاوى الهندية، ج ١، ص ١٦٦)

ترجمہ: اگر میت کے ساتھ قرآن میں سے کچھ یا ذکر کی کوئی چیز رکھی جائے تو تبرک کی نیت سے اس میں حرج نہیں۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"كَانُوا يَسْتَحِبُّونَ أَنْ يُوضَعَ فِي الْقَبْرِ شَيْءٌ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَوِ الْمَسْجِدِ النَّبَوِيِّ" (مصنف ابن أبي شيبة، ج ٣، ص ٢٣٤)

ترجمہ: تابعین پسند کرتے تھے کہ قبر میں مسجد حرام یا مسجد نبوی کی مٹی رکھی جائے۔

امام طحطاوی الحنفی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"ويُرجى للميتِ النَّفعُ بما يُوضَعُ معه من التبركاتِ" (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص ٥١٠)

ترجمہ: میت کے ساتھ رکھی گئی متبرک اشیاء سے اس کے نفع کی امید رکھی جاتی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ:

- کفن پر کلمہ، عہد نامہ یا ذکر اللہ لکھنا جائز ہے،

- قبر یا کفن میں متبرک اشیاء رکھنا بھی جائز ہے،

بشرطیکہ اس میں بے ادبی نہ ہو اور اسے عبادت کا لازمی حصہ نہ سمجھا جائے۔ هذا ماظهر لی والعلم عند ربی وهو اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

قربانی و عقیقہ کا بیان

قربانی کے جانوروں کی مقررہ عمر میں کیا حکمت ہے؟

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قربانی کے جانوروں کے لئے عمر شریعت نے مقرر کردی ہے اس کی کیا حکمت وعلت ہے؟ جواب عنایت فرماکر عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: سید رفعت حق مداری مکنپور شریف کانپور۔

الجواب

قربانی کے جانوروں کے لئے شریعت مطہرہ کی جانب سے مقرر کردہ عمر کی حکمت یہ ہے کہ ان کے اندر کمال پیدا ہو جائے یعنی جسم وجثہ ڈیل ڈول اور گوشت میں لذت کے اعتبار سے وہ کامل ومکمل ہو جائیں اور یہ کمال بکری میں مکمل ایک سال گائے بھینس میں دو سال اونٹ میں پانچ سال اور دنبہ میں ایک سال یا ایک سال سے کم میں (جب کہ خوب فربہ ہو) پیدا ہوتا ہے۔

جیسا کہ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

يشترط الكامل فلايجوز سواء كان النقص من حيث السن أو من حيث اللذات فلا يجوز من الابل والبقر والمعز الا الثنى.

(فتاوى قاضى خان ج٩، ص ٢٤٥، فصل فيما يجوز فى الضحايا وما لا يجوز، كتاب الاضحيه)

اسی طرح بدائع الصنائع میں ہے:

وتقدير الاسنان بماقلنا لمنع النقصان لا لمنع الزيادة حتى لو ضحى بأقل من ذلك سنا لا يجوز ولو ضحى باكثر من ذلك يجوز ويكون افضل.

(بدائع الصنائع ج ٢، ص ٣٠١: كتاب التضحية دار الكتب العلمية.) والله اعلم.

کتبہ

محمد ندیم خان مداری مصباحی بیرم نگر بریلی

مدرس جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الاولیا مکن پور شریف کانپور

۲۱/ ذی القعدہ / ۱۴۱۴۳ھ، بروز: بدھ

والد کے انتقال کے بعد ان کے پالے ہوئے بکرے کی قربانی کا حکم

فقیہ الامت مفتی اعظم ابوالحماد محمد اسرافیل صاحب قبلہ دامت برکاتہ کی خدمت میں ایک سوال عرض ہے:

میرے والد محترم نے ایک بکرا پالا تھا اس ارادے سے کہ اس کی اللہ کی بارگاہ میں قربانی پیش کریں گے (جیسا کہ اپکو خبر ہے میرے والد محترم کا انتقال ہو گیا ہے خوش نصیبی یہ کہ نماز جنازہ آپ ہی نے پڑھائی تھی)۔ میرے والد محترم کے تین صاحبزادے ہیں منجھلے صاحبزادے اس وقت گھر کا تمام خرچہ اٹھا رہے ہیں۔ میرے سب سے بڑے بھائی کی معاشی حالت اتنی اچھی نہیں ہے اس لیے وہ خرچ کی ذمہ داری نہیں لے پائے اور میں یعنی اپنے والد کا تیسرا سب سے چھوٹا بیٹا بھی اپنے منجھلے بھائی کے ہی ساتھ رہتا ہوں میرا نان و نفقہ بھی منجھلے بھائی دیکھ رہے ہیں۔ اب آگے عید الاضحیٰ ارہی ہے جس میں ہمیں ایک جانور قربانی کے نام پر ذبح کرنا ہے۔

سوال یہ تھا کہ اس جانور کی قربانی کس کے نام پر کی جائے کیا اس جانور کی قربانی ہم اپنے والد صاحب کے نام پر کر سکتے ہیں؟ مولانا صاحب نے بتایا کہ قربانی زندوں پر واجب ہوتی ہے مردوں پر واجب نہیں ہوتی۔ تو لہذا پہلے اس کے نام پر قربانی کریں جو زندہ ہے اور جو دنیا سے چلا گیا ہے اس کے لیے الگ سے انتظام ہو۔ اس مسئلے میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔ آپ کی بے حد نوازش اور کرم ہو گا؟

سائل: محمد قاسم شاہ ابن مرحوم ڈاکٹر لیاقت علی شاہ بیسلپور ضلع پیلی بھیت

الجواب۔ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ، وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَمَنْ وَالَاهُ أَمَّا بَعْدُ:

قربانی ان مسلمانوں پر واجب ہے جو: عاقل ہوں، بالغ ہوں، مقیم ہوں، صاحبِ نصاب ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

" فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ " (سورۃ الکوثر:۲)

ترجمہ: پس تُو اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ كَانَ لَهُ سَعَةٌ وَلَمْ يُضَحِّ، فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا- (سُنَنُ ابْنِ مَاجَه، بَابُ الْأَضَاحِي، حَدِيْث: ٣١٢٣)

ترجمہ: جو وسعت رکھتا ہو اور قربانی نہ کرے، وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے۔

مذہبِ حنفی میں یہی راجح ہے کہ قربانی زندہ صاحبِ نصاب پر واجب ہے، میّت پر نہیں۔

الأُضْحِيَةُ عَنِ الْمَيِّتِ جَائِزَةٌ عَلَى سَبِيلِ التَّطَوُّعِ:

اگر میّت نے وصیت نہ کی ہو، تو بھی زندہ افراد اگر اپنی طرف سے میّت کے لیے نفل قربانی کریں تو جائز بلکہ باعثِ اجر وثواب ہے۔

قَالَ الإِمَامُ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى: وَالْأُضْحِيَةُ عَنِ الْمَيِّتِ جَائِزَةٌ، إِذَا تَطَوَّعَ بِهَا إِنْسَانٌ وَجَعَلَ ثَوَابَهَا لِلْمَيِّتِ. (الأَصْلُ لِلإِمَامِ مُحَمَّدٍ، ج٥، ص٢٨٠)

وَفِي "الْفَتَاوَى الْهِنْدِيَّةِ": وَإِنْ لَمْ يُوصِ، فَتَطَوَّعَ إِنْسَانٌ بِأُضْحِيَةٍ لَهُ، جَازَ أَيْضًا. (الْفَتَاوَى الْعَالِمْكِيْرِية، ج٥، ص٣٠٠)

جو بکرا والد مرحوم نے پالا تھا، اگر اس پر وصیت نہ کی گئی ہو تو وہ اب ترکہ شمار ہو گا، اور اس میں تمام ورثاء (بیٹے) شریک ہیں۔

فَإِنِ اتَّفَقَ الْوَرَثَةُ جَمِيعًا عَلَى أَنْ تُجْعَلَ الْأُضْحِيَةُ لِلْمَيِّتِ نَفْلًا، جَازَ ذٰلِكَ.

لیکن اگر کسی ایک بھائی نے اس بکرے کو اپنی کفالت واخراجات سے پالا ہو، تو اب وہی اس کا مالک ہے، اور قربانی کی نیت بھی اس کی ہو گی۔

صورتِ حال کے مطابق درج ذیل امور کی رعایت کی جائے:

- اگر بکرا اب منجھلے بھائی کی ملکیت میں ہے اور وہ صاحبِ نصاب بھی ہیں، تو ان پر قربانی واجب ہے۔
- ایسی صورت میں وہی اس جانور کی قربانی اپنی واجب قربانی کے طور پر کریں۔
- اگر وہ چاہیں تو بعد میں الگ جانور لے کر والد مرحوم کے لیے نفل قربانی کر سکتے ہیں۔
- اگر سب بھائی راضی ہوں کہ یہی جانور والد مرحوم کی طرف سے نفل قربانی کے طور پر کیا جائے تو یہ جائز اور باعثِ ثواب ہے، لیکن یہ واجب قربانی کے قائم مقام نہ ہو گی۔

واجب قربانی اور نفل قربانی میں نیت کا اعتبار بنیادی ہے۔ واجب قربانی کی نیت سے ذبح ہونے والا جانور نفل کے قائم مقام نہیں ہو سکتا، اور نفل قربانی واجب کو ساقط نہیں کرتی۔

قربانی زندہ صاحبِ نصاب پر واجب ہے، میت پر نہیں۔

اگر مرحوم والد کی طرف سے نفل قربانی کرنی ہو، تو ورثاء کی رضامندی سے جانور نفلی طور پر ان کی نیت سے ذبح کیا جا سکتا ہے۔

اگر جانور کسی ایک کی ملکیت میں اچکا ہو اور وہ صاحبِ نصاب ہو تو وہ اپنی طرف سے واجب قربانی کرے، یہی افضل و مقدم ہے۔

بعد ازاں استطاعت ہو تو والد مرحوم کے لیے نفل قربانی کر کے ایصالِ ثواب کیا جائے۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِالصَّوَاب.

کتبـــــــ

کہ جانوروں میں اصل یہ ہے کہ وہ عیوب فاحشہ یعنی اتنا واضح عیب جو اس کی قیمت میں کمی کا باعث ہو تو اس کی قربانی درست نہیں ہے مثلا کوئی جانور کانا ہے اور اس کا کانا پن بالکل ظاہر ہے تو اس کی قربانی درست نہیں ہے ایسے ہی جانور کا کوئی عضو ایک تہائی سے زیادہ عیب دار ہو تو اس کی بھی قربانی جائز نہیں ہے۔

جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

" فهو ان يكون سليما من العيوب الفاحشة.....ولا تجوز العمياء والعوراء البين عورها الخ. . ."

اسی طرح ہندیہ ہی میں ہے:

"ولوذهب بعض هذه الأعضاء دون بعض من الاذن والاليله والذنب والعين ذكر فى الجامع الصغير ان كان الذاهب كثيرا يمنع التضحية وان كان يسيرا يميع وفى الجامع انه اذا كان ذهب الثلث او اقل جاز وان كان اكثر لايجوز. والصحيح ان الثلث وما دونه قليل وما زاد عليه كثير وعليه الفتوى كذا فى فتاوى خان"

(فتاوى هنديه، ج:٥، ص:٣٦٨ كتاب الاضحية/ باب بيان محل اقامة الواجب؛ دارالكتب العلمية)

اسی طرح محیط برہانی میں ہے:

"ولا تجزئ الجدعاء وهي مقطوع الانف"

(المحيط البرهاني في الفقه النعماني،ج٦، ص:٩٢/ كتاب الأضحية دارالكتب العلميه)

مرقاۃ المفاتیح میں ہے:

"حاصل المذهب أنه لا يجوز مقطوع الأذن كلهاأوأكثرها ولا مقطوع النصف خلاف التي لااذن لهاخلقة ولا مقطوع الذنب والأنف والآلية ويعتبر فيه مايعتبر في الاذن الخ" (مرقاة المفاتيح شرح مشكاه المصابيح، ج٣، ص:٥١٦/ كتاب الصلاة باب في الاضحية، دارالكتب العلميه بيروت) والله اعلم بالصواب.

كتبـــــــ

وطن سے دور رہنے والے کی قربانی کا حکم

السلام علیکم ورحمة الله و برکاته

کیا فرماتے علمائے کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مصر برطانیہ یا امریکہ وغیرہ میں جو شخص قیام پزیر ہے وہ اپنی قربانی ہندوستان کے کسی شہر میں کرا سکتا ہے یا نہیں ؟اگر کرائے تو جانور کا دام وہاں کی قیمت کے اعتبار سے دے یا یہاں کی قیمت کے لحاظ سے بھی اور قربانی کے لئے وہاں کے وقت کا اعتبار ہوگا یا یہاں کے ؟

سائل۔ابوالفضیل مشربی مداری بیرم نگر میرگنج بریلی

الجواب

وعلیکم السلام ورحمة الله و برکاته

مصر برطانیہ یا امریکہ میں جو شخص قیام پزیر ہے وہ اپنی قربانی ہندوستان کے کسی شہر میں کرائے تو اس کی قربانی درست ہے البتہ اس میں یہ ضروری ہے کہ قربانی مصر برطانیہ یا امریکہ اور ہندوستان کے مشترکہ ایام میں ہو یعنی جس دن قربانی کی جائے وہ ان ممالک کے قربانی کے مشترکہ ایام میں سے ہو ورنہ درست نہیں ہوگی بایں طور کہ مصر برطانیہ یا امریکہ میں ہندوستان سے پہلے قمری ماہ کی ابتدا ہو جاتی ہے ان ممالک میں سبب وجوب (قربانی کے ایام) پہلے پایا گیا اس سبب وجوب کا قربانی کرنے والے کی جگہ میں بھی پایا جانا ضروری ہے مثلا، مصر یا برطانیہ یا امریکہ میں ۱۲/ تاریخ کو قربانی کی اخری تاریخ ہے اور ہندوستان میں ۱۱/ یا ۱۲/ تاریخ ہے تو قربانی صحیح ہے۔ نیز جہاں جانور خریدا جائے گا وہاں کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

جیسا کہ بدائع الصنائع میں ہے:

و أما وقت الوجوب فايام النحر فلا تجب قبل دخول الوقت لأن الواجبات المؤقتة لا تجب قبل أوقاتها كالصلاة والصوم و نحوها و ايام النحر ثلاثة.

(بدائع ج ٦ ص ٦٨٥ كتاب التضحيّة فصل فی وقت الوجوب / دارالكتب العلميه)

بحر الرقائق میں ہے:

"والمعتبر مكان الاضحية لامكان المضحى و سببها طلوع فجر يوم النحر و ركنها ذبح ما يجوز ذبحه" (البحر الرقائق ج ٨ ص ٣١٧ كتاب الاضحيّة دارالكتب العلميه)

اور فتح القدیر میں ہے:

"ان سبب وجوب الاضحيّة الوقت و هو ايّام النحر"

(فتح القدير ج ٩ ص ٥١٩ كتب الاضحيّة دارالكتب العلمية)

بدائع الصنائع میں دوسری جگہ مزید وضاحت کے ساتھ یہ ہے کہ:

" و أما الذى يرجع الى وقت التضحيّة فهو انها لا تجوز قبل دخول الوقت لأن الوقت كما هو شرط الوجوب فهو شرط جواز اقامة الواجب كوقت الصلاة فلا يجوز الاحدان يضحى قبل طلوع الفجر اثانى من اليوم الاول من النحر "

(بدائع الصنائع ج ٦ فصل اما بيان ما يرجع الى وقت التضحيّة ص ٣٠٨،دارالكتب العلميه) والله اعلم.

كتبـــــــ

راجح ہے جیسا کہ رد المحتار میں ہے:

وإن تبرع بها عنه له الأكل،لأنه يقع على ملك الذابح والثواب للميت،ولهذا لو كان على الذابح واحدة سقطت عنه أضحية كما فى الأجناس،قال الشرنبلالى: لكن فى سقوط الأضحية عنه تأمل،أقول صرح فى فتح القدير فى الحج عن الغير بلا أمر أنه يقع عن الفاعل فيسقط به الفرض عنه وللآخر الثواب فراجعه.اهـ

(رد المحتار،كتاب الأضحية،ج:٩،ص:٤٨٤،دار عالم الكتب رياض)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

و لو ضحى عن ميت من مال نفسه بغير أمر الميت جاز،و له أن يتناول منه،و لا يلزمه أن يتصدق به لأنها لم تصر ملكا للميت بل الذبح حصل على ملكه و لهذا لو كان على الذابح أضحية سقطت عنه" (الفتاوى الهندية،ج:٩،ص:٢٤٨،كتاب الأضحية،دار الفكر بيروت)

اسی طرح فتاوی ولوالجیہ، فتاوی قاضی خان، فتاوی تاتارخانیہ وغیرہ میں تحریر ہے۔

کتبـــــــ

اسلام کو ناپاکیوں، الائشوں، گندگیوں اور ہر قسم کی بدبو کی چیزوں سے پاک وصاف رکھا جائے گا۔

اسلام کے غلبہ پانے کے بعد سے اب تک مذہب اسلام میں یہی ہوتا چلا آیا ہے۔ جب حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے لیے خانہ کعبہ کی مقررہ جگہ کی طرف ہدایت کی گئی تو انہیں بھی یہ حکم دیا گیا کہ "اللہ تعالیٰ کی ذات وہ صفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اور میرے گھر کے طواف کرنے والوں اور عبادت میں قیام کرنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لیے میرے گھر کو پاک صاف رکھنا۔ چنانچہ سورہ الحج میں آیت نمبر ۲۶/ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآىِٕفِيْنَ وَ الْقَآىِٕمِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ"
[الحج:۲۶،۲۷]

ترجمہ: اور جب میں نے ابراہیم کے لیے خانہ کعبہ کی جگہ مقرر کر دی تو انہیں حکم دیا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اور میرے گھر کو پاک وصاف رکھنا طواف کرنے والوں کے لیے اور میری عبادت میں قیام وقعود رکوع وسجود کرنے والوں کے لیے۔

اور لوگوں میں حج کیلئے عام پکار لگاؤ! تیرے پاس پیدل آئیں گے اور ہر سواری پر آئیں گے جو ہر جہت سے دور کی راہ سے آتی ہوں گی۔ نیز سورۃ البقرۃ میں ہے:

"وَ عَهِدْنَآ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآىِٕفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ"
(سورۃ البقرۃ:۱۲۵)

کہ ہم نے ابراہیم و اسماعیل سے وصیت کر رکھی ہے کہ میرے گھر کو پاک رکھو طواف کرنے والوں، اعتکاف میں بیٹھنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لئے۔

صحیح مسلم کتاب المساجد میں ہے کہ حضرت سلیمان ابن بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی اولاد سے روایت کرتے ہیں:

عن سليمان ابن بريده عن ابيه ان رجلا نشد في المسجد فقال من دعا الى الجمل الاحمر فقال النبي صلى الله عليه وسلم لا وجدت انما بُنِيتِ المساجدُ لما بنيت له.

ترجمہ: کہ ایک آدمی نے مسجد میں اواز لگائی کہ میرا سرخ اونٹ کون لے گیا ہے؟ اس وقت نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تجھے وہ نہ ملے کیونکہ مسجدیں انہی کاموں کے لیے ہیں جن کے لیے وہ بنائی گئی ہیں (یعنی گمشدہ چیزوں کی تلاش وہ اعلان کے لیے مسجدیں نہیں بنائی گئی ہیں)۔

اس کی شرح میں امام نووی لکھتے ہیں:

وقوله صلى الله عليه وسلم انما بنيت المساجد لما بنيت له معناه لذكر الله تعالى والصلاة والعلم والمذاكرة في الخير نحوها.

یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد کہ مسجدیں انہی کاموں کے لیے ہوتی ہیں جن کے لیے بنائی گئی ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ مساجد اللہ تعالیٰ کے ذکر، نمازوں کی ادائیگی، علم اور بھلائی کے مذاکرے و بیانات کے لیے بنائی گئی ہیں تو ان میں ایسا کوئی کام ہر گز ہر گز نہ کیا جائے جس سے ان مذکورہ کاموں میں رکاوٹ یا حرج پیدا ہو۔

حضرت عبد اللہ ابن حضرت عبد اللہ ابن عمر الفاروق رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری شریف میں ایک حدیث شریف مروی ہے کہ جو شخص لہسن کھائے ہو اسے ہماری مسجد میں ہر گز نہ آنا چاہیے:

عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما ان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال في غزوة خيبر من اكل من هذه الشجرة يعني الثوم فلا يقربن مسجدنا .

(صحیح بخاری، مسلم و ترمذی و نسائی و عامۃ کتب الاحادیث)

یعنی حضرت سیدنا عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ والہ وسلم نے جنگ خیبر کے موقع پر ایک دن ارشاد فرمایا کہ جو شخص کچا لہسن کھایا ہو اس کو ہر گز ہماری مسجد میں اس وقت تک نہیں آنا چاہیے۔

کیونکہ کچا لہسن یا پیاز اور مولی کھانے کے بعد منہ سے بدبو نکلتی ہے اس لیے اسے کھا کر مسجد میں اس وقت تک نہ آئے کیونکہ اس بدبو سے دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے۔

ایک اور حدیث شریف صحیح مسلم شریف میں ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من اكل من هذه الشجرة فلا يقربن مسجدنا ولا يوذينا بريح الثوم .

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اس لہسن کو کھائے ہو اہو اسے ہماری مسجدوں میں نہیں آنا چاہیے نہ ہمیں اس سے کی بدبو سے تکلیف دینا چاہیے۔

اس قسم کی متعدد احادیث و مختلف الفاظ کے ساتھ صحاح ستہ میں مذکور ہیں اس لیے مسجدوں میں ہر گز ہر گز جانور باندھنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے۔ اور اس میں یا صحن مسجد میں قربانی کی اجازت بھی ہر گز ہر گز نہیں دی جاسکتی ہے۔ مسجدوں میں قربانی کرنے سے ناپاک خون لید گوبر اور الائش سے مسجدیں ناپاک ہوں گی، بدبو پھیلے گی، مسجدوں کا تقدس پائمال ہو گا، نماز عبادات ذکر و اذکار میں خلل واقع ہو گا، فرشتوں کے مسجدوں میں آنے جانے میں رکاوٹ پیدا ہو گی۔ اس لیے مسجدوں میں یا مسجدوں کے صحنوں میں یا وضو خانوں میں قربانی کرنا ،ذبیحہ کرنا، ناجائز و ممنوع ہے۔ ایسا کرنا رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو بھی تکلیف پہنچانا ہے جو سخت گناہ عظیم ہے۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلّم نے متعدد احادیث کریمہ میں مسجدوں سے گندگی اور کوڑا کرکٹ صاف کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کی بڑی فضیلت بیان کی ہے چنانچہ ارشاد ہے:

(۱)... حضرت ابو قرصافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "مسجدیں تعمیر کرو اور ان سے کوڑا کرکٹ نکالو، پس جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنائے گا اور اس سے کوڑا کرکٹ نکالنا حورِ عین کے مہر ہیں۔

(معجم الکبیر، مسند جندرة بن خیشنة، ۳ / ۱۹، الحدیث: ۲۵۲۱)

(۲)... حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسولِ کریم صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا "جس نے مسجد سے اذیّت دینے والی چیز (جیسے مٹی، کنکر) نکالی تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنائے گا۔

(ابن ماجه، کتاب المساجد والجماعات، باب تطهیر المساجد وتطییبها، ۱ / ٤١٩، الحدیث: ۷۵۷)

(۳)... حضرت عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں: ایک عورت مسجد سے تنکے اٹھایا کرتی تھی، اس کا انتقال ہو گیا اور حضور اقدس صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کو اسے دفن کرنے کی اطلاع نہ دی گئی تو آپ نے ارشاد فرمایا "جب تم میں کسی کا انتقال ہو جائے تو مجھے اطلاع دے دیا کرو، پھر آپ صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے اس عورت پر نماز پڑھی اور فرمایا "میں نے اسے جنت میں دیکھا ہے کیونکہ وہ مسجد سے تنکے اٹھایا کرتی تھی۔

(معجم الکبیر، عکرمة عن ابن عباس، ۱۱ / ۱۹۰، الحدیث: ۱۱۶۰۷) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

مجنون مالک نصاب ہے تو اس پر قربانی واجب ہے یا نہیں ؟

السائل: محمد فیضان

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب

مجنون کا حکم بچے کی طرح ہے جس طرح چھوٹے بچے پر قربانی واجب نہیں ہے اسی طرح مجنون پر بھی قربانی واجب نہیں ہے، ہاں اگر مجنون ایسا ہے کہ اسے کبھی افاقہ ہو جاتا ہے تو اس کی حالت کا اعتبار ہے اگر وہ ایام نحر میں افاقے سے ہو تو اس پر قربانی واجب ہے مالک نصاب ہونے کی صورت میں ورنہ نہیں۔ جیسا کہ بحر الرائق میں ینابیع کے حوالے سے ہے:

والمعتوه والمجنون بمنزلة الصبي والذي يجن ويفيق كالصحيح. اور کافی کے حوالے سے ہے:الأصح أنه لا يجب ذلك وليس للأب أن يفعله من مال الصغير. اور آگے ہے: والفتوى على أنه لا يجب عليه. (بحر الرائق، ج:٨، ص:١٩٩، كتاب الأضحية، دار الكتاب الاسلامی)

اور رد المحتار میں ہے: ومثله المجنون. اور اسی میں ہے:(على الظاهر) قال في الخانية فهو كالصحيح إلا أن يحمل على أنه يجن ويفيق في أيام النحر.

(رد المحتار، ج: ٩، ص:٤٥٨، كتاب الأضحية، دار عالم الكتب الرياض)

كتبه

محمد ندیم خاں مصباحی
المتدرب علی الافتاء بالجامعۃ الاشرفیہ
٢٧/١١/١٤٤٠ھ

قربانی کے جانور میں ولیمہ اور عقیقہ کی شرکت

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب

قربانی کے جانور میں ولیمہ اور عقیقہ کی شرکت صحیح ہے، اس لئے کہ قربانی میں اصل یہ ہے کہ وہ تقرب

الی اللہ کے لیے ہو اور چوں کہ عقیقہ میں لڑکے یا لڑکی کی پیدائش پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جاتا ہے اسی طرح ولیمہ میں بھی نعمت نکاح پر اللہ رب العزت کا شکر ادا کیا جاتا ہے یا سنت کو زندہ کرنے کے لیے یہ عمل انجام دیا جاتا ہے اور یہ تقرب الی اللہ ہے۔ جیسا کہ بدائع الصنائع میں ہے:

وكذلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد ولد له من قبل؛ لأن ذلك جهة التقرب إلى الله تعالى - عز شأنه - بالشكر على ما أنعم عليه من الولد... وينبغي أن يجوز؛ لأنها إنما تقام شكرا لله تعالى -عز شأنه - على نعمة النكاح وقد وردت السنة بذلك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال «أولم ولو بشاة» فإذا قصد بها الشكر أو إقامة السنة فقد أراد بها التقرب إلى الله - عز شأنه — (بدائع الصنائع، ج:٦، ص:٣٠٦، كتاب التضحية)

کتبـــــــ

عن البراء بن عازب رفعه قال: «لا يضحى بالعرجاء بين ظلعها»، ولا بالعوراء بين عورها، ولا بالمريضة بين مرضها، ولا بالعجفاء التي لا تنقى.

(ترمذی شریف، ج:٤، ص: ٨٥، الرقم: ١٤٩٧، أبواب الأضاحي / باب ما لا يجوز من الأضاحي، مكتبه مصطفى مصر)

ایسے ہی قربانی کا جانور یعنی اونٹ پانچ سال سے کم عمر کا ہو، گائے یا بھینس دو سال سے کم عمر، بکری ایک سال سے کم عمر اور دنبہ چھ ماہ سے کم عمر کا ہو تو اس کی قربانی بھی ناجائز ہے، جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

عن جابر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تذبحوا إلا مسنة. إلا أن يعسر عليكم، فتذبحوا جذعة من الضأن.

(مسلم شریف، ج: ٢، ص:، كتاب الأضاحي / باب سن الأضحية، رقم: ١٩٦٣، ط. مجلس بركات)

اسی طرح جس جانور کے کان کا اگلا حصہ کٹا ہو یا کان کے پیچھے کا حصہ کٹا ہو یا کان ہی پھٹا ہوا ہو یا کان میں سراخ ہو یعنی وہ عضو تہائی سے زیادہ کٹا ہو اس کی قربانی بھی حضور اکرم ﷺ نے ناجائز قرار دی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

عن شريح بن النعمان - وكان رجل صدق - عن علي، قال: أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نستشرف العين والأذن، ولا نضحي بعوراء، ولا مقابلة، ولا مدابرة، ولا خرقاء، ولا شرقاء، قال زهير: فقلت لأبي إسحاق: أذكر عضباء؟ قال: لا، قلت: فما المقابلة؟ قال: يقطع طرف الأذن، قلت: فما المدابرة؟ قال: يقطع من مؤخر الأذن، قلت: فما الشرقاء؟ قال: تشق الأذن، قلت: فما الخرقاء؟ قال: تخرق أذنها للسمة.

(ابو داؤد شریف، ج:٣، ص: ٩٧، كتاب الضحايا، رقم الحديث: ٢٨٠٤، المكتبة العصرية بيروت)

ایسے ہی سینگ ٹوٹے ہوئے جانور کی قربانی جب کہ مغز تک ٹوٹا ہوا ہو ناجائز ہے۔ اور ایسے ہی پیر کٹے ہوئے جانور کی قربانی کا حکم ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

إنما نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن المصفرّة والمستأصَلَةِ والبَخْقَاء والمُشَيّعةِ والكُسْرَاء. فالمصفرة التي تستأصل أذنها حتى يبدو صماخها، والمستأصلة التي يستأصل قرنها من أصله، والبخقاء التي تبخق عينها، والمشيعةالتي لا تتبع الغنمَ، عجفا وضعفا، والكسراء الكسيرة.

(ابو داؤد، ج: ٣، ص: ٩٧، كتاب الضحايا، الرقم: ٢٨٠٣، المكتبة العصرية بيروت)

جس جانور کی ناک کٹی ہو یا ہونٹ کٹا ہو، دم کٹی ہو یا سرین تہائی سے زیادہ کٹی ہو تو اس کی قربانی بھی ناجائز ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

عن علي قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يضحى بمقابلة أو مدابرة أو شرقاء أو خرقاء أو جدعاء .

(سنن ابن ماجه، كتاب الاضاحى، ج:٢، ص: ١٠٥٠ ، باب ما يكره ان يضحى به، رقم: ٣١٤٢، دار احياء الكتب العربية)

دوسری حدیث شریف میں ہے:

عن علي، قال: أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نستشرف العين، والأذن وأن لا نضحى بمقابلة ولا مدابرة ولا بتراء ولا خرقاء. (سنن نسائی، كتاب الضحايا / المقابلة وهى ما قطع طرف اذنها، ج:٢، ص: ٢١٦، الرقم: ٤٣٧٢، ط. المطبوعات الاسلامية حلب)

کتبـــــــ

لسان العرب (لابن منظور) میں ہے:

"الجاموسُ: ضربٌ من البقر، معروف، يكون في البَرِّ والنَّهْرِ"

(لسان العرب، ماده: ج م س)

ترجمہ: جاموس گائے کی ایک قسم ہے، جو معروف ہے، اور خشکی وپانی دونوں میں پائی جاتی ہے۔

اس تعریف سے واضح ہوتا ہے کہ عربی زبان میں "جاموس" کو گائے (بقر) کی ایک قسم شمار کیا گیا ہے۔

القاموس المحیط (فیروزابادی میں ہے):

"الجامُوس: حيوانٌ معروفٌ من البَقَر، أَهْلِيٌّ وبَرِّيٌّ" (القاموس المحيط، ماده: ج م س)

ترجمہ: جاموس ایک معروف جانور ہے، جو گائے کی قسم سے ہے، اور وہ پالتو اور جنگلی دونوں قسم کا ہوتا ہے۔

تاج العروس میں ہے (للزبیدی البلغرامی):

"الجامُوسُ: حيوانٌ معروفٌ من البَقَرِ، مُشْتَقٌّ من جَمَسَ فِي الْمَاءِ إذا غَاصَ فِيهِ"

(تاج العروس، ماده: ج م س)

ترجمہ: جاموس گائے کی ایک معروف قسم ہے، اور اس کا نام "جَمَسَ" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں: پانی میں غوطہ لگانا، کیونکہ بھینس عام طور پر پانی میں رہتی ہے۔

المعجم الوسیط (مجمع اللغة العربية میں ہے)

"جاموس: حيوان لبون من البقر، ضخم الجسم، يربى لأخذ اللبن واللحم."

(المعجم الوسيط، ص: ١٣٣)

ترجمہ: جاموس دودھ دینے والا ایک جانور ہے، جو گائے کی قسم سے ہے، جس کا جسم بڑا ہوتا ہے، اور اسے دودھ اور گوشت کے لیے پالا جاتا ہے۔

قرآن وسنت سے دلائل

حکم عمومِ قرآنی:

"لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللهِ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ" (سورۃ الحج:۳۴)

ترجمہ: تاکہ وہ ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے ان کو بطور رزق عطا کیے ہیں، انعام میں سے۔

بہیمۃ الانعام کا اطلاق قرآن میں گائے، بیل، بکری، دنبہ، اونٹ، اور ان کی اقسام پر ہوتا ہے۔ بھینس

بھی گائے کی جنس سے ہے، اسی لیے عربی میں اسے "جاموس" کہا جاتا ہے، جو گائے کے مشابہ ہے۔

الجاموس (بھینس) کی حقیقت علمائے اصول و مفسرین کے نزدیک:

الجاموس کا حقیقتاً بقر (گائے) سے ہونا

علامہ ابنِ قدامہ حنبلی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

" وَيُجْزِئُ الْجَامُوسُ، لِأَنَّهُ مِنْ جِنْسِ الْبَقَرِ، فَأَخَذَ حُكْمَهُ، كَالضَّأْنِ وَالْمَعْزِ."

(المغني لابن قدامة، ج ٩، ص ٤٤٩)

ترجمہ: "بھینس کی قربانی جائز ہے، کیونکہ وہ گائے کی جنس سے ہے، پس اس نے گائے کا ہی حکم لیا، جیسے دنبہ اور بکری۔"

تفسیر میں بھینس کا حکم "بقر" کے تحت انا:

امام فخر الدین الرازی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

"قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ﴾، يَدْخُلُ فِيهِ الْبَقَرُ وَالْجَامُوسُ، لِأَنَّ الْجَامُوسَ نَوْعٌ مِنَ الْبَقَرِ." (مفاتيح الغيب (التفسير الكبير)، الرازي، تحت آية: الحج ٣٤)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کا فرمان 'بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ' میں گائے اور بھینس دونوں داخل ہیں، کیونکہ بھینس گائے کی ایک قسم ہے۔"

امام القرطبی مالکی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

" قَوْلُهُ تَعَالَى ﴿لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ﴾... فَيَدْخُلُ فِيهَا الْبَقَرُ وَالْجَامُوسُ، فَإِنَّهُمَا فِي الْحُكْمِ سَوَاءٌ." (الجامع لأحكام القرآن، القرطبي، تفسير آية: الحج ٣٤)

ترجمہ: "اللہ کے اس قول میں (انعام میں) گائے اور بھینس دونوں داخل ہیں، کیونکہ ان دونوں کا شرعی حکم ایک ہی ہے۔"

علامہ شوکانی جو علمائے اہلحدیث کے نزدیک معتبر سمجھے جاتے ہیں رقم کرتے ہیں):

" الْجَامُوسُ هُوَ مِنَ الْبَقَرِ، فَيَجُوزُ الْأَضْحِيَةُ بِهِ كَمَا تَجُوزُ بِالْبَقَرِ."

(نيل الأوطار، للشوكاني، ج ٥، ص ١٤٤)

ترجمہ: "بھینس گائے میں سے ہے، اس لیے اس کی قربانی اسی طرح جائز ہے جیسے گائے کی قربانی۔"

جاموس (بھینس) کا جواز آثار صحابہ سے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آتا ہے:

"كانُوا يُضحُّونَ بالبَقَرِ والجَوامِيسِ"

(دیکھیں: [فتاویٰ اہلحدیث، عبد اللہ روپڑی]، نیز آثار الصحابہ میں بھی یہ روایت موجود ہے۔)

ترجمہ: "وہ لوگ گائے اور بھینسوں کی قربانی کیا کرتے تھے۔"

آثار صحابہ رضی اللہ عنہم میں جاموس (بھینس) کی قربانی کا جواز واضح طور پر ملتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے منقول روایات سے یہ بات بالکل روشن ہے کہ بھینس کو گائے (بقر) کی ایک قسم سمجھا گیا اور اس کی قربانی کو جائز قرار دیا گیا۔

ذیل میں آثار صحابہ سے مصادر و حوالہ جات بیان کیے جا رہے ہیں:

اثر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما:

" عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، أَنَّهُ قَالَ: الْجَامُوسُ مِنَ الْبَقَرِ، تُجْزِئُ عَنْ سَبْعَةٍ فِي الْأُضْحِيَةِ. " (ابن أبي شيبة، المصنف، ج ٥، ص ١٠١، رقم: ١٣٧٠٨)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "جاموس گائے کی قسم ہے، اور قربانی میں سات افراد کی طرف سے کافی ہو سکتی ہے۔"

اس اثر سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جاموس کو بقر کی قسم شمار کرتے تھے اور اس کی قربانی کو اجزائے قربانی میں معتبر مانتے تھے۔

اثر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

" أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، كَانَ يَجْعَلُ الْجَامُوسَ مِنَ الْبَقَرِ، وَيَرَى الْأُضْحِيَةَ بِهِ. "

(ابن رشد، البيان والتحصيل، ج ٣، ص ٣٣٩، مرسلاً مروى عن علي كرم الله وجهه)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ جاموس کو بقر میں شمار فرماتے اور اس کی قربانی کو جائز سمجھتے تھے۔

اگرچہ یہ روایت مرسل ہے، مگر فقہاء نے اسے قابلِ حجت مانا ہے کیونکہ اس کے مطابق عمل جمہور فقہاء کا ہے۔

اثر تابعین سے دلیل:

مشہور تابعی حضرت امام مجاہد رحمہ اللہ (، شاگرد ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما):

" قَالَ مُجَاهِدٌ: الْجَامُوسُ هُوَ مِنَ الْبَقَرِ، وَلَهُ حُكْمُهُ فِي كُلِّ شَيْءٍ.

(نقله القرطبي فی تفسیره، ج ١٢، ص ٣٨ (تحت آية: ﴿بَهِيمَةِ الأَنْعَامِ﴾)

ترجمہ: امام مجاہد رحمہ اللہ نے کہا: "جاموس بقر ہی میں سے ہے، اور ہر حکم میں وہی درجہ رکھتا ہے۔"

خلاصۂ آثار:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضرت علی کرم اللہ وجھہ اور تابعین کرام جیسے امام مجاہد وغیرہ نے جاموس (بھینس) کو بقر (گائے) کی ایک قسم قرار دیا ہے۔

ان آثار صحابہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ:

"جاموس کی قربانی کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جائز اور کافی سمجھتے تھے"۔

اہم فقہی قاعدہ ہے:

" قولُ الصحابي حجةٌ إذا لَمْ يُخَالِفْهُ غَيْرُه مِنَ الصَّحَابَةِ."

(جب صحابی کا قول کسی دوسرے صحابی کے خلاف نہ ہو تو وہ حجت ہوتا ہے)

اور یہاں کسی بھی صحابی سے اس کے خلاف اثر موجود نہیں، لہٰذا ان اقوال سے جاموس کی قربانی کے جواز پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عملی اجماع بھی مستفاد ہوتا ہے۔

علامہ ابن قدامہ (حنبلی فقیہ) فرماتے ہیں:

"ويجزئ الجاموس لأنه من جنس البقر"

(المغنی، جلد ١٣، ص ٣٦٦)

ترجمہ: "بھینس کی قربانی جائز ہے کیونکہ وہ گائے کی جنس سے ہے۔"

جی ہاں، فقہاءِ شوافع اور فقہاءِ مالکیہ کے نزدیک جاموس (بھینس) کا حکم گائے (بقر) کے حکم کے مثل ہے۔ دونوں مذاہب کے فقہاء نے بھینس کو گائے کی جنس قرار دے کر اس کی قربانی کو جائز و مشروع کہا ہے۔

فقہائے شوافع کے نزدیک "جاموس" (بھینس) کا حکم:

امام نووی الشافعی المجموع شرح المہذب میں فرماتے ہیں:

" وَأَمَّا الْجَامُوسُ فَهُوَ نَوْعٌ مِنَ الْبَقَرِ، فَيُجْزِئُ فِي الْأُضْحِيَّةِ بِاتِّفَاقِ الصَّاحِبَيْنِ."
(المجموع شرح المهذب، ج ٨، ص ٣٩٢)

ترجمہ: رہا مسئلہ بھینس کا، تو وہ گائے کی ایک قسم ہے، اس لیے قربانی میں اس کا جانور دینا دونوں شافعی شُرَاح کے اتفاق سے جائز ہے۔

امام رَمْلِي الشافعي نہایۃ المحتاج میں فرماتے ہیں:

" وَيَلْحَقُ بِالْبَقَرِ الْجَامُوسُ لِأَنَّهُ مِنْ نَوْعِهِ، فَيُجْزِئُ فِي الْأُضْحِيَّةِ."
(نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج، الرملي، ج ٨، ص ١٣٤)

ترجمہ: بھینس کو گائے میں ملحق کیا جائے گا کیونکہ وہ اسی کی نوع میں سے ہے، لہٰذا اس کی قربانی جائز ہے۔

فقہاءِ مالکیہ کے نزدیک "جاموس" (بھینس) کا حکم:

علامہ الدسوقی المالکی (حاشیہ الدسوقی میں لکھتے ہیں:

" وَالْجَامُوسُ كَالْبَقَرِ فِي الْأُضْحِيَّةِ، لِأَنَّهُ مِنْ جِنْسِهِ وَيَجُوزُ التَّضْحِيَةُ بِهِ".
(حاشية الدسوقي على الشرح الكبير، ج ٢، ص ١٢١)

ترجمہ: بھینس قربانی میں گائے کے حکم میں ہے، کیونکہ وہ اسی کی جنس سے ہے، اور اس کی قربانی جائز ہے۔

الخرشي المالكي (شرح مختصر خلیل میں فرماتے ہیں:

" وَالْجَامُوسُ يَأْخُذُ حُكْمَ الْبَقَرِ فِي جَمِيعِ الْمَسَائِلِ، وَمِنْهَا الْأُضْحِيَّةُ."
(شرح خليل للخرشي، ج ٣، ص ١٣٧)

ترجمہ: بھینس ہر مسئلے میں گائے کے حکم کو اختیار کرتی ہے، اور ان مسائل میں قربانی بھی شامل ہے۔

فقہاء کا اجماع اور اقوال"

حنفی فقہاء:

تمام حنفی فقہاء بھینس کی قربانی کو جائز کہتے ہیں، کیونکہ وہ گائے کی جنس سے ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"والجاموسُ يلحق بالبقرِ في الأضحيةِ." (فتاویٰ عالمگیری، جلد ٥ ص:٢٩٨)

ترجمہ: "بھینس کو قربانی میں گائے کے ساتھ ملحق کیا جائے گا۔"

الحاصل: فقہاءِ احناف کے نزدیک جاموس (بھینس) کی قربانی بالکل جائز اور مشروع ہے، کیونکہ وہ بقر

(گائے) کی جنس میں شامل ہے۔ فقہ حنفی کے معتمد مصادر اور اکابر ائمہ کے اقوال اس بات پر شاہد ہیں کہ "الجاموس، البقر" کی ہی ایک نوع ہے، اور قربانی میں اس کا وہی حکم ہے جو بقر کا ہے۔"

الدر المختار مع رد المحتار میں ہے:

" (وَيُجْزِئُ الْجَامُوسُ) فِي الْأُضْحِيَةِ، لِأَنَّهُ مِنْ نَوْعِ الْبَقَرِ. "

(الدر المختار مع رد المحتار، ج ٦، ص ٣١٨)

ابن عابدین علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

قَالَ فِي الْبَحْرِ: إِنَّهُ مُجْمَعٌ عَلَىٰ ذَلِكَ.

ترجمہ: بھینس کی قربانی جائز ہے، کیونکہ وہ گائے کی قسم ہے۔

ابن عابدین کہتے ہیں: بحر الرائق میں ہے کہ اس پر اجماع ہے۔

شرح الوقایۃ میں صدر الشریعہ فرماتے ہیں:

" وَالْجَامُوسُ يَجُوزُ فِي الْأُضْحِيَةِ، لِأَنَّهُ مِنْ جِنْسِ الْبَقَرِ. " (شرح الوقاية، ص ٣٨٤)

ترجمہ: بھینس کی قربانی جائز ہے، کیونکہ وہ گائے کی جنس سے ہے۔

شافعی فقہاء:

شافعیہ کے نزدیک بھی بھینس قربانی کے جانوروں میں شامل ہے۔ جیسا کہ علامہ نووی نے فرمایا

"والجاموس كبقرة في الحكم" (المجموع، امام نووی)

حنابلہ اور مالکیہ:

ان کے نزدیک بھی بھینس گائے کے حکم میں شامل ہے اور اس کی قربانی جائز ہے۔

جدید اہلحدیث علماء میں اختلاف:

بعض اہلحدیث علماء (مثلاً عبد الرحمن مبارکپوری، ناصر الدین البانی وغیرہ) نے بھینس کی قربانی کو محل نظر قرار دیا، لیکن ان کے دلائل بے حد کمزور ہیں، کیونکہ:

ان کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بھینس کی قربانی کا ثبوت نہیں، اس لیے وہ جائز نہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ شرعی اصول یہ ہے کہ اگر کسی چیز کی نفی کے لیے دلیل نہ ہو، تو وہ اباحتِ اصلیہ پر

باقی رہے گی۔ جبکہ بھینس چونکہ گائے کی جنس سے ہے، اور گائے کی قربانی مشروع ہے، لہٰذا بھینس بھی اس میں داخل ہے۔

"الأصل في الأشياء الإباحة حتى يدل الدليل على التحريم"

سائنسی وحیواناتی پہلو:

ماہرینِ حیوانات کے مطابق بھینس گائے کی نسل سے ہے، صرف کچھ ظاہری فرق ہیں، جیسے رنگ اور، جسم وغیرہ میں۔ اس لیے شرعاوہ گائے کے حکم میں داخل ہے۔

غرضیکہ بھینس کی قربانی کرنا قرآن کے عموم میں داخل ہے، سنت اور صحابہ کے آثار سے ثابت ہے، تمام مذاہبِ اربعہ (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) کے نزدیک جائز ہے اور شرعی اصولوں کے مطابق مباح و مشروع ہے۔ چند اہلحدیث علماء کی رائے، جمہور کے مقابلے میں شاذ ہے اور ناقابلِ قبول ہے۔ هذا ما ظهر لی و العلم عند ربی وهو اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

لے تو ایسی صورت میں زید سے قربانی کا فریضۂ وجوب ساقط ہو جائے گا، دوسری قربانی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر قربانی اپنی جانب سے نہیں کر رہا ہے بل کہ والد محترم کی جانب سے کر رہا ہے تو زید کے ذمہ سے فریضۂ وجوب ساقط نہیں ہو گا اور یہ واجب کا تارک ہو کر گنہگار ہو گا۔ جیسا کہ رد المحتار میں ہے:

وإن تبرّع بها عنه له الأكل لأنه يقع على ملك الذابح والثواب للميت، ولهذا لو كان على الذابح واحدةٌ سقطت عنه أضحيته كما في الأجناس.

(رد المحتار، ج:٦، ص: ٣٣٥، كتاب الاضحية، ط. دار الفكر بيروت)

اور مجمع الانہر میں ہے:

وهي واجبة على حر موسر عن نفسه لأنه أصل في الوجوب.

(مجمع الأنهر، ج:٤، ص: ١٦٦، كتاب الاضحية، دار الكتب العلمية)

کتبـــــــ

ويقسم اللحم وزنا لا جزافا إلا إذا ضم معه الأكارع أو الجلد) صرفا للجنس لخلاف جنسه.

اور رد المحتار میں ہے:

"بأن يكون مع أحدهما بعض اللحم مع الأكارع ومع الآخر البعض مع البعض مع الجلد." (در مختار و رد المحتار، ج:٦، ص: ٣١٨، كتاب الاضحية، ط. دار الفكر بيروت)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"وإن اقتسموا مجازفة يجوز إذا كان أخذ كل واحد شيئا من الأكارع أو الرأس أو الجلد." (هنديه، ج:٥، ص: ٣٠٦، باب فيما يتعلق بالشركة فى الضحايا، كتاب الاضحية، دار الفكر بيروت)

اور مزید وضاحت کے ساتھ ہدایہ میں ہے:

ولو اقتسموا جزافا لا يجوز إلا إذا كان معه شيء من الأكارع والجلد اعتبارا بالبيع.

(هدايه، ج:٤، ص: ٤٢٩، كتاب الاضحية، ط. مجلس بركات)

کتبـــــــ

اس کی قربانی درست ہے، البتہ اس میں یہ ضروری ہے کہ قربانی مصر، برطانیہ یا امریکہ اور ہندوستان کے مشترکہ ایام میں ہو یعنی جس دن قربانی کی جائے وہ ان ممالک کے قربانی کے مشترکہ ایام میں ہو ورنہ درست نہیں ہوگی۔ بایں طور کہ مصر یا برطانیہ یا امریکہ میں ہندوستان سے پہلے قمری ماہ کی ابتدا ہو جاتی ہے تو ان ممالک میں سبب وجوب (قربانی کے ایام) پہلے پایا گیا اور سبب وجوب کا قربانی کرنے والے کی جگہ میں بھی پایا جانا ضروری ہے، مثلاً: مصر یا برطانیہ یا امریکہ میں ۱۲/ تاریخ کو قربانی کی اخری تاریخ ہے اور ہندوستان کی ۱۰/ یا ۱۱/ ہے تو قربانی صحیح ہے۔ جیسا کہ بدائع الصنائع میں ہے:

وأما وقت الوجوب فأيام النحر فلا تجب قبل دخول الوقت؛ لأن الواجبات المؤقتة لا تجب قبل أوقاتها كالصلاة والصوم ونحوهما، وأيام النحر ثلاثة.

(بدائع الصنائع، ج:٦، ص:٦٨٥، كتاب التضحية، فصل فی وقت الوجوب، دار الكتب العلمية)

بحر الرائق میں ہے:

والمعتبر مكان الأضحية لا مكان المضحي وسببها طلوع فجر يوم النحر وركنها ذبح ما يجوز ذبحه. (البحر الرائق، ج:٨، ص:١٩٧، كتاب الأضحية، دار الكتب الإسلامی)

اور فتح القدیر میں ہے:

أن سبب وجوب الأضحية الوقت وهو أيام النحر.

(فتح القدير، ج:٩، ص:٥١٩، كتاب الأضحية، دار الكتب العلميه)

بدائع الصنائع میں دوسری جگہ مزید وضاحت کے ساتھ یہ ہے کہ:

وأما الذي يرجع إلى وقت التضحية فهو أنها لا تجوز قبل دخول الوقت؛ لأن الوقت كما هو شرط الوجوب فهو شرط جواز إقامة الوجوب كوقت الصلاة، فلا يجوز لأحد أن يضحي قبل طلوع الفجر الثاني من اليوم الأول من أيام النحر.

(بدائع الصنائع، ج:٦، فصل وأما بيان ما يرجع إلى وقت التضحية، ص:٣٠٨، دار الكتب العلمية) واللہ اعلم.

کتبـــــــ

بغیر متعیّن کیے ہوئے ۱۰۰/ لوگوں کی طرف سے ۱۰۰/ جانوروں کی قربانی

اجتماعی قربانی میں سو ادمیوں کے لیے مثلاً سو جانور خریدے جاتے ہیں اور یہ متعین نہیں ہوتا کہ فلاں جانور فلاں بن فلاں کا ہے اور یوں ہی بغیر متعین کیے سو جانوروں کی قربانی سو افراد کی طرف سے کر دی تو قربانی صحیح ہوئی یا نہیں؟

سائل: شاہ رخ خان، بیر م نگر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب

اجتماعی قربانی میں سو ادمیوں کے لیے مثلاً سو جانور خریدے اور یہ متعین نہیں ہے کہ فلاں جانور فلاں بن فلاں کا ہے اور یوں ہی بغیر متعین کیے سو جانوروں کی قربانی سو افراد کی طرف سے کر دی جائے تو یہ قربانی صحیح ہے اور یہ استحساناً جائز ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

اشترى سبعةُ نفرٍ سَبْعَ شياه بينهم ولم يسم لكل واحد منهم شاةٌ بعينها فَضَحَّوا بها كذلك فالقياس أن لا يجوز، وفي الاستحسان يجوز.

(فتاویٰ هنديه، ج:٥، ص:٣٠٦، باب فيما يتعلق بالشركة فى الضحايا/ كتاب الأضحية

اور ہندیہ ہی میں ہے:

لو اختلطت الغنم فضحى كل واحد واحدة ورضوا بذلك جاز. كذا في خزانة المفتين. (هنديه، ج:٥، ص:٣٠٦، كتاب الأضحية، ط. دار الفكر بيروت) والله اعلم.

كتبـــــــ

خصی جانور کی قربانی کا حکم

سوال: کیا بکرا، بیل وغیرہ کو خصی کرنا جائز ہے؟ اور کیا خصی شدہ جانور کی قربانی کی جاسکتی ہے؟
سائل: سید ظفر مجیب مداری (ولی عہد سجادہ نشین)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب۔ اللّٰهم هداية الحق والصواب

قرانِ کریم میں جانور کے خصی ہونے یا نہ ہونے کے حوالے سے کوئی صریح حکم وارد نہیں ہوا، البتہ قربانی کی اصل غرض وغایت کو یوں بیان فرمایا گیا:

"لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ" (سورۃ الحج:۳۷)

ترجمہ: "اللہ کو نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون، بلکہ تمہاری پرہیز گاری (تقویٰ) اس تک پہنچتی ہے۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قربانی کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور بندے کا تقویٰ ہے، اور اگر جانور شرعی معیار پر پورا اترتا ہو تو اس کی قربانی مقبول ہے، خواہ وہ خصی ہو یا غیر خصی۔

احادیث مبارکہ میں ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"ضحّى رسول الله صلى الله عليه وسلم بكبشين أملحين موجوئين."

(صحيح مسلم، حديث: ١٩٦٦)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے دو سفید رنگ کے، سینگوں والے خصی کیے ہوئے مینڈھوں کی قربانی کی۔

یہاں "موجوئین" کا مطلب ہے خصی کیے ہوئے۔

اس حدیثِ مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ خصی جانور کی قربانی نہ صرف جائز بلکہ سنت سے بھی ثابت ہے۔

فقہائے احناف کے دلائل:

قربانی کے لیے شرعی اصول:

فقہ حنفی میں قربانی کے لیے جانور کا صحت مند ہونا، عیب سے پاک ہونا اور مخصوص دنوں میں موجود ہونا ضروری ہے۔

خصی جانور کی قربانی کے متعلق فقہی تصریحات:

الدر المختار مع رد المحتار (فتاویٰ شامی) میں ہے:

"وَلَا بَأْسَ بِالْخَصِيِّ، بَلْ هُوَ أَفْضَلُ عِنْدَ بَعْضِ الْمَشَايِخِ؛ لِأَنَّهُ أَطْيَبُ لَحْمًا"

(الدر المختار، كتاب الأضحية، ج ٦، ص ٣٢٦)

ترجمہ: خصی جانور کی قربانی میں کوئی حرج نہیں، بلکہ بعض مشائخ کے نزدیک وہ افضل ہے کیونکہ اس کا گوشت عمدہ اور زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔

الفتاویٰ الهندية میں ہے:

"ولا بأس بالتضحية بالخصي بل هو أفضل عند بعض المشايخ"

(الفتاوىٰ الهندية، ج ٥، ص ٢٩٦)

یعنی: خصی جانور کی قربانی نہ صرف جائز بلکہ بعض علماء کے نزدیک مستحب اور افضل بھی ہے۔ هذا ماظهر لی والعلم عند ربی وهو اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

وہاں صدقہ کرنا مراد ہے یعنی جمعہ کو سب سے پہلے مسجد میں جانے والے شخص کو اونٹ صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا، دوسرے نمبر پر گائے اور تیسرے نمبر پر مینڈھا اور چوتھے نمبر پر مرغی صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا، کیوں کہ اسی حدیث پاک میں "قرب بیضة" کا لفظ بھی ایا اور ظاہر ہے کہ انڈے کی قربانی کا کوئی قائل نہیں ہے بل کہ یہاں انڈے کا صدقہ کرنا مراد ہے تو ایسے ہی "قرب دجاجة" میں صدقہ مراد ہے۔ یا یہ کہ مرغی کی قربانی کا ذکر مشاکلۃً اور صورۃً ایا ہے نہ کہ حقیقتا۔

جیسا کہ فتح الباری شرح بخاری میں ہے:

"(فكأنما قرب بدنة) أي: تصدق بها متقربا إلى الله" اور آگے ہے: "والذي يظهر أنه من باب المشاكلة" (فتح الباری، ج:۲، ص: ٣٦٦-٣٦٧، باب فضل الجمعة، دار الكتب العلمية)

ہندیہ میں ہے:

الدجاجة ... فلا يجوز ذالك في الأضحية كما لا يخفى.

(فتاویٰ ہندیہ، ج:۵، ص: ۲۹۸، کتاب الاضحیة، دار الفکر بیروت)

لہذا مذکورہ بالا وضاحت سے معلوم ہوا کہ مرغ کی قربانی صحیح نہیں ہے۔ واللہ اعلم.

کتبـــــــ

الجواب بعون الملک الوھاب

کچھ احادیث میں ایا ہے کہ رسولُ اللہ صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم نے قربانی کے گوشت کو تین دن سے زیادہ رکھنے سے منع فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

"مَنْ ضَحَّىٰ مِنْكُمْ فَلَا يُصْبِحَنَّ بَعْدَ ثَالِثَةٍ وَفِي بَيْتِهِ مِنْهُ شَيْءٌ"

(صحيح البخاري، كِتَابُ." الْأَضَاحِي، حديث: ٥٥٦٩)

ترجمہ: "تم میں سے جو قربانی کرے، تو وہ تیسرے دن کے بعد اپنے گھر میں اس کا کچھ بھی باقی نہ رکھے۔"

لیکن یہ حکم دائمی یا عام نہیں، بلکہ عارضی اور وقتی تھا، جیسا کہ خود رسولُ اللہ صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم نے بعد میں اس کی وضاحت فرمادی۔

نسخ اور اباحت کا اعلان:

بعد میں رسولُ اللہ صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

" إِنِّي نَهَيْتُكُمْ عَنْ لُحُومِ الْأَضَاحِيِّ فَوْقَ ثَلَاثٍ لِكَيْ يَسَعَ ذُو الطَّوْلِ عَلَىٰ مَنْ لَا طَوْلَ لَهُ، فَكُلُوا مَا بَدَا لَكُمْ وَأَطْعِمُوا وَادَّخِرُوا". (صحيح مسلم، كِتَابُ الْأَضَاحِي، حديث: ١٩٧٤)

ترجمہ: "میں نے تمہیں قربانی کے گوشت کو تین دن سے زیادہ رکھنے سے منع کیا تھا تاکہ مالدار لوگ حاجت مندوں کو دے سکیں، اب تم جو چاہو کھاؤ، کھلاؤ اور ذخیرہ بھی کرو۔"

فقہائے احناف کی تصریح:

امام فخر الدین حسن بن منصور المرغینانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" وَيُسْتَحَبُّ لَهُ أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا وَيُطْعِمَ وَيَتَصَدَّقَ، وَلَهُ أَنْ يُدَّخِرَ وَلَا كَرَاهَةَ فِيهِ"

(الهداية في شرح بداية المبتدي، ج٤، ص٤٥٠، دارُ الفكر)

ترجمہ: قربانی کرنے والے کے لیے مستحب ہے کہ وہ خود بھی کھائے، دوسروں کو کھلائے، صدقہ بھی کرے، اور اگر وہ کچھ گوشت محفوظ کر کے رکھے تو بھی کوئی کراہت نہیں۔

فتاوی عالمگیریہ میں ہے:

" وَيَجُوزُ لَهُ أَنْ يُدَّخِرَ مِنْ لَحْمِ الْأُضْحِيَّةِ، وَلَا كَرَاهَةَ فِيهِ"

(الفتاوى الهندية، ج٥، ص٣٠٠، دار الفكر)

خلاصہ یہ کہ:

۱. قربانی کے گوشت کو تین دن سے زیادہ رکھنا، کھانا، یا استعمال کرنا بالکل جائز ہے۔

۲. تین دن کی حد کسی خاص زمانے (محتاجوں کی کثرت کے وقت) کے لیے تھی، جو بعد میں منسوخ کر دی گئی۔

۳. اب گوشت کو محفوظ رکھنا، فریزر میں ذخیرہ کرنا یا وقتاً فوقتاً استعمال کرنا شرعاً جائز ہے۔

۴. گوشت کو کھانا، صدقہ کرنا، رشتہ داروں کو دینا، مہمانوں کو کھلانا، اور اپنے لیے رکھنا—سب کچھ جائز ہے۔

واللّٰہُ أعلمُ بالصَّواب.

کتبـــ
الجوابـــ
باپ کا انتقال ہوا اور اس نے کچھ اولاد چھوڑی خواہ اولاد بالغ ہو یا نابالغ، اگر پہلی صورت ہے اور ساتھ ہی ساتھ باپ نے اتنا مال چھوڑا ہے کہ ترکہ سے ملے ہوئے مال سے وہ مالک نصاب ہو جاتے ہیں تو ان سب پر قربانی واجب ہے یا اتنا کم مال چھوڑا ہے کہ ترکہ سے ملے ہوئے مال سے کوئی بھی مالک نصاب نہیں ہوتا تو ان پر قربانی واجب نہیں ہے، ہاں اگر ان میں سے کسی کے پاس ترکہ سے ملے ہوئے مال کے علاوہ بھی کچھ مال ہے جو ملانے کے بعد نصاب کو پہنچ جاتا ہے تو اس پر قربانی واجب ہے۔ اور دوسری صورت: یعنی اولاد اگر نابالغ ہو اور اسے ترکہ سے ملا ہوا مال نصاب کو پہنچ جاتا ہو یا نہیں پہنچتا ہو بہر صوت اس پر قربانی واجب نہیں ہے۔ لہذا باپ کے انتقال کے بعد بھائی بہنوں کے اپنے میں سے کسی کو مال کا مالک بنا دینے کی وجہ سے وہ مالک حقیقی نہیں ہو جاتا ہے بل کہ انتظامی امور کا مالک ہوتا ہے، تو اب اس میں ان تمام صورتوں کا لحاظ ضروری ہے جو اوپر گذریں۔

ہدایہ میں ہے:

الأضحية واجبة على كل حرٍ مسلم مقيم موسر في يوم الأضحىٰ .

(هدايه، ج:٤، ص: ٤٢٧، كتاب الأضحية، مجلس بركات) والله اعلم.

کتبـــــــ

وما دونه قليل وما زاد عليه كثير، وعليه الفتوى، كذا في فتاوى قاضي خان.

(فتاویٰ ھندیہ، ج:۵، ص:۳٦۸، کتاب الاضحیة / باب بیان کل إقامة الواجب، دار الکتب العلمیة)

در مختار میں ہے:

ومقطوع أكثر الأذن أو الذنب أو العين أي التي ذهب أكثرنور عينها .

(در مختار، ج:۹، ص:٤٦۸، کتاب الأضحیة، دار عالم الکتب)

اور اسی میں ہے کہ:

(لا) بالعمياء والعوراء البين عورها إلخ .

(در مختار، ج:۹، ص:٤٦۸، دار عالم الکتب ریاض)

بنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

قال: ولا يضحي بالعمياء والعوراء والعرجاء التي لا تمشي إلى المنسك إلخ .

(والعوراء) ش: وهي الذاهبة إحدى العينين.

(بنایہ شرح الھدایہ، ج:۱۲، ص:۳۳، کتاب الاضحیة، دار الکتب العلمیة)

(ومقطوع أكثر الأذن إلخ) في البدائع: لو ذهب بعض الأذن أو الألية أو العين ذكر في الجامع الصغير إن كان كثيرا يمنع وإن كان يسرا لا يمنع.

(رد المحتار علی الدر المختار، ج:۹، ص:٤٦۸، کتاب الاضحیة)

محیط برہانی میں ہے:

ولا تجزىء الجدعاء وهي مقطوع الأنف.

(المحیط البرھانی، فی الفقه النعمانی، کتاب الأضحیة، ج:٦، ص:۹۳، دار الکتب العلمیة)

اور مرقاۃ المفاتیح میں ہے:

وحاصل المذهب أنه لا يجوز مقطوع الأذن كلها أو أكثرها، ولا مقطوع النصف خلاف التي لا أذن لها خلقة، ولا مقطوع الذنب والأنف والألية، ويعتبر فيه ما يعتبر في الأذن إلخ. (مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، ج:۳، ص:٥۱٦، باب فی الاضحیة، دار الکتب العلمیة) واللہ اعلم.

کتبـــــــ

عقیقہ کی لغوی واصطلاحی تعریف اور اس کے احکام-قرآن وحدیث اور آثار صحابہ وعبارات فقہا کی روشنی میں

عقیقہ کی لغوی واصطلاحی تعریف ائمۂ لغات واصطلاحات کے اقوال کی روشنی میں بیان کریں اور عقیقیہ کی سنیت واحکام کو احادیث کریمہ، آثار صحابہ اور فقہائے اسلام سے ثابت کریں۔

سائل: شاھد میاں معصومی مداری رام پور یوپی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب۔ اللّٰهم هداية الحق والصواب

ماشاء اللہ! محترم شاہد میاں معصومی مداری صاحب! (رام پور، یوپی)—آپ کا سوال بہت عمدہ ہے اور آپ نے عقیقہ کی لغوی واصطلاحی تعریف، اس کی سنیت اور احکام کو ائمۂ لغت، احادیث کریمہ، آثار صحابہ اور فقہائے اسلام کے حوالوں سے تفصیل سے جاننے کا ارادہ فرمایا ہے۔ میں یہ مسئلہ بالتفصیل پیش کرتا ہوں۔

عقیقہ کی لغوی تعریف

امام ابن منظور لسان العرب میں فرماتے ہیں:

«والعَقِيقَةُ: شَعرُ المولودِ إذا وُلِدَ. وقيلَ: هي الشاةُ التي تُذْبَحُ عنه.»

(لسان العرب، ماده: عَقَّ)

یعنی: عقیقہ کے لغوی معنی ہیں: "وہ بال جو بچہ پیدا ہوتے وقت اس کے سر پر ہوں۔ یا وہ جانور جو بچے کی پیدائش پر ذبح کیا جائے۔"

امام فیروز ابادی (القاموس المحیط) میں فرماتے ہیں:

«العَقِيقَةُ: الشاةُ تُذْبَحُ عن المولودِ يومَ سابعِهِ.»

(القاموس المحيط، ماده: ع ق ق)

یعنی: عقیقہ اس بکری یا جانور کو کہتے ہیں جو نومولود کی پیدائش پر ساتویں دن ذبح کیا جائے۔

اصطلاحی تعریف (ائمۂ شریعت کی روشنی میں)

فقہاء کرام کے نزدیک: «عقیقہ اس جانور کے ذبح کرنے کو کہتے ہیں جو بچہ کی پیدائش کی خوشی میں شکرانے کے طور پر اللہ کے حضور قربان کیا جاتا ہے۔»

بدائع الصنائع میں امام کاسانی حنفی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

«والعقيقةُ شكرٌ لله تعالىٰ علىٰ ما أنعم به من الولدِ.»

(بدائع الصنائع، ج ٥، ص ٦٩)

یعنی: عقیقہ اولاد کی نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکرانہ ہے۔

عقیقہ کی سنیت احادیث کریمہ سے

حدیث نبوی ﷺ میں ہے:

«معَ الغُلامِ عَقيقَةٌ، فأهريقُوا عنهُ دمًا، وأميطُوا عنهُ الأذى.»

(بخاری شریف: ٥٤٧٢، ابوداؤد: ٢٨٣١)

یعنی: لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے، اس کی طرف سے خون بہاؤ (جانور ذبح کرو) اور اس کی اذیت (بال وغیرہ) دور کرو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں:

" «رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کیلئے ایک بکرا ذبح فرمایا اور فرمایا: اے فاطمہ! اس کے سر کے بال منڈوا کر وزن کر کے چاندی صدقہ کرو۔» (ترمذی: ١٥١٩)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

«كنا نُعَقُّ عنِ الغُلامِ شاةً.» (بخاری: ٥٤٧١)

یعنی ہم لڑکے کی طرف سے ایک بکری ذبح کرتے تھے۔

آثار صحابہ

حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

«عَقَّ رسولُ اللهِ ﷺ عنِ الحَسَنِ بشاةٍ، وقال: يا فاطمةُ! احلقي رأسَهُ وتصدقي بزِنَتِهِ فضةً.» (ترمذی: ١٥١٩)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

«إنما العقيقةُ لِتُهْرِيقَ الدمَ عن المولودِ.» (مصنف ابن ابی شیبہ: ٢٤٢٣٦)

فقہائے اسلام کی آراء

عقیقہ فقہائے احناف کے نزدیک:

امام کاسانی قدس سرہٗ السامی بدائع الصنائع میں فرماتے ہیں:

«وهي سنةٌ مؤكدةٌ عندنا.» (بدائع الصنائع، ج ٥، ص ٦٩)

یعنی: ہمارے نزدیک عقیقہ سنت مؤکدہ ہے۔

عقیقہ فقہائے شوافع کے نزدیک:

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ المجموع میں لکھتے ہیں:

«العقيقةُ سنةٌ عندنا بلا خلافٍ.»

یعنی: ہمارے نزدیک بلا اختلاف عقیقہ سنت ہے۔

فقہائے حنابلہ کے نزدیک:

امام ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ المغنی میں فرماتے ہیں:

«العقيقةُ سنةٌ غيرُ واجبةٍ.»

یعنی: عقیقہ سنت ہے، فرض یا واجب نہیں۔

سوال: کیا لڑکی کی طرف سے بھی عقیقہ سنت ہے؟۔ جواب: جی ہاں!

احادیث نبویہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا فرمان مبارک ہے:

«عنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مُكَافَأَتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ.» (ترمذی: ١٥١٣، ابوداؤد: ٢٨٣٤)

یعنی: لڑکے کی طرف سے دو ہم عمر بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ہے۔

حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے:

«أُمِرَنَا أَنْ نُعَقَّ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ.» (ابوداؤد: ٢٨٣٤)

یعنی: ہمیں لڑکے کی طرف سے دو اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری عقیقہ کرنے کا حکم دیا گیا۔

ان احادیث سے واضح ہے کہ لڑکی کیلئے بھی عقیقہ مشروع اور سنت ہے، البتہ لڑکے کیلئے دو بکرے زیادہ افضل ہیں۔

فقہاءِ احناف کی رائے:

امام کاسانی (بدائع الصنائع) میں فرماتے ہیں:

«والعقيقةُ سُنَّةٌ عنِ الغلامِ والجاريةِ عندنا.» (بدائع الصنائع، ج ٥، ص ٦٩)

یعنی: ہمارے نزدیک (احناف کے نزدیک) لڑکے اور لڑکی دونوں کیلئے عقیقہ سنت ہے۔

اسی طرح فتاویٰ عالمگیری (ہندیہ) میں بھی ہے:

«ويعق عن الغلام شاتانِ وعن الجاريةِ شاةٌ واحدةٌ.» (الفتاوى الهندية، ج ٥، ص ٣٠٠)

در مختار میں بھی تصریح ہے:

"سنةٌ مؤكدةٌ عن الغلام والجارية." (در مختار مع رد المحتار، ج ٦، ص ٣٢٦)

کتنے بکرے کاٹنے کا حکم؟

احادیث اور فقہاء احناف کی رو سے حکم یہ ہے:

لڑکے کیلئے دو بکرے یا بھیڑیں افضل ہیں، ایک پر بھی سنت ادا ہو جاتی ہے۔ لڑکی کیلئے ایک بکری کافی ہے۔

امام کاسانی لکھتے ہیں:

«والأصلُ فيه أن يعق عنِ الغلام بشاتينِ وعن الجارية بشاةٍ واحدةٍ.»

(بدائع الصنائع، ج ٥، ص ٦٩)

یعنی اصل اس میں یہ ہے کہ لڑکے کی طرف سے دو بکرے یا بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرا یا بکری۔ لیکن اگر ایک بکرا یا بکری میسر ہے تو عقیقہ اس سے بھی ہو جائے گا۔ هذا ماظهر لی والعلم عند ربی وهو اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

نکاح کا بیان

شوہر لاعلاج ہو تو بیوی کے لیے فسخ نکاح کا حکم

السلام علیکم و رحمة الله و برکاته

حضور ایک سوال وہ یہ کہ زید کے بہنوئی کا ایکسیڈنٹ ہونے کے سبب تقریبا تین یا چار سال ہو گئے ہیں ان کو قومہ میں پہنچے ہوئے تو اس صورت حال میں انکی زوجہ یعنی زید کی بہن کا نکاح دوسرے مرد سے کرا سکتے ہیں یا نہیں اور اس بات پر زید کے گھر والے اور زید کے بہنوئی کے گھر والے اور خود زید کی بہن بھی راضی ہیں دوسرے سے نکاح کرنے اور کرانے پر آپ قرآن اور احادیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

العارض محمد جابر حنفی

الجواب

وعلیکم السلام و رحمة و برکاته

صورت مستفسرہ میں بوجہ ضرورت شرعی عورت کو شوہر سے جدا ہونے کا اختیار ہے، پس قاضی کو یہ حق حاصل ہو گا کہ قومہ کی حالت کو حالت عجز یعنی معدومۃ النفقہ (نفقہ نہ ملنے) اور عیب مطبق (ایسا عیب جس میں افاقہ نہ ہوتا ہو) پر محمول کرتے ہوئے زوجین کے مابین تفریق کرادے، بعد تفریق عورت دوسرے کے نکاح میں جاسکتی ہے۔

مجمع الانہر میں ہے:

"(و لا خيار لها) أی الزوجة (إن وجدت به) عيبا و لو فاحشا (جنونا أو جذاما أو برصا) أو جرما أو جدريا أو زمانة أو سوء خلق أو غير ذلك سوى العنانة... (خلافا لمحمد) إذا كانت بحال لا تطيق المقام معه ذكره فی الحفائق، لكن عبارة القهستاني إنها تتخير عند محمد بالثلاثة الأول و بكل عيب لا يمكنها المقام معه إلا بضر"

(مجمع الانہر، ج:۲، ص:۱٤۱، کتاب الطلاق، باب العنین وغیرہ، دار الکتب العلمیہ بیروت)

ابن نجیم مصری اس مسئلے کو لکھنے کے بعد رقمطراز ہیں:

"و قد كتبنا فی القواعد الفقهية فی مذهب الحنفية أن القاضي لو قضى برد أحد

الزوجين بعيب، نفذ قضاءه. "

(بحر الرائق، ج:٤، ص:٢١٣، ٢١٤، كتاب الطلاق، باب العنين وغيره، دار الكتب العلميه بيروت)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"إن كان الجنون حادثا يأجله سنة كالعنة ثم يخير المرأة بعد الحول إذا لم يبرأ و إن كان مطبقا فهو كالجب و به نأخذ كذا فى الحاوي للمقدسي"

(فتاویٰ عالمگیری، ج:١، ص:٥٢٦، كتاب الطلاق، باب العنين، دار الكتب العلميه بيروت)

مجلس شرعی کے فیصلے میں فرقت بین الزوجین کی صورتوں کے ماتحت تحریر ہے:

"بارہ صورتیں طلاق کے حکم میں ہیں: لعان، ایلا، اباء الزوج عن الاسلام، جب، عنت، خنوثت، حصاء، جنون، جذام، برص، معدومۃ النفقہ، خلع۔"

(مجلس شرعی کے فیصلے، ج:١، ص:٦٤، ناشر مجلس شرعی) واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبـــــــ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب المستطاب فی نکاح المعتدۃ و حکم القضاۃ و الشھـــــــ

لاعلمی میں معذور ہیں۔ واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب.

مستفتی کے سوال کے مطابق یہی شرعی حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شریعت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ امین!

کتبـــــــ

خزانۃ الامکان میں ہے:

"لو وكل المرتد وكيلا ببيع أو شراء أو إجازة أو نكاح أو طلاق أو عتاق جازت وكالته" (خزانة الأكمل فی فروع الفقه الحنفي، ج:٤، ص:٢٣٦، دار الكتب العلميه بيروت)

کتبـــــــ

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"(قوله لعقد النكاح) أي الإيجاب والقبول فقط، ولا يقال إنّه واجب عليه فلا يجوز أخذ الأجر عليه؛ لأنّ الواجب إقامته إذا طلبه ولي الزوجة، وأمّا الفعل بنفسه فليس بواجب." (رد المحتار، جلد ٦، صفحه ٦٠، مطبوعه دار الفكر)

ترجمہ: (نکاح پڑھانے) سے مراد صرف ایجاب و قبول کرانا ہے۔ یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ یہ عمل واجب ہے اس لیے اس پر اجرت جائز نہیں، کیونکہ واجب تو نکاح کا قائم کرنا ہے جب ولی مطالبہ کرے، مگر خود نکاح پڑھانا بطور عمل واجب نہیں۔

یہ عبارت صاف بتا رہی ہے کہ چونکہ نکاح پڑھانا بذات خود واجب عمل نہیں، بلکہ ایک خدمتی عمل ہے، لہذا اس پر اجرت لینا درست ہے۔ اور لینے والا نکاح پڑھانے والا شخص ہو گا۔

فتاویٰ قاضی خان، کتاب الاجارۃ میں ہے:

"من عقد نكاحا بأجرة استحق الأجرة."

(فتاوى قاضي خان، جلد ٣، صفحه ٣٢٨، مطبوعه دار الكتب العلمية)

ترجمہ: "جس نے نکاح عقد کرنے کی اجرت پر نکاح کرایا، وہ اجرت کا مستحق ہو گا۔"

یہ بھی بالکل واضح ہے کہ نکاح پڑھانے والا خود اجرت کا مستحق ہے، نہ کہ مسجد۔

فقہاء نے یہ اصول بیان کیئے ہیں:

"الأجر بالعمل، والعمل للعامل."

یعنی "اجرت کام کے بدلے ہوتی ہے اور کام کرنے والا ہی اجرت کا حق دار ہوتا ہے۔"

لہذا جب نکاح خواں (چاہے امام ہو یا قاری یا قاضی) نکاح پڑھانے کا عمل کرے گا تو وہی اجرت کا مستحق ہو گا۔ نکاح کی اجرت امام یا نکاح خواں کی ذاتی ہو گی۔ مسجد کی ملکیت یا فنڈ سے اس اجرت کا کوئی تعلق نہیں۔

اگر خاص شرط ہو یا عرف ہو کہ اجرت مسجد کے لیے دی جائے تو وہ الگ بات ہو گی، ورنہ اصل اصول یہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

مہر کی شرعی حیثیت، مہر کے اقسام، آج کے دور میں مہر کی قیمت اور مہر فاطمی کی مقدار کا بیان

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ مفتی صاحب!

مہر کی شرعی حیثیت کیا ہے؟، مہر کی اقسام، مقدار اور آج کی قیمت کیا ہے؟ اور مہر فاطمی کی مقدار کیا ہے؟ اس کا تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

سائل: سید ظفر مجیب جعفری تاریخ: ۱ جون ۲۰۲۵۔

وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب۔ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

"مہر کی شرعی حیثیت: (مہر کا حکم:)

مہر (حق مہر) نکاح کے بنیادی احکام میں شامل ہے۔ قرآن کریم اور احادیثِ مبارکہ سے اس کی مشروعیت اور وجوب ثابت ہے۔

قران مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً" (سورۃ النساء، آیت ۴)

ترجمہ: اور عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دے دو۔

اس آیت سے مہر کا وجوب ثابت ہے، اور یہ شوہر کے ذمے عورت کا مالی حق ہے۔

مہر کی اقسام:

(۱) مہرِ مُسَمّٰی:

جس مہر کی مقدار نکاح کے وقت صراحت کے ساتھ طے کی گئی ہو۔

۲، مہرِ مِثل:

اگر نکاح کے وقت مہر طے نہ ہو، تو پھر عورت کے خاندان کی خواتین (ماں، بہن، خالہ وغیرہ) کے عرف کے مطابق مہر مقرر کیا جاتا ہے۔

دونوں صورتوں میں مہر واجب ہوتا ہے، اگرچہ وقتِ نکاح معاف کر دیا جائے تو بھی بعد میں مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔

مہر کی مقدار؛ کم از کم مہر:

حدیث شریف میں ہے:

"لا مهر دون عشرة دراهم" (سنن دارقطنی، ج۳، ص۲۵۸)

ترجمہ: دس درہم سے کم مہر جائز نہیں۔

فقہی وضاحت:

درہم کا وزن:

ایک درہم = ۲٫۹۷۵ گرام چاندی

۱۰ درہم = ۲۹٫۷۵ گرام چاندی

لہٰذا شرعی طور پر مہر کی کم سے کم مقدار = ۲۹٫۷۵ گرام چاندی ہے۔ (بعض علماء نے ۱۰ درھم کا وزن ۳۰٫۶۱۸ گرم مقرر کیا ہے ان کے اعتبار سے ۱۰ درھم کی قیمت میں قدرے اضافہ ہو جائے گا۔)

اج کے حساب سے مہر کی قیمت:

- اج کی تاریخ: ۱ر جون ۲۰۲۵
- چاندی کا ریٹ (ہندوستان میں): ₹- / ۹۲ر فی گرام ہے۔

(ریٹ بازار سے متغیر ہو سکتا ہے)

۲۹٫۷۵ گرام × ۹۲₹ = ۲۷۳۷₹ (تقریبا)

مہر کی زیادہ سے زیادہ حد:

قران و حدیث میں مہر کی زیادہ مقدار کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ صحابہ کرام نے بسا اوقات بہت بلند مہر بھی دیے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول:

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوگ مہر میں زیادتی نہ کریں۔ ایک عورت نے ایت پڑھ دی:

" وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا " (النساء:۲۰)

ترجمہ: "اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے دوسری بیوی بدلنا چاہو اور تم ان میں سے کسی کو بہت سامال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ کیا تم کوئی جھوٹ باندھ کر اور کھلے گناہ کے مرتکب ہو کر وہ لو گے"۔

تو حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے قول سے رجوع فرما گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مہر زیادہ دینا جائز بلکہ بعض اوقات مستحب ہے، خاص طور پر دل کی خوشی اور عزت کی علامت کے طور پر۔

مہر کی ادائیگی کا حکم:

مہر فوراً دینا افضل ہے۔

اگر تاخیر ہو تو عورت کو مطالبہ کا حق حاصل ہے۔

وفات یا طلاق کی صورت میں عورت کو مہر کی مکمل رقم ادا کرنا فرض ہے۔

مہر فاطمی:

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا مہر: ۴۸۰ درہم (یعنی تقریباً ۱۴۲۸ گرام چاندی)

آج کے حساب سے: ۱۴۲۸ × ۹۲₹ = ۱،۳۱،۷۶،۳۷₹ (تقریباً)

یہ افضل مہر ہے۔ مگر کسی پر لازم نہیں۔

مہر کی حیثیت واجب (فرض کے قریب)

کم از کم مہر ۱۰ درہم = ۲۹٫۷۵ گرام چاندی

آج کی قیمت تقریباً ۲۷۳۷₹ (ہندوستانی روپے)

مہر کی اقسام: مہر مسمّٰی اور مہر مثل:

مہر فاطمی (افضل مہر) ۴۸۰ درہم ہے۔ جس کی قیمت آج ۱ جون ۲۰۲۵ء کی تاریخ میں ۱،۳۱،۰۰۰₹

(تقریبا) روپے ہوئے۔

مہر کی زیادہ حد: مہر کی کوئی حد نہیں، دل کی وسعت پر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب.

کتبہ

ابو الحماد محمد اسرافیل حیدری المداری
دار الافتاء والقضاء جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الاولیاء
استانہ زندہ شاہ مدار مکن پور شریف کانپور نگر یوپی انڈیا۔

آن لائن نکاح کے شرعی احکام

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ

اگر لڑکا اور لڑکی دو مختلف ملکوں میں ہوں، تو کیا آن لائن نکاح (ویڈیو کال، زوم، اسکائپ وغیرہ کے ذریعہ) شرعاً درست ہے؟ اس بارے میں قرآن، حدیث اور فقہ کی روشنی میں مفصل فتویٰ عنایت فرمائیں۔

سائل: رستم علی مداری جگدیش پور۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب

شرعی اصول وشرائط کی مکمل رعایت کے ساتھ اگر نکاح کا ایجاب وقبول ویڈیو یا آڈیو کانفرنس (Zoom، Google Meet، Skype، وغیرہ) کے ذریعہ ایک ہی مجلس میں ہو، اور دو عاقل بالغ مرد گواہ یا ایک مرد اور دو عورتیں مجلسِ نکاح میں موجود ہوں، تو ایسا نکاح شرعاً صحیح اور معتبر ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ" (سورۃ النساء، آیت:۳)

ترجمہ: پس ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں پسند آئیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس میں نکاح کی اصل غایت واجازت بیان کی گئی ہے، اور نکاح کے انعقاد کا طریقہ تفصیل سے مذکور نہیں ہے، لہٰذا ہر وہ طریقہ جس میں شرائطِ نکاح مکمل ہوں، وہ شرعاً جائز ہے، خواہ جدید وسائط کے ذریعے ہو۔

حدیث شریف میں سیدنا سھل بن سعدِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ: " أَنَّ رَسولَ اللهِ ﷺ قال لعبدِ الرَّحمنِ بنِ عوفٍ: هَل تَزَوَّجتَ؟ قال: نَعَمْ، قال: كمْ سُقتَ إليها؟ قال: وَزنَ نَواةٍ مِن ذَهَبٍ". (صحيحُ البخاري، كتاب النكاح، حديث: ٥١٥٣)

اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ نکاح میں اصل رکن ایجاب و قبول اور مہر کی تعیین ہے۔ اور یہ دونوں امور اگر مجلسِ واحد میں مشافہۃً یا وسیلۂ مشافہۃ (مثلاً: ویڈیو کال وغیرہ) کے ذریعے ادا ہوں تو نکاح صحیح ہو گا۔

علامہ ابن عابدین الشامي رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" ويَجُوزُ عقدُ النكاحِ بالتَّوكيلِ والكِتابَةِ والرَّسولِ، وإنْ لَمْ يَكُنْ مُشافَهَةً، ما دامَ يُتَيَقَّنُ مِنَ الإيجابِ والقبولِ بحضورِ الشُّهودِ".

(ردُّ المحتار على الدر المختار، ج: ٣، ص: ٨، دار الفكر)

ترجمہ: نکاح وکیل، خط یا قاصد کے ذریعہ بھی جائز ہے، اگرچہ براہِ راست گفتگو نہ ہو، بشرطیکہ ایجاب و قبول کی صحت گواہوں کی موجودگی میں یقینی ہو۔

فقہی قاعدہ ہے:

" الوسائلُ لها أحكامُ المقاصد"

ترجمہ: ذرائع کا حکم ان کے مقاصد کے تابع ہوتا ہے۔

لہٰذا اگر مقصد (نکاح شرعی) حاصل ہو رہا ہو اور شرائطِ شرعیہ بھی پوری ہو رہی ہوں، تو جدید ذرائع استعمال کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

آن لائن نکاح کی شرائط:

۱. ایجاب و قبول مجلسِ واحد میں ہو (یعنی ایک ہی ویڈیو یا آڈیو کال میں ہو)
۲. دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی ہو۔
۳. دونوں طرف سے رضامندی ہو۔
۴. مہر کا تعین۔
۵. کوئی فریب، جبر یا شرعی مانع نہ ہو۔

۶. شناخت کی وضاحت ہو (یعنی لڑکا و لڑکی کی شناخت و رضامندی متحقق ہو)

خلاصہ یہ کہ:

اگر تمام شرائطِ نکاح (ایجاب و قبول، گواہوں کی موجودگی، رضامندی، مہر وغیرہ) مجلسِ واحد میں آن لائن وسائط کے ذریعہ پوری ہو رہی ہیں، تو ایسا نکاح شرعاً جائز، صحیح اور معتبر ہے۔ واللہُ تعالی أعلمُ بالصواب، وهو الهادي إلى سواءِ الصراط.

کتبـــــــ

فقہ حنفی کے مشہور امام شارح ھدایۃ حضرت علامہ ابنِ ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

«يَجُوزُ لِلرَّجُلِ أَنْ يَتَزَوَّجَ أَرْبَعًا بِغَيْرِ إِذْنِ الزَّوْجَةِ الْأُولَىٰ، وَيَكُونُ النِّكَاحُ صَحِيحًا» (فتح القدير، ج٣، ص٢٩١)

ترجمہ: مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ چار تک نکاح کرے، پہلی بیوی کی اجازت شرط نہیں، اور نکاح صحیح ہے۔

امام نووی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

«لَا يُشْتَرَطُ إِذْنُ الزَّوْجَةِ الْأُولَىٰ فِي الزَّوَاجِ بِالثَّانِيَةِ» (روضة الطالبين، ج٧، ص٢٥)

ترجمہ: دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی کی اجازت شرط نہیں۔

امام ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

«وَلَيْسَ لِلزَّوْجَةِ أَنْ تَمْنَعَهُ مِنْ أَنْ يَتَزَوَّجَ أُخْرَى» (المغني، ج٧، ص١١٥)

ترجمہ: بیوی کو یہ حق نہیں کہ شوہر کو دوسری شادی سے روکے۔

پہلی بیوی کی اجازت لینا شرعاً ضروری نہیں ہے۔ لیکن اخلاقی و معاشرتی حکمت یہ ہے کہ مرد اپنی پہلی بیوی کو اطلاع دے اور حسنِ سلوک سے معاملہ کرے، تاکہ نزاع و فتنے سے بچا جائے۔

اگر عدل قائم کرنے کی استطاعت نہ ہو تو دوسری شادی ناجائز ہوگی۔

مرد بلا اجازت پہلی بیوی کے دوسری شادی کر سکتا ہے، نکاح صحیح اور جائز ہے، مگر عدل و حسنِ سلوک کی پابندی لازمی ہے۔ ھٰذا ما ظھر لی والعلم عند ربی وھو أعلم بالصواب.

کتبـــــــ

طلاق کا بیان

تحریری طلاق کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے والدین کی مرضی کے خلاف ہندہ سے اپنی شادی کرلی بعد میں جب اسے والدین کی ناراضگی کا احساس ہوا تو اس نے محض والدین کی رضا کے لئے ہندہ کا طلاق نامہ تیار کر کے اس پر اپنے اور ہندہ کے دستخط کروالیے؛ یعنی زید نے واقعی طلاق دی نہیں والدین کو خوش کرنے کے لئے جھوٹا طلاق نامہ تیار کیا اور اس میں غلط بیانی کرتے ہوئے لکھا کہ میں نے ہندہ کو طلاق دی، کیا صورت مسئولہ میں ہندہ پر طلاق واقع ہوگئی یا نہیں شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: مصطفیٰ حسین، محلہ پرانی بستی ضلع بستی یوپی

الجواب بعون الله الملک الوهاب

صورت مستفسرہ میں زید نے اگر زبان سے طلاق کے الفاظ ادا نہیں کیے اور کتابت کے وقت زید و ہندہ ایک ہی مجلس میں موجود تھے، تو ہندہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی، جیسا کہ نکاح کے وقت ایک ہی مجلس میں موجود مرد و عورت بولنے پر قادر ہونے کے باوجود تحریری طور پر ایجاب و قبول کریں تو نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے۔

محیط برہانی میں ہے:

”اذا اکره الرجل بالحبس و الضرب علی ان یکتب طلاق إمرأته فکتب فلانة بنت فلان طالق لا تطلق لان الکتابة من الغائب جعل بمنزلة الخطاب من الحاضر باعتبار الحاجة و لا حاجة هٰهنا حیث احتیج الی الضرب“

[المحیط البرهانی ج:۳، ص:۲۷٦، کتاب الطلاق دار الکتب العلمیة بیروت لبنان]

وهٰکذا فی فتاویٰ قاضی خان ج:۱، ص:٤۱٦، کتاب الطلاق، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان

ترجمہ: جب مرد کو مجبور کیا جائے بذریعہ قید و زدوکوب کہ اپنی بیوی کو طلاق لکھے۔ پس وہ لکھے کہ فلاں بنت فلاں کو طلاق۔ تو طلاق نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ غائب کی تحریر۔ حاضر کے خطاب کے درجہ میں رکھی گئی ہے۔ حاجت کے اعتبار سے۔ اور یہاں کوئی حاجت نہیں ہے۔ یہاں زدوکوب کی حاجت ہے۔

رد المحتار میں ہے:

"إن المعنون من الناطق الحاضر غير معتبر"

[رد المحتار، ج:١٠، ص:٤٦١، كتاب الخنثى مطبوعه دار عالم الكتب للطباعة و النشر و التوزيع الرياض]

ترجمہ: کہ بولنے والے حاضر کی جانب سے لکھا ہوا معتبر نہیں ہے۔

در مختار مع الشامی میں ہے:

"و لا بكتابة حاضر فلو كتب زوجتك فكتبت قبلت لم ينعقد"

[در مختار مع رد المحتار، ج:٤، ص:٧٣، كتاب النكاح، دار عالم الكتب للطباعة و النشر و التوزيع. الرياض]

و هكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار ج ٤، ص ٢٤، كتاب النكاح، مطبوعة: دار الكتب العلميه بيروت. لبنان.

ہاں جھوٹ لکھنے کا گناہ زید و ہندہ پر عائد ہو گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبـــــــ

گی، جس طرح کہ تین طلاق کی صورت میں پڑتی ہے یا پھر بغیر حلالہ کے ہی نکاح درست ہو جائے گا؟

سائل: محمد طاہر، ساکن بہیڑی، ضلع بریلی

الجواب

وعلیکم السلام و رحمة و برکاته

تیسری مرتبہ بھی تجدید ایمان و نکاح کرے گا، حلالہ نہیں، چونکہ کفریہ کلمات سے نکاح بالکلیہ فسخ ہو جاتا ہے، جبکہ حلالہ تین طلاق تین بار ایک مجلس میں دینے سے واجب ہوتا ہے۔ لہذا نکاح فسخ ہو گا، اود تیسری بار بھی تجدید ایمان و نکاح ضروری ہو گا۔

الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں ہے:

"الحنفية قالوا بين الزوجين تارة تكون فسخا، و تارة تكون طلاقا، فتكون فسخا فی مواضع إلخ..."

(الفقه على المذاهب الاربعه، ج: ٤، ص: ٣٧٤، كتاب الطلاق، الخلع طلاق بائن كا فسخ و الفرق بين الفسخ و الطلاق، دار الكتب العلميه). والله تعالىٰ اعلم.

كتبه

احقر ہاشم بدیعی مصباحی عفی عنہ

مدرس جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الاولیا مکن پور شریف

غلط فہمی میں طلاق مغلظہ دیدی تو کیا حکم ہے

بسم الله الرحمن الرحيم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں:

بیوی کا اس کے شوہر کے گھر والوں سے جھگڑا ہوا۔ اپنے بڑے بھائی سے اپنی بیوی کو زبان درازی کرتے ہوئے دیکھ شوہر کو غصہ آگیا بیوی کو دیکھے بغیر کچھ سوچے سمجھے بغیر ایک مرتبہ اپنی بیوی کا نام لیکر لفظِ طلاق کہا اور پھر تین مرتبہ بغیر نام لیکے طلاق کہا۔ بعد میں اس کے شوہر کو پتا چلا اس کی بیوی کی غلطی نہیں تھی بلکہ لڑائی کی شروعات شوہر کے بھائی نے ہی کی تھی شوہر کا کہنا ہے کہ جب ہم ہوش میں ائے تو اپنی بیوی کو ڈھونڈتے پھر رہے

تھے۔لہذا اس صورت میں مسئلہ کا حکم شرعی بیان کر دیں۔

المستفتی۔ سرفراز کان پور

الجواب

صورت مسئولہ میں شوہر نے اپنی بیوی کو صریح الفاظ کے ساتھ یکے بعد دیگرے چار طلاقیں دی ہیں، تین طلاقوں کے ذریعے ہی اس کی بیوی طلاق مغلظہ کے ساتھ شوہر پر حرام ہو چکی اور ایک طلاق لغو ہو گئی۔

جیسے فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"متي كر لفظ الطلاق بحرف الواو أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق"

(فتاوي هنديه ج١ ص:٣٩٠،كتاب الطلاق/ باب في إيقاع الطلاق/ دار الكتب العلميه)

ترجمہ: لفظ طلاق سے جب کوئی بار بار طلاق دے تو ساری طلاقیں پڑ جاتی ہیں۔

اور شامی میں ہے

"لو كرر لفظ الطلاق وقع الكل"

(ردالمحتار علي الدرالمختار ج٢،ص:٤٥٨/ كتاب الطلاق قديم)

اسی طرح وقوع طلاق کے لئے عورت کا نام لے کر طلاق دینا یا عورت کا الفاظ طلاق سننا شرط نہیں ہے۔

جیسے ردالمحتار میں ہے:

"ولا يلزم كون الاضافة صريحة في كلامه.....لأن العادة أن من له إمرأة انما يحلف بطلاقها لا بطلاق غيرها."

(ردالمحتار، ج:٤، ص:٤٥٨/ كتاب الطلاق،باب الصريح/ دار الكتب العلميه بيروت)

شوہر کے کلام میں بیوی کی طرف طلاق کی نسبت صریح ہونا لازم وضروری نہیں، تو بیوی سامنے موجود ہو یا نہ ہو اس کا نام لیا ہو یا نہیں لیا ہو بہر صورت طلاق واقع ہو جائے گی۔

اب وقوع طلاق کے بعد ساتھ رہنا سونا حرام کاری ہے، البتہ میاں بیوی اگر ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو یہ بغیر حلالہ شرعی کے جائز نہیں، یعنی عورت شوہر اول کی عدت گذارنے کے بعد کسی دوسرے مرد سے شادی کرے پھر شوہر ثانی اس سے ازدواجی تعلق قائم کرے، پھر کبھی اگر شوہر ثانی اس عورت کو طلاق دے تو یہ عورت عدت گذارنے کے بعد دوبارہ اپنے شوہر اول سے نکاح کر سکتی ہے ورنہ نہیں۔

جیسا کہ بنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

وان كان الطلاق ثلاثا في الحرة أو ثنتين في الأمة لم تحل له حتي تنكح زوجاغيره نكاحاصحيحا ويدخل بهاثم يطلقها أو يموت عنها.

(بنايه شرح هدايه، ج٥، ص:٢٥٢/ كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، دارالفكر | (تاتارخانيه ج٣ ص:١٢٠/ كتاب الطلاق،دارالكتب العلميه | هنديه ج١ ص:٥٠٦/ كتاب الطلاق/ باب في الرجعةفصل وفيما تحل به المطلقة دار الكتب العلميه)

اسی طرح، شامی میں ہے:

ولواقر بالطلاق كاذبااو هاذلا،وقع فى القضاء.

(رد المحتار ج٤، ص٤٤٠/ كتاب الطلاق: كتاب الطلاق دارالكتب العلميه بيروت)

غمز عیون الابصار علی شرح الاشباہ والنظائر میں ہے:

"ولو قال لزوجته انت طالق طالق طالق طلقت ثلاثا."

(غمز عيون الابصار علي الاشباه والنظائرج:١ ص:٤٢٩/ دارالكتب العلميه)

ترجمہ: شوہر نے اپنی بیوی سے کہا تجھے طلاق ہے طلاق، طلاق، تو بیوی پر تینوں طلاقیں پڑ جائیں گی۔ واللہ اعلم باالصواب.

کتبـــــــ

سارہ نے زید سے کہا تو میرا بھائی ہے، تو صورت ہذا کا عند الشرع کیا حکم ہو گا؟

سائل: محمد حسین، گجرات

الجواب

وعلیکم السلام و رحمة الله و برکاته

صورت مسئولہ میں سارہ کا اپنے شوہر کو اپنا بھائی کہنا لغو کلام ہے۔ سارہ کے قول سے زید اور سارہ کے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اور سارہ کا قول باطل ہو جائے گا؛ کیوں کہ سارہ کا قول ظہار وغیرہ پر دلالت نہیں کرتا اس لیے کہ ظہار کے لئے ضروری ہے تشبیہ کا پایا جانا؛ اور بغیر تشبیہ کے ظہار نہیں ہوتا اور یہاں چونکہ تشبیہ موجود نہیں ہے تو سارہ کا قول رد ہو جائے گا۔

جیسا کہ کتاب الفقہ جلد چہارم مباحث الظہار کے تحت صفحہ ۱۳۴ پر منقول ہے:

"و معناه إجمالاً ان حقيقة الظهار الشرعية هى صيغة الظهار المشتملة على تشبيه الزوجة بالأم و نحوها من المحرمات. أو تشبيه جزء يعبر به عن المرأة كالرأس والعنق أو جزء شائع كالنصف والثلث، فقوله: تشبيه خرج عنه ما ليس تشبيها فاذا قال لها: أنت أمى او أختى بدون تشبيه فانه لا يكون ظهارا، ولو نوى به الظهار".

[مطبوعه دار الكتب العلميه بيروت]

اور الجوہرۃ النیرۃ کتاب الظہار جلد دوم صفحہ ۲۲۲/ پر ہے:

"الظهار: هو ان يشبه الرجل إمراته او عضوا من أعضائها يعبر به عن جميعها او جزءا شائعا منها بمن تحرم عليه على التابيد" [مطبوعه دار الكتب العلميه بيروت]

اور اگر تشبیہ موجود بھی ہوتی، تو ظہار پھر بھی نہیں ہوتا کیونکہ یہ کلام عورت کی طرف سے ہے اور ظہار کی اجازت صرف مرد کو دی گئی ہے عورت کو نہیں۔

ظہار صرف مرد کی طرف سے ہو گا جیسا کہ کتب فقہ میں اس کی صراحت کی گئی ہے۔

الجوہرۃ النیرۃ کتاب الظہار جلد دوم صفحہ ۲۲۲ پر ہے:

"والظهار لا يكون إلا من زوج بالغ عاقل مسلم. لزوجة قد انعقد زواجها انعقادا صحيحا نافذا" [مطبوعه دار الكتب العلميه بيروت]

نیز فتاویٰ تاتارخانیہ کتاب الطلاق جلد ۳ صفحہ ۲۳۱ پر ہے:

"وفی الینابیع: ولا یکون الظهار إلا من جهة الزوج عند ابی یوسف وفی الخلاصة: و محمد حتی أن المرأة اذا قالت لزوجها "أنت علي كظهر أمی فعلیها كفارة یمین" [مطبوعه دار الكتب العلمیه بیروت] والله اعلم باالصواب.

کتبـــــــ

ردالمحتار میں ہے:

"و فی الهداية و إن كان طلاقا ثلاثا فی الحرة و ثنتين فی الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها"

منثور فی القواعد میں ہے:

"ومنها إذا قال أنت طالق أنت طالق أنت طالق و لم يقصد تاكيدا و لا استئنافا لا أطلق فالاظهر يقع ثلاثا لأنه موضوع للإيقاع كاللفظ"

[المنثور فی القواعد للزركشي، ج:١، ص:٣٢، وزارة الأوقاف الشئون الإسلامية الكويت]

بدائع الصنائع میں ہے:

"وحال الغضب و مذاكرة الطلاق دليل إرادة الطلاق ظاهرا، فلا يصدق فی الصرف عن الظاهر" [بدائع الصنائع، ج:٣، ص١٠٢، كتاب الطلاق، فصل فی النية فی نوعي الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت] والله تعالیٰ اعلم.

کتبـــــــ

حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور جمہور علمائے سلف وخلف کا اجماع ہے:

چنانچہ حضرت امام ابوذکریا نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم جلد اول صفحہ ۴۷۸ر میں تحریر فرماتے ہیں:

"قال الشافعی ومالك وحضرت ابو حنیفه واحمد وجماهیر العلماء من السلف والخلف یقع الثلاث."

یعنی حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک و حضرت امام ابو حنیفہ و حضرت امام احمد اور جمہور علماء سلف و خلف کا مذہب یہی ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے تین طلاق واقع ہوتی ہیں۔

اور فتح القدیر جلد تین صفحہ (۳۳۰) میں ہے:

"ذهب جمهور صحابه والتابعین ومن بعدهم من ائمة المسلمین الی انه یقع الثلاث ومن الادلة فی ذالک مافی مصنف ابن ابی شیبه والدار قطنی فی حدیث ابن عمر قلت: یارسول الله! أرأیت لو طلقها ثلثا ؟ قال:" اذا قد عصیت ربّک وبانت منک امرأتک"

وفی سنن ابو داؤد عن مجاهد قال کنت عند ابن عباس رضی الله عنهما فجاء رجل فقال انه طلق امراته ثلثا قال فسکنت حتی ظننت انه رادها الیه ثم قال ایطلق احدکم فیرکب الحموقة ثم یقول یا ابن عباس یابن عباس فان الله عزوجل قال ومن یتق الله یجعل له مخرجا عصیت ربک وبانت منک امراتک".

اسی طرح صاحب فتح القدیر نے ایک مجلس میں تین طلاقیں واقع ہونے کی تائید میں کئی حدیثوں کو نقل کرنے کے بعد اخر میں تحریر فرمایا ہے:

"قد اثبتنا النقل عن اکثرهم صریحا بایقاع الثلاث ولم یظهر لهم مخالف فماذا بعد الحق الاالضلال".

خلاصہ یہ کہ جمہور صحابہ کرام تابعین عظام اور ائمہ مجتہدین مذہب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اس بات پر اجماع ہے کہ مجلس واحد میں دی ہوئی تین طلاق تین ہی واقع ہوں گی۔ وہابیوں نے اس دور میں یہ شگوفہ چھوڑا ہے کہ تین طلاقیں دینے سے ایک ہی طلاق ہوتی ہے وہابیوں کا فتوی غلط ہے باطل ہے قابل عمل نہیں ہے۔

شوہر نے اگر اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دی ہیں تو اس صورت میں عورت عدت گزارے اور بعد تکمیل عدت اس کا دوسرے مرد سے نکاح صحیح ہو اور وہ اس کے ساتھ کم از کم ایک مرتبہ ہمبستری کرے پھر اس کی عدت گزارے پھر شوہر اول سے نکاح جائز ہو گا۔ چنانچہ قرآن مجید پارہ ۲/ رکوع ۳/ سورۃ البقرۃ - آیت نمبر ۲۳۰/ میں ارشاد ہے:

" فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَّتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللهِ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ "

ترجمہ: "پھر اگر اس نے (تیسر بار) طلاق دے دی تو وہ عورت اس کے لیے حلال نہ ہو گی جب تک کہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے، پھر اگر وہ (دوسرا شوہر بھی) اسے طلاق دے دے تو ان دونوں پر (پہلے شوہر اور بیوی پر) رجوع کرنے میں کوئی گناہ نہیں، اگر وہ سمجھیں کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے، اور یہ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدود ہیں، جنہیں وہ ان لوگوں کے لیے واضح کرتا ہے جو علم رکھتے ہیں۔

وعلى هذا يدل حديث العسيلة الذى رواه البخارى والمسلم وصاحب المشكوة على صفحة ٢٨٤.

اور فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری صفحہ ۴۳۱: میں ہے:

ان كانت الطلاق ثلاثالم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها اويموت عنها كذا فى الهداية. ملخصا.

یعنی شوہر نے اگر تین طلاق دے دی ہے تو اب عورت اس کے لیے حلال نہیں رہی یہاں تک کہ دوسرے مرد سے اس کا نکاح صحیح ہو اور دوسرا شوہر اس کے ساتھ ہمبستری کرے پھر وہ طلاق دے دے یا اس کی موت ہو جائے تو پھر بعد عدت شوہر اول سے نکاح ہو سکتا ہے اسی طرح ہدایہ میں ہے۔ هذا ماظهر لى والعلم عند ربى وهو اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

نفسیاتی مریض یعنی مجنون یا معتوہ طلاق کا حق رکھتا ہے یا نہیں ؟

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلۂ ذیل میں کہ ہندہ کا نکاح عمرو سے ہوا جب رخصتی ہوئی تو ہندہ نے پایا کہ زید نفسیاتی مریض ہے۔ رخصتی تو ہوگئی مگر دخول نہیں ہوا۔ صورت مسئولہ میں بعد طلاق عدت واجب ہوگی یا نہیں؟

سائل: قاری محمد نعیم مداری، بہیڑی ضلع بریلی یوپی

الجواب

صورت مسئولہ میں ہندہ پر عدت واجب نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جس مریض کے بارے میں ماہرین نفسیات و معالجین یہ تصدیق کریں کہ یہ نفسیاتی مریض ہے یعنی مجنون اور پاگل ہے (اس کا دماغی توازن ٹھیک نہیں، اچھائی برائی میں تمیز نہیں کر سکتا، زمین کو اسمان اور اسمان کو زمین کہتا پھرتا ہے) ایسا شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی، اور جب طلاق نہیں تو عدت بھی نہیں، البتہ بہ حالت صحت اگر اس نے طلاق دی تو اب دیکھا جائے گا کہ جب سے شادی ہوئی ہے اب تک زوجین میں ازدواجی تعلق قائم ہوا ہے یا نہیں یا دونوں کے درمیان خلوت صحیحہ پائی گئی ہے یا نہیں، اگر ازدواجی تعلق قائم ہوا ہے یا خلوت صحیحہ پائی گئی ہے تو عدت واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ''

(سورة البقرة ٢٣٤)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا'' (الأحزاب، ٤٩)

حدیث شریف میں ہے:

عن علي عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "رفع القلم عن ثلاثة؛ عن النائم حتى يستيقظ، وعن الصبي حتى يحتلم، وعن المجنون حتى يعقل".

(ابوداؤد شریف ٤٤٠٣ سنن أبي داود | أَوَّلُ كِتَابِ الْحُدُودِ | بَابٌ: فِي الْمَجْنُونِ يَسْرِقُ أَوْ يُصِيبُ حَدًّا)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"ولا يقع طلاق الصبي وإن كان يعقل والمجنون والنائم والمبرسم والمغمى عليه والمدهوش هكذا في فتح القدير وكذلك المعتوه لا يقع طلاقه أيضا وهذا إذا كان في حالة العته أما في حالة الإفاقة فالصحيح أنه واقع هكذا في الجوهرة النيرة"

(فتاوى هندية ج١ ص:٢٨٧، فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لايقع طلاقه / كتاب الطلاق/ دارالكتب العلميه بيروت)

در مختار ورد المحتار میں ہے:

"(والمجنون) قال في التلويح الجنون اختلال القوة المميزة بين الأمور الحسنة والقبيحة المدركة للعواقب بأن لا تظهر آثارها وتتعطل أفعالها إما لنقصان جبل عليه دماغه في أصل الخلقة وإما لخروج مزاج الدماغ عن الاعتدال بسبب خلط أو آفة وإما لاستيلاء الشيطان عليه وإلقاء الخيالات الفاسدة إليه بحيث يفرح ويفزع من غير ما يصلح سببا. اهـ"

(ردالمحتار على درالمختار، ج٤، ص: ٤٥٠، ٤٥١، دار عالم الكتب، رياض)

اور اسی میں ہے:

والذي يظهر لي أن كلاً من المدهوش والغضبان لا يلزم فيه أن يكون بحيث لا يعلم ما يقول بل يكتفى فيه بغلبة الهذيان واختلاط الجد بالهزل كما هو المفتى به في السكران على ما مر، ولا ينافيه، تعريف الدهش بذهاب العقل فإن الجنون فنون، ولذا فسره في البحر باختلال العقل وأدخل فيه العته والبرسام والإغماء والدهش، ويؤيد ما قلنا بعضهم العاقل من يستقيم كلامه، وأفعاله إلا نادرا والمجنون ضده . وأيضاً فإن بعض المجانين يعرف ما يقول ويريده ويذكر ما يشهد الجاهل به بأن عاقل ثم يظهر منه في مجلسه ما ينافيه فإذا كان المجنون حقيقة قد يعرف ما يقول ويقصده فغيره بالأولى فالذي ينبغي التعويل عليه في المدهوش ونحوه إناطة الحكم بغلبة الخلل في أقواله وأفعاله الخارجة عن عادته وكذا يقال فيمن اختل عقله لكبر أو لمرض أو لمصيبة فاجأته فما دام في حال غلبة الخلل في الأقوال والأفعال لا تعتبر أقواله وإن كان يعلمها ويريدها لأن هذه المعرفة والإرادة غير معتبرة لعدم

حصولها عن إدراك صحيح كما لا تعتبر من الصبي العاقل.

(جلد: ٤، ص: ٤٥٣، ٤٥٢/ مطلب في طلاق المدهوش/ كتاب الطلاق، دار عالم الكتب رياض) والله اعلم.

کتبـــــــ

یعنی اب اگر طلاق دے گا تو وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں رہے گی جب تک کہ دوسرے مسلمان عاقل وبالغ سے نکاح حقیقی نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب. هذا ماظهر لی والعلم عند ربی.

کتبـــــــ

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"وطلاق السكران واقع إذا سكر من الخمر أو النبيذ و هو مذهب أصحابنا رحمهم الله تعالى كذا فى المحيط"

[الفتاوى الهندية، ج:١، ص:٣٨٧، كتاب الطلاق، الباب الأول فى تفسيره و ركنه و شرطه، فصل فيمن يقع طلاقه، دار الكتب العلمية بيروت]

منثور فی القواعد میں ہے:

"ومنها إذا قال أنت طالق أنت طالق أنت طالق و لم يقصد تاكيدا و لا استئنافا لا أطلق فالاظهر يقع ثلاثا لأنه موضوع للإيقاع كاللفظ"

[المنثور فى القواعد للزركشي، ج:١، ص:٣٢، وزارة الأوقاف الشئون الإسلامية الكويت] والله تعالى اعلم.

کتبـــــــ

"(وتعتدان) أي معتدة طلاق وموت (في بيت وجبت فيه) ولا تخرجان منه (إلا أن تخرج أو ينهدم المنزل، أو تخاف) انهدامه، أو (تلف مالها، أو لا تجد كراء البيت) ونحو ذلك من الضرورات فتخرج لأقرب موضع إليه....

قال في الفتح: والحاصل أن مدار حل خروجها بسبب قيام شغل المعيشة فيتقدر بقدره، فمتى انقضت حاجتها لايحل لها بعد ذلك صرف الزمان خارج بيتها. اهـ. وبهذا اندفع قول البحر إن الظاهر من كلامهم جواز خروج المعتدة عن وفاة نهارا ولو كان عندها نفقة، وإلا لقالوا: لاتخرج المعتدة عن طلاق، أو موت إلا لضرورة فإن المطلقة تخرج للضرورة ليلا، أو نهارًا اهـ.

ووجه الدفع أن معتدة الموت لما كانت في العادة محتاجة إلى الخروج لأجل أن تكتسب للنفقة قالوا: إنها تخرج في النهار وبعض الليل، بخلاف المطلقة. وأما الخروج للضرورة فلا فرق فيه بينهما كما نصوا عليه فيما يأتي، فالمراد به هنا غير الضرورة، ولهذا بعدما أطلق في كافي الحاكم منع خروج المطلقة قال: والمتوفى عنها زوجها تخرج بالنهار لحاجتها ولا تبيت في غير منزلها، فهذا صريح في الفرق بينهما، نعم عبارة المتون يوهم ظاهرها ما قاله في البحر، فلو قيدوا خروجها بالحاجة كما فعل في الكافي لكان أظهر."

(كتاب الطلاق، باب العدة، فصل في الحداد، ج:٣، ص:٥٣٦، ط:سعيد) فقط والله أعلم بالصواب.

استكتبـــــــ

الجواب

واضح رہے کہ جس عورت کے شوہر انتقال ہو جائے، اس پر لازم ہے کہ وہ عدت چارہ مہینے دس روز اسی گھر میں گزارے جہاں اس کے شوہر کا انتقال ہوا تھا، کسی شدید مجبوری اور عذر شرعی کے بغیر عدت کے دوران گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے۔

لہذا صورتِ مسئولہ میں مذکورہ خاتون پر شوہر کے گھر میں عدت گزارنا لازم ہے، اگر اکیلے گھر میں رہنے کی وحشت یا تنہائی ہو تو اپنے کسی محرم عزیز و اقارب کو اپنے گھر ٹھہرالے، اس گھر سے منتقل نہ ہو۔

البتہ اگر تنہا گھر میں رہنے میں جان، مال اور عزت و ابرو کا خطرہ ہو، یا بیماری یا شدید وحشت کی وجہ سے تنہا رہنے پر قادر نہ ہو، اور کوئی محرم رشتہ دار کو ساتھ ٹھہرانے کا انتظام نہ ہو سکتا ہو تو ایسی صورت میں اگر قریب ہی کسی محرم عزیز و اقارب کے ہاں عدت گزارنا ممکن ہو تو وہاں عدت گزارلے، شرعی مسافت کے بقدر سفر نہ کرے، اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو شدید مجبوری میں اپنے بیٹوں کے پاس کسی محرم کے ساتھ دبئی جاکر ان کے گھر عدت مکمل کرنے کی گنجائش ہو گی اس دوران اس پر لازم ہو گا کہ ضرورت کے سوا کوئی دوسرا کام نہ کرے، اگر اس درجہ کی شدید مجبوری نہ ہو تو پھر بیٹوں کے ہاں جاکر عدت گزارنا جائز نہیں ہو گا۔

مجمع الانہر میں ہے:

"(وتعتد المعتدة في منزل يضاف إليها) بالسكنى (وقت) وقوع (الفرقة والموت) لقوله تعالى: {لاتخرجوهن من بيوتهن} [الطلاق:١] وإضافة البيوت إليهن لاختصاصهن بها من حيث السكنى حتى لو طلقت غائبة عادت إلى منزلها فورًا وتبيت في أي بيت شاءت إلا أن تكون في الدار منازل لغيره فلاتخرج إلى تلك المنازل ولا إلا صحن دار فيها منازل؛ لأنه حينئذ بمنزل له السكة (إلا أن تخرج جبرًا) بأن كان المنزل عاريةً أو مؤجرًا مشاهرًا وأما إن كان مدة طويلة فلاتخرج (أو خافت على مالها) في ذلك المنزل من السارق أو غيره (أو) خافت (انهدام المنزل) وفيه إشعار بأنه إن خافت بالقلب من أمر المبيت خوفًا شديدًا فلها أن تخرج، كما في الخانية."

(كتاب الطلاق، باب العدة، فصل في الإحداد، ١ / ٤٧٣، ط: دار إحياء التراث العربي)

المبسوط للسرخسی میں ہے:

"ولو كان زوال الخوف بالتحول من منزل إلى منزل كان لها أن تتحول."

(كتاب الطلاق، باب العدة، وخروج المرأة من بيتها، ٦/ ٣٤، ط: دار المعرفة، بيروت)

فتاویٰ شامی میں ہے:

"(وتعتدان) أي معتدة طلاق وموت (في بيت وجبت فيه) ولايخرجان منه (إلا أن تخرج أو يتهدم المنزل، أو تخاف) انهدامه، أو (تلف مالها، أو لاتجد كراء البيت) ونحو ذلك من الضرورات فتخرج لأقرب موضع إليه".

(كتاب الطلاق، باب العدة، ٣/ ٣٣٦، ط: قديمي) فقط والله أعلم بالصواب.

استكتبـــــــ

طلاق کے وقت اور طریقے کا حکم:

طلاق کا سنت طریقہ:

سنتِ طلاق یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو:

ایسی طہارت (پاکی) کی حالت میں طلاق دے جس میں ہمبستری نہ کی ہو۔

صرف ایک طلاق دے، پھر عدت گزرنے دے۔

طلاقِ بدعی (غیر مشروع طریقہ):

عورت کو حالتِ حیض میں یا ایسی پاکی میں جس میں ہمبستری ہو چکی ہو، اگر طلاق دی جائے تو یہ بدعی طلاق کہلاتی ہے۔

حدیثِ مبارکہ میں ہے:

"عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ثُمَّ لِيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا أَوْ حَامِلًا"

(صحيح بخاري: ٥٢٥١)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے کہو رجوع کرے، پھر طلاق دے پاکی میں یا حمل کی حالت میں۔

فقہی حکم:

حالتِ حیض میں طلاق دینا ناجائز ہے، گناہ ہے۔ البتہ طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ (جمہور ائمہ کا قول)۔

" قال الإمام النووي رحمه الله: "اتفق العلماء على أن طلاق الحائض بدعة وحرام مع وقوعه" (شرح النووي على مسلم: ١٠/٣)

عدت کا بیان:

حیض والی مطلقہ کی عدت:

"وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ" (سورۃ البقرۃ:۲۲۸)

ترجمہ: طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک:

"قُرُوء" سے مراد حیض ہے۔

عدت: تین حیض (ماہواریاں)

حیض نہ آنے والی مطلقہ کی عدت:

"وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُھُنَّ ثَلٰثَۃُ اَشْھُرٍ" (سورۃ الطلاق:۴)

اور وہ عورتیں جنہیں حیض آنا بند ہو چکا ہو... ان کی عدت تین ماہ ہے۔

یائسہ (بڑھاپے کی عورت)، یا نابالغہ کے لیے عدت: تین مہینے عدت کے ہیں۔

حاملہ عورت کی عدت:

"وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُھُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَھُنَّ" (سورۃ الطلاق:۴)

"اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کے وضع حمل تک ہے"

ہدایات:

۱. شوہر کو چاہیے کہ شریعتِ مطہرہ کی ہدایات کے مطابق طلاق دے تاکہ گناہ اور بدعت سے بچے۔

۲. طلاق کا سنت طریقہ اپنانا بہتر ہے، اس میں رجوع کی گنجائش رہتی ہے۔

۳. عدت کے دوران عورت کا نان و نفقہ شوہر کے ذمے ہے (جب تک وہ رجعی طلاق ہو)۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

کتبـــــــ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ:

۱. شوہر کے انتقال کے بعد بیوی کی عدت کی مدت کیا ہے؟

۲. اگر عدت کے دوران شوہر کے گھر میں کفالت کرنے والا کوئی نہ ہو، اور عورت کو معاشی یا جانی خطرہ لاحق ہو، تو کیا وہ اپنے والد یا کسی محرم کے گھر جاسکتی ہے؟

برائے کرم قرآن و حدیث اور فقہائے احناف کی معتبر کتب سے دلائل و حوالہ جات کے ساتھ واضح فرمائیں، سید ظفر مجیب ولی عہد سجادہ نشین۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اوّلا: عدّتِ وفات کی مدّت:

قرانِ کریم میں ارشادِ ربانی ہے:

" وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا "

(البقرۃ:۲۳۴)

ترجمہ: اور جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں، وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے دس دن (عدت میں) روکیں۔

اس ایتِ کریمہ سے صراحت کے ساتھ معلوم ہوا کہ غیر حاملہ عورت کی عدّتِ وفات چار مہینے دس دن ہے۔

حدیثِ مبارکہ میں ہے:

" لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلَىٰ مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا عَلَىٰ زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرا"

(صحيح البخاري، كِتَابُ الطَّلَاقِ، بابُ إِحْدَادِ الْمُتَوَفَّىٰ عَنْهَا زَوْجُهَا، حديث: ٥٣٣٤)

ترجمہ: اللہ اور قیامت پر ایمان رکھنے والی عورت کے لیے جائز نہیں کہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، سوائے اپنے شوہر کے، کہ اس پر چار ماہ دس دن سوگ کرے۔

ثانیا: عدّت کا مقام:

فقہاءِ کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ بیوہ عورت عدت کا زمانہ اسی گھر میں گزارے گی جہاں شوہر کے انتقال کے وقت رہائش پذیر تھی۔

قال فی الدر المختار:

" وَتَلْزَمُهَا الْعِدَّةُ فِي مَنْزِلِ الْمَوْتِ إِنْ أَمْكَنَهَا، وَيَحْرُمُ خُرُوجُهَا إِلَّا لِضَرُورَةٍ"

(الدرُّ المختار مع ردّ المحتار، ج۳، ص۵۴۲، دارُ الفکر)

ترجمہ: عورت پر لازم ہے کہ وہ عدت شوہر کے انتقال کے مکان ہی میں گزارے، بشرطیکہ اس کے لیے ممکن ہو، اور بغیر ضرورت کے اس مکان سے نکلنا حرام ہے۔

ثالثاً: اگر کفالت نہ ہو یا جان ومال کا خطرہ ہو؟

اگر شوہر کے انتقال کے بعد بیوہ عورت کے لیے اس مکان میں رہنا جان، مال یا دین کے لیے خطرے کا سبب ہو، یا اس کی بنیادی ضروریات پوری نہ ہوں، تو ایسی مجبوری کی صورت میں وہ کسی محفوظ مقام، مثلاً اپنے والد یا محرم کے گھر منتقل ہو سکتی ہے، بشرطیکہ وہاں عدت مکمل کرے۔

قال في الفتاوى الهندية:

" وَإِنْ خَافَتْ عَلَىٰ نَفْسِهَا أَوْ مَالِهَا فَلَهَا أَنْ تَنْتَقِلَ إِلَىٰ مَوْضِعِ أَمَانٍ، وَتَعْتَدَّ فِيهِ "

(الفتاوٰی الهندیَّة، ج۱، ص۵۳۲، البابُ الخامسُ، في العدَّة)

ترجمہ: اگر عورت کو اپنی جان یا مال کا خوف ہو، تو وہ کسی محفوظ جگہ منتقل ہو سکتی ہے اور وہیں عدت پوری کرے۔

فتویٰ کا خلاصہ:

۱. شوہر کے انتقال کے بعد بیوی کی عدت چار ماہ دس دن ہے، اگر وہ حاملہ نہ ہو۔

۲. اس عدت کا مقام شوہر کا گھر ہے، اور وہاں سے بلا ضرورت نکلنا شرعاً حرام ہے۔

۳. اگر شوہر کے گھر میں رہنا عورت کے لیے جان، مال یا دین کے خطرے کا باعث ہو، یا ضروریاتِ زندگی کی فراہمی ممکن نہ ہو، تو عورت والد یا کسی محرم کے گھر منتقل ہو سکتی ہے، اور وہیں عدت مکمل کرے گی۔ واللّٰہُ أعلمُ بالصَّواب.

کتبہ

ابو الحماد محمد اسرافیل حیدری المداری
دار الافتاء والقضاء جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الاولیاء
استانہ زندہ شاہ مدار مکن پور شریف کانپور نگر یوپی انڈیا

دوران عدت عیادت کرنے کا حکم

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

سوال: دوران عدت عورت کا کسی قریبی رشتے دار کی عیادت کے لیے اس کے گھر پر جانا کیسا ہے؟

سائل: محمد طاهر، بہیڑی، ضلع بریلی۔

الجواب

عدت دو عورتوں کی ہوتی ہے، ایک مطلقہ عورت (جس کو طلاق دے دی گئی ہو) کی اور دوسری وہ عورت جس کا شوہر انتقال کر گیا ہو، اور وہ چار مہینے دس دن کی عدت گزارے، مطلقہ عورت جسے طلاق رجعی یا بائن دی گئی، وہ گھر سے بالکل نہیں نکل سکتی، نہ رات میں اور نہ دن میں، خواہ اسے کوئی ضرورت لاحق ہو یا نہ ہو، جبکہ وہ عورت جس کا شوہر فوت ہو گیا، وہ دن میں کسی سخت ضرورت کے لیے نکل سکتی ہے، رات میں نہیں، مریض کی عیادت کرنا کوئی ضرورت نہیں، بازپرسی کا یہ کام وہ بعد عدت بھی کر سکتی ہے، لہذا اسے مریض کی عیادت کے لیے جانا حلال نہیں۔

ارشاد ربانی ہے:

"لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ"

ترجمہ: تم عدت والی عورتوں کو گھر سے نہ نکالو، اور نہ وہ خود نکلیں، مگر یہ کہ وہ کسی صریح برائی کا ارتکاب کریں۔

در مختار میں ہے:

وتعتدان أی معتدة طلاق و موت فی بیت وجبت فیه و لا یخرجان منه إلا أن تخرج أو یتهدم المنزل أو تخاف إنهدامه أو تلف مالها أو لا تجد کراء البیت و نحو ذلك من الضروریات فتخرج فی أقرب موضع إلیه"

[در مختار، ج:٥، ص:٢٢٤، کتاب الطلاق، باب العدة، مطلب: الحق علی المفتی...، دار عالم الکتب ریاض]

نہر فائق میں ہے:

"ویعرف من التعلیق أنها لو کان لها قدر کفایتها، صارت کالمطلقة فلا یحل لها الخروج لزیارة أهلها لیلاً ونهارًا کذا فی الفتح."

[النهر الفائق، ص:٤٨٩، کتاب الطلاق، باب العدة، فصل فی الإحداد، دار الکتب العلمیة بیروت]

البحر الرائق میں ہے:

"حتی لو کان عندها کفایتها، صارت کالمطلقة، فلا یحل لها أن تخرج لزیارة و لا لغیرها لیلا و نهارا"

[البحر الرائق، ج:۲، ص:۲۵۸، کتاب الطلاق، فصل فی الإحداد، دار الکتب العلمیة بیروت] واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبـــــــ

ہو جائے گی اس وقت صادق البیان ہونے کی صورت میں وہ اپنی بیوی سے رجعت کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

"اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ"

یعنی طلاق رجعی صرف دو مرتبہ ہے اس کے بعد بھلائی کے ساتھ عورت کو رکھے یا احسان کے ساتھ تیسری طلاق دے کر اسے چھوڑ دے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ هذا ما ظهر لي والعلم عند ربي وهو اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

چنانچہ بحر الرائق میں ہے:

"ومن المتاخرين كانوں يفتون بان التسريح بمنزله الصريح يقع به طلاق رجعى بدون النية"

پس اس لفظ سے ایک طلاق رجعی واقع ہو گئی اب اگر "طلاق دیتا ہوں" دو مرتبہ کہا ہے تو طلاق مغلظہ واقع ہو جائے گی کہ اب کل تین طلاقیں ہو گئیں۔ اور اگر "طلاق دیتا ہوں" ایک مرتبہ کہا اور دوسرے میں شک ہے تو پھر کل دو رجعی طلاق مانی جائیں گی، چنانچہ "الاشباہ والنظائر" میں ہے:

"ومنها شک هل طلق ام لا لم يقع وان شک انه طلق واحدة اواكثر بنى على الاقل كما ذكره الاسبيحابى" (الاشباہ والنظائر فی الفقہ الحنفی ٦٠-٦٣)

اور دو رجعی طلاقوں میں رجعت کر سکتا ہے رجعت کے بعد جدید نکاح کی حاجت نہیں ہو گی۔ اب اگر آئندہ ایک طلاق دے گا عورت نکاح سے باہر ہو جائے گی۔ یہ سب صورتیں جب ہیں کہ عزت سے کھیلنے اور بد تمیزی کا ثبوت شرعی گواہوں سے ثابت ہو ورنہ سرے سے طلاق ہی نہیں معتبر ہو گی۔ واللہ اعلم بالصواب هٰذا ماظهر لی والعلم عند ربی.

کتبـــــــ

طلاق دے دوں گا۔ شوہر کے گھر والوں کا کہنا ہے کہ اس وقت وہ بہت نشے میں تھا شوہر کا بھائی وہی بیوی کا بہنوئی بھی ہے اس کا کہنا ہے کہ میرے بھائی نے کہا تھا کہ اپنے باپ سے کہنا کہ کاغذ تیار کر لے میں طلاق دے دوں گا۔ اس شخص کے علاوہ موقع کا کوئی گواہ نہیں ہے۔

مفتی صاحب سے گزارش ہے کہ صورت مسئلہ کو دیکھتے ہوئے جو شرعی حکم بنتا ہے وہ بیان فرمائیں اللہ آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

فقط والسلام: نیاز مند محمد ندیم جلال اباد شاہجہاں پور۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب۔ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

برصدق مستفتی استفتاء میں جو صورتحال درج ہے اس کے مطابق صورت مسئولہ میں شوہر کے بیان کے روسے طلاق نہیں پڑی۔ طلاق دے دوں گا سے وقوع طلاق نہیں ہوتا ہے کہ یہ لفظ انشائے طلاق کے لیے نہیں ہے۔ اگر شوہر چھپا رہا ہے تو اس کا وبال قیامت کے دن اس کے سر پر ہوگا۔ اور اگر مذکورہ بیوی کو یقین ہے کہ اس نے صریح لفظوں سے طلاق دے دی ہے تو وہ حتی الامکان جدائی کا راستہ اختیار کرے۔ ھٰذا ماظھر لی والعلم عند ربی وھو اعلم بالصواب.

کتبہ

ابو الحماد محمد اسرافیل حیدری المداری
دار الافتاء والقضاء جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الاولیاء
استانہ زندہ شاہ مدار مکن پور شریف کانپور نگر یوپی انڈیا۔

لفظ "طلاق دے دوں گا" سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ھٰذا میں کہ زید جو ایک محفل میلاد میں انتہائی نشے کی حالت میں شریک ہوا تب وہاں کے لوگوں نے اس کو وہاں سے رخصت کر دیا گھر پہنچنے پر زید کی بیوی ہندہ نے اسے ناراضگی کا اظہار کیا اور دونوں کے درمیان تنازعہ ہو گیا یہاں تک کہ زید جو بے پناہ شراب کے نشے میں مدہوش تھا اس نے کہا کہ میں تجھ کو طلاق دے دوں گا اور اس جملے کو تقریبا پانچ یا چھ مرتبہ ادا کیا اس حادثے کی خبر جب محفل

میلاد میں پہنچی تو ایک مولوی صاحب نے اعلان کر دیا کہ اس اس صورت میں طلاق ہو گئی آپ سے گزارش ہے کہ مسئلہ بالا میں کیا واقعی طلاق ہو گئی یا نہیں ؟ قران و حدیث کی روشنی میں بتانے کی زحمت کریں اور عنداللہ ماجور ہوں۔
المستفتی شوکت علی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب۔ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسولہ میں برصدق مستفتی واقعی اگر زید نے وہی لفظ کہا جو استفتا میں درج ہے یعنی "طلاق دے دوں گا" تو کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی صیغۂ مستقبل سے وقوع طلاق نہیں ہوتا۔ نیز انتہائی درجہ نشے کی حالت میں کہ ہوش و حواس ٹھکانے نہ ہوں طلاق واقع نہیں ہوتی۔ میلاد خواں مولوی صاحب "طلاق دے دوں گا" سن کر طلاق واقع ہونے کا حکم لگا گئے یہ ان کی شریعت سے ناواقفی کی بنیاد پر ہے اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے۔ واللہ تعالی أعلم بالصواب.

کتبہ

ابو الحماد مفتی محمد اسرافیل حیدری المداری
خادم الافتاء جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الاولیا مکنپور شریف۔

شوہر دو طلاقوں کا دعویٰ کرے اور بیوی تین کا تو کس کا قول معتبر ہو گا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام اس مسئلے میں کہ نشہ کی حالت میں زید نے اپنی بیوی کو دو مرتبہ طلاق طلاق کہہ کر طلاق دی اس وقت بیوی اور اس کی ماں موجود تھی۔ زید کہتا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دیں جبکہ بیوی کہتی ہے زید نے تین طلاقیں دی ہیں زید کی ساس کا کہنا ہے دو طلاق دی ہیں کوئی اور گواہ موجود نہیں ہے نیز بیوی حمل سے بھی ہے ایسی صورت میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے ؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

یاسین احمد راٹھ تحصیل و ضلع حمیر پور یوپی

الجواب۔ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مسولہ میں بیوی کے پاس اپنے دعوی پر شرعی گواہ موجود نہیں ہے جبکہ شوہر دو طلاق کا اقرار کر

رہا ہے تو "البينة على المدعى واليمين على المدعى عليه" پر عمل کرتے ہوئے شوہر سے قسم لی جائے گی کہ اس نے یقین کے ساتھ دو ہی طلاق دی ہے اگر قسم کھائے تو دو طلاق رجعی واقع ہو چکی اور اگر قسم کھانے سے انکار کرے تو تین طلاقیں مانی جائے گیں اور حالت حمل مانع طلاق نہیں ہے جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

"عن الحسن قال جابر عن حامل كيف تطلق؛فقال يطلقها واحدة ثم يدعها حتى تضع "

(كتاب الطلاق ماقالوا فى الحامل كيف يطلق)

اور در المختار میں ہے:

"وقعتا رجعيتين لو مدخولا بها كقوله انت طالق انت طالق"

(در مختار، كتاب الطلاق باب الصريح ص ٤٦٣ /ج ٤ دار الكتب علميه)

اور موطا امام مالک میں ہے:

" عن مالك انه بلغه ان سعيدبن المسيب وسليمان بن يسار سئلا عن طلاق السكران فقالا اذا طلق السكران جاز طلاقه وان قتل قتل به"

(الموطا لامام مالك /كتاب الطلاق و باب جامع الطلاق)

اور شامی میں ہے:

"يقع زجرا وعليه الفتوىٰ وتمامه فى الزركشى" (ردالمحتار)

ہاں اگر بیوی نے اپنے کان سے سن رکھا ہے تو صورت مذکورہ میں تین طلاق واقع ہو چکی ہیں اس کے لیے شوہر کے پاس رہنا قطعا جائز نہیں ہے اسے چاہیے کہ اس سے اپنی جان چھڑانے کی کوشش کرے، جیسا کہ رد المحتار ،البحر الرائق میں ہے:

المرآة كالقاضى اذا سمعته اواخبرها عدل لايحل لها تمكينه والفتوىٰ على انه ليس لها أن تقتله ولا تقتل نفسها بل تفدى نفسها بمال لتهرب قوله انها ترفع الامر للقاضى فان لم يكن لها بينة تحلّفه فإن حلف فالإثمُ عليه. (البحر الرائق كتاب الطلاق باب الطلاق ص ٤٤٩، ج٣)

كتبـــــــ

چونکہ طالق نے میرے سامنے بحلف شرعی اقرار کیا ہے کہ دو ہی طلاق دی تھی اور دو ہی پر اسے یقین ہے اس لیے دو رجعی طلاق واقع ہوئیں۔ آئندہ اگر ایک طلاق مزید دے گا تو بیوی نکاح سے باہر ہو جائے گی اور طلاق مغلظہ واقع ہو جائے گی۔

کتبہ

ابو الحماد محمد اسرافیل حیدری المداری
خادم الافتاء جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الاولیا مکنپور شریف

شوہر مفقود الخبر ہو تو عورت کیا کرے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اگر کسی عورت کا شوہر گم ہو جائے اور اس کی کوئی خبر نہ ملے اور نان و نفقہ کیلئے وہ محتاج ہو جائے تو وہ کیا کرے اسے اپنے شوہر کا کتنی مدت انتظار کرنا ہو گا؟

سائل تنویر احمد پیر بہوڑا بریلی

الجواب۔ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

مفقود کی بیوی کے لیے اصل حکم تو یہ ہے کہ وہ عفت و عصمت کے ساتھ اپنی زندگی گزارے، لیکن اگر وہ مفقود شوہر کے نکاح سے رہائی حاصل کرنا چاہے تو درج ذیل صورت اختیار کرنے کی اجازت ہے:

(۱) مفقود کی بیوی اپنا مقدمہ کسی مسلمان قاضی کی عدالت میں پیش کرے اور گواہوں سے ثابت کرے کہ میرا نکاح فلاں شخص کے ساتھ ہوا تھا، پھر گواہوں سے اس کا مفقود اور لاپتہ ہونا ثابت کرے، اس کے بعد قاضی خود اپنے طور پر اس کی تفتیش و تلاش کرے، جہاں اس کے جانے کا اغالب گمان ہو وہاں آدمی بھیجا جائے، اور جس جس جگہ جانے کا غالب گمان نہ ہو صرف احتمال ہو وہاں خط ارسال کرنے کو کافی سمجھے، اور خطوط ارسال کر کے تحقیق کرے، اور اگر اخبارات میں شائع کر دینے سے خبر ملنے کی امید ہو تو یہ بھی کرے۔

الغرض تفتیش و تلاش میں پوری کوشش کرے، اور جب پتہ چلنے سے مایوسی ہو جائے تو قاضی، عورت کو چار سال تک مزید انتظار کا حکم دے، پھر ان چار سالوں کے اندر بھی اگر مفقود کا پتا نہ چلے تو عورت قاضی کے پاس دوبارہ درخواست کرے، جس پر قاضی اس کے مردہ ہونے کا فیصلہ سنا دے، اس کے بعد چار ماہ دس دن عدت گزار کر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہو گا۔

اور اگر عورت زنا کا شدید خطرہ ظاہر کرے تو ایسی صورت میں چار سال کے انتظار کا حکم ضروری نہیں، بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ شوہر کے غائب ہونے کے وقت سے اب تک کم از کم ایک سال کا عرصہ گزر چکا ہے یا نہیں؟ اگر گزر چکا ہو تو قاضی مزید مہلت دیئے بغیر اس وقت بھی نکاح ختم کر سکتا ہے، اسی طرح اگر زنا میں مبتلا ہونے کا خطرہ تو نہیں، لیکن مفقود کا اتنا مال موجود نہیں جو ان چار سالوں میں اس کی بیوی کے نان و نفقہ کے لیے کافی ہو، یا بیوی کے لیے مفقود کے مال سے نان و نفقہ حاصل کرنا مشکل ہو تو اس صورت میں اگر نان و نفقہ دینے کے بغیر کم از کم ایک ماہ گزرا ہو تو قاضی نکاح ختم کر سکتا ہے۔

واضح رہے کہ آخری ان دونوں صورتوں میں عورت عدتِ وفات کے بجائے عدتِ طلاق گزارے گی، جو قاضی کے فیصلے کے وقت سے شمار ہو گی۔

اور اگر دوسری شادی کے بعد پہلا شوہر لوٹ آئے تو مذکورہ خاتون کا نکاح اس کے پہلے شوہر سے بدستور قائم رہے گا، دوسرے شوہر کے ساتھ اس کا نکاح خود بخود باطل ہو جائے گا؛ اس لیے دوسرے شوہر سے فورا علیٰحدگی لازم ہو گی۔ اور اگر اس خاتون کی دوسرے نکاح کی رخصتی بھی ہو گئی ہو تو پہلے شوہر کو اس کے ساتھ صحبت کرنا اس وقت تک جائز نہیں ہو گا جب تک وہ دوسرے شوہر کی عدت پوری نہ کر لے۔

علماء نے تحریر فرمایا ہے:

"اس صورت میں عورت کا شرعی حکم یہ ہے کہ عدالت میں دعویٰ تفریق بوجہ مفقود الخبری شوہر دائر کرے، حاکم بعد تحقیقات ایک سال کی مدت انتظار کے لیے مقرر کر دے، اگر اس عرصہ میں زوجِ غائب نہ آئے تو نکاح فسخ کر دے، تاریخِ فسخ سے عدت گزار کر دوسرا نکاح کر لے۔ ایک سال کی مدت مقرر کرنا ضروری ہے، ذرائعِ رسل و رسائل کا وسیع ہونا اس شرط کے خلاف نہیں ہے، اور نہ ذرائع کی وسعت اس امر کو لازم ہے کہ گم شدہ شوہر کا پتہ معلوم ہو جائے کہ وہ زندہ ہے کہ نہیں، اج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کے متعلق معلوم کرنے کے لیے کہ وہ زندہ ہے یا نہیں، تمام ذرائع استعمال کر لیے جاتے ہیں اور فیصلہ کر لیا جاتا ہے، لیکن بعد میں فیصلہ غلط ہوتا ہے، غرض یہ کہ ایک سال کی مدت اس مصلحت کے لیے ہے کہ امکانی حد تک شوہر کے متعلق کسی نتیجہ پر پہنچا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الدر المختار مع رد المحتار (۵ / ۴۱۴) میں ہے:

"(ولو قضى على الغائب بلا نائب ينفذ) في أظهر الروايتين عن أصحابنا".

اس کے تحت رد المحتار میں ہے:

"قلت: ويؤيده ما يأتي قريبا في المسخر، وكذا ما في الفتح من باب المفقود لايجوز القضاء على الغائب إلا إذا رأى القاضي مصلحة في الحكم له وعليه فحكم فإنه ينفذ؛ لأنه مجتهد فيه اهـ". (الدر المختار مع رد المحتار (٥ / ٤١٤)

الدر المختار وحاشیہ ابن عابدین (رد المحتار) ص (۴/۲۹۵) میں ہے:

"وقال في الدر المنتقى: ليس بأولى، لقول القهستاني: لو أفتى به في موضع الضرورة لا بأس به على ما أظن اهـ"

المبسوط للسرخسی (۱۱/۶۴): میں ہے:

"وأما تخييره إياه بين أن يردها عليه وبين المهر فهو بناء على مذهب عمر رضي الله عنه في المرأة إذا نعي إليها زوجها فاعتدت وتزوجت ثم أتى الزوج الأول حيًا أنه يخير بين أن ترد عليه وبين المهر، وقد صح رجوعه عنه إلى قول علي رضي الله عنه، فإنه كان يقول: ترد إلى زوجها الأول، ويفرق بينها وبين الآخر، ولها المهر بما استحل من فرجها، ولا يقربها الأول حتى تنقضي عدتها من الآخر، وبهذا كان يأخذ إبراهيم رحمه الله فيقول: قول علي رضي الله عنه أحب إلي من قول عمر رضي الله عنه، وبه نأخذ أيضًا؛ لأنه تبين أنها تزوجت وهي منكوحة، ومنكوحة الغير ليست من المحللات، بل هي من المحرمات في حق سائر الناس". فقط والله اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

بیوی کے نان ونفقہ، مطلقہ کی عدت اور اولاد کی پرورش کے احکام

کیا فرماتے ہیں علماے دین مسائل ذیل میں:

(۱) اگر بیوی بغیر اجازت کے اپنے میکے چلی گئی اور لمبا قیام کر لیا تو کیا شوہر پر اسکے اخراجات لازم ہیں؟

(۲) بچے کی ولادت میں جو رقم خرچ ہوتی ہے وہ شوہر پر دینا ضروری ہے؟

(۳) معتدہ مطلقہ کا خرچ کس کے ذمہ پر ہے؟

(۴) جو لڑکی پیدا ہوئی ہے اسکی پرورش اسکی والدہ کرے گی یا والد؟ کتنی مدت تک وہ اپنی والدہ کے پاس رہ سکتی ہے؟

(۵) جہیز کے سامان پر شرعی حق کس کا ہے؟ اور مطالبہ جہیز میں کیا نیا سامان دینا ہوگا؟

(۶) مطلقہ عورت کس مکان میں عدت کے ایام گزار سکتی ہے اپنے میکے میں یا اپنے سسرال میں؟

الجواب۔ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

(۱) بیوی اگر شوہر کی اجازت کے بغیر میکے میں رک گئی تو شوہر پر اس کا نفقہ واجب نہیں جب تک کہ وہ شوہر کے گھر واپس نہ آجائے جیسا کہ ہدایہ جلد ثانی میں ہے:

"وان نشرت فلا نفقه لها حتى تعود الى منزله" والله اعلم بالصواب.

(۲) بچے کی ولادت میں بیوی نے جو خرچ کیا ہے اگر شوہر کے مال سے خرچ کیا ہے تو فبہا ورنہ شوہر پر اس کا دینا ضروری ہے۔ والله اعلم بالصواب.

(۳) مطلقہ معتدہ کو زمانۂ عدت میں شوہر پر نفقہ دینا واجب ہے: فتاویٰ عالمگیری جلد اول صفحہ ۴۹۴ پر ہے:

المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسكنى كذافى فتاوى قاضيخان :والله اعلم بالصواب.

(۴) لڑکی عورت کی پرورش میں اس وقت تک رہے گی کہ وہ حد شہوت کو پہنچ جائے اس کی کم سے کم مقدار نو برس کی عمر ہے:

"كما فى بحر الرائق وكما فى الهداية الام احق باالجارية حتى تحيض"

تو مذکورہ مدت تک شوہر کے ذمے لڑکی کی ماں کو اس کا نفقہ دینا ضروری ہو گا لڑکی بعد حضانت یعنی نو برس کی عمر کے بعد جب کہ کنواری ہے باپ دادا بھائی وغیر ہم کے پاس رہے گی اور جب کہ سن بلوغ کو پہنچ جائے اور فتنے کا اندیشہ نہ ہو تو اسے اختیار ہے جہاں چاہے رہے کذا فی در المختار ورد المحتار۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضانت کا خرچ شوہر پر بچے کی ولادت سے لازم ہو گا کما فی الھدایۃ:

نفقه الأولاد والصغار على الاب. والله اعلم بالصواب.

لڑکی کی ماں اگر پرورش کی اہل نہیں تو اب حق پرورش نانی کے لیے ہے اس کی عدم موجودگی میں نانی کی ماں، اس کے بعد دادی، پھر پردادی، اور یہ بھی نہ ہو تو پھر حقیقی بہن، پھر اخیافی بہن، پھر سوتیلی بہن اور یہ بھی نہ ہو تو پھر خالہ وغیرہ پرورش کریں۔ کما فی الهداية وردالمحتار وغيرهما. والله تعالىٰ اعلم بالصواب.

(۵) جہیز میں جو سامان ملا تھا بعد طلاق اس کی حقدار لڑکی ہے شوہر کے پاس وہ سامان امانت ہے سامان جہیز اگرچہ زنگ آلود ہو گیا ہے وہی سامان واپس کیا جائے گا قیمت یا نیا سامان نہیں واللہ اعلم بالصواب۔

(۶) مطلقہ عورت شوہر کے یہاں اسی مکان میں عدت گزارے گی جہاں پر فرقت واقع ہوئی ہے:

"لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ"

وكما فى الهداية "وعلى المعتدة ان تعتد فى المنزل الذى يضاف اليها بالسكنىٰ حال وقوع الفرقة". والله اعلم بالصواب.

كتبـــــــ

خرید و فروخت کا بیان

ائمۂ اربعہ کے تناظر میں تجارت کے بنیادی اصول وضوابط

السّلام علیکم ورحمۃاللہ

مفتی صاحب قبلہ ہمیں یہ بتایا جائے کہ تجارت کرنے کیلئے فقہائے اسلام کے یہاں کیا بنیادی اصول و ضوابط ہیں خاص طور سے فقہ حنفی میں۔ مدلّل جواب سے نوازا جائے۔

سائل مولانا محمد حاتم المصباحی نوتنوا مغربی چمپارن۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب

فقہائے احناف کے نزدیک تجارت کے اصول قرآن وسنت کی روشنی میں منضبط کیے گئے ہیں۔ حنفی فقہ میں تجارت کے جائز اور ناجائز پہلوؤں پر تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔ ان اصولوں کی بنیاد انصاف، دیانتداری، باہمی رضامندی، اور حلال وحرام کی تمیز پر ہے۔

۱. تجارت کا جواز اور اس کی ترغیب

فقہائے احناف کے مطابق تجارت ایک جائز اور مستحب عمل ہے، بشرطیکہ وہ شریعت کے دائرے میں ہو۔ امام سرخسی (المتوفی ۴۸۳ھ) رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

"والتجارة من أصول المكاسب، وهي من أفضل وجوه الكسب إذا كان على طريق الأمانة والصدق." (المبسوط، ج۱۲، ص۳)

ترجمہ: "تجارت کسبِ معاش کے اصولوں میں سے ہے اور اگر امانت وصدق پر مبنی ہو تو سب سے بہترین ذریعۂ معاش ہے۔"

۲. اصولِ تجارت (بیع کی شروط)

فقہائے احناف نے تجارت کے لیے چند بنیادی اصول وشرائط مقرر کی ہیں، جو درج ذیل ہیں:

(۱)... باہمی رضامندی (التراضي)

قران مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ" (النساء:۲۹)

ترجمہ: "مگر یہ کہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے ہو۔"

فقہائے احناف کے نزدیک خرید وفروخت میں فریقین کی رضامندی ضروری ہے، اور کسی بھی قسم کا جبر و اکراہ ممنوع ہے۔

(۲)... مبیع (فروخت ہونے والی چیز) کا حلال اور معلوم ہونا

حنفی فقہ میں فروخت ہونے والی چیز کے متعلق شرط ہے کہ:

- وہ حلال ہو، حرام چیزوں جیسے شراب، سور کا گوشت، مردار وغیرہ کی خرید وفروخت جائز نہیں۔
- وہ معلوم و متعین ہو، کسی مجہول یا غیر موجود چیز کی فروخت (بیع معدوم) جائز نہیں۔
- وہ ملکیت میں ہو، یعنی فروخت کرنے والے کے پاس موجود ہو۔

چنانچہ امام سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"ولا يجوز بيع ما ليس عند الإنسان، لأنه غرر ونوع من الخداع."

(المبسوط، ج۱۲، ص۱۹٤)

ترجمہ: "جو چیز انسان کے پاس موجود نہ ہو، اس کی بیع جائز نہیں، کیونکہ یہ غرر اور دھوکہ ہے۔"

(۳)... قیمت (ثمن) معلوم اور طے شدہ ہو

حنفی فقہ میں قیمت کا واضح ہونا ضروری ہے۔ اگر قیمت میں ابہام ہو، تو بیع فاسد ہو گی۔ امام کاسانی (المتوفی ۵۸۷ھ) فرماتے ہیں:

"يشترط في الثمن أن يكون معلومًا، لأن الجهالة فيه تُفضي إلى المنازعة."

(بدائع الصنائع، ج۵، ص۱۳٤)

ترجمہ: "ثمن (قیمت) کا معلوم ہونا شرط ہے، کیونکہ اس میں جہالت نزاع کا سبب بنتی ہے۔"

(۴)... دھوکہ، فریب اور سود (ربا) کی ممانعت

احناف کے ہاں تجارتی معاملات میں کسی بھی قسم کے دھوکہ (تدلیس) اور ناجائز منافع خوری کی اجازت نہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

"من غشنا فليس منا." (مسلم، حديث ١٠١)

ترجمہ: "جس نے دھوکہ دیا، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

اسی طرح سود (ربا) کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے، اور یہ ہر صورت ناجائز ہے۔ امام مرغینانی (المتوفی ۵۹۳ھ) لکھتے ہیں:

"والربا محرم بالنص، ولا يجوز في البيع والشراء." (الهداية، ج٣، ص٥)

ترجمہ: "سود نصِ شرعی سے حرام ہے، اور خرید وفروخت میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔"

(۵)... خرید وفروخت میں دھوکہ نہ ہو (غرر کی ممانعت)

حنفی فقہ میں کسی بھی قسم کے غیر یقینی (غرر) سودوں سے اجتناب ضروری ہے، جیسے اندھیرے میں چیز خریدنا یا ایسی چیز بیچنا جس کا وجود یقینی نہ ہو۔

"والغرر منهيٌّ عنه، لأنه يؤدّي إلى التنازع." (بدائع الصنائع، ج٥، ص١٥٥)

ترجمہ: "غرر (غیر یقینی معاملہ) ممنوع ہے، کیونکہ یہ تنازع کا سبب بنتا ہے۔"

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے اصول تجارت کو بھی دلائل کے ساتھ ملاحظہ کریں:

۱. مالکیہ کے یہاں تجارت کے اصول:

امام ابن رشد المالکی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۵۹۵ھ) تجارت کے اصول بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وأما التجارة، فإنها لما كانت ضرورية في المعاش، وكان الإنسان محتاجًا إليها، وجب أن تكون على قوانين العدل والصدق." (بداية المجتهد ونهاية المقتصد، ج٢، ص١٠٨)

ترجمہ: "تجارت چونکہ زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہے اور انسان کو اس کی حاجت ہوتی ہے، اس لیے واجب ہے کہ یہ عدل اور سچائی کے قوانین پر مبنی ہو۔"

۲. شافعیہ کے یہاں تجارت کے اصول:

امام النووی الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۶۷۶ھ) تجارت کے متعلق لکھتے ہیں:

"ولا يجوز في البيع الغرر، ولا بيع المجهول، ولا ما فيه تدليس أو غش، لقوله ﷺ: (من غشنا فليس منا)." (المجموع شرح المهذب، ج٩، ص٣٣٧)

ترجمہ: "بیع میں دھوکہ، مجہول چیز کی فروخت، اور ایسا معاملہ جس میں تدلیس یا فریب ہو، جائز نہیں ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: 'جو ہمیں دھوکہ دے، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔'"

۳. حنابلہ کے یہاں تجارت کے اصول:

امام ابن قدامہ الحنبلی (المتوفی ۶۲۰ھ) رحمہ اللہ تعالیٰ تجارت کے اصول ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَيَجِبُ عَلَى التَّاجِرِ أَنْ يَتَّقِيَ اللهَ فِي مَعَامَلَاتِهِ، وَيَجْتَنِبَ الْبَيْعَ الْمَحْرُومَ وَالرِّبَا، فَإِنَّهُ مَنْ أَكَلَ الرِّبَا فَقَدْ حَارَبَ اللهَ وَرَسُولَهُ." (المغني، ج٤، ص٣)

ترجمہ: "تاجر پر واجب ہے کہ وہ اپنے معاملات میں اللہ کا خوف رکھے، حرام بیع اور سود سے بچے، کیونکہ جو سود کھاتا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتا ہے۔"

اسلامی تجارت کے عمومی اصول

مندرجہ بالا فقہی اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی تجارت کے بنیادی اصول درج ذیل ہیں:

۱- صدق وامانت- تجارت میں دیانتداری اور سچائی لازم ہے۔

۲- غرر اور دھوکہ ممنوع- ہر قسم کے دھوکہ، تدلیس اور غیر یقینی (غرر) معاملات سے اجتناب کیا جائے۔

۳- سود (ربا) کی ممانعت- کسی بھی قسم کا سودی لین دین ممنوع ہے۔

۴- حرام اشیاء کی خرید و فروخت سے اجتناب- ناجائز اور حرام اشیاء جیسے شراب، خنزیر اور دیگر ممنوعہ چیزوں کا کاروبار جائز نہیں۔

۵- معاہدے کی پاسداری- تجارتی معاملات میں کیے گئے وعدوں کو پورا کرنا ضروری ہے۔

یہ تمام اصول اسلامی شریعت کی بنیاد پر تجارتی لین دین کو منظم کرتے ہیں، تاکہ ایک منصفانہ اور شفاف کاروباری ماحول تشکیل دیا جاسکے۔ هذا ما ظهر لي والعلم عند ربي وهو أعلم بالصواب.

کتبـــــــ

سامان تیار ہونے سے پہلے اس کی خریداری کا حکم

السّلام علیکم ورحمة الله. حضور مفتی ابو الحماد صاحب صاحب قبلہ!

میں اینٹ بھٹے کا مالک ہوں میں اوٹ سیزن پر لوگوں سے قیمت سے کچھ کم دام پر روپے اٹھالیتا ہوں اور سیزن پر انہیں سابقہ مقررہ قیمت پر اینٹیں بیچتا ہوں تو کیا ایسا کرنا میرے لیئے اور خریدار کیلئے جائز ہے؟

اپ کا چاہنے والا انتظار علی، میسل پور پیلی بھیت

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب۔ اللّٰهم هداية الحق والصواب

آپ کا یہ معاملہ ایک طرح سے بیع سلم (advance payment contract) کے زمرے میں آتا ہے، جو شریعت میں جائز ہے، بشرطیکہ کچھ اصولوں کی پاسداری کی جائے:

۱. قیمت اور مقدار متعین ہو—اینٹوں کی تعداد، معیار اور قیمت پہلے سے طے ہو۔

۲. ادائیگی مکمل ہو—ایڈوانس میں ملنے والی رقم مکمل ہو اور بعد میں قیمت میں ردوبدل نہ ہو۔

۳. ڈیلیوری کا وقت طے ہو—اینٹوں کی فراہمی کے لیے ایک مقررہ وقت طے کیا گیا ہو۔

اگر آپ ان شرائط کو پورا کر رہے ہیں تو آپ کا یہ کاروباری ماڈل جائز ہے اور خریدار کے لیے بھی قابلِ قبول ہے۔ تاہم، اگر کوئی دھوکہ، ابہام یا غیر یقینی عنصر شامل ہو تو وہ شرعاً ناپسندیدہ ہو سکتا ہے۔

بیع سلم (یعنی پیشگی ادائیگی کے ساتھ خرید و فروخت) کا ذکر فقہ حنفی کی کئی کتب میں موجود ہے۔ آپ کے معاملے کو سمجھنے کے لیے "ہدایہ"، "بدائع الصنائع"، اور "الدر المختار" جیسی مستند کتب سے کچھ حوالہ جات پیش کیے جا رہے ہیں:

۱. الہدایہ، کتاب البیوع میں امام برہان الدین المرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"السَّلَمُ جَائِزٌ فِي الشَّرِيعَةِ وَهُوَ بَيْعُ شَيْءٍ مَوْصُوفٍ فِي الذِّمَّةِ بِثَمَنٍ مَعْجُولٍ فِي مَجْلِسِ الْعَقْدِ إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ." (ہدایہ، کتاب البیوع)

ترجمہ: سلم جائز ہے اور یہ وہ بیع ہے جس میں کوئی چیز، جو ابھی موجود نہیں، لیکن اس کی صفات معلوم

ہوں، ایک معینہ مدت میں فراہم کرنے کے وعدے کے ساتھ فروخت کی جائے اور قیمت مکمل طور پر ادا کی جائے۔

۲. بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع میں امام کاسانی (رحمہ اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں:

"والسَّلَمُ شُرِعَ حَاجَةً، لِأَنَّهُ لَوْ لَا ذَلِكَ لَضَاقَ عَلَى النَّاسِ، فَإِنَّ صَاحِبَ الزَّرْعِ لَا يَجِدُ مَنْ يُقْرِضُهُ، فَيَبِيعُ مَا فِي ذِمَّتِهِ، فَيَنْتَفِعُ هُوَ وَالْمُشْتَرِي."

(بدائع الصنائع، جلد ۵، صفحہ ۱۸۷)

ترجمہ: بیع سلم ضرورت کے تحت جائز کی گئی ہے، کیونکہ اگر یہ جائز نہ ہوتی تو لوگوں کو تنگی پیش اتی۔ کسان کو قرض دینے والا نہیں ملتا، تو وہ اپنی ذمہ داری پر چیز فروخت کرتا ہے اور دونوں (فروخت کنندہ اور خریدار) کو فائدہ پہنچتا ہے۔

۳. الدر المختار مع رد المحتار میں علامہ حصکفی (رحمہ اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں:

"وَشُرِطَ فِيهِ ذِكْرُ الْجِنْسِ وَالْوَصْفِ، وَالتَّسْلِيمِ فِي أَجَلٍ مَعْلُومٍ، وَتَقْدِيمِ كُلِّ الثَّمَنِ فِي الْمَجْلِسِ." (الدر المختار، کتاب البیوع)

ترجمہ: بیع سلم میں شرط ہے کہ جنس، وصف، مدتِ فراہمی اور مکمل قیمت کی پیشگی ادائیگی مجلسِ عقد میں ہی متعین ہو۔

حاصل حکم:

اپ کا کاروباری طریقہ اگر ان شرائط کو پورا کرتا ہے، تو یہ فقہ حنفی کے مطابق جائز ہے۔ آپ جو پیشگی ادائیگی وصول کر کے اینٹوں کی فروخت کرتے ہیں، وہ بیع سلم کے اصولوں پر مبنی ہے، بشرطیکہ اینٹوں کا معیار، مقدار، قیمت اور ڈیلیوری کا وقت واضح طور پر متعین ہو۔ واللہ اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

شراب کی تجارت کا حکم؟

زید ایک مسلمان تاجر ہے وہ ٹھیکیدار ہے کیا وہ شراب خریدنے اور بیچنے کا ٹھیکہ لے سکتا ہے؟

سائل تاجدار حسین پپو تیل والے مکنپور شریف کانپور نگر مورخہ ۲۲ مارچ ۲۰۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب۔ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

اسلامی شریعت کے مطابق، شراب کی خرید و فروخت، اس کا کاروبار کرنا، اس سے متعلق کسی بھی طرح کی معاونت فراہم کرنا، اور اس کا ٹھیکہ لینا حرام اور ناجائز ہے۔

۱. قرآن مجید اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ"

ترجمہ: "اے ایمان والو! شراب، جوا، بتوں کے چڑھاوے اور پانسے ناپاک ہیں، شیطانی کام ہیں، پس ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاجاؤ۔" (سورۃ المائدۃ:۹۰)

۲. حدیث شریف:

رسول اللہ ﷺ نے شراب کے بارے میں فرمایا:

"لَعَنَ اللهُ الْخَمْرَ وَشَارِبَهَا، وَسَاقِيَهَا، وَبَائِعَهَا، وَمُبْتَاعَهَا، وَعَاصِرَهَا، وَمُعْتَصِرَهَا، وَحَامِلَهَا، وَالْمَحْمُولَةَ إِلَيْهِ، وَآكِلَ ثَمَنِهَا"

(سنن ابی داؤد، حدیث: ٣٦٧٤، ترمذی: ١٢٩٥، ابن ماجہ: ٣٣٨٠)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے شراب پر لعنت فرمائی ہے، اور اس کے پینے والے، پلانے والے، بیچنے والے، خریدنے والے، نچوڑنے والے، نچوڑوانے والے، اٹھانے والے، جس کے لیے اٹھائی جائے اور اس کی قیمت کھانے والے پر بھی لعنت فرمائی ہے۔"

فقہِ حنفی میں واضح طور پر شراب کی تجارت اور اس سے منسلک کسی بھی کام کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی قدس سرہٗ السامی فرماتے ہیں:

"ولا يحل بيع الخمر، سواء كان المتخذ من العنب أو غيره"

(رد المحتار، جلد ٦، صفحہ ٤٧٣)

ترجمہ: "شراب کا بیچنا جائز نہیں، خواہ وہ انگور سے بنی ہو یا کسی اور چیز سے۔"

چونکہ شراب کی خرید و فروخت، اس کی سپلائی، اور اس کا کاروبار کرنے والوں کی مدد کرنا صریحًا حرام ہے، لہٰذا زید کے لیے شراب خریدنے اور بیچنے کا ٹھیکہ لینا بھی جائز نہیں۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو وہ حرام کمائی کا مرتکب ہوگا، جو دنیا و آخرت میں نقصان کا باعث ہے۔

زید کو چاہیے کہ وہ کوئی حلال کاروبار کرے، کیونکہ حلال رزق میں ہی برکت اور کامیابی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

تو اس کے کاروبار میں تفصیل آتی ہے۔

۲. تمباکو اور بیڑی کے نقصان کا پہلو:

تمباکو، سگریٹ اور بیڑی کو جدید تحقیق کے مطابق صحت کے لیے نقصان دہ قرار دیا گیا ہے۔ ڈاکٹروں اور طبی ماہرین کے مطابق، یہ پھیپھڑوں، دل اور دیگر بیماریوں کا سبب بنتے ہیں۔ اسی لیے بعض فقہاء نے اس کے کاروبار کو مکروہِ تحریمی (یعنی ناجائز کے قریب) کہا ہے۔

فقہ حنفی کی رو سے کسی ایسی چیز کی تجارت جو بذاتِ خود ناپاک یا حرام نہ ہو، لیکن نقصان دہ ہو یا زیادہ تر غلط استعمال میں آتی ہو، وہ مکروہ کہلائے گی۔

علامہ ابن عابدین شامی قدس سرہٗ السامی فرماتے ہیں:

"كل ما فيه ضرر بين فهو مكروه، وإن كان الضرر شديدًا كان التحريم أظهر"

(رد المحتار، جلد ۵، صفحہ ۲۲۱)

ترجمہ: ہر وہ چیز جو واضح نقصان دہ ہو، وہ مکروہ ہے، اور اگر نقصان بہت زیادہ ہو تو اس کی حرمت زیادہ واضح ہوگی۔

اگرچہ تمباکو اور بیڑی شراب کی طرح واضح طور پر حرام نہیں، مگر یہ صحت کے لیے نقصان دہ ہیں، اس لیے ان کا کاروبار مکروہِ تحریمی ہے۔

فقہ حنفی میں اصول یہی ہے کہ جو چیز زیادہ نقصان دہ ہو، اس کی تجارت مکروہ سے بڑھ کر حرام کے قریب ہو جاتی ہے۔

چونکہ بیڑی اور تمباکو سے صحت کو نقصان پہنچتا ہے اور یہ عموماً فضول خرچی اور نشے کے زمرے میں آتا ہے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ اس کاروبار سے بچا جائے۔

زید یا کسی بھی مسلمان تاجر کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ حلال اور پاکیزہ کاروبار کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رزقِ حلال میں برکت رکھی ہے اور مشتبہ کاروبار سے دور رہنے میں دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتبـــ

ابو الحماد محمد اسرافیل حیدری المداری
دار الافتاء والقضاء جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الاولیاء
استانہ زندہ شاہ مدار مکن پور شریف کانپور نگر یوپی انڈیا۔

آڑھتی (کمیشن ایجنٹ) کے لیے "گردا" کی کٹوتی کا شرعی حکم

فقہ حنفی کی روشنی میں

سوال: آپ ایک اڑھتی ہیں، اور جو مال آپ کے پاس آتا ہے، اس میں سے فی کنٹل (۱۰۰ کلو) ۱-۲ کلو "گردا" کے نام پر آپ رکھ لیتے ہیں، اور بقیہ رقم فروخت کنندہ (کسان یا تاجر) کو دی جاتی ہے، اور بیچنے والا اس پر راضی بھی ہوتا ہے۔ کیا یہ کٹوتی شرعاً جائز ہے؟

سائل محمد طارق پنکی کٹرہ کانپور نگر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب۔ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

فقہ حنفی کے اصول اور شرعی جائزہ

فقہ حنفی میں کاروبار کے بنیادی اصول درج ذیل ہیں:

۱. رضامندی (تراضی) کا اصول:

"اَلْأَصْلُ فِي الْبُيُوعِ الرِّضَا." (ردالمحتار، ج۴، ص۵۳۱)

اصل اصول یہی ہے کہ خرید و فروخت میں فریقین کی رضامندی ضروری ہے۔

۲. حرام طریقوں سے مال لینا ممنوع ہے:

"لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلَّا عَنْ طِيبِ نَفْسٍ مِّنْهُ"

(سنن دار قطنی، حدیث:۲۶۹۱)

کسی مسلمان کا مال لینا جائز نہیں، مگر اس کی خوش دلی اور رضامندی سے۔

۳. دھوکہ دینا اور ناجائز کٹوتی کرنا حرام ہے:

"مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي" (صحیح مسلم، حدیث:۱۰۱)

جس نے دھوکہ دیا، وہ ہم میں سے نہیں۔

"گردا" کی شرعی حیثیت۔ تفصیلی تحقیق

۱. اگر یہ کٹوتی پہلے سے طے شدہ ہو اور فریقین کی رضامندی سے ہو:

اگر اڑھتی اور فروخت کنندہ (کسان یا تاجر) پہلے سے یہ طے کر لیں کہ ہر ۱۰۰ کلو پر ۱-۲ کلو کٹوتی ہو گی اور وہ اس پر راضی ہو، تو فقہ حنفی میں یہ جائز ہو سکتا ہے، کیونکہ:

امام سرخسی قدس سرہ القوی فرماتے ہیں:

"إذا وقع التراضي بين الطرفين على شرط معين ولم يكن فيه غرر أو ضرر، فهو جائز." (المبسوط، ج ۱۲، ص ۲۱۶)

ترجمہ: اگر فریقین کسی شرط پر راضی ہوں اور اس میں دھوکہ یا نقصان نہ ہو، تو وہ جائز ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"وَإِذَا كَانَ الْبَائِعُ وَالْمُشْتَرِي مُتَّفِقَيْنِ عَلَى نَقْصٍ مَعْلُومٍ فَلَا بَأْسَ بِهِ."
(فتاویٰ عالمگیری، ج ۳، ص ۱۷۶)

ترجمہ: اگر بیچنے والا اور خریدار کسی متعین کٹوتی پر متفق ہوں، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

۲. اگر یہ کٹوتی زبردستی کی جائے یا واضح نہ ہو:

اگر اڑھتی زبردستی "گردا" کے نام پر کٹوتی کرے اور بیچنے والا محض مجبوری میں راضی ہو، تو یہ ناجائز اور حرام ہے، کیونکہ یہ ظلم اور غبنِ فاحش (بڑا دھوکہ) کے زمرے میں آتا ہے۔

امام ابن عابدین شامی قدس سرہٗ السامی فرماتے ہیں:

"إِنْ كَانَ الْمُشْتَرِي يَأْخُذُ شَيْئًا زَائِدًا مِنْ غَيْرِ تَرَاضٍ فَهُوَ حَرَامٌ وَمَنْهِيٌّ عَنْهُ."
(ردالمحتار، ج ۵، ص ۱۰۲)

ترجمہ: اگر خریدار بغیر رضامندی کے کچھ زائد لے تو یہ حرام اور ممنوع ہے۔

فتح القدیر میں ہے:

"مَا أُخِذَ بِغَيْرِ حَقٍّ فَهُوَ غُصْبٌ وَالْغُصْبُ حَرَامٌ." (فتح القدیر، ج ۶، ص ۱۳۶)

ترجمہ: جو چیز ناحق لی جائے، وہ غصب ہے، اور غصب حرام ہے۔

۳. اگر "گردا" حقیقت میں کسی نقصان کے ازالے کے لیے ہو:

اگر یہ ۱-۲ کلو وزن میں حقیقتا کوئی کمی آتی ہے (جیسے نمی کی وجہ سے مال کا وزن کم ہونا)، اور اس کا ازالہ پہلے سے طے شدہ شرط کے مطابق کیا جائے، تو یہ جائز ہو گا۔

جائز صورت:

اگر بیچنے والا (کسان یا تاجر) خوش دلی سے پہلے سے طے شدہ شرط کے مطابق "گردا" کٹوتی پر راضی ہو، تو یہ جائز ہے۔

ناجائز صورت:

اگر یہ کٹوتی زبردستی کی جائے، یا بیچنے والے کو علم نہ ہو، یا وہ صرف مجبوری میں مان رہا ہو، تو یہ حرام اور ناجائز ہے، کیونکہ یہ غبن، ظلم، اور ناجائز نفع کے زمرے میں آتا ہے۔

احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ بیچنے والے کو واضح طور پر بتایا جائے کہ یہ کٹوتی کیوں کی جا رہی ہے، اور اس پر اس کی مکمل رضامندی حاصل کی جائے۔ بصورتِ دیگر، یہ مشتبہ اور ناجائز کمائی شمار ہو گی، جو دین و دنیا دونوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب.

کتبہ

ابو الحماد محمد اسرافیل حیدری المداری
دار الافتاء والقضاء جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الاولیاء
استانہ زندہ شاہ مدار مکن پور شریف کانپور نگر یوپی انڈیا۔

دلالی کی اجرت کا حکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ھٰذا کے بارے میں کہ زید عمرو کو دکان سے کوئی چیز خرید واتا ہے اور زید صاحبِ دکان سے عمرو کے خریدی ہوئی چیز سے کمیشن لیتا ہے عمرو کو بتائے بغیر۔

زید کا ایسا کرنا عند الشرع کیسا ہے مدلل و مفصل جواب ارشاد فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

سائل: غلام سرور یوپی

الجواب

وعلیکم السلام و رحمة الله تعالیٰ و برکاته

زید کا عمرو کو دکان سے کوئی چیز دلانا اور صاحب دکان سے عمرو کی خریدی ہوئی چیز پر کمیشن لینا عرف عام میں دلالی اور سمسار کہلاتا ہے، اگر عقد سے پہلے دلالی کی اجرت متعین تھی، اور زید نے صاحب دکان کی چیز فروخت کرانے میں دوڑ بھاگ بھی کی تھی، تو زید کو دلالی کی اجرت (کمیشن) لینا جائز ہے، اسے لینے میں کوئی حرج نہیں، ہاں اگر زید نے دوڑ بھاگ نہیں کی، بلکہ باسانی فقط تعارف کرانے سے معاملہ طے پایا، یا دلالی کی اجرت متعین نہ تھی، تو دلالی جائز نہیں۔

مبسوط میں ہے:

"قال رحمه الله:ذكر حديث قيس بن أبى غرزة الكناني، قال كنا نبتاع الأوساق بالمدينة و نسمى أنفسنا السماسرة، فخرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فسمانا باسم هو أحسن من إسمنا، قال صلى الله عليه و سلم:يا معشر التجار!إن البيع يحضره اللغو و الحلف، فشوبوه بالصدقة و السمسار إسم لمن يعمل للغير بالأجر بيعا و شراء و مقصوده من إيراد الحديث بيان جواز ذلك و لهذا بين فى الباب طريق الجواز"

(كتاب المبسوط للسرخسى، ص:١١٤-١١٥، دار المعرفة بيروت)

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

"و فى متفرقات العتابية أخذ الدلال الدلالي ثم استحق بالمبيع و رد بالعيب بقضاء أو بغير قضاء لا يسترد منه الدلالى و قال الصدر الشهيد حسام الدين به أفتى والدى"

(فتاویٰ تاتارخانیه، ج:٩، ص:٤٤٠، كتاب البيوع، فصل فى المتفرقات، مكتبه رشيديه ديو بند)

ردالمحتار میں مجتبیٰ کے حوالے سے ہے:

"صك الصراف و السمسار حجة عرفا"

(رد المحتار، ج:٨، ص:١٣٧، كتاب القضاء، باب كتاب القاضى الى القاضى و غيره، مطلب:فى دفتر البياع و الصراف و السمسار، دار الكتب العلميه بيروت)

محیط برہانی میں ہے:

"رجل قال للدلال:إعرض ضيعتي فعرض و لم يقدر الدلال على إتمام العمل و و باعها دلال أخر، قال الفقيه أبو القاسم رحمه الله إن كان الأول قد عرضها و ذهب له فى ذلك دور جار يعتد به، فأجر المثل له واجب بقدر عنائه و عمله"

(المحيط البرهانی، ج:٧، ص:٤٨٥، كتاب الاجارات، دار الكتب العلميه بيروت)

فتاویٰ تاتاخانیہ میں ہے:

"و أجرة السمسار تضم إن كانت مشروطة فى العقد بالإجماع، و إن لم تكن مشروطة بل كانت مرسومة أكثر المشايخ على أنه يضم"

(فتاوى تاتاخانيه، ج:٩، ص:٢٣٥، كتاب البيوع، باب مايلزم من السلعة للمشترى، مكتبه رشيديه ديو بند)

فتح الباری میں ہے:

"يجوز أن يكون سمسارا فى بيع الحاضر للحاضر و لكن شرط الجمهور أن تكون الأجرة معلومة"

(فتح الباری، ج:٤، ص:٥٦٩، كتاب الاجارة، دار الكتب العلميه بيروت) واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبـــــــ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمدُ لله ربِّ العالمين، والصَّلاةُ والسَّلامُ على سيدِ المرسلين، محمّدٍ وآلهِ وصحبهِ أجمعين.

الجواب

اوّلاً: یہ معلوم ہو کہ قسطوں میں زیادتی لینا اور سود میں فرق ہے۔

فقہاءِ کرام نے واضح فرمایا ہے کہ:

سود (رِبا) یہ ہے کہ قرض یعنی کسی کو رقم دینا اس شرط پر کہ اس کے بدلے زیادہ رقم لی جائے۔

اور بیع بالتّقسیط (قسطوں میں بیچنا) یہ ہے کہ مال کی قیمت ہی ابتداء میں وقت کی رعایت سے زیادہ مقرر کر دی جائے۔

یہ دونوں الگ الگ نوعیتیں ہیں۔ سود میں معاملہ صرف "رقم کے بدلے رقم" ہے، جبکہ قسطوں والی بیع میں "مال کے بدلے رقم" ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"وَإِنْ بَاعَ شَيْئًا بِنَقْدٍ بِأَقَلَّ، وَبِالنَّسِيئَةِ بِأَكْثَرَ، فَجَائِزٌ، مَا لَمْ يَكُنْ بَيْعُهُمَا فِي صَفْقَةٍ وَاحِدَةٍ." (الفتاوى الهندية، ج٣، ص١٣٩)

ترجمہ: اگر کوئی چیز نقد میں کم اور اُدھار میں زیادہ قیمت پر بیچے تو جائز ہے، بشرطیکہ ایک ہی معاملہ میں دو قیمتیں جمع نہ کرے (بلکہ ایک ہی قیمت طے ہو جائے)۔

بدائع الصنائع میں علامہ کاسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"لِأَنَّ اخْتِلَافَ الثَّمَنِ بِاخْتِلَافِ الْأَجَلِ جَائِزٌ، كَمَا فِي السَّلَمِ."

(بدائع الصنائع، ج٥، ص١٩٩)

ترجمہ: مدت (مہلت) کے اختلاف سے قیمت کا اختلاف جائز ہے، جیسے بیعِ سلم میں ہے۔

البحر الرائق میں ہے:

"وَجَوَّزُوا الزِّيَادَةَ فِي الثَّمَنِ لله بِسَبَبِ الْأَجَلِ إِذَا تَعَيَّنَ الثَّمَنُ عِنْدَ الْعَقْدِ."

(البحر الرائق، ج٦، ص٤٤٧)

ترجمہ: فقہاء نے مدت کی وجہ سے قیمت میں زیادتی کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ عقد کے وقت ایک ہی قیمت متعین کر دی جائے۔

شرطِ صحت یہ ہے کہ:

عقد کے وقت ایک ہی قیمت طے ہو جائے، چاہے وہ نقد ہو یا اُدھار کی زیادہ قیمت۔

دونوں قیمتیں بیک وقت معلق نہ رہیں (یعنی یہ نہ کہا جائے: "اگر نقد دیا تو اتنا، اگر اُدھار تو اتنا" اور پھر بغیر فیصلہ کے عقد کر لیا جائے)۔

غرضیکہ فقہ حنفی اور دیگر ائمہ کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ:

اگر کوئی چیز نقد میں چھ لاکھ کی اور اُدھار میں آٹھ لاکھ کی بیچے، اور عقد کے وقت آٹھ لاکھ قسطوں میں طے کر لی جائے، تو یہ جائز اور حلال ہے۔

یہ سود (رِبا) میں شامل نہیں ہے، کیونکہ یہاں قرض نہیں بلکہ خرید و فروخت کا معاملہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

مزارعت کا بیان

کھیتی بٹائی پر دینے کا حکم

حضور مفتی صاحب قبلہ !السّلام علیکم ورحمۃ اللہ

میرا یہ سوال ہے کہ کھیتی بٹائی پر دینے کی فقہ حنفی میں کل کتنی صورتیں ہیں؟ برائے کرم مجھے تفصیل سے جواب دیں۔

سائل رمضان علی برہ خاص کانپور نگر

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب۔ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

فقہ حنفی میں زمین کو بٹائی (یعنی پیداوار کے حصے) پر دینے کی چند جائز اور ناجائز صورتیں موجود ہیں۔ مزارعت (بٹائی پر کھیتی) اور مساقات (باغ کو پھل کے عوض دینا) کے احکام تفصیل سے فقہ کی کتابوں میں بیان کیے گئے ہیں۔

۱. بٹائی کی جائز صورتیں (شرعی مزارعت)

فقہ حنفی میں دو بنیادی صورتیں جائز ہیں:

(۱) مزارعت (زمین بٹائی پر دینا)

یہ اس وقت جائز ہے جب:

زمین مالک مہیا کرے اور کاشتکار محنت کرے۔

فصل کی پیداوار فیصد (٪) کے حساب سے تقسیم ہو، مثلاً ۵۰-۵۰ یا ۶۰-۴۰۔

کاشتکار بیج ڈالے یا مالک مہیا کرے (دونوں صورتیں جائز ہیں)۔

کوئی مخصوص جگہ کی شرط نہ ہو (یعنی یہ نہ کہا جائے کہ فلاں حصہ مالک کا اور فلاں کاشتکار کا ہو گا)۔

فقہ حنفی کے مصادر سے حوالہ:

امام کاسانی فرماتے ہیں:

"المزارعةُ تَصحُّ إذا كانت الشركةُ في الخارجِ." (بدائع الصنائع، جلد ٥، صفحه ١٨٧)

ترجمہ: مزارعت جائز ہے اگر پیداوار میں شرکت ہو۔

(۲) مساقات (باغ بٹائی پر دینا)

یہ اس وقت جائز ہے جب:

باغ کا مالک پانی، کھاد اور حفاظت کی ذمہ داری کاشتکار پر ڈالے۔

پھل کی پیداوار کا فیصد (٪) میں حصہ طے ہو، جیسے ۵۰-۵۰ یا ۶۰-۴۰۔

معاہدہ مقررہ وقت تک کے لیے ہو۔

فقہ حنفی کے مصادر سے حوالہ:

"وَصِحَّتْ الْمُسَاقَاةُ مَعَ تَعَيُّنِ النِّصْفِ أَوِ الثُّلُثِ مِنَ الثَّمَرِ."

(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب المساقاة)

ترجمہ: مساقات اس وقت صحیح ہے جب پھل کا ادھا یا تہائی حصہ متعین ہو۔

۲. بٹائی کی ناجائز صورتیں (غیر شرعی مزارعت)

کچھ طریقے فقہ حنفی میں ناجائز قرار دیے گئے ہیں، جن میں دھوکہ، ظلم یا غیر یقینی (غرر) شامل ہو:

(۱) مقررہ مقدار پر زمین دینا

اگر زمین مالک کسی مقررہ مقدار پر دے، جیسے:

"مجھے فی بیگھہ ۱۰ من گیہوں دو، باقی تمہارا ہو گا"

"مجھے ۵۰۰۰ روپے دو، باقی جو چاہے پیدا ہو"

یہ ناجائز ہے کیونکہ اگر فصل اچھی ہو تو مالک زیادہ فائدہ اٹھائے گا، اور اگر خراب ہو تو سارا نقصان کاشتکار کو ہو گا۔

فقہ حنفی کے مصادر سے حوالہ:

امام مرغینانی فرماتے ہیں:

"وَلَا تَجُوزُ إِذَا كَانَ لِلْمَالِكِ شَيْءٌ مَعْلُومٌ مِنَ الْغَلَّةِ." (هدايه، جلد ٤، كتاب المزارعه)

ترجمہ: مزارعت اس وقت جائز نہیں جب مالک کے لیے پیداوار میں سے کوئی مخصوص مقدار مقرر ہو۔

(۲) کسی مخصوص جگہ کی پیداوار مالک کے لیے مختص کرنا، مثلا:

"کھیت کا مشرقی حصہ مالک کا ہو گا اور باقی کاشتکار کا"

یہ ناجائز ہے کیونکہ ایک حصے میں اچھی پیداوار اور دوسرے میں کم پیداوار ہونے کا امکان ہوتا ہے، جو ظلم اور غرر کا سبب بنتا ہے۔

حدیث شریف: سیدنا رافع بن خدیج (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں:

"نَهَانَا النَّبِيُّ ﷺ عَنْ أَنْ نُؤَاجِرَ الْأَرْضَ بِشَيْءٍ مَعْلُوم." (صحیح بخاری، حدیث ۲۳۲۸)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے ہمیں زمین کسی مقررہ مقدار کے بدلے کرایہ پر دینے سے منع فرمایا۔

۳. خلاصہ: فقہ حنفی کے مطابق بٹائی کی کتنی صورتیں ہیں؟

۱. جائز صورتیں:

مزارعت (زمین بٹائی پر دینا) اگر فیصد میں ہو

مساقات (باغ بٹائی پر دینا) اگر فیصد میں ہو

۲. ناجائز صورتیں:

زمین کے مالک کے لیے مقررہ مقدار رکھنا (۱۰ من گندم، ۵۰۰۰ روپے، وغیرہ)

زمین کے کسی مخصوص حصے کی پیداوار مالک کے لیے مختص کرنا

پس، اگر بٹائی پر دینا ہو تو شرعی طریقے سے دیں تاکہ حلال کمائی ہو اور کاروبار میں برکت ہو۔ واللہ اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

کھیت کرائے پر دینے کی ایک صورت

السّلام علیکم ورحمة الله

حضور مفتی اعظم مکنپور مفتی محمّد اسرافیل حیدری صاحب! ایک سوال حل فرمادیں حضور!

میرے علاقے میں لوگ کھیتیاں اس طرح کر لیتے ہیں کہ مجھے فی بیگھہ دس ہزار روپے چاہئے باقی جو بھی پیداوار ہو وہ آپ کا، کیا اسطرح سے کھیت کا سودا کرنا جائز ہے؟ فقہ حنفی کی کتابوں کے ساتھ قرآن وحدیث سے جواب مطلوب ہے۔

سائل سلمان علی روگاؤں مکنپور شریف کانپور نگر

وعلیکم السلام ورحمة الله وبرکاته

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب۔ اللّٰهم هداية الحق والصواب

آپ کے سوال کا تعلق مزارعت (یعنی زمین کو کسی کو کاشت کے لیے دینا) کے مسئلے سے ہے۔ فقہ حنفی، قرآن اور حدیث کی روشنی میں اس کا تفصیلی جواب درج ذیل ہے:

۱. فقہ حنفی کی روشنی میں

(۱) ہدایہ، کتاب المزارعہ میں امام برہان الدین المرغینانی (رحمہ اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں:

"وَلَا تَجُوزُ الْمُزَارَعَةُ بِجُزْءٍ مَعْلُومٍ مِنَ الْأَرْضِ، أَوْ بِقَدْرٍ مَعْلُومٍ مِنَ الزَّرْعِ، وَلَكِنْ تَكُونُ عَلَى الْمُشَارَكَةِ." (هدايه، جلد ٤، كتاب المزارعه)

ترجمہ: مزارعت اس شرط پر جائز نہیں کہ زمین کا مالک اپنی پیداوار میں سے کوئی مخصوص مقدار یا حصہ مقرر کرلے، بلکہ یہ شرکت (یعنی فیصد کی بنیاد پر) ہونی چاہیے۔

(۲) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع میں امام کاسانی (رحمہ اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں:

"وَإِنْ شَرَطَ أَحَدُهُمَا عَلَى صَاحِبِهِ شَيْئًا مَعْلُومًا مِنَ الرِّبْحِ فَلَا تَجُوزُ، لِأَنَّهُ يُفْضِي إِلَى الْغَرَرِ وَالْجَهَالَةِ." (بدائع الصنائع، جلد ٦، صفحه ٢١٠)

ترجمہ: اگر کوئی فریق اپنے لیے نفع کی کوئی مخصوص مقدار (یعنی طے شدہ پیداوار یا رقم) مقرر کرلے، تو یہ

جائز نہیں، کیونکہ اس میں دھوکہ اور غیر یقینی (غرر) پیدا ہو جاتی ہے۔

(۳) الدر المختار مع رد المحتار میں علامہ حصکفی (رحمہ اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں:

"وَإِنْ كَانَتِ الْمُزَارَعَةُ عَلَى مُقَادِيرَ مَعْلُومَةٍ مِنَ الزَّرْعِ لَا تَصِحُّ، لِأَنَّهَا تُفْضِي إِلَى الظُّلْمِ." (الدر المختار، جلد ٦، كتاب المزارعه)

ترجمہ: اگر مزارعت کسی مخصوص مقدار پر ہو، تو یہ جائز نہیں، کیونکہ یہ ظلم کی طرف لے جاتی ہے۔

۲. قرآن کی روشنی میں:

(۱) سورہ البقرہ، آیت ۱۸۸ر میں ہے:

"وَلَا تَأْكُلُوٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"

ترجمہ: اور اپنے مال آپس میں ناحق نہ کھاؤ۔

یہ آیت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ کسی بھی معاملے میں ناانصافی اور ظلم نہیں ہونا چاہیے۔ مزارعت میں زمین کے مالک کے لیے ایک مخصوص رقم مقرر کرنا ظلم اور غیر منصفانہ معاملہ ہو سکتا ہے، کیونکہ اگر فصل کم پیدا ہو تو کاشتکار نقصان اٹھائے گا، اور اگر زیادہ ہو تو زمین کا مالک زیادہ لے کر ناجائز فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔

(۲) سورہ النساء، آیت ۲۹ر میں ہے:

"اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ"

ترجمہ: مگر یہ کہ تمہاری تجارت باہمی رضامندی پر مبنی ہو۔

یہاں واضح کیا گیا ہے کہ ہر لین دین باہمی انصاف اور رضامندی پر مبنی ہونا چاہیے۔ مزارعت میں اگر ایک فریق نفع یقینی کر لے اور دوسرے کے لیے نقصان کا خدشہ ہو، تو یہ انصاف کے خلاف ہو گا۔

۳. حدیث کی روشنی میں

(۱) صحیح مسلم، حدیث ۱۵۵۱ر میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا:

"إِذَا كَانَ فِي كُلِّ عَامٍ مَضْمُونًا بِشَيْءٍ مَعْلُومٍ فَلَا تَجُوزُ." (صحيح مسلم، كتاب البيوع)

ترجمہ: اگر مزارعت میں ہر سال کسی مخصوص مقدار کی ضمانت ہو، تو وہ جائز نہیں۔

(۲) صحیح بخاری، حدیث ۲۳۲۸ر میں سیدنا رافع بن خدیج (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں:

"كُنَّا أَكْثَرَ أَنْصَارِ الْمَدِينَةِ حُقُولًا، وَكُنَّا نُؤَاجِرُ الْأَرْضَ عَلَى أَنْ لَنَا هَذَا، وَلَهُمْ هَذَا، فَأَتَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: فَمَا يَصْدُرُ مِنْ ذَلِكَ فَلَا تَفْعَلُوا، وَزَرَعُوهَا أَوْ أَمْسِكُوهَا." (صحیح بخاری، کتاب المزارعہ، حدیث ۲۳۲۸)

ترجمہ: ہم انصار مدینہ میں زمین والے زیادہ تھے، اور ہم زمین کرایہ پر دیتے تھے کہ ایک حصہ ہمارا اور دوسرا حصہ کاشتکار کا ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلّم نے ہمیں منع فرمایا اور کہا کہ یا تو خود کاشت کرو یا زمین کو اپنے پاس رکھو۔

فقہ حنفی اور قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ طریقہ ناجائز ہے، کیونکہ:

۱. یہ بیع مجہول (uncertain contract) ہے – زمین کا مالک ہر حال میں ایک مقررہ رقم لے گا، جبکہ کاشتکار کا نفع ونقصان غیر یقینی ہے۔

۲. یہ ظلم پر مبنی ہے – اگر فصل اچھی ہو تو مالک کو زیادہ فائدہ ہوتا ہے، اور اگر خراب ہو تو نقصان صرف کاشتکار کا ہوتا ہے۔

۳. نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلّم نے ایسی مزارعت سے منع فرمایا جس میں ایک فریق کے لیے نقصان کا خدشہ زیادہ ہو۔

جائز متبادل طریقہ

فقہ حنفی کے مطابق شرعی مزارعت کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ زمین کے مالک اور کاشتکار کے درمیان فیصد کی بنیاد پر پیداوار تقسیم کی جائے، مثلاً:

۵۰٪ مالک کا اور ۵۰٪ کاشتکار کا یا ۴۰٪ مالک کا اور ۶۰٪ کاشتکار کا، وغیرہ۔

اس طرح کا معاملہ جائز اور برکت والا ہوگا، اور دونوں فریق ظلم اور دھوکہ سے بچ سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں رزقِ حلال عطا فرمائے اور ہمارے معاملات کو درست فرمائے، امین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلّم۔

کتبـــــــ

وقف کا بیان

قدیم غیر آباد قبرستان کی زمین کو مسجد میں شامل کرنا کیسا؟

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

بعد سلام علمائے کرام اور مفتیان عظام کی بارگاہ میں عرض ہے کہ مندرجہ ذیل استفتا کے بارے میں قرآن وحدیث اور اقوال فقہاء کی روشنی میں رہ نمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرا۔

مسئلہ یہ کہ مسجد کے آگے کے حصے میں کچھ جگہ خالی پڑی ہے، جو دراصل قبرستان کے لیے تھی، اور بعض عمر دراز لوگوں کے بقول وہاں پر کچھ قبریں بھی تھیں؛ جبکہ موجودہ حالت میں کسی قبر کا کوئی نام ونشان نہیں ملتا، ہاں بیس پچیس سال قبل ایک بار ایک جگہ پر کھدائی کے وقت کچھ ہڈیاں دیکھی گئی تھیں، مگر اب قبرستان کے لیے دوسری جگہ مخصوص ہے جس میں تدفین کی جاتی ہے، اور مذکورہ جگہ یعنی مسجد کے آگے والی جگہ خالی پڑی ہے، جس میں لوگوں نے راستہ بنالیا ہے، وہاں سے لوگ گزرتے ہیں، اور اپنے جانور باندھتے ہیں، جس کی وجہ سے گویا اس قبرستان کی بے حرمتی ہوتی ہے، مذکورہ صورت حال میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس جگہ کو مسجد میں شامل کرکے مسجد میں توسیع کی جاسکتی ہے جب کہ مسجد میں نمازیوں کے لیے جگہ کی قلت ہے، نیز اس خالی پڑی جگہ کو استعمال نہ کرنے کی صورت میں اس پر غیر ضروری قبضہ ہو جائے گا؟ اور اگر اس جگہ کو مسجد میں شامل کرنا جائز نہ ہو تو اب قبرستان میں اس خالی پڑی جگہ کا کیا حکم ہے؟

اپ کی بارگاہ میں عرض ہے کہ مذکورہ استفتا کا جواب دے کر عند اللہ ماجور ہوں۔

من جانب: باشندگان سرنیاں، سی بی گنج بریلی یوپی

الجواب

وعلیکم السلام ورحمة الله تعالیٰ وبرکاته

صورت مستفسرہ میں جس قبرستان کی بات چل رہی ہے، اگر واقعی اس میں بیس پچیس سال سے تدفین کا سلسلہ بند ہے، یا اتنا بوسیدہ ہو چکا ہے کہ تمام قبروں کے نشانات مٹ چکے ہیں اور مردوں کے اجزا کا مٹی بن جانے کا ظن غالب ہے تو اب دیکھا یہ جائے گا کہ اس قبرستان کی زمین مملوکہ ہے یا موقوفہ؛ اگر مملوکہ ہے تو مالکین سے اجازت لے کر اور موقوفہ ہے تو مسلمانانِ بستی وذمہ داران بستی کے باہم اتفاق سے اس قبرستان کو بلا کسی تردد وشبہ

کے اور بلا کسی کراہت کے مسجد میں شامل کرنا جائز و درست ہے، اور کسی بھی شخص کے لئے اس میں غیر ضروری و غیر شرعی قبضہ کی اجازت نہیں ہے۔

عمدۃ القاری شرح البخاری میں ہے:

"فان قلت: هل يجوز أن تبنى على قبور المسلمين. ؟ قلت قال ابن القاسم لو أن مقبرةً من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا و ذلك لأن المقابر وقف من اوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فاذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها الى المسجد لأن المسجد ايضًا وقف من اوقاف المسلمين"

ترجمہ: پس اگر تو سوال کرے کہ کیا مسلمانوں کے قبرستان پر بنا جائز ہے، تو میں کہوں گا کہ ابن قاسم فرماتے ہیں اگر مسلمانوں کے قبرستانوں میں سے کوئی قبرستان مٹ جائے اور کوئی قوم اس پر مسجد بنالے تو میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا ہوں، اور وہ اس لئے کہ قبرستان مسلمانوں کے اوقاف میں سے ایک وقف ہے ان کے مردوں کو دفن کرنے کی وجہ سے، تو جائز نہیں ہے کسی کے لئے کہ ان کا مالک بن جائے، تو جب ان کے نشانات مٹ جائیں اور ان میں دفن و تدفین سے دوری ہو جائے تو ان کا پھیرنا جائز ہو گا مسجد کی جانب اس لئے کہ مسجد بھی مسلمانوں کے اوقاف میں سے ایک وقف ہے۔

(عمدة القاری شرح البخاری ج:٤، ص:٢٦٥، کتاب الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار الكتب العلمية بيروت)

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں ہے:

"ولو بلى الميت و صار ترابا جاز دفن غيره فى قبره و زرعه و البناء عليه"

ترجمہ: اگر میت بوسیدہ ہو جائے اور مٹی بن جائے تو اس کی قبر میں دوسرے مردہ کو دفن کرنا اور اس میں کھیتی کرنا اور اس پر بنا جائز ہے۔

(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج:١، ص: ٢٤٦، كتاب الجنائز، مطبوعه مكتبه امداديه ملتان پاكستان)

یہی تفصیل مندرجہ ذیل کتابوں میں مذکور ہے:

(البنايه شرح الهداية، ج ٣:، ص: ٢٩٥، فصل فى الدفن، مطبوعه دار الفكر بيروت| رد المحتار على الدر المختار، ج:٣، ص: ١٣٨، مطلب فى دفن الميت، مطبوعة دار عالم الكتب للطباعة و النشر و التوز يع الر ياض| البحر الرائق شرح كنز الدقائق،

ج: ۲، ص: ۳٤۲، کتاب الجنائز، فصل: السلطان احق لصلوته مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت لبنان|فتاویٰ هندیه، ج: ۱، ص: ۱۸۳، کتاب الصلاة، باب فی الجنائز، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان|حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، ج: ۱، ص: ۳۸۲، باب صلاة الجنازة، مطبوعه قدیم|حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، ص: ٦۱۲-٦۱۳، کتاب الصلاة، فصل فی حملها و دفنها، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان) **واللہ تعالیٰ اعلم.**

کتبـــــــ

الجواب

وعلیکم السلام و رحمة الله تعالیٰ و برکاته

مسجد میں دیا گیا سامان بنیت وقف ہو یا بنیت ایصال ثواب دونوں صورتوں میں اگر وہ مسجد میں قابل استعمال نہ ہو یا اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، تو ایسی صورت میں مسجد کمیٹی کا اس کو باہمی مشاورت سے فروخت کرنا جائز ہے، اور اس سے حاصل کرنے ہونی والے قیمت مسجد میں صرف کی جائے گی۔

البحر الرائق میں ہے:

"و فی الفتاوی الظهيرية سئل الحلواني عن أوقاف المسجد إذا تعطلت و تعذر إستغلالها، هل للمتولي أن يبيعها و يشتري بثمنها أخرى؟ قال:نعم.و روي هشام عن محمد إذا صار الوقف بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه و يشتري بثمنه غيره...و لو أن أهل المسجد باعوا حشيش المسجد أو جنازة أو نعشا صار خلقا و من فعل ذلك غائب اختلفوا فيه، قال بعضهم يجوز و الأولى أن يكون بإذن القاضي و قال بعضهم لا يجوز إلا بإذن القاضي و هو الصحيح، وبه علم أن الفتوى على قول محمد فی آلات المسجد"

[البحر الرائق، ج:٥، ص:٣٢٢/٣٢٣، كتاب الوقف/فصل فی أحكام المسجد، دار الكتب العلمية بيروت]

رد المحتار میں ہے:

"لو وقف المصحف على المسجد أی بلا تعيين أهله قيل يقرأ فيه أی يختص بأهله المترددين إليه، و قيل لا يختص به أی فيجوز نقله إلى غيره"

[رد المحتار، كتاب الوقف، المطلب فی نقل الكتب الى غيره، دار عالم الكتب رياض]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"حصير المسجد إذا صار خلقا و استغنى أهل المسجد عنه... أرجو أنه لا بأس بأن يدفع أهل المسجد إلى فقير أو ينتفعوا به فی شراء حصير آخر للمسجد و المختار أنه لا يجوز لهم أن يفعلوا ذلك بغير أمر القاضي كذا فی محيط السرخسي... حشيش المسجد إذا كان له قيمة فلأهل المسجد أن يبيعوه و إن رفعوا إلى الحاكم فهو أحب ثم يبيعوه بأمره

هو المختار كذا فى جواهر الاخلاطي"

[الفتاوى الهندية، ج:٢، ص:٤٢٨، كتاب الوقف/ باب فى المسجد و ما يتعلق به، دار الكتب العلمية بيروت]

لہٰذا صورت مسئولہ میں مسجد میں رکھا مخطوطات یا کتابوں کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، تو کمیٹی ممبران باہمی مشاورت سے اس کو بیچ سکتے ہیں، اور اس کی قیمت مسجد میں ہی صرف ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبـــــــ

الجواب

صورت مسئولہ میں امام صاحب کا مسجد کے لیے چندہ کرنا درست ہے، اس کے بر خلاف متولی کا قول لغو اور بیہودہ ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں، زمین کسی کی بھی ہو اگر اس میں مسجد تعمیر کرادی تو وہ زمین اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف ہو جاتی ہے، اور اس کی ملکیت بندے سے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جاتی ہے، بندے کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے، اب اسے بیچا جا سکتا ہے، نہ اس پر قبضہ جتایا جا سکتا ہے، اور وہ زمین تا قیامت عند اللہ مسجد ہو جاتی ہے، اگر چہ اس کے آثار حالات زمانہ کے شکار ہو جائیں، لہذا متولی کا یہ کہنا کہ یہ میرے باپ کی مسجد ہے، غلط اور کالعدم ہے، اس سے اس سے رجوع کرنا چاہیے، ورنہ ثواب سے محروم ہونے کا خطرہ ہے، اور مقتدیوں کا یہ سمجھنا کہ اس مسجد میں ہماری نماز نہیں ہو سکتی جہالت ہے، مقتدی اس سے بچیں اور مسجد میں نماز ادا کریں۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالى على وجه تعود منفعته إلى العباد فيلزم و لا بياع و لا يوهب و لا يورث كذا فى الهداية و فى العيون و اليتيمية أن الفتوى على قولهما كذا فى شرح الشيخ أبى المكارم للنقاية"

[الفتاوى الهندية، ج:٢، ص:٣٥٧، كتاب الوقف، الباب الأول فى تعريفه إلخ...، دار الكتب العلمية بيروت]

در مختار میں ہے:

"و يزول ملكه عن المسجد و المصلى بالفعل و بقوله جعلته مسجدا"

[در مختار، ج:٦، ص:٥٤٤، كتاب الوقف، مطلب إذا وقف كل نصف على حدة...، دار عالم الكتب رياض]

ایسا ہی کتب عامہ مجمع انہر، بحر الرائق وغیرہ میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبـــــــ

امام باڑہ اور امام چوک اوقاف میں سے ہے/امام باڑہ کو توڑ کر مسجد میں شامل کرنا توہین حسینیت ہے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ہمارے گاؤں میں قدیمی مسجد تھی مسجد کے سامنے امام چوک واقع تھا جس پر برسوں سے تعزیہ شریف رکھا جاتا تھا۔ اراکان کمیٹی نے مسجد کی جدید تعمیر و توسیع کی اور امام چوک کو کھود کر اس پر وضو خانہ بنادیا بہت سے مصلی اس بات سے ناراض ہوئے اور وہ اپنے گھر سے وضو کر کے اتے ہیں کیا امام چوک کے ساتھ اس طرح کی بے ادبی جائز ہے۔

کیا عند الشرع ایسا کرنا درست ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتی: عبد الحفیظ مداری، نرولی تحصیل چندوسی ضلع سنبھل

الجواب

صورت مستفسرہ میں واضح بیان ہوا کہ گاؤں میں قدیمی مسجد تھی، مسجد کے سامنے امام چوک واقع تھا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب سے مسجد ہے، اسی دور سے امام چوک بنا ہوا ہے اور بالتسلسل آج تک وہاں تعزیہ شریف رکھا جاتا ہے، ذکر واذکار، میلاد شریف، فاتحہ خوانی اور ذکر شہدائے کرام پورے اہتمام سے کے ساتھ کیا جاتا ہے، جو کہ باعث اجر وثواب ہے، اور تقرب الی اللہ کا بہترین ذریعہ؛ یہی طریقۂ کار قدیم مشائخ طریقت کا رہا ہے۔

تعزیہ داری جیسے مستحسن و محمود امر کے جواز پر اکثر خانقاہیں متفق ہیں، تو جس طرح مسجد اوقاف کے حکم میں ہے، اگرچہ اس کا وقف ہونا معلوم نہ ہو، اسی طرح امام چوک بھی ضمناً و تبعاً وقف کے تحت داخل ہوگا، چوں کہ وقف کی متعدد اقسام ہیں جیسا کہ در مختار میں ہے:

"(الوقف) على ثلاثة أوجه (إما للفقراء أو للأغنياء ثم للفقراء أو يستوي فيه الفريقان كرباط و خان و مقابر و سقايات و قناطر و نحو ذلك) كمساجد و طواحين و طست لإحتياج الكل فذلك"

[در مختار مع تنویر الابصار، ج:٦، ص:٦٠٣، کتاب الوقف/مطلب الوقف فی مرض الموت، دار عالم الکتب ریاض]

ترجمہ: وقف تین طرح کا ہوتا ہے، فقرا کے لیے یا پہلے اغنیا کے لیے پھر فقرا کے لیے؛ یا دونوں کے لیے مساوی، جیسے سرائے، تکیہ، قبرستان، سبیلیں اور خیمے وغیرہ، اسی طرح مساجد چکیاں اور برتن کیوں کہ یہ تمام لوگوں کی ضرورت سے ہیں۔

عبارت مذکورہ بالا میں "لإحتياج الكل" سے مصنف نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ شئ متعینہ موقوفہ مخصوصہ سے لوگوں کی حاجات وضروریات وابستہ ہوں، امام چوک بھی وہ مہتم بالشان جگہ ہے، جہاں تشہیر حسینیت کی غرض سے تعزیہ شریف رکھا جاتا ہے، فی زماننا حسینیت کی تشہیر فارق بین الحق والباطل ہے، تو امتیاز حق سے بڑکر بھی بھلا مومنین کے لیے کوئی دوسری حاجت ہو سکتی ہے؟ حاشا وکلا! اب رہا یہ کہ امام چوک کسی فرد واحد کی ملکیت نہیں تھی، تو یہ وقف کیسے ہو گئی؟ واضح ہو کہ فقہ میں ایک کلیہ بیان کیا گیا ہے:

"شئ موقوفہ کے لیے ضروری نہیں کہ زبان سے کہ کہ میں نے سے وقف کیا"

کما صرح فی الفتاویٰ الھندیہ:

"لا يحتاج فی جعله مسجدا إلى قوله وقفته و نحوه لأن الحرف جاريا لإذن فی الصلاة على وجه العموم و التخلية بكونه وقفا على هذا الجهة فكانت كالتعبير به"

[الفتاوى الهندية، كتاب الوقف/ الباب الحادى عشر]

ترجمہ: مسجد ہونے کو کچھ ضروری نہیں کہ زبان سے کہے کہ میں اسے وقف کیا اور کوئی لفظ اس کے مثل کہنے کی کچھ حاجت نہیں کہ عرف عام جاری ہے کہ نماز کی عام اجازت دے کر زمین اپنے قبضہ سے جدا کر دینا نماز کے لیے وقف ہی کر دیتا ہے، تو یہ ایسا ہی ہے جیسے زبان سے کہنا کہ میں نے اسے مسجد کیا۔

تو جس طرح مسجد کے وقف ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ زبان سے کہا جائے، اسی طرح امام چوک کے لیے بھی یہ ضروری نہیں کہ زبان سے کہا جائے کہ ہم نے اس جگہ کو امام چوک کے لیے وقف کیا، لہذا جب کہ قدیم زمانہ سے امام چوک مخصوص و معین ہے، تو اسے کھود کر مسجد میں شامل کرنا غصب کرنے کے مترادف اور شریعت پر ایک جرات مندانہ اقدام ہے، جو قطعا باطل و نا محمود ہے، اور یہ حسینی مشن پر محلہ کرنا ہے، یزیدیت کو بڑھاوا دینا ہے، ایسی حرکات شنیعہ نہیں کر سکتا مگر کوئی یزیدی اور عدو رسول وال رسول۔ فنعوذ بالله من ذلك.

اب جب کہ ثابت ہو چکا کہ امام چوک بھی اراضئ موقوفہ میں داخل ہے، تو اسے کھودنا، بے حرمتی کرنا صریح ظلم ہے، جس سے ہر مسلمان کو اجتناب لازم۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"لا يجوز تغيير الوقف عن هيأته فلا يجعل الدار بستانا و لا الخان حماما و لا الرباط دكانا"

[الفتاوى الهندية، ح:٢، ص:٤٤١، كتاب الوقف/ الباب الرابع عشر فى المتفرقات، دار الكتب العلمية بيروت]

ترجمہ: وقف کی ہیئت میں تبدیلی کرنا جائز نہیں، لہذا مکان باغ، سرائے حمام اور اصطبل کو دکان نہیں بنایا جاسکتا۔

فتح القدیر میں ہے:

"الواجب إبقاء الوقف على ما كان دون زيادة أخرى و لأنه لا موجب لتجويزه"

[فتح القدير، ج:٦، ص:٢١٢، كتاب الوقف، دار الكتب العلمية بيروت]

ترجمہ: وقف کو اپنی اصلی حالت پر رکھنا ضروری ہے، اس میں کوئی زیادتی نہ کی جائے، کیوں کہ اس کے جواز کا کوئی موجب نہیں۔

اس کلیہ کے تحت یہ بھی ہے کہ امام چوک توڑنا تو دور کی بات اسے رہن بھی نہیں رکھ سکتا۔

تنویر الابصار میں ہے:

"فإذا تم و لزم لا يملك و لا يُملك و لا يعار و لا يرهن"

[تنوير الابصار، ج:٦، ص:٥٣٩، كتاب الوقف/ مطلب فى الكلام على اشتراط التأبيد، دار الكتب العلمية بيروت]

ترجمہ: جب وقف تام اور لازم ہو جائے تو کوئی نہ اس کا مالک ہے نہ کسی کو مالک بنایا جا سکتا، نہ عاریۃً دیا جائے، اور نہ رہن رکھا جائے۔

مذکورہ بالا تصریحات فقہاے کرام سے ثابت ہوا کہ امام چوک بھی ضمناً وقف کے حکم میں داخل ہے، تو اس پر بھی وہی احکام جاری ہوں گے، جو دیگر اوقاف کے ہیں، بعد تخصیص شئ موقوف کمیٹی کا تصرف اس میں قطعا ناجائز و حرام ہے، البتہ اگر برضاے جمیع اہل قریہ ضرورتاً مسجد میں شامل کیا جاتا تو کسی حد تک گنجائش تھی، لہذا اہل بستی کو لازم ہے کہ فورا کمیٹی کو برخاست کریں اور تعذر کے پیش نظر کوئی جگہ خرید کر پھر سے دوبارہ امام چوک قائم کریں تاکہ حسینیت کی شان پہچان قائم ہو سکے اور اسلام کی شان دوبالا ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبـــــــ

واقف کی شرط کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان کرام مسئلہ ذیل میں کہ اگر کوئی شخص کسی نیک کام میں کچھ وقف کرے اور وقف کرنے کے ساتھ ساتھ کوئی شرط بھی لگادے تو کیا شرط کا پورا کرنا ضروری ہوگا یا نہیں، مدلل جواب سے نواز کر مشکور ہوں۔ بینوا توجروا۔ سائل: عظیم وقار، مرادآباد

الجواب

واقف کی شرط نص کا درجہ رکھتی ہے، اگر واقف کوئی شرط لگادے تو اس کا پورا کرنا ضروری ہے، اس کی شرط سے انحراف جائز نہیں مگر اس شرط سے شریعت کا خلاف نہ ہو، اگر وہ شریعت کے خلاف ہے تو وہ شرط معتبر نہیں ہوگی۔

غمز عیون البصائر میں ہے:

شرط الواقف يجب إتباعهم لقولهم شرط الواقف كنص الشارع أى فى وجوب العمل به إلا فى مسائل أقول يزاد عليه مسألة و هي إذا نص الواقف على أن أحدا لا يشارك الناظر فى الكلام فى هذا الوقف و رأى القاضي أن يضم إليه مشارفا يجوز له ذلك كالوصي إذا ضم إليه غيره حيث يصح كذا فى أنفع الوسائل. ملتقطا"

[غمز عيون البصائر مع الاشباه و النظائر، كتاب الوقف، ج:٢، ص:٢٢٨، دار الكتب العلمية بيروت]

رد المحتار میں ہے:

"إن شرائط الوقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع و هو مالك فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصية و له أن يخص صنفا من الفقراء و كذا سيأتي فروع الفصل الأول أن قولهم شرط الواقف كنص الشارع أى فى المفهوم و الدلالة و وجوب العمل به"

[رد المحتار، ج:٦، ص:٥٥٩، كتاب الوقف/ مطلب فى نقل كتب الوقف من محلها، دار عالم الكتب رياض]

واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبہ

اکبر خان مداری غفرلہ
نزیل حال سعودی عربیہ (حجاز شریف)
۱ر شوال المکرم (یوم ولادت حضرت قطب المدار قدس سرہ) ۱۴۴۳ھ

مسجد کے پیسے کو وضوخانہ یا ضروریات مسجد میں خرچ کرنا

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے لیے امام صاحب کو ایک شخص نے کچھ روپے دیے، امام صاحب نے ان روپوں کو مسجد کے پانی والے موٹر کی مرمت میں لگایا اس موٹر سے مسجد کی ٹنکی میں پانی بھراتا ہے جس سے لوگ وضو بناتے ہیں تو پوچھنا یہ ہے کہ کیا امام صاحب کا ان روپیوں کو عمارت مسجد کے بدلے اس موٹر کی مرمت میں خرچ کرنا جائز ہے؟

سائل: عبد اللہ مُہاجری، گوپال گنج

الجواب

وعلیکم السلام ورحمة اللہ تعالیٰ وبرکاتہ

صورت مسئولہ میں امام صاحب کا مسجد کے پیسوں کو موٹر صحیح کرانے میں صرف کرنا جائز اور درست ہے، چونکہ موٹر سے نمازیوں کے وضو کے لیے پانی فراہم ہوتا ہے، اسی لیے یہ مصالح مسجد میں سے ہوا، اور مصالح مسجد وضروریات مسجد میں مسجد کا پیسہ صرف کرنا جائز ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

" (قَوْلُهُ: ثُمَّ مَا هُوَ أَقْرَبُ لِعِمَارَتِهِ إلَخْ) أَيْ فَإِنْ انْتَهَتْ عِمَارَتُهُ وَفَضَلَ مِنْ الْغَلَّةِ شَيْءٌ يَبْدَأُ بِمَا هُوَ أَقْرَبُ لِلْعِمَارَةِ وَهُوَ عِمَارَتُهُ الْمَعْنَوِيَّةُ الَّتِي هِيَ قِيَامُ شَعَائِرِهِ قَالَ فِي الْحَاوِي الْقُدْسِيِّ: وَالَّذِي يَبْدَأُ بِهِ مِنْ ارْتِفَاعِ الْوَقْفِ أَيْ مِنْ غَلَّتِهِ عِمَارَتُهُ شَرْطُ الْوَاقِفِ أَوَّلًا ثُمَّ مَا هُوَ أَقْرَبُ إلَى الْعِمَارَةِ، وَأَعَمُّ لِلْمَصْلَحَةِ كَالْإِمَامِ لِلْمَسْجِدِ، وَالْمُدَرِّسِ لِلْمَدْرَسَةِ يُصْرَفُ إلَيْهِمْ إلَى قَدْرِ كِفَايَتِهِمْ، ثُمَّ السِّرَاجُ وَالْبِسَاطُ كَذَلِكَ إلَى آخِرِ الْمَصَالِحِ، هَذَا إذَا لَمْ يَكُنْ مُعَيَّنًا فَإِنْ كَانَ الْوَقْفُ مُعَيَّنًا عَلَى شَيْءٍ يُصْرَفُ إلَيْهِ بَعْدَ عِمَارَةِ الْبِنَاءِ اه- قَالَ فِي الْبَحْرِ وَالسِّرَاجِ بِالْكَسْرِ: الْقَنَادِيلُ وَمُرَادُهُ مَعَ زَيْتِهَا وَالْبِسَاطُ بِالْكَسْرِ أَيْضًا الْحَصِيرُ، وَيُلْحَقُ بِهِمَا مَعْلُومُ

خَادِمِهِمَا وَهُمَا الْوَقَّادُ وَالْفَرَّاشُ فَيُقَدَّمَانِ وَقَوْلُهُ إلَى آخِرِ الْمَصَالِحِ: أَيْ مَصَالِحِ الْمَسْجِدِ يَدْخُلُ فِيهِ الْمُؤَذِّنُ وَالنَّاظِرُ وَيَدْخُلُ تَحْتَ الْإِمَامِ الْخَطِيبُ لِأَنَّهُ إمَامُ الْجَامِعِ اه- مُلَخَّصًا ثُمَّ لَا يَخْفَى أَنَّ تَعْبِيرَ الْحَاوِي بِثُمَّ يُفِيدُ تَقْدِيمَ الْعِمَارَةِ عَلَى الْجَمِيعِ كَمَا هُوَ إطْلَاقُ الْمُتُونِ فَيُصْرَفُ إلَيْهِمْ الْفَاضِلُ عَنْهَا خِلَافًا لِمَا يُوهِمُ كَلَامَ الْبَحْرِ نَعَمْ كَلَامُ الْفَتْحِ الْآتِي يُفِيدُ الْمُشَارَكَةَ وَيَأْتِي بَيَانُهُ فَافْهَمْ." (رد المحتار/ كتاب الوقف، ٤ / ٣٦٧، ط: دار الفكر بيروت)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"مسجد بجنبه فارقين يضر بحايط المسجد، ليمنع الضر بيّنًا فأراد القيم و أهل المسجد أن يتخذ من مال المسجد حصنا بجنب حائط المسجد ليمنع الضر عن المسجد، قالوا:إن كان الوقف على مصالح المسجد جاز للقيم ذلك لأن هذا من مصالح المسجد و إن كان الوقف على عمارة المسجد لا يجوز لأن هذا ليس من عمارة المسجد كذا فى فتاوى قاضى خان و الأصح ما قال الإمام ظهير الدين:أن الوقف على عمارة المسجد و على مصالح المسجد سواء كذا فى فتح القدير"

[الفتاوى الهندية، ج:٢، ص:٤٣٠، ٤٣١، كتاب الوقف، باب فى المسجد و ما يتعلق به، دار الكتب العلمية بيروت]

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

"و فى فتاوى أبى الليث: سئل أبو القاسم عمن أوصى بشيء من ماله لعمارة المسجد، قال:عمارة المسجد فى بناءه دون تزيينه، قيل له:المنارة؟قال:ذلك من بناء المسجد، فيجوز أن يبني به المنارة، فى هذا الكتاب أيضا:سئل أبو بكر عن بناء المنارة من غلة المسجد، و إن لم يكن فى البناء مصلحة للمسجد، لا يجوز"

[الفتاوى التاتارخانية، ج:٩، ص:١٣٥، كتاب الوقف، الفصل فى المساجد، دار إحياء التراث العربي بيروت]

اسی میں ہے:

"فإن المتولي إذا اشترى من غلة المسجد دارا للمسجد يصح، و كذا من أعطى دراهم فى عمارة المسجد، أو نفقة المسجد، أو مصالح المسجد يصبح و كذا إذا اشترى

عبدا لخدمة المسجد يصح كل ذلك فيصح هذا بطريق التمليك بالهبة و إن كان لا يصح بطريق الوقف" [أيضًا، ج:۹، ص:۱۳۵، كتاب الوقف، الفصل فی المساجد، دار إحياء التراث العربي بيروت]

واللہ تعالی اعلم.

کتبـــــــ

"إِذَا خَرِبَ الْمَسْجِدُ، وَلَمْ يَبْقَ لَهُ أَثَرٌ، فَحِينَئِذٍ يَجُوزُ بَيْعُ آجُرِهِ وَخَشَبِهِ، وَيُصْرَفُ ثَمَنُهُ فِي مَسْجِدٍ آخَرَ." (الفتاوى الهنديّة، ج١، ص٢٦٦، كتاب الوقف، الباب الثالث)

ترجمہ: جب مسجد منہدم ہو جائے اور اس کا کوئی اثر باقی نہ رہے، تو اس کی اینٹوں اور لکڑیوں کو فروخت کرنا جائز ہے، اور ان کی قیمت دوسری مسجد میں خرچ کی جائے۔

۲۔ ردّ المحتار علی الدرّ المختار میں ہے:

"وَيَجُوزُ بَيْعُ آلَاتِهِ إِذَا خَرِبَ، وَصَرْفُ ثَمَنِهِ فِي مَسْجِدٍ آخَرَ، أَوْ فِي مَصَالِحِهِ."
(ردّ المحتار، ج٣، ص٣٧١)

ترجمہ: جب مسجد منہدم ہو جائے تو اس کے الات و سامان کو فروخت کرنا جائز ہے، اور اس کی قیمت کسی دوسری مسجد یا اسی مسجد کی ضروریات میں صرف کی جا سکتی ہے۔

۳۔ فتاوی قاضی خان میں ہے:

"إِذَا خَرِبَ الْمَسْجِدُ، وَتَعَذَّرَ عِمَارَتُهُ، فَيُصْرَفُ مَا فِيهِ مِنَ الْخَشَبِ وَالْآجُرِ إِلَى مَسْجِدٍ آخَرَ، وَإِنْ لَمْ يُمْكِنْ فَيُبَاعُ وَيُصْرَفُ ثَمَنُهُ فِي مَسْجِدٍ آخَرَ."
(فتاوى قاضي خان، ج٣، ص٣٦٢)

ترجمہ: اگر مسجد منہدم ہو جائے اور اس کی تعمیر ممکن نہ ہو، تو اس میں موجود لکڑی اور اینٹیں کسی دوسری مسجد میں منتقل کی جائیں، اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو انہیں بیچ دیا جائے اور اس کی قیمت دوسری مسجد میں صرف کی جائے۔

۴۔ کتاب الخراج للإمام أبي یوسف میں ہے:

"إِذَا خَرِبَ الْمَسْجِدُ، وَنَقَلَ أَهْلُ الْمَحَلَّةِ إِلَى مَوْضِعٍ آخَرَ، فَتُبَاعُ أَخْشَابُهُ وَآلَاتُهُ، وَيُصْرَفُ ثَمَنُهُ فِي بِنَاءِ مَسْجِدٍ آخَرَ." (كتاب الخراج، ص٩٣)

ترجمہ: اگر مسجد خراب ہو جائے اور محلے والے کسی اور جگہ منتقل ہو جائیں، تو اس کی لکڑی اور سامان بیچ دیا جائے، اور اس کی قیمت دوسری مسجد کی تعمیر میں استعمال کی جائے۔

خلاصۂ فتویٰ:

جب قدیم مسجد کا کچھ ملبہ جدید تعمیر میں استعمال کے قابل نہ رہے تو اس کو بیچنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ ملبہ کسی مسلمان کے ہاتھ فروخت کیا جائے اور اس کی قیمت اسی مسجد یا کسی دوسری مسجد کے مصرفِ شرعی میں خرچ کی

جائے۔ یہ جواز فقہائے احناف کے معتمد فتاویٰ اور فقہی اصولِ وقف کی روشنی میں واضح ہے۔ واللّٰہ أعلم بالصّواب.

کتبـــــــ

جائے یا ایسی جگہ ڈال دیا جائے جہاں بے حرمتی نہ ہو، مثلاً زمین کا نیچے حصہ میں یا کھڈا میں، مگر انہیں سڑک کے گڈھوں میں ڈال دینا، جہاں لوگوں کے قدموں تلے آئیں، یہ مکروہِ تحریمی اور توقیر مسجد کے خلاف ہے۔

فتاویٰ عالمگیری (ہندیہ) میں ہے:

"وإذا خربت المسجد فخشبها وحجارتها مصروفة إلى مسجد آخر، ولا تجعل في غيره." (الفتاوى الهندية، ج ٦، ص ٣٩٢)

ترجمہ: "جب مسجد منہدم ہو جائے تو اس کی لکڑیاں اور پتھر دوسری مسجد میں منتقل کیے جائیں، کسی غیر مسجد میں استعمال نہ کیے جائیں۔"

الدر المختار میں ہے:

"وأما إن خرب المسجد أو انتقل، لا يخرج شيء من عينه، بل يجعل في مسجد آخر." (الدر المختار مع رد المحتار، ج ٣، ص ٣٧١)

ترجمہ: "اگر مسجد خراب ہو جائے یا منتقل کی جائے، تو اس کی کوئی چیز (یعنی اینٹ، لکڑی، وغیرہ) باہر نہ نکالی جائے بلکہ دوسری مسجد میں رکھی جائے۔"

خلاصہ یہ کہ:

- مسجد کے ملبہ کو عام انسان کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں۔
- سڑک کے گڈّوں یا راستوں میں ڈالنا توقیر مسجد کے خلاف ہے، اس سے اجتناب لازم ہے۔
- ان چیزوں کو مسجد ہی میں استعمال کیا جائے یا کسی دوسری مسجد میں، یا احتراماً دفن کر دیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

وقف میں تبدیلی کا حکم

مدرسہ کی وقف شدہ زمین میں مسجد بنانا اور مدرسہ کو اس کی قیمت ادا کر دینا۔ کیا یہ شرعا درست ہے؟
سائل: نور محمد نوتنوا، مغربی چمپارن

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب

سب سے پہلے اصولی بات سمجھ لیجیے کہ وقف شرعا ایک مستقل عبادت ہے۔ جب کوئی چیز مخصوص مقصد کے لیے وقف ہو جائے تو پھر اس کے مصرف میں تبدیلی کرنا از روئے شرع جائز نہیں، سوائے اس کے کہ اس میں شدید ضرورت اور مصلحت ہو اور متولی یا قاضی شریعت کی اجازت ہو۔

قران مجید اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ" (سورۃ الاسراء: ۳۴)

ترجمہ: وعدہ پورا کرو۔

وقف بھی ایک عہد ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے کیا گیا ہے۔ اس لیے اس کو بدلا نہیں جا سکتا۔

حدیث مبارک میں ہے:

" عن عمر بن الخطاب رضی الله عنه أنه قال للنبي ﷺ: إني أصبت أرضًا بخيبر لم أصب مالًا قط أنفس عندي منه، فما تأمرني به؟ قال: إن شئت حبست أصلها وتصدقت بها... (متفق عليه)

اس سے معلوم ہوا کہ وقف کا اصل (زمین وغیرہ) باقی رہتا ہے اور اس سے صرف اس مقصد میں نفع لیا جائے گا جس کے لیے وقف کیا گیا ہو۔

فقہائے احناف کا موقف:

امام کاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

«إذا وقف شيئًا على وجه مخصوص لا يجوز صرفه إلى غيره»

(بدائع الصنائع، جلد ٦، ص ٢٢٢)

ترجمہ: جب کسی چیز کو کسی خاص مصرف پر وقف کر دیا جائے تو اسے کسی اور مصرف پر لگانا جائز نہیں۔

اسی طرح امام سرخسی رحمہ اللہ نے کہا:

"إذا وقف شيئا على مسجد مثلا لم يجز صرفه إلى مسجد آخر"

(المبسوط، ج ١٢، ص ٣٤)

یعنی اگر کسی چیز کو مسجد کے لیے وقف کیا جائے تو اسے دوسری مسجد پر بھی خرچ نہیں کیا جا سکتا۔

اس مسئلے کی روشنی میں:

مدرسہ کی زمین کو مدرسہ ہی کی ضروریات میں استعمال کرنا واجب ہے۔ اس کو مسجد بنانے کے لیے استعمال کرنا اصلا جائز نہیں کیونکہ یہ وقف کے مقصد میں تبدیلی ہے۔ اور اس کی قیمت لے کر مسجد کمیٹی کو دینا بھی درست نہیں۔ وقف کی چیز کو بیچنا یا معاوضہ لینا جائز نہیں، الا یہ کہ زمین مدرسہ کے لیے بالکل بے کار ہو گئی ہو (جیسے ناقابلِ استعمال، یا مدرسہ کی عمارت تباہ ہو گئی ہو) اور متولی اور شرعی قاضی کی اجازت سے اس کو فروخت کر کے اسی طرح کے مقصد میں خرچ کیا جائے، یعنی مدرسہ ہی کی کوئی اور جگہ خریدی جائے۔ ھٰذا ما ظھر لی والعلم عند ربی وھو تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

میراث کا بیان

بہن اور بھائی کو تین جگہ ترکے میں سے کچھ نہیں ملتا

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ زید متوفی کے دادا ایک بھائی، ماں ایک بہن ایک لڑکا دو لڑکی دو بیویاں ہے، بچوں کی ماں کا انتقال ہو گیا ہے، جو بیوی حیات ہے، اس کے کوئی اولاد نہیں، سو زید کا ترکہ کس طرح تقسیم ہو گا مہربانی فرمائیں، جواب عنایت فرمائیں۔

عبد المعید، موضع جاندلا ضلع اوجین ایم پی

الجواب

وعلیکم السلام ورحمة الله تعالیٰ وبرکاته

صورت مستفسرہ میں مرحوم کا ترکہ اس طرح تقسیم ہو گا کہ پہلے زید متوفی کے حقوق مثلاً تجہیز و تکفین کے اخراجات ادا کیے جائیں، اس کے بعد اگر مرحوم کے ذمہ کوئی قرض ہو تو قرض کل مال سے ادا کیا جائے، اور اگر مرحوم زید نے کوئی وصیت کی ہو تو باقی مال کے تہائی حصہ میں سے اسے نافذ کیا جائے، اس کے بعد باقی ماندہ ترکہ منقولہ و غیر منقولہ کو ۲۴/ حصوں میں تقسیم کر کے ۴/ حصے زید مرحوم کے دادا کو، ۴/ حصے زید کی ماں کو، ۳/ حصے زید کی بیوی کو، ساڑھے چھ حصے زید کے بیٹے کو اور ساڑھے چھ حصے دونوں بیٹیوں کو ملیں گے۔

زید مرحوم کا بھائی اور بہن ترکے سے ساقط ہو جائیں گے، لڑکے، پوتے (نیچے تک) اور باپ دادا (اوپر تک) کی موجودگی میں ان دونوں کو ترکہ میں سے کچھ نہیں ملتا۔

کتاب الفرائض میں ہے:

”و یسقط الأخ أو الأخت الشقیقة فی ثلاثة مواضع مع الإبن و ابن الإبن و إن سفل و مع الأب“ [کتاب الفرائض، ص: ۳۰، باب الحجب و تفسیرہ، دار الکتب العلمیہ بیروت] و الله تعالیٰ اعلم.

کتبہ

احقر محمد اکبر خان مداری عفی عنہ
سابق مدرس مدرسہ عربیہ مدار العلوم گوندہ پور بریلی و نزیل حال حجاز
۲۱/ رجب المرجب ۱۴۴۳ھ

الجواب صحیح
خوشنود خان مداری عفی عنہ
صدر المدرسین مدرسۂ مذکورہ و ناظم اعلیٰ دار الافتا مداریہ

الجواب صحیح
محمد اصف خان قمر مداری عفی عنہ
مدرس مدرسہ عربیہ مدار العلوم گوندہ پور بریلی

ایک بھائی اور دو بہنوں کے مابین چار لاکھ ساٹھ ہزار کی تقسیم

کیا فرماتے علمائے دین و شرع متین اس مسلہ میں کی کیا صحرائی زمین میں بہنوں کا حصہ ہوتا ہے! پانچ بھائی اور تین بہنوں کا حصہ کس طرح نکالا جائے گا؟ ایک بھائی پر تینوں بہنوں کا کتنا حصہ نکلے گا۔ مثال کے طور پر ایک زمین چار روپے لاکھ شاٹھ ہزار کی فروخت ہوئی تو اس میں ایک بھائی پر تینوں بہنوں کا کتنا آتا ہے۔ براہ کرم قرآن کریم و سنت رسول حبیب علیہ السلام کی روشنی میں جواب عنایت فرمانے کی زحمت فرمائیں۔

سائل: انوار صمدانی، نیشنل بکڈپو، بازار گذری امروہہ یو۔پی

الجواب

وعلیکم السلام ورحمة الله وبرکاته

جس طرح میراث میں مردوں کے حقوق ہیں، اسی طرح عورتوں کے بھی حقوق مقرر ہیں، چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

''وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا''

[سورة النساء: ۷]

ترجمہ: اور عورتوں کے لیے حصہ ہے، اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے، ترکہ تھوڑا ہو یا بہت، یہ حصہ مقرر ہے۔

اگر میت کے وارثین پانچ بھائی اور تین بہنیں ہیں، تو ان کے درمیان تیرا حصے ہوں گے، جن میں سے دس حصے پانچ بھائیوں کو؛ اس طرح کہ ہر لڑکے کو دو حصے ملیں گے، اور تین حصے تینوں بہنوں کو ملیں گے یعنی ہر بہن ایک حصے کی حق دار ہوگی، تو اب رقم کا حساب درج ذیل ہے:

بھائی	بھائی	بھائی	بھائی	بہن	بہن	بہن
70769.230	70769.230	70769.230	70769.230	35384.615	35384.615	35384.615
353846.15				106153.845		

اور اگر میت کے وارثین ایک بھائی اور تین بہنیں ہیں، تو ان کے درمیان ترکہ کے پانچ حصے ہوں گے،

جس میں سے دو حصے بھائی کو اور تین حصے تینوں بہنوں کو ملیں گے، رقم کا حساب درج ذیل ہے:

بھائی	بہن	بہن	بہن
184000	92000	92000	92000
	276000		

پس مذکورہ صورتوں میں بھائی کو بہن کے بالمقابل دو حصے ملیں گے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ'' [سورۃ النساء:۱۱]

ترجمہ: پس مرد کا حق دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبـــــــ

"وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ؕ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا"

اور تیرے رب نے یہ حکم دیا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ اور وہ یعنی تیرے ماں باپ تیری زندگی میں بڑھاپے کو پہنچ جائیں چاہے ان میں ایک پہنچے یا دونوں، (اور ان کی کوئی بات تجھے ناگوار گزرے تو) تو ان سے کبھی "ہوں" بھی نہ کہنا۔ اور نہ انھیں جھڑکنا، اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں دعا کرتے رہنا اے ہمارے رب ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ ان دونوں نے بچپن میں مجھے پالا ہے۔ (صرف ظاہر داری نہیں بلکہ دل سے ان کا احترام کرنا) تمھارا رب تمھارے دل کی باتیں خوب جانتا ہے۔ اور اگر تم سعادت مند ہو تو وہ توبہ کرنے والے کی خطائیں کثرت سے معاف کرنے والا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

ان رَجُلا قَالَ يَا رسُول الله ما حق الوالدين على ولدهما؟ قَالَ هُمَا جَنَّتُكَ وَنارك.

(ابن ماجه)

یعنی ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ماں، باپ کا اولاد پر کیا حق ہے؟ ارشاد فرمایا کہ وہ تیری جنت اور دوزخ ہیں یعنی جو لوگ ان کو راضی رکھیں گے جنت پائیں گے اور جو ان کو ناراض رکھیں گے دوزخ کے مستحق ہوں گے۔ اسی طرح والدین کے لئے ضروری ہے کہ اپنی اولاد کے حقوق کا خیال رکھیں۔ رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے: لان یؤدب الرجل ولده خیرٌ لہ من ان یتصدق بصاع (ترمذی) یعنی کہ کوئی شخص اپنی اولاد کو ادب سکھائے تو اس کے لئے ایک صاع صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی پاک علیہ والہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جس کی پرورش میں دو لڑکیاں بلوغ تک رہیں تو وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ میں اور وہ بالکل پاس ہوں گے۔ یہ فرماتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی انگلیاں ملا کر فرمایا اس طرح۔ (مسلم)

حضرت حاجب بن مفضل بن مہلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ماجد نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اعدلوا بینَ اَوْلادِکُمْ- اعدلوا بین اولادکم۔(اپنی اولاد میں انصاف کرو۔)

سنن ابی داود میں یہ الفاظ ہیں:اعدلوا بین اولادکم۔(تین بار)

اپنی اولاد میں انصاف کرو۔(مسند احمد وغیرہ)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے واضح فرمادیا کہ اولاد میں ناانصافی نہ کرو اور اللہ سے ڈرو تا کہ اولاد اپنے حقوق سے محروم نہ ہو۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: خبر دار ہو جاؤ کہ تم میں سے ہر ایک نگراں ہے اور ہر ایک سے اس ماتحت افراد (رعایا) کے بارے میں پوچھا جائے گا (یعنی ہر کوئی ذمہ داری کا جواب دہ ہو گا۔ لہذا امام لوگوں کی طرف سے نگران ہے اور اس سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا جائے گا جو اس کے ماتحت تھے۔ اور ہر آدمی اپنے گھر والوں کا نگراں ہے اور اس سے اس کے گھر والوں کے بارے میں پوچھا جائے گا اور عورت اپنے خاوند کے گھر، اور اس کی اولاد کی نگران ہے۔ اور اس سے اس کے گھر والوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اگاہ ہو جاؤ کہ تم میں سے ہر ایک نگراں ہے اور ہر ایک سے اس کے ماتحت افراد کے بارے میں پوچھا جائے گا۔(بخاری کتاب الاحکام)

اپنے ماتحت افراد کے حقوق میں خیانت کرنے والے شخص پر جنت حرام ہے۔ اگر اپنے ماتحت افراد کے حقوق میں خیانت کرے گا تو اسی حکم میں ہو گا اور جو ایسے غلط کام کرنے پر ترغیب دلانے والا ہے تو اس پر وہی حکم ہے۔ اگرچہ زید اپنے مال واملاک کا مالک ومختار ہے جسے چاہے دے یا نہ دے مگر اپنی اولاد کو محروم رکھنا یہ اچھی بات نہیں۔ بلاوجہ شرعی وارثین کو محروم کرنے کے ارادہ سے مال دوسرے کو ہبہ کرنا عند اللہ قابل مواخذہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

"عَن انس بن مالك قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مَنْ فَرَّ مِنْ میراث وَارثیه قَطَعَ اللهُ مِيرَاثُهُ مِنَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ." (کتاب الوصایا، باب الحیف فی الوصیۃ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کہ جو شخص

اپنے وارث کو میراث دلانے سے بھاگے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جنت کی میراث نہ دے گا۔

زید کو چاہیے کہ اپنی اولاد کے حقوق ادا کرے اور اولاد والد کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔ واللہ الموفق. واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

عربیت ولغت کے رمز شناس افراد کا انتخاب کیا اور ایک مجلس شوریٰ تشکیل دی، جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو امام صاحب تمام اراکین شوریٰ سے استفسار کرتے، اگر تمام کی رائے کسی ایک امر پر متفق ہو جاتی تو امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ اور امام محمد رضی اللہ عنہ منقح انداز میں اصول کی کتابوں میں درج فرمادیتے، اور اگر رائے مختلف ہوتی تو ازادانہ طور پر بحث کا سلسلہ جاری رہتا، اور پھر اس بنیاد پر بعض مسائل میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کو ترجیح دی گئی ہے، اور بعض دلائل کی بناء پر حضرتِ مولیٰ علی کرم اللہ وجھہ الکریم کی روایت کو ترجیح دی گئی ہے، یوں فقہ حنفی کا دار مدار حضرت علی کرم اللہ وجھہ الکریم اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما دونوں پر ہوا۔

فقه أهل العراق وحديثهم میں ہے:

"وضع أبو حنيفة مذهبه شورى بينهم، لم يستبد فيه بنفسه دونهم، اجتهاداً منه في الدين، ومبالغة في النصيحة للّه، ورسوله، والمؤمنين، فكان يلقي المسائل مسألة مسألة، ويسمع ما عندهم، ويقول ما عنده، ويناظرهم شهراً، أو أكثر، حتى يستقر أحد الأقوال فيها، ثم يثبتها أبو يوسف في الأصول، حتى أثبت الأصول كلها، وهذا يكون أولى وأصوب، وإلى الحق أقرب". (طريقة ابی حنيفة فی التفقيه، ص:٣٨، ط:ايچ ايم سعيد)

سیر اعلام النبلاء میں ہے:

"فأفقه أهل الكوفة علي وابن مسعود، وأفقه أصحابهما علقمة، وأفقه أصحابه إبراهيم، وأفقه أصحاب إبراهيم حماد، وأفقه أصحاب حماد أبو حنيفة، وأفقه أصحابه أبو يوسف، وانتشر أصحاب أبي يوسف في الآفاق، وأفقههم محمد، وأفقه أصحاب محمد أبو عبد الله الشافعي، رحمهم الله تعالى". (الطبقة الثالثة، حمادبن ابی سليمان، ج:٥، ص:٢٣٦، ط:مؤسسة الرسالة) فقط واللہ اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

وصیت کا مال ہلاک ہوجائے تو کیا کرے؟

ایک شخص نے فقراء کو دینے کے لیے اپنے ثلث مال کی وصیت کی اس کے انتقال کے بعد اس کے ترکہ سے ثلث مال (تہائی مال) نکال کر فقراء کو دینے کے لیے جارہے تھے کہ راستے میں مال ہلاک ہو گیا اس کی وصیت پوری ہو گئی یا مال دوبارہ ادا کرنا ہو گا؟

السائل: محمد فہیم، دولی بریلی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب

اگر فقراء کو دینے کے لیے اپنے ثلث مال کی کسی نے وصیت کی پھر اس کے انتقال کے بعد اس کے ترکہ سے ثلث مال کا تیسرا حصہ نکال کر فقراء کو دینے جاتے وقت وہ مال ہلاک ہو گیا تو وہ وصیت پوری ہو گئی اور مال فقراء کا ہلاک ہوا اب باقی تہائی مال سے پھر سے ثلث نہیں نکالا جائے گا، بلکہ دو تہائی مال میت کے ورثہ کو دیا جائے گا۔ جیسا کہ در مختار میں ہے:

(أخرج القاضي الثلث للفقراء ولم يعطهم إياه حتى هلك كان) الهالك (من مالهم) أي الفقراء (والثلثان للورثة) . (تنو یر الابصار و در المختار، ج۸، ص:۱٦۹، کتاب القضاء، دار الکتب العلمیة)

واللہ اعلم.

کتبہ

محمد ندیم خاں مصباحی
المتدرب علی الافتاء بالجامعۃ الاشرفیہ
۲٦/۱۱/۱۴۴۰ھ

حظر واباحت کا بیان

جمہور علماء کے قول کی حجیت۔مدلّل و معرّب فتویٰ

السُّوال: کیا اسلام میں جمہور علماء کی رائے کو عقائد، اصول یا تو فروع میں حجت مانا گیا ہے؟ جمہور سے مراد پوری دنیا کے علماء ہیں یا کسی ملک یا طبقے کے؟ کیا جمہور کا قول اجماع کے درجہ میں ہے؟ اس کی شرعی، اصولی و فقہی حیثیت واضح فرمائیں۔

سائل سید ظفر مجیب مداری ولی عہد سجادہ نشین

الجواب وبعون الملک الوھاب وبہ التوفیق و الصواب

الحمدُ لِلّٰهِ ربِّ العالمين، والصلاةُ والسلامُ على سيِّدِنا محمَّدٍ خاتمِ النَّبيِّين، وعلى آلِهِ وأصحابِهِ أجمعين. أمّا بعد:

جمہور کا مطلب اور اس کی شرعی حیثیت:

"الجمهورُ" سے مراد وہ اکثر اہلِ علم ہوتے ہیں جن کی علمی بصیرت، فقہی رسوخ، اور دینی فہم پر امت کا اعتماد ہوتا ہے۔ شریعتِ مطہرہ میں جمہور اہلِ حق کا قول راجح، معتبر اور احتیاط کا تقاضا ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ کسی نصِ قطعی یا اجماعِ صریح کے خلاف نہ ہو۔

حدیثِ مبارک میں سوادِ اعظم کے ساتھ رہنے کی تاکید ہے:

عن عبد الله بن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: " قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ، فَإِنَّهُ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ. (سنن ابنِ ماجه، حديث: ٣٩٥٠)

ترجمہ: تم پر لازم ہے کہ سوادِ اعظم (اکثریتِ اہلِ حق) کے ساتھ رہو، کیونکہ جو ان سے الگ ہوا وہ جہنم میں جا پڑا۔

شرح الطيبي میں ہے:

" السَّوَادُ الْأَعْظَمُ: هُم أَهْلُ الحَقِّ مِنَ العُلَمَاءِ، لَا الكَثْرَةُ مِنَ العَوامِّ".

ترجمہ: سوادِ اعظم سے مراد حق پر قائم علماء ہیں، عوام کی کثرت مراد نہیں ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری فرماتے ہیں:

" القَوْلُ مَا قَالَهُ الجُمْهُورُ، مَا لَمْ يُخَالِفْ نَصًّا أَوْ إِجْمَاعًا، لِأَنَّهُ أَرْجَحُ أَقْوَالِ المُجْتَهِدِينَ. " (شرح التّنقيح، ص: ٢٥٦)

ترجمہ: قول وہی معتبر ہوتا ہے جو جمہور نے کہا ہو، بشرطیکہ کسی قطعی نص یا اجماع کے خلاف نہ ہو، کیونکہ یہ مجتہدین کے اقوال میں سب سے زیادہ راجح ہوتا ہے۔

الإمام الزَّرْكَشِيُّ الشَّافِعِيُّ رحمَهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ فرماتے ہیں:

" إِذَا اخْتَلَفَ العُلَمَاءُ فِي مَسْأَلَةٍ، فَإِنْ كَانَ مَعَ أَحَدِهِمُ الجُمْهُورُ، فَالأَخْذُ بِقَوْلِ الجُمْهُورِ أَوْلَىٰ وَأَحْوَطُ، لِأَنَّهُ أَبْعَدُ عَنِ الخَطَإِ. " (البحر المُحيط، ٦/ ٢٩٣)

ترجمہ: جب کسی مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہو، تو جمہور کے قول کو اختیار کرنا زیادہ بہتر اور احتیاط والا ہے، کیونکہ وہ خطا سے زیادہ دور ہوتا ہے۔

الإمام الجُوَيْنِيُّ رحمَهُ اللّٰهُ (امام الحرمین فرماتے ہیں):

" الخُرُوجُ عَنْ قَوْلِ الجُمْهُورِ مَزْلَقَةٌ، وَلَا يَسْلُكُهُ إِلَّا مَنْ اسْتَظْهَرَ بِدَلِيلٍ قَاطِعٍ أَوْ حُجَّةٍ رَاجِحَةٍ. " (البرهان في أصول الفقه، ٢/ ٧٥٣)

ترجمہ: جمہور کے قول سے انحراف گمراہی کا سبب ہے، اور یہ راہ صرف وہی اختیار کرتا ہے جو قاطع دلیل یا راجح حجت رکھتا ہو۔

الإمام النَّوَوِيُّ رحمَهُ اللّٰهُ تعالىٰ فرماتے ہیں:

" وَاعْلَمْ أَنَّ مَذْهَبَ الجُمْهُورِ مِنَ العُلَمَاءِ يُعْتَبَرُ رَاجِحًا، مَا لَمْ يُخَالِفْ نَصًّا صَرِيحًا أَوْ إِجْمَاعًا. " (شرح النووي على مسلم، المقدمة)

ترجمہ: جمہور علماء کا مذہب راجح مانا جاتا ہے، جب تک وہ کسی صریح نص یا اجماع کے خلاف نہ ہو۔

الإمام الشَّاطِبِيُّ رحمَهُ اللّٰهُ تعالىٰ في الفرق بين الإجماع والجمهور میں فرماتے ہیں:

" الإِجْمَاعُ أَبْلَغُ مِنْ قَوْلِ الجُمْهُورِ، لِأَنَّ الإِجْمَاعَ قَطْعِيٌّ، وَقَوْلُ الجُمْهُورِ ظَنِّيٌّ رَاجِحٌ. " (الموافقات، ٤/ ١٢٠)

ترجمہ: اجماع، جمہور کے قول سے زیادہ مؤکد ہے، کیونکہ اجماع قطعی ہوتا ہے اور جمہور کا قول ظنی راجح ہوتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ

- "جمہور" سے مراد ہر دور کے راسخ، متقی، اور ماہر علماء کرام ہوتے ہیں، نہ کہ محض کثرت۔
- جمہور کا قول راجح اور معتبر ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ نص یا اجماع کے خلاف نہ ہو۔
- عقائد، اصول، اور فروع میں جمہور کی رائے کو ترجیح دینا اہل سنت کا علمی و اصولی طریقہ ہے۔
- اجماع اور جمہور میں فرق ہے: اجماع قطعی حجت ہے، جبکہ جمہور کا قول ظنی راجح ہوتا ہے۔
- جمہور سے مراد کسی ایک ملک یا مسلک کے علماء نہیں، بلکہ بین الاقوامی سطح پر جید و محقق علماء مراد ہوتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

اور مستحق رشتہ دار بھی اس کے مستحق ہو سکتے ہیں، بلکہ بعض صورتوں میں ان پر خرچ کرنا صدقہ ہونے کے ساتھ صلۂ رحمی کا بھی سبب بنتا ہے، اور زیادہ اجر و ثواب کا باعث بنتا ہے۔

اہل و عیال پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے:

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

"دِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، وَدِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ فِي رَقَبَةٍ، وَدِينَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهِ عَلَى مِسْكِينٍ، وَدِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ عَلَى أَهْلِكَ، أَعْظَمُهَا أَجْرًا الَّذِي أَنْفَقْتَهُ عَلَى أَهْلِكَ " (صحيح مسلم، حديث: ٩٩٥)

ترجمہ: "تم جو دینار (سکہ / روپیہ) اللہ کی راہ میں خرچ کرو، یا کسی غلام پر، یا کسی مسکین کو صدقہ میں دو، یا اپنے اہل و عیال پر خرچ کرو، ان سب میں سب سے زیادہ اجر اس دینار کا ہے جو تم نے اپنے اہل و عیال پر خرچ کیا۔"

بیوی کو دینا بھی صدقہ ہے:

حدیثِ مبارکہ میں ہے:

" إِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ إِلَّا أُجِرْتَ عَلَيْهَا، حَتَّى مَا تَجْعَلُ فِي فِيِّ امْرَأَتِكَ " (صحيح البخاری: ٥٦، صحيح مسلم: ١٦٢٨)

ترجمہ: "تو جو کچھ بھی اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرے گا، اس پر تجھے اجر ملے گا، حتیٰ کہ وہ نوالہ بھی جو تو اپنی بیوی کے منہ میں ڈالے گا۔"

والدین پر خرچ بھی باعثِ اجر ہے:

اگر والدین محتاج ہوں یا ان پر خرچ کرنے کی ضرورت ہو، تو ان پر خرچ کرنا صدقہ بھی ہے اور صلۂ رحمی بھی۔

حدیث شریف میں ہے:

" الصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِينِ صَدَقَةٌ، وَهِيَ عَلَى ذِي الرَّحِمِ اثْنَتَانِ: صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ " (جامع الترمذی: ٦٥٨)

ترجمہ: "مسکین پر صدقہ صرف صدقہ ہے، اور رشتہ دار پر صدقہ، صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔"

خلاصۂ حکم یہ کہ شرعاً زید کا یہ عمل درست ہے کہ وہ نفلی صدقات میں کبھی کسی غریب کو دیتا ہے، اور کبھی بیوی، بچوں، والدین یا دوسرے رشتہ داروں کو دیتا ہے، یہ سب صدقہ شمار ہوگا اور ان شاء اللہ بڑا اجر و ثواب ملے گا۔

البتہ اگر اہل و عیال، والدین وغیرہ غنی (مالدار) ہوں اور حاجت مند نہ ہوں، تو ان پر خرچ کرنا صدقۂ نفل کے درجے میں ہوگا، صدقۂ واجب کے درجے میں نہیں۔

تنبیہ: نفلی صدقہ میں کسی غریب یا فقیر کو دینا افضل ہے، خاص کر اگر وہ رشتہ دار بھی ہو۔

اہلِ خانہ پر خرچ کرنا ضرورت و حسنِ نیت کے ساتھ ہو، یعنی دل میں نیت ہو کہ میں اس پر خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ هذا ما ظهر لی والعلم عند ربی وهو تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

داڑھی: فطرت، سنت اور شعائرِ اسلام کا مظہر

اللہ تعالیٰ نے داڑھی کو فطری زینت بنایا ہے، چنانچہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں وارد ہے:

"عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ: قَصُّ الشَّارِبِ، وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ، وَالسِّوَاكُ، وَاسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ، وَقَصُّ الْأَظْفَارِ، وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ، وَنَتْفُ الْإِبْطِ، وَحَلْقُ الْعَانَةِ، وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ، قَالَ زَكَرِيَّا: قَالَ مُصْعَبٌ: وَنَسِيتُ الْعَاشِرَةَ، إِلَّا أَنْ تَكُونَ الْمَضْمَضَةَ». (صحيح مسلم، كتاب الطهارة، حديث نمبر ٢٦١)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دس چیزیں فطرت میں سے ہیں: مونچھیں کاٹنا، داڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، ناک میں پانی چڑھانا، ناخن کاٹنا، جوڑوں کو دھونا، بغل کے بال نوچنا، زیر ناف بال مونڈنا، پانی سے استنجا کرنا۔ زکریا کہتے ہیں: مصعب نے کہا: میں دسویں چیز بھول گیا، سوائے اس کے کہ وہ کلی کرنا ہو۔"

یہ حکم کسی مخصوص دور یا قوم کے لیے نہیں، بلکہ پوری امت کے لیے ہے، اور یہی وجہ ہے کہ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین، ائمۂ مجتہدین، اولیائے کاملین، سب نے داڑھی رکھی اور ایک مشت یا زائد رکھی۔

ایک مشت داڑھی رکھنا: جمہور فقہاء کی صریح رائے:

تمام مکاتبِ فکر (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) کے جمہور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ داڑھی کی کم از کم حد "ایک مشت" ہے، اور اس سے کم کرنا ناجائز و مکروہ تحریمی اور سنتِ نبوی ﷺ کی صریح خلاف ورزی ہے۔

امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وكان ابن عمر رضي الله عنهما إذا حج أو اعتمر قبض على لحيته، فما فضل أخذه." (الموطأ، برواية محمد: ص ٢٣٥)

یعنی: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب حج یا عمرہ کرتے تو اپنی داڑھی کو مٹھی میں لیتے اور جو زائد ہوتی وہ کاٹ دیتے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (شافعی) لکھتے ہیں:

"الْمُخْتَارُ أَنْ يُتْرَكَ كَمَا هُوَ، وَلَا يُتَعَرَّضَ لَهُ بِقَصٍّ، وَقِيلَ: إِذَا طَالَ جِدًّا يُؤْخَذُ مِنْهُ." (شرح صحيح مسلم)

داڑھی: نبیوں کی سنت وشعار

ہر نبی نے داڑھی رکھی۔ یہاں تک کہ غیر مسلم اقوام بھی اپنے پیشواؤں کی داڑھیوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ سیدنا ہارون علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں ہے:

"قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي" (سورۃ طٰہٰ:۹۴)

یعنی: "اے میری ماں کے بیٹے! میری داڑھی یا سر کے بالوں کو نہ پکڑ۔"

داڑھی کا شعائرِ اسلام میں شمار:

داڑھی ان شعائر میں سے ہے جس کے ذریعہ مسلمان کی پہچان ہوتی ہے۔ اگرچہ مسلمان کا اصل مقام تقویٰ ہے، مگر شریعت نے ظاہری علامات کو بھی اہمیت دی ہے تاکہ امت کی اجتماعی شناخت برقرار رہے۔ داڑھی کی حفاظت، دراصل اسلامی تہذیب کی حفاظت ہے۔

داڑھی منڈوانے یا چھوٹی رکھنے کا نقصان:

داڑھی کا منڈوانا یا ایک مشت سے کم رکھنا، نہ صرف سنتِ نبوی ﷺ کی مخالفت ہے بلکہ یہ فیشن پرستی، مغربی تہذیب کی تقلید اور اسلامی غیرت وحمیت سے محرومی کی علامت ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"لَيْسَ لِمَنْ لَمْ يَجُزَّ لِحْيَتَهُ فِي الْإِسْلَامِ نَصِيبٌ" (كنز العمال، حديث ٩٠٤٦)

یعنی: "جس نے اپنی داڑھی کو نہیں بڑھایا، اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔"

خلاصۂ کلام یہ کہ داڑھی رکھنا:

- سنتِ مؤکدہ ہے۔
- مرد کی فطری زینت ہے۔
- شعائرِ اسلام میں سے ہے۔
- انبیاء، صحابہ، تابعین، ائمہ کا طریقہ ہے۔
- اس میں دین کی عزت، مردانگی، اور اتباعِ شریعت کا پیغام ہے۔

لہٰذا، آج کے اس پر فتن دور میں، جب مغربی تہذیب اور فیشن پرستی نوجوانوں کو اپنی چمک دمک سے دین سے دور کر رہی ہے، داڑھی رکھنا اور اسے کم از کم ایک مشت تک بڑھانا نہ صرف سنت پر عمل ہے بلکہ اسلامی غیرت و حمیت کا تقاضا اور فتنوں کے خلاف اعلانِ بغاوت ہے۔

ہم داڑھی (اللِّحْيَة) کی لغوی اور اصطلاحی تعریف خوبصورت انداز میں، عربی عبارات، تراجم اور معتبر حوالہ جات کے ساتھ پیش کرتے ہیں، جیسا کہ علمائے لغت اور فقہاء و محدثین نے اس کو واضح کیا ہے:

اللِّحْيَة (داڑھی) کی لغوی و اصطلاحی تعریف

اوّلا: لغوی تعریف علمائے لغت کی زبانی:

عربی زبان میں لِحْیَۃ کا لفظ "لَحْيٌ" سے ماخوذ ہے، جو "جبڑے" کو کہتے ہیں، اور اس پر اگنے والے بالوں کو "لِحْيَة" کہا جاتا ہے۔

علامہ فیروزابادی (متوفی ۸۱۷ھ) لکھتے ہیں:

" اللِّحْيَةُ: الشَّعْرُ النَّابِتُ عَلَى اللَّحْيَيْنِ. " (القاموس المحيط، مادة: لحى)

ترجمہ: لِحْیَۃ وہ بال ہیں جو دونوں جبڑوں پر اگتے ہیں۔

علامہ ابن منظور (متوفی ۷۱۱ھ) نے لکھا:

" اللِّحْيَةُ: الشَّعْرُ النَّابِتُ عَلَى الذَّقْنِ، وقِيلَ: عَلَى اللَّحْيَيْنِ. " (لسان العرب، مادة: لحى)

ترجمہ: لِحْیَۃ وہ بال ہیں جو ٹھوڑی پر اگتے ہیں، اور بعض کے نزدیک جبڑوں پر۔

علامہ راغب اصفہانی (متوفی ۵۰۲ھ) فرماتے ہیں:

" اللِّحْيَةُ: مَا نَبَتَ عَلَى الذَّقَنِ وَالْخَدَّيْنِ مِنَ الشَّعْرِ. " (المفردات في غريب القرآن، مادة: لحى)

ترجمہ: لِحْیَۃ وہ بال ہیں جو ٹھوڑی اور دونوں گالوں (جبڑوں) پر اگتے ہیں۔

المعجم الوسیط میں ہے:

" اللِّحْيَةُ: الشَّعْرُ النَّابِتُ عَلَى الذَّقْنِ وَالْخَدَّيْنِ. "

ترجمہ: لِحْیَۃ وہ بال ہیں جو آدمی کے ٹھوڑی اور گالوں پر اگتے ہیں۔

ان تمام لغوی مصادر سے واضح ہوتا ہے کہ "لِحْیَۃ" کا اطلاق ان بالوں پر ہوتا ہے جو مرد کے چہرے کے

اگلے حصے یعنی ٹھوڑی اور جبڑوں پر اگتے ہیں۔

ثانیا: اصطلاحی تعریف

شریعتِ مطہرہ میں لِحْیَہ ایسی زینت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مردوں کے لیے مخصوص کیا، اور نبی کریم صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے اس کا بڑھانا نہ صرف پسند فرمایا، بلکہ اس کی تاکید بھی فرمائی۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

" اللِّحْيَةُ: الشَّعْرُ النَّابِتُ عَلَى اللَّحْيَيْنِ وَالذَّقَنِ، وَإِزَالَتُهُ حَرَامٌ عِنْدَنَا".

(شرح النووي على صحيح مسلم، ۳/ ۱۵۱)

ترجمہ: لِحْیَہ ان بالوں کو کہتے ہیں جو جبڑوں اور ٹھوڑی پر اگتے ہیں، اور ہمارے نزدیک ان کو مونڈنا حرام ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۲ھ) فرماتے ہیں:

" فَإِنَّهُ يُؤْخَذُ مِنْهُ أَنَّ تَطْوِيلَ اللِّحْيَةِ فَوْقَ الْقَدْرِ الْمَذْكُورِ لَا يُكْرَهُ، وَإِنَّمَا الْمَكْرُوهُ مَا دُونَهُ. " (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة)

ترجمہ: اس (حدیث) سے معلوم ہوتا ہے کہ داڑھی کو ایک مشت سے زائد بڑھانا مکروہ نہیں، بلکہ مکروہ وہ ہے جو اس مقدار سے کم ہو۔

خلاصۂ تحقیق:

لِحْیَہ کا لغوی معنیٰ ہے: ٹھوڑی و جبڑوں پر اگنے والے بال۔

شرعی اصطلاح میں لِحْیَہ سے مراد وہ بال ہیں جن کا بڑھانا نبی کریم صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کی سنتِ مؤکدہ اور مرد کا اسلامی شعار ہے۔

امت کا اس پر اجماع ہے کہ داڑھی کو ایک مشت تک بڑھانا واجب یا کم از کم سنتِ مؤکدہ ہے۔

قرآنِ مجید میں (اللحیۃ) داڑھی کا ذکر

قرآنِ کریم میں صراحتاً داڑھی بڑھانے کا حکم موجود نہیں ہے، لیکن ایک مقام پر حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے واقعہ میں "داڑھی" کا ذکر آیا ہے، جو قرآن مجید میں داڑھی کے وجود و شرافت پر اشارہ اور دلیل ہے۔

سورۃ طٰہٰ، آیت ۹۴ میں ہے:

" قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي ۖ إِنِّي خَشِيتُ أَن تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَآءِيلَ وَ لَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي " (سورۃ طٰہٰ:۹۴)

ترجمہ: (حضرت ہارون علیہ السّلام نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے عرض کیا:) "اے میری ماں کے بیٹے! میری داڑھی اور میرے سر کے بال نہ پکڑ، مجھے اندیشہ ہوا کہ تُو کہے گا: تُو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کا خیال نہ رکھا۔"

تفاسیر میں اس آیت کی شرح:

تفسیر ابنِ کثیر میں ہے:

"قوله: ''لا تأخذ بلحيتي'' فيه إثبات اللحية للرجل، وهي من الفطرة."

(تفسير ابن كثير، تحت آيت: طٰهٰ ٩٤)

ترجمہ: "لِحْيَتِي کو نہ پکڑ" کے الفاظ میں مرد کے لیے داڑھی کا اثبات ہے، اور داڑھی فطرت میں سے ہے۔

تفسیر قرطبی میں ہے:

"وفيه دليل على أن اللحية كانت معروفة محترمة عند بني إسرائيل، فإن الأخذ بها دليل الغضب أو الإهانة". (تفسير القرطبي، طٰهٰ ٩٤)

ترجمہ: اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ داڑھی بنی اسرائیل میں معروف اور قابلِ احترام تھی، کیونکہ داڑھی پکڑنے کا عمل غصے یا توہین کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

روح المعانی میں علامہ الوسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"والتمسك باللحية علامة على الهيبة والوقار، فكان الإمساك بها غضبًا أمرًا غير لائق". (روح المعاني، طٰهٰ ٩٤)

ترجمہ: داڑھی کا ہونا ہیبت اور وقار کی علامت ہے، لہٰذا داڑھی پکڑنا غصے کی حالت میں بھی ناشائستہ سمجھا جاتا ہے۔

اشارات کا خلاصہ:

- اس آیت میں حضرت ہارون علیہ السّلام کی لِحْیَہ (داڑھی) کا ذکر واضح الفاظ میں ہے۔
- مفسرینِ کرام نے اس سے داڑھی کے فطری، شرعی اور انسانی وقار کا اثبات لیا ہے۔

- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ داڑھی صرف فطری چیز ہی نہیں بلکہ شریعتِ الٰہیہ کی شناخت بھی ہے۔
- داڑھی فطرت کا حصہ ہے۔

حدیثِ صحیح (بخاری و مسلم) میں ایا ہے کہ:

" الْفِطْرَةُ خَمْسٌ... وَذَكَرَ مِنْهَا إِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ. "

(صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار، رقم الحديث: ٥٨٩١)

اور قرآن نے فطرت کے بارے میں فرمایا:

" فِطْرَتَ اللهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللهِ " (الروم:٣٠)

ترجمہ: "یہ اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا، اللہ کی پیدا کردہ ساخت میں تبدیلی نہ کرو۔"

حدیث شریف میں داڑھی کو فطرت کا جزو کہا گیا، اور قرآن نے فطرت میں تبدیلی کو ممنوع قرار دیا۔ لہٰذا داڑھی منڈوانا "تبدیلِ خلقِ اللہ" میں داخل ہو سکتا ہے، جو قرآن کی مخالفت ہے۔

خلاصہ کلام:

- قرآن کریم میں سورۃ طٰہٰ، آیت ۹۴۔ میں حضرت ہارون علیہ السّلام کی داڑھی کا ذکر ہے، جو داڑھی کے وجود اور احترام پر دلالت کرتا ہے۔
- تفاسیر میں واضح ہے کہ داڑھی کو فطرت، وقار اور شرعی علامات میں سے شمار کیا گیا۔
- دیگر ایات (مثلاً: فِطْرَتَ اللہ) سے بالواسطہ داڑھی کی مشروعیت اور اس کے منڈوانے کی ممانعت پر استدلال کیا گیا ہے۔

احادیث کریمہ میں لمبی اور ایک مشت داڑھی رکھنے کا حکم

ذیل میں دس احادیثِ مبارکہ مع حوالہ جات کے پیش کی جارہی ہیں۔ تمام احادیث میں داڑھی بڑھانے کا حکم ہے:

(١) عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ، وَفِّرُوا اللِّحَى، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ».

(صحيح البخاري، حديث: ٥٨٩٢ / صحيح مسلم، حديث: ٢٥٩. حيدري)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مشرکوں کی مخالفت کرو، داڑھیاں بڑھاؤ، اور مونچھیں چھوٹی کرو۔"

(٢) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «جُزُّوا الشَّوَارِبَ، وَأَرْخُوا اللِّحَى، خَالِفُوا الْمَجُوسَ». (صحيح مسلم، حديث: ٢٦٠- حيدرى)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مونچھیں پست کرو، داڑھیاں بڑھاؤ، اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔

(٣) عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: «أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ بِإِحْفَاءِ الشَّوَارِبِ، وَإِعْفَاءِ اللِّحَى». (سنن الترمذي، حديث: ٢٧٦٣- حيدرى)

(قال الترمذي: حسنٌ صحيحٌ)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: "رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ مونچھیں کٹوانا اور داڑھیاں بڑھانا ہے۔"

(٤) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ... وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ». (صحيح مسلم، حديث: ٢٦١. حيدرى)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "فطرت کے دس اعمال ہیں... اور ان میں داڑھی کو بڑھانا بھی ہے۔"

(٥) عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَعْفُوا اللِّحَى، وَقُصُّوا الشَّوَارِبَ، وَلَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ». (المعجم الكبير للطبراني، حديث: ٥٦٣٤- حيدرى)

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "داڑھیاں بڑھاؤ، مونچھیں کٹواؤ، اور یہودیوں کی مشابہت اختیار نہ کرو۔"

(٦) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «خُذُوا الشَّوَارِبَ، وَأَرْخُوا اللِّحَى، وَخَالِفُوا أَهْلَ الْكِتَابِ». (المعجم الأوسط للطبراني، حديث: ٥٠٢٤- حيدرى)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مونچھیں کٹواؤ، داڑھیاں چھوڑو، اور اہلِ کتاب کی مخالفت کرو۔"

(۷) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «خَالِفُوا الْمَجُوسَ، أَحْفُوا الشَّوَارِبَ، وَأَعْفُوا اللِّحَى». (مسند أحمد، حديث: ۲۹۹۹ - حيدری)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجوسیوں کی مخالفت کرو، مونچھیں کٹواؤ، اور داڑھیاں بڑھاؤ۔"

(۸) عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «جُزُّوا الشَّوَارِبَ، وَأَرْخُوا اللِّحَى، وَلَا تَشَبَّهُوا بِالْمَجُوسِ». (المعجم الكبير للطبراني، حديث: ۲۵۹۸- حيدری)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مونچھیں کٹواؤ، داڑھیاں چھوڑ دو، اور مجوسیوں سے مشابہت نہ اختیار کرو۔"

(۹) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «أَعْفُوا اللِّحَى، وَخَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ». (سنن ابن ماجه، حديث: ۳٦٤٩. حيدری)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "داڑھیاں بڑھاؤ اور مشرکین کی مخالفت کرو۔"

(۱۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «فُطُورُ الرَّجُلِ فِي لِحْيَتِهِ مِنَ السُّنَّةِ». (سنن الدارقطني، كتاب اللباس، حديث: ۳٤٦۰- حيدری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مرد کی داڑھی میں افطار کرنا سنت میں سے ہے۔"

اب ہم ان دس احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں فقہی تشریح پیش کرتے ہیں تاکہ واضح ہو کہ ائمۂ کرام اور فقہائے امت نے ان احادیث سے کیا حکم مستنبط فرمایا، اور داڑھی رکھنے کی شرعی حیثیت کیا قرار دی۔

فقہی تشریح بربنائے احادیثِ مبارکہ

صیغۂ امر کا وجوب پر دلالت کرنا

احادیث میں وارد الفاظ:

«أَعْفُوا اللِّحَى»

«أَرْخُوا اللِّحَى»
«وَفِّرُوا اللِّحَى»
«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ»
«أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ»

یہ تمام الفاظ صیغۂ امر (حکم) کے ہیں، اور بنیادی اصول یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کوئی حکم دیں، تو وہ وجوب پر دلالت کرتا ہے، جب تک کوئی قرینہ اس کے غیر وجوب پر نہ ہو۔ (الاصول)

چنانچہ داڑھی بڑھانے کا حکم ان احادیث میں وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

داڑھی فطرت کا تقاضا ہے:

حدیثِ صحیح میں ایا:

«عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ... وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ» . (مسلم)

یعنی "فطرت کے کاموں میں سے ایک داڑھی بڑھانا ہے۔"

یہاں فطرت سے مراد "اسلامی جبلّت" ہے۔

فقہاء نے فرمایا:

"جو چیز فطرت میں شامل ہو، اس پر عمل کرنا لازم ہوتا ہے، ورنہ وہ فطرت سے انحراف ہو گا۔"

مجوس، مشرکین، اور یہود کی مخالفت کا حکم

احادیث میں نبی کریم ﷺ نے داڑھی مونڈنے کو غیر مسلموں کی مشابہت قرار دیا اور فرمایا:

" «خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ»
«وَلَا تَشَبَّهُوا بِالْمَجُوسِ»
«خَالِفُوا أَهْلَ الْكِتَابِ»

یہ حکم تنبیہ کرتا ہے کہ: داڑھی منڈوانا یا چھوٹی رکھنا تشبّہ بالکفار ہے۔ اور قرآن و سنت کی رو سے کفار کی مشابہت حرام ہے۔

دلیل:

" مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ." (سنن أبي داؤد)

"جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے، وہ انہی میں سے ہے۔"

فقہائے کرام کا موقف

فقہائے احناف (امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک) داڑھی کو ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی (حنفی فقیہ) لکھتے ہیں:

"وأما الأخذ منها وهي دون القبضة كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال، فلم يبحه أحد." (رد المحتار: ٥/ ٢٦٩)

ترجمہ: "داڑھی کو ایک مشت سے کم کرنا، جیسا کہ بعض مغربی لوگ یا مخنث کرتے ہیں، کسی نے اس کی اجازت نہیں دی۔"

داڑھی منڈانا فاسق بنانے والا عمل ہے۔

فقہائے شوافع (امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ):

امام نووی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وأما حلق اللحية فحرام عندنا." (شرح صحيح مسلم، ج: ١، ص: ١٤٩)

یعنی: "ہمارے نزدیک داڑھی مونڈنا حرام ہے۔"۔ فقہائے مالکیہ (امام مالک رحمۃ اللہ علیہ)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

"يحرم حلق اللحية، ولا يفعله إلا المخنثون."

(المفهم لما أشكل من تلخيص مسلم، ج: ١، ص: ٤٣٢)

یعنی: "داڑھی منڈانا حرام ہے، اور یہ عمل صرف مخنث لوگ کرتے ہیں۔"

فقہائے حنابلہ (امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ):

ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

" "يحرم حلق اللحية، وهو من التشبه بأعداء الله." (الفتاوى الكبرى لابن تيمية)

یعنی: "داڑھی منڈوانا حرام ہے، اور یہ دشمنانِ خدا کی مشابہت ہے۔"

اصولی قاعدہ:

" "كل أمر من الشارع يفيد الوجوب، ما لم يصرفه صارف."

یعنی: "شریعت کی طرف سے جو بھی حکم ائے، وہ وجوب پر دلالت کرتا ہے جب تک کوئی واضح دلیل وجوب کو نہ ہٹائے۔"

خلفائے راشدین، عشرۂ مبشرہ صحابہ کرام اور ائمۂ اہل بیت کی داڑھیاں

خلفاء راشدین اور ائمہ اہل بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حلیہ جات مبارکہ میں "كثير اللِّحْيَة، كثّ اللِّحْيَة، اوفر اللِّحْيَة، عظيم اللحيه" جیسے الفاظ ملتے ہیں، جن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان بزرگوں کی داڑھیاں بھرپور، گھنی اور لمبی ہوا کرتی تھیں۔ ذیل میں چند معتبر حوالوں کے ساتھ ان کے مبارک حلیہ جات ذکر کیے جاتے ہیں:

امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ریش مبارک:

بیانِ حلیہ شریف: الاستیعاب میں ہے:

"كَانَ أَبُو بَكْرٍ أَسْيَفَ اللِّحْيَةِ" (الاستيعاب لابن عبد البر، ج ٤، ص ١٦٣٨)

تشریح: "أسيف" کا مطلب ہے: لمبی اور بھری ہوئی داڑھی۔

نوٹ: بعض روایات میں "كَثِيرَ اللِّحْيَةِ" بھی ایا ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ریش مبارک

بیانِ حلیہ: الاستیعاب میں ہے:

"كَانَ عُمَرُ طَوِيلًا، أَصْلَعَ، كَثِيرَ اللِّحْيَةِ" (الاستيعاب لابن عبد البر، ج ٣، ص ١١٤٢)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ لمبے قد والے، پیشانی کھلی ہوئی اور گھنی داڑھی والے تھے۔

امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفّان رضی اللہ عنہ کی ریش مبارک

بیانِ حلیہ شریف: الاستیعاب میں ہے:

"كَانَ رَجُلًا رَبْعَةً، حَسَنَ الْوَجْهِ، كَثِيرَ اللِّحْيَةِ" (الاستيعاب، ج ٣، ص ١٠٥٤)

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ درمیانے قد، خوبصورت چہرے اور گھنی داڑھی والے تھے۔

امیر المؤمنین حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم کی ریش مبارک

بیانِ حلیہ شریف: الطبقات الکبریٰ میں ہے۔

"كَانَ عَلِيٌّ أَسْمَرَ، كَبِيرَ الْبَطْنِ، عَظِيمَ اللِّحْيَةِ" (الطبقات الكبرى لابن سعد، ج ٣، ص ٢٥)

تشریح: "عظیم اللحیة" یعنی داڑھی بہت بڑی اور گھنی تھی۔

ابن سعد (۲۳۰ھ)-الطبقات الکبریٰ میں فرماتے ہیں:

وكانَ عَظيمَ اللِّحيةِ، قد ملأَتْ صدرَهُ، كثيرَ شَعرِ الرَّأسِ واللِّحيةِ، عَظيمَ الكَرادِيسِ، عَريضَ ما بَينَ المَنكِبَينِ. (الطبقات الكبرى، ابن سعد (م: ٢٣٠ھ) جلد ٣، ص: ٢٤، دار صادر، بيروت)

ترجمہ: "حضرت علی رضی اللہ عنہ کی داڑھی بہت بڑی تھی جو ان کے سینے کو بھر دیتی تھی۔ ان کے سر اور داڑھی کے بال بہت زیادہ تھے، ان کے جوڑ مضبوط تھے، اور کندھوں کے درمیان چوڑائی تھی۔"

مؤلف: محمد بن سعد البغدادی، کاتبِ واقدی، جلیل القدر مؤرخ، اور "الطبقات" کے مصنف ہیں جو صحابہ و تابعین کی سیرت میں بنیادی ماخذ ہے۔

ابن عساکر (۵۷۱ھ)-تاریخ دمشق میں فرماتے ہیں:

وكانَ عَلِيٌّ رضيَ اللهُ عنهُ رَبْعَةً، إلى القَصَرِ أقْرَبَ، عَظيمَ اللِّحيةِ، قد ملأَتْ صدرَهُ، أصلَعَ، كَبيرَ البَطنِ، عَريضَ ما بَينَ المَنكِبَينِ، شَديدَ السَّوادِ.

(تاريخ مدينة دمشق، ابن عساكر (م: ٥٧١ھ) جزء ٤٢، ص: ٤٠١، تحقيق: علي شيري، دار الفكر)

ترجمہ: "حضرت علی رضی اللہ عنہ درمیانے قد والے تھے، پست قامت کے قریب، ان کی داڑھی بڑی تھی جو سینے کو بھر دیتی تھی، سر کے اگلے بال جھڑ چکے تھے، پیٹ بڑا تھا، کندھوں کے درمیان چوڑائی تھی، اور رنگت سیاہی مائل تھی۔"

مؤلف: علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ ابن عساکر، شافعی مؤرخ، دمشق کے محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی "تاریخ دمشق" ایک جامع تذکرہ ہے۔

ابن عبد البر (۴۶۳ھ)-الاستیعاب فی معرفة الأصحاب میں فرماتے ہیں:

"وكانَ عَلِيٌّ رضيَ اللهُ عنهُ رَبْعَةً، مِنَ الرِّجَالِ، عَظيمَ اللِّحيةِ، قد ملأَتْ صدرَهُ، آدَمَ،

شَديدَ الأُدْمَةِ، أصلَعَ، كثيرَ شَعرِ اللِّحيةِ."

(الاستيعاب فی معرفة الأصحاب، ابن عبد البر (م: ٤٦٣ھ) جلد ٣، ص: ١١١٢، دار الجيل، بيروت)

ترجمہ: "حضرت علی رضی اللہ عنہ درمیانے قد کے مرد تھے، ان کی داڑھی بہت بڑی تھی جو سینے کو بھر دیتی تھی، رنگت گہری تھی، سر کے اگلے بال جھڑ چکے تھے، اور داڑھی بہت گھنی تھی۔"

مؤلف: یوسف بن عبد اللہ بن محمد ابن عبد البر النَّمَری القرطبی، مالکی فقیہ، محدث و مؤرخ ہیں، ان کی کتاب "الاستیعاب" صحابۂ کرام کے تراجم میں ممتاز ہے۔

ابن الاثیر (۶۳۰ھ)-أسد الغابة فی معرفة الصحابة میں فرماتے ہیں:

"وكانَ عَظيمَ اللِّحيةِ، قد ملأَتْ صدرَهُ، آدَمَ، كثيرَ شَعرِ الرَّأسِ واللِّحيةِ، عَريضَ ما بَينَ المَنكِبَينِ."

(أسد الغابة فی معرفة الصحابة، ابن الأثير (م: ٦٣٠ھ) جلد ٤، ص: ٢٢، دار الكتب العلمية، بيروت)

ترجمہ: "حضرت علی رضی اللہ عنہ کی داڑھی بہت بڑی تھی جو ان کے سینے کو بھر دیتی تھی، رنگ گندمی تھا، ان کے سر اور داڑھی کے بال بہت زیادہ تھے، اور کندھوں کے درمیان چوڑائی تھی۔"

مؤلف: علی بن محمد بن عبد الکریم ابن الاثیر الجزری، محدث، مؤرخ، لغوی، جن کی کتاب "اسد الغابۃ" صحابہ کرام کے حالات کی جامع کتاب ہے۔

حضرت سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی ریش مبارک

بیانِ حلیہ شریف: الطبقات الکبریٰ میں ہے:

"كَانَ إِمَامُ الْحَسَنِ كَثِيرَ اللِّحْيَةِ، جَمِيلَ الْوَجْهِ" (الطبقات الكبرى، ج ٥، ص ٤٣)

حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی ریش مبارک

بیانِ حلیہ شریف: الاستیعاب میں ہے:

"كَانَ كَثِيرَ شَعْرِ اللِّحْيَةِ، وَسِيمًا" (الاستيعاب، ج ٢، ص ٦٧٨)

خلفاء راشدین اور ائمۂ اہل بیت رضی اللہ عنہم سبھی حضرات کی داڑھیاں گھنی، لمبی اور مکمل تھیں۔

الفاظ جیسے "كثير اللحيه، عظيم اللحيه، كثّ اللحية، أسيف اللحية، أوفر اللحية" ان کی اعفاء لحیہ (داڑھی چھوڑنے) پر دلیل ہیں۔

ان کے یہ آثار نبی کریم صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم کے حکم "أَعْفُوا اللِّحَى "کی عملی پیروی کو ثابت کرتے ہیں۔ اور ہمارے لیئے ان کی پیروی کا حکم ہے، ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلّم ہے: "علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین "مسلمانوں تم پر میری سنت کی پیروی لازم ہے اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کی پیروی لازم ہے۔

حضرات عشرہ مبشرہ کی ریش مبارکہ:

عشرہ مبشرہ (وہ دس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جنہیں نبی کریم صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت عطا فرمائی) ان میں سے چار خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بعد باقی چھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حلیہ جات مبارکہ ذیل میں پیش کئے جارہے ہیں، خصوصا ان کی داڑھیوں (اللِّحْيَة) سے متعلق صفات کے ساتھ:

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی ریش مبارک:

بیانِ حلیہ شریف: الطبقات الکبریٰ میں ہے:

"وَكَانَ طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدِاللهِ كَثِيرَ اللِّحْيَةِ، حَسَنَ الْوَجْهِ"

(الطبقات الكبرى لابن سعد، ج ٣، ص ٢٢٠ - حيدرى)

ترجمہ: حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ گھنی داڑھی والے اور خوبصورت چہرے والے تھے۔

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی ریش مبارک:

بیانِ حلیہ شریف: الطبقات الکبریٰ میں ہے:

"كَانَ الزُّبَيْرُ طَوِيلًا، نَحِيفًا، كَثِيرَ اللِّحْيَةِ" (الطبقات الكبرى، ج ٣، ص ٢٢٤- حيدرى)

ترجمہ: حضرت زبیر رضی اللہ عنہ لمبے قد، دبلی جسمانی ساخت اور گھنی داڑھی والے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی ریش مبارک:

بیانِ حلیہ شریف: الاستیعاب میں ہے:

"كَانَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ كَثِيرَ اللِّحْيَةِ، سَمِينًا، أَبْيَضَ"

(الاستيعاب، ج ٢، ص ٨٣٥- حيدرى)

ترجمہ: آپ سفید رنگت والے، بھرپور جسم والے اور گھنی داڑھی والے تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی ریش مبارک

بیانِ حلیہ شریف: الطبقات الکبریٰ میں ہے:

"كَانَ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ كَثِيرَ اللِّحْيَةِ، جَعْدَ الشَّعْرِ، طَوِيلًا"

(الطبقات الكبرى، ج ٣، ص ١٤١- حيدرى)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی داڑھی گھنی، بال گھنگھریالے اور قد لمبا تھا۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی ریش مبارک

بیانِ حلیہ شریف: الطبقات الکبریٰ میں ہے:

"كَانَ سَعِيدُ بْنُ زَيْدٍ كَثِيرَ اللِّحْيَةِ، خَشِنَ الصَّوْتِ، أَسْمَرَ"

(الطبقات الكبرى، ج ٣، ص ٣٨٤- حيدرى)

ترجمہ: آپ گھنی داڑھی والے، بھاری اواز والے اور گندمی رنگ والے تھے۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حلیہ شریف

بیانِ حلیہ شریف:

"كَانَ أَبُو عُبَيْدَةَ طَوِيلًا، نَحِيفًا، كَثِيرَ اللِّحْيَةِ"

(الاستيعاب، ج ٤، ص ١٧٦٤- حيدرى)

تشریح: لمبے، دبلی جسمانی ساخت والے اور داڑھی بہت زیادہ گھنی تھی۔

تمام عشرہ مبشرہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے حلیہ مبارکہ میں "كثير اللِّحْيَة، عظيم اللِّحْيَة، أوفر اللِّحْيَة" جیسے الفاظ کثرت سے آئے ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ:

- یہ تمام حضرات داڑھی کو خوب گھنی رکھتے تھے۔
- نبی کریم صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم کے حکم "أَعْفُوا اللِّحَى" پر مکمل عمل پیرا تھے۔
- ان کا ظاہری حلیہ سنّتِ نبوی کا عملی نمونہ تھا۔

حضرات تابعین وائمۂ اہل بیت وائمۂ مجتہدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک داڑھی کی مقدار ایک مشت

حضرت سیدنا امام علی زین العابدین بن الحسین علیہما السلام (م ۹۵ھ) کی ریش مبارک:

علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

«كَانَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ أَسْوَدَ اللِّحْيَةِ، طَوِيلَ اللِّحْيَةِ، وَكَانَ إِذَا قَامَ لِلصَّلَاةِ ارْتَعَدَ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ.» (الذهبي، سير أعلام النبلاء ٤/ ٣٨٧، حلية الأولياء ٣/ ١٣٥)

ترجمہ: حضرت سیدنا امام زین العابدین علی بن حسین علیہما السّلام کی ریش مبارک سیاہ اور لمبی تھی، اور جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو خشیتِ الٰہی سے کانپنے لگتے۔

حضرت سیدنا امام محمد الباقر بن علي زین العابدین علیہما السلام (م ۱۱۴ھ) کی ریش مبارک:

علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

«كَانَ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ الْبَاقِرُ كَثِيرَ اللِّحْيَةِ، وَاسِعَ الْجَبِينِ، أَجْوَفَ الْعَيْنَيْنِ، وَكَانَ يُكْثِرُ مِنَ الذِّكْرِ.» (الذهبي، سير أعلام النبلاء ٤/ ٤٠١)

ترجمہ: امام محمد باقر علیہ السّلام گھنی داڑھی والے، کشادہ پیشانی والے، گہری انکھوں والے تھے اور کثرت سے ذکر کیا کرتے تھے۔

حضرت سیدنا امام جعفر الصادق بن محمد الباقر علیہما السلام (م ۱۴۸ھ) کی ریش مبارک:

امام ذہبی سیر اعلام النبلاء میں لکھتے ہیں:

«كَانَ جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ الصَّادِقُ أَبْيَضَ اللِّحْيَةِ، كَثِيرَ اللِّحْيَةِ، كَانَ يَصْبِغُهَا بِالصُّفْرَةِ.» (الذهبي، سير أعلام النبلاء ٦/ ٢٥٦)

ترجمہ: حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ سفید، گھنی داڑھی والے تھے اور اسے زرد رنگ سے خضاب کرتے تھے۔

حضرت سیدنا امام موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادق علیہما السلام (م ۱۸۳ھ) کی ریش مبارک:

امام ذہبی سیر اعلام النبلاء میں لکھتے ہیں:

«كَانَ مُوسَى بْنُ جَعْفَرٍ أَسْمَرَ، كَثَّ اللِّحْيَةِ، كَانَ يُطِيلُ السُّكُوتَ، وَيُكْثِرُ مِنَ السُّجُودِ.» (الذهبي، سير أعلام النبلاء ٦/ ٢٧٠، تاريخ بغداد ١٣/ ٢٨)

ترجمہ: حضرت موسیٰ کاظم علیہ السّلام گندمی رنگ کے اور گھنی داڑھی والے تھے، آپ طویل سکوت اختیار کرتے اور کثرت سے سجدہ کرتے تھے۔

مشہور تابعین کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مبارک ریشیں

تابعین کرام رحمہم اللہ میں طویل داڑھی (كث اللحية، اوفر اللحية، كثير اللحية) رکھنے کا رواج صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع میں خوب نمایاں تھا۔ ذیل میں چند مشہور تابعین کے حلیے میں داڑھی کے طویل ہونے کا ذکر مع حوالہ جات کے پیش کیئے جارہے ہیں:

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م:۹۴ھ) کی ریش مبارک:

علامہ ذہبی سیر اعلام النبلاء میں لکھتے ہیں:

«كَانَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ كَثِيرَ اللِّحْيَةِ، عَظِيمَ الْوَقَارِ، شَدِيدَ التَّشَبُّهِ بِالسُّنَّةِ.»

(الذهبي، سير أعلام النبلاء ٤/ ٢٢٨)

ترجمہ: حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھنی داڑھی والے، بہت باوقار اور سنت کی سختی سے پیروی کرنے والے تھے۔

حضرت امام عطاء بن أبي رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م:۱۱۴ھ) کی ریش مبارک:

تہذیب التہذیب میں ہے:

«كَانَ عَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ أَسْوَدَ كَبِيرَ اللِّحْيَةِ، قَدْ شَابَتْ، عَظِيمَ الْهَيْبَةِ.»

(تهذيب التهذيب، ٧/ ١٩٨)

ترجمہ: حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیاہ فام، بڑی داڑھی والے تھے جو سفید ہو چکی تھی، اور نہایت باہیبت شخصیت رکھتے تھے۔

حضرت امام عامر الشعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م:۱۰۳ھ) کی ریش مبارک

«كَانَ الشَّعْبِيُّ كَثِيرَ اللِّحْيَةِ، يُعْنَى بِهَيْئَتِهِ، وَكَانَ فَقِيهًا نَبِيلًا.»

(الذهبي، سير أعلام النبلاء ٤/ ٣٠٢)

ترجمہ: شعبی رضی اللہ عنہ گھنی داڑھی والے، اپنی ظاہری ہیئت کا خیال رکھنے والے، فقیہ اور نہایت ذی شان تھے۔

حضرت امام ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م:۹۶ھ) کی ریش مبارک

علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

«كَانَ إِبْرَاهِيمُ النَّخَعِيُّ أَوْفَرَ اللِّحْيَةِ، يَصْبِغُهَا، وَكَانَ شَدِيدَ الْإِتِّبَاعِ.»

(الذهبي، سير أعلام النبلاء ٤/ ٢٢٤)

ترجمہ: مشہور تابعی حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی داڑھی خوب گھنی تھی، آپ اسے خضاب لگاتے اور سنت کی سختی سے پیروی کرتے تھے۔

حضرت امام طاووس بن کیسان (م:۱۰۶ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ریش مبارک:

«كَانَ طَاوُوسٌ كَثِيرَ اللِّحْيَةِ، يُطِيبُهَا، وَيُمَشِّطُهَا.» (ابن سعد، الطبقات الكبرى ٥/ ٣٩٦)

ترجمہ: طاؤس بن کیسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھنی داڑھی والے تھے، اس پر خوشبو لگاتے اور کنگھی کرتے تھے۔

حضرت امام الزہري محمد بن شہاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما (م:۱۲۴ھ) کی ریش مبارک:

«كَانَ الزُّهْرِيُّ كَثِيرَ اللِّحْيَةِ، يُوَقِّرُهُ النَّاسُ، وَيُجَلُّونَهُ لِهَيْبَتِهِ وَسَمْتِهِ.»

(سير أعلام النبلاء ٥/ ٣٢٧)

ترجمہ: امام زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھنی داڑھی والے تھے، لوگ ان کی ہیبت اور وقار کی وجہ سے ان کی تعظیم کرتے۔

حضرت امام الأوزاعي رحمہ اللہ تعالیٰ (م:۱۵۷ھ) کی ریش مبارک تاریخ دمشق میں ہے:

«كَانَ الأَوْزَاعِيُّ وَفِيرَ اللِّحْيَةِ، أَبْيَضَ اللِّحْيَةِ، كَثِيرَ السَّكِينَةِ وَالْوَقَارِ.»

(تاريخ دمشق لابن عساكر، ٣٥/ ١٨٢)

ترجمہ: امام اوزاعی علیہ الرحمۃ کی داڑھی گھنی اور سفید تھی، نہایت پر سکون اور باوقار شخصیت کے مالک تھے۔

مشاہیر محدثینِ کرام علیہم الرحمۃ کے حلیہ جات مبارکہ اور ریش مبارکہ

حضرت امام محمد بن اسماعیل البخاری (م ۲۵۶ھ) رحمہ اللہ تعالیٰ کی ریش مبارک:

خطیب بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

«كَانَ رَجُلًا نَحِيفًا، لَهُ لِحْيَةٌ كَثِيفَةٌ، وَكَانَ يَسْكُتُ كَثِيرًا، وَفِيهِ وَقَارٌ وَسُكُونٌ.»

(الخطيب البغدادي، تاريخ بغداد ٢/ ٩)

ترجمہ: امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ دُبلے پتلے، گھنی داڑھی والے، زیادہ خاموش رہنے والے، اور باوقار و متین شخصیت کے مالک تھے۔

حضرت امام مسلم بن الحجاج النیسابوری (م ۲۶۱ھ) رحمہ اللہ تعالیٰ کی ریش مبارک:

حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں:

«كَانَ مِمَّنْ يُضْرَبُ بِهِ الْمَثَلُ فِي جَمَالِ الْوَجْهِ وَكَثَافَةِ اللِّحْيَةِ، وَكَانَ وَرِعًا، مُتَّقِيًا.» (الذهبي، تذكرة الحفاظ ٢/ ١٥١)

ترجمہ: امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کے چہرے کا حسن اور داڑھی کی گھنے پن کی مثال دی جاتی تھی۔ وہ نہایت پرہیز گار اور متقی تھے۔

حضرت امام أبوداؤد السجستانی (م ۲۷۵ھ) رحمہ اللہ تعالیٰ کی ریش مبارک

امام ذہبی سیر اعلام النبلاء میں لکھتے ہیں:

«كَانَ أَبُو دَاوُدَ جَمِيلَ الْوَجْهِ، أَسْوَدَ اللِّحْيَةِ، وَكَانَ يُحَافِظُ عَلَى السُّنَّةِ فِي الظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ.» (الذهبي، سير أعلام النبلاء ١٣/ ٢١٨)

ترجمہ: امام ابوداود رحمہ اللہ تعالیٰ چہرے کے حسین، سیاہ داڑھی والے، اور ظاہر و باطن میں سنت کی مکمل پیروی کرنے والے تھے۔

حضرت امام الترمذي (م ۲۷۹ھ) رحمہ اللہ تعالیٰ کی ریش مبارک

امام ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں:

«كَانَ التِّرْمِذِيُّ ضَعِيفَ الْبَصَرِ، أَعْمَى آخِرَ حَيَاتِهِ، وَكَانَ لَهُ لِحْيَةٌ طَوِيلَةٌ، يُعْرَفُ بِهَا، وَكَانَ فِي غَايَةِ الْوَرَعِ.» (الذهبي، تذكرة الحفاظ ٢/ ٧٠٢)

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ بینائی سے کمزور اور اخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے، ان کی لمبی داڑھی معروف تھی، اور وہ بہت بڑے پرہیز گار تھے۔

حضرت امام النسائي (م ۳۰۳ھ) رحمہ اللہ تعالیٰ کی ریش مبارک:

امام ذہبی سیر اعلام النبلاء میں لکھتے ہیں:

«كَانَ حَسَنَ الْوَجْهِ، جَعْدَ اللِّحْيَةِ، لَهُ هَيْبَةٌ وَوَقَارٌ، وَمِنْ أَعْلَمِ أَهْلِ زَمَانِهِ بِالسُّنَنِ.»
(الذهبي، سير أعلام النبلاء ١٤/ ١٣٣)

ترجمہ: امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ چہرے کے حسین، گھنگھریالی داڑھی والے، باوقار و باہیبت، اور اپنے زمانے کے بڑے محدث تھے۔

حضرت امام ابن ماجہ (م ۲۷۳ھ) علیہ الرحمۃ کی ریش مبارک:

حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں:

«كَانَ رَجُلًا طَوِيلَ اللِّحْيَةِ، جَمِيلَ الْمَنْظَرِ، يُجِلُّ السُّنَّةَ، وَيَنْقُلُهَا بِالْأَمَانَةِ.»
(الذهبي، تذكرة الحفاظ ٢/ ٧١٦)

ترجمہ: امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ لمبی داڑھی والے، خوش منظر، سنتِ نبوی کا احترام کرنے والے، اور حدیث کو امانت کے ساتھ نقل کرنے والے تھے۔

حضرت امام الدارمي (م ۲۵۵ھ) علیہ الرحمۃ کی ریش مبارک

امام ذہبی لکھتے ہیں:

«كَانَ لَهُ لِحْيَةٌ كَبِيرَةٌ، وَشَعْرٌ كَثِيفٌ، وَكَانَ وَرِعًا، صَادِقًا، ثِقَةً فِي حَدِيثِهِ.»
(الذهبي، سير أعلام النبلاء ١٢/ ٤٣٩)

ترجمہ: امام دارمی رحمہ اللہ تعالیٰ بڑی داڑھی والے، گھنے بالوں والے، نہایت متقی، صادق، اور حدیث میں قابلِ اعتماد تھے۔

- تمام ائمۂ حدیث لمبی اور گھنی داڑھی کے حامل تھے۔
- ان کے حلیے میں وقار، متانت اور نورانیت نمایاں تھی۔
- ظاہری حلیہ بھی سنتِ نبوی کی عکاسی کرتا تھا۔

مشاہیر مفسرین کرام کے حلیہ جات مبارکہ اور داڑھیوں کی کیفیات

ان بزرگوں کی ظاہری سیرت بھی باطنی سیرت کی آئینہ دار تھی اور ان کا حلیہ عام طور پر کث اللّحیۃ (گھنی داڑھی)، طویل اللحیۃ (لمبی داڑھی) یا اوفر اللحیۃ کے اوصاف سے متصف ہوتا تھا۔

حضرت سیدنا حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (م ۶۸ھ):

مفسرِ قران، حَبرُ الامّۃ، ترجمان القران، صحابی رسول علیہ السّلام، کی ریش مبارک امام ذہبی سیر اعلام النبلاء میں لکھتے ہیں:

«كَانَ جَمِيلَ الْوَجْهِ، طَوِيلَ اللِّحْيَةِ، أَبْيَضَ اللَّوْنِ، أَفْتَى النَّاسَ وَهُوَ ابْنُ خَمْسَةَ عَشَرَ سَنَةً.» (الذهبي، سير أعلام النبلاء ٣/٣٣١)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما خوبصورت چہرے والے، لمبی داڑھی والے، سفید رنگت والے تھے، اور ۱۵/ سال کی عمر میں فتوے دینا شروع کر دیے تھے۔

حضرت امام التفسیر مجاہد بن جبر المکی (م ۱۰۴ھ) تابعی، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شاگردِ خاص کی ریش مبارک

علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

«كَانَ أَسْمَرَ، طَوِيلَ اللِّحْيَةِ، يُكْثِرُ السُّكُوتَ، إِذَا تَكَلَّمَ أَبْهَرَ، وَلَهُ نَظَرٌ عَجِيبٌ فِي التَّفْسِيرِ.» (الذهبي، سير أعلام النبلاء ٥/٧٥)

ترجمہ: حضرت مجاہد بن جبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سانولے رنگ کے، لمبی داڑھی والے، کم گو لیکن پر اثر بات کرنے والے تھے، اور تفسیر میں ان کی نگاہ عجیب تھی۔

حضرت امام محمد بن جریر الطبري (م ۳۱۰ھ) قدس سرہٗ مصنفِ تفسیر طبری کی ریش مبارک

خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

" «كَانَ وَقُورًا، جَمِيلَ اللِّحْيَةِ، أَبْيَضَهَا، لَا يَتَكَلَّمُ إِلَّا فِي الْعِلْمِ، وَلَهُ لِحْيَةٌ طَوِيلَةٌ جِدًّا.» (الخطيب البغدادي، تاريخ بغداد ٢/١٦٢)

ترجمہ: امام طبری نہایت باوقار، خوبصورت اور سفید داڑھی والے تھے، ان کی داڑھی بہت لمبی تھی، اور وہ صرف علم ہی میں گفتگو کیا کرتے تھے۔

علامہ الزمخشري (م۵۳۸ھ) صاحب تفسیر "الکشاف" کی داڑھی:

«كَانَ نَحِيفًا، طَوِيلَ اللِّحْيَةِ، عَلَيْهِ سِمَةُ الزُّهْدِ، لَهُ مَجْلِسُ تَفْسِيرٍ وَعِلْمٍ فِي مَكَّةَ.»

(الذهبي، سير أعلام النبلاء ٢٠/ ١٩٦)

ترجمہ: از مخشری دبلا پتلا، لمبی داڑھی والے، زہد و تقویٰ کی علامت والے تھے۔ ان کا مکہ میں تفسیر اور علم کا حلقہ تھا۔

حضرت امام فخر الدین الرازي (م۶۰۶ھ) صاحب تفسیر کبیر کی ریش مبارک

امام ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں:

" «كَانَ أَبْيَضَ اللِّحْيَةِ، مَهِيبًا، طَوِيلَ القَامَةِ، جَمِيلَ الْوَجْهِ، يُعَظِّمُ السُّنَّةَ.»

(الذهبي، تذكرة الحفاظ ٤/ ١٤٧٢)

ترجمہ: امام رازی قدس سرہٗ سفید داڑھی والے، باوقار، قد اور، خوش چہرہ، اور سنت کا احترام کرنے والے تھے۔

حضرت امام القرطبي (م۶۷۱ھ) صاحب تفسیر "الجامع لأحکام القرآن" کی ریش مبارک"

امام ذہبی لکھتے ہیں:

" «كَانَ صَاحِبَ وَرَعٍ وَتُقًى، طَوِيلَ اللِّحْيَةِ، عَابِدًا، لَا يُرَى إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ أَوْ فِي التَّدْرِيسِ.» (الذهبي، سير أعلام النبلاء ٢٣/ ٤٢٠)

ترجمہ: امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ متقی و پرہیز گار، لمبی داڑھی والے، عبادت گزار تھے، اور انہیں مسجد یا درسگاہ کے سوا کہیں نہیں دیکھا جاتا تھا۔

الإمام البیضاوي (م۶۸۵ھ) صاحب تفسیر "أنوار التنزیل کی ریش مبارک

" «كَانَ فَصِيحَ اللِّسَانِ، وَقُورًا، جَعْدَ اللِّحْيَةِ، يُقْبِلُ النَّاسُ عَلَى مَجَالِسِهِ.»

(الذهبي، تاريخ الإسلام ٥٠/ ٢٧٨)

ترجمہ: امام بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فصیح زبان والے، باوقار، گھنی اور گھنگھریالی داڑھی والے تھے، لوگ ان کی مجالسِ علم کی طرف راغب ہوتے۔

حضرت امام جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) صاحب تفسیر "الدر المنثور" کی ریش مبارک:

شوکانی لکھتے ہیں:

" «كَانَ أَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا، لِحْيَتُهُ كَثِيفَةٌ، أَبْيَضُ اللَّوْنِ، وَكَانَ يُحَافِظُ عَلَى سُنَنِ الظَّاهِرِ.» (الشوكاني، البدر الطالع ١ /٣٢٨)

ترجمہ: امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سب سے زیادہ حسین چہرے والے، گھنی داڑھی والے، سفید رنگت والے تھے، اور سنتِ ظاہری کی سختی سے پابندی کرتے۔

یہ تمام مشاہیر مفسرین:

- لمبی، گھنی یا گھنگھریالی داڑھی رکھتے تھے۔
- ان کا ظاہری حلیہ وقار، علم، اور سنت کا مظہر ہوتا۔
- انہوں نے باطن کی طرح ظاہر کو بھی سنوارا۔

ائمۂ اربعہ کی لحیات مبارکہ

حضرت سیدنا الامام ال اعظم ابو حنیفۃ النعمان بن ثابت (م ۱۵۰ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ریش مبارک:

امام ذہبی لکھتے ہیں:

«كَانَ أَبُو حَنِيفَةَ جَمِيلَ الْوَجْهِ، حَسَنَ الثِّيَابِ، طَوِيلَ اللِّحْيَةِ، كَثِيرَ الذِّكْرِ، دَائِمَ الْوُضُوءِ.» (الذهبي، سير أعلام النبلاء ٦ /٣٩٠)

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وجیہ چہرے والے، عمدہ لباس زیب تن کرنے والے، لمبی داڑھی والے، کثرتِ ذکر کرنے والے اور ہمیشہ باوضو رہنے والے تھے۔

حضرت امام مالک بن انس الأصبحي المدني رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۱۷۹) کی ریش مبارک:

علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

«كَانَ مَالِكٌ طَوِيلَ الْقَامَةِ، جَسِيمًا، أَبْيَضَ، عَظِيمَ اللِّحْيَةِ، جَمِيلَ الْوَجْهِ، أَشْقَرَ اللَّوْنِ.» (الذهبي، سير أعلام النبلاء ٨ /٥٢)

ترجمہ: امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قد اور، جثہ دار، سفید رنگت والے، بڑی اور گھنی داڑھی والے، حسین چہرے والے اور گندمی مائل رنگت والے تھے۔

حضرت امام محمد بن ادریس الشافعي (م ۲۰۴ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ریش مبارک:

امام ذہبی لکھتے ہیں:

«كَانَ الشَّافِعِيُّ أَبْيَضَ جَمِيلًا، طَوِيلَ اللِّحْيَةِ، خَفِيفَ الْبَدَنِ، جَزْلَ الْكَلِمَةِ، كَثِيرَ التَّوَاضُعِ.» (الذهبي، سير أعلام النبلاء ٨/ ٣٩١)

ترجمہ: امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفید رنگ، خوبصورت چہرہ، لمبی داڑھی، ہلکا جسم، پختہ کلامی اور بے حد متواضع شخصیت کے مالک تھے۔

حضرت امام أحمد بن حنبل الشيباني (م ۲۴۱ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ریش مبارک

امام ذہبی لکھتے ہیں:

" «كَانَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ طَوِيلَ اللِّحْيَةِ، كَثِيرَ الشَّيْبِ، وَكَانَ يُصَبِّغُهُ أَحْيَانًا، وَذُو هَيْبَةٍ وَوَقَارٍ.» (الذهبي، سير أعلام النبلاء ١١/ ١٨٧، تهذيب الكمال ١/ ٢٧٠)

ترجمہ: امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی داڑھی لمبی اور سفید تھی، کبھی کبھار خضاب بھی کرتے، اور آپ باوقار، پر ہیبت اور سنجیدہ شخصیت کے حامل تھے۔

ملاحظات:

- ان تمام ائمہ کرام کی داڑھیاں طویل (طویل اللحیۃ) اور گھنی (کث اللحیۃ) تھیں۔
- ان کا ظاہر و باطن، حلیہ و اخلاق، اور علم و عمل سب امت کے لیے نمونہ رہا۔
- انہوں نے اپنے وقت میں سنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی خوبصورت عملی تفسیر پیش کی۔

حضرت امام محمد بن ادریس شافعی (م ۲۰۴ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ریش مبارک:

امام ابن حجر الشافعی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

"كَانَ رَحِمَهُ اللهُ ذَا لِحْيَةٍ كَثِيفَةٍ وَطَوِيلَةٍ، يَسْتُرُ بِهَا وَجْهَهُ وَيُعَظِّمُ بِهَا نَفْسَهُ."

(ابن حجر العسقلاني، الإصابة في تمييز الصحابة ٤/ ٢١٢)

ترجمہ: امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی داڑھی گھنی اور طویل تھی، جو ان کے چہرے کو خوب ڈھکتی تھی اور ان کی شخصیت کی وقار کو بڑھاتی تھی۔

امام عبدالغنی النابلسی (م ۱۱۴۳ھ) رحمۃ اللہ علیہ کی ریش مبارک:

امام ذہبی لکھتے ہیں:

"وَكَانَ صَاحِبُ لِحْيَةٍ طَوِيلَةٍ كَثِيفَةٍ، يَعْتَنِي بِهَا، وَيَحْرِصُ عَلَى إِظْهَارِهَا كَرَمْزٍ لِلْوَرَعِ وَالتَّقْوَى." (سير أعلام النبلاء، الذهبي ١٧/ ٤٥٠)

ترجمہ: امام عبد الغنی النابلسی قدس سرہٗ القوی کی داڑھی لمبی اور گھنی تھی، وہ اسے بہت سنبھالتے اور اسے تقویٰ وورع کی علامت سمجھتے تھے۔

علامہ تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) کی داڑھی:

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

"كَانَ لَهُ لِحْيَةٌ طَوِيلَةٌ وَكَثِيفَةٌ، يُظْهِرُ بِهَا وَجْهَهُ الشَّرِيفَ، وَيُعَظِّمُ بِهَا سُنَّتَهُ."

(ابن كثير، البداية والنهاية ١٣/ ٢٣٠)

ترجمہ: شیخ ابن تیمیہ کی داڑھی لمبی اور گھنی تھی، جو ان کے چہرے کو نمایاں کرتی تھی اور ان کی سنت کا اظہار تھی۔

الامام النووی (م ۶۷۶ھ) الشافعی کی ریش مبارک:

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"كَانَ حَافِظًا ذَا لِحْيَةٍ كَثِيفَةٍ طَوِيلَةٍ، يَعْتَنِي بِهَا وَيُظْهِرُهَا كَرَمْزٍ لِلْعِلْمِ وَالتَّقْوَى."

(ابن حجر العسقلاني، الإصابة ١٠/ ٣٠٠)

ترجمہ: امام نووی علیہ الرحمۃ کی داڑھی گھنی اور طویل تھی، وہ اسے خاص طور پر سنبھالتے اور اسے علم و تقویٰ کی علامت سمجھتے تھے۔

حضرت امام ابن رُشد (م ۵۹۵ھ) مالکی کی ریش مبارک:

ابن عبد البر علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

"كَانَ ذَا لِحْيَةٍ كَثِيفَةٍ طَوِيلَةٍ، يُحَافِظُ عَلَيْهَا وَيُعَظِّمُهَا، مِمَّا زَادَ مِنْ هِيبَتِهِ بَيْنَ النَّاسِ."

(ابن عبد البر، التمهيد ٦/ ١٤٢)

ترجمہ: ابن رشد قدس سرہٗ کی داڑھی گھنی اور لمبی تھی، وہ اسے برقرار رکھتے اور اس کا احترام کرتے تھے، جس سے ان کی شخصیت میں وقار بڑھتا تھا۔

فقہائے احناف کے نزدیک داڑھی کا حکم

فقہائے احناف کے نزدیک داڑھی ایک مشت رکھنا واجب ہے، اور اس سے کم کرنا مکروہ تحریمی (یعنی گناہ کے قریب) ہے۔ احناف کے جمہور فقہاء نے ایک مشت سے کم داڑھی رکھنے کو ناجائز اور خلافِ سنت قرار دیا ہے۔

ذیل میں فقہائے احناف کی عبارات، مع اردو ترجمہ و حوالہ جات کے پیش کی جارہی ہیں:

حضرت امام محمد بن حسن الشیبانی (م ۱۸۹ھ) قدس اللہ سرہ النورانی فرماتے ہیں:

«أَنَّ النَّبِيَّ صلَّى اللهُ عَلَيْهِ وسلَّم أَخَذَ بِلِحْيَتِهِ فَمَا زَادَ عَنْ الْقَبْضَةِ أَخَذَهُ»

(موطأ محمد، ص: ٣٨٥)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے اپنی داڑھی کو مٹھی میں لیا، اور جو زائد تھا اسے کاٹ دیا۔

حضرت سیدنا امام ابو یوسف و امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی ایک مشت سے زائد کو کاٹنے کی اجازت دی ہے، اور اس سے کم کرنے کو مکروہ سمجھا ہے۔

مٹھی سے کم داڑھی رکھنا مجوسیوں کا عمل ہے:

فتاویٰ عالمگیری المعروف بہ الفتاوی الہندیۃ میں ہے:

«ويُكْرَهُ أَخْذُ مَا تَحْتَ القَبْضَةِ مِنَ اللِّحْيَةِ، وهُوَ فِعْلُ المُجُوسِ»

(الفتاوى الهندية، ج ٥، ص ٣٥٨)

ترجمہ: مٹھی سے نیچے داڑھی کو کاٹنا مکروہ ہے، اور یہ مجوسیوں کا عمل ہے۔۔

ائمۂ احناف کے نزدیک ایک مشت سے کم داڑھی رکھنا حرام ہے

علامہ طحطاوی (م ۱۲۳۱ھ): فرماتے ہیں:

«أَخْذُ مَا تَحْتَ القَبْضَةِ حَرَامٌ عِندَ أَئِمَّتِنَا الثَّلَاثَةِ»

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص ٣٦٠)

ترجمہ: ہمارے تینوں ائمہ (امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے نزدیک مٹھی سے کم داڑھی لینا حرام ہے۔

ایک مشت سے کم داڑھی مکروہ تحریمی ہے:

علامہ ابن عابدین الشامی قدس سرہٗ السامی (م ۱۲۵۲ھ) فرماتے ہیں:

«وتَقصيرُها أَقَلَّ مِنَ القَبْضَةِ يَكُونُ مَكْرُوهًا تَحْرِيمًا، كَما صَرَّحَ بِهِ غَيْرُ وَاحِدٍ»

(رد المحتار، ج ٢، ص ٤١٧)

ترجمہ: داڑھی کو ایک مشت سے کم کرنا مکروہ تحریمی ہے، جیسا کہ متعدد فقہاء نے واضح طور پر بیان کیا ہے۔

حضرت امام السرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ المبسوط میں فرماتے ہیں:

" «ويُكْرَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِن لِحْيَتِهِ، فَإِنْ أَخَذَ فَلَا يَجُوزُ أَنْ يُنَقِّصَهَا عَنِ الْقَبْضَةِ»

(المبسوط، السرخسي، ج ١٠، ص ١٥٢)

ترجمہ: داڑھی سے لینا (کاٹنا) مکروہ ہے، اور اگر کاٹے بھی تو ایک مشت سے کم کرنا جائز نہیں۔

ایک مشت سے زائد داڑھی کاٹنا جائز ہے ایک مشت سے کم کرنا جائز نہیں:

حضرت امام الطحاوی علیہ الرحمۃ والرضوان شرح معانی الآثار میں ارشاد فرماتے ہیں:

" «كَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا حَجَّ أَوِ اعْتَمَرَ أَخَذَ مِن لِحْيَتِهِ مَا فَضَلَ عَنِ الْقَبْضَةِ»

(شرح معاني الآثار، ج ٤، ص ٢٢٧)

ترجمہ: حضرت سیدنا عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب حج یا عمرہ کرتے تو اپنی داڑھی میں سے وہ بال کاٹتے جو مٹھی سے زیادہ ہوتے۔

استدلال: امام طحاوی قدس سرہٗ نے اس اثر کو دلیل بنایا کہ مٹھی سے زائد داڑھی کا کاٹنا جائز ہے، مگر اس سے کم کرنا نہیں۔

ایک مشت داڑھی حَدِّ معتبر ہے

حضرت امام المرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ "الہدایۃ" میں فرماتے ہیں:

" «وأما الأَخْذُ مِنَ اللِّحْيَةِ إِذَا كَانَ فَوْقَ الْقَبْضَةِ فَفِي الْجَوَازِ اخْتِلَافٌ»

(الهداية، ج ٤، ص ٣٥٨)

ترجمہ: جہاں تک داڑھی کو مٹھی سے زائد کاٹنے کا تعلق ہے، تو اس میں اختلاف ہے (یعنی بعض نے جائز اور بعض نے ناپسند فرمایا)۔

توضیح: صاحبِ ہدایہ علیہ الرحمۃ نے تسلیم کیا کہ ایک مشت حدِ معتبر ہے۔

داڑھی کو ایک مشت سے کم کرنا ممنوع ہے:

حضرت امام ابنُ ہمام علیہ الرحمۃ فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

" «وَأَمَّا تَنْقِيصُهَا عَنِ الْقَبْضَةِ، فَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا شَيْءٌ، لِأَنَّهُ فِعْلُ الْمُجُوسِ»

(فتح القدير، ج ٢، ص ٢٧٠)

ترجمہ: داڑھی کو ایک مشت سے کم کرنا ممنوع ہے، کیونکہ یہ مجوسیوں کا عمل ہے۔

مٹھی سے کم داڑھی رکھنا جائز نہیں:

حضرت امام الکاسانی علیہ الرحمۃ والرضوان بدائع الصنائع میں فرماتے ہیں:

«لَا يُجَوَّزُ أَخْذُ شَيْءٍ مِمَّا تَحْتَ الْقَبْضَةِ مِنَ اللِّحْيَةِ، لِأَنَّهُ تَغْيِيرٌ لِلْخِلْقَةِ»

(بدائع الصنائع، ج ٥، ص ١٢٩)

ترجمہ: مٹھی سے کم داڑھی کا کاٹنا جائز نہیں، کیونکہ یہ اللہ کی بنائی ہوئی صورت میں تبدیلی ہے۔

داڑھی منڈانا حرام ہے:

حضرت ملا علی القاری علیہ الرحمۃ (مرقاۃ المفاتیح میں فرماتے ہیں:

" «اتفق الأئمة الأربعة على أن حلق اللحية لا يجوز، وبعضهم قال: إنه حرام»

(مرقاة المفاتيح، ج ٨، ص ٢٩١٣)

ترجمہ: ائمۂ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس بات پر متفق ہیں کہ داڑھی منڈانا جائز نہیں، بعض نے تو اسے حرام قرار دیا۔

حضرت سیدنا امام الزیلعی علیہ الرحمۃ "نصب الرایۃ" میں فرماتے ہیں:

«وكان ابن عمر يأخذ ما زاد عن القبضة من لحيته، وهو من السنة»

(نصب الراية، ج ١، ص ٣٦٤)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما داڑھی میں سے صرف مٹھی سے زیادہ حصہ کاٹتے تھے، اور یہ سنت

سے ثابت ہے۔

فقہائے احناف کی دیگر معتمد کتب، جیسے "البحر الرائق" (علامہ ابن نجیم)، "النهر الفائق" (علامہ شُرُنبلالی) اور دیگر معتمد متون سے ایک مشت داڑھی رکھنے کے وجوب اور اس سے کم کرنے کی حرمت یا کراہتِ تحریمی پر نص۔

ایک مشت سے کم داڑھی رکھنا جائز نہیں ہے:

حضرت امام ابن نجیم المصری قدس سرہٗ البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں فرماتے ہیں:

«وَلَا يُؤْخَذُ مِنَ اللِّحْيَةِ شَيْءٌ، وَهُوَ قَوْلُ أَصْحَابِنَا، إِلَّا مَا زَادَ عَلَى الْقَبْضَةِ كَمَا كَانَ يَفْعَلُهُ ابْنُ عُمَرَ» (البحر الرائق، ج ٢، ص ٤٩٣)

ترجمہ: داڑھی میں سے کچھ لینا (کاٹنا) درست نہیں، یہی ہمارے اصحاب (احناف) کا قول ہے، سوائے اس مقدار کے جو مٹھی سے زائد ہو، جیسا کہ حضرت سیدنا عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کیا کرتے تھے۔

علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مٹھی سے زائد کو ہی حد قرار دیا، اور اس سے کم کاٹنے کو ناجائز کہا۔

داڑھی کو ایک مٹھی سے کم کرنا مکروہ تحریمی ہے

حضرت علامہ شرنبلالی قدس سرہٗ النہر الفائق شرح کنز الدقائق میں ارشاد فرماتے ہیں:

«وَكُرِهَ تَنْقِيصُهَا عَنِ الْقَبْضَةِ، وَقِيلَ بِالتَّحْرِيمِ؛ لِأَنَّهُ تَشَبُّهٌ بِالْمَجُوسِ وَفِيهِ تَغْيِيرُ خِلْقَةِ اللهِ» (النهر الفائق، ج ١، ص ٢٧٧)

ترجمہ: داڑھی کو مٹھی سے کم کرنا مکروہ (تحریمی) ہے، بلکہ بعض نے حرمت (ناجائز) کہا ہے کیونکہ یہ مجوسیوں سے مشابہت اور اللہ کی پیدا کردہ شکل میں تبدیلی ہے۔

ایک مشت سے کم داڑھی رکھنا حرام ہے:

حضرت امام الحصکفی قدس سرہٗ الدر المختار میں فرماتے ہیں:

«وَيُحْرَمُ حَلْقُهَا، وَكَذَا أَخْذُ مَا تَحْتَ الْقَبْضَةِ، وَهُوَ فِعْلُ الْمُخَنَّثِينَ وَالْمُجُوسِ»

(الدر المختار، ج ٢، ص ٤١٧)

ترجمہ: داڑھی منڈانا حرام ہے، اسی طرح مٹھی سے کم لینا بھی حرام ہے، کیونکہ یہ مخنثوں اور مجوسیوں کا عمل ہے۔

ایک مشت سے کم داڑھی رکھنے والا گنہگار ہے:

حضرت امام ابن عابدین الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ رد المحتار علی الدر المختار میں فرماتے ہیں:

«وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ: أَنَّهُ إِذَا أَخَذَ مِن لِحْيَتِهِ وَهِيَ قَلِيلَةٌ يَأْثَمُ، وَكَذَا إِذَا أَخَذَ مَا دُونَ الْقَبْضَةِ»

(رد المحتار، ج ۲، ص ٤١٧)

ترجمہ: فتاویٰ بزازیہ میں ہے: اگر کسی نے اپنی داڑھی (جو تھوڑی ہو) سے کچھ لیا تو وہ گناہ گار ہو گا، اور اسی طرح اگر اس نے ایک مٹھی سے کم کیا تب بھی۔

ایک مشت سے کم داڑھی رکھنا مکروہ تحریمی ہے:

فتاویٰ ہندیہ (الفتاوی الہندیۃ) میں ہے:

«وَيُكْرَهُ حَلْقُ اللِّحْيَةِ وَقَصُّهَا وَأَخْذُ شَيْءٍ مِنْهَا إِذَا لَمْ يَزِدْ عَلَى الْقَبْضَةِ».

(الفتاوى الهندية، ج ٥، ص ٣٥٨)

ترجمہ: داڑھی منڈوانا، چھوٹی کرنا یا اس میں سے کچھ لینا (جبکہ ایک مشت نہ بڑھی ہو) مکروہ ہے۔

اجماعی موقفِ احناف:

- ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے۔
- مٹھی سے کم داڑھی کاٹنا حرام یا مکروہ تحریمی ہے۔
- یہ عمل مجوسیوں، عورتوں یا مخنثوں سے مشابہت رکھتا ہے، جس کی صریح ممانعت کی گئی ہے۔
- احناف کے جلیل القدر مراجع جیسے: "المبسوط، بدائع، فتح القدير، البحر الرائق، النهر الفائق، الهداية، الدر المختار، رد المحتار، فتاوى هندية" سب میں یہی متفقہ حکم ملتا ہے۔

فقہائے شوافع کے نزدیک داڑھی کا شرعی حکم

اب ہم فقہائے شوافع کے اقوال و دلائل پیش کرتے ہیں کہ "داڑھی کو ایک مشت سے کم کرنا حرام یا مکروہ تحریمی ہے"۔

کسی صحابیٔ رسول علیہ السّلام سے ایک مشت سے کم داڑھی ثابت نہیں

چنانچہ حضرت امام النووی الشافعی (رحمہ اللہ تعالیٰ)-شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں:

"«وأما حلقُها وقصُّها فمخالفٌ للسُّنَّة، لأنَّ النبيَّ صلّى الله عليه وسلّم أمرَ بإعفائها، وفعَلَهُ الصحابةُ رضي الله عنهم، ولم يُنقلْ عن أحدٍ منهم حلقُها، ولا قصُّ ما دون القبضة» (شرح صحيح مسلم، النووي، ج ٣، ص ١٥١)

ترجمہ: رہی بات داڑھی منڈانے اور اس کو کاٹنے کی، تو یہ سنت کے خلاف ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بڑھانے کا حکم دیا ہے، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کیا ہے، ان میں سے کسی صحابی کریم سے داڑھی منڈوانا یا ایک مٹھی سے کم کرنا منقول نہیں ہے۔

داڑھی منڈانا مکروہ تحریمی ہے:

حضرت امام الرملی الشافعی (رحمہ اللہ تعالیٰ)-نہایۃ المحتاج میں فرماتے ہیں:

" «ويُكْرَهُ حلقُ اللِّحيةِ، وذَكَرَ البُجَيْرِميُّ: أنَّ الكراهةَ للتَّحريمِ، فَعَلَيْهِ يَأْثَمُ فَاعِلُهُ» (نهاية المحتاج، ج ٨، ص ١٤٨)

ترجمہ: داڑھی منڈانا مکروہ ہے، اور بجیرمی نے ذکر کیا کہ یہ کراہت تحریمی ہے، پس اس کے مطابق کرنے والا گناہ گار ہوگا۔

داڑھی منڈانا حرام ہے:

حضرت امام ابن حجر الہیتمی (رحمہ اللہ تعالیٰ)-تحفۃ المحتاج میں فرماتے ہیں:

«ويَحْرُمُ حلقُ اللِّحيةِ كما صَرَّحَ بِهِ الأئمةُ كالحُلْوانِيِّ، ومَنْ تَبِعَهُ، لأنَّ فيهِ تغييرًا لِخِلْقَةِ اللهِ، وتَشبُّهًا بالنِّساءِ والفُسَّاقِ» (تحفة المحتاج، ج ٩، ص ٣٧٦)

ترجمہ: داڑھی منڈانا حرام ہے، جیسا کہ ائمہ کرام مثلاً حلوانی وغیرہ نے صراحت کی ہے، کیونکہ اس میں اللہ کی تخلیق میں تبدیلی اور عورتوں و فاسقوں سے مشابہت پائی جاتی ہے۔

داڑھی بڑھانا سنت ہے:

حضرت امام البغوی الشافعی (رحمہ اللہ تعالیٰ) شرح السنّۃ میں فرماتے ہیں:

" «وإعفاءُ اللِّحيةِ سُنَّةٌ، وهو أنْ يَترکَها حتّى تَكْثُرَ ولا يَجُزْ حلقُها»
(شرح السنة، ج ١٢، ص ٨٠)

ترجمہ: داڑھی کو بڑھانا سنت ہے، یعنی اس کو چھوڑ دے حتیٰ کہ زیادہ ہو جائے، اور اس کو منڈانا جائز نہیں۔

داڑھی بڑھانا مستحب اور چھیلنا حرام ہے:

حضرت سیدنا امام الشافعی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)-الأم میں ارشاد فرماتے ہیں:

" «ويُسْتَحَبُّ إعفاءُ اللِّحيةِ، وحرامٌ حلقُها، وهذا مِن خِصالِ الفِطرةِ»
(الأم للشافعي، ج ٢، ص ٢٦٧)

ترجمہ: داڑھی کو بڑھانا مستحب ہے، اور اس کو منڈانا حرام ہے، اور یہ فطرت کی علامات میں سے ہے۔

فقہائے مالکیہ کے نزدیک داڑھی کی شرعی اہمیت

اب ہم فقہاءِ مالکیہ رحمہم اللہ کے اقوال اور دلائل پیش کرتے ہیں جو داڑھی منڈانے یا ایک مشت سے کم کرنے کے عدمِ جواز پر دلالت کرتے ہیں۔ ہر نقل میں عربی عبارت، اردو ترجمہ اور معتبر حوالہ شامل ہو گا۔

داڑھی منڈانے والے کو سزا دی جائے:

حضرت سیدنا امام مالک بن انس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)-المدوّنةُ الكُبرىٰ میں فرماتے ہیں:

«وسُئِلَ مالِكٌ عنِ الرَّجُلِ يَحْلِقُ لِحْيَتَهُ، فقالَ: أَرَى أَنَّه يُعاقَبُ، لِأَنَّه مَثْلُ مَنْ يَفْعَلُ فِعْلَ المَجُوسِ» (المدونة الكبرىٰ، ج ٢، ص ٢٢٠)

ترجمہ: امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو داڑھی منڈاتا ہے، تو آپ نے فرمایا: میں سمجھتا ہوں کہ اس کو سزا دی جائے، کیونکہ وہ مجوسیوں کے فعل جیسا کام کرتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی گھنی داڑھی تھی:

امام ابن عبد البر (رحمہ اللہ تعالیٰ)-التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد میں فرماتے ہیں:

" «وأمّا حَلْقُ اللِّحيةِ فَمُحرَّمٌ عِندَنا، ولا يُفْعَلُهُ إلا مَنْ فيهِ فِسْقٌ، وقد ثَبَتَ أنَّ النَّبيَّ صلّى الله عليه وسلّم كان كثيفَ اللِّحيةِ»" (التمهيد، ابن عبد البر، ج ٢١، ص ٦٣)

ترجمہ: رہی بات داڑھی منڈانے کی، تو ہمارے نزدیک یہ حرام ہے، اور یہ کام صرف وہی کرتا ہے جس

میں فسق ہو، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گھنی داڑھی ثابت ہے۔

داڑھی منڈوانے والا فاسق معلن ہے:

امام القاضی عیاض المالکی (رحمہ اللہ تعالیٰ)-الشفا بتعریف حقوق المصطفی میں ارشاد فرماتے ہیں:

«اتّفَقَ العلماءُ على أَنَّ حَلْقَ اللِّحيةِ لا يَجوزُ، ويَدخُلُ فاعِلُهُ في التَّشَبُّهِ بالفُسَّاقِ والكُفّارِ» (الشفا، القاضي عياض، ج ٢، ص ١١٠)

ترجمہ: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ داڑھی منڈانا جائز نہیں، اور ایسا کرنے والا فاسقوں اور کافروں کی مشابہت میں داخل ہو جاتا ہے۔

ایک مشت سے کم داڑھی رکھنا حرام ہے:

امام الدردیر (رحمہ اللہ تعالیٰ)-الشرح الکبیر علی مختصر خلیل میں فرماتے ہیں:

«ويُحَرَّمُ أَخْذُ شَيْءٍ مِنَ اللِّحيةِ إِذَا زادَتْ على القَبْضَةِ، فَما دونَ ذلكَ أولىٰ بالتحريمِ» (الشرح الكبير، الدردير، ج ١، ص ١٧٤)

ترجمہ: جب داڑھی مٹھی سے زیادہ ہو جائے تو اس میں سے کچھ لینا (کاٹنا) حرام ہے، پس اس سے کم کرنا تو بدرجہ اولیٰ حرام ہے۔

داڑھی منڈانا سنت کی مخالفت اور کفار کی عادت ہے:

امام ابن الحاج المالکی (رحمہ اللہ تعالیٰ)-المدخل میں لکھتے ہیں:

" «ومِنَ المُنْكَرِ الذي عَمَّتْ بهِ البَلْوى حَلْقُ اللِّحيةِ، فَإِنَّه يُضادُّ السُّنَّةَ، ويُوافِقُ عاداتِ الكُفّارِ» (المدخل، ابن الحاج، ج ٣، ص ٢٨٥)

ترجمہ: ان منکرات میں سے جن پر عمومی بگاڑ اچکا ہے، داڑھی منڈوانا ہے، کیونکہ یہ سنت کے مخالف اور کفار کی عادت کے موافق ہے۔

فقہائے حنابلہ کے نزدیک داڑھی کا شرعی حکم

اب ہم فقہاءِ حنابلہ رحمہم اللہ کے اقوال و دلائل پیش کرتے ہیں جو داڑھی مونڈنے یا ایک مشت سے کم

کرنے کے عدم جواز پر واضح اور پرزور مؤقف رکھتے ہیں۔ ہر دلیل کے ساتھ عربی عبارت، اردو ترجمہ اور معتبر حوالہ دیا جائے گا۔

مرد کیلئے ایک مشت سے کم داڑھی رکھنا مکروہ تحریمی ہے:

امام احمد بن حنبل (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے ہیں:

«ويُكْرَهُ للرَّجُلِ أَنْ يَأْخُذَ مِنْ لِحْيَتِهِ إلَّا مِنَ الشَّعَرِ الَّذِي يَطُولُ جِدًّا، كما جاءَ عنِ ابنِ عُمرَ» (المغني، ابن قدامة، ج ١، ص ٦٥)

ترجمہ: مرد کے لیے داڑھی سے کچھ لینا مکروہ ہے، سوائے اس بال کے جو بہت زیادہ لمبا ہو جائے، جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

داڑھی منڈانا حرام ہے:

امام ابن قدامۃ الحنبلی (رحمہ اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں:

«ولا يَجُوزُ حَلْقُ اللِّحيةِ، وهو مُحرَّمٌ في قولِ أكثَرِ العلماءِ، لِأنَّه مُثْلَةٌ، ويَدخُلُ فِيهِ التَّشبُّهُ بالكُفّارِ» (المغني، ابن قدامة، ج ١، ص ٦٥)

ترجمہ: داڑھی منڈانا جائز نہیں، بلکہ اکثر علماء کے قول کے مطابق یہ حرام ہے، کیونکہ یہ بدن کو بگاڑنے کے زمرے میں آتا ہے اور کافروں سے مشابہت بھی ہے۔

داڑھی تراشنا حرام ہے:

امام علاء الدین المرداوی (رحمہ اللہ تعالیٰ)–الإنصاف میں فرماتے ہیں:

" «ويَحْرُمُ حَلْقُ اللِّحيةِ، وهو المُعْتَمَدُ في المَذْهَبِ، ولا يُعْرَفُ خِلافٌ في ذلكَ» (الإنصاف، المرداوي، ج ١، ص ٤٢١)

ترجمہ: داڑھی منڈانا حرام ہے، یہی حنبلی مذہب میں معتمد قول ہے، اور اس میں کوئی اختلاف معروف نہیں۔

داڑھی چھیلنا حنابلہ کے نزدیک مکروہ تحریمی یا حرام ہے:

امام ابن مفلح الحنبلی (رحمہ اللہ تعالیٰ)–الآداب الشرعیۃ میں فرماتے ہیں:

«اتَّفَقَ أصحابُنا على أنَّه يُكْرَهُ حَلْقُ اللِّحيةِ، وقِيلَ: إنَّه حَرامٌ، وهو أَصَحُّ» (الآداب الشرعية، ابن مفلح، ج ١، ص ٣٥١)

ترجمہ: ہمارے (حنبلی) علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ داڑھی منڈانا مکروہ ہے، بعض نے اسے حرام کہا ہے، اور یہی بات زیادہ صحیح ہے۔

داڑھی چھیلنا حرام ہے:

الامام البہوتی (رحمہ اللہ تعالیٰ)-کشاف القناع عن متن الإقناع میں لکھتے ہیں:

"«ويَحْرُمُ حَلْقُها، أي اللِّحيةِ، لِأَنَّه فيهِ مُخالَفَةٌ للسنّةِ، وتَشَبُّهٌ بالفُسّاقِ والكُفّارِ»"

(كشاف القناع، البهوتي، ج ٢، ص ٣٥٧)

ترجمہ: داڑھی منڈانا حرام ہے کیونکہ یہ سنت کے خلاف اور فاسقوں و کافروں سے مشابہت ہے۔

ائمۂ سلف صالحین کے نزدیک داڑھی کی اہمیت

اب ہم ائمۂ سلف صالحین خصوصا امام سفیان الثوری، امام عبد اللہ بن المبارک رحمہما اللہ اور ان کے ہم عصر محدثین وزہاد کے داڑھی سے متعلق اقوال، احوال اور ان کا حلیہ مبارک پیش کرتے ہیں، جو اس بات کا زندہ ثبوت ہیں کہ داڑھی رکھنا اور ایک مشت یا زائد رکھنا ان کے نزدیک سنتِ مؤکدہ بلکہ لازم تھا، اور وہ اسے تقویٰ، زہد، علم اور وقار کی علامت سمجھتے تھے۔

امام سفیان الثوري (رحمہ اللہ تعالیٰ)-(م ۱۶۱ھ) کا حلیہ مبارک اور داڑھی کا اہتمام:

"«كانَ سُفْيانُ الثَّوْرِيُّ رَحِمَهُ اللهُ لَهُ لِحْيَةٌ كَثِيفَةٌ طَوِيلَةٌ، يَهْتَمُّ بِهَا، وَلَا يَأْخُذُ مِنْهَا إِلَّا مَا زَادَ عَلَى القَبْضَةِ.» (تاريخ دمشق لابن عساكر، ج ١٩، ص ٣٤٥)

ترجمہ: حضرت سیدنا سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی داڑھی گھنی اور طویل تھی، آپ اس کا اہتمام کرتے تھے اور صرف ایک مشت سے زائد بال کاٹتے تھے۔

" «حَلْقُ اللِّحْيَةِ مَثْلَةٌ، وَلَا يَفْعَلُهُ إِلَّا أَحْمَقُ، وَفِيهِ تَشَبُّهٌ بِالْمَرْأَةِ.»

(الزهد، للبيهقي، ص ١٢٨)

ترجمہ: داڑھی منڈانا بدنما عمل ہے، یہ صرف بے وقوف ہی کرتا ہے، اور اس میں عورتوں سے مشابہت ہے۔

داڑھی کا احترام کیا جائے:

امام عبدُاللہ بن المبارک (رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ)-(م ۱۸۱ھ) کا حلیہ مبارکہ اور ان کا داڑھی سے متعلق نظریہ:

«كانَ عبدُ اللهِ بنُ المبارَكِ رَحِمَهُ اللهُ طَوِيلَ اللِّحْيَةِ، يَعْتَبِرُ ذَلِكَ مِنَ السُّنَنِ، وَيَنْهَى عَنْ أَخْذِ شَيْءٍ مِنْهَا.» (سير أعلام النبلاء، الذهبي، ج ٨، ص ٣٩٧)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن المبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کی داڑھی لمبی تھی، وہ اسے سنت شمار کرتے اور داڑھی میں سے کچھ لینے سے منع فرماتے تھے۔

داڑھی بڑھانا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ادب ہے:

" «إِنَّ مِمَّا بَلَغَنَا مِنْ أَدَبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُوَقَّرَ اللِّحْيَةُ، وَلَا يُتَعَرَّضُ لَهَا إِلَّا لِلضَّبْطِ.» (الزهد، لابن المبارك، ص ٧٢)

ترجمہ: ہم تک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے ادب میں سے یہ بات پہنچی ہے کہ داڑھی کا احترام کیا جائے، اور اس پر ہاتھ نہ ڈالا جائے مگر صفائی و ترتیب کے لیے۔

داڑھی تقویٰ کی علامت ہے:

حضرت امام وکیع بن الجراح (رحمہ اللہ تعالیٰ)-(م۱۹۷ھ) فرماتے ہیں:

" «كَانَ وَكِيعٌ لَا يَرَى أَخْذَ شَيْءٍ مِنَ اللِّحْيَةِ، وَيَعُدُّ ذَلِكَ مِنَ النُّسُكِ وَالتَّقْوَى.»
(تهذيب الكمال، ج ٣٠، ص ٣٢١)

ترجمہ: امام وکیع رحمہ اللہ تعالیٰ داڑھی میں سے کچھ کاٹنے کے قائل نہ تھے اور اسے عبادت و تقویٰ کا جزو سمجھتے تھے۔

داڑھی کا احترام دراصل ایمان کا احترام ہے:

حضرت سیدنا امام الفضیل بن عیاض (رحمہ اللہ تعالیٰ)-(م۱۸۷ھ) ارشاد فرماتے ہیں:

«كانَ فُضَيْلُ بنُ عِياضٍ طَوِيلَ اللِّحْيَةِ، وَيَقُولُ: إِكْرَامُ اللِّحْيَةِ مِنْ إِكْرَامِ الإِيمَانِ.»
(سير أعلام النبلاء، ج ٨، ص ٤١٥)

ترجمہ: فضیل بن عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کی داڑھی طویل تھی، اور وہ فرمایا کرتے: داڑھی کا احترام دراصل ایمان کا احترام ہے۔

داڑھی کاٹنے والا مداہن ہے:

امام شُعبۃ بن الحجاج (رحمہ اللہ تعالیٰ)–(م ۱۶۰ھ) فرماتے ہیں:

«كان شعبةُ إذا رأى رجلاً يَأْخُذُ مِن لِحْيَتِهِ، يقول: هذا مُداهِنٌ في دينِه.»

(العلل لابن أبي حاتم، ج ۲، ص ۱۸۱)

ترجمہ: حضرت شعبہ بن الحجاج رحمہ اللہ تعالیٰ جب کسی کو داڑھی کاٹتے دیکھتے تو فرماتے: یہ شخص اپنے دین میں مداہنت (نرمی و منافقت) کرتا ہے۔

سلف صالحین کے نزدیک داڑھی کی حیثیت:

اب ہم سلفِ صالحین اور اولیاءِ کاملین کی کتابوں میں موجود داڑھی کی اہمیت، اس کے فضائل، اداب اور حکمتوں سے متعلق نقول و روایات پیش کرتے ہیں، جو اس بات کا روشن ثبوت ہیں کہ اہلِ تصوف، اربابِ معرفت اور ائمۂ زہد و طریقت نے داڑھی کو نہ صرف سنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم مانا، بلکہ اسے روحانیت، ولایت اور اتباعِ شریعت کا اہم شعار شمار کیا۔

داڑھی رکھنا اہل طریق کا شعار ہے:

حضرت سیدنا امام القشیری (م ۴۶۵ھ) رحمہ اللہ تعالیٰ–الرسالة القشيرية میں فرماتے ہیں:

" «من شِعَارِ أَهْلِ الطَّرِيقِ: التَّزَيُّنُ بِالسُّنَنِ الظَّاهِرَةِ، وَمِنْهَا: إِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ، فَإِنَّهُ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِينَ.» (الرسالة القشيرية، ص ٦٤)

ترجمہ: اہلِ طریقت کا شعار ظاہری سنتوں سے اراستہ ہونا ہے، اور ان میں داڑھی کا چھوڑنا بھی شامل ہے، کیونکہ یہ حضرات مرسلین علیہم السلام کی سنتوں میں سے ہے۔

داڑھی مردوں کی زینت ہے:

حضرت سیدنا امام الغزالی (م ۵۰۵ھ)–رحمہ اللہ تعالیٰ إحياء علوم الدين میں فرماتے ہیں:

"«اللِّحْيَةُ مِنْ زِينَةِ الرِّجَالِ، وَتَفْضِيلُهُمْ عَلَى النِّسَاءِ، وَفِي حَلْقِهَا تَشَبُّهٌ بِالنِّسَاءِ، وَقَدْ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُ.» (إحياء علوم الدين، ج ۲، ص ۳۷۵)

ترجمہ: داڑھی مردوں کی زینت اور عورتوں پر ان کی فضیلت ہے، اور داڑھی مونڈنے میں عورتوں سے

مشابہت ہے، جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

داڑھی رکھنا دل کا تقویٰ ہے:

الشیخ عبد القادر الجیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۵۶۱ھ)-الغنیة لطالبي طريق الحق میں فرماتے ہیں:

«مِنْ شَرَائِطِ الطَّرِيقِ: التَّمَسُّكُ بِكُلِّ سُنَّةٍ، وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ مِنْهَا، فَمَنْ حَلَقَهَا تَرَكَ السُّنَّةَ، وَفِي تَرْكِهَا خِصَالٌ: مِنْهَا تَعْظِيمُ الشَّرِيعَةِ وَتَقْوَى الْقَلْبِ.» (الغنية، ج ۱، ص ۱۱۵)

ترجمہ: طریقِ حق کے اداب میں سے ہے کہ ہر سنت کو تھامے، اور داڑھی رکھنا انہی میں سے ہے۔ جو اسے منڈاتا ہے وہ سنت چھوڑ دیتا ہے۔ اور داڑھی چھوڑنے میں کئی خوبیاں ہیں، جیسے شریعت کی تعظیم اور قلب کا تقویٰ۔

داڑھی سنت کا نور ہے:

الامام الشعرانی (م ۹۷۳ھ)-الطبقات الکبریٰ میں فرماتے ہیں:

"«كَانَ جَمِيعُ أَوْلِيَاءِ زَمَانِهِ ذَوِي لِحًى كَثِيفَةٍ، يَقُولُونَ: هِيَ مِنْ نُورِ السُّنَّةِ، وَمَنْ تَشَبَّهَ بِهَدْيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ عَلَى نُورٍ.» (الطبقات الكبرى للشعراني، ج ۱، ص ۹۲)

ترجمہ: اپنے زمانے کے تمام اولیاء کرام گھنی داڑھیوں والے تھے۔ وہ فرمایا کرتے: داڑھی سنت کا نور ہے، اور جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روش پر چلے، وہ نور پر ہے۔

الامام شَطبی (م ۷۹۰ھ)-الاعتصام میں فرماتے ہیں:

«إِنَّ مِنَ الْبِدَعِ الظَّاهِرَةِ: حَلْقُ اللِّحْيَةِ، فَهُوَ مُخَالَفَةٌ لِهَدْيِ السَّلَفِ، وَفِي ذَلِكَ إِضَاعَةٌ لِلسُّنَنِ.» (الاعتصام، ج ۲، ص ۱۲۷)

ترجمہ: ظاہر بدعتوں میں سے ایک داڑھی منڈوانا ہے، جو سلفِ صالحین کی روش کے خلاف ہے اور سنتوں کو ضائع کرنا ہے۔

الامام ابن عطاء اللہ السکندری (م ۷۰۹ھ)-فرماتے ہیں:

ابن عطاء اللہ نے داڑھی کے ظاہری سنت ہونے کا ذکر اپنے اقوال میں بار بار کیا، اور فرمایا:

"«من تَحَلَّى بِالسُّنَنِ الظَّاهِرَةِ، نَالَ أَسْرَارَ الْبَوَاطِنِ.» (شرح الحكم، ص ۹۴)

ترجمہ: جو شخص ظاہری سنتوں سے مزین ہوتا ہے، وہ باطنی رازوں کو پالیتا ہے۔

عطاء بن أبي رباح رحمہ اللہ (تابعی) کے نزدیک داڑھی کی مقدار ایک مشت:

"كَانَ عَطَاءٌ يَأْخُذُ مِنْ لِحْيَتِهِ مَا فَضَلَ عَنْ الْقَبْضَةِ"

(مصنف ابن أبي شيبة، ج ٨، ص ٣٩٨، رقم: ٢٥٣٩١)

ترجمہ: تابعی حضرت عطاء رحمہ اللہ اپنی داڑھی سے وہ بال کاٹتے تھے جو مٹھی بھر سے زیادہ ہوتے۔

حضرت نافع مولی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک داڑھی کی مقدار:

(حضرت نافع حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے خاص خادم اور ثقہ راوی ہیں)

"كَانَ نَافِعٌ يَأْخُذُ مَا فَضَلَ مِنَ اللِّحْيَةِ عَنِ الْقَبْضَةِ"

(المصنف لعبدالرزاق، ج ١١، ص ٨٥، رقم: ٢٠٠٦٦- حيدري)

ترجمہ: نافع رحمہ اللہ مٹھی بھر سے زیادہ داڑھی کے بال کاٹ دیا کرتے تھے۔

ائمۂ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک داڑھی کی مقدار ایک مشت

ائمۂ احناف کے نزدیک داڑھی کی مقدار ایک مشت:

فقہائے احناف کے نزدیک داڑھی کو ایک مشت رکھنا واجب ہے۔

(۱) المبسوط للامام السرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے:

"وأما إعفاء اللحية فمستحب، وحده أن يقبض الرجل على لحيته فيأخذ ما زاد عليها، كذا ذكر محمد في الكتاب." (المبسوط للسرخسي، ج١، ص٦٥)

ترجمہ: داڑھی کو بڑھانا مستحب ہے، اور اس کی حد یہ ہے کہ آدمی اپنی داڑھی کو مٹھی میں لے، اور جو مٹھی سے زیادہ ہو اسے کاٹ دے، جیسا کہ محمد (امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے "الکتاب" میں ذکر کیا ہے۔

نوٹ: اگرچہ یہاں "مستحب" کا لفظ ایا ہے، لیکن عملی موقف "قبضة" (مٹھی بھر) کو واجب قرار دیتا ہے، جیسا کہ آگے ارہا ہے۔

(۲) چنانچہ شرح معانی الآثار للامام الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے:

"عن ابن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خالفوا المشركين، وفروا اللحى، وأحفوا الشوارب. قال أبو جعفر: هذا يدل على أن الأمر بإعفاء اللحى واجب."

(شرح معاني الآثار، ج٤، ص٢٢٩)

ترجمہ: حضرت سیدنا عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: مشرکوں کی مخالفت کرو، داڑھیوں کو بڑھاؤ، اور مونچھوں کو کاٹو۔

حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ داڑھی بڑھانے کا حکم واجب ہے۔

(۳) صاحب موطا حضرت سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وَبِهَذَا نَأْخُذُ، أَنْ يُقْبَضَ عَلَى اللِّحْيَةِ، فَيُؤْخَذَ مَا زَادَ عَلَى الْكَفِّ."

(موطأ الإمام محمد، ص ٣٨٦، رقم: ١٣٩١)

ترجمہ: ہم اسی پر عمل کرتے ہیں کہ آدمی اپنی داڑھی کو مٹھی میں لے، پھر جو کچھ مٹھی سے زائد ہو، اسے کاٹ لیا جائے۔

یہ حضرت سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا فقہی فتویٰ ہے، جو حدیثِ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مبنی ہے۔

(۴) فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

"ويكره حلق اللحية، وكذا التخفيف منها إذا لم يبق مقدار القبضة."

(فتاوىٰ قاضي خان، ج٣، ص ٤٠٧)

ترجمہ: داڑھی منڈوانا مکروہ (تحریمی) ہے، اور اسی طرح اسے اتنا چھوٹا کرنا کہ مٹھی بھر مقدار باقی نہ رہے، یہ بھی مکروہ (تحریمی) ہے۔

یہاں تحریمی مکروہ سے مراد حرام کے قریب ناجائز ہے، یعنی واجب کا ترک لازم آتا ہے۔

(۵) الفتاویٰ الہندیۃ (الفتاویٰ العالمگیریہ) میں ہے:

"ويكره التخفيف منها إذا لم يبق مقدار القبضة." (الفتاوىٰ الهندية، ج٥، ص٣٥٨)

ترجمہ: داڑھی منڈوانا مکروہ (تحریمی) ہے، اور اسی طرح اس کو اتنا چھوٹا کرنا کہ مٹھی بھر باقی نہ رہے، یہ بھی مکروہ (تحریمی) ہے۔

یعنی فتاویٰ عالمگیری میں بھی ایک مشت سے کم داڑھی رکھنے کو ناجائز و مکروہ کہا گیا ہے۔

(٦) تبیین الحقائق للزیلعی میں ہے:

"وَيُكْرَهُ أَنْ يَحْلِقَ لِحْيَتَهُ، أَوْ يُقَصِّرَهَا دُونَ الْقَبْضَةِ." (تبيين الحقائق، ج٦، ص٩)

ترجمہ: یہ مکروہ (تحریمی) ہے کہ کوئی اپنی داڑھی منڈوائے یا اسے مٹھی بھر سے کم کرے۔

(۷) بدائع الصنائع للامام الکاسانی میں ہے:

"وأما حلق اللحية فمحظور، لأنه مثلة، وتشويه للخلقة، وهو حرام."

(بدائع الصنائع، ج۵، ص۱۲۹)

ترجمہ: داڑھی منڈوانا ممنوع (محظور) ہے، کیونکہ یہ بدنما تبدیلی اور فطرت کی بگاڑ ہے، اور یہ حرام ہے۔

حضرات مالکیہ کے نزدیک داڑھی کی مقدار ایک مشت ہے:

امام ابنِ عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ نقل کرتے ہیں:

"كَانَ يَرَى أَخْذَ مَا فَضَلَ عَنِ الْقَبْضَةِ مِنَ اللِّحْيَةِ" (التمهيد لابن عبد البر، ج ٢٤، ص ٣٧)

ترجمہ: حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ مٹھی بھر سے زائد داڑھی کاٹنے کو جائز سمجھتے تھے۔

شوافع کے نزدیک داڑھی کی مقدار ایک مشت ہے:

علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"وَلا بأس بأخذ ما زاد عن القبضة من اللحية" (المجموع شرح المهذب، ج 1، ص ٢٨٩)

ترجمہ: داڑھی میں مٹھی بھر سے زائد حصے کو کاٹنا جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ حضرات خلفائے راشدین، عشرۂ مبشرہ، صحابہ کرام، ائمۂ اھل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم ،وائمۂ شریعت، ائمۂ طریقت، ائمۂ محدثین، ائمۂ مفسرین واولیائے صالحین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اجتماعی مؤقف یہ ہے کہ داڑھی لمبی، کم از کم ایک مشت رکھی جائے۔

زائد حصے کو کاٹنا عمل صحابہ کرام، تابعین عظام اور اجماع فقہاء امت سے ثابت ہے۔

ایک مٹھی سے کم داڑھی رکھنے کا نہ کوئی عمل کسی صحابی سے ثابت ہے، نہ تابعی سے، اور نہ کسی امام سے۔

ھٰذا ماظھرلی والعلم عند ربی وھو اعلم بالصواب ھذا ماظھر لی والعلم عند ربی و ھو اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

مونچھوں کی لمبائی سے متعلق شرعی حکم

سوال: مونچھیں کتنی لمبی رکھ سکتے ہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مونچھیں لمبی تھیں، تو شریعت میں لمبی مونچھوں کا کیا حکم ہے؟ سائل سید عمر و مجیب مداری:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب

شریعتِ اسلامیہ میں مونچھوں کو بڑھانے کے بجائے قَصّ (کاٹنا، تراشنا) کا حکم ہے، تاکہ وہ لبوں پر نہ ائیں اور کھانے پینے میں رکاوٹ نہ بنیں۔

۱۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

وَقالَ القُرطُبِيُّ: "وَقَصُّ الشّارِبِ أَنْ يَأْخُذَ ما طالَ عَلَى الشَّفَةِ، بِحَيْثُ لا يُؤْذِي الأَكْلَ، وَلا يَجْتَمِعَ فِيهِ الوَسَخُ".

(فتح الباري، باب قص الشارب، ج: ١٠، ص: ٣٤٧، ط: المكتبة السلفية، مصر)

ترجمہ: "مونچھ ترشوانے کا مطلب یہ ہے کہ لب پر جو بال بڑھ جائیں انہیں اس حد تک کاٹا جائے کہ نہ کھانے میں تکلیف دیں اور نہ ان میں میل کچیل جمع ہو۔"

اس سے معلوم ہوا کہ شریعت میں مونچھوں کو لب سے اوپر تراشنا سنت ہے، زیادہ لمبی چھوڑنا مکروہ یا خلافِ سنت ہے۔

۲۔ کتب سیرت میں حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مونچھوں کا ذکر:

وأَخْرَجَ ابْنُ عَسَاكِرَ عَنْ أَبِي رَجَاءٍ العَطَّارِدِيِّ قالَ: "كانَ عُمَرُ رَجُلًا طَوِيلًا جَسِيمًا أَصْلَعَ شَدِيدَ الصَّلَعِ، أَبْيَضَ شَدِيدَ الحُمْرَةِ، فِي عَارِضَيْهِ خِفَّةٌ، سَبَلَتُهُ كَبِيرَةٌ، وَفِي أَطْرَافِهَا صُهْبَةٌ". (تاريخ الخلفاء، ص: ١٠٥، ط: مكتبة نزار مصطفى الباز)

ترجمہ: "حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لمبے، قوی جسم والے، سفید و سرخ رنگت والے، گنجے تھے، ان کی مونچھیں بڑی تھیں، اور ان کے کناروں پر زردی مائل رنگ (صہبہ) تھا۔"

اس روایت میں "سَبَلَتُهُ كَبِيرَةٌ" ایا ہے جس سے کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مونچھیں لمبی رکھتے تھے، مگر اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کنارے قدرے پھیلے ہوئے تھے، نہ یہ کہ لبوں کو ڈھانپنے والی طویل مونچھیں ہوں۔

۳۔ فتاویٰ شامی میں ہے:

"وأمّا طَرَفا الشّارِبِ وَهُما السِّبالانِ، فَقِيلَ: هُما مِنهُ، وَقِيلَ: مِنَ اللِّحْيَةِ، وَعَلَيْهِ فَقِيلَ: لا بَأْسَ بِتَرْكِهِما، وَقِيلَ: يُكْرَهُ لِما فِيهِ مِنَ التَّشَبُّهِ بِالأَعَاجِمِ وَأَهْلِ الكِتابِ، وَهذا أَوْلَىٰ بِالصَّوابِ." (الدر المختار مع الرد، ج: ۲، ص: ۵۵۰، ط: دار الفكر، بيروت)

ترجمہ: مونچھ کے دونوں کنارے، جنہیں سِبالان کہتے ہیں، ان کے بارے میں بعض نے کہا کہ یہ مونچھ میں سے ہیں، بعض نے کہا داڑھی میں شامل ہیں۔ اس بنیاد پر کہا گیا کہ انہیں چھوڑ دینا جائز ہے، مگر دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے کیونکہ یہ عجمیوں اور اہل کتاب کی مشابہت ہے، اور یہی قول زیادہ درست ہے۔

لہٰذا، اگر مونچھوں کے کنارے بھی اس قدر بڑھا دیے جائیں کہ مشابہت کفار سے ہو، تو یہ مکروہ و ناپسندیدہ ہے۔

خلاصہ حکم یہ کہ:

مونچھیں سنت کے مطابق ترشوانا واجب نہیں لیکن سنت ہے، اور

اتنی لمبی مونچھیں رکھنا کہ وہ کھانے میں رکاوٹ بنیں یا مشابہتِ کفار کا پہلو نکلے، شرعاً مکروہ ہے۔

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مونچھوں کے لمبے ہونے کا مطلب عرفی ہو سکتا ہے، نہ کہ خلافِ سنت طویل مونچھ رکھنا۔

غرضیکہ مونچھیں شریعت کے مطابق لبوں سے اوپر رکھنا سنت ہے، جبکہ لمبی مونچھیں رکھنا مکروہ و ناپسندیدہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہُ تعالیٰ عنہ کی مونچھوں کا بڑا ہونا ان کی جسمانی ساخت یا کناروں کی وسعت کی طرف اشارہ ہے، نہ کہ خلافِ سنت مونچھ رکھنے پر۔ فقط، واللہ أعلمُ بالصواب.

کتبـــــــ

سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا نمایاں وصف زندگی

سوال: حضرت بی بی سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا نمایاں وصف زندگی کیا تھا؟

الجواب۔ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

حضورِ سید عالم نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی چوتھی اور سب سے گراں قدر صاحبزادی حضرت سیدۂ کائنات بی بی فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا بے شمار اچھی صفات کی حامل تھیں، ان میں سے چند ایک درجِ ذیل ہے:

"عن عائشة أم المؤمنين، قالت: ما رأيت أحدا أشبه سمتا ودلا وهديا برسول الله في قيامها وقعودها من فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم".

(سنن الترمذی، ابواب المناقب،باب ما جاء في فضل فاطمة رضي الله عنها، رقم الحديث:۳۸۷۲، ج:٦، ص:۱۸۳، ط:دار الغرب الاسلامی)

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو عادات و اطوار، سیرت و کردار اور نشست و برخاست میں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے مشابہت رکھنے والا نہیں دیکھا۔

"عن عبد الله بن مسعود، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «إن فاطمة حصنت فرجها فحرمها الله وذريتها على النار»". (المعجم الكبير للطبراني، مسندالنساء، ومن مناقب فاطمة رضي الله عنها، رقم الحديث:۱۰۱۸، ج:۲۲، ص:٤٠٦، ط:مكتبه ابن تيميه)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: بے شک فاطمہ نے اپنی عصمت و پاک دامنی کی ایسی حفاظت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اور اس کی اولاد کو آگ پر حرام فرما دیا ہے، اس حدیث کو امام طبرانی بزار اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب.

کتبہ

ابو الحماد محمد اسرافیل حیدری المداری
دار الافتاء والقضاء جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الاولیاء
استانہ زندہ شاہ مدار مکن پور شریف کانپور نگر یوپی انڈیا۔

سلسلۂ مداریہ میں مرید و خلیفہ بننا کیسا ہے؟

سلسلہ مداریہ میں مرید و خلیفہ بننا کیسا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مدار پاک نے کسی کو خلافت نہیں دی۔ جواب عطا کر کے ممنون ہوں۔

حبیب احمد دہلی

الجواب

سلسلہ مداریہ میں مرید ہونا صرف جائز ہی نہیں بڑی برکت کی بات ہے، یہ سلسلہ دیگر سلاسل کی بنسبت بہت کم واسطوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملتا ہے۔ یہی وجہ ہے اکابر شریعت و طریقت نے اس سلسلے کا دوپٹہ اپنے گلے میں ڈالا مثلاً شیخ غوث گوالیاری کی یہ تحریر دیکھیں:

"هو شيخ المداريين، طريقة منا إلى النبي صلى الله عليه وسلم أقرب الطرق"

[الجواهر الخمسة، ص:۳۱۰، مطبوعه بيروت]

نیز اگر یہ سلسلہ منسوخ ہے تو پھر سرکار مدار پاک قدس سرہ کے خلفا کیوں ملتے ہیں۔ بے شمار کتابوں میں خلفائے قطب المدار قدس سرہ کا ذکر موجود ہے مثلاً کتاب الشہادت، گلزار ابرار، تحفۃ الابرار، اخبار الاخیار، اخبار الاصفیا، کلمات الصادقین وغیرہ۔ تفصیل کے لیے تذکرہ مشایخ مداریہ اور کتب مداریہ کا مطالعہ کریں۔

پھر مشایخ نے اس سلسلے میں بیعت و اجازت برقرار رکھی اگرچہ ان پر کوئی بھی سلسلہ غالب رہا ہو، مثلاً شیخ فضل رسول قادری بدایونی علیہ الرحمہ سلسلہ مداریہ میں اوراد و وظائف کی اجازت دینے کے بعد لکھتے ہیں:

"نیز تمھیں تمام سلاسل عالیہ قادریہ و چشتیہ و نقشبندیہ و سہروردیہ و مداریہ میں ان کے شرائط و لوازم کے ساتھ بیعت کرنے کی اجازت دیتا ہوں" (اکمل التاریخ، ص:۲۹۹، تاج الفحول اکیڈمی)

جواہر فریدی میں مصنف سید اصغر علی چشتی فریدی اپنا شجرۂ خلافت مداریہ لکھتے ہیں:

"ذکر در بیان اجازت نامہ سلسلہ حضرت شاہ مدار ایں است۔ ھو المقصود لیس سواہ اما بعد الحمد و الصلاۃ فیقول العبد اضعف الضعیف شیخ پیر حسینی بصرہ اللہ تعالیٰ لغیوب المنن و جعل نوبتہ خیر مرام امارت الصلاح و العرفان شیخ مودود ابن شیخ محمد الچشتی البہدالوی قلت لہ خلافت من جانب قطب الاقطاب مقرب حضرت رب الارباب حضرت شاہ

مدار متع المنتسبین بفیضہ وعنایتہ وصل علی محمد خاتم النبیین و آلہ واصحابہ اجمعین وہر کرا ازیں خانوادہ مرید کند اجازت است" [جواہر فریدی، ص:۳۸۶، مطبع وکٹوریہ لاہور ۱۳۰۱ھ]

مفتی اعظم ہند کا فتویٰ ملاحظہ کریں، پوچھا گیا کیا سلسلہ مداریہ جاری ہے؟ جواب میں تحریر کرتے ہیں:

"حضرت سیدنا قطب المدار قدس سرہ کا سلسلہ جاری ہے۔ سلسلہ خلفا ہی سے جاری ہوتا ہے. واللہ تعالیٰ اعلم۔"

فقیر مصطفی رضا صدر لہ

(قلمی فتوی بہ مہر مؤرخہ ۱۳۷۷ھ)

اس طرح انگنت حوالے ہیں جن کا استقصا یہاں ممکن نہیں تفصیل کے لیے کتب مداریہ ملاحظہ فرمائیں۔

اس سلسلے کے اجرا کا اندازہ اس سے لگا سکتے ہیں کہ حضرت قطب المدار قدس سرہ نے بعد وصال بھی خلافتیں تقسیم فرمائی ہیں۔ اس میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خلافت اویسیہ بھی شامل ہے۔ نیز یہ دلیل ملاحظہ ہو، شیخ منصور بن چاند، حضرت قاضی محمود دریائی بیجاپوری علیہ الرحمہ کے بابت لکھتے ہیں:

"حضرت غوث اعظم سید عبد القادر جیلانی و حضرت خواجہ معین الدین چشتی و حضرت شاہ بدیع الدین مدار قدس اللہ سرہم اجمعین از جانب خود خلافت دادہ مبارکبادیِ خطاب محبوبیت بداد"

[تحفۃ القاری، مخطوطہ پیر محمد شاہ لائبریری احمد اباد، سنہ کتابت ۱۳۰۲ھ] واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

الجواب

ہر وہ سلسلہ جس کی سند رسول کریم جانب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہو اس میں بیعت ہونا جائز ہے۔ سلسلہ عالیہ بدیعہ مداریہ طریقت و تصوف کا وہ عظیم و قدیم سلسلہ ہے جس کے روحانی پیشوا شمس الافلاک، قطب الاقطاب حضرت سید بدیع الدین احمد قطب المدار مدار رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس سلسلے میں بیعت ہونا بالکل جائز ہے۔ کیوں کہ اس کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔ بلکہ مشہور سلاسل طریقت میں یہ سلسلہ مداریہ سب سے کم واسطوں سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ چنانچہ تذکرہ مشائخ مداریہ میں شیخ غوث غوثی شطاری مندوی کی کتاب گلزار ابرار کے حوالے سے تحریر ہے کہ

"شیخ بدیع لدین مدار مرید شیخ محمد طیفور شامی ست، واو مرید بہ مراد شیخ یمین الدین شامی کہ خلیفہ خاص امام علم دار ست۔ ایں سلسلہ بجہت قلّت وسائط از روئے عدد واقرب سلاسل است"۔

ترجمہ: شیخ بدیع الدین مدار شیخ طیفور شامی کے مرید ہیں۔ شیخ طیفور شامی یمین الدین شامی کے مرید جو امام علمدار کے خاص خلیفہ ہیں۔ یہ سلسلہ واسطہ کم ہونے کی وجہ سے از روئے عدد سب سلاسل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہے۔

نیز اسی تعلق سے شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب اخبار الاخیار میں تحریر کرتے ہیں: درازئ عمر یا کسی دوری وجہ سے پانچ چھ واسطوں کے ذریعہ آپ کا سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔

اس کے علاوہ جواہر خمسہ، طبقات شاہجہانی و دیگر کتب تصوف میں اس کی وضاحت موجود ہے۔

آپ کا شجرہ سیر و سوانح میں یوں تحریر کیا گیا ہے:

حضرت شیخ بدیع الدین مدار، حضرت شیخ بایزید بسطامی، حضرت خواجہ حبیب عجمی، حضرت خواجہ حسن بصری، سیدنا امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم، نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ (مقالات طریقت)

اس کے علاوہ دیگر طرق سے بھی سرکار مدار پاک رضی اللہ عنہ کا شجرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔

سلسلہ عالیہ مداریہ وہ سلسلہ ہے جس کو اجلہ اولیائے کرام نے حاصل کیا اور سلسلے کی اجازت و خلافت لینے کے بعد اپنی نسبتوں کا اعلان بھی کیا۔

کتب طریقت و تصوف سیر و سوانح اولیائے کرام کا مطالعہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ عرب و عجم کے بے شمار خاصان خدا، مقربین بارگاہ الٰہی نے اس سلسلے کی اجازت و خلافت کو لے کر اپنے دامنوں کو فیضان مدار العالمین سے پُر کیا۔ اور علوم و معرفت سے مالا مال ہو گئے۔

بالخصوص ہندو پاک کے اندر شاید ہی کوئی سلسلہ یا خانقاہ باقی ہو کہ جس کے بزرگوں نے سلسلہ مداریہ میں بیعت و خلافت نہ لی ہو۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی صاحب اپنی کتاب تذکرہ مشائخ عظام صفحہ ۳۵۸/ پر تحریر کرتے ہیں کہ

"حضرت شاہ مدار کا دائرۂ ارشاد و تبلیغ کافی وسیع تھا۔ اور درازی عمر کے سبب کافی سے کافی لوگوں کو آپ سے فیضیاب ہونے کا موقع میسر آیا۔ ایک ایک مجلس میں ہزار ہا ہزار لوگ تائب ہو کر بیعت ہوتے۔ اس لیے مرید اور خلفا کی تعداد کی تعداد کا شمار ممکن نہیں"

چنانچہ کلیات امداد صفحہ ۶۷/ پر تحریر ہے کہ

"حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو سلسلہ چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ، کبرویہ، مداریہ اور قلندریہ کی اجازت و خلافت اپنے مرشد عبد الاحد رحمۃ اللہ علیہ سے اور ان کو اپنے مرشد شیخ رکن الدین سے اور ان کو اپنے مرشد شیخ القدوس گنگوہی سے حضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک"۔

سلسلہ برکاتیہ کے پیشوا سلسلہ قادریہ کے بزرگ صاحب البرکات حضرت شاہ برکت اللہ مارہروی قدس سرہ کو بھی سلسلہ مداریہ میں اجازت و خلافت حاصل ہے۔ چنانچہ تاریخ برکات صفحہ ۱۳، تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ برکاتیہ صفحہ ۲۴۳/ پر تحریر ہے کہ

"اپنے مرشد شاہ فضل اللہ کالپوی سے اجازت و خلافت سلاسل خمسہ قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ اور بدیعیہ مداریہ حاصل کی اور صاحب البرکات کا خطاب حاصل کیا۔"

اسی طرح فاضل بریلوی مولانا محمد احمد رضا خان صاحب کو بھی سلسلہ مداریہ کی اجازت و خلافت حاصل ہے۔

حضرت فاضلہ بریلوی کو مشائخ طریقت کے تیرہ سلسلوں میں اجازت و خلافت حاصل تھی۔ جن میں بارہواں سلسلہ "سلسلہ بدیعیہ مداریہ" ہے۔ آپ نے اپنی کتاب میں ان تمام سلسلوں کو شمار کرایا ہے جن میں آپ کو اجازت و خلافت حاصل ہے۔ اور وہ سلسلے یہ ہیں:

۱۔ قادریہ برکاتیہ جدیدہ، ۲۔ قادریہ آبائیہ قدیمیہ، ۳۔ قادریہ اہدایہ، ۴۔ قادریہ رزاقیہ، ۵۔ قادریہ منصوریہ، ۶۔ چشتیہ نظامیہ قدیمیہ، ۷۔ چشتیہ محبوبہ جدیدہ، ۸۔ سہروردیہ واحدیہ، ۹۔ سہروردیہ فضیلیہ، ۱۰۔ نقشبندیہ علائیہ صدیقیہ، ۱۱۔ نقشبندیہ علائیہ علویہ، ۱۲۔ بدیعیہ مداریہ، ۱۳۔ علویہ منامیہ۔

اسی طرح فاضل بریلوی کے مرید و خلیفہ مولانا ظفر الدین بہاری نے اپنی کتاب "حیات اعلیٰ حضرت جلد :۳، صفحہ :۳۳۴" میں فاضل بریلوی کا شجرہ مداریہ تحریر فرمایا ہے۔

چند اہم خلفائے کرام کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

۱۔ خواجہ سید ابو محمد ارغون مکن پور
۲۔ خواجہ سید ابو تراب فنصور مکن پور
۳۔ خواجہ سید ابو الحسن طیفور مکن پور
۴۔ خواجہ سید محمد جان من جنتی
۵۔ قاضی مطہر قلہ شیر ماور شریف
۶۔ قاضی محمود کنتور شریف
۷۔ مولانا حسام الدین سلامتی
۸۔ مولانا شاہ اجمل بہرائچ
۹۔ سید جلال الدین بخاری بریلی شریف
۱۰۔ خواجہ شاہ جہند بدایوں
۱۱۔ سید شمس الدین
۱۲۔ میر سید احمد بادیا کولہوابن
۱۳۔ مولانا قاضی صدر الدین جونپور
۱۴۔ شاہ نصیر الدین

چودہ خلفائے کرام کے نام درج کیے ہیں۔

اسی طرح گلزار ابرار، تحفۃ الابرار، مرأت مداری و بحر ذخار میں خلفائے مدار العالمین کے اسماذکر کیے گئے ہیں۔

سلسلہ عالیہ مداریہ میں بیعت و خلافت کا سلسلہ حضرت سرکار زندہ شاہ مدار رضی اللہ عنہ سے شروع ہو کر تاہنوز جاری و ساری ہے۔

ہر دور میں مخلوق خدا سلسلہ مداریہ میں بیعت ہوتی رہی ہے۔ جہاں ایک طرف عامۃ المسلمین نے اس سلسلے کو حاصل کیا وہیں ساتھ ہی ساتھ خاصان خدا عظیم المرتبت اولیائے کرام نے بھی اس سلسلے میں اجازت و خلافت حاصل کی ہے۔ چنانچہ تارک السلطنت شاہ سمنان حضرت سید مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی نے بھی سرکار مدار پاک سے خلافت حاصل کی۔ لطائف اشرفی میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ

"حرمین شریفین کا سفر میں نے حضرت سید بدیع الدین مدار پاک رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کیا بوقت واپسی میں نے انھیں شایان شان رخصت کیا اور حضرت بدیع الدین مدار پاک نے مجھے خرقۂ محبت (خلافت) عطا فرمایا۔"

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی نقشبندی کو بھی سلسلہ مداریہ میں اجازت و خلافت حاصل تھی۔

لہٰذا کتب طریقت کا مطالعہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ بے شمار اولیائے کرام بشرگان دین نے سلسلہ مداریہ میں بیعت کی ہے۔ جو اس بات پر دال ہیں کہ اس سلسلے میں بیعت ہونا بالکل جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبـــــــ

اس کا ظاہر معنی متروک ہے۔ اس کی تشریح کرتے ہوئے ڈاکٹر شریف احمد قریشی نے لکھا ہے:

"یہ کہاوت اس وقت کہی جاتی ہے جب کوئی شخص کسی تکلیف یا مصیبت میں ہو جائے اور اس پر کوئی نئی مصیبت وارد ہو جائے یا اس پر کوئی ظلم کیا جائے۔ جب کسی شخص کو ایک کے بعد دوسری مصیبت یا پے در پے آفتوں کا سامنا کرنا پڑے تو لوگ کہتے ہیں "مرتے کو ماریں شاہ مدار"۔ مشہور ہے کہ حضرت بدیع الدین زندہ شاہ مدار جن کا مزار مبارک قصبہ مکن پور ضلع کانپور یوپی میں واقع ہے کو یہ قدرت حاصل تھی کہ جو صوفی مرتبہ فنا میں ہوتے تھے، آپ اپنی ریاضت اور کمال سے ان کو اس مقام سے نکال کر فناء الفنا میں پہنچا دیتے تھے۔ اسی وجہ سے یہ فقرہ کہ مرتے کو ماریں شاہ مدار زبان زد خاص وعام ہو کر ضرب المثل بن گیا" (اردو کہاوتیں، ص:۳۱۸)

لہذا اسے اس معنی میں استعمال کرنا ممنوع نہیں۔ اس طرح عربی میں بھی بہت سے محاورے مستعمل تھے مثلاً "ثكلتك أمك" وغیرہ۔ و اللہ تعالیٰ اعلم.

کتبـــــــ

"گویند کہ وے در مقام صمدیت کہ از مقامات سالکان است بود، تا دوازدہ سال طعام نخوردہ و لباسے کہ یک بار پوشیدہ، بار دیگر احتیاج بہ تجدید غسل او نشدہ" [اخبار الاخیار، ص:۳۲۶، مطبوعہ تہران]

ترجمہ: منقول ہے کہ انحضرت مقام صمدیت پر فائز تھے جو کہ سالکین کا مقام ہے۔ بارہ سال تک کھانا نہیں کھایا، لباس جو ایک بار پہنا دوسری بار اسے دھونے کی حاجت نہ ہوئی۔

امام نقش بندیت حضرت غلام علی دہلوی علیہ الرحمہ نے اسے اس طرح نقل کیا ہے:

"حق سبحانہ اجرائے کارخانۂ ہستی و توابع ہستی قطب المدار را عطا می فرماید، و ہدایت و ارشاد و رہنمائی گمراہان بدست قطب ارشاد می سپارد۔ بعد ازاں فرمودند کہ حضرت بدیع الدین شاہ مدار قدس سرہ قطب مدار بودند و شانے عظیم دارند و ایشاں دعا کردہ بودند کہ الٰہی مرا گرسنگی نشود و لباس من کہنہ نگردد، ہمچناں شد کہ بعد ازاں دعا در تمام عمر بقیہ طعامے نخوردند و لباس ایشاں کہنہ نگشت، ہموں یک لباس تا بہ ممات کفایت کرد"

[در المعارف، ص:۱۴۷-۱۴۸، محبوب المطابع دہلی]

یہ درست ہے کہ لفظ "صمد" دیگر صفات الٰہیہ و اسماء حسنہ کے مانند اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ البتہ ان کا اطلاق کسی درویش صفت انسان پر ہو سکتا ہے یا نہیں تو اس بابت محقق شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ثم اشتهر بين القوم أن العبد قد يتصف بصفات الله و يتخلق بأخلاقه و يروي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "تخلقوا بأخلاق الله" و قوله: "إن لله أخلاقا من تخلق بواحد منها دخل الجنة". فإن قلت: ظاهر هذا الكلام يشير إلى إثبات مشابهة بين العبد و بين الله سبحانه تعالى لأنه إذا تخلق بأخلاقه كان شبيها له و معلوم شرعا و عقلا أن الله تعالى ليس كمثله شيء و أنه لا يشبه شيئا و لايشبهه شيئا. قلنا: المراد بتخلق العبد بالأخلاق الإلهية حصول شيء شبيه بها بوجه من الوجوه على ما يناسب حال العبد و يتصور فى حقه و لا ينبغي أن يظن أن المشاركة فى كل وصف توجب المماثلة"

[لمعات التنقيح فى شرح مشكاة المصابيح، كتاب أسماء الله الحسنى، ص:۵۱-۵۲، دار الكتب العلميه بيروت]

خلاصۂ امر یہ ہے کہ محقق دہلوی علیہ الرحمہ کے نزدیک "تخلقوا باخلاق اللہ" کے تحت بندہ صفت الٰہی میں کسی ایک جہت سے متصف و مشابہ ہو سکتا البتہ تمام جہات کے ساتھ متصف ماننا درست نہیں چوں کہ یہ

مماثلت ہے نہ کہ من وجہ مشابہت۔ یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی کہے "فلان حصل علم استاذہ" حالاں کہ من کل وجہ علم استاذ حاصل نہیں تو مراد یہ ہے "یحصل له مثل علمه و شبهه" یعنی اسے علم استاذ کا مثل ومشابہ حاصل ہوا کما وقع فی اللمعات۔ اس پر ہم دوسری صفات الٰہیہ مثلاً محی ومیت وغیرہ کو بھی قیاس کر سکتے ہیں جو کہ انبیا اور صالحین کو بھی حاصل ہوئیں۔

اب ذیل میں چند ایسے حوالہ جات نقل کیے جاتے ہیں جو اس بات پر دال ہیں کہ مقام صمدیت کا ایک جز صلحاء امت کو بھی حاصل ہوا، جس میں حضرت قطب المدار حلبی سر فہرست ہیں:

شیخ احمد بن علی البونی علیہ الرحمہ شمس المعارف الکبری میں لکھتے ہیں:

"و اعلم أنه قد اجمع السلف رضي الله عنهم على ان الفتح الرباني والكشف الصمداني لا يصلح لمن في معدته مثقال ذره من الطعام وهو حد الصمدانيه الجسمانيه واختلف في ذلك فقيل يكون في اسبوعين والاشهر عندهم لا يكون الا بتمام الاربعين وهو ما شرطه الله في حق كليمه موسى عليه السلام في الاربعين لتطهر معدته من كثائف الاغذيه فتقوى روحانية روحه ويصفو عقله ويقوي قلبه وتطيب نفسه فهذه صمدانيه الارواح وقد حدها السلف الصالح الى ستين يوما وفيها تدرك عجائب الملكوت ولطائف الجبروت واسرار الملك واما صمدانية العقول المجموع الذات الانسانية فيسبعون يوما وهي انتهاء المدء للمتربصين و منها نشاة أخرى مختصة بأنوار إختصاصيته لم يعهدها احدا من ارباب الأحوال ولا من مراتب الاعمال فتكشب له الاسرار ويرفع عن اسراده الاستار وهو الذي مات بالفناء ثم احيا بالبقاء وهذه آخر مرتبة الصمدانية في الانسانية مجموع علمها و أنواع تجلياتها واما صمدانيه الطبائع فحدها ثمانية و عشرون يوما ولا اقل لسانك مبادئ اسرار الصمدانيه من احد واربعين يوما" [شمس المعارف الكبرى، ج:٢، ص:١٦١، المكتبة العلمية بيروت]

حاشیہ قونوی میں ہے:

" فالقصر لأن تمام الصمدية وكمالها منحصر فيه تعالى فلا ينافيه كون الصمدية أى السيادة متحققه في الجملة في غيره تعالى"

[حاشية القونوي على تفسير الامام البيضاوي ج:٢٠، ص:٤٩٤، دار الكتب العلمية بيروت]

تحفۃ السالکین میں ہے:

"مقام جوع رامقام صمدیت گویند و ھو مقام عالی لہ اسرار و تجلیات"

[تحفة السالكين، ص: ١١، افغانی دار الكتب دهلی]

شریف التواریخ میں ایک بزرگ سید سلطان محمد کے بابت مذکور ہے:

"آپ کو پیر روشن ضمیر حضرت سید شاہ عصمت اللہ کی توجہ سے مقام صمدیت کھل گیا تھا۔ آپ نے بارہ سال تک بالکل طعام نہیں کھایا۔" [شریف التواریخ، ج:۲، ص:۱۱۹۸، ادارہ معارف نوشاہیہ]

اسی میں لطائف الغرایب کے حوالے سے نقل ہے کہ حضرت غوث اعظم قدس سرہ کو مرتبہ صمدیت سے غوثیت و محبوبیت عنایت ہوا۔

مکتوبات صدی کے دیباچہ میں نقل ہے:

"سید العارفین سید علی ہمدانی سیر و سیاحت کرتے ہوئے آپ تک پہنچے۔ شرف زیارت سے مشرف ہوئے۔ عند التذکرہ سید العارفین نے سوال کیا کہ سالک کی رسائی مقام صمدیت تک ہو سکتی ہے یا نہیں آپ نے فرمایا کہ کچھ دنوں اپ یہاں تشریف رکھیں تو ممکن ہے کہ یہ راز منکشف ہو جائے چنانچہ سید العارفین چھ ماہ تک آپ کی خدمت میں رہے۔ خیال کرتے ہیں تو یہ دیکھتے ہیں کہ حاجت بشری آپ میں بالکلیہ باقی نہیں رہی ہے۔ یہ معاملہ دیکھ کر وہ عقدہ کھل گیا اور وہ مشکل حل ہو گئی۔ دل میں جو خدشہ تھا وہ بھی رفع ہو گیا۔"

[مکتوبات صدی، ص:۴۳، مطبوعہ سعید کمپنی کراچی]

حدیقۃ الاولیا میں ایک بزرگ شیخ عبد الرحمن پاک علیہ الرحمہ کے بابت درج ہے:

"صفات صمدیت کی ان پر ایسی غالب تھیں کہ کھانا پینا سونا ان کا بالکل موقوف ہو گیا تھا"

[حدیقۃ الاولیا، ص:۲۷، مطبوعہ ۱۳۰۷ھ]

شیخ مصطفی شاذلی مصری "صوم" کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"هو المقصود بالذات أعنی التنزيه للفردانية الصمدانية لأنه ورد ما معناه "رمضان اسم من أسمائه تعالى و هو الصمد و ورد عن النبي صلى الله عليه وسلم "تخلقوا بأخلاق الله" [جواهر الإطلاع و درر الإنتفاع، ص: ٥٣، دار الكتب العلمية بيروت] والله تعالىٰ اعلم.

کتبـــــــ

کیا حضور ﷺ قبل اعلان نبوت قطب المدار کے مرتبے پر فائز تھے؟

کیا قطب المدار بلاواسطہ اللہ تعالیٰ سے فیض پاتا ہے؟

بڑی مسرت کی بات ہے کہ آپ مفتیان کرام بڑی تیز گامی کے ساتھ جوابات فراہم کر رہے ہیں۔ اس پر آپ قابل مبارکباد ہیں۔ حضرت میرے ذہن میں دو سوال ہیں جن کے بابت مجھے شبہ ہے۔

اول یہ کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبل اعلان نبوت قطب المدار کے مرتبے پر فائز تھے جب کہ حدیث شریف میں ہے: "کنت نبیا و آدم بین الماء و الطین "یعنی میں اس وقت بھی نبی تھا جب ادم پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔

دوسرا یہ ہے کہ کیا قطب المدار بلاواسطہ اللہ تعالیٰ سے فیض پاتا ہے؟

مجھے امید ہے کہ آپ ہی ان سوالات کے بہتر جوابات دے سکتے ہیں، جلد جواب مل جائے تو مہربانی ہوگی۔ جزاک اللہ خیرا۔

سائل: حسن خان امروہہ

الجواب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر انبیا قبل نبوت جملہ مقامات ولایت کے سیاح ہوتے ہیں، مقام قطب المدار بھی مقامات ولایت سے ہے، لہذا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبل نبوت اس مقام پر فائز تھے اور دیگر مقامات طے کر کے مقام نبوت سے سرفراز ہوئے۔ حدیث روایت بالمعنی "کنت نبیا و آدم بین الماء و الطین "کا تعلق عالم ارواح سے ہے، جسے اہل علم نے نبوت باطنی اور تقدیر سے بھی تعبیر کیا ہے۔ صاحب فیض القدیر نے تو یہاں تک وضاحت کی ہے کہ یہی وجہ ہے حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے "نبیا "کہا، "انسانا "نہیں کہا۔ اور مقامات کے حصول و عبور کا تعلق عالم ظاہر سے ہے، جسے نبوت ظاہری اور عالم ظاہر سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔

فتوحات مکیہ میں ہے:

" فكل رسول لابد أن يكون نبيا وكل نبي لابد أن يكون وليا فكل رسول لابد أن

يكون نبيا وليا فالرسالة خصوص مقام فى الولاية"

[الفتوحات المكية، الباب الثامن و الخمسون و مأة فى معرفة مقام الرسالة، ج:٢، ص:٣٠٦،]

اسی میں ہے:

"ومنهم رضي الله تعالى عنهم الافراد ولا عدد يحصرهم وهم رجال خارجون عن دائره القطب وخضر منهم"

[الفتوحات المكية، ج:٣، ص:٣٠، الباب الثالث و السبعون فى المعارف، دار الكتب العلمية بيروت]

تفسیر روح البیان میں ہے:

"أن آخر درجات الولاية أول مقامات النبوة فهي تبتني على الولاية و معنى الفناء في الله والبقاء بالله و النبي لا يكون الا واصلا محرزا جميع مراتب التوحيد من الافعال والصفات والذات" [روح البيان فى تفسير القرآن، ج:١، ص:٣٩٩، دار الكتب العلمية بيروت]

بریقہ محمودیہ شرح طریقہ محمدیہ میں ہے:

" وما نقل عن بعض العارفين أن الولاية أعلى من النبوة فقيل في بيان مراده عن العارف الجامي أن جهة ولاية نبي اعلى من جهة نبوة ذلك النبي إذ كل نبي لا يكون نبيا ما لم يكن وليا. ولايته كسبية والنبوة وهبية والكسبية افضل من الوهبية.بل قيل إن النبوة إنما تحصل بالنهي والاستعداد لها وذلك بإكمال الولاية وإتمامها فدرجة جهة الولاية قبيل وقوع النبوة أقوى واكمل من درجات سائر الأولياء كلها اذ ولايتهم لن تعدهم الى النبوة" [البريقه المحمودية في شرح الطريقة المحمدية، ص:٣٠٦، دار الخلافة العالية]

شیخ عبد الغنی نابلسی لکھتے ہیں:

"فيعلم أنه النبي والرسول الجامع لجميع مراتب الولاية خصوصها وعمومها اعلى مرتبه عند الله تعالى من مرتبه الولي الذي نقصت ولايته بحيث لا يكون خصوص مرتبه نبوة التشريع للأمة عنده فيها و لا خصوص مرتبة رسالة"

[جواهر النصوص في حل كلمات الفصوص، ج:٢، ص:٨٢، دار الكتب العلمية بيروت]

حضرت شیخ احمد علی شناوی لکھتے ہیں:

"قال قوم: الخضر عليه السلام من الافراد وكان نبينا محمد صلى الله عليه وسلم قبل البعثة من الافراد كما مر" [شرح الجواهر الخمس، ج:١، ص:٦٨٨، دار الكتب العلمية بيروت]

چناں چہ اصول المقصود میں ہے:

"حضرت صلی اللہ علیہ وسلم در وقت خود قطب الارشاد بودند و قطب الابدال دراں وقت اویس قرنی بود"

[اصول المقصود، ص:٢٩٧، اصح المطابع لکھنؤ]

بہار شریعت میں ہے:

"نبوت کسبی نہیں کہ آدمی عبادت وریاضت کے ذریعے سے حاصل کر سکے بلکہ محض عطاء الٰہی ہے کہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے دیتا ہے ہاں البتہ دیتا اسی کو ہے جو قبل حصول نبوت تمام اخلاق رذیلہ سے پاک اور تمام اخلاق فاضلہ سے مزین ہو کر جملہ مدارج ولایت طے کر چکتا ہے"

[بہار شریعت، جلد اول / حصہ اول (عقائد کا بیان)، ص:٣٦، مکتبۃ المدینہ کراچی]

فواتح الرحموت میں ہے:

"واما قبل النبوة فالتحقيق، و عليه أهل الله من الصوفية الكرام أنهم معصومون أيضا من الكبائر والصغائر عمدا، كيف لا وهم إنما يولدون على الولاية ولا يمر عليهم طرفه عين وهم غير مشاهدين لله تعالى فولايتهم قوية من ولاية الاولياء"

[فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت، ج:٢، ص:١٢١، دار الكتب العلمية بيروت]

ابن حجر ہیتمی حدیث "کنت نبیا الخ" کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"وأجاب الغزالي عن وصف نفسه بالنبوة قبل وجود ذاته عند خبر "انا افضل الانبياء خلق واخرهم بعثا" بأن المراد بالخلق هنا التقدير لا الايجاد فانه قبل ان تحمل به امه لم يكن مخلوقا موجودا ولكن الغايات والكمالات سابقه في التقدير لاحقه في الوجود فقوله "كنت نبيا" اي في التقدير قبل تمام خلقة آدم اذ لم ينشا الا لينتزع من ذرية محمد صلى الله عليه وسلم.وذهب السبكي الى ما هو احسن وابين وهو أنه جاء أن الارواح خلقت قبل الاجساد فالاشارة "بكنت نبيا" إلى روحه الشريفه أو حقيقة من حقائقه ولا يعلمها الا الله" [أشرف الوسائل الى فهم الشمائل، ص:٣٤، دار الكتب العلمية بيروت]

فیض القدیر میں ہے:

" (كنت نبيا) لم يقل كنت انسانا ولا كنت موجودا إشارة إلى أن نبوته كانت موجودة في أول خلق الزمان في عالم الغيب دون عالم الشهاده فلما انتهى الزمان بالاسم الباطن إلى وجود جسمه وارتباط الروح به، انتقل حكم الزمان في جريانه إلى الاسم الظاهر فظهر بذاته جسما وروحا"

[فيض القدير شرح الجامع الصغير، ج:٥، ص:، دار المعرفة للطباعة و النشر بيروت]

حضرت مجدد الف ثانی حقیقت محمدی اور حقیقت احمدی کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"و نبوتے کہ پیش از خلق حضرت آدم علیہ نبینا و علیہ الصلاۃ والسلام آں سرور را حاصل بودہ وازاں مرتبہ خبر دادہ و گفتہ کنت نبیا و آدم بین الماء و الطین باعتبار حقیقت احمدی بودہ است کہ بعالم امر تعلق داعش و بہمیں اعتبار حضرت عیسی علی نبینا و علیہ السلام کہ کلمۃ اللہ بودہ اند و بعالم بیشتر مناسبت داشتہ بشارت قدوم آں سرور علیہ و علی آلہ الصلوات و التسلیمات باسم احمد دادہ فرمودہ و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔ و نبوتے کہ منشاۃ عنصری تعلق دارد نہ باعتبار حقیقت محمدی است بلکہ باعتبار حقیقتین است، لہذا دعوت ایں مرتبہ اتم است از دعوت مرتبۂ سابق چہ در آں مرتبہ دعوت او مخصوص بعالم امر بود و تربیت او مقصور بر روحانیان و دریں مرتبۂ دعوت او شامل خلق و امر است و تربیت او مشتمل بر اجساد و ارواح"۔[مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب دوصد و نہم، مطبع سعید کمپنی کراچی]

اور آپ کا دوسرا سوال کہ کیا قطب المدار بارگاہ الٰہی سے بلا واسطہ فیض پاتا ہے، اس کی تائید بھی کتب مستندہ معتمدہ سے ہوتی جیسا کہ شرح جواھر خمسہ میں ہے:

"والأولياء أنواع منهم قطب العالم وهو الواحد الذي محل نظر الله تعالى من العالم في كل زمان وهو يستفيض من الله بلا واسطه ولا يكون في كل زمان الى واحد وبوجود جميع الموجودات من اهل الدنيا والآخره يعنى من العالم السفلي و العلوي بوجوده قائم به ويسمى المدار أيضا"

[شرح الجواہر الخمس، ج:١، ص:٦٩٥، دار الکتب العلمیۃ بیروت] واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبـــــــ

کیا قطب المدار ولایت کا درجہ ہے ؟/اولیاے کرام کے مراتب و درجات کتاب و سنت سے ثابت ہیں ؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ کیا قطب المدار ولایت کا درجہ ہے ؟اور کیا اولیاء کے مراتب ودرجات کتاب وسنت سے ثابت ہیں ؟

سائل: انظر عقیل علوی، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

الجواب

مقام مداریت:

قران مجید بلاشبہ سارے عالم کے لیے ہدایت وارشاد کی اصل ہے۔ اس کی چھ ہزار دو سو چھتیس ۶۲۳۶/ ایات تین درجوں میں منقسم ہیں۔ اس میں بعض ایات محکمات ہیں توکچھ مجملات اور بعض ایسی متشابہات ہیں جن کے معانی ومطالب اللہ تعالیٰ اور رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے کے درمیان صیغہ راز ہیں۔ یہ تو قران حکیم کی بات ہے جو صفات باری تعالیٰ سے عبارت ہے۔

اولیاء اللہ ومحبوبان بارگاہ الٰہ جو ذات باری تعالیٰ کے مظاہر ونائبین ہیں انہیں بھی تین درجوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ان میں بعض وہ ہیں جن کا عرفان عوام وخواص کو کسی نہ کسی طرح ہو جاتا ہے اور بعض وہ ہیں جن کی شناخت صرف خواص ہی کر پاتے ہیں اور کچھ وہ بھی ہیں جن کی معرفت کماحقہ اخص الخواص بھی نہیں کر پاتے ہیں مگر جتنا اللہ جل جلالہ چاہتا ہے غالبا انہیں سے متعلق یہ حدیث قدسی ہے:

"اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم غیری." یعنی میرے اولیاء میری قباء رحمت میں رہتے ہیں میرے سوا کسی غیر کو ان کی معرفت نہیں ہوتی۔

امام محقق علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں کہ طریقہ ولایت میں مردان حق کا مشترکہ نام تو "عالم الانفاس" ہے۔ لیکن ان حضرات کے کئی طبقات ہیں اور مختلف احوال سے کئی وہ نام دار بھی ہیں جن میں یہ سب طبقات واحوال بحیثیت مجموعی پائے جاتے ہیں۔ اور کئی نفوس قدسیہ کو ان طبقات واحوال میں سے کچھ ملتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ ان اصحاب احوال ومقامات

کے ہر طبقہ کا ایک خاص لقب ہوتا ہے۔

پھر کچھ حضرات وہ ہیں جو ہر دور میں مخصوص عدد میں ہوتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جن کی تعداد متعین نہیں ہوتی۔ وہ کم و بیش ہوتے رہتے ہیں۔ (جامع کرامات اولیاء۔ اردو ص ۲۲۹۔ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ۔ امام محقق علامہ یوسف نبہانی)

وہ صاحب مراتب مردان حق جنکی تعداد مقرر ہیں ان کی کل سینتیس ۳۷ قسمیں ہیں، جن میں سے چند مشہور نام یہ ہیں:

۱: اقطاب۔

۲: ائمہ۔

۳: اوتاد

۴: ابدال۔

۵: نقباء۔

۶: نجباء۔

۷: حواری۔

۸: رجبی۔

۹: ختم۔

۱۰: قلب ادم علیہ السلام کے مطابق دلوں والے۔

۱۱: قلب نوح علیہ السلام کے مطابق دلوں والے۔

۱۲: ترجمان قلب ابراہیم علیہ السلام۔

۱۳: قلب جبرئیل علیہ السلام کے نمائندے۔

۱۴: قلب میکائیل علیہ السلام کے نمائندے۔

۱۵: قلب اسرافیل علیہ السلام کا نمائندہ فرد واحد۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قلب اسرافیل کے مطابق تھے۔

۱۶: مردان عالم الناس۔

۱۷: رجال الغیب وغیرہ۔

وہ اولیاء اللہ جنکے لیے عدد متعین نہیں ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

۱: ملامتیہ۔

۲: فقراء۔

۳: صوفیہ۔

۴: عباد۔

۵: معارف الٰہیہ۔

۶: زہاد۔

۷: رجال الماء

۸: افراد۔

۹: امناء۔

۱۰: قراء

۱۱: احباب۔

۱۲: محدثون۔

۱۳: اخلاء۔

۱۴: السمراء

۱۵: ورثہ۔

ان اولیاء کرام میں سے یہاں صرف اقطاب کی منزلت و مرتبہ پر خصوصی بحث کرتے ہیں ناچیز ابو الحماد کہتا ہے: قطب کی جمع اقطاب ہے۔

قطب کا لغوی معنی:

چکی کی کیل جس پر چکی گھومتی ہے۔ مدار کار سردار قوم۔ زمین کے محور کا کنارہ۔ ایک ستارہ کا نام جس سے قبلہ کی تعیین کرتے ہیں۔

قطب کا اصطلاحی معنی:

قطب وہ ہے جو اصالۃً یا نیابۃً سب احوال و مقامات کا جامع ہو۔

کبھی لفظ قطب میں صوفیاء کرام وسعت پیدا کر دیتے ہیں اور ایسے شخص کو بھی قطب کہہ دیتے ہیں جس پر مقامات میں سے کوئی مقام طاری ہوا ہو۔ یا وہ اپنے ابنائے جنس میں انفرادی مقام اپنے دور میں پیدا کر چکا ہو۔ اسی بناء پر شہر کے کامل کو اس شہر کا قطب کہہ دیتے ہیں اور کسی جماعت کے شیخ و مرشد کو اس جماعت کا قطب کہہ دیتے ہیں۔ یہ تو مجازی معانی تھے۔

لیکن مشایخ کی اصطلاح میں جب یہ لفظ بغیر اضافت استعمال ہو تو ایسے عظیم انسان پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جو زمانہ بھر میں صرف ایک ہی ہوتا ہے۔ بعض اسی کو غوث بھی کہتے ہیں۔ یہ مقربین خدا ہوتے ہیں اور اپنے زمانہ میں گروہ اولیاء کے اقا ہوتے ہیں۔ (جامع کرامات اولیاء: ص ۲۳۰)

بعض حضرات قطب کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ قطب وہ ہے جو عالم میں منظور نظر حق تعالیٰ ہو اور وہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کے قلب پر ہوتا ہے۔

(الدر المنظم فی مناقب غوث الاعظم ص: ۵۰). لطایف اشرفی).

حضرت شیخ اکبر فتوحات کے باب تین سو تراسی ۳۸۳ میں لکھتے ہیں کہ قطب کے سبب سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھتا ہے کل دائرہ وجود کو عالم کون و فساد سے اور امامین (ائمہ) سے عالم غیب و شہادت کو اور اوتاد کی وجہ سے جنوب و شمال کو مشرق و مغرب کو اور ابدال کی وجہ سے ساتوں ولایتوں کو محفوظ رکھتا ہے۔

اور قطب الاقطاب ان سب کو محفوظ رکھتا ہے کیونکہ وہ تو وہ شخص ہے جس پر سارے عالم کا امر دائر ہے۔

قطب علوم اسرار کا عالم ہوتا ہے

شیخ عبد الوہاب شعرانی "الیواقیت والجواہر" کے باب دو سو پچیس ۲۲۵/ میں لکھتے ہیں کہ قطب اپنی قطبیت میں قائم نہیں رہ سکتا تاوقتیکہ اس کو ان حروف مقطعات کے معانی نہ معلوم ہوں جو اوائل سور قرانیہ میں ہوتے ہیں۔ (الدر المنظم).

شیخ اکبر فتوحات کے باب دو سو ستر ۲۷۰/ میں لکھتے ہیں کہ قطب کا نام ہر زمانہ میں عبد اللہ اور عبد الجامع ہے اور اسکی تعریف یہ ہے کہ وہ موصوف باوصاف الٰہی ہو یعنی بمصداق "اتصفوا بصفات اللہ وتخلقوا

باخلاق اللہ "قطب اوصاف الٰہیہ سے متصف ہوتا ہے اور اخلاق سرمدیہ کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔ اس طور پر کہ اس میں تمامی معانی اسمائے حسنیٰ کی جلوہ باری ہوتی ہے۔

مزید فرماتے ہیں: قطب وہ مرد کامل ہے جس نے وہ چار دینار حاصل کیئے ہوں جس کا ہر دینار پچیس قیراط کا ہو اور ان سے مردان خدا کی کیفیت معلوم کی جاتی ہو۔ اور ان چار دینار سے مراد رسل، انبیاء، اولیاء اور مومنین ہیں اور ان سب کا وارث قطب ہوتا ہے۔ ناچیز ابوالحماد محمد اسرافیل حیدری المداری سرکار غوث الاعظم قدس سرہ سے ایک روایت الدر المنظم میں دیکھی ہے۔

ایک قطب کے تصرف کی حد

سرکار غوث پاک عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اقطاب کے لیئے سولہ عالم ہیں اور ہر عالم ان میں سے اتنا بڑا ہے جو اس عالم کے دنیاء واخرت دونوں کو محیط ہے مگر اس امر کو سوائے قطب کے کوئی نہیں جانتا۔ (الدر المنظم ص ۵۸)

یاد رکھیں اقطاب سے زمانہ کبھی خالی نہیں رہتا شیخ اکبر فتوحات میں چودھویں باب میں رقم فرماتے ہیں کہ امم گذشتہ کے تماما اقطاب کاملین حضرت ادم علیہ السلام سے لے کر عہد رسالت ماب تک کل پچیس ہوئے ہیں۔

وہ اقطاب جو انبیاء علیہم السلام کے قلب پر ہیں

شیخ عبدالرحمن چشتی بحوالہ فتوحات نقل فرماتے ہیں کہ بارہ اقطاب ایسے ہیں جو بعضے انبیاء علیہم السلام کے قلب پر ہیں جن میں پہلا قطب حضرت نوح علیہ السلام کے قلب پر ہے اس کا ورد سورہ یٰسین شریف ہے۔

دوسرا قطب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب پر ہے اس کا ورد سورہ نصر ہے۔

تیسرا قطب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قلب پر ہے اس کا ورد سورہ فتح ہے۔

چوتھا قطب حضرت داؤد علیہ السلام کے قلب پر ہے اس کا ورد سورہ زلزال ہے۔

پانچواں قطب حضرت سلیمان علیہ السلام کے قلب پر ہے اس کا ورد سورہ واقعہ ہے۔

بارہواں قطب حضرت شیث علیہ السلام کے قلب پر ہے اسکا ورد سورہ ملک ہے۔

اور قطب المدار قلب محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتا ہے اور بڑے شہر میں ہوتا ہے اس کا فیض عالم علوی وسفلی پر برابر ہوتا ہے۔

(مراۃ الاسرار اردو ص ۹۳. مطبوعہ: مکتبہ جام نور دہلی۔ شیخ عبد الرحمن چشتی)

تمام اقطاب قطب المدار کے محکوم ہوتے ہیں

اقطاب جتنے ہوتے ہیں سب کے سب قطب المدار کے محکوم و ماتحت ہوتے ہیں اور وہ بارہ اقطاب بھی جن کا ماسبق میں ذکر ہوا قطب المدار کے محکوم ہوتے ہیں ان بارہ قطبوں میں سے سات ہفت اقلیم کے ہیں یعنی ہر اقلیم میں ایک قطب اور پانچ قطب یمن کی ولایت میں رہتے ہیں ان کو قطب ولایت کہتے ہیں۔

قطب عالم یعنی قطب المدار کا فیض اقطاب اقالیم پر وارد ہوتا ہے اور اقطاب اقالیم کا فیض اقطاب ولایت پر آتا ہے۔

اور اقطاب ولایت کا فیض تمام اولیاء پر جاتا ہے اور یہی طریقہ قیامت تک رہے گا۔

(مراۃ الاسرار اردو... ص ۹۳۸. مطبوعہ مکتبہ جام نور دہلی شیخ عبد الرحمن چشتی)

قطب عالم، صاحب زماں، قطب الاقطاب اور قطب المدار ایک ہی شخص کا نام ہیں۔

سید السادات سید باسط علی قلندر قدس سرّہ الاطہر فرماتے ہیں قطب الارشاد قطب الاقطاب اور قطب عالم صاحب زماں اور قطب المدار ایک ہی شخص کے نام ہیں جو بالاصالت عرفان کی کنجی ہے۔

اور اقطاب کہ در اصل موصل الی اللہ ہیں اور وہ نیابت میں قطب الاقطاب کے رہتے ہیں اور اس قطبالاقطاب کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ چاہے انکو اپنی نیابت میں رکھے یا نہ رکھے۔

(مطالب رشیدی ص ۲٦۷. در المنظم فی مناقب غوث اعظم)

حضرت سید جعفر مکّی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت سیدنا نصیر الدین چراغ دہلوی کے مرید و خلیفہ ہیں اپنی کتاب "بحر المعانی" میں رقم فرماتے ہیں کہ قطب عالم ہر زمانہ میں ایک ہوتا ہے اور موجودات علوی اور سفلی کا وجود اس کے وجود کے سبب قائم ہوتا ہے اور بوجہ اس کے قطب عالم کے ہونے کے سب چیزیں قائم ہوتی ہیں اور بارہ اقطاب اس کے سوا ہوتے ہیں قطب عالم کو حق تعالیٰ سے بے واسطہ فیض پہنچتا ہے اور اسی کو قطب اکبر اور قطب الارشاد اور قطب الاقطاب اور قطب المدار بھی کہتے ہیں۔ (مراۃ الاسرار... ص ۹۱)

"تفسیر روح البیان" (مترجم زیر آیت و الجبال اوتادا.... پ. عمّ) میں مرقوم ہے کہ ہر زمانہ میں ایک قطب ہوتا ہے یہ قطب سب سے بڑا ہوتا ہے۔ اسے مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے قطب عالم، قطب کبریٰ، قطب الارشاد، قطب المدار، قطب جہاں اور جہانگیر عالم عالم علوی اور عالم سفلی میں اسی کا تصرف ہوتا ہے اور سارا عالم

اسکے فیض و برکت سے قائم ہوتا ہے۔ اگر قطب عالم کا وجود درمیان سے ہٹا دیا جائے تو سارا عالم درہم برہم ہو کر رہے جائے۔

قطب عالم براہ راست اللہ تعالٰی سے احکام و فیض حاصل کرتا ہے اور ان فیوض کو اپنے ماتحت اقطاب میں تقسیم کرتا ہے وہ دنیا کے کسی بڑے شہر میں سکونت رکھتا ہے بڑی عمر پاتا ہے۔

نور خام مصطفوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی برکات ہر سمت سے حاصل کرتا ہے وہ اپنے ماتحت اقطاب کے تقرّر، تنزّل اور ترقّی کے اختیار کا مالک ہوتا ہے ولی کو معزول کرنا ولایت کو سلب کرنا ولی کو مقرر کرنا اس کے درجات میں ترقی دینا اسی کے فرائض میں ہے۔

وہ ولایت شمس پر فائز ہوتا ہے لیکن اس کے ماتحت اقطاب کو ولایت قمر میں جگہ ملتی ہے قطب عالم اللہ تعالٰی کے اسم رحمٰن کی تجلی کا مظہر ہوتا ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مظہر خاص تجلّیّ الولایت ہیں قطب عالم سالک بھی ہوتا ہے۔ اس کا مقام ترقی پزیر ہوتا ہے حتّٰی کہ وہ مقام فردانیت تک پہنچ جاتا ہے وہی مقام محبوبیت ہے رجال اللہ میں اس قطب عالم کا نام عبد اللہ بھی ہے۔ (تفسیر روح البیان اردو ص ۱۲ زیر آیت "والجبال اوتادا" پ عم مترجم مولانا فیض احمد اویسی مطبوعہ رضوی کتاب گھر دہلی)

قطب المدار پر مخلوق کے احوال روشن رہتے ہیں... چونکہ قطب المدار پر خلق کے احوال گردش کرتے رہتے ہیں اس لئے قطب المدار مخلوق کے احوال کو جانتا ہے اور اس پر خلق کی حالت اشکارا ہوتی ہے۔

شیخ عبد الرزاق قاشانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "القطب فی اصطلاح القوم اکمل الانسان متمکن فی مقام الفردیّۃ تدور علیه احوال الخلق"

یعنی صوفیہ کی اصطلاح میں قطب المدار. اس کامل ترین انسان کو کہتے ہیں جو مقام فردیت پر فائز ہو جس پر مخلوق کے احوال دائر ہوں اور گردش کرتے ہوں۔ (رسالہ ابن عابدین الشامی ص ۲۶۵)

صاحب فتاویٰ شامیہ امام ابن عابدین الشامی قدس سرہ النورانی نقل فرماتے ہیں:

"الخلیفة الباطن هو سید اهل زمانه سمیَ قطباً لجمع جمیع المقامات والاحوال و دورانها علیه" (رساله ابن عابدین الشامی)

یعنی خلیفۂ باطن جو اپنے زمانہ والوں کا اقا ہوتا ہے اسی کو وہ قطب کہتے ہیں جسے قطب المدار کہا جاتا ہے

کیونکہ تمام مقامات واحوال کا وہ جامع ہوتا ہے اور تمام مقامات ومراتب اسی کے گرد دائر ہوتے ہیں اور گھومتے ہیں۔

لطائف اشرفی میں شیخ اکبر کے حوالے سے مرقوم ہے:

"اما القطب وهو الواحد الذی موضع نظر الله تعالٰی من العالم فی کل زمان وجمیع اوان وهو علی قلب اسرافیل علیه السلام و قطب الاقطاب باطن نبوته صلی الله تعالٰی علیه وسلم فلا یکون إلالورثته لا ختصاصه علیه السلام بلاکملیّة فلا یکون خاتم الولایة و قطب الاقطاب اِلّاعَلٰی باطِن خاتم النبوّة".

یعنی قطب وہ ہے جو عالم میں منظور نظر الٰہی ہوتا ہے وہ ہر زمانے میں ہوتا ہے اور وہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کے مشرب پر ہوتا ہے اور قطبیت کبریٰ جو قطب الاقطاب (قطب المدار) کا مرتبہ ہے اور یہ مرتبہ باطن نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور یہ مرتبۂ کمال صرف وارثان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اس لئے کہ آپ ہی اکملیت سے مختص ہیں تو خاتم الولایت اور قطب الاقطاب وہی ہوگا جو باطن خاتم نبوت پر ہو انتہی کلامہ۔

(لطائف اشرفی نقل از فتوحات فصل ۳۱ باب ۱۹۸)

عبارت بالا سے واضح ہوا کہ قطب المدار قطبیت کبریٰ کے مقام پر فائز ہوتا ہے

قطب المدار جسے قطب الاقطاب بھی کہتے ہیں وہی اکملیت کے ساتھ وراثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا حامل و متحمل ہوتا ہے اور قطب المدار قطب الاقطاب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی وراثت سے منتہائے درجہ ولایت خاتم الولایت کے منصب پر فائز ہوتا ہے۔ اور وہی ولایت خاصہ محمدیہ علٰی صاحبہا الصلاۃ التسلیم کا وارث کامل ہوتا ہے۔

ولایت خاصہ محمدیہ کا فیضان

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی اپنے مکتوبات میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ولایت خاصہ سے ولایت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہے ولایت محمدیہ علٰی صاحبہا الصلاۃ والسلام میں فنائے اتم اور بقائے اکمل حاصل ہوتی ہے تو جو نیک بخت اس نعمت عظمٰی سے مشرف کیا گیا اس کا جسم طاعت کے لئے نرم ہو گیا اور اس کا سینہ اسلام کے لئے کھل گیا اور اس کا نفس مطمئنہ ہو گیا اور اسکا نفس اپنے مولٰی سے راضی یو گیا اور اس کا مولٰی اس سے راضی ہو گیا اور اس کا دل رب تعالٰی کی ذات کے لئے خالص ہو گیا اور اس کی روح پورے طور پر صفات لاھوت کے مکاشفے کے

لئے ازاد ہو گئ اور اس کا سِرّ شیون واعتبارات کے ملاحظہ کے ساتھ موصوف ہو گیا اور اس مقام میں تجلیات ذاتیہ برقیہ سے مشرف ہو گیا اس کا لطیفہ خفی رب تعالیٰ کے تنزہ اور تقدس کبریا کے سامنے دریائے حیرت میں ڈوب گیا اس کا لطیفہ اخفیٰ اس ذات کے ساتھ بے کیف اور بے مثال طریقہ پر اتصال پزیر ہو گیا... "ھنیئاً لا رباب النعیم نعیمھا". ارباب نعمت کو نعمتیں مبارک ہوں۔ (مکتوبات جلد اول مکتوب نمبر ۱۳۵ امام ربانی مجدد الف ثانی)

کتبـــــــ

ہی حاصل ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے مروی ہونے والی بعض دعاؤں اور علماء کی طرف سے بیان کردہ تشریحات سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ اس طرح کے علوم کی دعا کرنا، جائز ہے۔

یہ واضح رہے کہ جو شخص اپنے علم پر عمل کرتا ہے، اور گناہوں و دنیاوی گندگیوں سے اپنے دل کو جس قدر زیادہ پاک صاف کرتا ہے، اس قدر زیادہ یہ علوم لدنیہ اس کے دل پر منکشف ہونے کا امکان ہوتا ہے، لہذا جو شخص ان علوم کا طلبگار ہو اسے چاہیے کہ وہ دعا کے ساتھ ساتھ ان باتوں پر عمل کرے۔

تفسیر کبیر میں ہے:

"المسألة الثالثة: قوله:﴿وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾ يفيد أن تلك العلوم حصلت عنده من عند الله من غير واسطة، والصوفية سموا العلوم الحاصلة بطريق المكاشفات العلوم اللدنية " (التفسير الكبير، جلد٢١، صفحه ٤٨٢، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ "اور ہم نے اسے اپنا علم لدنی عطا کیا" اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ علوم حضرت خضر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بغیر واسطے کے حاصل ہوئے تھے اور صوفیائے کرام ان علوم کو جو مکاشفات کے ذریعے حاصل ہوں، علوم لدنی کہتے ہیں۔

امام غزالی لکھتے ہیں:

"كل علم من لدنه ولكن بعضها بوسائط تعليم الخلق فلا يسمى ذلك علما لدنيا بل اللدني الذي ينفتح في سر القلب من غير سبب مألوف من خارج "

(إحياء علوم الدين، جلد٣، صفحه ٢٤، دار المعرفة، بيروت)

ترجمہ: یوں تو ہر علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے، لیکن بعض علوم مخلوق کے سکھانے سے حاصل ہوتے ہیں، تو ایسے علم کو علم لدنی نہیں کہتے، بلکہ علم لدنی تو وہ ہوتا ہے جس کا ظہور کسی خارجی معروف سبب کے بغیر ہی قلب پر ہو جاتا ہے۔

مشہور محدث حضرت علامہ علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"والعلم نور في قلب المؤمن مقتبس من مصابيح مشكاة النبوة من الأقوال المحمدية، والأفعال الأحمدية، والأحوال المحمودية يهتدى به إلى الله وصفاته وأفعاله

وأحكامه، فإن حصل بواسطة البشر فهو كسبي، وإلا فهو العلم اللدني المنقسم إلى الوحي والإلهام والفراسة" (مرقاة المفاتيح، جلد۱، صفحه ۲۸۰، دار الفكر، بيروت)

ترجمہ: علم مومن کے دل میں آنے والا وہ نور ہے، جو اقوال محمدیہ، افعال احمدیہ اور احوال محمودیہ کے نبوی طاق میں رکھے ہوئے چراغوں سے حاصل ہوتا ہے اور اس کے ذریعے آدمی اللہ، اس کی صفات، اس کے افعال اور اس کے احکام کی ہدایت پاتا ہے۔ پھر یہ علم/نور اگر بشر کے واسطے سے حاصل ہو، تو اسے کسبی کہتے ہیں اور اگر بشر کا واسطہ نہ ہو، تو پھر یہ علم لدنی کہلاتا ہے۔ علم لدنی کی مزید قسمیں ہیں، جو یہ ہیں، وحی، الہام اور فراست۔

مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ رحمۃ الرحمن لکھتے ہیں:

"علم نور الٰہی ہے، جو بندہ کو عطا ہوتا ہے، اگر بشر سے حاصل ہو، تو کسبی کہلاتا ہے ورنہ لدنی۔ لدنی کی بہت سی قسمیں ہیں: وحی، الہام، فراست وغیرہ۔ وحی انبیاء سے خاص ہے، الہام اولیاء اللہ سے، فراست ہر مؤمن کو بقدر ایمان نصیب ہوتی ہے۔ فراست والہام وہی معتبر ہے، جو خلاف شرع نہ ہو، خلاف شرع ہو، تو وسوسہ ہے۔"

(مراۃ المناجیح، جلد۱، صفحہ ۱۸۲، قادری پبلشرز، لاہور)

مشکوۃ میں بحوالہ ترمذی وابن ماجہ یہ حدیث پاک ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام یوں دعا کیا کرتے تھے:

" اللهم انفعني بما علمتني وعلمني ما ينفعني وزدني علما "

ترجمہ: اے اللہ! جو تو نے مجھے علم عطا کیا مجھے اس علم سے نفع عطا فرما اور مجھے وہ علم عطا فرما جو مجھے نفع دے، اور میرے علم میں اضافہ فرما۔

حدیث کے الفاظ "زدني علما" کی شرح میں حضرت علامہ علی قاری لکھتے ہیں:

" أي لدنيا يتعلق بذاتك وأسمائك وصفاتك "

(مرقاة المفاتيح، جلد:۵، صفحه ۱۷۲۸، دار الفكر، بيروت)

یعنی مجھے لدنی علم عطا فرما جس کا تعلق تیری ذات، تیرے اسماء اور تیری صفات سے ہے۔

اسی بریقہ محمودیہ شرح طریقہ محمدیہ میں ہے:

" كان صلى الله تعالى عليه وسلم مع علو رتبته يدعو كثيرا بقوله اللهم أرنا الأشياء كما هي»، وهي العلم اللدني الذي هو نتيجة الخدمة وثمرة الرياضة "

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلند رتبہ ہونے کے باوجود اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے: "اے

اللہ! ہمیں اشیاء اس طرح دکھا، جیسے وہ حقیقت میں ہیں۔" اور یہ علم لدنی ہے جو خدمت کا نتیجہ اور ریاضت کا ثمرہ ہوتا ہے۔(بريقة محمودية، جلد۲، صفحه ۳۳، مطبعة الحلبي)

علامہ مناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیث پاک کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"(ومن تعلم فعمل علمه الله ما لم يعلم) أي العلم اللدني الذي هو موهبة من الله... وقد ثبت أن دقائق علوم الصوفية منح إلٰهية ومواهب اختصاصية لا تنال بمعتاد الطلب فلزم مراعاة وجه تحصيل ذلك وهو ثلاث: الأول العمل بما علم على قدر الاستطاعة. الثاني اللجأ إلى الله على قدر الهمة. الثالث إطلاق النظر في المعاني حال الرجوع لأهل السنة ليحصل الفهم وينتفي الخطأ ويتيسر الفتح وقد أشار لذلك الجنيد بقوله: ما أخذنا التصوف عن القيل والقال والمراء والجدال بل عن الجوع والسهر ولزوم الأعمال"

ترجمہ: "جس نے علم سیکھا اور پھر عمل کیا، تو اللہ تعالیٰ اسے وہ علم عطا فرمائے گا، جسے وہ پہلے نہیں جانتا تھا۔" (الحدیث) یعنی علم لدنی عطا فرمائے گا، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عطیہ ہے۔ اور یہ بات ثابت شدہ ہے کہ صوفیاء کے علوم دقیقہ، عطیہ الٰہیہ اور خصوصی عطائیں ہیں، جنہیں معتاد طریقوں سے حاصل نہیں کیا جاسکتا، لہذا اس کے حصول کے خصوصی طریقے کی مراعات کرنا لازم ہوتا ہے اور اس طریقے میں یہ تین چیزیں ہیں۔ (۱) جو علم حاصل کیا، حسب استطاعت اس پر عمل کرنا۔ (۲) ہمت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا۔ (۳) معانی میں اہل سنت کے طریق کے مطابق غور و فکر کرنا، تاکہ اسے فہم حاصل ہو، خطا دور ہو اور فتح (اسرار کا انکشاف) اس کے لیے اسان ہو۔ اسی طرف حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے اس قول سے اشارہ کیا ہے کہ: ہم نے تصوف قیل و قال اور بحث و مباحثہ سے حاصل نہیں کیا، بلکہ بھوک، راتوں کو جاگنے اور اعمال کی پابندی سے حاصل کیا ہے۔(فيض القدير، جلد:٤، صفحه ٣٨٨، المكتبة التجارية الكبرى، مصر)

استکتبـــــــ

سودی کاروبار کرنے والے کے یہاں کھانا کھانا کیسا ہے؟

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

کیا فرماتے علماء دین مفتیان شرع متین در مسئلہ ذیل کہ سودی کے گھر کھانا کیسا ہے نیز جو شخص سود پر پیسہ لیتا ہے اس کے بارے میں شرع مطہر کا کیا حکم ہے جواب عنایت فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

سائل مولوی ناظر خان مداری بیرم نگر میر گنج بریلی یوپی الھند

لجواب

وہ شخص جس کا کاروبار سود یا حرام کاری پر مبنی ہو اور یقینی طور پر معلوم ہو کہ اس کا ذریعۂ معاش کسبِ حرام سود ہے، تو اس کی نہ دعوت طعام قبول کرنا جائز اور نہ ہی اس کے گھر کھانا کھانا جائز، ہاں اگر وہ سود کا کاروباری ہے، لیکن کھانا حلال قرض لے کر کھلاتا ہے، تو دعوت طعام قبول کرنے اور وہاں کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ بنیت اصلاح وہاں جانے کا ثواب بھی ملے گا۔

بنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

"و أما الإهداء و الضيافة فينظر إن كان غالبا المهدي و الضيف مالم يجز أن ذلك المال حلال، و إن كان غالبا ماله حلالا فلا بأس بأن يقبل حتى يتبين عنده أنه حرام"

(بنایہ شرح ھدایہ، ج:۱۲، ص:۲۰۹، فصل فی البیع، دار الکتب العلمیہ بیروت)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"آكل الربا وكاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه وغالب ماله حرام لا يقبل، ولا يأكل ما لم يخبره أن ذلك المال أصله حلال ورثه أو استقرضه، وإن كان غالب ماله حلالاً لا بأس بقبول هديته والأكل منها، كذا في الملتقط"

(فتاویٰ عالمگیری، ج:۵، ص:۴۲۳، کتاب الکراھیۃ، الباب الثانی عشر فی الھدایا و الضیافات، دار الکتب العلمیہ بیروت)

عیون المسائل میں ہے:

"و لو أن رجلا بدأ إليه إنسان، يكتسب من ربا أو رجل ظالم بأخذ أموال الناس أو أضافه، فإن كان غالب ماله من حرام فلا ينبغي له أن يقبل و لا يأكل من طعامه ما لم

يخبره أن ذلك المال أصله حلال ورثه أو استقرضه أو نحو ذلك و إذا كان غالب ماله حلال فلا بأس بأن يقبل هدية و يأكل منه مالم يتبين عنده أنه من حرام"

(عيون المسائل فی فروع الحنفية، ص: ۲۲۰، باب الاستحسان، دار الكتب العلميه بيروت)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

"و كذا دعوة من غالب ماله من حرام، ما لم يخبر أنه حلال و بالعكس يجيب مالم يتبين أنه حرام و آكل الربا و كاسب الحرام و لو أهدى إليه أو أضافه و غالب ماله حرام لا يقبل و لا يأكل مالم يخبره أن ذلك إلخ..."

(حاشية الطحطاوی على الدر المختار، ج: ۱۱، ص: ۷۰، كتاب الكراهية، دار الكتب العلميه بيروت)

سود لینا اور دینا دونوں سخت حرام ہیں، قرآن واحادیث میں اس کے متعلق سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، اور ایسا شخص سخت فاسق وفاجر ہے، اور حلال سمجھ کر یہ کام کرتا ہے تو کافر ہوا۔

شمس الائمہ سرخسی حنفی ایک حدیث نبوی کے نکات میں لکھتے ہیں:

"ثم بين شدة الحرمة في الربا بقوله: الآخذ والمعطي والكاتب والشاهد فيه سواء أي في المأثم .... والأصل في الكل قوله تعالى: {ولا تعاونوا على الإثم والعدوان}."

(المبسوط للسرخسی، ج: ۱۳، ص: ۱۳، كتاب الصرف، باب البيوع الفاسدة، دار الكتب العلميه بيروت) واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبـــــــ

الجواب

وعلیکم السلام و رحمة الله تعالیٰ و برکاته

ایسے نوحے سننا جائز نہیں، جس میں سینہ کوبی کی اواز ائے۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

عن عبد الله رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وآله وسلم قال لیس منا من ضرب الخدود وشق الجیوب ودعا بدعوی الجاهلیة.

(بخاری،الصحیح،ا: ٤٣٦،رقم ١٢٣٥،دار ابن کثیر،الیمامة بیروت)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: جو رخسار پیٹے، گریبان پھاڑے اور دور جاہلیت کی طرح چیخ چلائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

انھیں سننے کی دوسری خرابی یہ بھی ہے کہ ایسے نوحے بالعموم شیعوں کے لکھے ہوئے ہوتے ہیں، اور وہ ان میں اپنے فاسد عقائد کا برملا اظہار کرتے ہیں، مثلاً مولیٰ علی المرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم انبیا سے افضل ہیں، یا خلیفۂ بلا فصل ہیں وغیرہ، اسی لیے ایسے نوحوں کو سننا جائز نہیں، بلکہ ان کی جگہ سنی صحیح العقیدہ حضرات کے نوحے سنے یا پڑھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبـــــــ

الجواب

وعلیکم السلام و رحمة اللہ و برکاته

وہ اشیاء جن کا استعمال ابٹن (بکوا) میں کیا جاتا ہے تمام طاہر ہیں تو اس کو لگا کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں نماز ہو جاے گی وہ شخص بھی پاک رہے گا۔ اور اگر کسی ناپاک شئ کی امیزش ہو گی جیسا کے بتایا جاتا کہ مارکیٹ میں ملنے والے ابٹن میں الکوحل (شراب) کی امیزش ہوتی ہے اگر ایسا تو اس ابٹن کا استعمال جائز نہیں وہ خود ناپاک ہے اور اس شئ کو بھی ناپاک کر دیگا جس جگہ اس کو لگایا جائے گا۔

"عن انس، ان رسول الله صلى الله عليه وسلم راى عبد الرحمن بن عوف وعليه ردع زعفران، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: "مهيم"، فقال: يا رسول الله، تزوجت امراة، قال: "ما اصدقتها؟" قال: وزن نواة من ذهب، قال: "اولم ولو بشاة". قال ابو داود: النواة خمسة دراهم، والنش عشرون، والاوقية " (صحیح بخاری کتاب النکاح حدیث: ۵۵۵۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عبد الرحمٰن بن رضی اللہ عنہ کے جسم پر زعفران کا اثر دیکھا تو پوچھا: "یہ کیا ہے؟" انہوں نے کہا: اللہ کے رسول! میں نے ایک عورت سے شادی کر لی ہے، پوچھا: "اسے کتنا مہر دیا ہے؟" جواب دیا: گٹھلی (نواۃ) کے برابر سونا، آپ ﷺ نے فرمایا: "ولیمہ کرو چاہے ایک بکری سے ہی کیوں نہ ہو"

اس حدیث کے شروعات میں ہیں کہ نبی ﷺ نے عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے جسم پر زعفران لگا دیکھا آپ ﷺ نے پوچھا یہ کیا ہیں؟ عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے شادی کر لی۔

لھذا حدیثِ مذکورہ سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کے کپڑوں پر زردی لگی ہوئی تھی اور حضور نے اس سے روکا نہیں۔

بالاخر ابٹن کی مالش سے دولہا دلہن ناپاک نہیں ہوتے ہیں، کیوں حلال اور حرام پاک یا ناپاک کا حکم اسی وقت لگتا جب کوئی دلیل موجود ہو، جیسا کہ

"الحلال ما احلّ الله فی کتابه والحرام ماحرم الله فی کتابه وما سکت عنه فهو مما عفی عنه"
(مشکوۃ کتاب الاطعمہ باب آداب الطعام فصل دوم)

ترجمہ: حلال جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور جس سے خاموشی فرمائی وہ معاف ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا چیزیں تین طرح کی ہوتی ہیں ایک وہ جن کا حلال ہونا صراحۃً قرآن میں مذکور ہے دوسری وہ جن حرمت صراحۃً آگئی تیسری وہ جن سے خاموشی فرمائی یہ معاف ہے۔

شامی جلد اوّل کتاب الطہارت بحث تعریفِ سنت میں ہے:

"المختار انّ الاصل الاباحة عند الجمهور من الحنفيّة و الشافعيّة"

جمہور حنفی اور شافعی کے نزدیک یہی مسئلہ ہے کہ اصل مصباح ہونا ہے۔

اسکی تفسیر خازن وروح البیان و تفسیر خزائن العرفان وغیرہ نے بھی تصریح کی ہے۔

ہر چیز میں اصل یہی ہے کہ وہ مباح ہے ممانعت سے ناجائز ہوگی۔ ہاں ابٹن کا لیپ اتنا گاڑھا نہ ہو جو وضو کرتے وقت پانی کو جلد تک پہنچنے سے مانع ہو۔

کتبـــــــ

میں ممنوعات و محرمات مثلا گانے بجانا، نمازوں کا ترک کرنا، بے جا فضول خرچی کرنا، غیر محرم مردوں کا عورتوں سے اختلاط کرنا وغیرہ شامل ہوں، تو ایسا برتھ ڈے ولادت کی خوشی نہیں، بلکہ گناہوں پر رضامندی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبـــــــ

ترجمہ: اگر مالیدہ اور شیرینی کسی بزرگ کی فاتحہ کے لیے ایصال ثواب کی نیت سے پکا کر کھلا دے تو جائز ہے، کوئی حرج نہیں۔ و اللہ تعالیٰ اعلم.

کتبـــــــ

"ویخیر المالك بین اخراجه ومساواته بالارض کما جاز زرعه والنباء علیه اذا بلی وصار ترابا" (در مختار، باب صلوة الجنازة/ مطلب فی دفن المیت ج ۳ص ۱۴۵ زکریا)

کذا فی الهندیه.

البتہ جو قبریں نئی ہوں اور مردے کے باقیات گلے سڑے نہ ہوں تو انھیں اکھیڑنا مناسب نہیں کہ اندیشہ فتنہ ہے اور بے حرمتی نعش کا قوی امکان ہے۔

در مختار میں ہے:

"ولا یخرج منه بعد اهالة التراب الا لحق آدمی کان تکون الارض مغصوبة ویخیر المالك بین اخراجه ومساواته بالارض" (در مختار، مطلبه فی دفن المیت ج ۳ص ۱۴۵ زکریا)

عالمگیری میں ہے:

"میت دفن فی ارض انسان بغیر اذن مالکها کان المالك بالخیار ان شاء رضی بذلك وان شاء امر باخراج المیت وان شاء سوی الارض وزرع فوقها"

(الفتاوی الهندیه، ج: ۲ ص: ۴۷۲. قدیمی نسخه)

لہذا دونوں صورتیں ثابت ہو چکیں کہ اگر میت بالکل مٹی بن چکی ہو قبر پرانی ہو تو قبر کو برابر کر کے زمین کو ذاتی استعمال میں لانے کا مالک کو اختیار ہے۔ اور اگر قبر زیادہ پرانی نہ ہو تو انسب یہ ہیکہ قبر کو برابر نہ کرے مگر راجح یہی ہیکہ مالک کو بہر حال اختیار حاصل ہے جو چاہے کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبـــ

محمد خوشنود خان مداری
خادم مدرسہ عربیہ مدار العلوم گوونده پور سی بی گنج بریلی
وناظم اعلی دار الافتاء مداریہ
بتصحیح: مولانا مفتی محمد ندیم خان مصباحی مداری

الجواب صحیح و صواب و العلامة المجیب مصیب و مثاب.
مفتی محمد شاہد خان مرغوبی مداری گوونده پور سی بی گنج بریلی

میت کے کفر واسلام میں اگر اختلاف ہو تو کس کا قول معتبر؟

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کی میت کے کفرواسلام میں اگر اختلاف ہو، اس کے عقیدے کے بارے میں کس کا قول معتبر ہوگا؟ برائے مہربانی جواب عنایت فرمائیں نوازش ہوگی؟

سائل محمد مونس بیرم نگر میر گنج بریلی یوپی

الجواب

وعلیکم السلام ورحمة الله وبرکاته

اگر میت کے کفرواسلام میں اختلاف ہے کہ وہ مسلمان ہوا تھا یا کافر ہی تھا تو جو اس کے اسلام کا مدعی ہے اسی کا قول معتبر ہے، مثال کے طور پر ایک شخص کا انتقال ہوگیا اس کے والدین کافر ہیں اور اولاد مسلمان ہے والدین کا کہنا ہے کہ ان کا بیٹا کافر تھا اور وہ کفر کی حالت میں مرا ہے جبکہ اس کی اولاد یہ کہتی ہے کہ ان کا باپ مسلمان ہو چکا تھا، حالت اسلام میں انتقال ہوا ہے، تو مذکورہ بالا صورت میں میت کی اولاد کا قول معتبر ہوگا اور یہ اولاد اس کی ورثہ قرار پائے گی رہے کافر والدین تو ان کو ترکہ میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا۔

جیسا کہ در مختار ورد المحتار میں ہے:

وقع الاختلاف فی کفر المیت واسلامه فالقول لمدعی الاسلام، فلومات رجل وابواه ذمیان فقالا: مات کافرا وقال ولده المسلمون مات مسلما فمیراثه للولددون الأبوین بحر عن الخزانة.

(درالمختار وردالمحتار، کتاب القضاء/ باب کتاب القاضي إلي القاضي وغیره، مطلب: في فتح باب آخرللدار ج:۸ص:٦٣ ؛دارالکتب العلمیه بیروت)

اور بحر الرائق میں ہے:

"مات ذمي وله ابنان أحدهما مسلم فبرهن علي أن أباه مات مسلما الآخر علي أنه مات کافرا اقضي بالمیراث للمسلم منهماوان کان شهوده من الذمة وشهودالکافر من المسلمین." (البحرالرایق، کتاب الحوالة، باب التحکیم، مسائل شتي، ج:۷، ص:۷۳، دارالکتب العلمیه بیروت)

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"نصرانی مات وله ابنان احدهمامسلم والآخرنصرانی فاقام المسلم نصرانيين انه مات مسلماواقام النصرانی مسلميين أنه مات نصرانيا يقضي بالإرث للمسلم كذا في محيط السرخسي" وكذا لو اقام النصراني نصرانيين هكذا في الذخيره ويصلي علي الميت بقول ابنه المسلم أنه مات مسلمالا بشهادة النصرانيين.

(فتاوي عالمگیری ج۳ص: ٤٧٩، كتاب الشهادات، باب شهادة اهل الكفر، دار الكتب العلميه) والله تعالي اعلم.

کتبـــــــ

ما لو دعا لهم بالهداية و التوفيق لو كانوا أحياء"

[رد المحتار، ج:٢، ص:٢٣٥، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب فى الدعاء بغير العربية، دار عالم الكتب رياض]

تفسیر روح البیان میں ہے:

"ولا بأس بالدعاء للكافر الذمي بما يصلحه فى دنياه قال ابن الملك:الدعاء لأهل الكتاب بمقابلة إحسانهم غير ممنوع لما روي أن يهوديا حلب للنبي عليه السلام لقحة فقال عليه السلام اللهم جمله، فبقي سواد شعره إلى قريب من سبعين سنة"

[تفسير روح البيان، ج:٢، ص:٢٥٥، سورة النساء، دار الكتب العلمية بيروت]

اذکار نبویہ میں ہے:

"إعلم أنه لا يجوز أن يدعى له بالمغفرة و ما أشبهها مما لا يقال للكفار، لكن يجوز أن يدعى له بالهداية و صحة البدن و العافية و شبه ذلك"

[الأذكار النبوية مع شرحه الفتوحات الربانية، ص:١٧٣، باب ما يقوله المسلم للذمي، دار الكتب العلمية بيروت]

فیض القدیر میں ہے:

"و يجوز الدعاء للكافر أيضا بنحو هداية و صحة و عافية لا بالمغفرة إن الله لا يغفر أن يشرك به، و خرج باليهود و النصارى الذميين أهل الحرب، فلا يجوز الدعاء لهم بتكثير المال و الولد و الصحة و العافية، لأنهم يستعينون بذلك على قتالنا"

[فيض القدير شرح الجامع الصغير، ج:١، ص:٣٤٥، دار المعرفة بيروت]

حدیقہ ندیہ میں ہے:

"فى مسائل متفرقة إذا قال للذمي أطال الله بقاءك لا يجوز إلا أن ينوي ليسلم أو يؤدي الجزية لأن هذا الدعاء للإسلام أو لنفعة المسلمين كذا فى الخلاصة و الواقعات و غيرهما، منه بالتصريح له بذلك مالم يكن خائفا منه، فينوي ذلك له بقلبه و يدعو له فى الظاهر بما يناسبه قاصدا به ذلك." ملتقطا.

[الحديقة الندية شرح البريقة المحمدية، ج:٤، ص:٢٣٠، النوع الثامن و الثلاثون، دار الكتب العلمية بيروت]

ابن حجر ہیثمی تحفۃ المنہاج میں لکھتے ہیں:

"و يجوز الدعاء للكافر بنحو صحة البدن و الهداية و اختلفوا فی جواز التأمين على دعايه" [تحفة المنهاج، ج:۲/ ص:۸۸، المكتبة التجارية مصر] والله تعالیٰ اعلم.

كتبـــــــ

اور بحر الرائق میں خزانہ اکمل کے حوالے سے ہے:

مات ذمي وله ابنان أحدهما مسلم فبرهن على أن أباه مات مسلما والآخر على أنه مات كافرا أقضي بالميراث للمسلم منهما.

(البحر الرائق، ج:۷، ص:۷۳، كتاب الحوالة / باب التحكيم، ط. دار الكتب العلمية)

کتبہ

محمد ندیم خاں مصباحی مداری
المتدرب علی الافتاء بالجامعۃ الاشرفیہ، مبارکفور، اعظم گڑھ
۲۶ر ذوالقعدہ ۱۴۴۰ھ

شراب کو بطور دوا استعمال کرنا کیسا ہے

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

کیا فرماتے ہیں مفتیان ذوی الاحترام اس مسئلے کے بارے میں کہ شراب کے احکام کون کون سے ہیں اور کیا شراب سے خارجی علاج جائز ہے یا نہیں جواب عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

السائل: محمد ازاد پیلی بھیت

الجواب

وعلیکم السلام ورحمة الله وبرکاته

شراب کی متعدد قسمیں ہیں انھیں میں سے خمر بھی ہے، خمر: انگور کی شراب کو کہتے ہیں یعنی انگور کا کچا پانی جس میں جوش اجائے اور شدت پیدا ہو جائے اس میں یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں جھاگ پیدا ہو، اس کے احکام یہ ہیں کہ اس کی حرمت لعینہ ہوتی ہے، اس کی حرمت کا ثبوت نص قطعی سے ہے اور اس کی حرمت پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے، اس کا قلیل وکثیر سب حرام ہے اور پیشاب کی طرح نجس ہے، اس کی نجاست، غلیظہ ہے

اسے حلال بتانے والا کافر ہے، یہ مسلمان کے حق میں غیر متقوم ہے یعنی کسی نے مسلمان کی یہ شراب تلف کر دی تو اس پر ضمان نہیں ہے اس کو خریدنا درست نہیں ہے، اس سے کسی قسم کا انتفاع جائز نہیں، اور نہ اس سے باطنی علاج جائز ہے اور نہ خارجی علاج، نہ جانور کو پلا سکتے ہیں، اس کے پینے والے کو حد ماری جائے گی اگرچہ اسے نشہ نہ ہوا ہو اور اگر انگور کا شیرہ پکایا یہاں تک کہ دو تہائی سے کم جل گیا یعنی ایک تہائی سے زیادہ باقی ہے اور اس میں نشہ ہو تو یہ بھی حرام و نجس ہے، اور جس طرح اس کا پینا حرام ہے اسی طرح پلانا، بیچنا بکوانا، خریدنا، نچوڑنا، نچڑوانا، رکھنا رکھوانا، اس کا حساب و کتاب اور کاروبار کرنا سب حرام ہے۔ خمر کے علاوہ شرابوں کی حرمت نص قطعی سے ثابت نہیں ہے، البتہ ان سے حرمت ثابت ہوگی اگر ان سے نشہ پیدا ہو، اور ان کا منکر کافر نہیں ہے۔

جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

"عن ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " لَعَنَ اللهُ الْخَمْرَ،وَشَارِبَهَا وَسَاقِيَهَا،وَبَائِعَهَا وَمُبْتَاعَهَا،وَعَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا،وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُولَةَ إِلَيْهِ"

(ابوداؤد "كِتَابٌ: الْأَشْرِبَةُ | بَابٌ: الْعِنَبُ يُعْصَرُ لِلْخَمْرِ ج ٣٦٧٤)

ہندیہ میں ہے:

"فالاشربة المتخذة من العنب أحدهما الخمر وهو اسم للني من ماء العنب بعد ما غلا واشتد وقذف بالزبدوسكن عن الغليان عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى."

(هنديه ج:٥ص:٤٦٧/ كتاب الاشربة/ الباب الاول،دارالفكر)

در مختار میں ہے:

"وحرم قليلها وكثيرها) بالإجماع (لعينها اي لذاتها... (وهى نجاسة مغلظة كالبول ويكفر مستحلها وسقط تقومها) في حق المسلم لا ماليتها في الأصح (وحرم الانتفاع بها ولو لسقي دواب أو لطين أو نظر للتلهي أو دواء او دهن أو طعام أو غير ذلك إلا لتخليل أو لخوف عطش بقدرالضرورة .... (ولا يجوز بيعها)... ويحد شاربها وإن لم يسكرمنها ويحدغيرها إن سكر..." (درمختار ج١٠،ص:٢٩/ كتاب الاشربة)

اور آگے اسی میں ہے:

”(ولا يجوز بها التداوي) علي المعتمد قاله المصنف قلت: ولو باحتقان أو أقطار في احليل .نهاية (ولا يجوز تخليلها ولو بطرح شئ فيها“

(تنوير الابصار ودرمختار ج ۱۰ ص: ۳۰، دار عالم الكتب، رياض)

کتبـــــــ

يؤكل فيها"

[كتاب السير للإمام محمد الشيباني، ج:١، ص:١٠٣، باب آنية المشركين و ذبايحهم و طعامهم، دار الكتب العلمية بيروت]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"الأكل مع المجوس و مع غيره من أهل الشرك، أنه هل يحل أم لا و حكي عن الحاكم الإمام عبد الرحمن الكاتب أنه ابتلي به المسلم مرة أو مرتين فلا بأس به و أما الدوام عليه فيكره كذا فى المحيط... ولا بأس بضيافة الذمي و إن لم يكن بينهما إلا معرفة كذا فى الملتقط و فى التفاريق لا بأس بأن يضيف كافرا لقرابة أو لحاجة كذا التمرتاشي"

[الفتاوى الهندية، ج:٥، ص:٤٢٦، كتاب الكراهية/ باب أهل الذمة و الأحكام التي تعود إليهم، دار الكتب العلمية بيروت]

اسی میں ہے:

"دخل ذمي على مسلم فقام له، إن قام طمعا فى إسلامه، فلا بأس، و إن قام تعظيما له من غير أن ينوي شيأ مما ذكرنا أو قام طمعا لغناه، كره ذلك، كذا فى الذخيرة"

[الفتاوى الهندية، ج:٥، ص:٤٢٨، كتاب الكراهية، باب أهل الذمة، دار الكتب العلمية بيروت]

ذخیرہ برہانیہ میں ہے:

"و لا بأس بطعام المجوس كله إلا االذبيحة"

[الذخيرة البرهانية، ج:٧، ص:٣٤٠، كتاب الاستحسان/ الفصل الخامس عشر فى أهل الذمة، دار الكتب العلمية بيروت]

کتبـــــــ

غیر مسلموں کے تہواروں میں شامل ہونا کیسا ہے؟

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسلہ میں کہ

۱۔ کیا کوئی مسلمان اہل سنت والجماعت ہندوستان میں غیر مسلم حضرات کے تیوہاروں مثل ویوالی وغیرہ کی مبارکباد دے سکتا ہے یا نہیں۔

۲۔ کیا ان تیوہاروں کی مبارکباد دینے سے نکاح ختم ہو جائے گا

۳۔ کیا مبارکباد دینے والا مسلمان کافر ہو جائے گا۔ کیا اس مسلم شخص پر تجدید ایمان اور تجدید نکاح واجب ہے؟ جبکہ یہ دارلاحرب ہے۔

براہ کرم قرآن وحدیث پاک کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ فقط

سائل: انوار صمدانی معرفت نیشنل بک ڈپو، بازاگذری امروہہ یو۔پی

الجواب

اسلام نے جہاں دیگر بھلائیوں کا حکم دیا ہے۔ وہاں نظام معاشرت اور اخلاق وکردار پر بھی خاصا زور دیا ہے۔ حسن معاشرت بلا تفریق مذہب وملت اسلام کے خصائص میں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

''وَقُوْلُوا لِلنَّاسِ حُسْناً'' (سورۃ البقرہ)

ترجمہ یعنی لوگوں سے بھلی باتیں کیا کرو۔

مزید ارشاد فرمایا:

''اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ'' (سورۃ النحل ۹۰)

یقیناً اللہ برابری اور احسان کا حکم فرماتا ہے۔

''لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ''

لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلاوطن نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک و احسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

مذکورہ بالا نصوص قرانیہ سے ظاہر و باہر اور ثابت ہوا کہ اسلام یہ تعلیم نہیں دیتا کہ اگر غیر مسلمین کی ایک قوم مسلمانوں سے برسرپیکار و امادۂ محارب ہے تو تمام غیر مسلمین کو بلا تمیز و تفریق ایک ہی درجے میں رکھ کر حکم صادر کر دیا جائے اور ان سے دور و نفور کو واجب قرار دیا جائے۔

مقتضائے حال کے مطابق ایسا کرنا حکمت و انصاف کے منافی ہے، اور خلاف امر واقعیہ بھی۔ دوسرے تمام مذاہب والوں کے ساتھ حسن سلوک اور تعاون و عدم تعاون کا اسلامی اصول تو یہی ہے کہ ان سے مؤدت و موالات کا تعلق قائم کرنا۔ ان کے مذہبی و دینی امور میں اشتراک و تعاون، تعلیماتِ اسلام کے خلاف ہے اسے ہمارا مذہب ناجائز و حرام ہی کہتا ہے۔

''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ'' (الممتحنة)

"من كثر سواد قوم فهو منهم." (نصب الراية للزيلعي، ص: ١٠٢، ج ٥)

البتہ ان کے (غیر مسلموں) ساتھ مشترک، سماجی، اجتماعی، وملکی، مسائل و معاملات، جن میں شرعی نکتۂ نظر سے اشتراک و تعاون میں کوئی ممانعت نہ ہو۔ ان میں ساتھ دینا چاہیے یہ انسانیت کی مجموعی طور پر خدمت اور اسلام کی خاموش دعوت بھی ہے۔

معاشرتی حسن سلوک اور اعلیٰ انسانی اقدار کا نمونہ پیش کرتے ہوئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم کی تیمار داری اور مزاج پرسی بھی کی ہے۔ علماء کرام کے محتاط طبقہ نے اس بابت اپنی رائے کا یوں اظہار فرمایا ہے کہ غیر مسلموں کے مذہبی تہواروں کے مواقع پر شرک و کفر ادنی سی بھی تعظیم و توقیر کئے بغیر دل میں کفر سے نفرت و کراہت رکھتے ہوئے صرف ظاہرا انکی خوشی و مسرت پر اچھے جزبات و نیک خواہشات کا اظہار کرنا۔ انہیں فرحت و مسرت اور شادمانی واسودگئی حال ک دعائیں دینا (مبارک باد دینا) حسن سلوک، برو احسان مواسات و مدارات کے قبیل سے ہونیکی وجہ سے جائز و مباح ہے اور یہ اس زمرے میں نہیں آتا جس پر کفر عائد ہوتا ہے ہو۔ یہ امر اخر ہے۔

"ولا باس بضيافة اللذى وان لم يكن بينهما الا معرفة كذا فى الملتقط. ولا باس بان يصل الرجل المسلم والمشرك قريباً كانا او بعيداً محاربا كانا او ذمياً." (الفتاوى هنديه ج ٥ ص ٣٤٥ دار الفكر)

کوئی حرج نہیں کافر ذمی کی ضیافت کرنے میں اگرچہ ان کے مابین جان پہچان نہ ہو۔ جیسا کہ ملتقط میں ہے، کہ مسلم و مشرک باہم صلہ رحمی کریں۔ چاہیں کہ قریبی ہوں یا دور سے ہوں۔ یا ذمی ہوں یا محارب۔ اب ہولی، دیوالی جو کہ مذاہب غیر کے تہوار ہیں ان مواقع پر حدود شرعی کو ملحوظ رکھتے ہوئے جواز کی صورت موجود ہے، تو ان مواقع پر مبارکباد دینے والا ناکافر ہوگا نہ خارج از ایمان، اور نہ اسکی بیوی اس کے نکاح سے نکلے گی۔ تجدید ایمان وبیعت کی اصلا حاجت نہیں۔ فی زماننا ہندوستان کے حالات کے پیش نظر مسلمانوں کو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

"عن ابن عباس قال لو قال لى فرعون بارك الله قلت وفيك و فرعون قد مات."

(صحيح الادب المفرد ص ٨٤٨)

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فرمان ہے کہ فرعون بحالت کفر مرا، لیکن اگر وہ برکت کی دعا کرتا تو میں بھی بدلے میں مبارک باد دیتا۔

صحابہ و تابعین و ائمۂ دین و اولیائے کاملین کا کفار و مشرکین کے ساتھ مصلحۃً محض دلاوری کے لیے موالات و معاشرت کرنا ثابت ہے۔

کتبـــــــ

الجواب

(۱) اگر یقینی طور پر معلوم ہو کہ یہ غیر مسلم ہے، تو اس کو سلام کرنا جائز نہیں، اگر اجنبی آدمی ہے اور علم نہیں کہ مسلمان ہے یا کافر تو ایسے شخص کو سلام کرنا نبوی تعلیمات کا حصہ ہیں، بعد میں معلوم ہوا کہ غیر مسلم تھا، تو کوئی مضائقہ نہیں۔

چنانچہ محیط برہانی میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت ہے:

"لا يسلم على اليهود و النصارى و المجوس"

[المحيط البرهاني، ج:٥، ص:٣٢٧، كتاب الإستحسان و الكراهية، نوع آخر فى العمل بخبر الواحد، الفصل الثامن فى السلام و تشميت العاطس، دار الكتب العلمية بيروت]

تفسیر روح المعانی میں ہے:

"و لا يسلم إبتداء على كافر لقوله عليه الصلاة والسلام لا تبدؤا اليهود و النصارى بالسلام فإذا لقيتم أحدهم فى طريق فاضطروه إلى أضيقه"

[تفسير الآلوسي، ج:٣، ص:٩٧، سورة النساء، دار الكتب العلمية بيروت]

رد المحتار میں ہے:

"(و أما من شك فيه) أى هل هو مسلم أو غيره؟و أما الشك بين كونه فاسقا أو صالحًا فلا إعتبار له بل يظن بالمسلمين خيرا، قوله (على العموم) المأخوذ من قوله ﷺ "سلم على من عرفت و من لم تعرف"

[رد المحتار، ج:٩، ص:٥٩١، كتاب الحظر و الإباحة، باب الإستبراء و غيره، دار عالم الكتب رياض]

(۲) البتہ غیر مسلم کے سلام کا جواب دے سکتا ہے، اور جواب میں صرف "وعلیک" یا "وعلیکم" کے مانند الفاظ کہے۔

چنانچہ حدیث کریم ہے:

"عن أنس رضي الله عنه، قال قال رسول الله ﷺ إذا سلم عليكم أهل الكتاب فقولوا و عليكم (متفق عليه) " [رياض الصالحين، كتاب السلام، ص:٧١، مكتبة المدينة كراتشي]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"و لا بأس برد السلام على أهل الذمة و لكن لا يزاد على قوله و عليكم"

[الفتاوى الهندية، ج:٥، ص:٤٠١، كتاب الكراهية، الباب السابع فى السلام و تشميت العاطس، دار الكتب العلمية بيروت]

(۳) کافر کے جنازے میں شرکت جائز نہیں، حرام ہے، البتہ وہ اس کو تعزیت بخش الفاظ کہہ سکتا ہے، چنانچہ نص جلی ہے:

"وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ" [سورة التوبة:٨٤]

احکام القران میں ہے:

"فيه الدلالة على معان، أحدها فعل الصلاة على موتى المسلمين و حظرها على موتى الكفار و يدل أيضا على القيام على القبر إلى أن يدفن و على أن النبي ﷺ قد كان يفعله ...حتى أنزل الله" و لا تصل على إلخ...فو الله ما صلى رسول الله ﷺ على أحد من المنافقين و لا قام على قبره بعده"

[أحكام القرآن للجصاص، ج:٤، ص:٣٥٢، ٣٥١، دار إحياء التراث العربي بيروت ١٩٩٦] واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبـــــــ

کیا ہو گا برائے کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر رہنمائی فرمائیں۔ نوازش ہو گی۔

سائل محمد اکرم قدیری، مہندر نگر کنچن پور نیپال

الجواب

و علیکم السلام و رحمة الله تعالی و برکاته

غیر مسلموں کے تیوہاروں مثلا ہولی یا دیوالی پر یا عیسائیوں کے تیوہار کرسمس ڈے پر مبارک باد پیش کرنا حلال سمجھ کر ہو یا ان تیوہاروں کی تعظیم میں ہو، تو یہ کفر ہے، اور اگر مذکورہ صورتیں موجود نہیں یعنی نہ تعظیم مقصود اور نہ ہی حلال جان کر مبارک باد دی، تو ایسا کرنا ناجائز اور حرام ہے، اور کرنے والا فاسق وفاجر۔

تبیین الحقائق میں ہے:

"و الإعطاء باسم النيروز و المهرجان لا يجوز أى الهدايا باسم هذين اليومين حرام بل كفر و قال أبو حفص الكبير رحمه الله:لو أن رجلا عبد الله خمسين سنة ثم جاء يوم النيروز و أهدى لبعض المشركين بيضة يريد به تعظيم ذلك اليوم فقد كفر و حبط عمله، وقال صاحب الجامع الأصغر: إذا أهدى يوم النيروز إلى مسلم آخر و لم يرد به التعظيم لذلك اليوم، و لكن مااعتاده بعض الناس لا يكفر، ولكن ينبغى أن لا يفعل ذلك فى ذلك اليوم خاصة و يفعله قبله أو بعده كى لا يكون تشبيها أولئك القوم و قد قال رسول الله ﷺ من تشبه بقوم فهو منهم"

[تبيين الحقايق، ج:٧، ص:٤٦٨، كتاب الختثى، مسائل شتى، دار الكتب العلمية بيروت]

مجمع الانہر میں ہے:

"و لا يجوز الإعطاء باسم النيروز و المهرجان أى الهدايا باسم هذين اليومين حرام بل كفر إن قصد تعظيم المذكور من النيروز و المهرجان كما بيناه فى موضعه"

[مجمع الأنهر، ج:٤، ص:٤٩١، كتاب الختثىٰ، دار الكتب العلمية بيروت]

صورت مسئولہ میں چونکہ زید نے مبارک باد جائز سمجھ کر نہیں دی، اسی لیے زید گنہ گار ہوا، توبہ ورجوع الی اللہ بجالائے، اور آئندہ اس سے پرہیز برتے، جو چیز ہنود یا غیر مسلموں کے شعار سے ہے، اس میں کسی طرح کی شرکت شریعت اسلامیہ میں جائز نہیں، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

"حلق الرأس ليس من شعار أهل الضلالة و الحكم بردة المسلم بهذا القدر لا يمكن و الاولى للمسلمين أن لا يوافقوهم على مثل هذه الأحوال لإظهار الفرح و السرور" [رد االمحتار، ج:١٠، ص:٤٨٦، كتاب الختثى، دار الكتب العلمية] والله تعالى أعلم.

كتبـــــــ

﴿فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ﴾ (سورہ یونس:۷۱)

"تم اکٹھے ہو کر اپنا معاملہ پختہ کرلو اور اپنے شریکوں کو جمع کرلو۔"

اجماع کی اصطلاحی تعریف

فقہاء کی اصطلاح میں کسی معاملہ پر امت اسلامیہ کے اہل حل و عقد کے اتفاق کرلینے کو اجماع کہتے ہیں۔

جیسا کہ منہاج الاصول میں ہے:

وَهُوَ اِتِّفَاقُ أَهْلِ الْحَلِّ وَالْعَقْدِ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم عَلَى أَمْرٍ مِنَ الأُمُوْرِ.

(منهاج الأصول الى علم الأصول : ناصر الدين ابو الخير عبد الله بن عمر بن محمد البيضاوى : ص،٢٤)

"حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اہلِ حل وعقد علماء کے کسی معاملہ میں اتفاق کرلینے کا نام اجماع ہے۔"

جمہور علماء نے اجماع کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"اِتِّفَاقُ الْمُجْتَهِدِيْنَ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ وَفَاتِهِ فِيْ عَصْرٍ مِنَ الْعُصُوْرِ عَلَى حُكْمٍ شَرْعِيٍ." (ابن امیر الحاج: التقریر و التجسیر، ج ۳، ص، ۸۰)

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کسی بھی زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے مجتہدین کا کسی شرعی حکم پر اتفاقِ رائے کرلینے کا نام اجماع ہے۔"

المدخل الی الفتاویٰ علی الھندیہ میں اجماع کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

" اتفاق المجتهدين من أمة محمد صلى الله عليه وسلم في عصر من العصور بعد وفاته -صلى الله عليه وسلم على حكم شرعي في واقعة من الوقائع"

(المدخل إلى الفتاوىٰ على الهندية: ١ / ٣٤، ط: اتحاد)

امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کے مجتہدین کا وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی زمانے میں کسی واقعے سے متعلق کسی حکم شرعی پر اتفاق رائے کرلینے کا نام اجماع ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اجماع کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اتفاق امة محمدٍ صلى الله عليه وسلم خاصة علىٰ امر من الامور الدينية"

امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کے خواص کا دینی امور میں سے کسی امر پر متفق ہوجانا اجماع کہلاتا ہے۔

اجماع امت علم قطعی یقینی کا موجب ہے

"اصول السرخسی" میں لکھا ہے کہ اجماع امت علم قطعی کا فائدہ دیتا ہے کیونکہ کہ مجتہدین امت کو اللہ تعالیٰ نے شرف و کرامت سے نوازا ہے اور دین اسلام نے ان کی یہ شان بیان کیا ہے کہ گمراہی اور بدمذہبیت پر ان کی رائے اکٹھا جمع نہیں ہو سکتی ہے۔

فرماتے ہیں:

" إجماع الأمة موجب للعلم قطعاً كرامة لهم على الدين لانقطاع توهم اجتماعهم على الضلال"

یہی فقہائے کرام اور اکثر متکلمین کا مذہب ہے یہ اجماع شرعا حجت موجبہ ہے، مجتہدین امت نے جس امر پر اجماع کر لیا وہ حکم قطعی کے درجہ میں ہو گیا۔

علامہ علی بن محمد الامدی (متوفی ۶۳۱ھ) فرماتے ہیں:

"اِتَّفَقَ أَكْثَرُ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى أَنَّ الاجْمَاعَ حُجَّةٌ شَرْعِيَّةٌ يَجِبُ الْعَمَلُ بِه عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ خِلاَفًا لِلشِّيْعَةِ وَالْخَوَارِجِ وَالنِّظَامِ مِنَ الْمُعْتَزِلَةِ." (الاحکام فی اصول الاحکام للآمدی: ص، ۲٦٦)

"اکثر مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اجماع حجت شرعیہ ہے اور تمام مسلمانوں کا اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ ماسوائے شیعہ، خوارج اور معتزلہ میں سے نظام کے کہ وہ اس کو نہیں مانتے۔"

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اجماع کو حجتِ شرعیہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حجتِ شرعیہ صرف اللہ کی کتاب، سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ کا اجماع ہے۔

علم کے تین درجات ہیں

علم کے تین درجات ہیں (۱) کتاب، (۲) حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم (۳) اور اس مسئلہ میں ائمہ مجتہدین کا اجماع جس کے بارے میں کوئی نصِ شرعی موجود نہیں ہے۔"

(اعلام الموقعین ج، ۱، ص، ۳۰، لابن القیم الجوزیہ)

اجماع کی اہمیت اور ضرورت

دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اللہ رب العزت قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے:

''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا''

[المائدہ ٥:آیت :٣]

اج میں نے تمہارا دین تمھارے لئے مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور اسلام کو تمہارے لیے بطور دین پسند کر لیا۔

اللہ رب العزت نے دین اسلام کو مکمل کر دیا ہے۔ حضور رسول اکرم جان دوعالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا، سلسلۂ انبیاء کا آپ پر اختتام ہو چکا ہے۔ جب تک نزول وحی کا دور تھا ہمارے لیے احکام الٰہیہ کے نزول کا بھی وہی دور تھا قرآن حکیم میں جتنے امور سے متعلق احکام دیئے گئے تھے وہ ہمیں کماحقہ رسول کریم صلّی اللہ علیہ والہ وسلم سے مل گئے اور اب چونکہ یہ ذریعہ ہدایت ہم سے منقطع ہو گیا ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جو جدید احکام قرآن مجید اور احادیث رسول سے واضح طریقے سے نہ مل پائیں وہ اس قابل ہونے چاہئیں کہ قرآن حکیم اور احادیث رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ان کا حصول ممکن ہو سکے اور چونکہ علماء امت ہی کو ایسے مسائل نکالنے کا تجربہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے کسی مسئلے کے متعلق ان کی متفقہ رائے ہمارے لیے سند قرار پا سکتی ہیں۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلّم کا فرمان مبارک ہے:

"إن الله لا يجتمع أمتي على الضلالة."

[محمد بن عبد الله الخطيب التبريزي: مشكوٰة المصابيح، حديث :١٧٣، ج:١]

اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر جمع نہیں فرمائے گا۔

دوسری حدیث میں فرمایا کہ:

"اتبعوا سواد الأعظم فإنه من شذ شذ فى النار "

سواد اعظم (بڑی جماعت) کی اتباع کرو، کیونکہ جو جماعت سے الگ ہوا وہ جہنم میں ڈالا جائے گا۔

[ایضاً حدیث: ١٧٤ ج، ١، ص: ٩٤]

اجماع کی اہمیت قرآن مجید کی روشنی میں

" وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا۔ " [النساء:٤:١١٥]

ترجمہ مدار الایمان: اور ہدایت کھل کر سامنے اجانے کے بعد جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اور مومنین کے راستے کے سوائے کسی اور راستے کی پیروی کی تو ہم اسے اسی طرف لے جائیں گے جدھر وہ خود گیا اور اس نے جانا چاہا اور اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے جو بہت برا ٹھکانہ ہے۔

مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ: اجماع حجت اس کی مخالفت جائز نہیں ہے جس طرح کتاب اللہ اور سنت کی مخالفت جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے راستے کے علاوہ کسی دوسرے راستے کی پیروی کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کو بمنزلہ شرط بیان فرمایا ہے اور وعید شدید کو بمنزلہ جزا بیان فرمایا ہے۔

جیسا کہ تفسیر کشاف میں ہے:

"هو دليل على ان الاجماع حجة لا تجوز مخالفتها كما لا تجوز مخالفة الكتاب والسنة لأن الله عز وعلا جمع بين اتباع سبيل غير المؤمنين وبين مشاقة الرسول فى الشرط و جعل جزاءه الوعيد الشديد فكان اتباعهم واجبًا كموالات الرسول عليه الصلاة والسلام" (تفسير الزمخشري:٤،:١١٥)

اس آیت میں دو چیزوں کا جرم عظیم اور دخول جہنم کا سبب ہونا بیان فرمایا ہے:

۱- رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلّم کی مخالفت، اور یہ واضح ہے کہ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم کی مخالفت ایک صریح کفر اور عظیم وبال ہے۔

۲- جس کام پہ ساری امت مسلمہ اتفاق رائے کر لے اس کے برعکس دوسرا راستہ اختیار کرنا شدید گمراہی اور باعث جہنم ہے۔

ان باتوں سے ظاہر ہوا کہ امت کا اجماع حجت ہے، یعنی جس طرح کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلّم میں بیان کردہ احکامات پر عمل کرنا اور ماننا لازم ہو جاتا ہے، بالکل اس طرح مسلمانوں کا جس چیز پر اتفاق ہو جائے اس چیز پر بھی عمل کرنا اور اس کو ماننا لازم ہو جاتا ہے اور اس کی مخالفت کرنا گناہ عظیم ہے۔

اجماع کی حجیت

جمہور کے پاس اجماع بھی کتاب اللہ اور سنت رسول اکرم صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم کی طرح حجت ہے، ان

کے پاس اجماع کی حجت کے بارے میں جو دلائل و براہین ہیں ان دلائل میں سے چند حسب ذیل ہیں:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا" [النساء:۵۹]

"ترجمہ مدار الایمان: اے ایمان والو! اللہ کی فرمانبرداری کرو اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو، اور تم میں جو اولی الامر حاکم ہے اس کی بھی، پھر اگر کسی چیز کے بارے میں اپس میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو، اگر تم اللہ پر اور قیامت کے روز پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہت بہتر ہے اور نتیجے کے اعتبار سے بھی بہت اچھا ہے۔

"وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا" [النساء: ٤ آیت، ١١٥]

ترجمہ مدار الایمان: اور ہدایت کھل کر سامنے اجانے کے بعد جس نے رسول {عربی صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم} کی نافرمانی کی اور مومنین کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کی تو اسے ہم اسی طرف لے جائیں گے جدھر وہ خود گیا اور اس نے جانا چاہا اور اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے جو بہت برا ٹھکانہ ہے۔

ایت بالا میں اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلّم کی مخالفت اور مؤمنین کے راستے کے علاوہ دوسروں کے راستے کو اختیار کرنے پر سخت وعید سنائی ہے۔ اور جس پر اللہ تبارک وتعالیٰ وعید سنائے وہ قطعی طور پر حرام ہو جاتی ہے، اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلّم کی مخالفت اور مؤمنین کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی صحیح نہیں ہو گی پھر جب یہ دونوں حرام ہیں۔ تو ان کے برعکس رسول اکرم صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم کی اتباع اور سبیل مؤمنین کی پیروی لازم ہو گی۔

دراصل مؤمنین کے اختیار کردہ راستے کا نام ہی اجماع ہے؛ اس لئے اجماع کی پیروی سب پر لازم ہے۔

پھر جب اجماع کی پیروی لازم ہو گئی تو اب اس کے حجت ہونے کا ثبوت بھی مل گیا۔

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت ابو سعید خدری، حضرت انس بن مالک، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص، حضرت ابو ہریرہ عبد اللہ بن صخر اور حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ایک روایت وارد ہے:

"إن أمتی لا تجتمع علی الضلالة" [مشکوٰۃ المصابیح: حدیث ۱۷۳، ج:۱، ص، ۹٤]
بلاشبہ میری امت کسی بھی حال میں گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔

عہد صحابہ میں اجماع

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سب سے پہلے اجماع کی ضرورت کو محسوس کیا؛ چنانچہ اس مقصد کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں کبار صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو باہر جانے سے روک دیا گیا تھا؛ تاکہ پیش امدہ مسائل کے حل کے لیے ان سے فائدہ اٹھایا جاسکے اور جس پر یہ تمام متفق ہو جائیں اسے اجماعِ امت سمجھا جائے۔

چنانچہ عہدِ صحابہ کرام میں اجماع کی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہے:

(۱) مثال کے طور پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے فیصلہ کیا کہ اگر کوئی شخص زکوٰۃ کا منکر ہے تو اس کو اسی طرح سمجھا جائے گا، جیسے کوئی شخص نماز کا منکر ہو اور جو نماز کا منکر ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ کے منکر کو بھی دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سربراہی میں ان لوگوں کے خلاف جہاد کیا جنہوں نے زکوٰۃ کا انکار کیا تھا۔ شروع میں بعض صحابہ کو یہ سمجھنے میں تامل ہوا کہ نماز اور زکوٰۃ کو ایک سطح پر کیسے رکھا جائے اور کسی ایک جزوی حکم کو نہ ماننے کو پوری شریعت کے انکار کے برابر کیسے مانا جائے؛ لیکن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسم کھا کر فرمایا: کہ قسم خدا کی میں نماز اور زکوٰۃ کے درمیان کوئی فرق نہیں کروں گا اور جس نے یہ فرق کیا میں اس کے ساتھ جنگ کروں گا، یہاں تک کہ میری جان چلی جائے۔ (بخاری)

(۲) اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام اور عراق کی مفتوحہ زمینوں کو فوج میں تقسیم کرنے کی بجائے وقف قرار دیا اور اس پر صحابہ کا اجماع ہو گیا۔

(الفقه الاسلامی و ادلته ج:۵، ص:۵۳۵، ڈاکٹر وهبه الزحیلی)

اور اس کی سند یہ تھی کہ زمین ان کے اصل باشندوں کے پاس رکھی جائیں اور ان پر خراج عائد کر دیا جائے؛ تاکہ مسلمانوں کو آمدنی ہو اور بیت المال مضبوط ہو جس کے نتیجے میں فوجیوں، سرکاری ملازمین، ضرورتمندوں کے اخراجات کا بندوبست ہو سکے اور دیگر رفاہی کام بھی انجام دیے جاسکیں۔

(۳) واقعہ یمامہ میں قرّاء حضرات کی بڑی تعداد کی شہادت کے بعد اس اندیشہ کے پیشِ نظر کہ اگر قراء یونہی شہید ہوتے رہے تو کہیں قرآن ضائع نہ ہو جائے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرآن کو مصحف کی صورت میں جمع کرنے پر اصرار کیا اور تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس رائے سے اتفاق کیا اور اس طرح صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اس اجماع کی صورت میں قرآن کریم کی تدوین عمل میں ائی۔ (الجامع لأحکام القرآن لابی عبداللہ محمد بن احمد القرطبی، جلد ۱، ص، ۵۰)

(۴) تیسری مرتبہ چوری کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول پر تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اجماع ہوا۔

(الفقه الاسلامی وادلته: ج ٦، ص: ٩٧)

(۵) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۲۰، رکعات تراویح کے حوالے سے کبار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اجماع اور باقاعدہ ان کی مشاورت سے اس کا حکم جاری فرمایا۔ (ایضا، ج: ۲، ص، ٤٤)

یہ بھی صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اجماع کی ایک واضح مثال ہے۔

اجماع کا دین میں حجت ہونا درجہ ذیل امور پر مبنی ہے:

اجماع کی اساس درج ذیل امور پر قائم ہے:

(۱) اجماع کی اساسِ اول یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پیش امدہ مسائل میں اجتہاد کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عام سیاسی امور میں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو جمع کر کے ان سے مشورہ طلب کرتے تھے۔ جب تمام لوگ ایک بات پر متفق ہو جاتے تو اس کو قانون کا حصہ بناتے اور اگر اختلاف رونما ہوتا تو اکثریت کا ساتھ دیتے۔

(۲) اجماع کی دوسری اساس یہ ہے کہ دور اجتہاد میں ہر امام کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ ان سے کوئی ایسا شاذ قول صادر نہ ہو جو ان کے یہاں فقہاء کے خلاف ہو؛ تاکہ اس کے طرزِ فکر کو اجنبی نہ سمجھا جائے؛ چنانچہ تمام ائمہ اپنے علاقہ کے اجماع کی بڑی سختی سے پابندی کرتے تھے۔

اجماع فقہائے کرام کی نظر میں

علامہ ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے "فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَ شُرَكَآءَكُمْ" [یونس: ۱۰، آیت: ۷۱] کے

بارے میں فرمایا:

"قد حكم الله تعالىٰ بصحة إجماعهم وثبوت حجة فی مواضع كثيرا من كتابه"

اللہ رب العزت نے قران حکیم میں بہت سی جگہوں پر اجماع کے صحیح اور اس کی حجت ہونے کو ثابت کیا ہے۔

{فن اصول فقه کی تاریخ ۲،ص:۷۵۹}

علامہ امدی نے "فاجمعوا امرکم وشرکاءکم" کے بارے میں اس طرح فرمایہ ہے:

"إنه تعالىٰ نهى عن التفرق ومخالفة الإجماع تفرق فكان منها عني. ولا معنى لكون الإجماع حجة سواه النهى عن مخالفتة."

[الجامع لاحكام القرآن لأبي عبد الله محمد بن احمد القرطبي ج :ص:١٦٤ مطبوعه دار الفكر بيروت]

اللہ تعالیٰ نے تفرقہ وانتشار سے روکا ہے اور ظاہر ہے کہ اجماع کی مخالفت تفرقہ ہے بس وہ ایسی چیز ہوگی جس سے روکا گیا ہے اور اجماع کا اسی کے سوائے کوئی معنیٰ نہیں جس کی مخالفت سے روکا گیا ہے۔

اجماع کی قسمیں

اجماع کی دو اقسام ذکر ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں:

۱-اجماع صریحی / قولی

۲-اجماع سکوتی

(۱)اجماع صریحی: اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی زمانے کے سارے مجتہد کسی مسئلے کے بارے میں اس طرح متفق ہو جائیں کہ وہ اسی کے متعلق صراحت سے اظہار کریں خواہ قول سے کریں یا افتاء سے کریں یا قضا سے کریں۔ یہ اجماع بالاتفاق حجت شرعیہ ہے۔

(۲)اجماع سکوتی: اسکا مطلب یہ ہے کہ کسی مسئلے کے بارے میں اگر کوئی مجتہد اپنی رائے پیش کرے اور پھر یہ مشہور ہو کر سارے مجتہد حضرات تک پہنچ جائے وہ سب بھی اس پر خاموشی اختیار فرمائیں۔ کوئی بھی صراحتاً انکار نہ کرے اور نہ ہی صاف طور پر اس کی حمایت یا تائید کریں، مگر اس میں شرط یہ ہے کہ ان کے رائے کے اظہار میں کوئی چیز مانع نہ ہو۔

اجماع سکوتی کے شرعی مقام و مرتبہ میں مختلف مکاتب فکر کی آراء

اجماع سکوتی کے شرعی مقام و مرتبہ میں امت کے علمائے کرام میں بھی اختلاف ہوتا ہے اس سلسلے میں علماء کے پانچ مکاتب فکر پائے جاتے ہیں جن کی اراء پیش کی جاتی ہے۔

پہلا مکتبہ فکر:

حضرت امام شافعی، امام مالک، امام باقلانی، اور عیسیٰ بن ابان کا ہے، ان کے مطابق اجماع سکوتی خود تو اجماع نہیں ہے اور اس کو حجت قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔

دوسرا مکتبہ فکر:

امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے حنفی فقہائے کرام کے مطابق اجماع سکوتی بھی صریح اجماع کی طرح ہے اور یہ حجت بھی ہے۔

تیسرا مکتبہ فکر:

ابو علی الجبائی کا ہے، وہ کہتے ہیں کہ کسی مجتہد کی کوئی رائے جب مشہور ہو جائے تو پھر دوسر علماء کی خاموشی کو اس دور میں اجماع نہیں کہا جائے گا۔ ان کے فوت ہو جانے کے بعد اس مسئلے کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ علماء کرام نے اس مسئلے پر خاموشی اختیار کی تھی اس لیے اب ان کی یہ رائے سکوتی اجماع کے ضمن میں اجائے گی، اس کا اہم سبب یہ ہے کہ جو لوگ صراحت سے اپنی رائے قائم فرما چکے ہوں وہ اس مباحثے کے تحت ایسے معاملات پر خوب مطالعہ و تحقیق کر چکے ہوتے ہیں۔ مسئلہ کے تمام جزئیات ان کے سامنے اچکی ہوتی ہیں، مگر جو لوگ خاموشی اختیار کرتے ہیں ان کی ایسی سکوت کو اجماع کی نسبت دینا درست نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ وہ بھی تحقیق و مطالعہ کے مرحلے سے گذر رہے ہوں یا ہو سکتا ہے کہ وہ ابھی کسی نتیجے پر نہیں پہنچے ہوں یا متردد ہوں اور وہ اپنی رائے کے اظہار کو اس وقت وہ مناسب تصور نہ کرتے ہوں اس لئے ان کی خاموشی کو سکوتی اجماع نہیں کہلایا جاسکتا۔

چوتھا مکتبہ فکر:

ابن حاجب مالکی، امام کرخی حنفی، ابوہاشم بن ابی علی اور علامہ امدی کے مطابق اجماع کی ایسی قسم کو در حقیقت اجماع قرار نہیں دیا جاسکتا مگر اسے دلیل کے طور پر اختیار کیا جاسکتا ہے۔

پانچواں مکتبۂ فکر:

ابن ابی ہریرہ کے نزدیک جن ادمیوں سے صریح اجماع کا صدور ہوا ہو اگر وہ لوگ حکومتی اختیار اور منصب رکھتے ہوں تو اس پر سکوت اختیار کرنے والوں کی طرف سے اجماع سکوتی منسوب نہیں کیا جاسکتا لیکن اگر صریح اجماع ان لوگوں کی طرف سے ہو جو حکومتی مناصب واختیار پر نہ ہوں تو پھر اس کو اجماع ہی کہا جائے گا اور اسے دلیل کے طور پر حجت بھی تسلیم کیا جائے گا۔ اس رائے کے ضمن میں یہ بات بھی ہے کہ امت کے اجتماعی فیصلے ہر طرح کے خوف، ڈر لالچ، ترغیب و تحریص اور ترہیب سے الگ رہ کر کئے جائیں۔

[فن اصول فقہ کی تاریخ: ج، ۲، ص: ۷۶۲، ۷۶۱]

اجتماعی فیصلوں کا اجماع جدید دور کے ذریعے تنسیخ:

کیا کوئی مجتہدین کا نیا اجماع سابقہ گذرے ہوئے اجماع کو منسوخ کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں اور ان دونوں کے بارے میں الگ اراء ہیں۔

اجماع منعقد ہونے کی شرائط

اجماع منعقد ہونے کے لیے علمائے اصول نے مندرجہ ذیل شرائط متعین کئے ہیں:

اجماع قابل حجت ہے اور اجماع کے لئے تمام مجتہدین کا کسی حکم پر متفق ہونا لازم ہے ورنہ اتفاق کے بغیر اجماع منعقد نہیں ہو سکتا۔

اجماع اس چیز پر کیا جائے گا جو قرآن وحدیث میں مذکور نہ ہو یا کسی نص میں ابہام ہو یا وہ نص تاویل کے قابل ہو۔ اجماع اجتہاد کے ذریعہ ہوتا ہے اگر کسی مجتہد کے کسی مسئلہ پر کئے ہوئے اجتہاد پر سارے مجتہدین متفق ہوجاتے ہیں تو وہ اجماع کی حیثیت پائے گا، اور ایسا اجماع اسی طرح قابل حجت ہے جس طرح قران اور سنت حجت ہیں۔

اجماع کے منعقد ہونے کی کچھ صورتیں اس طرح بیان کی گئی ہیں

۱- مطلوبہ مسئلے پر متفق ہونے والے تمام افراد مجتہد ہوں ورنہ اجماع معتبر نہ ہوگا۔

۲- مجتہدین کے اتفاق سے مراد تمام مجتہدین کا اتفاق ہے ایسا نہیں ہونا چاہیئے کہ صرف ایک شہر والے یا ایک بستی کے علماء ہی کسی مسئلے پر جمع ہوں کیونکہ ایک کی مخالفت بھی اجماع کے منعقد ہونے میں رکاوٹ ہے۔

۳- تمام مجتہدین مسلمان ہوں، یعنی کہ امت اسلامیہ کے مسلمان ہیں تو ہی مجتہد ہوسکتے ہیں نہ کہ غیر مسلم۔

۴- جب کسی مسئلے پر تمام مجتہد متفق ہو جائیں تو پھر ضروری ہے کہ اتفاقی فیصلہ عمل میں اجائے۔ علاوہ ازیں یہ شرط نہیں ہے کہ تمام مجتہدین کی موت بھی اس اتفاق پر ہی ہو۔

۵- اجماع کے لئے ضروری ہے کہ کسی شرعی حکم پر اتفاق ہو، نہ کہ طب، ریاضی یا لغت سے متعلقہ کسی مسئلے پر ہو۔

۶- صرف وہ ہی اجماع قابل قبول ہو گا جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلّم کے وصال کے بعد ہوا ہو۔

۷- اجماع کے لئے کسی شرعی دلیل کا ہونا بھی ضروری ہے

جس پر سب متفق ہوئے ہوں محض اپنی خواہش پر کیا جانے والا اجماع معتبر نہیں ہو گا۔

اجماع کے مراتب اور حسب مراتب احکام:

قوت وضعف اور یقین وظن کے اعتبار سے اجماع کے چار مراتب ہیں جو مختصر امندرجہ ذیل ہیں:

۱- کسی مسئلہ وواقعہ کے بارے میں صحابہ کا یہ کہہ کر اتفاق کرنا کہ تمام صحابہ اس پر متفق ہوگئے یہ اجماع عزیمت کے اعلیٰ قسم کا ہے۔ یہ حکم میں بمنزلۂ قرآن مجید وحدیث نبوی کے ہے۔

اکثر مشائخ حنفیہ کے نزدیک ایسے اجماع کا رد کرنا کفر ہے۔ جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر صحابہ کا متفق ہو جانا۔

۲- کسی مسئلہ پر صحابہ کرام کا اس طرح اتفاق کرنا کہ بعض زبان سے اسے اس کی قبولیت کا اقرار کریں یا اس پر عمل کریں اور دوسرے خاموش رہیں اور اس قول یا عمل کو رد نہ کریں یہ اجماع رخصت (اجماع سکوتی) ہے۔ یہ حدیث متواتر کی طرح ہے بشرطیکہ یہ تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچے، یہ پہلے قسم کے اجماع سے درجہ میں کم ہے ایسے اجماع کا منکر کافر نہیں ہے، بلکہ گمراہ کہلائے گا اس اجماع کی بنیاد قطعی دلیل پر ہوتی ہے، بعض علماء اصول کے نزدیک اگر اجماع سکوتی میں قرائن حال سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ سکوت کرنے والوں نے کسی قول سے اتفاق کرتے ہوئے خاموشی اختیار کی ہے تو اس کے انکار کرنے والا کافر ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلافت کے زمانے میں قبیلہ بنو تمیم اور غطفان نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا، ان کے انکار زکوات پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے خلاف جہاد کرنے کا ارادہ کیا،

ابتدا میں لوگوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مخالفت کی لیکن بعد میں سب کا اتفاق ہو گیا اور جن لوگوں نے سکوت اختیار کیا وہ آپ کے ساتھ متفق تھے کیونکہ جہاد میں صحابہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساتھ دیا۔

۳- صحابہ کے بعد تابعین و تبع تابعین کا کسی ایسے مسئلہ میں اجماع جس میں سلف نے کچھ نہیں کہا یہ اجماع بمنزلۂ حدیث مشہور کے ہے یعنی اس سے صرف طمانیت حاصل ہوتی ہے، یقین حاصل نہیں ہوتا بشرطیکہ اس میں صحابہ کا کوئی اختلاف نہ ہو۔ ایسے اجماع کا منکر صرف گمراہ ہے نہ کہ کافر۔

۴- صحابہ یا تابعین کے اقوال میں سے کسی قول پر متاخرین کا اتفاق کر لینا اس کا حکم اخبار احاد کی مانند ہے۔

یہ سب سے کم درجہ کا اجماع ہے اس سے مراد یہ ہے کہ صحابہ و تابعین کے زمانے میں کسی مسئلہ میں اتفاق ہو اور متاخرین ان اقوال میں سے کسی ایک قول پر متفق ہو جائیں۔ اس کی حجت ظنی ہے اور اس قول پر عمل کرنا لازم ہے یقینی واجب نہیں۔ امام غزالی اور بعض احناف کے نزدیک اس پر عمل واجب نہیں۔ اہل اصول کے نزدیک ہر قسم کا اجماع رائے اور قیاس پر مقدم ہے کیونکہ یہ بمنزلہ خبر متواتر، مشہور یا خبر واحد کے ہے اور حدیث کی ان تینوں قسموں کو رائے پر اور قیاس پر تقدم حاصل ہو گا۔

اجماع کی مثالیں

اجماع کی مثالیں درج ذیل بیان کی جاتی ہیں:

۱- مسلمان عورت کا کسی غیر مسلم مرد سے نکاح نہیں ہو سکتا۔

۲- پھوپھی اور بھتیجی، خالہ اور بھانجی کو بیک وقت ایک نکاح میں نہیں رکھا جا سکتا۔

۳- مفتوحہ اراضی کو فاتحین میں دیگر اموال غنیمت کی طرح نہیں بانٹا جائے گا۔

۴- اگر سگے بھائی بہن نہ ہوں تو باپ کی طرف سے بننے والے بھائی بہن کو ان کا حصہ دیا جائے گا۔

۵- رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلّم نے صرف دو رات تراویح کی نماز باجماعت پڑھی، اسکے بعد یہ فرما کر تراویح کی نماز باجماعت پڑھنی چھوڑ دی کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں یہ تمہارے اوپر فرض نہ کر دی جائے۔

[بخاری-ج،۱،ص،۱۵۲]

پھر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مابین عملاً و قولاً اختلاف رہا۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں پورے رمضان پابندی کے ساتھ باجماعت تراویح پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اجماع منعقد ہو گیا۔

۶-ایک مجلس کے دوران ایک ہی وقت میں تین طلاق دینے سے ایک طلاق شمار ہو گی یا تین طلاق واقع ہو جائے گی؟، اس معاملہ میں بھی اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلّم میں اختلاف رہا، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں اس پر اصحاب رسول علیہ السلام کا اجماع ہو گیا اور اس کے بعد سے جمہور علماء اس مسئلے پر متفقہ طور پہ چلے ارہے ہیں کہ ایک ہی مجلس میں تین طلاق دینے سے تین ہی واقع ہوتی ہیں۔

۷-اگر کوئی شخص کئی بار چوری کرے اور ایک مرتبہ میں اسکا دایاں ہاتھ اور دوسری مرتبہ میں اسکا بایاں پیر کاٹا جاچکا ہو اور پھر تیسری اور چوتھی بار چوری کرے تو اسکے ہاتھ و پیر کاٹ کر سزا دی جائے یا قطع کے علاوہ دیگر کوئی ایسی سزا دیجائے ؟۔ اس مسئلے میں اختلاف رہا ہے۔ اسکے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ایک صورت متعین فرمادی کہ تیسری چوتھی مرتبہ میں قطع نہ ہو گا اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس پر اتفاق کر لیا۔ پس یہی سلسلہ جاری ہو گیا، اس سے بھی معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں بھی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اجماع ہے۔

۸-رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلّم سے نمازِ جنازہ کی تکبیرات پانچ بھی منقول ہیں۔ اور سات، نو اور چار بھی، اسی لیے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مابین اسمیں بھی اختلاف رہا ہے۔ اسکے بعد امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کو جمع کر کے فرمایا کہ تم صحابہ کی جماعت ہو کر اختلاف کر رہے ہو۔ تو تمہارے بعد انے والوں میں کتنا شدید اختلاف ہو گا۔ پس غور و فکر کر کے چار تکبیرات پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اجماع ہو گیا۔

کتبـــ

ابو الحماد محمد اسرافیل حیدری المداری
دار الافتاء والقضاء جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الاولیاء
استانہ زندہ شاہ مدار مکن پور شریف کانپور نگر یوپی انڈیا۔

باغ فدک کی حقیقت اور شیخین پر اعتراض

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس بابت کہ باغ فدک کی حقیقت وحقانیت کیا ہے ؟ اس مسئلہ کو لے کر کچھ لوگ شیخین پر انگلی اٹھاتے ہیں مسئلہ کو تفصیل سے سمجھائیں۔

المستفتی محمد نستعین خان۔ خطیب وامام پنکی جامع مسجد زندہ شاہ مدار کٹرہ

الجواب۔ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

صورتِ مسئولہ میں باغِ فدک کے واقعہ کی حقیقت وحقانیت مندرجہ ذیل ہے:

مذکورہ واقعہ بخاری شریف میں کتاب المغازی اور مسلم شریف میں کتاب الجہاد میں مذکور ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ:

حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان اموال (ترکہ) سے اپنی میراث کا مطالبہ فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مدینہ اور فدک میں عنایت فرمائے تھے، اس موقع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کی وہ روایت مبارکہ سنائی "ہماری میراث تقسیم نہیں ہوتی، بلکہ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے" البتہ آل محمد اسی مال میں سے اپنی ضرورت پوری کرے گی اور خدا کی قسم جو صدقہ رسول اللہ ﷺ چھوڑ گئے اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں کروں گا، جس حال میں وہ حضور ﷺ کے عہد میں تھا اب بھی اسی طرح رہے گا اور اس میں وہی طرز عمل اختیار کروں گا جو حضور ﷺ کا اپنی زندگی میں تھا، اس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا راضی ہو گئیں۔

خود شیعوں کی کتاب میں ہے کہ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مذکورہ حدیث سنائی تو فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں اس پر راضی ہوں، چنانچہ شیعوں کی کتاب "محجاج السالکین" میں ہے:

"إن أبابكر رضي الله عنه لما رأي أن فاطمة انقضت عنه وهجرته ولم يتكلم بعد ذلك في أمر فدك كبر ذلك عنده فأراد إسترضائها، فأتاها فقال لها :صدقت يا إبنة رسول الله فيما ادعيت ولكني رأيت رسول الله صلى الله تعالي عليه وسلم يقسمها فيعطي الفقراء

والمساكين وابن السبيل بعد أن يؤتي منها قوتكم والصانعين بها فقالت: إفعل فيها كما كان أبي رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يفعل فيها فقال ذالک اللهُ علَيَّ أن أفعل فيها ماكان يفعل أبوك فقالت والله لتفعلن فقال والله أفعلن فقالت أللهم اشهد فرضيت بذلك وأخذت العهد عليه وكان أبوبكر يعطيهم منها قوتهم ويقسم الباقي فيعطي الفقراء والمساكين وابن السبيل -"

(محجاج السالکین بحوالہ تحفہ اثنا عشریہ (اردو) باب نمبر ۱۰ خلفاء ثلاثہ ....ص ۵۴۵، دار الاشاعت کراچی)

اور سب سے بڑھ کر خود حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں حضرت زید ابن علی ابن الحسین بن علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اگر میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی جگہ ہوتا تو یہی فیصلہ کرتا جو فیصلہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کیا۔

چنانچہ السنن الکبری للبیہقی میں ہے:

"أخبرنا أبوعبد الله الحافظ ... قال زيد بن على بن الحسين بن علي: أما أنا فلو كنت مكان أبي بكر رضي الله عنه لحكمت بمثل ماحكم به أبوبكر رضي الله عنه فى فدك."

(السنن الکبری للبیہقی: ۶/ ۳۰۲)

و في البداية و النهاية(۵/۲۵۳):

"و تكلمت الرافضة في هذا المقام بجهل عظيم و تكلفوا مالا علم لهم به و كذبوا بمالم يحيطوا بعلمه."

صحیح بخاری میں ہے:

"عن أبي اليمان، أخبرنا شعيب، عن الزهري، قال: أخبرني مالك بن أوس بن الحدثان النصري، أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه دعاه، إذ جاءه حاجبه يرفا، فقال: هل لك في عثمان، وعبد الرحمن، والزبير، وسعد يستأذنون؟ فقال: نعم فأدخلهم، فلبث قليلا ثم جاء فقال:هل لك في عباس، وعلي يستأذنان؟ قال: نعم، فلما دخلا قال عباس: يا أمير المؤمنين اقض بيني وبين هذا، وهما يختصمان في الذي أفاء الله على رسوله صلى

الله عليه وسلم من بني النضير، فاستب علي، وعباس، فقال الرهط: يا أمير المؤمنين اقض بينهما، وأرح أحدهما من الآخر، فقال عمر: اتئدوا أنشدكم بالله الذي بإذنه تقوم السماء والأرض، هل تعلمون أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: «لا نورث ما تركنا صدقة» يريد بذلك نفسه؟ قالوا: قد قال ذلك، فأقبل عمر على عباس، وعلي فقال: أنشدكما بالله، هل تعلمان أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قد قال ذلك؟ قالا: نعم، قال: فإني أحدثكم عن هذا الأمر، إن الله سبحانه كان خص رسوله صلى الله عليه وسلم في هذا الفيء بشيء لم يعطه أحدا غيره، فقال جل ذكره: {وما أفاء الله على رسوله منهم فما أوجفتم عليه من خيل ولا ركاب}[الحشر: ٦]- إلى قوله - {قدير} [الحشر: ٦]، فكانت هذه خالصة لرسول الله صلى الله عليه وسلم، ثم والله ما احتازها دونكم، ولا استأثرها عليكم، لقد أعطاكموها وقسمها فيكم حتى بقي هذا المال منها، فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينفق على أهله نفقة سنتهم من هذا المال، ثم يأخذ ما بقي فيجعله مجعل مال الله، فعمل ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم حياته، ثم توفي النبي صلى الله عليه وسلم، فقال أبو بكر: فأنا ولي رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقبضه أبو بكر فعمل فيه بما عمل به رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأنتم حينئذ، فأقبل على علي، وعباس وقال: تذكران أن أبا بكر فيه كما تقولان، والله يعلم: إنه فيه لصادق بار راشد تابع للحق؟ ثم توفى الله أبا بكر، فقلت: أنا ولي رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأبي بكر، فقبضته سنتين من إمارتي أعمل فيه بما عمل فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأبو بكر، والله يعلم: أني فيه صادق بار راشد تابع للحق؟ ثم جئتماني كلاكما، وكلمتكما واحدة وأمركما جميع، فجئتني - يعني عباسا - فقلت لكما: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: «لا نورث ما تركنا صدقة» فلما بدا لي أن أدفعه إليكما قلت: إن شئتما دفعته إليكما، على أن عليكما عهد الله وميثاقه: لتعملان فيه بما عمل فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبو بكر وما عملت فيه منذ وليت، وإلا فلا تكلماني، فقلتما ادفعه إلينا بذلك، فدفعته إليكما، أفتلتمسان مني قضاء

غير ذلك، فوالله الذي بإذنه تقوم السماء والأرض، لا أقضي فيه بقضاء غير ذلك حتى تقوم الساعة، فإن عجزتما عنه فادفعا إلي فأنا أكفيكماه."

(باب حديث بني النضير، ومخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم إليهم..٥/٨٩، ط: دار طوق النجاة)

نیز امام بیہقی کی "السنن الکبری" میں حضرت امام عامر شعبی سے ایک روایت ہے جس میں واضح طور پر موجود ہے کہ جب حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا مرض میں مبتلا ہو گئیں، تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور حضرت علی اور فاطمہ رضی اللہ عنہما کی اجازت سے گھر میں تشریف لے گئے اور دوران گفتگو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا کہ: میں نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ اللہ کی مرضی اور اس کے رسول کی مرضی اور اے آل رسول تمہاری مرضی اور خوشی کی ابتغاء اور جستجو کی خاطر کیا ہے، اس گفتگو کے دوران حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے خوشی ورضا مندی کا اظہار فرمایا، جو صاف الفاظ سے مروی ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں:

عن الشعبي قال: لما مرضت فاطمة رضى الله عنها أتاها أبو بكر الصديق رضى الله عنه، فاستأذن عليها، فقال على رضى الله عنه: يا فاطمة! هذا أبو بكر يستأذن عليك، فقالت: أتحب أن آذن له؟ قال: نعم، فآذنت له، فدخل عليها يترضاها، وقال: والله ما تركت الدار والمال والأهل والعشيرة إلا ابتغاء مرضاة الله ومرضاة رسوله ومرضاتكم أهل البيت، ثم ترضاها حتى رضيت. هذا مرسل حسن بإسناد صحيح.

(السنن الكبرى للبيهقي، باب بيان مصرف أربعة أخماس الفيء ... دار الفكر ٩/٤٣٦، رقم: ١٣٠٠٥)

پھر اس کے بعد کسی کو یہ کہنے کا کیسے حق پہنچتا ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وسلام اللہ علیہا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناراض ہو گئی تھیں، پورے ذخیرۂ حدیث میں کوئی ایسی روایت موجود نہیں ہے، جس میں حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناراض ہونا ثابت ہو، یہ محض روافض کی طرف سے بدگمانی پیدا کرنے کی گندی حرکت ہے۔

فقط و اللہ اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

کیمیکل والے خضاب کا حکم

آج کل جو خضاب اور مہندی کے نام پر مارکیٹ میں بک رہا ہے، جیسا کہ حنا وغیرہ، اسمیں زیادہ تر کیمیکل ملا ہوتا ہے کیا اس کا استعمال مردوں کیلئے جائز ہے؟

محمد نستعین خان مداری امام زندہ شاہ مدار مسجد پنکی کٹرہ کانپور نگر

الجواب۔ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صورت مسئولہ میں داڑھی اور سر کے بالوں میں مہندی لگانا یا منہدی کا خضاب لگانا کسی بھی عمر میں جائز ہے، البتہ خالص کالے رنگ کا خضاب لگانا جائز نہیں ہے، احادیثِ مبارکہ میں اس کی ممانعت اور سخت وعیدائی ہے، صرف حالتِ جہاد میں دشمن کو مرعوب رکھنے اور اس کے سامنے جوانی اور طاقت کے اظہار کے لیے کالا خضاب استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

چنانچہ ابوداود شریف کی روایت میں ہے:

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں: جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اخری زمانہ میں کچھ لوگ ہوں گے جو سیاہ خضاب لگائیں گے، جیسے کبوتر کا سینہ، ان لوگوں کو جنت کی خوشبو بھی نصیب نہ ہوگی"۔

لہٰذا خالص کالے رنگ کے علاوہ دیگر رنگوں کا خضاب لگانا جائز ہے۔ یہی حکم آج کل بازار میں دستیاب بالوں کے جدید کلر (رنگ) کا بھی ہے یعنی خالص سیاہ (کالا) کلر بالوں پر لگانا تو جائز نہیں ہے، البتہ کالے رنگ کے علاوہ دوسرے کلر مثلاً خالص براؤن، سیاہی مائل براؤن یا سرخ منہدوی (لال) کلر لگانا جائز ہے۔

عموماً جو کلر استعمال ہوتے ہیں (خواہ مہندی ہو یا کوئی جدید کیمیکل سے بنا رنگ) وہ دھونے کے بعد بالوں تک پانی پہنچنے سے مانع نہیں ہوتے، اس لیے ایسے خضاب سے رنگ آنے کے بعد وضو اور غسل ہو جائے گا۔ البتہ جس وقت مہندی وغیرہ سر یا داڑھی کے بالوں میں لگی ہوئی ہو اور وہ خشک ہو کر جمی ہوئی ہو (یعنی اس کی تہہ موجود

ہو) جو پانی پہنچنے سے مانع ہو تو اس حالت میں وضو اور غسل (فرض) نہیں ہو گا، اسے چھڑا کر وضو یا غسل کرنا ہو گا۔ اور اگر کوئی جدید کلر ایسا اجائے جسے لگانے کے بعد مستقل اس کی تہہ جم جاتی ہو دھونے سے بھی نہ ہٹتی ہو اور باقاعدہ تہہ محسوس بھی ہوتی ہو اور پانی پہنچنے سے مانع بھی ہو تو اسے لگا کر وضو اور غسل ادا نہیں ہو گا۔

سنن النسائی (۸/۱۳۸) میں ہے:

" أخبرنا عبد الرحمن بن عبيد الله الحلبي، عن عبيد الله وهو ابن عمرو، عن عبد الكريم، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس، رفعه أنه قال: «قوم يخضبون بهذا السواد آخر الزمان كحواصل الحمام، لايريحون رائحة الجنة»".

صحیح مسلم (۳/۱۶۶۳) میں ہے:

" وحدثني أبو الطاهر، أخبرنا عبد الله بن وهب، عن ابن جريج، عن أبي الزبير، عن جابر بن عبد الله، قال: أتي بأبي قحافة يوم فتح مكة ورأسه ولحيته كالثغامة بياضًا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «غيروا هذا بشيء، واجتنبوا السواد»".

الفتاوی الہندیۃ (۵/۳۵۹) میں ہے:

"اتفق المشايخ رحمهم الله تعالى أن الخضاب في حق الرجال بالحمرة سنة، و أنه من سيماء المسلمين و علاماتهم، و أما الخضاب بالسواد فمن فعل ذلك من الغزاة؛ ليكون أهيب في عين العدو فهو محمود منه، اتفق عليه المشايخ رحمهم الله تعالى. و من فعل ذلك ليزين نفسه للنساء و ليحبب نفسه إليهن فذلك مكروه، وعليه عامة المشايخ." فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کتبـــــــ

نقلی پلکیں اور ناخن لگانا/گجرے اور گلے میں ہار پہننا کیسا

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام درج ذیل مسائل میں کہ:

۱- نقلی پلکیں لگانا، نقلی ناخن لگانا، گجرے پہننا اور گلے میں پھولوں کا ہار پہننا جائز ہے یا نہیں؟

۲- مصنوعی پلکیں اگر عارضی نہ ہوں، بلکہ گوند وغیرہ سے سرجری کر کے مستقل چپکا دی جائیں جو تقریباً تین ماہ تک لگی رہیں، ان کا کیا حکم ہے؟ زینت اور علاج دونوں صورتوں کا حکم واضح فرمائیں۔ بعض اوقات اس میں جانور کے بال بھی استعمال کیے جاتے ہیں!

۳- سونے اور چاندی کے علاوہ انگوٹھیاں پہننا جیسے لوہے، اسٹیل، پیتل وغیرہ کی یہ جائز ہے یا نہیں؟

مستفتی عارض علی مسوان پور کانپور نگر یوپی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب۔ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

صور مسئولہ میں:

۱- واضح رہے کہ خواتین کے لیے جائز حدود میں رہ کر شوہر کی خاطر زینت اختیار کرنا پسندیدہ ہے، اور غیر محرموں کو دکھانے یا دیگر خواتین کے سامنے فخر و مباہات کی غرض سے زینت اختیار کرنا جائز نہیں ہے، اس کے علاوہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے دیگر ضرورت اور خوشی کے موقعوں میں پر زیب وزینت کرنا منع نہیں ہے۔

لہذا عورتوں کے لیے شوہر کے سامنے زینت کی خاطر (انسان اور خنزیر کے بالوں کے علاوہ کی) مصنوعی پلکیں، گجرے پہننا اور گلے میں پھولوں کا ہار پہننا جائز ہے، بشرطیکہ ان مصنوعی پلکوں سے محض دکھلاوا، یا دھوکا دینا یا خلافِ حقیقت صورت کا اظہار مقصود نہ ہو، البتہ وضو کے لیے مصنوعی پلکیں نکال کر وضو کرنا ضروری ہوگا۔ تاہم مصنوعی ناخن لگانا قباحت سے خالی نہیں، مکروہ ہے؛ کیوں کہ شریعت نے ناخن بڑھانے کا حکم نہیں دیا، بلکہ تراشنے کا حکم دیا ہے، جب کہ مصنوعی ناخن لگانے میں ان کے بڑے ہونے کا اظہار ہے۔

۲- انسانی بالوں یا خنزیر کے بالوں کی بنی ہوئی پلکیں لگانا جائز نہیں ہے۔ اگر مصنوعی بالوں یا خنزیر کے علاوہ کسی جانور کے بالوں سے بنی ہوں اور عارضی طور پر پہنی یا لگائی جائیں تو ان کا حکم اوپر گزر چکا ہے، پھر اگر گوند سے

چپکائی گئی ہوں اور وضو / غسل کے لیے ان کو نکالا جاسکتا ہو تو نکال کر پانی پہنچانا ہو گا، اور گوند وغیرہ کی تہہ لگی ہو تو اسے چھڑانا بھی ضروری ہو گا۔ اور اگر ہر مرتبہ نکالنا مشکل ہے تو اوپر سے پانی بہایا جائے، حتی الامکان کوشش ہو کہ پانی اندر کی جلد تک پہنچ جائے۔

اور اگر سرجری کر کے اس طور پر پلکیں لگادی جائیں کہ پھر نہ نکلیں اور جسم کے دیگر بالوں کی طرح بڑھتی بھی ہوں (یعنی وہ جسم کا حصہ بن جائیں اور ان میں نشو و نما کی صلاحیت پیدا ہو جائے) تو علاج اور ازالۂ عیب کی غرض سے اس کی اجازت ہو گی بشرطیکہ وہ بال کسی دوسرے انسان یا خنزیر کے نہ ہوں۔

۳- سونے اور چاندی کے علاوہ دیگر دھاتوں (لوہے، اسٹیل، تانبے وغیرہ) کی انگوٹھی پہننا مکروہ (تحریمی) ہے۔

صحیح بخاری میں ہے:

"عن أبي هريرة رضي الله عنه سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: الفطرة خمس: الختان، والاستحداد، وقص الشارب، وتقليم الأظفار، ونتف الآباط."

(كتاب اللباس، باب تقليم الاظفار، ج:٧، ص:١٦٠، ط:دار طوق النجاة)

ترجمہ: پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں: ختنہ کرنا، زیر ناف بال مونڈنا، مونچھیں چھوٹی کرنا، ناخن تراشنا اور بغل کے بال اکھیڑنا۔"

فتاویٰ شامی میں ہے:

"ووصل الشعر بشعر الآدمي حرام سواء كان شعرها أو شعر غيرها؛ لقوله صلى الله عليه وسلم : «لعن الله الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة والواشرة والمستوشرة والنامصة والمتنمصة». النامصة: التي تنتف الشعر من الوجه. والمتنمصة: التي يفعل بها ذلك.(قوله: سواء كان شعرها أو شعر غيرها)؛ لما فيه من التزوير كما يظهر مما يأتي، وفي شعر غيرها انتفاع بجزء الآدمي أيضاً، لكن في التتارخانية: وإذا وصلت المرأة شعر غيرها بشعرها فهو مكروه، وإنما الرخصة في غير شعر بني آدم تتخذه المرأة لتزيد في قرونها، وهو مروي عن أبي يوسف، وفي الخانية: ولا بأس للمرأة أن تجعل في قرونها وذوائبها شيئاً من الوبر (قوله: «لعن الله الواصلة» إلخ) الواصلة: التي تصل الشعر

بشعر الغير والتي يوصل شعرها بشعر آخر زوراً".

(كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، ج٦، ص: ٣٧٢، ط: سعيد)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"ويكره للرجال التختم بما سوى الفضة، كذا في الينابيع. والتختم بالذهب حرام في الصحيح، كذا في الوجيز للكردري.وفي الخجندي التختم بالحديد والصفر والنحاس والرصاص مكروه للرجال والنساء جميعا."

(كتاب الكراهية، الباب العاشر في استعمال الذهب والفضة،ج:٥، ص:٣٣٥، ط:دار الفكر)

فتاویٰ شامی میں ہے:

"(قوله: فيحرم بغيرها إلخ)؛ لما روى الطحاوي بإسناده إلى عمران بن حصين وأبي هريرة قال: «نهى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم عن خاتم الذهب»، وروى صاحب السنن بإسناده إلى عبد الله بن بريدة عن أبيه: «أن رجلاً جاء إلى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، وعليه خاتم من شبه فقال له: مالي أجد منك ريح الأصنام! فطرحه، ثم جاء وعليه خاتم من حديد فقال: مالي أجد عليك حلية أهل النار! فطرحه فقال: يا رسول الله من أي شيء أتخذه؟ قال: اتخذه من ورق ولاتتمه مثقالاً»! فعلم أن التختم بالذهب والحديد والصفر حرام، فألحق اليشب بذلك؛ لأنه قد يتخذ منه الأصنام، فأشبه الشبه الذي هو منصوص معلوم بالنص، إتقاني. والشبه محركًا: النحاس الأصفر، قاموس. وفي الجوهرة: والتختم بالحديد والصفر والنحاس والرصاص مكروه للرجال والنساء".

(كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، ج:٦، ص:٣٥٩، ط:سعيد)

فتاویٰ شامی میں ہے:

"(ويستحب قلم أظافيره) إلا لمجاهد في دار الحرب فيستحب توفير شاربه وأظفاره (يوم الجمعة).

وفي الرد:(قوله فيستحب توفير شاربه وأظفاره) الأنسب في التعبير: فيوفر أظفاره، وكذا شاربه. وفي المنح ذكر أن عمر بن الخطاب - رضي الله عنه - كتب إلينا: وفروا

الأظافير في أرض العدو فإنها سلاح لأنه إذا سقط السلاح من يده وقرب العدو منه ربما يتمكن من دفعه بأظافيره وهو نظير قص الشارب، فإنه سنة وتوفيره في دار الحرب للغازي مندوب، ليكون أهيب في عين العدو اه- ملخصا."

(كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ج:٦، ص:٤٠٥، ط:سعيد) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کتبـــــــ

طوائف کے سماع سے تشبیہ دے دیتا ہے۔ جبکہ سبع سنابل میں سماع کے جواز پر میر عبد الواحد بلگرامی نے ایک روایت لکھی ہے جس میں چار سوالات محفل سماع میں خود بخود بجنے لگے وہ کون کون سے الات تھے جن کے بارے میں مانعین سماع کہتے ہیں کہ وہ کتاب بارگاہ رسالت میں قبول ہے۔ بکر سلسلہ چشتیہ سے منسلک ہے اس کا کہنا ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد یعنی تسبیح بیان کرتی ہے، توڈھولک، تاشہ ہارمونیم کا استعمال مع شرائط واداب کے یعنی الات مزامیر کا اس وقت تسبیح کرنا ثابت ہو گا جب کہ اللہ ورسول کے ذکر کے لئے استعمال کی جائیں؟ جائز ہیں، بکر پر زید کا الزام ہے کہ حدیث رسول سے حرمت ثابت ہے، ڈھول وغیرہ تو مطلقا محفل سماع ناجائز ہو گا، قرآن وحدیث کی روشنی میں علماء وفقہاء وغیرہ کے اقوال نقل فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: عبد الرشید، غازی آباد، این۔ سی۔ آر۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب۔ اللّٰهم هداية الحق والصواب

جس طرح شریعت مطہرہ میں مسلمانان عالم اپنے اپنے ائمہ شریعت حضرت سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سے کسی نہ کسی امام شریعت کے مقلد ومتبع ہیں اسی طرح طریقت وتصوف میں مختلف سلاسل حقہ کے مریدین ومتوسلین اپنے اپنے ائمہ طریقت ومشائخ تصوف کے پیرو ہیں۔ جس طرح چاروں مسالک حقہ ومذاہب اسلامیہ میں گوناگوں اختلافات کے باوجود چاروں مذاہب کو باجماع امت برحق مانا جاتا ہے اسی طرح مشائخ طریقت کے درمیان مشربی اختلافات کثیرہ کے باوجود مشائخ طریقت کے سارے سلاسل کو برحق ومشعل راہ ہدایت باجماع اہل سنت جانا اور مانا جاتا ہے۔

جو مسلمان جس امام شریعت کا مقلد ہے یا جس سلسلے کے شیخ طریقت کا پیرو ہے اس کے لیے اس کی پیروی روا ہے۔ اس تمہید کے بعد ایک بات اور ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ عوام وعلماء دونوں میں سے ایک گروہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جو اپنی بات منوانے اور اپنی طبیعت ومزاج کے مطابق فتوی دلانے یا دینے میں حد درجہ عجلت سے کام لیتا ہے نتیجتا وہ جادہ شریعت سے ہٹ کر حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دینے کا مرتکب ہو جاتا ہے جس سے دین میں انتشار اور گروہ بندی کو ہوا ملتی ہے اور مسلمانوں کے دلوں میں فرق پیدا ہوتا ہے والعیاذ باللہ. مسلمانوں کو چاہیے کہ

تفرقہ بازی اور فروعی مسائل میں لڑنے جھگڑنے کے بجائے نیک کاموں میں اپنے اوقات واموال صرف کریں۔

مسئلہ سماع ایک مختلف فی مسئلہ ہے علما، فقہا اور ارباب طریقت کا اسمیں اختلاف منقول ہے۔ ہمارے سلسلۂ عالیہ مداریہ زادھا اللہ شرفا وتعظیما میں بزرگان مداریہ کے یہاں سماع سننے کا کوئی معمول نہیں ہے۔ لیکن بہت سارے سلاسل حقہ کے مشائخ سماع سنتے ہیں اس لیئے اس مسئلے کی تنقیح وتوضیح ضروری ہے۔

سماع کی تعریف کرتے ہوئے علامہ عارف باللہ امام عبد الغنی النابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو فقہ حنفی کے مسلم الثبوت عالم ہیں فرماتے ہیں:

واعلموا ان السماع في اصطلاح المحققين لفظ عام شامل لسماع الغنا في الزهديات،وفي الغزليات، وفي المعين اوغيره، بنعمة او غيرها، من غير الات او مع آلات، ولسماع الآلات ؤحدها،ولا فرق بين الآلات، سواء وكانت دفؤفا ومزامير وصنوجا، وكانت الدفوف بجلاجل او لا، وسواء كان الغرب بذلك بنغمات او بغير نغمات،اقترن به رقص وتواجد اولى، وسواء كان ذلك في عرس او وليمة او في يوم عيد او قدوم غائب او على ذكر و تهليل وصلاة على النبي صلى الله عليه واله وسلم، او لم يكن كذلك، وسواء كان الانسان وحده في بيته او في المسجد او بين جماعة من اهل العلم والصلاح او غيرهم،وسواء كان بغتة بغير قصد لذلك او كان مقصودا مجموعا له الناس، مؤقتا في الاوقات او غير مؤقت، للرجال والنساء اوللرجال وحدهم او بالنساء وحدهن،فان هذا كله اسمه "السماع" ولفظ السماع اذا اطلق ينصرف عليه، وحكمه في الشرع حكم واحد كما سنذكره. و مامعنى للتفريق بين سماع وسماع . (ايضاح الدلالات في سماع الآلات ص ٢٤)

ترجمہ: یعنی سماع محققین کے نزدیک ایک عام لفظ ہے جو شامل ہے سماع غنا کو خواہ زہد کے مضامین ہوں یا غزلیں، معین ہوں یا غیر معین، ترنم کے ساتھ یا بغیر ترنم کے، ساز کے ساتھ ہوں یا بغیر ساز کے، یا تنہا ساز ہو اور الات موسیقی میں کوئی تفریق نہیں خواہ دف ہوں یا مزامیر یا چنگ ورباب، چاہے جھانجھ کے ساتھ دف ہوں یا بغیر جھانجھ کے، پھر ان کے ساتھ نغمات ہوں یا نہ ہوں، رقص ووجد ہوں یا نہ ہوں، شادی میں ہو یا ولیمہ میں، عید کے دن ہو یا کسی غائب کی آمد پر، یا ذکر و تہلیل اور درود وسلام کے ساتھ ہو یا ایسا نہ ہو، پھر چاہے آدمی اکیلا ہو کر اپنے گھر

میں سنے یا مسجد میں یا عالموں اور نیک لوگوں کی جماعت میں یا دوسروں کے ساتھ، چاہے اچانک بلا قصد کے سنے یا بالقصد لوگوں کو جمع کر کے کسی مخصوص وقت میں یا عام اوقات میں، خواہ مرد ہوں یا عورتیں لفظ سماع ان سب صورتوں کو عام ہے جب لفظ سماع بولا جاتا ہے تو یہی مراد ہوتا ہے اور سب کا حکم ایک ہے یہ سماع اور وہ سماع کہہ کر فرق کرنے کا کوئی معنی نہیں۔ ہمارے عرف میں جو مناقب اور حمدیہ اشعار پڑھے جاتے ہیں اسے نعت خوانی اور منقبت خوانی اور حمد خوانی کہتے ہیں۔ اگر یہ بغیر دف و مزامیر کے پڑھے جائیں تو اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ رہا سماع تو ہمارے اہل ہند کے مسلمانوں کے عرف میں لفظ سماع جب بولا جاتا ہے تو خانقاہی بزرگوں کے یہاں جو نعتیہ حمدیہ اور منقبتیہ اشعار مخصوص شرائط و اداب کے ساتھ مع مزامیر یا مع ڈھول تاشے کے جو پڑھے جاتے ہیں وہ مراد ہوتا ہے۔ اور لفظ قوالی کا اطلاق بزرگوں کے مزارات پر ہونے والے محافل سماع پر بھی ہوتا ہے اور ان بازاری قوالیوں پر بھی جس میں غیر محرم مرد و عورت کا باہمی شعری مقابلہ ہوتا ہے، فحش و بیہودہ اشعار گائے جاتے ہیں، شراب نوشی و بدمستی کے مظاہرے ہوتے ہیں، مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے۔ ایسی بازاری قوالیوں کے حرام ہونے میں کسی کے ہاں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ یہ بلاشبہ حرام ہیں۔

خانقاہی قوالی جس میں نعتیہ یا منقبتیہ اشعار کو لحن اور ترنم سے گایا جاتا ہے جس میں ڈھول اور دف بجایا جاتا ہے جس میں خاص قسم کے رقص و تواجد کا ظہور بھی ہوتا ہے اس خانقاہی قوالی اور محفل سماع سے متعلق علمائے اسلام و فقہائے کرام اور بزرگان دین نے اپنے ائمہ طریقت اور پیران کرام کی تبعیت میں ان بزرگوں کے لیے جواز و اباحت بلکہ استحسان کا حکم دیا ہے جو لوگ اس کے اہل ہیں۔

چنانچہ علامہ خیر الدین الرملی تحریر فرماتے ہیں:

"اما سماع الساده الصوفية فمعزل عن هذا الخلاف بل مرتفع عن درجه الاباحه الى رتبه المستحب كما صرها به غير واحد من المحققين." (فتاوی خیریہ جلد دوم ص۱۷۹-۲۱۲)

یعنی حضرات صوفیہ کا سماع اس اختلاف سے دور ہے بلکہ درجہ اباحت سے اوپر اٹھ کر مستحب کے رتبے میں ہے جیسا کہ بہت سے محققین نے صراحت فرمائی ہے۔

شیخ ابو الفتح احمد بن محمد غزالی برادر امام غزالی المتوفی ۵۲۰ھ فرماتے ہیں:

" ان سماع هذه الطائفة عبارة عن ملاحظة اسرار الغريبة من الاشعار الرقيقة التي

ينشدها القوال مقرونا بذكر الواحد القهار في الاطلاع على الدقائق والاسرار"
(مقدمه بوارق الالماع)

یعنی گروہ صوفیہ کا سماع یہ ہے کہ یہ حضرات قوال کے نظم کردہ رقت امیز اشعار جن میں اللہ واحد قہار کا ذکر ہوتا ہے کو سن کر اللہ تعالیٰ کے اسرار غریبہ کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اللہ پاک کے رموز ودقائق پر اگاہی حاصل کرتے ہیں۔

حضرت شیخ ابو طالب مکی متوفی ۳۸۶ھ ہجری تحریر فرماتے ہیں:

"وفی السماع حرام وحلال وشبهة فمن سمعه بنفس وبمشاهة هوى وشهود فهوحرام ومن سمعه بمعقوله على صفة مباح جارية وزوجة كان شبهة لدخول اللهو فية وفعل هذا بعض السلف من التابعين ومن سمعه بقلب بمشاهد ة معان تدل على الدليل وتشهده طرقات الجليل فهذا مباح. " (قوت القلوب ص ۷۰،۷۱)

سماع حرام ہوتا ہے حلال ہوتا ہے اور کبھی مشتبہ۔ جو خواہش نفسانی اور شہوت کے ساتھ سنے تو اس کے لیے حرام ہے اور جو مباح کیفیت کے ساتھ مثلا اپنی باندی یا بیوی کے تصور میں سنے تو لہو میں واقع ہونے کا شبہ ہے۔ ایسے سماع کو بعض اسلاف و تابعین نے سنا ہے اور جو شخص اس طرح سنے کہ اس کے معنی میں حق تعالیٰ کی معرفت کے دلائل اور رب جلیل کی بارگاہ میں وصول کی راہوں کا مشاہدہ کرے تو اس کے لیے مباح ہے۔

شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی متوفی ۶۳۲ ہجری تحریر فرماتے ہیں:

" قيل لابي الحسن بن سالم كيف تنكر السماع وقد كان الجنيد والسري السقطي وذوالنون يسمعون قال كيف انكر السماع وقد اجازه وسمعه من هو خير مني فقد كان جعفر الطيار يسمع وانما المنكر اللهووااللعب في السماع وهذا قول صحيح. "
(عوارف المعارف الصفحه ۱۷٤)

یعنی ابو الحسن بن سالم سے پوچھا گیا کہ آپ سماع کا انکار کیسے کرتے ہیں حالانکہ جنید بغدادی سری سقطی اور ذونون نے سنا ہے تو انہوں نے کہا میں کیسے انکار کر سکتا ہوں جبکہ مجھ سے بہتر لوگوں نے اس کو سنا۔ حضرت جعفر طیار اسے سنتے تھے۔ ہاں سماع میں لہو ولعب ناجائز ہے۔ یہی قول صحیح ہے۔

سماع میں مزامیر و معازف کا استعمال کس حد تک جائز ہے اسے جاننے سے پہلے معازف و مزامیر کی حقیقت

جاننا ضروری ہے۔ دراصل معازف معزف کی جمع ہے جو عزف سے بنا ہے عزف کا معنی صوت الدف ہے۔ دف کی اواز۔ تو معزف و معازف کا معنی ہوا دف لیکن لفظ معزب کا استعمال عام الات موسیقی جیسے طنبورہ ستارا اور قشیارہ کے لیے بھی ہوتا ہے۔ (المنجد صفحہ ۵۲۵)

معازف بالکسر التہائے لہو و بازی مانند رود جامہ و طنبور۔ (منتہی الارب ربع سوم صفحہ ۱۷۳)

معازف التہائے لہو و بازی جمع معزف یعنی چغار۔ (صراح مع قراح صفحہ ۳۵۸)

ملاہی اور معازف ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ (مختار الصیاح)

مزامیر مزمار کی جمع ہے یہ زمر سے بنا ہے جس کا معنی بانسری بجانا لہذا مزمار اور مزامیر کا معنی ہوا بانسری۔ (لسان العرب)

لیکن اس کا استعمال عام الات موسیقی بلکہ دف کے لیے بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح مزمار اور مزامیر کا لفظ خوش الحانی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ جناب اقائی و مولائی حضرت سیدنا و مولانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خوش الحانی کی ستائش فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"لقد أُوتِيتَ مزمارا من مزامير آل داؤد"

یعنی اے ابو موسی! تمہیں داؤد علیہ السلام کی ال کی خوش الحانی کی طرح خوش الحانی ملی ہے۔

(بخاری شریف جلد دوم ص ۳۵۱)

امام طبرانی حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روای ہیں:

ان عائشة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما فعلت فلانه يتيمة كانت عندها فقلت اهديناها الى زوجها فقال هل بعثت ضاربة تضرب الدف وتغني قلت: تقول: ماذا ؟قال تقول:

اتيناكم اتيناكم فحيونا نحيكم
ولولا الذهب الاحمر ماحلت بواديكم
ولولا الحنطة السمراء ما سمنت عذراكم

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے کہ اس یتیم

لڑکی کا جو حضرت عائشہ کے پاس تھی آپ نے کیا کیا؟ حضرت عائشہ نے جواباً عرض کیا کہ ہم نے اس کو اس کے شوہر کے پاس رخصت کر دیا سرکار نے فرمایا کہ آپ کوئی عورت اس کے ساتھ کر دیتی جو ذرا گاتی اور دف بجاتی۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا: کہ ایسے گیت کے بول کیا ہونے چاہیے؟

اپ نے؟ ارشاد فرمایا کہ یہ گاتی:

اتیناکم اتیناکم ....فحیونا نحیکم الخ...

یعنی ہم تمہارے گھر آئے ہم تمہارے دوارے آئے تم ہم پر سلامتی بھیجو اور ہم تم پر، اگر زر سرخ نہ ہوتا تو تمہارے یہاں کوئی نہ آتا اور گندمی گیہوں نہ ہوتے تو تمہاری لڑکیاں گداز بدن نہ ہوتیں۔

اسی طرح بخاری ترمذی ابوداؤد میں ربیع بنت معوذ سے روایت ہے:

"جاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین بنی علی فدخل بیتی وجلس علی فراشی فجعل جُو یر یَاتٍ لها یضربن بالدف و یندبن من قتل من آباءهن یوم بدر اذا قالت احداهن فینا نبی یعلم مافی غد قال لها صلی اللہ علیہ وسلم: دعی هذه وقولی باللتی کنت تقولین.

یعنی جب ربیع بنت معوذ کی رخصتی ہوئی فرماتی ہیں میرے یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میرے بستر پر تشریف رکھی چند لڑکیاں دف بجا بجا کر بدر میں شہید ہونے والے بزرگوں کی مدح سرائی کرنے لگیں۔ ان میں ایک نے یہ گنگنایا "فینا نبی یعلم ما فی غد" یعنی ہم میں ایسے نبی ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں تو آپ صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم نے فرمایا "میری ستائش میں" یہ نہ کہو بلکہ اپنے بزرگوں کی مدح سرائی میں جو پہلے پڑھ رہی تھیں وہی پڑھو۔

بخاری و مسلم اور نسائی شریف کی ایک روایت میں ہے:

"دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعندي جاریتان تغنیان بغناء بغاث فاضطجع علی الفراش وحول وجهه ودخل ابو بکر فانتهرني وقال مزمار الشیطان عند النبي صلی اللہ علیہ وسلم فاقبل علیه صلی اللہ علیہ وسلم فقال دعهما وکان یوم عید"

یعنی حضرت رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے آپ فرماتی ہیں کہ میرے پاس دو لڑکیاں تھیں جو جنگ بغاث کے نغمے گنگنا رہی تھی حضور بستر پر

لیٹ گئے اور دوسری کروٹ بدل لی اتنے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور مجھے ڈانٹتے ہوئے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں یہ شیطان کے مزامیر؛ تو حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت ابو بکر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: رہنے دو انہیں۔ یہ عید کا دن ہے۔

اسی طرح سنن ابن ماجہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ان النبي صلى الله عليه وسلم مر ببعض ازفة المدينه فاذا هو بجوار يضربن بدفهن ويتغنين ويقلن :

نحن جوار من بني النجار
يا حبذا محمد من جار

فقال النبي صلى الله عليه وسلم: الله يعلم اني لأحبكن.

یعنی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم مدینہ شریف کی کسی گلی سے گزرے، کچھ لڑکیاں دف بجا بجا کر یہ شعر گا رہی تھیں:

نحن جوار من بني النجار
يا حبذا محمد من جار

یعنی ہم قبیلہ بنی نجار کی لڑکیاں ہیں۔ اے خوشا نصیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کتنے اچھے پڑوسی ہیں۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ جانتا ہے میں تم لوگوں سے محبت کرتا ہوں۔ اسی میں ابو الحسن کی روایت ہے۔

قال كنا بالمدينه يوم عاشوراء يضربن بالدف ويتغنين.

یعنی ہم مدینہ شریف میں عاشورہ کے دن تھے اور لڑکیاں دف بجا بجا کر گیت گا رہی تھیں۔

اسی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ روایت بھی ہے:

قالت: دخل علي ابو بكر وعندي جاريتان من جوار الانصار تغنيان بما قاولت به

الانصار في يوم بغاث. قالت :و ليستا بمغنيتين فقال ابو بكر اَبِمَزمورِ الشيطان في بيت النبي صلى الله عليه وسلم وذلك في يوم عيد الفطر فقال النبي صلى الله عليه وسلم يا ابا بكر ان لكل قوم عيدا وهٰذا عيدنا.

یعنی حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے پاس حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اس وقت انصار کی دو لڑکیاں جنگ بغاث کے اشعار گا رہی تھیں اور وہ دونوں لڑکیاں پیشہ ور گانے والیاں نہیں تھیں۔ پھر بھی حضرت ابو بکر نے کہا نبی کے گھر میں شیطانی مزامیر؟ وہ دن عید الفطر کا دن تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو بکر ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے یہ حدیث بخاری مسلم اور نسائی شریف میں بھی ہے۔

اسی طرح ابو داؤد و ترمذی شریف میں یہ روایت ہے:

ان النبي صلى الله عليه وسلم لما رجع من بعض مغازيه جاءته امراة فقالت يا نبي الله اني نذرت اِن ردّك الله سالما اَن اضرب بين يديك بالدف واتغني فقال: اُوفِ نذرك .

یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کسی غزوے سے واپس صحیح سلامت تشریف لائے تو ایک خاتون آپ کی بارگاہ میں ائیں اور عریضہ پیش کیا: کہ اے اللہ کے نبی میں نے نذر مانی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو سلامتی کے ساتھ واپس کر دے تو میں آپ کے سامنے دف بجا بجا کر گاؤں گی اور میں اپنی خوشی ظاہر کروں گی۔ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اپنی نذر پوری کر لے۔ یعنی دف بجا کر گا لے۔

مام حاکم نے مستدرک میں ترمذی نے اپنی جامع میں اور ابن ماجہ نے سنن میں یہ روایت ذکر کی ہے:

فصل ما بين الحلال والحرام الدف والصوت.

یعنی حلال (نکاح) اور حرام (زنا) میں فرق کرنے والی چیز دف اور گیت ہے۔

یعنی نکاح میں دف بجا کر اور جائز گیت گا کر اعلان کرنا چاہیے۔ نکاح کو زنا کی طرح چھپا کر نہیں کرنا چاہیے۔

ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دف کے ساتھ جائز و مباح اشعار گانے کی اجازت دی ہے اور خود بھی سماعت فرمایا ہے۔ نیز دف جس کا شمار مزامیر میں اور معازف میں بھی ہوتا ہے اس کی اواز بارگاہ رسالت میں مسموع اور اس کا استعمال حضرات صحابہ کے ہاں جائز ہے۔ بشرطیکہ مقاصد نیک ہوں اور

استعمال لہو ولعب کے لیے نہ ہو۔ دف کی طرح ڈھول طبل نقارہ اور طنبورہ وغیرہ کا حکم ہے، چنانچہ علامہ عبدالغنی نابلسی تحریر کرتے ہیں:

والجاهل الذي يزعم ان هذه الآلات لا تخرج عن كونها لاجل الله و قلنا له: لو لم تخرج عن ذلك لما استثنى العلماء من ذلك الطبل في الجهاد وعللوه بانه اعانة على غزو المشركين وارهابهم وفي النكاح لعلانة وكذلك يوم العيد لاظهار السرور والفرح والطبل محسوب من جملة آلالات المطربات وكذلك الدف ولولا خروج ذلك ما استثنوه وخصصوا به الاحاديث المطلقة .

یعنی جاہل ہے وہ جو یہ سمجھتا ہے کہ یہ الات (مزامیر) لہو کے طور پر ہی استعمال ہوں گے۔ اس سے ہمارا یہ کہنا ہے کہ اگر یہ الات بغیر لہو ولعب کے لیے استعمال نہ ہوتے تو علماء ان سے جہاد کے ڈھول کو مستثنیٰ نہ کرتے۔ حالانکہ انہوں نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ یہ مشرکین کے ساتھ جنگ کرنے اور ان کو خوفزدہ کرنے میں معاون ہے اور ایسے ہی اعلان نکاح کے لیے اور عید کے دن اظہار خوشی کے لیے جائز ہے۔ حالانکہ ڈھول بھی انہی الات طرب میں سے ہے اور اسی طرح دف بھی۔ تو اگر یہ لہو ولعب کے طور پر ہی استعمال ہوتے تو علماء ان کا استثنیٰ نہ کرتے، اور اس باب کی مطلق حدیثوں کی تخصیص نہ کرتے۔

اس مفہوم کو قاضی ثناءاللہ پانی پتی یوں بیان کرتے ہیں:

کہ در نکاح بضرب دف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم امر فرمودہ۔ و مالک آنرا شرط نکاح گفتہ وچوں دف برائے اعلان نکاح حلال یا مستحب باشد دہل ورنہ و طنبوراوغیرہ راچہ تفاوت است برائے لہو ہمہ حرام است و برائے غرض صحیح ہمہ حلال باشد۔ اعلان نکاح از ہر یکے می شود وفرق کردند در دف وغیرہ آں امر است غیر معقول۔

ترجمہ: نکاح میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دف بجانے کا حکم دیا ہے اور امام مالک نے اسے نکاح کی شرط قرار دیا ہے۔ اور جب دف اعلان نکاح کے لیے حلال یا مستحب ہو گا تو ڈھول نقارہ اور طنبورہ وغیرہ اور دف میں کیا فرق ہے۔ لہو ولعب کے طور پر سب حرام ہیں۔ اور صحیح مقصد کے لیے سب حلال ہیں۔ اعلان نکاح تو ہر ایک کا ہوتا ہے۔ دف اور غیر دف میں فرق کرنا ایک نامعقول بات ہے۔

"مزامیر ہمہ اگر مؤید شوق و محبت الٰہی باشد آں را حرام نہ تواں گفت چہ برائے حکمت اعلان نکاح واعلان قافلۂ غازیاں چوں دف جائز باشد بلکہ طاعت بود۔ برائے ہیجان عشق الٰہی البتہ بہتر باشد۔"
(مکتوبات قاضی ثناء اللہ پانی پتی ص ۸ مطبع مجتبائی دہلی سنہ ۱۳۲۲ ہجری)

ترجمہ: یعنی مزامیر سب کے سب اگر شوق و محبت الٰہی کو بڑھانے کے لیے ہو تو حرام نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ حکمت کی وجہ سے اعلان نکاح اور غازیوں کے قافلے کے اعلان کے لیے دف بجانا جائز ہے بلکہ اطاعت ہے تو عشق الٰہی کو برانگیختہ کرنے کے لیے یہ یقیناً بہتر ہوں گے۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ ڈھول تاشہ طبل طنبورہ اور دف وغیرہ کا استعمال اگر جائز مقاصد کے لیے ہو تو جائز و مباح ہے۔ اور اگر لہو لعب کے لیے ہو تو حرام ہے۔ الغرض سماع مع مزامیر کسی کے لیے جائز ہے اور کسی کے لیے حرام ہے۔ فقہائے اسلام اور علمائے ذوی الاحترام نے اس کی تفصیل بیان کر دی ہے اور اپنی تصنیفات ہماری ہدایت کے لیے چھوڑ گئے ہیں۔ چنانچہ علامہ امام ابن عابدین الشامی فتاویٰ شامیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

وصنف الفقهاء فی ذالک مصنفات کثیرة وکذالک اهل التصوف واجمع عبارة فیه ما قاله الشیخ عبد الرحمٰن آفندی العمادی وقد سئل عنه عن السماع بالیراع وغیره من الآلات المطربه هل ذلك حرام او حلال فاجاب قد حرمه من لا یعترض علیه بصدق مقاله واباحه من لم ینکر علیه لقوة حاله. فمن وجد في قلبه من نور المعرفة فلیتقدم . والا فرجوعه الی ما نهاه عنه الشرع اسلم واحکم . (رد المحتار ۱۱/۲۰۹)

یعنی سماع و مزامیر کے بارے میں فقہاء اور صوفیاء کرام نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے جامع بات وہ ہے جو حضرت شیخ عبد الرحمن افندی عمادی نے کہی ہے: جب ان سے بانسری اور دیگر الات طرب یعنی مزامیر کے ساتھ سماع سننے کے بارے میں پوچھا گیا کہ یہ حلال ہے یا حرام ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا اس کو حرام کہنے والے ایسے سچے لوگ ہیں جن پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا، اور اس کو حلال کہنے والے ایسے صاحب حال لوگ ہیں جن کے حال کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لہذا جس کے دل میں کچھ نور معرفت ہو وہ ایسے سماع کی طرف قدم بڑھائے۔ ورنہ جس سے شرع شریف نے روکا ہے اس سے باز رہنے میں زیادہ سلامتی اور استحکام ہے۔

نئے مولویوں اور مفتیوں کو ان بزرگان دین کے اقوال سے عبرت حاصل کرنا چاہیے اور مسلمانوں کی کھلے

عام تجہیل و تفسیق سے گریز کرنا چاہیے۔ ورنہ ان کی عاقبت خود خراب ہو جائے گی۔

"سَبَّحَ لِلّٰہِ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ" کے عموم میں اللہ پاک کی ساری خلقت شامل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

زندگی پر اچھے اثرات ڈالتا ہے یہ عقیدہ غلط ہے؛ لہذا اس عقیدے کے ساتھ انگوٹھی پہننا ناجائز و حرام ہے، پتھروں یا اعداد کو اپنی زندگی پر اثر انداز سمجھنا مشرک قوموں کا عقیدہ ہے، مسلمانوں کا نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت اس سے مخاطب ہو کر ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تو پتھر ہے، نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان، اگر میں نے رسولِ خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔

لہذا ناموں کی مناسبت سے تاریخ پیدائش کا اعتبار کرنے یا برج اور پتھر نکالنے اور اس سے جڑے نظریات سے اجتناب کیا جائے، یہ خیالات بالکل باطل ہیں، اس اعتبار سے نام رکھنے کا تصور درست نہیں ہے، ان کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔

نام رکھنے کا ادب یہ ہے: کہ اس میں نیک لوگوں کی نسبت ملحوظ ہو، مثلاً انبیاءِ کرام علیہم السلام یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا نیک مسلمانوں کے نام پر ہو، یا وہ اچھا با معنی لفظ ہو، بچی کا نام ایسا رکھنا چاہیے جو صحابیات رضی اللہ عنہن یا نیک مسلمان خواتین کے ناموں میں سے کوئی نام ہو، یا ایسا نام ہو جو معنی کے اعتبار سے اچھا ہو۔

صحیح مسلم میں ہے:

"حدثنا خلف بن هشام والمقدمي وأبو كامل وقتيبة بن سعيد كلهم عن حماد - قال خلف: حدثنا حماد بن زيد - عن عاصم الأحول عن عبد الله بن سرجس قال: رأيت الأصلع -يعنى عمر بن الخطاب- يقبل الحجر، و يقول: والله إنى لأقبلك و إنى أعلم أنك حجر، و أنك لاتضر و لاتنفع، و لولا أني رأيت رسول الله صلى الله عليه و سلّم قبلك ما قبلتك".

(الصحيح لمسلم، كتاب الحج، باب استحباب تقبيل الحجر الأسود فى الطواف، ج١، ص٤١٣، ط:قديمي)

شرح مسلم نووی میں ہے:

"و أمّا قول عمر رضي الله عنه: لقد علمت أنك حجر و أني لأعلم أنك حجر، و أنت لاتضرّ و لاتنفع، فأراد به بيان الحثّ على الاقتداء برسول الله صلى الله عليه و سلم في تقبيله ونبه على أنه أولا الاقتداء به لما فعله، وإنما قال: وأنك لاتضر ولاتنفع؛ لئلايغتر

بعض قريبى العهد بالاسلام الذين كانوا ألفوا عبادة الأحجار وتعظيماً ورجاء نفعها وخوف الضر بالتقصير في تعظيمها، وكان العهد قريباً بذلك، فخاف عمر رضي الله عنه أن يراه بعضهم يقبله ويعتنى به فيشتبه عليه، فبين أنه لايضر ولاينفع بذاته، وإن كان امتثال ما شرع فيه ينفع بالجزاء والثواب، فمعناه أنه لا قدرة له على نفع ولا ضر، وأنه حجر مخلوق كباقي المخلوقات التي لاتضر ولاتنفع، وأشاع عمر هذا في الموسم ليشهد في البلدان ويحفظه عنه أهل الموسم المختلفوا الأوطان والله أعلم".

(شرح النووي علي صحيح المسلم، كتاب الحج، باب استحباب تقبيل الحجر ج١، ص٤١٣، ط:قديمي)

ابوداود شریف میں ہے:

"عن أبي الدرداء رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنكم تدعون يوم القيامة بأسماء كم وأسماء آباء كم فأحسنوا أسماء كم."

(باب في تغيير الأسماء، ج:٤، ص:٤٤٢، ط:دار الكتاب العربي بيروت)

ترجمہ: "حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن تم اپنے اور اپنے اباء کے ناموں سے پکارے جاؤ گے لہٰذا اچھے نام رکھا کرو۔"

"المحیط البرہانی" میں ہے:

"روي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: سموا أولادكم أسماء الأنبياء وأحب الأسماء إلى الله تعالى؛ عبد الله، وعبد الرحمن."

(كتاب الإستحسان والكراهية، الفصل الرابع والعشرون في تسمية الأولاد وكناهم، ج:٥، ص:٣٨٢، ط:دار الكتب العلمية بيروت)

"الفتاویٰ الہندیۃ" میں ہے:

"وفي الفتاوى التسمية باسم لم يذكره الله تعالى في عباده ولا ذكره رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ولا استعمله المسلمون تكلموا فيه والأولى أن لا يفعل كذا في المحيط."

(كتاب الكراهية، الباب الثاني والعشرون في تسمية الأولاد وكناهم والعقيقة، ج:٥، ص:٣٦٢، ط:دار الفكر بيروت)

المقاصد الحسنة میں ہے:

"تختموا بالزبرجد فإنه يسر لا عسر فيه. قال شيخنا: إنه موضوع"

حديث: تختموا بالزمرد؛ فإنه يسر لا عسر فيه. قال شيخنا: إنه موضوع.

حديث: تختموا بالزمرد فإنه ينفي الفقر. الديلمي عن ابن عباس ولايصح أيضاً.

حديث: تختموا بالعقيق. له طرق كلها واهية فمنها لابن عدي في كامله من جهة يعقوب بن الوليد عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة مرفوعاً به ويعقوب كذبه أحمد وأبو حاتم وغيرهما وقد تحرف اسم أبيه على بعض رواته فسماه إبراهيم كذلك أخرجه ابن عدي أيضاً ومن طريقه البيهقي في الشعب وله عن عائشة طرق بألفاظ منها (اشتر له خاتماً وليكن فصه عقيقاً فإنه من تختم بالعقيق لم يقض له إلا الذي هو أسعد) ومنها (أكثر خرز أهل الجنة العقيق) ومنها لابن عدي أيضاً من طريق الحسين بن إبراهيم البابي عن حميد عن أنس مرفوعا بلفظ (فإنه ينفي الفقر) بدل (فإنه مبارك) زاد (واليمن أحق بالزينة) والبابي تالف وجزم الذهبي في الميزان بأنه موضوع.

ومنها للديلمي من رواية ميمون بن سليمان عن منصور بن بشر الساعدي عن مالك عن نافع عن ابن عمر عن عمر رفعه بلفظ: (تختموا بالعقيق فإن جبريل أتاني به من الجنة وقال لي: يا محمد تختم بالعقيق وأمر أمتك أن تختم به) وهو موضوع على عمر فمن دونه إلى مالك ومنها له أيضاً من طريق علي بن مهرويه القزويني عن داود بن سليمان عن علي بن موسى بن جعفر بن محمد بن علي بن الحسين بن علي عن أبيه عن أبيه عن أبيه عن أبيه عن أبيه بلفظ (تختموا بالخواتم العقيق فإنه لايصيب أحدكم غم ما دام عليه) وعلي بن مهرويه صدوق وداود سليمان يقال له الغازي وهو جرجاني كذبه ابن معين وله نسخة موضوعة بالسند المذكور من جملتها (إن الأرض تنجس من بول الاقلف أربعين يوماً) وهو في أمالي الحسين بن هارون الضبي من وجه آخر عن أبي بكر الأزرق عن جعفر به ولفظه من تختم بالعقيق ونقش فيه وما توفيقي إلا بالله وفقه الله لكل خير

واحبه الملكان الموكلان به وفي سنده أبو سعيد الحسن بن علي وهو كذاب وهذا عمله ومنها لابن حبان في الضعفاء من طريق أبي بكر بن شعيب عن مالك عن الزهري عن عمرو بن الشريد عن فاطمة مرفوعاً (من تختم بالعقيق لم يزل يرى خيراً) قال: وابن شعيب يروي عن مالك ما ليس من حديثه لايحل الاحتجاج به وهو عند الطبراني من طرق سواه ومع ذلك فهو باطل، وقد قال العقيلي: إنه لايثبت في هذا عن النبي شيء، وذكره ابن الجوزي في الموضوعات وقال: قد ذكر حمزة بن الحسن الأصبهاني في كتاب (التنبيه على حروف من التصحيف) قال: كثير من رواة الحديث يروون أن النبي قال: (تختموا بالعقيق) وإنما قال: (تخيموا بالعقيق) وهو اسم واد بظاهر المدينة، قال ابن الجوزي: وهذا بعيد وتأويله أحق أن ينسب إليه التصحيف لما ذكرنا من طرق الحديث بل قال شيخنا: حمزة معذور، فإن أقرب طرق هذا الحديث كما يقتضيه كلام ابن عدي في رواية يعقوب ولفظه (تخيموا بالعقيق فإنه مبارك) وهذا الوصف بعينه قد ثبت لوادي العقيق في حديث عمر الذي أخرجه البخاري في أوائل الحج من رواية عكرمة عن ابن عباس سمعت النبي بوادي العقيق يقول: (أتاني الليلة آت من ربي فقال: صل في هذا الوادي المبارك) انتهى. وما رواه المطرز في اليواقيت عن أبي القاسم الصايغ عن ابراهيم الحربي أنه سئل عنه فقال: إنه صحيح قال: ويروى أيضاً بالياء المثناة من تحت أي اسكنوا العقيق واقيموا به فغير معتمد بل المعتمد بطلانه ثم أن قوله في بعض ألفاظه(فانه ينفي الفقر) يروى في اتخاذ الخاتم الذي فصه من ياقوت و لايصح أيضاً قال ابن الأثير يريد أنه إذا ذهب ماله باع خاتمه فوجد به غني وقال غيره بل الأشبه إن صح الحديث أن يكون لخاصية فيه كما أن النار لاتؤثر فيه ولاتغيره وأن من تختم به أمن من الطاعون وتيسرت له أمور المعاش ويقوي قلبه ويهابه الناس ويسهل عليه قضاء الحوائج، انتهى. وكل هذا يمكن قوله في العقيق إن ثبت". (المقاصد الحسنة للسخاوي،حرف التاء، ص:١٨١،ط:دار الكتب العلمية)

الفوائد المجموعۃ میں ہے:

"تختموا بالعقيق فإنه مبارك. ضعيف جداً أو طرقه كلها واهية جداً".
(الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة،كتاب اللباس والتختم ص:١٩٣ و١٩٤، ط:مطبعة السنة المحمدية)
فقط والله اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

علیہ وسلم کی طرف سے ہم پر لازم قرار دی گئی ہے اور کئی مواقع پر اقاء کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" من احبهما فقد احبني ومن ابغضهما فقد ابغضني "

یعنی جس نے امامین کریمین سے محبت کی بلاشبہ اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے دشمنی کی تو بلاشبہ مجھ سے دشمنی کی۔

چنانچہ مسند بزار میں ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

"قال خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ومعه الحسن والحسين هذا على عاتقه هذا على عاتقه يلثم هذا مرة وهذا مرة حتى انتهى الينا فقال له رجل انك اتحبهما يا رسول الله ؟ قال من احبهما فقد احبني ومن ابغضهما فقد ابغضني"

(البحر الذخار المعروف بمسند البزار، ج ١٦ ص ٢٤٠)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہماری طرف تشریف لائے اور آپ کے ساتھ حضرات حسنین کریمین علیہما السلام اس شان سے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ایک کاندھے پر حسن اور دوسرے کاندھے پر حسین علیہما السلام سوار تھے اقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ایک مرتبہ امام حسن کے رخسار پر بوسہ لیتے اور دوسری مرتبہ امام حسین کے رخسار کو چومتے یہاں تک کہ اسی کیفیت کے ساتھ ہمارے پاس اگئے، اس منظر کو دیکھ کر ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ بے شک ان دونوں سے محبت کرتے ہیں؟ فرمایا جس نے ان دونوں سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی۔

اسی طرح ترمذی میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"ان رسول الله صلى الله عليه وسلم ابصر حسنا وحسيناً فقال :اللهم اني احبهما فاحبهما." (سنن الترمذي ابواب المناقب)

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کو دیکھا تو ارشاد فرمایا :اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں لہذا تو بھی ان سے محبت فرما۔

اسی طرح "المعجم الکبیر" میں روایت ہے حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"كنا مع رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فدعينا الى طعام فاذا الحسين يلعب في الطريق فاسرع النبي امام القوم ثم بسط يديه فجعل احدى يديه في ذقنه والاخرى بين راسه واذنيه ثم اعتنقه فقبله ثم قال حسين مني وانا منه، احب الله من احبه، الحسن والحسين سبطان من الاسباط." (المعجم الکبیر، ج ۳، ص ۳۲، حدیث نمبر ۲۵۸۶)

کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ کھانے پر مدعو تھے اچانک دیکھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام راہ میں کھیل رہے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم بڑی تیزی سے امام حسین علیہ السلام کی طرف تشریف لے گئے اور لوگوں کے سامنے آپ نے اپنے مبارک ہاتھ اس شان سے پھیلا دیئے کہ ایک ہاتھ امام حسین رضی اللہ عنہ کی ٹھوڑی میں اور دوسرا ان کے سر اور کانوں کے درمیان تھا پھر آپ کو سینہ سے لگا لیا بوسہ دیا اور ارشاد فرمایا: حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں، اللہ پاک اس سے محبت فرماتا ہے جو حسین سے محبت کرتا ہے، حسن اور حسین بذات خود امت ہیں۔

سچے مسلمان حضرات امامین کریمین حسنین علیہما السلام سے دل سے محبت کرتے ہیں اور ہر اس جائز کام کو کرتے ہیں جس سے حسنین کریمین کی محبت برقرار رہے اور ان کی نسلوں میں منتقل ہوتی رہے محرم کی مجالس، جلوس تعزیہ، علم، کربلا اور امام چوک، امام باڑے، اور لنگر سبیل اور پیغامی وغیرہ جائز اعمال وامور انہیں آثار محبت کی کارسامانیاں اور جلوہ فرمائیاں ہیں جو نسلا بعد نسل اور قرنا بعد قرن امام حسین کی محبت میں ہوتی چلی ارہی ہیں شرع شریف میں نصوص شرعیہ سے جو چیزیں حرام کر دی گئی ہیں وہی حرام ہیں اور جو حلال کر دی گئیں ہیں وہی حلال ہیں اور جن امور کے بارے میں سکوت ہے تو وہ جائز اور مباح ہیں، چنانچہ حدیث شریف میں ابو دردہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

"قال قال رسول الله صلى الله عليه وآلہ وسلم ما احل الله في كتابه فهو حلال وما حرم فهو حرام وما سكت عنه فهو عفو فاقبلوا من الله عافيته فان الله لم يكن ينسى شيئا ثم تلا (ما كان ربك نسيا)

وقال رواه البزار والطبراني في الكبير، واسناده حسن، ورجاله موثقون، ورواه الحاكم دون جملة الأخيرة، وصححه ووافقه الذهبي، وذكره الالباني في السلسلة

الصحيحة بلفظ ما احل الله في كتابه فهو حلال وما حرم فهو حرام وما سكت عنه ف هو عفو فاقبلوا من الله عافيتة (وما كان ربك نسيا) وقال صحيح "

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے اپنی کتاب میں جو حلال کیا وہ حلال ہے اور جو حرام بتایا وہ حرام ہے اور جس چیز کے لیے سکوت فرمایا تو وہ جائز ہے تو قبول کرو اللہ کی عافیت یعنی جواز کو بے شک اللہ پاک کسی چیز کو بھولتا نہیں ہے بلکہ جن چیزوں سے سکوت فرمایا یہ اس کی کرم نوازی ہے قرآن مقدس میں اس کا فرمان ہے اے محبوب تیرا رب بھولتا نہیں ہے امام ہیثمی نے کہا اس حدیث کی روایت بزار اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں کی ہے اور اس کی سند حسن ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں اور حاکم نے اس کو روایت کیا سوائے جملہ اخیرہ کے اور اس کو صحیح کہا اور ذہبی نے اس میں ان کی موافقت کی اور اس کو ذکر کیا البانی نے اپنے سلسلہ صحیحہ میں ان الفاظ کے ساتھ کہ جو اللہ نے حلال کیا وہ حلال ہے اور جو حرام کیا وہ حرام ہے اور جس پر سکوت کیا وہ مباح ہے تو قبول کرو اللہ کی جانب سے جواز اور اس کو صحیح کہا۔

اس حدیث شریف سے صاف واضح ہے کہ لوگوں کے حرام کرنے سے کوئی چیز حرام نہیں ہوتی بلکہ اللہ اور رسول جس چیز کو حرام کہیں وہ حرام ہے، چونکہ تعزیہ جو کہ امام حسین علیہ السلام کے روضہ شریف کی نقل ہے اور مزار مقدسہ، روضہ مطہرہ کی گویا یادگار ہیں، اس لیے ایسا تعزیہ بنانے میں شرعا کوئی قباحت نہیں ہے۔

تعزیہ کا لغوی معنی: حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ و اہل بیت رضوان اللہ علیہم کی تربتوں کی نقل ہے جو محرم کے دنوں میں کاغذ اور بانس وغیرہ سے بناتے ہیں۔ (فیروز اللغات)

شریعت کے دائرے میں تعزیہ میں ایسا نقشہ بنانا جس میں کسی جاندار کی تصویر نہ ہو یا غیر شرعی چیزوں کی تصویر نہ ہو تو وہ جائز ہے، جس طرح کہ مساجد کی تعمیر میں مسجد حرام، مسجد نبوی اور بیت المقدس، کے سو ہزاروں نقشے اور ڈیزائن مساجد کی بنائی جاتی ہے، جو مسجد نبوی، مسجد اقصی، یا مسجد حرام،، کے نقشوں سے جدا ہوتی ہیں اور چونکہ غیر شرعی چیزوں کے نقشے پر نہیں ہوتی ہیں اس لیے جائز ہیں اسی طرح تعزیے میں بھی روضہ امام عالی مقام اور تربت مقدسہ کے نقشے کے علاوہ اگر کوئی حضور مدار پاک غوث پاک یا خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہم یا کسی ولی اللہ کے مزار کا نقشہ بنا کر امام حسین کی یاد مناتا ہے تو ایسا تعزیہ بھی جائز ہے، اسی طرح امام بارگاہ، امام باڑہ امام چوک اور کربلا بنانا جن سے امام حسین کی یاد تازہ ہوتی ہے جائز اور مباح ہے اور اس معاملے میں چونکہ لوگوں کی نیت

صرف اور صرف امام حسین کی محبت اور عظمت کا اظہار ہوتا ہے اس لیے نیت کے محمود ہونے کی وجہ سے اس پر انہیں من جانب اللہ بھرپور اجر ملنے کی توقع ہے، اگر کہیں ان مقامات موسومہ پر بدعت و خرافات دیکھنے کو ملے تو بدعات و خرافات کو منع کیا جائے نہ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام سے موسومات کو ہی ناجائز و حرام کہ دیا جائے، بغیر وجہ شرعی ایسا کرنا سرکار امام حسین کو ایذا دینے کے مترادف ہو سکتا ہے۔

ہمارے ملک ہندوستان میں بلکہ پورے بر صغیر میں چیزوں جگہوں سڑکوں، گلیوں، محلوں، میدانوں اور پارکوں حتی کی گیٹوں اور دروازوں کے نام ملک کی معظم ہستیوں، علماء و مشائخ اور مجاہدین ازادی کے ناموں پر رکھنے کا رواج ہے، جبکہ اس جگہ مکان، میدان، پارک، گلی، کوچے سے اس شخص کا کوئی خاص تعلق نہیں ہوتا ہے مقصد صرف اس کی یادگار کو قائم کرنا اور اس کے نام کی تشہیر کرنا ہوتا ہے تو اس مقصد کے لیے حضرات امامین کریمین اور خاندان اہل بیت سے زیادہ حقدار کون ہو سکتا ہے جن کی محبتیں مسلمانوں پر لازم قرار دی گئیں، جہاں تک جلوس تعزیہ میں ڈھول بجانے کا مسئلہ ہے تو شرعی حد میں رہتے ہوئے جلوس کے اعلان کے لیے اور یہ بتانے کے لیے کہ تعزیہ ایک چوک سے دوسرے چوک کی طرف جارہا ہے ڈھول، ڈنکا اور تاشہ بجانا جائز ہے، البتہ اس میں زیادتی ہڑبونگ بہ نیت لہو ولعب ناجائز و ممنوع ہے، فقہاء نے کئی مواقع پر طبل نوبت اور نقارہ وغیرہ یعنی ڈھول بجانے کو جائز سمجھا ہے اور لکھا ہے، جیسا کہ بہار شریعت، فتاویٰ عالمگیری، فتاویٰ شامیہ اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں بھی مذکور ہے۔

تفصیل کے لیے ناچیز کا رسالہ "تعزیہ داری جائز ہے" ملاحظہ فرمائیں. واللہ اعلم باالصواب.

کتبـــ
ابوالحماد محمد اسرافیل حیدری المداری
دارالافتاء والقضاء جامعہ عربیہ مدارالعلوم مدینۃ الاولیاء
استانہ زندہ شاہ مدار مکن پور شریف کانپور نگر یوپی انڈیا۔
مورخہ ۱۸ صفر المظفر ۱۴۴۵ھ مطابق ۵ ستمبر ۲۰۲۳ء

تعزیہ شریف کے چوک پر نیاز دینا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ اہلسنت وجماعت اس مسئلہ میں کہ تعزیہ شریف کے چوک (چبوترے) پر شیرینی،

شربت وطعام وغیرہ رکھ کر نیاز دینا دلانا کیسا ہے؟

ایک مولوی صاحب کا کہنا ہے کہ یہ تشبہ بالروافض ہونے کی وجہ سے ناجائز و گناہ ہے۔ لھذا آپ صحیح جواب سے نواز کر عند اللہ ماجور ہوں۔

فقط حافظ محمد شاہد معصومی مداری، سوار ضلع رامپور یوپی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب بعون الله الملک الوهاب

تعزیہ شریف کے چوک (چبوترے) پر شیرینی وغیرہ رکھ کر نیاز دینے دلانے میں شرعا کوئی حرج نہیں۔ تعزیہ کا چوک پاک صاف ہوتا ہے اس لحاظ سے اور زیادہ بہتر ہے۔

نیاز فاتحہ میں قرآن کی تلاوت ہوتی ہے، درود وغیرہ مقدس کلمات پڑھے جاتے ہیں جو ہر جگہ پڑھنا جائز ہے اور تعزیہ کے چوک پر پڑھنا بھی جائز ہے۔ اس کو تشبہ بالروافض کہنا درست نہیں ہے کیونکہ ہر گز یہ روافض کا شعار نہیں ہے تو تشبہ بالروافض کیسے ہو سکتا ہے؟

یہ غیر منقسم ہندوستان کے سنی مسلمانوں کا طریقہ ہے جس پر روافض بھی عمل پیرا ہوں تو اس سے تشبہ بالروافض لازم نہیں اتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اہلسنت واہل تشیع دونوں کا معمول ہے اور جب دونوں کا معمول ہے تو کسی ایک جماعت کا شعار نہ رہا پھر تشبہ بالروافض ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور شرع شریف سے دوسری کوئی وجہ ممانعت نہیں جو تعزیہ کے چوک پر نیاز دینے دلانے کو ناجائز و گناہ کہا جائے۔

حدیث شریف میں ہے:

عن سلمان الفارسي، قال: سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن السمن والجبن والفراء، قال:" الحلال ما احل الله في كتابه، والحرام ما حرم الله في كتابه، وما سكت عنه فهو مما عفا عنه".

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے گھی، پنیر اور جنگلی گدھے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "حلال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال قرار دیا ہے، اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا ہے، اور جس کے

بارے میں سکوت کیا وہ معاف ہے یعنی مباح ہے"

[سنن ابن ماجه/ كتاب الأطعمة/ حديث: ٣٣٦٧]

تخريج الحديث دارالدعوه: «سنن الترمذى/ اللباس ٦ (١٧٢٦)، (تحفة الأشراف: ٤٤٩٦) (حسن)»

ظاہر بات ہے کہ تعزیہ شریف کے چوک (چبوترے) پر شیرینی وغیرہ رکھ کر نیاز دینا دلانا شرع شریف میں منع نہیں ہے لھذا وہ اصلا جائز ہے کہ "الاصل فی الاشیآء اباحة" اشیاء میں اصل اباحت ہے تو بلا ممانعت شرعی کسی بھی کام کو ناجائز و گناہ کہنا غلط ہے۔ واللہ اعلم ھذا ما ظھر لی والعلم عند ربی.

کتبـــــــ

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں روایت ہے:

"عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: لَعَنَ اللهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ، وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ، الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللهِ." (صحيح البخاري، حديث: ٥٩٣١، وصحيح مسلم، حديث: ٢١٢٥)

ترجمہ: "حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے گودنے والیوں، گدوانے والیوں، بال اکھڑوانے والیوں، دانتوں کے درمیان خلا ڈالنے والیوں پر، جو خوبصورتی کے لیے اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کرتی ہیں۔"

آثار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم:

امام طبری نے روایت کیا:

" عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: "الواشمة والمستوشمة ملعونة على لسان محمد صلى الله عليه وسلم." (تفسير الطبري، ج ٩، ص ٣٨٥)

ترجمہ: "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "گودنے والی اور گدوانے والی پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے لعنت کی گئی ہے۔"

فقہائے اسلام اور فقہاءِ احناف کے اقوال:

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور احناف کے نزدیک گودنا (الوشم) حرام ہے اور گناہِ کبیرہ میں شمار ہوتا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

"والوشمُ وهو أن يغرز إبرة أو نحوها في ظاهر الكف أو الذراع أو الشفة أو غيرها من بدن المرأة حتى يسيل الدم، ثم يحشى ذلك المكان بالكحل أو غيره فيخضر، وهو حرام." (رد المحتار على الدر المختار، ج ٥، ص ٢٣٩)

ترجمہ: "گودنا یہ ہے کہ ہاتھ کی پشت، کلائی، ہونٹ یا جسم کے دیگر حصے پر سوئی یا کسی اور چیز سے چھیدا جائے یہاں تک کہ خون نکلے، پھر اس جگہ پر سرمہ یا کسی اور چیز سے رنگ بھرا جائے جس سے وہ حصہ سبز پڑ جائے۔ یہ عمل حرام ہے۔"

نماز جنازہ کا حکم:

اصول یہ ہے کہ گناہگار مسلمان کی بھی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے، کیونکہ وہ دائرہ اسلام میں ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَيُصَلِّي عَلَى كُلِّ مَيِّتٍ مُسْلِمٍ بَرًّا كَانَ أَوْ فَاجِرًا." (المغني، ج ٢، ص ٤٢٥)

ترجمہ: "ہر مسلمان میت پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، خواہ وہ نیک ہو یا گناہگار۔"

احناف کے نزدیک:

گناہگار کی نماز جنازہ عام مسلمان پڑھیں گے۔ بڑے علماء یا مفتی وقت بعض اوقات بطورِ عبرت اس سے دور رہ سکتے ہیں۔

الدر المختار میں ہے:

"ويكره لإمام أعظم أن يصلي على فاسق مجاهر بالفسق تأديبًا."

(الدر المختار مع رد المحتار، ج ٢، ص ٢٢٤)

ترجمہ: "امامِ اعظم (بڑے مفتی یا قاضی) کے لیے مکروہ ہے کہ وہ کھلے گناہگار کی نماز جنازہ پڑھے، یہ (ترک) تادیبا ہوتا ہے۔" واللہ اعلم بالصواب ھٰذا ماظھر لی والعلم عند ربی وھو اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

الجواب

الحمدُ لِلّٰهِ الَّذِي خَلَقَ الإِنسَ وَالجَانَّ لِيَعْبُدُوهُ، وَجَعَلَ لَهُمَا فِي الحَيَاةِ مِحْنَةً وَابْتِلَاءً، وَأَمَرَ بِاتِّبَاعِ وَحْيِهِ وَهَدْيِ أَنْبِيَائِهِ، وَنَهَى عَنْ اتِّبَاعِ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ وَسُبُلِهِ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،انہ أَمَرَ بِكُلِّ مَا فِيهِ طَهَارَةُ القَلْبِ وَالبَدَنِ، وَحَذَّرَ مِنْ كُلِّ مَا يُقَرِّبُ مِنَ الشَّيَاطِينِ وَمَسَاكِنِهِمْ.

أما بعد:

اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں بارہا انسان کو یہ حقیقت سمجھائی ہے کہ شیطان اس کا کھلا دشمن ہے:

"اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا " (فاطر:٦)

"بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے، تو تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو۔

شریعتِ مطہرہ نے نہ صرف یہ بتایا کہ شیطان انسان کو گمراہ کرتا ہے، بلکہ اس کے وہ ٹھکانے، ماحول اور عادات بھی واضح فرمائیں جن میں وہ زیادہ سرگرم ہوتا ہے یا جہاں وہ سکون سے بسیرا کرتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مومن ان جگہوں سے احتیاط کرے، ان میں اللہ کا ذکر جاری رکھے، اور وہاں کے آدابِ شرعیہ کا لحاظ کرے تاکہ شیطان کا تسلط نہ ہو سکے۔

یہ موضوع دراصل "فقه المساكن الشيطانية" کا ایک حصہ ہے، جو عقائد، آداب، اور احکامِ طہارت و نظافت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں بعض مقامات کا ذکر قرآن و احادیثِ صحیحہ میں آیا ہے، بعض کا تذکرہ حسن یا ضعیف روایات میں ہے، اور کچھ کا استنباط آثار صحابہ و تابعین اور ائمہ فقہاء کے اقوال سے ہوتا ہے۔

شیاطین کے مساکن ـــــ قرآن و صحیح احادیث کی روشنی میں

(۱) غیر استعمال شدہ بستر

حدیث شریف میں ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «فِرَاشٌ لِلرَّجُلِ، وَفِرَاشٌ لِأَهْلِهِ، وَالثَّالِثُ لِلضَّيْفِ، وَالرَّابِعُ لِلشَّيْطَانِ»

(صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب قدر ما يكفي من الفراش، حديث: ٢٠٨٤)

ترجمہ: "ایک بستر آدمی کے لی، ایک اس کی بیوی کے لیے، تیسرا مہمان کے لیے، اور چوتھا شیطان کے لیے ہوتا ہے۔"

فائدہ: خالی بچھے ہوئے اور غیر ضروری بستر پر شیطان بسیرا کرتا ہے۔

(۲) غسل خانہ/بیت الخلاء

حدیث شریف میں ہے:

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ هَذِهِ الحُشُوشَ مُحْتَضَرَةٌ، فَإِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الخَلَاءَ فَلْيَقُلْ: أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الخُبُثِ وَالخَبَائِثِ»

(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب ما يقول الرجل إذا دخل الخلاء، حديث: ٦، وصححه الألباني)

ترجمہ: "یہ بیت الخلاء (غسل خانے) شیاطین کی حاضری کی جگہ ہیں، تو جب تم میں سے کوئی وہاں جائے تو یہ دعا پڑھے: 'میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں نر و مادہ شیاطین سے'۔"

(۳) لمبے عرصے تک لٹکے ہوئے کپڑے

حدیث (اثر صحابی):

عَنْ عَطَاءٍ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: «أَطْوُوا ثِيَابَكُمْ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْكُنُ كُلَّ ثَوْبٍ مَنْشُورٍ» (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الآداب، رقم: ٢٥٤٤٢، إسناده حسن)

ترجمہ: "اپنے کپڑوں کو تہہ کر کے رکھو، کیونکہ ہر پھیلا ہوا کپڑا شیطان کا مسکن بن جاتا ہے۔"

(۴) انسانی یا حیوانی شکل کے مجسمے اور تصویریں

حدیث شریف میں ہے:

عَنْ أَبِي طَلْحَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «لا تَدْخُلُ المَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا تَمَاثِيلُ»

(صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، حديث: ٢١٠٦)

ترجمہ: "فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا مجسمے ہوں۔"

(۵)آگ جلانے کی جگہ (چولہا/انگیٹھی)

اس پر صراحت کے ساتھ کوئی مرفوع صحیح حدیث موجود نہیں، مگر اصولی طور پر آگ شیاطین کی جنس ہے اور وہ اس سے مناسبت رکھتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

" وَ خَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ " (الرحمن:۱۵)

ترجمہ: "اور جنات کو اس نے آگ کی لپٹ سے پیدا کیا۔"

حدیث شریف میں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ» (متفق علیہ)

ترجمہ: اور آگ والے مقامات اس کے لیے مزید پسندیدہ ہیں۔

(۶)اسواق (بازار)

حدیث:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَحَبُّ البِلادِ إِلَى اللهِ مَسَاجِدُهَا، وَأَبْغَضُ البِلادِ إِلَى اللهِ أَسْوَاقُهَا»

(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب فضل بناء المساجد، حديث: ٦٧١)

ترجمہ: "اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ جگہیں مسجدیں ہیں، اور سب سے ناپسندیدہ جگہیں بازار ہیں۔"

(۷)ویران گھر جہاں قرآن نہ پڑھا جائے

حدیث:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ البَيْتَ الَّذِي تُقْرَأُ فِيهِ سُورَةُ البَقَرَةِ لا يَدْخُلُهُ الشَّيْطَانُ» (صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، حديث: ٧٨٠)

ترجمہ: "وہ گھر جس میں سورۃ البقرۃ پڑھی جائے، اس میں شیطان داخل نہیں ہوتا۔"

(۸)اونٹوں کے باڑے میں

حدیث:

عَنْ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ الصَّلَاةِ فِي مَرَابِضِ الغَنَمِ؟ قَالَ: «صَلُّوا فِيهَا» قِيلَ: فِي أَعْطَانِ الإِبِلِ؟ قَالَ: «لا تُصَلُّوا فِيهَا، فَإِنَّهَا خُلِقَتْ مِنَ الشَّيَاطِينِ» (سنن ابن ماجه، كتاب المساجد، باب الصلاة في أعطان الإبل، حديث: ٧٦٩، صحيح)

ترجمہ: "بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھو، اور اونٹوں کے باڑوں میں نماز نہ پڑھو کیونکہ وہ شیاطین میں سے ہیں۔"

شیاطین کے مساکن اور سوراخوں اور بلوں میں استنجاء کی ممانعت

حدیثِ نبوی ﷺ ہے:

عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَرْجِسَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي جُحْرٍ» (سنن أبي داود (رقم: ٢٩) و مسند أحمد (٢٠٥٠٩) — إسناده صحيح.

ترجمہ: "تم میں سے کوئی شخص کسی سوراخ میں پیشاب نہ کرے۔"

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا: "یہ کیوں؟"

انہوں نے کہا: "يقال إنَّها مساكن الجنّ"

"کہا جاتا ہے کہ یہ جنات کے مساکن ہیں۔"

ائمۂ حدیث کی وضاحت:

ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"هذا يدل على أن الجحور مساكن الجن، وأن البول فيها أذى لهم، وربما آذوا من آذاهم." (التمهيد، ١٧/ ٣٠٦)

ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

"النهي يحتمل التعليل بمساكنة الجن أو الحشرات، وكلاهما يقتضي اجتنابه." فتح الباري (١/ ٢٤٤)

جھاڑیوں اور سایہ دار جگہوں میں قضاحاجت کی ممانعت:

بعض احادیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سایہ دار جگہوں، پانی کے کنارے، اور راستے میں قضا حاجت سے منع فرمایا۔ (سنن أبي داود، رقم: ٢٦)، ابن ماجه، رقم: ٣٢٨)

حکمت:

یہ مقامات اکثر لوگوں کے بیٹھنے، آرام کرنے یا گزرنے کے لیے ہوتے ہیں، اور بعض جھاڑیاں موذی جانور یا جنات کا مسکن بھی ہو سکتی ہیں۔

فقہِ حنفی میں حکم:

علامہ ابن عابدین الشامی فرماتے ہیں:

"ويكره البول والغائط في الجحر... لكونه مسكنًا للحيوان وربما كان فيه ما يؤذي من الجن أو الحشرات." (رد المحتار، ١/ ٣٣٤)

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"لأنها قد تكون مسكن الهوام أو مساكن الجن فيؤدي إلى الضرر."

(بدائع الصنائع، ١/ ٦٤)

فقہی حکم:

سوراخ یا بل میں پیشاب یا پاخانہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

گھنی جھاڑیوں میں اگر اندیشہ ہو کہ وہاں موذی جانور یا جن ہیں تو مکروہ، ورنہ جائز لیکن مکروہ تنزیہی۔

شیاطین کے نکلنے اور پھیلنے کا وقت:

صحیح بخاری و صحیح مسلم کی روایت:

عَنْ جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «إذا غابت الشمس فَكُفُّوا صبيانكم، فإن الشياطين تنتشر حينئذ، فإذا ذهب ساعةٌ من الليل فخَلُّوهم»

(صحيح البخاري، ٣٢٨٠/ صحيح مسلم، ٢٠١٢)

ترجمہ: "جب سورج غروب ہو جائے تو اپنے بچوں کو روک لو، کیونکہ اس وقت شیاطین پھیل جاتے ہیں، پھر

جب رات کا کچھ وقت گزر جائے تو انہیں چھوڑ دو۔"

ائمۂ شرح کی وضاحت:

امام نووی فرماتے ہیں:

"الحكمة أن حركتهم وانتشارهم في أول الليل أكثر، فيخشى أذاهم."

(شرح مسلم، ١٤/ ٨٣)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"وفيه إشارة إلى أن الشياطين تنتشر أول الليل إلى أن يذهب جزء منه."

(فتح الباري، ٦/ ٣٤١)

خلاصہ یہ کہ

- سوراخ، بل اور گھنی جھاڑیوں میں قضاحاجت سے شریعت نے منع کیا ہے کیونکہ یہ موذی جانور یا جنات کے مسکن ہوسکتے ہیں۔
- یہ ممانعت حفاظتی اور شرعی حکمت دونوں پر مبنی ہے۔
- شیاطین کا سب سے زیادہ پھیلاؤ مغرب کے فوراً بعد ہوتا ہے، اور کچھ وقت گزرنے کے بعد ان کی سرگرمی کم ہو جاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب.

کتبـــــــ

کہ یزید نے دلوایا۔ بعض کہتے ہیں کہ کوفی شیعوں نے آپ کو زہر دلوایا۔ اس بارہ میں تحقیق کیا ہے؟ قدرے تفصیل سے بیان فرمادیں- تاکہ غلط فہمی کا ازالہ ہو سکے۔ اللہ آپ کو اجر عطا فرمائے۔

فقط

نیاز مند: سید انوار الحق جعفری
ساکن حال سنگرامئو ضلع جونپور (یو۔پی)

الجواب بعون الملک الوھاب

سرکار امیر المومنین سیدنا امام حسن علیہ السلام کو زہر کس نے دیا؟ اس بارہ میں قطعی طور پر کسی کا نام نہیں لیا جاسکتا ہے البتہ قیاس آرائیاں ہیں جن کی بنیاد پر لوگوں نے اپنے اپنے حساب سے نام لئے ہیں۔

اور جہاں تک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تعلق سے زہر خورانی کی بات ہے تو وہ محض ضعیف الاسناد روایات کی بنیاد پر ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر تہمت کے سوا کچھ نہیں ہے جو شرعاً و عقلاً و نقلا باطل ہے۔ تہمت لگانے والوں پر اس سے توبہ لازم ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر سرکار امام عالی مقام حسن علیہ السّلام کو زہر دلوانے کا الزام جن روایات میں ہے ان کا جائزہ لینے سے پہلے سرکار امیر المومنین سیدنا امام حسن علیہ السلام کی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت دینی کو سمجھنا بھی بہت ضروری ہے اور معمہ کو سمجھنے میں مفید بھی۔

واضح ہو کہ دونوں نفوس قدسیہ صحابی ہیں اور امیر المومنین سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ صحابی ہونے کے ساتھ ساتھ آل رسول بھی ہیں جنکی مودت و محبّت بشمول حضرت معاویہ تمام صحابہ و تمام مومنین پر واجب ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرائض و واجبات و سنن کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتے تھے- شرع شریف پر ان کے صحیح طور پر عامل ہونے کی اس سے بڑی اور دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارہ میں فرمایا:

"اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم"

(اس حدیث کو قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ نے سند حسن کے ساتھ شفاء شریف میں نقل فرمایا)

غرض کسی کو ناحق قتل کر دینا مودت کے خلاف ہے اور اہلبیت رسول کی محبت امت پر واجب ہے جس کا ترک و خلاف فسق و فجور ہے جو عدالت کے خلاف ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عدالت کتاب و

سنت سے منصوص ہے جس کے لئے اہلسنت کا اجماعی عقیدہ ہے "الصحابة كلهم عدول" ہر صحابی عادل ہے (کوئی فاسق نہیں)۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اس باعظمت زمرہ سے مستثنیٰ نہیں ہیں بلکہ وہ بھی صحابی ہیں، جیسا کہ حضرت ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

ولذلك ذهب جمهور العلماء إلى أن الصحابة كلهم عدول قبل فتنة عثمان وعلى وكذا بعدها ولقوله عليه السلام أصحابي كالنجوم بايهم اقتديتم اهتديتم.

ترجمہ: اسی لیے جمہور علماء کا یہی مذہب ہے کہ سب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں حضرت علی و عثمان (رضی اللہ عنہما) کے فتنہ سے پہلے والے بھی اور اسی طرح بعد والے بھی اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میرے صحابہ ستاروں کی مثل ہیں تم ان میں سے جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤ گے

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وأما معاو یة رضي الله عنه فهو من العَدُول الفضلاء والصَّحابة النُّجباء رضي الله عنه وأما الحروب التي جرت فكانت لكل طائفة شبهة اعتقدت تصويب أنفسها بسببها وكلهم عدول رضي الله عنهم ومتأولون في حروبهم وغيرها ولم يخرج شيء من ذلك أحدا منهم عن العدالة لأنهم مجتهدون اختلفوا في مسائل من محل الاجتهاد كما يختلف المجتهدون بعدهم في مسائل من الدماء وغيرها ولا يلزم من ذلك نقص أحد منهم ..... فكلهم معذورون رضي الله عنهم ولهٰذا اتفق أهل الحق ومن يعتد به في الإجماع على قبول شهاداتهم ورواياتهم وكمال عدالتهم رضي الله عنهم أجمعين.''

(شرح النووی علی الصحیح لمسلم، کتاب الفضائل، کتاب فضائل الصحابة رضی الله عنهم، ۱۵/ ۱٤۹، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

یعنی: "رہے حضرت معاویہ تو عادل فضیلت والے اور عظیم المرتبہ صحابہ کرام میں سے ہیں - رضی اللہ عنہ -۔ رہی بات ان جنگوں کی جو صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین کے درمیان ہوئیں تو ہر گروہ کے پاس ایک شبہ (یعنی دینی اجتہادی دلیل) تھی۔ جس کی بنیاد پر انہوں نے اپنے عمل کو درست سمجھا اور ان میں سے ہر ایک عادل تھا رضی اللہ عنھم - وہ اپنی جنگوں اور دیگر مسائل میں اجتہاد سے کام لے رہے تھے، اور ان جنگوں میں ان کا

رویہ بھی تاویل (دینی تشریح واجتہاد) پر مبنی تھا۔ ان میں سے کسی کو بھی ان امور کی وجہ سے عدالت سے خارج نہیں کیا جاسکتا (ان کو فاسق نہیں کہا جاسکتا ہے) کیونکہ وہ سب مجتہد تھے، جن کے درمیان اختلاف ان مسائل میں ہوا جو اجتہاد کا محل ہیں، بالکل اسی طرح جیسے بعد کے مجتہدین کے درمیان مسائل خون (قتال وغیرہ) یا دیگر امور میں اختلاف ہوتا ہے۔ پس ان میں سے کسی کی بھی تنقیص (کسر شان) لازم نہیں آتی۔ وہ سب معذور ہیں -رضی اللہ عنہم-۔ اسی وجہ سے اہل حق اور جن کے اجماع کو معتبر سمجھا جاتا ہے ان سب کا اس پر اتفاق ہے کہ صحابہ کرام کی شہادتیں اور روایتیں قابل قبول ہیں، اور ان کی عدالت (دیانت وصداقت) کامل ہے رضی اللہ عنھم اجمعین"۔

غرض صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین سب کے سب عادل ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا تزکیہ فرمایا ہے (وَ يُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ)۔ جس کی تاثیر سے اللہ نے ان کے دلوں میں کفر وفسق وعصیان سے ناگواری پیدا کر دی جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ" (السورۃ الحجرات، ۷)

ترجمہ: "اور جان لو یہ کہ تم میں اللہ کے رسول ہیں اگر بہت معاملوں میں وہ تمہاری مان لیں تو تم ضرور پریشان ہو جاؤ لیکن اللہ نے تمہیں ایمان محبوب کر دیا ہے اور اُسے تمہارے دلوں میں سجا دیا ہے اور کفر وفسق و نافرمانی تمہیں ناگوار کر دی ایسے ہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں"۔

ظاہر سی بات ہے کہ قتل مومن فسق ہے وہ بھی قتل آل رسول جو کہ نہایت درجہ شنیع ومذموم واشد حرام اور اللہ ورسول کو سخت ایذا دینے والا کام اور لعنت عظیم ہے اس کا مرتکب وہ انسان کیسے ہو سکتا ہے جس کا تزکیہ بذات خود رسول اللہ نے فرمایا ہو جو "كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ" کا مصداق ہو، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس کے لئے دعا فرمائی ہو "اللھم علم معاویة الکتاب والحساب وقه العذاب" اے اللہ معاویہ کو کتاب اور فرائض کا علم عطا فرما اور اسے عذاب سے بچا۔ (مسند احمد بن حنبل ۱۷۱۵۲ مسند الشامیین الطبرانی ۳۳۳) کیا جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی برکت سے عذاب سے بچا ہوا ہو وہ شخص قرۃ عین مصطفیٰ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے قتل کے عذاب عظیم بلکہ عذاب الیم بلکہ

عذاب مہین میں گرفتاری والا لعنتی کام کر سکتا ہے؟ ہر گز نہیں!

جس کے لئے حضور نے دعا فرمادی کہ اسے عذاب سے بچا تو پھر یقیناً وہ ایسے ہر کام سے بچ گیا جس کے کرنے سے عذاب ہو۔

اور کیا یہ لعنت و گمراہی کا کام وہ کر سکتا ہے جس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی ہو:

" اللهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا وَاهْدِ بِهِ "

"اے اللہ! (معاویہ کو ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ بنا اور اس کے ذریعے لوگوں کو ہدایت دے"۔

(مسند احمد بن حنبل ١٨٠٥٥، سنن الترمذی ٣٨٤٢)"

کیا جس کا ہادی مہدی ہونا زبان رسالت سے ثابت ہو وہ نوجوانان جنت کے سردار کے قتل کا شنیع و مذموم و لعنتی کام اور گناہ عظیم کر سکتا ہے؟ العیاذ باللہ!

یقیناً دلبند مصطفی فرزند مرتضی جگر گوشہء فاطمہ کا قاتل ملعون جہنمی ہے۔ جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو اس طبقے سے ہیں جس کے بارہ میں ارشادِ خداوندی ہے "كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى" (خواہ فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والے ہوں یا فتح کے بعد ایمان لانے والے اللہ نے ہر ایک صحابی سے بھلائی کا وعدہ فرمالیا ہے۔

کیا جس سے اللہ نے "حسنیٰ" کا وعدہ فرمالیا ہے اللہ اس کی حفاظت شنیع و مذموم و ملعون کام سے کرنے والا نہیں ہے؟ بڑی نادانی کی بات ہے کہ اللہ نے تو بھلائی کا وعدہ فرمالیا ہے اور جاہل و نادان بندے اسے برائی کا مرتکب گردانتے میں لگے ہیں، اللہ تو انہیں رضامندی کا مژدہ سنا رہا ہے جنت کی بشارت دے رہا ہے اور نادان بندے انہیں اللہ کے غضب اور جہنم کے عذاب کا مرتکب قرار دینے میں لگے ہیں اللہ ایسوں کو ہدایت عطا فرمائے قرآن کریم میں ہے:

"وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ"

(التوبہ ١٠٠)

ترجمہ: "اور بیشک مہاجرین اور انصار میں سے سابقین اولین اور دوسرے وہ جو بھلائی کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والے ہیں ان سب سے اللہ راضی ہوا اور یہ اللہ سے راضی ہیں اور اس نے ان کیلئے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے، یہی بڑی کامیابی ہے۔"

اچھی طرح یاد رکھیں بالقصد کسی کا قتل اس سے دشمنی وعداوت کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ جبکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان یہ ہے کہ اللہ نے اسلام لانے سے پہلے کی ان کی آپسی عداوت وشدت کو نکال دیا اور ان کے دلوں میں باہمی الفت ومحبت اور رحمدلی رکھ دی جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

"وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا" (آل عمران ۱۰۳)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی پس تم نے اللہ کی نعمت سے بھائی چارگی میں شروعات کی۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ" (الحشر ۱۰)

ترجمہ: اور مہاجرین وانصار کے بعد ایمان لانے والے کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دل میں ایمان والوں کیلئے کوئی کینہ نہ رکھ، اے ہمارے رب! بیشک تو نہایت مہربان، بہت رحم والا ہے۔

ایک جگہ یوں فرماتا ہے:

"مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ" (الفتح ۲۹)

ترجمہ: محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت، آپس میں نرم دل ہیں۔

آیات مبارکہ سے یہ حقیقت آفتاب نیمروز سے زیادہ عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اسلام سے پہلے کی آپسی دشمنی وعداوت وشدت کو ختم کر کے باہمی الفت واخوت ورحمدلی رکھ دی لھذا زہر خورانی کا موجب جو جذبہ ہوتا ہے وہ بھی یہاں مفقود ہے پھر کس طرح ان روایات کو قبول کیا جاسکتا ہے جن سے صحابیٔ رسول حضرت معاویہ کا آل رسول سرکار امام حسن کو زہر دینا معلوم ہوتا ہے۔

یہ وہ دلائل ہیں جن کے سامنے بلاسند یا ضعیف الاسناد روایات کیا حیثیت رکھتی ہیں جنہیں قتل جیسے جرم عظیم میں ثبوت مان لیا جائے؟

اگر نصوص قرآنی کے بالمقابل خدانخواستہ صحیح الاسناد روایات بھی ہوں تو وہ بھی متروک اور ناقابلِ قبول ہیں: کیونکہ یہی اصول ہے، جیسا کہ امام نووی علیہ الرحمہ نے صحیح مسلم کی ایک روایت کے ذیل میں تحریر فرمایا ہے:

صحیح مسلم میں حضرت مالک بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک جھگڑے کے سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا:

"اقض بینی وبین هذا الکاذب الآثم الغادر الخائن." (مسلم، رقم ٤٥٧٧)

"میرے اور اس جھوٹے، گناہ گار، بدعہد اور خائن کے درمیان فیصلہ کیجیے۔"

امام نووی، علامہ مازری سے نقل کرتے ہیں:

"هذا اللفظ الذی وقع لا یلیق ظاهره بالعباس وحاش لعلی ان یکون فیه بعض هذه الاوصاف فضلا عن کلها ولسنا نقطع بالعصمة الا للنبی ولمن شهد له بها لکنا مامورون بحسن الظن بالصحابة رضی الله عنهم اجمعین ونفی کل رذیلة عنهم واذا انسدت طرق تاویلها نسبنا الکذب الی رواتها." (النووی، شرح صحیح مسلم ١٢/ ٧٢)

"اس روایت میں واقع یہ الفاظ بظاہر حضرت عباس سے صادر نہیں ہوسکتے، کیونکہ یہ بات ناقابلِ تصور ہے کہ سیدنا علی کی ذات میں ان میں سے کوئی ایک وصف بھی پایا جائے، چہ جائیکہ تمام اوصاف۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء وملائکہ کے علاوہ ہمارا کسی کے بارے میں بھی معصوم ہونے کا عقیدہ نہیں ہے۔ لیکن ہمیں حکم ہے کہ صحابہ کے بارے میں حسن ظن رکھیں اور ہر بری بات کی ان سے نفی کریں۔ چونکہ روایت میں تاویل کی کوئی گنجایش نہیں، اس لیے ہم اس روایت کے جھوٹ کو راویوں کی طرف ہی منسوب کریں گے"

"امام ابن الجوزی فرماتے ہیں:

ما احسن قول القائل: اذا رایت الحدیث یباین المعقول او یخالف المنقول او یناقض الاصول فاعلم انه موضوع. (تدریب الراوی، السیوطی ١/ ٢٧٧)

"کسی کہنے والے نے کتنی اچھی بات کہی ہے کہ جب تم دیکھو کہ کوئی حدیث عقل کے خلاف ہے یا ثابت شدہ نص کے مناقض ہے یا کسی اصول شرعی سے ٹکراتی ہے تو جان لو کہ وہ موضوع ہے۔"

اس مقدمہ کے بعد اب اہل علم و اہل ایمان کے واسطے کسی روایت پر نقد و تبصرہ اور اس پر جرح کی کوئی ضرورت تو نہیں رہ گئی ہے جس میں حضرت معاویہ کا سرکار امام حسن رضی اللہ عنہما کو زہر دینے یا دلوانے کا ذکر ہو مگر پھر بھی چند روایات کی کیفیت پر اس غرض سے تبصرہ مناسب و ضروری سمجھ رہا ہوں کہ قرآن کریم و احادیث مبارکہ سے ناآشنا اور محض تاریخ پر یقین و اعتقاد رکھنے والے جہلاء چشم عبرت سے مطالعہ کر لیں اور تاریخ کو اپنے یقینیات و اعتقادات سے نکال دیں اور قرآن و حدیث پر ایمان و عقیدہ رکھیں۔

مخالفین کے دلائل کا علمی و تحقیقی جائزہ

دلیل نمبر (۱) اور اس کی اسنادی حیثیت:

"قال ابن عبد البرّ : ذكر أبو زيد عمر بن شبه وأبو بكر بن أبى خيثمة قالا : حدّثنا موسى بن إسماعيل قال : حدّثنا أبو بلال عن قتادة قال : دخل الحسين على الحسن ، فقال : يا أخى ! إنّى سقيت السمّ ثلاث مرّات ، لم أسق مثل هذه المرّة ، إنّى لأضع كبدى ، فقال الحسين : من سقاك يا أخى ؟ قال : ما سؤالك عن هذا ، أتريد أن تقاتلهم ؟ أكلهم إلى الله ، فلمّا مات ورد البريد بموته على معاوية ، فقال : يا عجبا من الحسن شرب شربة من عسل بماء رومة فقضى نحبه." (الاستيعاب لابن عبد البر : ۱/۱۱۱)

ترجمہ: "سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ، سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو سیدنا امام حسن نے کہا : اے بھائی ! میں نے تین بار زہر پیا ہے، لیکن اس مرتبہ کی طرح کبھی نہیں پلایا گیا۔ میرا جگر نکلتا جا رہا ہے۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: بھائی ! آپ کو کس نے زہر پلایا ہے؟ فرمایا: اس بارے میں آپ کے سوال کا کیا مطلب ہے؟ کیا آپ ان سے لڑائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ میں ان کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آپ کی موت کا پیغام پہنچا تو آپ کہنے لگے: افسوس ہے کہ حسن نے رومہ کے پانی کے ساتھ شہد کا ایک جام پیا اور فوت ہو گئے۔"

روایت کی اسنادی حیثیت:

اس کی سند سخت ترین "ضعیف" ہے۔ اس کا راوی محمد بن سلیم ابو ہلال الراسبی (م ۱۶۷ھ) جمہور کے نزدیک "ضعیف" ہے۔

جارحین:

۱-امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قد احتمل حديثه إلّا أنّه يخالف فی حديثه قتادة، وهو مضطرب الحديث عن قتادة."

(الجرح والتعديل لابن ابی حاتم: ۷/ ۲۷۳)

"**ترجمہ:** اس کی حدیث بیان کی گئی ہے، لیکن یہ قتادہ سے بیان کرنے میں ثقہ راویوں کی مخالفت کرتا ہے۔ قتادہ سے اس کی حدیثیں مضطرب ہیں"۔

۲-امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ابو ہلال راسبی کی قتادہ سے روایات کیسی ہیں؟ فرمایا: اس میں ضعف ہے، یہ راوی کچھ اچھا ہے۔ (الجرح والتعدیل: ۷/ ۲۷٤، وسندہ، صحیحٌ)

۳-امام ابنِ عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"هذه الأحاديث لأبی هلال عن قتادة عن أنس كلّ ذلك، أو عامّتها غير محفوظة."

(الكامل لابن عدی: ٦/ ۲۱٤، وفی نسخة: ٦/ ۲۲۲)

"**ترجمہ:** یہ ابو ہلال کی قتادہ سے احادیث ہیں۔ یہ سب کی سب یا اکثر غیر محفوظ ہیں۔"

ان تینوں ائمہ کرام کی جرح مفسر ہے۔ یہ روایت بھی ابو ہلال کی قتادہ سے ہے، لہٰذا "ضعیف" ہے۔

۴-امام ابنِ سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فيه ضعف"۔ "**ترجمہ:** اس میں ضعف ہے"۔ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد: ۷/ ۲۷۵)

۵-امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ليس بقويّ۔ "**ترجمہ:** یہ قوی راوی نہیں ہے۔" (الضعفاء للنسائی: ۲۰۲)

٦-امام ابوزرعہ الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ليّن"۔ "کمزور راوی ہے"۔

(الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: ۷/ ۲۷٤)

۷-یزید بن زریع کہتے ہیں کہ یہ کچھ بھی نہیں۔ (الجرح والتعدیل: ۷/ ۲۷۳، وسندہ، صحیحٌ)

نیز فرماتے ہیں: عدلت عن أبی هلال عمدا۔ "**ترجمہ:** میں جان بوجھ کر ابو ہلال سے دُور ہٹا ہوں۔"

(الجرح والتعدیل: ۷/ ۲۷۳، وسندہ، صحیحٌ)

۸-امام یحییٰ بن سعید القطان اس سے روایت نہیں لیتے تھے۔ (الجرح والتعدیل: ۷/ ۲۷۳، وسندہ، صحیحٌ)

۹-امام ابنِ حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وكان أبو هلال شيخا صدوقا ، إلّا أنّه كان يخطىء كثيرا من غير تعمّد ، حتّى صار يرفع المراسيل ، ولا يعلم ، وأكثر ما كان يحدّث من حفظه ، فوقع المناكير فى حديثه من سوء حفظه .

"ترجمہ: ابو ہلال سچا شیخ تھا، لیکن بغیر قصد کے بہت زیادہ غلطیاں اس سے سرزد ہوتی تھیں، یہاں تک کہ وہ انجانے میں مرسل روایات کو مرفوع بیان کرنے لگا۔ وہ اکثر اپنے حافظے سے بیان کرتا تھا، لہٰذا اس کے حافظے کی خرابی کی وجہ سے منکر روایات اس کی حدیث میں داخل ہو گئیں۔" (المجروحین لابن حبان: ۲.۲۹٦/۲۹۵-)

امام البزار رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

واحتملوا حديثه ، وإن كان غير حافظ . "محدثین نے اس کی حدیثیں لی ہیں، اگرچہ یہ حافظے والا نہیں تھا۔" (مسند البزار: ۱۷۹٦)

۱۰-امام ابن ابی حاتم الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

محلّه الصدق ، لم يكن بذاك المتين . "اس کا مقام سچ والا ہے۔ زیادہ مضبوط راوی نہ تھا۔"
(الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: ۷/۲۷٤)

امام بخاری رحمہ اللہ الباری نے اسے اپنی کتاب الضعفاء (۴۸۲۔۴۸۳[۳۲۴]) میں ذکر کیا ہے۔
امام عقیلی رحمہ اللہ نے اسے اپنی کتاب الضعفاء الکبیر (۴/۷۴) میں ذکر کیا ہے۔
کچھ لوگوں نے ابو بلال کی تعدیل بھی کی ہے مگر تعدیل کی جو حیثیت ہے وہ بھی دیکھ لیں:

معدلین

۱-امام دار قطنی رحمہ اللہ نے ثقہ کہا ہے۔ (سوالات الحاکم: ٤٦٨)

یہ قول خود امام دار قطنی کے ہی قول کے معارض ہے، لہٰذا ساقط ہے۔ چنانچہ امام دار قطنی فرماتے ہیں کہ یہ "ضعیف" راوی ہے۔ (العلل: ٤/٤٠ بحوالۃ موسوعۃ اقوال الدار قطنی)

۲-امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا:

سلام بن مسكين أحبّ إليك أم أبو هلال ؟ قال : أبو هلال أشبه بالمحدثين . "سلام بن مسکین آپ کو زیادہ اچھے لگتے ہیں یا ابو ہلال؟ فرمایا: ابو ہلال محدثین کے زیادہ قریب ہے۔"

(الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ۷/ ۲۷٤)

یہ قول جمہور کی جرح کے معارض و مخالف ہے اس لئے نا قابل قبول ہے۔

۳-امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کان سلیمان بن حرب جیّد الرأی فی أبی هلال الراسبیّ. "سلیمان بن حرب، ابو ہلال الراسبی کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔" (الجرح والتعدیل : ۷/ ۲۷٤، وسندہ، صحیحٌ)

۴-امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لیس بصاحب کتاب، لیس به بأس. "یہ صاحبِ کتاب نہ تھا۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔"

(الجرح والتعدیل : ۷/ ۲۷٤، وسندہ، صحیحٌ)

یہ قول خود امام صاحب کے اپنے قول کے معارض و مخالف ہے، لہٰذا یہ نا قابل التفات ہے۔ امام صاحب خود فرماتے ہیں:

لم یکن له کتاب، وهو ضعیف الحدیث. "**ترجمہ:** اس کے پاس کوئی کتاب نہ تھی۔ اس کی حدیث ضعیف ہے۔" (تاریخ ابن ابی خیثمة : ۲۲۰۵)

۵-امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے ثقہ کہا ہے۔ (تهذیب الکمال : ۱٦/ ۳۱۹)

یہ قول مردود ہے، کیونکہ اس کے راوی ابو عبید الآجری کے حالات نہیں مل سکے۔

٦-امام عبد الرحمن بن مہدی اس سے روایت لیتے تھے اور وہ غالباً ثقہ سے روایات بیان کرتے تھے۔

۷،۸،۹ امام ابنِ خزیمہ (۲۰۴۴)، امام ابو عوانہ (۴۰۱۳)، امام حاکم (۴/ ۳۳۳) نے اس کی حدیث کی تصحیح کر کے اس کو ثقہ قرار دیا ہے۔

ثابت ہوا کہ ابو ہلال الراسبی البصری جمہور کے نزدیک "ضعیف" ہے۔ خصوصاً جب یہ قتادہ سے بیان کرے تو "ضعیف" ہوتا ہے، لہٰذا حافظ علائی رحمہ اللہ نے جو یہ کہا ہے کہ جمہور نے اس کی توثیق کی ہے۔

(فیض القدیر للمناوی: ٦/ ۳۸۱)

تو ان کا یہ قول درست نہیں ہے۔

باقی متاخرین، مثلاً حافظ ذہبی (العبر : ۱/ ۷۷)، حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ (التلخیص : ۳/ ۸۵)، حافظ ہیثمی (مجمع الزوائد : ۵/ ۱۹۷)، بوصیری (مصباح الزجاجه : ۱۵۱۸)، علامہ قرطبی (التذکرة :

۳۸۳)وغیرہ کا اسے ثقہ قرار دینا متقدمین کے مقابلے میں قابل قبول نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس کی سند میں قتادہ بن دعامہ مدلس ہیں، لہٰذا روایت "ضعیف" ہے۔ اصول یہ ہے کہ جب ثقہ مدلس بخاری و مسلم کے علاوہ عن یا قال کہہ کر روایت بیان کرے تو وہ "ضعیف" ہوتی ہے۔

امام ابنِ عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قتادة إذا لم يقل : سمعت وخولف فی نقله ، ولا تقوم به حجّة .

"قتادہ جب سماع کی تصریح نہ کریں اور اپنی روایت میں ثقہ راویوں کی طرف سے مخالفت کیے جائیں تو ان سے حجت نہیں لی جاسکتی۔" (التمهيد لابن عبد البر : ۳/۳۰۷)

تیسری بات یہ ہے کہ قتادہ بن دعامہ کا حسنین کریمین سے سماع ثابت نہیں، لہٰذا یہ قول منقطع ہے اور منقطع روایت حجت نہیں ہوتی۔

دلیل نمبر (۲) اور اس کی روایتی حیثیت:

وقال الهيثم بن عدیّ : دسّ معاو یة إلى ابنة سهيل بن عمرة امرأة الحسن مأة ألف دينار على أن تسقيه شربة بعث بها إليها ففعلت .

"ترجمہ: ہیثم بن عدی نے کہا ہے کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی بیوی سہیل بنتِ عمرہ کو ایک ہزار دینار کے عوض سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو زہر پلانے پر اکسایا۔ اس نے زہر اس کے پاس بھیجی تو اس نے ایسا کر دیا۔" (انساب الاشراف لاحمد بن یحیی البلاذری : ۳۵۹)

روایت کی حیثیت پر تبصرہ:

یہ روایت موضوع (جھوٹ کا پلندا) ہے۔ اس کا راوی ہیثم بن عدی بالاتفاق "کذاب" اور "متروک الحدیث" ہے۔ اس لئے قابلِ التفات نہیں اگرچہ دشمنان صحابہ گستاخان اہل بیت اس کی روایات کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔

دلیل نمبر (۳) کا جائزہ:

"قال الإمام ابن سعد : أنا محمّد بن عمر : نا عبد الله بن جعفر عن عبد الله بن حسن قال : كان الحسن بن علیّ رجلا كثير نكاح النساء ، وكنّ أقلّ ما يحظين عنده ، وكان قلّ امرأة يتزوّجها

إلّا أحبّته وضننت به ، فيقال : إنّه كان سقى ، ثم أفلت ، ثم سقى فافلت ، ثمّ كانت الآخرة توفّى فيها ، فلمّا حضرته الوفاة ، قال الطبيب ، وهو يختلف إليه : هذا رجل قد قطع السم أمعاءه ، فقال الحسين : يا أبا محمّد ! خبّرنى من سقاك السمّ ، قال : ولم يا أخى ؟ قال : أقتله ، والله قبل أن أدفنك ، أو لا أقدر عليه ، أو يكون بأرض أتكلّف الشخوص إليه ، فقال : يا أخى ! إنّما هذه الدنيا ليال فانية دعه ، حتّى ألتقى أنا وهو عند الله ، فأبى أن يسمّيه ، وقد سمعت بعض من يقول : كان معاوية قد تلطّف لبعض خدمه أن يسقيه سمّا ."

"ترجمہ: عبد اللہ بن حسن بیان کرتے ہیں کہ سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ عورتوں سے بہت زیادہ نکاح کرتے تھے۔ عورتیں ان کے پاس بہت کم عرصہ گزار پاتیں۔ تقریباً سب عورتیں، جن سے آپ شادی کرتے ،وہ آپ سے محبت کرتیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کو زہر پلایا گیا، لیکن وہ جانبر ہو گئے۔ پھر زہر پلایا گیا، لیکن وہ پھر جانبر ہو گئے۔ پھر آخری بار وہ اس میں وفات پا گئے۔ جب ان کی وفات کا وقت حاضر آیا تو طبیب نے ان کی طرف آتے ہوئے کہا: یہ ایسا آدمی ہے، جس کی انتڑیاں زہر نے کاٹ دی ہیں۔ حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابو محمد۔! مجھے بتایئے کہ آپ کو زہر کس نے پلائی ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیوں اے بھائی؟ حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم میں اسے آپ کو دفن کرنے سے پہلے قتل کر دوں گا یا اس پر قادر نہ ہو سکوں گا یا وہ ایسی زمین میں ہو گا، جہاں میرا داخل ہونا مشکل ہو گا۔ اس پر حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے میرے بھائی! یہ دنیا چند فانی راتوں پر مبنی ہے۔ اس شخص کو چھوڑو، میں اس سے اللہ کے ہاں مل لوں گا۔ یہ کہہ کر انہوں نے اس کا نام بتانے سے انکار کر دیا۔ (راوی نے کہا) میں نے بعض لوگوں سے سنا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسین رضی اللہ عنہ کے کسی خادم کو زہر پلانے پر ورغلایا تھا۔" (تاریخ ابن عساکر: ۱۳۔ ۲۸۲-۲۸۳)

تبصرہ:

اول یہ کہ یہ روایت "ضعیف" ترین ہے۔ اس کا راوی محمد بن عمر الواقدی ہے جس کو علماء نے کذاب لکھا ہے۔

دوئم یہ کہ اس میں ایک اور علت بھی ہے۔ وہ یہ کہ راوی نے کہا "قد سمعت بعضا من يقول" میں نے بعض کو یہ کہتے سنا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسن علیہ السلام کے کسی خادم کو زہر پلانے پر ورغلایا تھا" چونکہ یہ کہنے والا بعض کون ہے معلوم نہیں اس لئے اگر راوی صدوق بھی ہوتا تب بھی اس قول کی وجہ سے یہ روایت

مقبول نہ ہوتی۔

دلیل نمبر (۴) کی حیثیت:

ابو بکر بن حفص بیان کرتے ہیں:

"توفّی الحسن بن علیّ وسعد بن أبی وقّاص فی أیّام بعد ما مضی من إمارة معاو یة عشر سنین، وکانوا یرون أنّه سقاهما سمّا." (مقال الطالبین لابی الفرج علی بن الحسین الاصبهانی: ص ۲۰)

ترجمہ: سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد کے دس سال گزرنے کے بعد فوت ہوئے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو زہر پلایا تھا۔

تبصرہ: یہ روایت بھی منگھڑت ہے، جسے دشمنانِ صحابہ گستاخان اہلبیت نے اپنے مذہب وعقیدہ پر دلیل بنالیا ہے۔

۱- صاحبِ کتاب اموی شیعہ ہے۔ اس کے بارے میں توثیق ثابت نہیں۔ اس کے شاگرد محمد بن ابی الفوارس کہتے ہیں:

وکان قبل أن یموت اختلط. "یہ اپنی موت سے پہلے بدحواس ہو گیا تھا۔"

(تاریخ بغداد للخطیب: ۱۱/ ۳۹۸)

۲- اس کے راوی احمد بن عبید اللہ بن عمار کے بارے میں امام خطیب بغدادی فرماتے ہیں:

وکان یتشیّع. "یہ شیعہ مذہب سے تعلق رکھتا تھا۔" (تاریخ بغداد: ٤/ ۲۵۲)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

من رؤوس الشیعة. "یہ شیعہ کے سرداروں میں سے تھا۔"

(میزان الاعتدال للذهبی: ۱/ ۱۱۸)

اس کے بارے میں ادنیٰ کلمۂ توثیق بھی ثابت نہیں۔

۳- اس کا مرکزی راوی عیسیٰ بن مہران ہے۔ اس کے بارے میں حافظ ذہبی فرماتے ہیں: رافضیّ، کذّاب۔ "یہ رافضی اور بہت بڑا جھوٹا تھا۔" (میزان الاعتدال للذهبی: ۳/ ۳۲٤)

امام ابو حاتم الرازی فرماتے ہیں کہ یہ کذاب آدمی تھا۔ (الجرح والتعدیل: ٦/ ۲۹۰)

امام ابنِ عدی فرماتے ہیں:

حدّث بأحاديث موضوعة مناكير ، محترق فی الرفض . "اس نے بہت سی من گھڑت اور منکر روایات بیان کی ہیں۔ یہ کٹر قسم کا رافضی تھا۔" (الكامل لابن عدی : ٥ / ٢٦٠)

نیز فرماتے ہیں: والضعف بيّن على حديثه . "اس کی حدیث پر ضعف واضح ہے۔"

(الكامل لابن عدی : ٥ / ٢٦١)

امام دار قطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رجل سوء ، ومذهب سوء . "آدمی بھی بُرا تھا اور اس کا مذہب بھی بُرا تھا۔"

(الضعفاء والمتروكون للدار قطنی : ٤١٨)

امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

كان عيسىٰ بن مهران من شياطين الرافضة ومردتهم ، ووقع إلیّ كتاب من تصنيفه فی الطعن على الصحابة وتضليلهم وإكفارهم وتفسيقهم ، فوالله لقد قف شعری عند نظری فيه ، وعظم تعجّبی ممّا أودع ذلك الكتاب من الأحاديث الموضوعة ...

"عیسیٰ بن مہران شیاطین اور لعین قسم کے رافضیوں میں سے تھا۔ مجھے اس کی تصنیفات میں سے ایک کتاب ملی، جو کہ صحابہ کرام پر طعن، ان کو گمراہ قرار دینے، ان کو فاسق کہنے اور ان کی تکفیر پر مبنی تھی۔ اللہ کی قسم! اس کتاب کو دیکھتے ہوئے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور اس کتاب میں اس نے جو من گھڑت احادیث ذکر کی تھیں، ان سے میں بڑا متعجب ہوا۔۔۔" (تاريخ بغداد للخطيب : ١١ / ١٦٧)

تنبیہ : لسان المیزان (٤ / ٤٠٤) میں اس کے حالات لکھتے ہوئے کسی ناسخ نے غلطی سے ولحقه ابن جرير (ابنِ جریر اس کو ملے تھے) کی بجائے وثّقه ابن جرير (ابنِ جریر نے اسے ثقہ قرار دیا ہے) لکھ دیا ہے۔

اس کذاب کی روایت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف پیش کرنا انصاف کا خون کرنا ہے۔

دلیل نمبر (۵) اور اسکی حیثیت:

عمیر بن اسحاق بیان کرتے ہیں:

"كنت مع الحسن والحسين فی الدار ، فدخل الحسن المخرج ، ثمّ خرج ، فقال : لقد سقيت السمّ." (مقال الطالبين لابی الفرج الاصبهانی الشيعی الاموی : ص ٢٠)

"ترجمہ: میں حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ گھر میں تھا۔ سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ دروازے میں داخل ہوئے، پھر باہر آئے اور فرمایا: میں نے زہر پیا ہے۔۔۔"

اس من گھڑت روایت کا معنیٰ و مفہوم وہی ہے اور اس میں علتیں بھی بعینہٖ وہی ہیں، جو اس سے پہلے والی روایت میں ہیں۔

دلیل نمبر (٦) اور اس کی جرح:

"عن أمّ موسى أنّ جعدة بنت الأشعث ابن قيس سقت الحسن السمّ، فاشتكى منه شكاة، قال: فكان يوضع تحته طست وترفع أخرى نحوا من أربعين يوما." (تاريخ ابن عساكر: ١٣/٢٤٧)

"ام موسیٰ بیان کرتی ہیں کہ جعدۃ بنت الاشعث بن قیس نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو زہر پلایا۔ اس سے آپ بیمار ہو گئے۔ آپ کے نیچے ایک برتن رکھا جاتا اور دوسرا اُٹھایا جاتا۔ تقریباً چالیس دن تک یہ معاملہ رہا۔"

روایت پر تبصرہ:

اس روایت کی سند "ضعیف" ہے۔ یعقوب نامی راوی کا تعین درکار ہے، نیز امِ موسیٰ سے اس کا سماع مطلوب ہے۔

غرض وہ روایات جن میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ انہوں نے سیدنا امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہما کو زہر دیا تھا، ان کا جھوٹا ہونا واضح ہو گیا ہے۔

بے سند اور "ضعیف" روایات پیش کرنا اور ان پر اپنے عقیدہ و عمل کی بنیاد ڈالنا اہل حق کا وطیرہ نہیں۔

نیز "ضعیف" اور بے سروپا روایات صحابہ کرام کے خلاف پیش کرنا صحیح نہیں، کیونکہ یہ بدگمانی کے زمرہ میں آئے گا۔ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ جھوٹی روایات شیعوں کے عقیدہ کے منافی بھی ہیں، کیونکہ شیعہ مذہب کی معتبر کتابوں میں لکھا ہے:

"إنّ الأئمّة يعلمون متى يموتون، وإنّهم لا يموتون إلّا باختيارهم."

(اصول الكافي الكليني: ١/٢٥٨، الفصول المهمة للحر العاملي: ص ١٥٥)

"ائمہ جانتے ہوتے ہیں کہ کب مریں گے اور وہ اپنے اختیار ہی سے مرتے ہیں۔"

حاصل کلام یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سرکار امام حسن علیہ السلام کو زہر دینے یا دلانے کی نسبت کرنا، بہت بڑا جھوٹ اور افترا ہے، اور اس سلسلہ میں ساری روایتیں موضوع و من گھڑت ہیں۔

علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

وما ينقل من ان معاوية دس إليه السم مع زوجه جعدة بنت الاشعث فهو من أحاديث الشيعة وحاشا لمعاوية من ذلك . (تاریخ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۱۸۷)

ترجمہ: اور یہ روایت کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان (امام حسن رضی اللہ عنہ) کی بیوی سے مل کر زہر دلایا شیعوں کی بنائی ہوئی ہے- حاشا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

" وأما قوله : إن معاوية سم الحسن ، فهذا مما ذكره بعض الناس ، ولم يثبت ذلك ببينة شرعية ، أو إقرار معتبر ، ولا نقل يجزم به ، وهذا مما لا يمكن العلم به ، فالقول به قول بلا علم. " (منهاج السنه جلد ٤ صفحہ ٤٦٩)

ترجمہ: بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ حسن کو معاویہ (رضی اللہ عنہما) نے زہر دیا تھا یہ بات کسی شرعی دلیل اور معتبر اقرار سے ثابت نہیں ہے اور نہ کوئی قابل وثوق روایت سے اس کی شہادت ملتی ہے اور یہ واقعہ ان واقعات میں سے ہے جس کی تحقیق نہیں کی جاسکتی اس لیے اس کے متعلق کچھ کہنا نامعلوم بات کہنا ہے۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں:

" قلت : هذا شيء لا يصح فمن الذي اطلع عليه . " (تاریخ اسلام صفحہ ٤٠)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ یہ بات صحیح نہیں ہے، اور اس پر کون مطلع ہو سکا ہے۔

علامہ حافظ ابن کثیر اس بارہ میں لکھتے ہیں:

"وعندي أن هذا ليس بصحيح ، وعدم صحته عن أبيهِ معاويةَ بطريقِ الأولىٰ ."
(البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ٤٣)

ترجمہ: اور میرے نزدیک یہ بات صحیح نہیں کہ یزید نے سیدنا امام حسن کو زہر دے کر شہید کر دیا ہے۔ اور اس کے والد ماجد سیدنا امیر معاویہ کے متعلق یہ گمان کرنا بطریق اَولیٰ غلط ہے۔

الغرض دلائل قاہرہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ سرکار امام عالی مقام حضرت امام حسن کو زہر خورانی کی نسبت حضرت معاویہ کی طرف بے بنیاد اور منگھڑت ہے، ایسا کہنا شرعاً ممنوع و حرام ہے اور کہنے والے پر توبہ لازم ہے۔

سرکار امیر المومنین سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر خورانی کی نسبت یزید کی طرف:

بعض مورخین جن میں حضرت جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ بھی ہیں انہوں نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلوانے کی نسبت یزید کی طرف کی ہے۔

یزید پلید کا میں وکیل تو نہیں ہوں مگر صحیح ثبوت نہ ہو تو اس جرم کی نسبت یزید کی طرف یا کسی کی طرف کرنا درست نہیں ہے یہ بھی افترا ہی ہوگا اور شرعاً حرام و ممنوع کہ جھوٹ تو جھوٹ ہی ہے وہ خواہ کسی کے لئے بولا جائے۔

اوپر حافظ بن کثیر کا قول لکھ چکا ہوں کہ انہوں نے کہا کہ

"و عندی ان هذا لیس بصحیح ، و عدم صحته عن ابیه معاو یه بطر یق الا ولی"

(البدایه والنهایه ج ۸)

میرے نزدیک تو یہ بات بھی صحیح نہیں کہ یزید نے سرکار امام حسن کو زہر دے کر شہید کر دیا ہے اور اس کے والد حضرت معاویہ کے متعلق یہ گمان کرنا تو بطریق اولی غلط۔

یزید کی طرف زہر خورانی کی نسبت والی روایت کی حیثیت:

ابنِ جعدۃ کہتے ہیں:

"كانت جعدة بنت الأشعث بن قيس تحت الحسن بن علیّ ، فدسّ إليها يز يد أن سمى حسنا، إنّي مزوّجك ، ففعلت ، فلمّا مات الحسن بعثت إليه الجعدة ، تسأل يز يد الوفاء بما وعدها، فقال : إنّا والله لم نرضك للحسن ، فنرضاك لأنفسنا ."

(تار یخ ابن عساکر : ١٣ / ٢٨٤، المنتظم لابن الجوزی : ٥ / ٢٢٦)

ترجمہ: جعدہ بنت الاشعث بن قیس سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھی۔ یزید نے اسے بہلایا کہ تُو حسن کو زہر دے دے تو میں تجھ سے نکاح کر لوں گا۔ اس نے ایسا کر دیا۔ جب حسن رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو جعدہ نے یزید سے اپنے وعدے کو وفا کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! ہم نے تجھے حسن کے لیے پسند نہیں کیا تھا، اپنے لیے کیسے کریں۔

تبصرہ: یہ جھوٹا قصہ ہے۔

۱-اس کا گھڑنے والا یزید بن عیاض بن جعدۃ اللیثی ہے۔ امام یحییٰ بن معین، امام علی بن المدینی، امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی، امام ابنِ عدی، امام ابوزرعہ الرازی، امام ابوحاتم الرازی، امام ساجی، امام جوزجانی، امام عمرو بن علی الفلاس وغیرہم رحمہم اللہ نے اسے "ضعیف، منکر الحدیث" اور "متروک الحدیث" کے الفاظ کے ساتھ مجروح کیا ہے۔ اس کے بارے میں ادنیٰ کلمہء توثیق بھی ثابت نہیں ہے۔

۲-اس کا دوسرا راوی محمد بن خلف بن المرزبان الآجری کے بارے میں متقدمین ائمہ محدثین میں سے کسی نے توثیق نہیں کی، بلکہ امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هو أخباريّ، ليّن. "یہ تاریخ دان تھا اور کمزور راوی تھا۔" (سوالات السھمی: ۱۰٤)

لہٰذا حافظ ذہبی رحمہ اللہ (صاحب سیر اعلام النبلاء: ۱۴/ ۲۶۴) کا اسے صدوق قرار دینا صحیح نہیں۔

غور کرنے کی بات ہے کہ کہاں جعدہ اور کہاں یزید جو جعدہ کو بہلا پھسلا دے گا؟

یزید شام میں جعدہ مدینہ میں حضرت امام حسن علیہ السّلام کے گھر میں ظاہر سی بات ہے کہ امام کے گھر میں پردہ کی سخت پابندی تھی غیر محرموں سے ملنے جلنے کی گنجائش کہاں جو ان کے بہکاوے میں امام کی بیوی آجاتیں؟

زہر جعدہ نے دیا ہو یا نہ دیا ہو مگر یہ بات تو ہے کہ زہر جعدہ کے گھر میں دیا گیا ہے جس میں غیر محرموں کے لئے آسان نہیں کہ ایسی کچھ حرکت کر سکیں پھر یہ کہ زہر ایک ہی مرتبہ نہیں دیا گیا جو اتفاقاً کوئی اپنے منصوبے میں کامیاب ہو گیا بلکہ کئی مرتبہ زہر دیا گیا جس کا مطلب صاف ہے کہ زہر دینے والا کوئی بہت ہی قریبی تھا امام کے حرم میں جس کا آنا جانا آسان تھا جو کہ غیر محرموں کے لئے آسان نہیں ہوتا ہے۔

بعض کا یہ کہنا کہ "کوفی شیعوں نے آپ کو زہر دلایا" ان بعض کے قیاس کی وجہ یہ ہے کہ شیعانِ کوفہ میں سے بہت سے لوگ صفین میں مسئلہ تحکیم پر خارجی ہو گئے تھے حضور مولا علی پاک کرم اللہ وجہہ الکریم کے باغی اور دشمن بن گئے، اور انہوں نے آپ کی تکفیر بھی کی جس کی پاداش میں حضور امیر المومنین، مولائے کائنات علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لشکر نے نہروان میں ان کو قتل کیا، ظاہر سی بات ہے کہ جو لوگ قتل کئے گئے ان کے متعلقین ورشتے دار حضور مولا پاک کے دشمن ہی بنے دوست نہیں اگرچہ وہ اپنی دشمنی وعداوت کو چھپائے رہے ہوں- اسی دشمنی کی بنیاد پر بدبخت ابنِ ملجم کے ہاتھوں مولا پاک علیہ السلام کی شہادت ہوئی جو کہ پہلے شیعہ ہی تھا-

پھر بعد میں خلیفۂ پنجم، امیر المومنین، امام عالی مقام سیدنا حسن علیہ السلام نے بشارت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی تو یہ باغی گروہ کھل کر امام حسن رضی اللہ عنہ سے بھی دشمنی پر آمادہ ہو گیا جیسا کہ شیعہ کتب میں اس کی تفصیلات موجود ہیں جن میں سے کچھ ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔

حوالہ (۱) کشف الغمہ:

امَّا بَعْدُ فَوَاللهِ إِنِّي لَارْجُوا أَنْ أَكُونَ قَدْ أَصْبَحْتُ بِحَمْدِ اللهِ وَمَنِّهِ وَأَنَا انْصَحُ خَلْقِ اللهِ لِخَلْقِهِ وَمَا أَصْبَحْتُ مُتَحَمِلًا عَلَى أَمْرِ مُسْلِمٍ ضَعِينَةً وَلَا مُرِيدًا لَهُ بِسُوءٍ وَلَا غَائِلَةٍ وَ إِلَّا مَا تَكْرَهُونَ فِي الْجَمَاعَةِ خَيْرٌ لَكُم مِمَّا تُحِبُّونَ فِي الْفُرْقَةِ وَإِنِّي نَاظِرٌ لَكُمْ خَيْرًا مِنْ تَنظُرِكُمْ لا تُفْسِكُمْ فَلَا تُخَالَفُوا أَمْرِي وَلَا تَرَدَّدُوا عَلَى رَائِي غَفَرَ اللهُ لِي وَلَكُمْ وَارْشَدَنِي وَإِيَّاكُمْ لِمَا فِيهِ الْمَحَيَّةُ وَالرِّضَاءُ.

قَالَ فَنَظَرَ النَّاسُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ وَ قَالُوا مَا تَرَوْنَهُ يُرِيدُ بِمَا قَالَ قَالُوا نَظُنُّ أَنَّهُ يُرِيدُ أَنْ يُصَالِحَ مُعَاوِيَةَ وَيُسَلِّمَ الْأَمْرَ إِلَيْهِ فَقَالُوا كَفَرَ وَاللهِ الرَّجُلُ وَ شَدُّوا عَلَى فُسْطَاطِهِ فَانتَهَبُوهُ حَتَّى أَخَذُوا مُصَلَاهُ مِنْ تَحْتِهِ ثُمَّ شَدَّ عَلَيْهِ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ جَعالِ الْأَزْدِيُّ فَتَزَعَ مُطْرِفَهُ عَنْ عَاتِقِهِ فَبَقِيَ جَالِسًا مُتَقَلِدَهُ الشَّيْتَ بِغَيْرِ رِدَائِهِ ثُمَّ دعا بفرسه تركبَهُ وَأَحْدَقَ بِهِ طَوَائِفُ مِنْ خَاصَّتِهِ وَ شِيعَتِهِ وَمَنَعُوا مِنْهُ مَنْ أَرَادَهُ وَ دَعَا رَبِيعَةَ وَهَمْدَانَ فَأَطَافُوا بِهِ وَ مَنعُوهُ فَسَارَ وَمَعَهُ شَوبُ مِنْ غَيْرِهِمْ فَلَمَّا مَنَ فِي مَظْلِمِ سَابَاطٍ بَدَرَ إِلَيْهِ رَجُلٌ مِنْ بَنِي أَسَدٍ اِسْمُهُ الْجَرَّاحُ بْنُ سِنَانٍ وَ أَخَذَ بِلِجَامِ فَرَسِهِ وَبِيَدِهِ مَنُول قَالَ اللهُ أكبر أَشْرَكْتَ يَا حَسَنُ كَمَا أَشْرَكَ أَبُوكَ مِنْ قَبْلُ و طَعَنَهُ فِي فَخِذِهِ فَشَقَّهُ حَتَّى بلغ العظمَ فَاعْتَنَتَهُ الْحَسَنُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَخَزَا جَمِيعًا إِلَى الْأَرْضِ.

(كشف الغمه في معرفة الائمه جلد اول ص ۵۳۹ مطبوعه تبريز طبع جديد| مناقب ابن شهر آشوب جلد ٤ ص ۳۲ مطبوعه قم في صلحه عليه السلام مع معاويه، و كذا في ۳ جلاء العيون ج ۱ ص ۳۹۰)

ترجمہ: "امابعد: خدا کی قسم میں امید کرتا ہوں کہ میں صبح کروں اللہ کی حمد و احسان کے ساتھ۔ اور اللہ کی مخلوق کی بہتری میرے پیش نظر ہو۔ اور کسی مسلمان کے ساتھ کینہ پروری کے ساتھ میری صبح نہ ہو۔ اور نہ ہی کسی

کی برائی اور دھوکہ میرے پیش نظر ہو۔ اتفاق کہ جس کو تم اچھا نہیں سمجھتے۔ وہ اس انتشار و افتراق سے بہتر ہے جو تم بہتر سمجھے بیٹھے ہو۔ میں خود تم سے تمہارے لیے بہتر سوچتا ہوں۔ لہذا میرے حکم کی مخالفت نہ کرو۔ اور میری رائے رد نہ کرو۔ اللہ تمہیں اور مجھے بخشے۔ اور اپنی رضا و محبت کی طرف راہنمائی کرے۔ راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اور پوچھا۔ جو کچھ امام نے کہا۔ تم اس سے کس نتیجہ پر پہنچے ہو۔ انہوں نے کہا ہمارا خیال ہے کہ وہ معاویہ سے صلح کرنا چاہتے ہیں۔ اور خلافت انہیں سونپنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ خدا کی قسم اس نے کفر کیا۔ یہ کہہ کر آپ کے خیمہ پر حملہ آور ہوئے۔ اور آپ کے سامان کو لوٹنے کے بعد آپ کے نیچے سے مصلیٰ بھی کھینچ لیا۔ پھر ایک شخص "عبد الرحمن بن عبد اللہ بن جعال ازدی" نے آپ کے کندھے سے چادر اتار لی۔ آپ برہنہ تلوار پہنے ہوئے رہ گئے۔ پھر امام نے گھوڑا منگوایا۔ سوار ہوئے۔ اور اپنے چند خادم اور ساتھیوں کے گھیرے میں روانہ ہوئے۔ وہ آپ کو حفاظت میں لیے ہوئے جا رہے تھے۔ امام نے "ربیعہ اور ہمدان" کو طلب کیا۔ یہ بھی امام کے ارد گرد آکر دشمنوں کے لیے ڈھال بن گئے۔ ان چند لوگوں کے علاوہ کچھ اور آدمی بھی آپ کے ساتھ تھے جب یہ چھوٹا سا قافلہ "ساباط" کے سایوں میں پہنچا۔ تو بنی اسد کے ایک آدمی جراح بن سنان نے آپ کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔ اس کے ہاتھ میں خنجر تھا کہنے لگا۔ اللہ اکبر! اے حسن اتم بھی اپنے باپ کی طرح شرک میں گرفتار ہو گئے؟۔ یہ کہہ کر اس نے آپ کی ران میں نیزہ مارا۔ جس کا گھاؤ ہڈی تک پہنچ گیا۔ امام حسن نے ایک آدمی کا سہارا لیا۔ اور دونوں زمین پر گر گئے۔"

حوالہ نمبر:(۲) الاخبار الطوال:

"فَلَمَّا انْتَهَى إِلى سَابَاطَ رَأَى مِنْ أَصْحَابِهِ فَشَلًا وَ تَوَاكُلاً عَنِ الْحَرْبِ فَنَزَلَ سَابَاطَ وَقَامَ فِيهِمْ خَطِيبًا ثُمَّ قَالَ (أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي قَدْ أَصْبَحْتُ غَيْرُ مُتَحَمِلٍ عَلَى مُسْلِمٍ ضَعِينَةً وَإِنِّي نَاظِرٌ لَكُمْ كَنَظْرِي لِنَفْسِي وَإِرى رايَا فَلَا تَرُدُّوا عَلَى رَأْيِي إِنَّ الَّذِي تَكْرَهُونَ مِنَ الْجَمَاعَةِ أَفْضَلُ مِمَّا تُحِبُّونَ مِنَ الْفُرْقَةِ وَأَرَى أَكْثَرَكُمْ قَدْ نكَلَ عَنِ الْحَرْبِ وَ فَضَّلَ عَنِ الْقِتَالِ وَلَسْتُ أَرَى أَنْ أَحْمِلَكُمْ عَلَى مَا تَكْرَهُونَ فَلَمَّا سَمِعَ أَصْحَابُهُ ذَلِكَ نَظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ فَقَالَ مَنْ كَانَ مَعَه ممن يرى راى الْخَوَارِجِ كَفَرَ الْحَسَنُ كَمَا كَفَرَ أَبُوهُ مِنْ قَبْلِهِ فَشَدَّ عَلَيْهِ نَقَرٌ مِنْهُمْ فَانْتَزَعُوا مُصَلَّاهُ مِنْ تَحْتِهِ وَانْتَهَبُوا ثِيَابَهُ حَتَّى انْتَزَعُوا مُطْرِفَهُ عَنْ عَاتِقِهِ فَدَعَا بِفَرَسِهِ فَرَكِبَهَا

وَ نادي ابنَ رَبِيعَةَ وَهَمْدَانُ) فتَبَادَرُوا إِلَيْهِ وَرَفَعُوا عَنْهُ الْقَوْمَ ."

(۱/الاخبار الطوال لابی حنیفه احمد بن داؤد والدینوری شیعی ص ۲۱٦ - ۲۱۷ مطبوعه بیروت | ۲/مناقب ابن شهر آشوب جلد ٤ ص ۳۳ مطبوعه قم في صلحه مع معاو یه)

ترجمہ: "پس جب آپ ساباط پہنچے۔ تو اپنے ساتھیوں کو جنگ سے کاہل اور سست پایا۔ وہاں آپ نے خطبہ دیا اور کہا۔ لوگو! میں اس حال میں صبح کرتا ہوں۔ کہ کسی مسلمان کے خلاف میرے دل میں کینہ نہیں ہوتا۔ اور میں تمہارے متعلق اسی طرح بھلے کی بات سوچتا ہوں جس طرح خود اپنے لیے۔ اور میری رائے کو مت ٹھکرانا، تم اتفاق کو انتشار و تفرقہ سے برا سمجھتے ہو۔ اور تمہاری اکثریت جہاد سے گریزاں اور بزدل ہے۔ میں تمہیں اس بات کو ماننے پر مجبور نہیں کرتا۔ جس کو تم پسند نہیں کرتے۔ جب آپ کے ساتھیوں نے یہ کلمات سنے۔ ایک دوسرے کو دیکھا۔ تو ان میں سے ایک خارجی نے کہا۔ حسن نے ویسے ہی کفر کیا۔ جس طرح اس کے باپ نے کفر کیا تھا۔ پھر کیا تھا۔ ایک جماعت امام حسن پر ٹوٹ پڑی ان کے نیچے سے مصلی بھی کھینچ لیا۔ اور کپڑے چھین لیے۔ یہاں تک کہ کندھوں سے چادر اتار لی۔ آپ نے گھوڑا منگوایا۔ سوار ہو کر ربیعہ اور ہمدان کو آواز دی وہ دوڑے ہوئے آپ کی طرف آئے۔ اور مخالفین کو پیچھے دھکیلا۔"

حوالہ نمبر (۳) مناقب آل ابی طالب:

"وَرُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ يَا أَهْلَ الْعِرَاقِ أَنَا سُحَيَ عَلَيْكُمْ بِنَفْسِي ثَلَاثُ قَتَلَكُمْ أَبِي وَطَعَنْكُمْ إِيَّايَ وَانْتِهَابِكُمْ مَتَاعِي ." (مناقب آل ابی طالب ابن شهر آشوب جلد چهارم ۳۳ قم خیابان)

ترجمہ: امام حسن علیہ السلام نے عراقیوں سے کہا۔ آئے اہل عراق (کوفیوا) میں نے تم پر تین قربانیاں کیں۔ تمہارا میرے والد کو قتل کرنا۔ اور مجھے نیزہ مارنا اور میرا سامان لوٹنا۔ (یعنی میں نے ان میں سے کسی کا بدلہ نہیں لیا۔)

شیعوں نے امام حسن کو مذل المومنین یعنی مومنوں کو ذلیل کرنے والا کہا۔

حوالہ نمبر (۴) مناقب آل ابی طالب:

"قَالَ مَاذِنَ الرَّاسَبِي إِنَّهُ لَمَّا صَالَحَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٌّ وَعَزَلَ وَقِيلَ لَهُ يَا مُذِلَّ الْمُؤْمِنِينَ وَمُسَوِدَ الْوُجُوهِ فَقَالَ لَا تَعْدِلُونَنِي فَإِنَّ فِيهَا مَصْلِحَةً ."

(مناقب آل ابی طالب ابن شهر آشوب جلد چهارم ص ۳)

ترجمہ: "ماذن راسبی کہتا ہے۔ جب امام حسن نے امیر معاویہ سے صلح کرلی۔ آپ کو ملامت کی گئی۔ اور کہا گیا۔ آئے مومنوں کو ذلیل کرنے والے اور ان کے منہ کالے کرنے والے!۔ تو آپ نے فرمایا۔ مجھے ملامت نہ کرو کیونکہ اس میں، مصلحت ہے۔ (یعنی صلح میں بہتری ہے)"

حوالہ نمبر (۵) رجال کشی:

عن ابی جعفر علیه السلام قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَصْحَابِ الْحَسَنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُقَالُ لَهُ سُفْيَانُ بْنُ أَبِي لَيْلَى وَهُوَ عَلَى رَاحِلَةٍ لَّهُ فَدَخَلَ عَلَى الْحَسَنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَ مُخْتَبٌ فِي فِنَاءِ دَادِهِ فَقَالَ لَهُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُذِلَ الْمُؤْمِنِينَ فَقَالَ لَهُ الْحَسَنُ عَلَيْهِ السَّلَامُ انْزِلْ وَلَا تُعَجِلْ فَنَزَلَ فَعَقَلَ رَاحِلَتَهُ فِي الدَّارِ وَأَقْبَلَ يَمْشِي حَتَّى انْتَهَى إِلَيْهِ قَالَ فَقَالَ لَهُ الْحَسَنُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا قُلْتَ ؟ قَالَ قُلْتُ السَّلامُ عَلَيْكَ يَا مُذِلَ الْمُؤْمِنِينَ.

(رجال کشی ص ۱۰۳ مطبوعه کربلا تذکره سفیان بن ابی لیلی الهمدانی)

ترجمہ: "امام باقر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ امام حسن کے ساتھیوں میں ایک شخص سفیان بن ابی لیلی اونٹنی پر سوار ہو کر آپ کے پاس آیا۔ اس وقت امام اپنے گھر گوٹھ مار کر بیٹھے ہوئے تھے۔ آکر کہنے لگا۔ آئے مومنوں کو ذلیل کرنے والے تم پر سلام۔ اسے امام حسن نے نیچے اترنے کو کہا۔ اور فرمایا جلد بازی نہ کرو۔ اس نے سواری کو باندھ دیا۔ اور آپ کے پاس چل کر آگیا۔ تو آپ نے اُسے پوچھا۔ تو نے ابھی ابھی کیا کہا تھا؟ کہنے لگا میں نے یہ کہا تھا۔ السلام علیکم آئے مومنوں کو ذلیل کرنے والے۔"

حوالہ نمبر (۶) احتجاج طبرسی:

عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبِ الْجُهَنِي قَالَ لِي طُعِنَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِي عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالْمَدَائِنِ آتَيْتُهُ وَهُوَ مُتَوَجِعٌ فَقُلْتُ مَا تَرَى يَا بْنَ رَسُولِ اللهِ فَإِنَّ النَّاسَ مُتَحَيِرُونَ ، فَقَالَ أَرى وَ اللهِ إِنَّ مُعَاوِيَةَ خَيْرٌ لِي مِنْ هَؤُلَاءِ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ لي شِيعَةٌ ابْتَغُوا قَتْلَى وَانْتَهَبُوا تَقْلِي وَأَخَذُوا مَالِي وَاللهِ لَئِنْ أَخُذُ مِنْ مُعَاوِيَةَ عَهْدًا حَقِنَ بِهِ دَمي وَأَوْ مَنِ بِهِ فِي أَهْلِي خَيْرٌ مِّنْ أَنْ يَقْتُلُونَنِي فَتَضِيعُ أَهْلُ بَيْتِي وَأَهْلِي وَاللهِ لَوْ قَاتَلْتُ مُعَاوِيَةَ لَاخَذُوا بِعُنُقِي حَتَّى يَدُ فَعُونِي الَيه سَلَمًا وَاللهِ لَئِنْ أَسَالِمُهُ وَأَنَا عَزِيزٌ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَقْتُلَى وَأَنَا اسِيرُ أَوْ يَمُنُ عَلَى فَيَكُونُ سُنَا عَلَى بَنِي هَاشم آخِرَ

الدَّهْرِ وَلِمُعَاوِيَةَ لا يَزَالُ يَمُنُّ بِهَا وَعَتَبَهُ عَلَى الْحَيِّ مِنَا وَ الْمَيِّتِ .

(احتجاج طبرسی جلد دوم احتجاج الحسن علیه السلام علی من انکر علیه مصالحة معاویة مطبوعه نجف اشرف طبع جدید ، | جلاء العیون جلد اول ص ٤٠٤ زندگانی امام مجتبی مطبوعه تہران طبع جدید)

ترجمہ: "زید بن وہب جہنی کہتا ہے کہ مقام مدائن میں جب حضرت امام حسن کو نیزے سے زخمی کیا گیا۔ تو میں ان کے پاس آیا۔ ابھی انہیں درد تھا۔ میں نے پوچھا۔ آئے رسول کے نواسے! آپ کی اب کیا رائے ہے؟ لوگ سخت حیرانی میں ہیں۔ فرمایا خدا کی قسم ان لوگوں سے میرے حق میں معاویہ بہتر ہے۔ یہ اپنے آپ کو میرا شیعہ کہتے ہیں۔ انہوں نے مجھے قتل کرنا چاہا۔ میرا سامان لوٹا۔ میرا مال لے لیا۔ خدا کی قسم! اگر میں معاویہ سے صلح کا عہد کرلوں۔ تو میرا خون محفوظ اور میں اس کی وجہ سے اپنے گھر والوں میں امن سے ہو جاؤں گا اور یہ اس سے بہتر ہے۔ کہ وہ مجھے قتل کر دیں اور گھر بار تباہ و برباد کر دیں خدا کی قسم اگر میں معاویہ کے مقابلہ میں لڑوں۔ تو لوگ مجھے گردن سے پکڑ کر صحیح سالم اس کے پاس لے جائیں گے۔ خدا کی قسم اگر میں عزت و آبرو سے ان کے ساتھ صلح کر لیتا ہوں۔ تو یہ اس سے بہتر ہے۔ کہ وہ مجھے قیدی بنا کر قتل کر دے۔ یا احسان کر کے جان بخشی کر دے تو یہ بعد میں بنی ہاشم کے لیے آخر زمانہ تک ایک طریقہ بن جائے گا۔ اور معاویہ ہمیشہ کے لیے اس کا احسان جتلاتا رہے گا۔ اور اس کی اولاد ہمارے زندوں مردوں پر احسان کرتی رہیں گی۔"

حوالہ نمبر (۷) احتجاج طبرسی:

عَنْ ابی سَعِيدٍ عَتِيْقِي قَالَ لَمَّا صَالَحَ الْحَسَنُ بنُ عَلِي بْنِ أَبِي طَالِبٍ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفيَانَ جآء الناس عنده وَلَامَه بَعْضُهُمْ عَلى بيعَتِهِ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَيُحَكم ما تَدْرُونَ مَا عَلِمْتُ وَ اللهِ الَّذِي عَمِلْتُ لِشِيعَتِي خَيْرٌ مِّمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ أَوْ غَرَبَتْ أَلَا تَعْلَمُونَ أَنِّي إِمَا مُكُمْ وَمُفْتَرَضُ الطَّاعَةِ عَلَيْكُمْ وَأَحَدُ سَيدَى شُبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ بِنَصٍّ مِنْ رَسُولِ اللهِ عَلَى.

(احتجاج طبرسی جلد دوم ص ۹ مطبوعه نجف اشرف طبع جدید)

ترجمہ: "ابی سعید عتیقی کہتا ہے۔ جب امام حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ سے صلح کی۔ آپ کے پاس لوگ آئے۔ اور بعض نے بیعت کرنے پر ملامت کی۔ امام نے فرمایا۔ افسوس تم پر تم کیا جانو میں نے کیا کیا؟ خدا کی قسم میں نے جو کچھ اپنے ساتھیوں کے لیے کیا۔ وہ ہر اس چیز سے بہتر ہے۔ جس پر سورج طلوع یا غروب ہوتا ہے۔ کیا تم نہیں جانتے۔ میں تمہارا امام ہوں۔ اور تم پر میری اطاعت فرض کی گئی ہے۔ اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے ارشاد کے مطابق جنت کے دونوجوانوں میں سے ایک ہوں۔"

مذکورہ حوالہ جات سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے:

۱- جب امام حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی تو شیعوں نے آپ کی ران یا پہلو کو نیزہ مار کر زخمی کر دیا۔

۲- شیعوں نے امام حسن رضی اللہ عنہ کا تمام مال لوٹ لیا۔

۳- انہوں نے امام موصوف کے نیچے سے مصلی (جائے نماز) تک کھینچ لیا۔

۴- شیعوں نے آپ کو اور آپ کے والد کو (معاذ اللہ) کافر اور مشرک کہا۔

۵- امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے اتفاق واتحاد پسند ہے۔ اور تمہیں انتشار و تفرقہ عزیز

۶- آپ نے قسمیہ فرمایا۔ کہ ان شیعوں سے میرے اور میرے خاندان کے حق میں امیر معاویہ بہتر ہیں۔ کیونکہ انہوں نے مجھے قتل کرنے کی ٹھانی۔ مال ومتاع لوٹا۔ زخمی کر دیا۔ ادھر امیر معاویہ سے صلح کرنے میں میری جانی اور گھر بار کی، حفاظت ہو گی۔ لہذا میں ان شیعوں پر اعتبار نہیں کر سکتا۔ ہو سکتا ہے میرے اعتبار کرنے پر یہ مجھے پکڑ کر قتل کروادیں۔

۷- امام حسن نے عراقی لوگوں (شیعوں) کو فرمایا میں نے تین چیزوں سے تم پر احسان کیا۔ (۱) تم نے میرے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تو میں نے قصاص کا مطالبہ نہ کیا۔ (۲) تم نے مجھے نیزہ مار کر گہرا زخم پہنچایا۔ میں نے اس کا بدلہ نہ لیا۔ (۳) تم نے میرا ساز وسامان لوٹا۔ میں نے تاوان طلب نہ کیا۔

۸- شیعوں نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو یا مذل المومنین، (اے مومنوں کو ذلیل ورسوا کرنے والے) کہا۔

۹- آپ کو یا مسود الوجوہ، بھی کہا۔ (اے لوگوں کے منہ کالے کرنے والے)

۱۰- شیعوں نے آپ کو ملامت کی۔

(ملخصا از عقائد جعفریہ ج ا مصنف محقق الاسلام، شیخ الحدیث علامہ محمد علی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ)

ان حالات وواقعات کے مطالعہ سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

(جو کہ طلب قصاص حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی وجہ سے شیعوں کے دشمن تھے ان) سے امیر المومنین خلیفہء پنجم سرکار امام عالی مقام حسن علیہ السلام کے صلح کر لینے کی وجہ سے اکثر شیعے حضرت امام حسن کے دشمن ہو گئے تھے اور آپ کا قتل حلال سمجھنے لگے تھے اس بنیاد پر قیاس ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام کو شیعہ نے زہر دیا ہو گا اور ان کے لئے لئے یہ آسان اس وجہ سے بھی تھا کیونکہ جعدہ کوفہ ہی کی تھیں۔ واللہ اعلم باالصواب.

کتبـــــــ

بَعْدِهِ، لَا يَنْقُصُ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئًا". (سنن ابن ماجه، كتاب السنة ٢٠٣)

ترجمہ: جس نے کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا اور اس پر لوگوں نے عمل کیا تو اسے اس کے عمل کا اجر و ثواب ملے گا، اور اس پر جو لوگ عمل کریں ان کے اجر کے برابر بھی اسے اجر ملتا رہے گا، اس سے ان عمل کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی نہ ہو گی اور جس نے کوئی برا طریقہ ایجاد کیا اس پر اور لوگوں نے عمل کیا تو اس کے اوپر اس کا گناہ ہو گا، اور اس پر عمل کرنے والوں کا گناہ بھی اسی پر ہو گا، اور ان کے گناہوں میں کچھ کمی نہ ہو گی۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"فَمَا رَآهُ الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ، وَمَا رَأَوْا سَيِّئًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ سَيِّئٌ."

(مسند احمد، مسند المكثرين من الصحابة، حديث ٣٦٠٠ و اسناده حسن)

ترجمہ: جس کام کو (عموماً) مسلمان اچھا سمجھیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھا ہے اور جس کام کو برا سمجھیں تو وہ اللہ تعالیٰ لٹا ٹڑخنے کے نزدیک برا ہے۔

در اصل مخالفین لفظ "کل" سے ورطہء غلط میں پڑے ہوئے ہیں جو حدیث میں آیا ہے "كُلُّ بِدعةٍ ضَلالةٌ" حالانکہ کل کا اِطلاق ہمیشہ اس کے عموم پر نہیں ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات بعض کا استثناء بھی ہوتا ہے اس کی مثالیں قرآن کریم و حدیث شریف میں موجود ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

"تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَىٰ إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ" (سورة الأحقاف ٤٦:٢٥)

ترجمہ: اپنے رب کے حکم سے ہر چیز تباہ کر دیتی، پھر یوں ہوا کہ ان کے مکانوں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔

اس آیت میں "کل شئ" سے "مساکنھم" کا استثناء کھلے طور پر ہے جبکہ دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے ماننے والے بھی تباہی سے محفوظ رہے، چنانچہ ارشاد ہے:

"وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا" (سورة هود ١١:٥٨)

ترجمہ: اور جب ہمارا حکم آیا ہم نے نجات دی ہود کو اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت سے۔

اسی طرح سورہ نمل میں "کل" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملکہ سبا کے بارہ میں بتایا: "وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ" (النمل ٢٣)

ترجمہ: اسے ہر چیز میں سے حصہ دیا گیا ہے۔

یہ بات ہر عالم اور جاہل کی سمجھ میں آنے والی ہے کہ ملکہ سبا اگر چہ بہت بڑی سلطنت کی ملکہ تھی مگر ہر چیز میں سے حصہ تو اسے نہیں ملا تھا۔ اس لئے ضروری ہے کہ کل شئ سے بعض کا استثناء کیا جائے یہی ایمان و انصاف کا تقاضہ ہے ورنہ تو بہت بڑا اشکال پیدا ہو گا۔

اسی طرح حدیث میں ہے:

"كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ خَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ" (رواه الترمذی و ابن ماجه والدارمی و احمد)

ترجمہ: ہر آدمی خطاکار ہے اور خطاکاروں میں بہترین ہیں توبہ کرنے والے۔

"کل" کا اطلاق اگر اس کے عام فرد پر مانا جائے تو لازم آئے گا کہ انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات بھی چونکہ بنو آدم ہیں اس لئے وہ بھی خطاکار ہیں معصوم نہیں۔ لھذا انبیاء علیھم الصلوات والتسلیمات جیسی معصوم شخصیات کا استثناء ضروری ہے۔

غرض ثابت ہوا کہ کل کا اطلاق ہمیشہ کل کے کل پر نہیں ہوتا ہے بلکہ کبھی بعض کا استثناء بھی ہوتا ہے اور "کل بدعة ضلالة" ایسی ہی حدیث ہے جس میں بعض بدعات کا استثناء ہے۔ کیونکہ اسلام دین فطرت ہے اور اس کا پہلا اصول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ تمام چیزیں اصلاً حلال اور مباح ہیں۔ حرام و ممنوع صرف وہ چیزیں ہیں جن کی حرمت و ممانعت صحیح اور صریح نص میں وارد ہو۔ لہذا اگر صحیح نص موجود نہ ہو بلکہ ضعیف ہو یا حرمت پر صریح طور سے دلالت نہ کرتی ہو تو چونکہ اصل اباحت کو ایک ضعیف یا غیر صریح روایت سے ناجائز قرار دینا ہے جو قابلِ قبول نہیں اس لئے غیر صریح روایت کے ہوتے ہوئے بھی اصل اباحت برقرار رہے گی، کیونکہ قاعدہ فقہی ہے: "اَلْيَقِينُ لَا يَزُولُ بِالشَّكِّ" (یقین شک سے زائل نہیں ہوتا)۔ علماے اہلسنت کے نزدیک تمام اشیا اور نفع بخش چیزیں اصلا مباح اور جائز ہیں۔ سوا ان چیزوں کے جن کی ممانعت شرع شریف نے کی ہو اور یہ مسئلہ آیات قرآنی سے ثابت ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

۱- "هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا"

ترجمہ: وہی ہے جس نے تمھارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا فرمائیں۔

۲- "وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا" (سورۃ الجاثیہ ۴۵:۱۳)

ترجمہ: اور اس نے مسخر کر دیں تمھارے لیے ساری چیزیں جو آسمان میں ہیں اور جو زمین میں ہیں۔

۳- "اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَ اَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً"

ترجمہ: تم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں تمھارے لیے مسخر کی ہیں اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں کا اتمام کیا ہے۔

مذکورہ آیات سے ظاہر و باہر ہے کہ خدائے پاک نے ساری نعمتوں کو انسان کے لیے مسخر کر کے اس پر احسان فرمایا ہے، تو پھر یہ کیسے گمان کر لیا جائے کہ اللہ اپنی ان نعمتوں کو حرام ٹھہرا کر ان کے استفادہ سے بندوں کو محروم کرے گا؟

اصل بات یہ ہے کہ وہ چیزیں بہت کم ہیں جنہیں اللہ نے حرام کیا ہے اور جنہیں حرام کیا بھی ہے تو کسی خاص مصلحت کی بنا پر۔ اسی لئے شرع شریف میں محرمات کا دائرہ بہت تنگ ہے۔ اس کے بر خلاف حلال و مباح کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ حرمت کے احکام پر مشتمل نصوص جو صحیح بھی ہوں اور صریح بھی، بہت کم ہیں اور باقی تمام چیزیں جن کی حلت یا حرمت کے بارے میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی ہے وہ مباح ہیں اور ان کے کرنے میں کوئی ممانعت یا گناہ نہیں ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

"مَا أَحَلَّ اَللّٰهُ فِي كِتَابِهِ فَهُوَ حَلَالٌ، وَمَا حَرَّمَ فَهُوَ حَرَامٌ، وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ، فَاقْبَلُوا مِنَ اَللّٰهِ عَافِيَتَهُ، فَإِنَّ اَللّٰهَ لَمْ يَكُنْ لِيَنْسَأَ شَيْئًا، وَتَلَا: «وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًا»."

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جس شئ کو حلال ٹھہرایا ہے، وہ حلال ہے اور جس کو حرام ٹھہرایا ہے وہ حرام ہے اور جن چیزوں کے بارے میں سکوت فرمایا ہے وہ معاف ہیں، لہذا اللہ تعالیٰ کی اس فیاضی کو قبول کرو، کیونکہ اللہ سے بھول چوک کا صدور نہیں ہوتا، پھر آپ نے سورہ مریم" کی آیت (اللہ سے بھول سرزد نہیں ہوتی) تلاوت فرمائی۔

"هَذَا اَلْحَدِيثُ قَدْ ذَكَرَهُ اَلْهَيْثَمِيُّ فِي مَجْمَعِ اَلزَّوَائِدِ، وَقَالَ رَوَاهُ اَلْبَزَّارُ وَاَلطَّبْرَانِيُّ فِي اَلْكَبِيرِ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ وَرِجَالُهُ مُوَثَّقُونَ، وَرَوَاهُ اَلْحَاكِمُ دُونَ جُمْلَتِهِ اَلْأُخْرَى وَصَحَّحَهُ وَوَافَقَهُ اَلذَّهَبِيُّ، وَذَكَرَهُ اَلْأَلْبَانِيُّ فِي اَلسِّلْسِلَةِ اَلصَّحِيحَةِ بِاللَّفْظِ: «مَا أَحَلَّ اَللّٰهُ فِي كِتَابِهِ فَهُوَ حَلَالٌ، وَمَا حَرَّمَ فَهُوَ حَرَامٌ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ، فَاقْبَلُوا مِنَ اَللّٰهِ عَافِيَتَهُ {وَمَا كَانَ رَبُّكَ

نَسِيًا}»، وَقَالَ صَحِيحٌ."

بعض چیزیں استحباب کے درجہ میں اور بعض چیزیں کراہت کے درجہ میں ہوتی ہیں لیکن جب تک شریعت پابندی عائد نہ کرے وہ اپنی اصل اطلاقی حالت یعنی جواز و اباحت پر باقی رہتی ہیں۔ اس اصول کی تائید صریح حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں:

"كُنَّا نَعْزِلُ وَالْقُرْآنُ يَنْزِلُ، فَلَوْ كَانَ شَيْئًا يُنْهَى عَنْهُ لَنَهَانَا عَنْهُ الْقُرْآنُ." متفق عليه.

ترجمہ: ہم عزل کیا کرتے تھے حالانکہ قرآن نازل ہو رہا ہوتا تھا۔ اگر کوئی بات ایسی ہوتی جس کی ممانعت کی جانی چاہیے تھی تو قرآن اس سے منع کرتا۔

اس روایت سے صاف طور پر واضح ہے کہ جس چیز کے بارے میں قرآن نے سکوت اختیار کیا ہے وہ نہ حرام ہے اور نہ اس سے روکا گیا ہے۔ ایسی تمام چیزیں لوگوں کے لیے جائز ہیں جب تک کہ ان کی ممانعت پر دلالت کرنے والی کوئی نص سامنے نہ آجائے۔ اس معاملہ میں صحابہ کا فہم ان کے کمال تفقہ کی دلیل ہے۔ صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آئمہ و محدثین اہلسنت نے صراحت کے ساتھ بدعت کی دو قسمیں تحریر کی ہیں:

(۱) بدعت حسنہ (۲) بدعت سئیہ

بدعت حسنہ "من سن فی الاسلام سنة حسنة" کے حکم میں ہے اور بدعت سئیہ "کل بدعة ضلالة" کے حکم میں اور یہ تقسیم بعد کے ائمہ و محدّثین اور علماء و فقہاء اسلام نے از خود نہیں کی بلکہ اُنہوں نے ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سنّتِ خلفائے راشدین کی ہی تشریح و توضیح کی ہے اور اسے خاص علمی نظم کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ لھذا ذیل میں علماء و فقہاء اسلام کے کچھ اقوال و ارشادات مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر پیش ہیں تاکہ اچھی طرح واضح ہو جائے کہ سواد اعظم اہلسنت کا موقف کیا ہے ملاحظہ فرمائیں:

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

"اَلْبِدْعَةُ فِي اَلشَّرْعِ هِيَ إِحْدَاثُ مَا لَمْ يَكُنْ فِي عَهْدِ رَسُولِ اَللهِ صَلَّى اَللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ، وَهِيَ مُنْقَسِمَةٌ إِلَى حَسَنَةٍ وَقَبِيحَةٍ."

[نووی، تهذيب الأسماء واللغات، ۳:۲۱ / نووی، شرح صحيح مسلم، ۱:۲۸۶]

ترجمہ: شریعت میں بدعت سے مراد وہ نئے اُمور ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے

میں نہ تھے، اور یہ بدعت "حسنہ" اور "قبیحہ" میں تقسیم ہوتی ہے۔

اسی طرح امام ابن اثیر جزری (متوفی ۶۰۶ھ) بھی بدعت کی بنیادی طور پر دو اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اَلْبِدْعَةُ بِدْعَتَانِ : بِدْعَةٌ هُدًى وبِدْعَةٌ ضَلالٌ." [النهاية فی غريب الحديث والأثر، ١ : ١٠٦]

ترجمہ: بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ بدعت ھدی اور بدعت ضلال۔

حضرت ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیث مبارکہ "کُلُّ بدعةٍ ضلالةٌ" کی شرح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"أَيْ كُلُّ بِدْعَةٍ سَيِّئَةٍ ضَلَالَةٌ، لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ اَلصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: «مَنْ سَنَّ فِي اَلْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا»، وَجَمَعَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ اَلْقُرْآنَ وَكَتَبَهُ زَيْدٌ فِي اَلْمُصْحَفِ وَجُدِّدَ فِي عَهْدِ عُثْمَانَ رَضِيَ اَللهُ عَنْهُمْ." [مرقاة، شرح مشكوة، ١ : ٢١٦]

ترجمہ: یعنی ہر بری بدعت گمراہی ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے "جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اس کو اس عمل کا اجر اور اس پر عمل کرنے والے کا اجر ملے گا۔" اور یہ کہ حضرات شیخین سیدنا ابو بکر صدیق و سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنھما نے قرآن کریم کو جمع کیا اور حصرت زید رضی اللہ عنہ نے اس کو صحیفہ میں لکھا اور عہد عثمانی میں اس کی تجدید کی گئی۔

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۹۷۶ھ) اسی حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَفِي اَلْحَدِيثِ: كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي اَلنَّارِ، وَهُوَ مَحْمُولٌ عَلَى اَلْمُحَرَّمَةِ لَا غَيْرُ." [الفتاوىٰ الحديثية: ١٣٠]

ترجمہ: اور جو حدیث میں ہے کہ "ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جائے گی" اس حدیث کو بدعت محرمہ پر محمول کیا گیا ہے، اس کے علاوہ اور کسی پر نہیں۔

امام ابو بکر احمد بن حسین البیہقی اپنی کتاب "المدخل الی السنن الکبریٰ" میں ربیع بن سلیمان سے روایت کرتے ہیں:

قَالَ الشَّافِعِيُّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ:
اَلْمُحْدَثَاتُ مِنَ الْأُمُورِ ضَرْبَانِ:

أَحَدُهُمَا مَا أُحْدِثَ مِمَّا يُخَالِفُ كِتَابًا أَوْ سُنَّةً أَوْ أَثَرًا أَوْ إِجْمَاعًا، فَهَذِهِ الْبِدْعَةُ ضَلَالَةٌ. وَالثَّانِيَةُ مَا أُحْدِثَ مِنَ الْخَيْرِ لَا خِلَافَ فِيهِ لِوَاحِدٍ مِنْ هَذَا، فَهَذِهِ مُحْدَثَةٌ غَيْرُ مَذْمُومَةٍ. قَدْ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ: «نِعْمَ الْبِدْعَةُ هَذِهِ» يَعْنِي: إِنَّهَا مُحْدَثَةٌ لَمْ تَكُنْ، وَإِذَا كَانَتْ لَيْسَ فِيهَا رَدٌّ لِمَا مَضَى. [المدخل الى السنن الكبرى، ١ : ٢٠٦]

ترجمہ: محدثات میں دو قسم کے امور شامل ہیں: پہلی قسم میں تو وہ نئے امور ہیں جو قرآن و سنت یا اثر صحابہ یا اجماع امت کے خلاف ہوں وہ بدعت ضلالہ ہے، اور دوسری قسم میں وہ نئے امور ہیں جن کو بھلائی کے لیے انجام دیا جائے اور کوئی ان میں سے کسی (امر شریعت) کی مخالفت نہ کرتا ہو پس یہ امور محدثہ غیر مذمومۃ ہیں۔ اسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رمضان میں تراویح کے قیام کے موقع پر فرمایا تھا کہ "یہ کتنی اچھی بدعت ہے۔ یعنی یہ ایک ایسا محدثہ یعنی نیا عمل ہے جو پہلے نہ تھا اور اگر یہ پہلے ہوتا تو پھر مردود نہ ہوتا۔"

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "اشعۃ اللمعات" میں بدعت کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بعض بدعتہا است کہ واجب است چنانچہ تعلم و تعلیم صرف و نحو کہ بداں معرفت آیات واحادیث حاصل گردد و حفظ غرائب کتاب و سنت و دیگر چیز ہائے کہ حفظ دین وملت برآں موقوف بود، و بعض مستحسن و مستحب مثل بنائے رباطہا و مدرسہا، و بعض مکروہ مانند نقش و نگار کردن مساجد و مصاحف بقول بعض و بعض مباح مثل فراخی در طعامہائے لذیذہ و لباسہائے فاخرہ بشرطیکہ حلال باشند و باعث طغیان و تکبر و مفاخرت نشوند، و مباحات دیگر کہ در زمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبودند چنانکہ بیری و غربال و مانند آن، و بعض حرام چنانکہ مذاہب اہل بدع واہوا بر خلاف سنت و جماعت وانچہ خلفاے راشدین کردہ باشند۔

ترجمہ: بعض بدعتیں ایسی ہیں جو کہ واجب ہیں مثلاً علم صرف و نحو کا سیکھنا اور سکھانا کہ ان کے ذریعے آیات واحادیث کے معانی کی صحیح پہچان ہوتی ہے، اسی طرح کتاب و سنت کے غرائب اور دوسری بہت سی چیزوں کو حفظ کرنا جن پر دین وملت کی حفاظت موقوف ہے۔ اور کچھ بدعات مستحسن اور مستحب ہیں جیسے سرائے اور دینی مدرسے تعمیر کرنا، اور بعض بدعات بعض علماء کے نزدیک مکروہ ہیں جیسے مساجد اور قرآن حکیم کی آرائش وزیبائش کرنا۔ بعض بدعات مباح ہیں جیسے کھانے پینے کی لذیذ چیزوں اور لباس فاخرہ کی فراوانی کا حسب ضرورت استعمال، لیکن شرط یہ ہے کہ حلال ہو اور سرکشی، تکبر ورعونت اور فخر کا باعث نہ ہو، اور دوسری ایسی مباحات جو کہ حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں نہ تھیں جیسے کہ آٹے کو چھلنی سے چھاننا وغیرہ۔ بعض بدعات حرام ہیں ان میں اہل بدعت کے نفسانی خواہشات کی اتباع میں نئے مذاہب ہیں جو سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جماعت اور خلفائے راشدین کے طریقوں کے خلاف ہیں۔" [اشعة اللمعات، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، ١]

امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "احیاء علوم الدین" میں بدعت کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

فَلَيْسَ كُلُّ مَا أُبْدِعَ مَنْهِيًّا، بَلِ الْمَنْهِيُّ بِدْعَةٌ تُضَادُّ سُنَّةً ثَابِتَةً، وَتَرْفَعُ أَمْرًا مِنَ الشَّرْعِ مَعَ بَقَاءِ عِلَّتِهِ، بَلِ الْإِبْدَاعُ قَدْ يَجِبُ فِي بَعْضِ الْأَحْوَالِ إِذَا تَغَيَّرَتِ الْأَسْبَابُ، وَلَيْسَ فِي الْمَائِدَةِ إِلَّا رَفْعُ الطَّعَامِ عَنِ الْأَرْضِ لِتَيْسِيرِ الْأَكْلِ، وَأَمْثَالُ ذَلِكَ مِمَّا لَا كَرَاهَةَ فِيهِ. وَالْأَرْبَعُ الَّتِي جُمِعَتْ فِي أَنَّهَا مُبْتَدَعَةٌ لَيْسَتْ مُتَسَاوِيَةً، بَلِ الْأَشْنَانُ حَسَنٌ لِمَا فِيهِ مِنَ النَّظَافَةِ، فَإِنَّ الْغُسْلَ مُسْتَحَبٌّ لِلنَّظَافَةِ، وَالْأَشْنَانُ أَتَمُّ فِي التَّنْظِيفِ، وَكَانُوا لَا يَسْتَعْمِلُونَهُ لِأَنَّهُ رُبَّمَا كَانَ لَا يَعْتَادُ عِنْدَهُمْ، أَوْ لَا يَتَيَسَّرُ، أَوْ كَانُوا مَشْغُولِينَ بِأُمُورٍ أَهَمَّ مِنَ الْمُبَالَغَةِ فِي النَّظَافَةِ، فَقَدْ كَانُوا لَا يَغْسِلُونَ الْيَدَ أَيْضًا، وَكَانَتْ مَنَادِيلُهُمْ أَخْمُصَ أَقْدَامِهِمْ، وَذَلِكَ لَا يَمْنَعُ كَوْنَ الْغُسْلِ مُسْتَحَبًّا. وَأَمَّا الْمِنْخَلُ فَالْمَقْصُودُ مِنْهُ تَطْيِيبُ الطَّعَامِ، وَذَلِكَ مُبَاحٌ مَا لَمْ يَنْتَهِ إِلَى التَّنَعُّمِ الْمُفْرِطِ. وَأَمَّا الْمَائِدَةُ فَتَيْسِيرٌ لِلْأَكْلِ، وَهُوَ أَيْضًا مُبَاحٌ مَا لَمْ يَنْتَهِ إِلَى الْكِبْرِ وَالتَّعَاظُمِ. وَأَمَّا الشِّبَعُ فَهُوَ أَشَدُّ هَذِهِ الْأَرْبَعَةِ، فَإِنَّهُ يَدْعُو إِلَى تَهْيِيجِ الشَّهَوَاتِ، وَتَحْرِيكِ الْأَدْوَاءِ فِي الْبَدَنِ، فَلْتُدْرَكِ التَّفْرِقَةُ بَيْنَ هَذِهِ الْبِدَعَاتِ. [إحياء علوم الدين، ٢:٣]

ترجمہ: ہر بدعت ممنوع نہیں ہوتی بلکہ ممنوع صرف وہ بدعت ہوتی ہے جو سنتِ ثابتہ سے متضاد ہو اور اس سنت کی علت کے ہوتے ہوئے اَمر شریعت کو اٹھادے (مزید برآں) بعض احوال میں جب اسباب متغیر ہو جائیں تو بدعت واجب ہو جاتی ہے اور بلند دستر خوان میں یہی بات تو ہے کہ کھانے کی آسانی کے لیے کھانے کو زمین سے بلند کیا جاتا ہے اور اس قسم کے کاموں میں کراہت نہیں ہوتی۔ جن چار باتوں کو جمع کیا گیا کہ یہ بدعت ہیں تو یہ سب برابر بھی نہیں ہیں بلکہ اُشنان (ایک بوٹی جو صفائی کے کام آتی ہے) اچھی چیز ہے کیونکہ اس میں نظافت ہے کیونکہ پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے غسل مستحب ہے اور اُشنان اس نظافت کو مکمل کرتی ہے اور وہ لوگ اس لیے استعمال

نہیں کرتے تھے کہ ان کی عادت نہیں تھی یا انہیں حاصل نہیں ہوتی تھی۔ یا وہ نظافت سے زیادہ اہمیت کے کاموں میں مشغول ہوتے تھے بعض اوقات وہ ہاتھ بھی نہیں دھوتے تھے اور ان کے رومال پاؤں کے تلوے ہوتے تھے (یعنی پاؤں کے تلوؤں سے ہاتھ صاف کر لیتے تھے) اور یہ عمل، دھونے کے استحباب کے خلاف نہیں، چھلنی سے مقصود کھانے کو صاف کرنا ہوتا ہے اور یہ جائز ہے جب تک حد سے متجاوز عیاشی کی طرف نہ لے جائے۔ اونچے دستر خوان سے چونکہ کھانا کھانے میں آسانی ہوتی ہے لہٰذا یہ بھی جائز ہے جب تک تکبر اور بڑائی پیدا نہ کرے شکم سیری ان چاروں میں سے زیادہ سخت ہے کیونکہ اس سے خواہشات ابھرتی ہیں اور بدن میں بیماریاں پیدا ہوتی ہیں تو ان چاروں بدعات میں فرق معلوم ہونا چاہئے۔

علامہ امام شیخ عبد القادر الرافعی الفاروقی الحنفی تقریرات الرافعی علی حاشیۃ ابن عابدین الشامی میں لکھتے ہیں:

إِنَّ الْبِدْعَةَ الْحَسَنَةَ الْمُوَافِقَةَ لِمَقْصُودِ الشَّرْعِ تُسَمَّى سُنَّةً، فَبِنَاءُ الْقِبَابِ عَلَى قُبُورِ الْعُلَمَاءِ وَالْأَوْلِيَاءِ وَالصُّلَحَاءِ، وَوَضْعُ السُّتُورِ وَالْعَمَائِمِ وَالثِّيَابِ عَلَى قُبُورِهِمْ أَمْرٌ جَائِزٌ، إِذَا كَانَ الْقَصْدُ بِذَلِكَ التَّعْظِيمَ فِي أَعْيُنِ الْعَامَّةِ، حَتَّى لَا يَحْتَقِرُوا صَاحِبَ هَذَا الْقَبْرِ، وَكَذَا إِيقَادُ الْقَنَادِيلِ وَالشَّمْعِ عِنْدَ قُبُورِ الْأَوْلِيَاءِ وَالصُّلَحَاءِ مِنْ بَابِ التَّعْظِيمِ وَالْإِجْلَالِ أَيْضًا لِلْأَوْلِيَاءِ، فَالْمَقْصِدُ فِيهَا مَقْصِدٌ حَسَنٌ، وَنَذْرُ الزَّيْتِ وَالشَّمْعِ لِلْأَوْلِيَاءِ يُوقَدُ عِنْدَ قُبُورِهِمْ تَعْظِيمًا لَهُمْ وَمَحَبَّةً فِيهِمْ جَائِزٌ أَيْضًا، لَا يَنْبَغِي النَّهْيُ عَنْهُ.

(عبدالقادر الرافعی، تقریرات الرافعی علی حاشیه ابن عابدین، ۲ : ۱۲۳)

ترجمہ: اچھی بدعت (نئی بات) جو مقصود شرع کے موافق ہو سنت کہلاتی ہے پس علماء اور اولیاء اور صلحاء کی قبروں پر گنبد بنانا، ان کی قبروں پر پردے، عمامے اور کپڑے ڈالنا جائز ہے جب کہ اس سے مقصد لوگوں کی نظروں میں ان کی عظمت کا اظہار کرنا ہو تا کہ وہ صاحب قبر کو حقیر نہ سمجھیں یونہی اولیاء و صلحاء کی قبر کے پاس قندیلیں اور شمعیں روشن کرنا تعظیم و اجلال کی بنا پر ہے سو اس میں ارادہ اچھا ہے۔ زیتون کے تیل اور موم بتیاں اولیاء اللہ کی قبروں کے پاس روشن کی جاتی ہیں یہ بھی ان کی تعظیم و محبت ہے لہٰذا جائز ہے اس سے روکنا نہیں چاہیے۔

غرض یہ کہ جمہور علماء و فقہاء و محدثین اہلسنت کا یہی موقف ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔

بدعت حسنہ جائز محدثات ہیں اور بدعت سئیہ ناجائز و حرام محدثات ہیں سواد اعظم اہلسنت، حنفی، مالکی و شافعی و حنبلی مذاہب کے علاوہ غیر مقلد علماء نے بھی یہی تحریر کیا ہے۔

چنانچہ یمن کے معروف غیر مقلد عالم شیخ شوکانی حدیث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ "نعمت البدعة هذه" کے ذیل میں فتح الباری کے حوالے سے اقسام بدعت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اَلْبِدْعَةُ أَصْلُهَا مَا أُحْدِثَ عَلَى غَيْرِ مِثَالٍ سَابِقٍ، وَتُطْلَقُ فِي الشَّرْعِ عَلَى مُقَابَلَةِ السُّنَّةِ فَتَكُونُ مَذْمُومَةً، وَالتَّحْقِيقُ أَنَّهَا إِنْ كَانَتْ مِمَّا يَنْدَرِجُ تَحْتَ مُسْتَحْسَنٍ فِي الشَّرْعِ فَهِيَ حَسَنَةٌ، وَإِنْ كَانَتْ مِمَّا يَنْدَرِجُ تَحْتَ مُسْتَقْبَحٍ فِي الشَّرْعِ فَهِيَ مُسْتَقْبَحَةٌ، وَإِلَّا فَهِيَ مِنْ قِسْمِ الْمُبَاحِ، وَقَدْ تَنْقَسِمُ إِلَى الْأَحْكَامِ الْخَمْسَةِ." (شوكاني، نيل الاوطار شرح منتقي الأخبار، ٣ : ٦٣)

لغت میں بدعت اس کام کو کہتے ہیں جس کی پہلے کوئی مثال نہ ہو اور اصطلاح شرع میں سنت کے مقابلہ میں بدعت کا اطلاق ہوتا ہے اس لیے یہ مذموم ہے اور تحقیق یہ ہے کہ بدعت اگر کسی ایسے اصول کے تحت داخل ہے جو شریعت میں مستحسن ہے تو یہ بدعت حسنہ ہے اور اگر ایسے اصول کے تحت داخل ہے جو شریعت میں قبیح ہے تو یہ بدعت سیئہ ہے ورنہ بدعت مباحہ ہے اور بلاشبہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔

غیر مقلدین کے نامور عالم دین نواب صدیق حسن خان بھوپالی (المتوفی ۱۳۰۷ھ) نے واضح طور پر لکھا ہے کہ ہر نئے کام کو بدعت کہہ کر مطعون نہیں کیا جائے گا بلکہ بدعت صرف اسی کام کو کہا جائے گا جس سے کوئی سنت متروک ہو اور جو نیا کام کسی امر شریعت سے متناقص نہ ہو وہ بدعت نہیں بلکہ مباح اور جائز ہے۔

شیخ وحید الزماں اپنی کتاب ہدیۃ المہدی کے صفحہ ۱۱۷ پر بدعت کے حوالے سے علامہ بھوپالی کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

"اَلْبِدْعَةُ اَلضَّلَالَةُ اَلْمُحَرَّمَةُ هِيَ اَلَّتِي تَرْفَعُ اَلسُّنَّةَ مِثْلَهَا، وَالَّتِي لَا تَرْفَعُ شَيْئًا مِنْهَا فَلَيْسَتْ هِيَ مِنَ اَلْبِدْعَةِ بَلْ هِيَ مُبَاحُ اَلْأَصْل." (وحيد الزمان، هدية المهدي : ١١٧)

ترجمہ: بدعت وہ ہے جس سے اس کے بدلہ میں کوئی سنت متروک ہو جائے اور جس بدعت سے کسی سنت کا ترک نہ ہو وہ بدعت نہیں ہے بلکہ وہ اپنی اصل میں مباح ہے۔

الغرض کتاب و سنت، آثار صحابہ اور سلف صالحین کی تحریرات سے بخوبی واضح ہے کہ ہر محدثہ (بدعت) ضلالت

نہیں ہے بلکہ بس وہی بدعت ضلالت ہے جو اصول شرع کے مطابق منہیات کی قسم سے ہو اور جو کسی حکم شرعی فرض، واجب، سنت وغیرہ کے خلاف نہ ہو تو وہ جائز و مستحسن ہے بلکہ کبھی واجب بھی ہوتی ہے۔ جلوس میلاد النبی، عرس، فاتحہ، تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں اور تعزیے، علم وہ محدثات ہیں جو ہرگز کسی حکم شرع کے خلاف نہیں ہیں اس لئے اپنی اصل یعنی اباحت پر ہیں۔ اس لئے ان کاموں کا کرنا جائز کام کرنا ہے اور جائز کام کرنا نہ تو منع ہے نہ گمراہی ہے البتہ مکمل علم حاصل کئے بغیر آدھی ادھوری اور ناقص معلومات کی بنیاد پر کتاب و سنت و آثار صحابہ سے ہٹ کر سلف صالحین کی تفہیمات اور ان کے معمولات کو ناجائز و حرام کہنا، گمراہی قرار دینا بجائے خود بدعت قبیحہ ضلالۃ ہے جس سے قائل پر توبہ لازم۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبـــــــ

پھر یہ سگنل ڈیجیٹل ڈیٹا (۰ اور ۱ کی صورت) میں اسٹور ہوتے ہیں۔

بعد میں یہ ڈیٹا پروسیسنگ کے بعد اسکرین پر روشنی کی شکل میں ظاہر کیا جاتا ہے۔

حوالے:

Boyle, W. S., & Smith, G. E. (1969). "Charge Coupled Semiconductor Devices". Bell Labs Technical Journal.

یہی ایجاد ڈیجیٹل کیمروں کی بنیاد بنی اور دونوں سائنسدانوں کو عیسوی سنہ ۲۰۰۹ء میں نوبل انعام دیا گیا۔

Canon Europe. Image Sensors Explained.

(آن لائن دستیاب: canon-europe.com)

یہاں صاف لکھا ہے:

"An image sensor converts light into electrical signals."

Wikipedia, Image Sensor (en.wikipedia.org/wiki/Image_sensor) → "An image sensor is a sensor that detects and conveys information used to make an image, by converting light into electronic signals".

ڈیجیٹل اسکرین (LCD, LED, OLED)

اسکرین پر جو کچھ نظر آتا ہے وہ حقیقی جسم نہیں ہوتا بلکہ پکسلز (Pixels) کی روشنیوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔

ہر پکسل کے اندر تین ذیلی پکسل ہوتے ہیں: سرخ (Red)، سبز (Green)، نیلا (Blue)۔ انہی تین رنگوں کی شدت بدل کر ہر رنگ اور تصویر بنتی ہے۔

OLED یا MicroLED میں ہر پکسل خود روشنی خارج کرتا ہے۔

نتیجہ: اسکرین پر جو نظر آتا ہے وہ صرف روشنی کا نمونہ (Light Pattern) ہے، کوئی جسمانی چیز موجود نہیں ہے۔

حوالے:

(Alvy Ray Smith (2021). A Biography of the Pixel. MIT Press)

اس میں واضح کیا گیا کہ ڈیجیٹل تصویر دراصل پکسلز کی روشنی ہے، کوئی جسمانی شے نہیں۔

Wikipedia, Liquid-crystal display → "An LCD produces an image by controlling light at each pixel".

فقہائے کرام کی قدیم تقسیم

قدیم فقہ میں تصویر کی دو بڑی قسمیں تھیں:

۱- **مادی تصویر (مجسمہ، پینٹنگ)** اس پر وعیدیں آئی ہیں۔ متعدد احادیث کریمہ میں اس پر وعیدیں وارد ہوئی ہیں چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روایت کرتے ہیں:

(حدیث نمبر:۱)

"إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْمُصَوِّرُونَ"

(صحيح البخاری، ٥٩٥٠، صحيح مسلم، ٢١٠٩)

امام نووی اس کے تحت فرماتے ہیں:

«وَالْمُرَادُ بِالتَّصْوِيرِ: صُوَرُ ذَوَاتِ الْأَرْوَاحِ، أَمَّا الشَّجَرُ وَنَحْوُهُ فَمُجْمَعٌ عَلَى إِبَاحَتِهِ، وَمَعْنَى "يُضَاهُونَ بِخَلْقِ اللهِ" أَيْ يُشَابِهُونَهُ فِي صَنْعَةِ الصُّورَةِ.»

(شرح صحيح مسلم، كتاب اللباس)

ترجمہ: یہاں تصویر سے مراد جانداروں کی تصویر ہے، درخت وغیرہ مباح ہیں، اور «يُضَاهُونَ بِخَلْقِ اللهِ» کا مطلب ہے کہ خالق کی تخلیق کی مشابہت کرنا۔

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کے تحت لکھتے ہیں:

«ذَهَبَ الْجُمْهُورُ إِلَى تَحْرِيمِ تَصْوِيرِ ذِي الرُّوحِ شِدَّةً، سَوَاءٌ كَانَ لَهُ ظِلٌّ أَوْ لَا، مَا دَامَتِ الصُّورَةُ مُكَمَّلَةَ الْأَعْضَاءِ.» (فتح الباری ١٠/ ٣٨٥)

ترجمہ: جمہور کے نزدیک جاندار کی تصویر سخت حرام ہے، خواہ وہ اُبھری ہوئی ہو یا نہ ہو، بشرطیکہ اعضاء مکمل ہوں۔

ابن بطال رحمۃ اللہ تعالیٰ اس کے تحت فرماتے ہیں:

«إِنَّمَا عُوقِبَ الْمُصَوِّرُ لِمُضَاهَاتِهِ صَنْعَةَ الْخَالِقِ، وَفِيهِ تَغْلِيظٌ بَالِغٌ.»
(شرح ابن بطال ٩/ ٣٤٩)

ترجمہ: مصور کو اس لیے عذاب ہوگا کہ وہ خالق کی تخلیق کی مشابہت کرتا ہے، اور یہ انتہائی سخت وعید ہے۔

(حدیث نمبر:۲)

ایک دوسری حدیث میں ہے:

أَنَّ النَّبِي ﷺ دَخَلَ عَلَيَّ وَقَدْ سَتَرْتُ سَهْوَةً لِي بِقِرَامٍ فِيهِ تَمَاثِيلُ...
(صحيح البخاری، ٥٦١٠)

ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ اس کے تحت فرماتے ہیں:

«فِيهِ أَنَّ الصُّورَةَ إِذَا كَانَتْ فِي سِتْرٍ مُعَلَّقٍ أُنكِرَتْ، وَإِذَا جُعِلَتْ فِي بُسُطٍ وَوِسَادٍ تُدَاسُ وَتُمْتَهَنُ خَفَّتِ الْكَرَاهَةُ.» (فتح الباری ١٠/ ٣٨٨)

ترجمہ: اگر تصویر لٹکنے والے پردے میں ہو تو وہ منکر ہے، اور اگر قالین یا تکیے میں ہو جو پامال ہوں تو کراہت میں کمی ہو جاتی ہے۔

امام عینی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے تحت لکھتے ہیں:

«السِّتْرُ الْمُعَلَّقُ يَدُلُّ عَلَى التَّعْظِيمِ، فَنُهِيَ عَنْهُ، وَإِذَا قُطِّعَتِ الصُّورَةُ أَوْ مُهِينَتْ زَالَ الْمَحْذُورُ.» (عمدة القاري ٢٢/ ٧٠)

ترجمہ: لٹکا ہوا پردہ تعظیم کی علامت ہے اس لیے اس سے منع کیا گیا، اور اگر تصویر کاٹ دی جائے یا پامال ہو تو ممانعت ختم ہو جاتی ہے۔

امام قسطلانی شارح بخاری اس کے تحت لکھتے ہیں:

«الأَصْلُ تَجَنُّبُ اتِّخَاذِ الصُّوَرِ فِي الْبُيُوتِ إِلَّا مَا أُمِتهِنَ.» (إرشاد الساري ٨/ ٥٠١)

ترجمہ: گھروں میں تصویروں سے اجتناب اصل ہے، سوائے اس کے جو پامال ہو کر بے عزتی کی حالت میں ہو۔

(حدیث نمبر:۳)

ایک اور حدیث میں ہے:

"لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُورَةٌ"

(صحيح البخاري، ٣٢٢٥، صحيح مسلم، ٢١٠٦)

ترجمہ: اس گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔

امام نووی علیہ الرحمہ اس کے تحت فرماتے ہیں:

«الْمُرَادُ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ لا الحَفَظَةُ، وَالسَّبَبُ: أَنَّ الْكَلْبَ وَالصُّورَةَ مِمَّا يُنَافِي تَعْظِيمَ الشَّرْعِ وَتَنْزِيهَ الْبَيْتِ.» (شرح صحيح مسلم ١٤/ ٨٤)

ترجمہ: مراد رحمت کے فرشتے ہیں نہ کہ اعمال لکھنے والے، اور وجہ یہ ہے کہ کتا اور تصویر گھر کے تقدس و دینی تعظیم کے منافی ہیں۔

شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کے تحت لکھتے ہیں:

«فِيهِ التَّغْلِيظُ فِي اتِّخَاذِ الصُّوَرِ فِي الْمَنَازِلِ، وَأَنَّهُ سَبَبٌ لِحِرْمَانِ بَرَكَاتِ الْمَلَائِكَةِ.»

(فتح الباری ١٠/ ٤٠١)

ترجمہ: اس میں گھروں میں تصاویر رکھنے کی سختی ہے، اور یہ فرشتوں کی برکت سے محرومی کا سبب ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں:

(حدیث نمبر:۴)

"أَنْ لَا تَدَعَ تِمْثَالًا إِلَّا طَمَسْتَهُ، وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ" (صحيح مسلم، ٩٦٩)

ترجمہ: اور یہ کہ نہ چھوڑو کوئی مجسمہ مگر اسے مٹادو اور کوئی اونچی قبر مگر یہ کہ اسے برابر کردو

ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری اس کے تحت فرماتے ہیں:

«التِّمْثَالُ مَا كَانَ لَهُ ظِلٌّ وَهُوَ الْمُجَسَّمُ، وَهُوَ أَغْلَظُ فِي التَّحْرِيمِ مِنَ الْمَرْسُومِ، وَالْأَمْرُ بِتَسْوِيَةِ الْقُبُورِ لِسَدِّ ذَرِيعَةِ التَّعْظِيمِ.» (مرقاة المفاتيح ٣/ ١٢٠٠)

ترجمہ: تمثال وہ ہے جو سایہ دار ہو یعنی مجسمہ ہو، اور یہ سادہ تصویر سے زیادہ سخت حرام ہے، اور قبروں کو برابر کرنے کا حکم اس لیے ہے کہ تعظیم ممنوعہ کا دروازہ بند ہو۔

علامہ عینی شارح بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

«فِي طَمْسِ التَّمَاثِيلِ إِزَالَةُ أَسْبَابِ الْفِتْنَةِ وَمَنْعُ مَا يُفْضِي إِلَى التَّعْظِيمِ الْمُحَرَّمِ.»

(عمدة القاري ٨/ ٤٥٠)

ترجمہ: تماثیل کو مٹانے میں فتنہ کے اسباب ختم کرنے اور ممنوعہ تعظیم کو روکنے کا پہلو ہے۔

خلاصہ یہ کہ:

- جاندار کی تصویر خواہ دو بعدی ہو یا سہ بعدی، اصل حکم اس پر تحریم شدید ہے۔
- مجسمہ (تمثال) پر وعید زیادہ سخت ہے۔
- اگر تصویر ممتہن (پامال) ہو تو کراہت میں تخفیف ہے۔
- رحمت کے فرشتے ایسے گھروں میں داخل نہیں ہوتے جہاں تصویریں یا کتے ہوں۔
- غیر ذواتِ ارواح کی تصاویر مباح ہیں، اس پر اجماع ہے۔

۲- **غیر مادی یا غیر قائم تصویر** (عکوس، سائے، پانی یا آئینہ میں عکس) اس کو اکثر فقہاء نے تصویر کے حکم میں نہیں لیا ہے۔

امام ابن عابدین شامی (رد المحتار میں فرماتے ہیں:

«والمرآةُ لا تُعَدُّ صورةً، لأنّها مجرّدُ خيالٍ يزولُ بزوالِ المقابِل»(رد المحتار ١/ ٦٤٩)

ترجمہ: آئینہ تصویر شمار نہیں ہوتا کیونکہ وہ محض عکس ہے جو مقابل چیز کے ہٹتے ہی زائل ہو جاتا ہے۔

ڈیجیٹل تصویر کی حقیقت اور فقہی حکم

جب سائنس سے یہ بات واضح ہے کہ ڈیجیٹل تصویر بھی محض روشنی کا عکس اور ڈیٹا کا نتیجہ ہے، جسمانی یا قائم بالذات تصویر نہیں ہے، تو فقہاء کی عبارات کے مطابق یہ آئینے کے عکس یا پانی کی جھلک کے زیادہ قریب ہے۔

لہٰذا بہت سے معاصر فقہاء نے لکھا ہے کہ:

اگرچہ یہ "فوٹو" کہا جاتا ہے لیکن حقیقت میں یہ روشنی + ڈیٹا ہے، مستقل جسم نہیں۔

اس لیے اس کا حکم سخت مجسمہ یا مستقل پینٹنگ جیسا نہیں ہوگا۔

البتہ اگر اس تصویر کا استعمال حرام مقاصد (مثلاً برہنگی، فحاشی، شرک کی علامت وغیرہ) میں ہو تو وہ بہر حال ناجائز ہوگا۔

حاصل کلام یہ کہ سائنس کے مطابق: ڈیجیٹل تصویر روشنی + سگنل + ڈیٹا ہے، جسمانی شے نہیں ہے۔

فقہ کے مطابق: یہ آئینے یا پانی کے عکس کے قریب ہے، اس لیے یہ ممانعت (مجسّمہ یا حقیقی تصویر پر) پوری

طرح منطبق نہیں ہوتی۔ لھٰذا اچھے اور جائز مقاصد کیلئے یہ جائز ہے۔

البتہ ناجائز مقاصد کے ساتھ ہر طرح کی تصویر ممنوع ہوگی۔ ھذا ما ظھر لی والعلم عند ربی وھو اعلم بالصواب.

کتبـــــــ

اولیاء کاملین نے فرمائی چنانچہ اگر ترویج واشاعت اور تحفظ وصیانت کی بنیاد پر مسلک اپنے ناشر سے منسوب کیا جائے تو اس کے سے پہلے حقدار سرکار غریب نواز سرکار مدار پاک سرکار مخدوم پاک اور دیگر اجلہ اولیاء اللہ ہیں کہ جنہوں نے اعلیٰ حضرت سے بہت پہلے ہندوستان میں مسلک حنفی کو عام وتام کیا مذکورہ اقوال کی بنیاد پر کچھ لوگ زید و بکر کو اہل سنت وجماعت سے خارج قرار دے رہے ہیں اور ان کا ان کے مدرسے کا بائیکاٹ کرنے کی تحریک چلا رہے ہیں کیا شرعا ان لوگوں کا یہ عمل درست ہے؟ اور واضح فرمائیں کہ کیا زید و بکر اپنے اقوال میں حق پر ہیں؟ اور کیا مسلک اعلیٰ حضرت کوئی مستقل مسلک ہے؟ کیا سنی ہونے کے لیے مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ لگانا شرط ہے؟ اور یہ بھی واضح فرمائیں کہ مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ لگانا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی محمد اختر حسین نظامی
مدرس جامعہ عزیزیہ اہل سنت ضیاء الاسلام
موضع جھراؤں پوسٹ سواڈانڑ ضلع سدھارتھ نگر یوپی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب۔ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

اسلام کی ابتدائی تاریخ میں امت مسلمہ ایک مربوط، منظم اور متحدہ جماعت کے طور پر موجود تھی۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مبارک و مسعود وجود سے عالم اسلام کتاب و سنت کے منہج پر قائم تھا۔ "عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ" کی راہ پر ہی سارے مومنین و مسلمین گامزن تھے۔ سبھی حضرات اپنے آپ کو مسلم اور مسلمان کہتے تھے۔ لیکن جیسے جیسے خلافت راشدہ کے بعد سیاسی و فقہی اختلافات نے جنم لیا، امت کے بعض حصوں نے اپنی وفاداری اور اعتقاد کی بنیاد پر الگ شناخت اختیار کرلی، جب اموی دور آیا تو شیعہ اور سنی کی اصطلاح قائم کی گئی، شیعہ اور سنی اصطلاحات کی بنیاد صرف سیاسی نہیں بلکہ بلکہ فقہی، عقائدی اور وجوہات پر بھی استوار ہوئی۔ اس طرح اسلام میں گروہ بندی و فرقہ بندی راہ پاگئی۔ اکابر تابعین نے کبار صحابۂ کرام کی پیروی کی اور پھر انکے بعد تبع تابعین نے کبار تابعین کی پیروی کی اس کے بعد ائمہ اربعہ کا ظہور ہوا جن کی تقلید اب سارا عالم اسلام کرتا ہے الا ماشاء اللہ۔

سراج الائمہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسعود ومبارک دور شروع ہوا جو اجل تابعی تھے، آپ کی **پیدائش:** سنہ ۸۰ھ مطابق / ۶۹۰ء میں کوفہ، عراق میں ہوئی اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا **وصال:**

۱۵۰ھ مطابق ۷۶۷ء کوفہ، عراق میں ہوا۔ (امام ابن عبد البر، الاستذکار، ج ۱ ص ۲۶ / امام سبکی، تاریخ الفقہاء، ص ۱۵۲)

اور حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی **پیدائش:** ۹۳ھ مطابق ۷۱۲ء مدینہ منورہ میں ہوئی اور **وصال شریف:** ۱۷۹ھ مطابق ۷۹۵ء میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔

(امام ابن عبد البر، الاستذکار، ج ۱ ص ۶۴ / ابن حجر عسقلانی، التھذیب، ج ۳ ص ۴۲)

اور حضرت امام الشافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی **پیدائش:** ۱۵۰ھ مطابق / ۷۶۷ء غزہ (فلسطین) میں ہوئی۔

اور آپ کا **وصال شریف:** سنہ ۲۰۳ھ مطابق / ۸۱۸ء مصر (فسطاط) میں ہوا۔

(ابن حجر عسقلانی، لسان المیزان، ج ۱ ص ۳۰ / القرافي، الذخیرۃ، ج ۱ ص ۱۲۱)

اور حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی **پیدائش:** سنہ ۱۶۵ھ مطابق / ۷۸۱ء میں بغداد، عراق میں ہوئی اور **وصال شریف:** سنہ ۲۴۱ھ مطابق / ۸۵۵ء میں بغداد، عراق میں ہوا۔

(ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ج ۱ ص ۱۷ / ابن رجب الحنبلی، لطائف خالمعارف، ص ۱۰۲)

اس طرح ان چاروں اماموں کا مسعود و مبارک دور خیر القرون ہی میں شامل ہے ایسا کہا جاتا ہے اگرچہ اس مبارک کہے جانے والے دور میں چاروں اماموں کے مسالک و مذاھب کے ظہور تک کئی ایک مجتہد پیدا ہوئے اور کسی حد تک ان کی تقلید بھی کی گئی، مثلاً:

حضرت امام اوزاعی (ت ۱۵۷ھ)

امام لیث بن سعد (ت ۱۷۵ھ)

امام سفیان ثوری (ت ۱۶۱ھ)

داود ظاہری (ت ۲۷۰ھ)

وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ۔

لیکن ان کے مذاہب وقت کے ساتھ ساتھ زائل ہو گئے کیونکہ یا تو ان کے شاگردوں نے ان کا فقہی نظام محفوظ نہ رکھا یا امت کی اکثریت ان پر مجتمع نہ ہوئی۔

ائمۂ متقدمین کی تصریحات

امام ابن خلدون (ت: ۸۰۸ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا:

"قد اندرس مذهب أهل الظاهر، وبقيت المذاهب الأربعة المشهورة."

(مقدمة ابن خلدون، ص ٤٤٨)

ترجمہ: ظاہریہ کا مذہب ختم ہو گیا اور صرف چار مشہور مذاہب باقی رہ گئے۔

امام نووی (ت:٦٧٦ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"قد استقرّ الإجماع على أن المذاهب المتبعة هي الأربعة." (شرح المهذب، ١/ ٩٣)

ترجمہ: اب اجماع اس پر قائم ہو گیا ہے کہ متبوع (قابلِ عمل) مذاہب چار ہی ہیں۔

ابن حجر ہیتمی شافعی (ت:٩٧٤ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

"لا يجوز تقليد غير الأربعة، لأن مذاهبهم دُوّنت وأُتقنت."

(الفتاوى الحديثية، ص ٢٠٥)

ترجمہ: چار مذاہب کے علاوہ کسی کی تقلید جائز نہیں، کیونکہ انہی مذاہب کو مدون اور مضبوط کیا گیا ہے۔

عصرِ حاضر میں پوری دنیا کے اہلِ سنت والجماعت (یعنی سوادِ اعظم) صرف چار مذاہب کو معتبر مانتے ہیں:

١. حنفی
٢. مالکی
٣. شافعی
٤. حنبلی

اہلِ حدیث / غیر مقلدین بعض خطوں میں موجود ہیں، مگر یہ "سوادِ اعظم" نہیں بلکہ ایک اقلیت ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"بجز مذاہب اربعہ کے اور سارے مذاہب ختم ہو گئے تب انہی مذاہب اربعہ کا اتباع سواد اعظم کا اتباع قرار پایا اور ان چاروں مذاہب سے نکلنا سواد اعظم سے نکلنے کے مرادف ہے" (عقد الجید صفحہ ٣٨)

مذاہب اربعہ کی تقلید پر اجماع ہو جانے کی شہادت دیتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مزید ایک جگہ فرماتے ہیں:

"هذه المذاهب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الامة اومن يعتد بها منها على جواز تقليدها الى يومنا هذا". (حجة الله البالغة جلد ١ ص ٢٣)

یعنی "تمام امت نے یا امت کے قابل اعتماد افراد نے مذاہب اربعہ مشہورہ کی تقلید کے جواز پر اجماع کر لیا

ہے جو آج تک جاری ہے"۔

مزید آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

"فِي الأَخْذِ بِهَذِهِ الْمَذَاهِبِ الأَرْبَعَةِ مَصْلَحَةٌ عَظِيمَةٌ، وَفِي الإِعْرَاضِ عَنْهَا مَفْسَدَةٌ كَبِيرَةٌ."

ترجمہ: "ان چاروں مذاہب (فقہائے اربعہ کے مذاہب) کو اختیار کرنے میں ایک بہت بڑی مصلحت ہے، اور ان سے روگردانی کرنے میں ایک بڑی فساد انگیزی (یعنی سخت نقصان) ہے۔" (عقد المجید صفحہ ۳۶)

مزید ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اتَّبِعُوا السَّوَادَ الأَعْظَمَ،- وَلَمَّا انْدَرَسَتِ الْمَذَاهِبُ الْحَقَّةُ إِلَّا هَذِهِ الْمَذَاهِبُ، كَانَ اتِّبَاعُهَا اتِّبَاعَ السَّوَادِ الأَعْظَمِ".

(العقد المجید فی احکام الاجتہاد والتقلید ص ۳۲ مطبع مجتبائی دھلی ص ۱۳٤٤)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اکثریتِ امت (یعنی بڑا گروہ) کی پیروی کرو۔ اور جب حق مذاہب مٹ گئے اور صرف یہی مذاہب باقی رہ گئے تو ان کی پیروی کرنا دراصل اسی بڑی جماعت (اکثریت) کی پیروی ہے۔

اب انھیں چاروں اماموں کے پیروکاروں اور مقلدوں کو اہل سنت وجماعت کہا جاتا ہے ان چاروں اماموں کے بعد قرنا بعد قرن جو محدثین ہوئے ہیں جیسے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری الشافعی، امام مسلم الشافعی، امام ابوداؤد حنبلی، امام ابن ماجہ حنبلی، امام نسائی شافعی، امام طحاوی الحنفی، امام محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود فرابغوی صاحب المشکوٰۃ الشافعی، صاحب مسند حمید الشافعی، امام دارقطنی الشافعی صاحب سنن بیہقی شافعی، یحیی بن سعید القطان الحنفی، حافظ ابوالبشر دولالی الحنفی، حافظ اسحاق بن راھویہ الحنفی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم۔

یا جو شارحین حدیث ہوئے ہیں جیسے: علامہ عینی الحنفی، علامہ قسطلانی الشافعی، علامہ ابن حجر مکی الشافعی، علامہ کرمانی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ۔

یا جو علماء تفسیر گذرے ہیں جسے:

علامہ ابو اللیث نصر بن محمد حنفی، ابو اسحاق ثعلبی شافعی، ابو محمد حسین بن مسعود فرا بغوی، عماد الدین ابو الفدا اسماعیل بن عمر بن کثیر الشافعی، ابو زید عبد الرحمن الثعالبی المالکی، جلال الدین سیوطی الشافعی، ناصر الدین ابو الخیر البیضاوی الشافعی، ابو البرکات عبد اللہ بن احمد محمود النسفی الحنفی، علاؤ الدین ابو الحسن علی خازن الشافعی، شہاب الدین ابو الثنا آلوسی الشافعی، محمد بن محمد ابو السعود عماد الدین الحنفی، امام ابو بکر احمد بن علی رازی حنفی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی المالکی، ابو الحسن علی بن محمد طبری شافعی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی، احمد بن ابو سعید ملا جیون حنفی، شاہ عبد العزیز حنفی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم۔

اور تمام صوفیائے کرام و صلحائے امت جیسے حضور سیدنا بایزید بسطامی، حضور سیدنا احمد بدیع الدین قطب المدار زندہ شاہ مدار، حضرت سیدنا جنید بغدادی، حضرت سیدنا شیخ عبد القادر الجیلانی، حضرت سیدنا ابو الحسن الخرقانی، حضرت خواجہ غریب نواز، حضرت سیدنا داتا گنج بخش علی ہجویری، حضرت سیدنا سید سالار مسعود غازی، حضرت سیدنا مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی، حضرت سیدنا جمال الدین جان من جنتی ہیلسوی، حضرت سیدنا مخدوم یحیی منیری بہاری، حضرت سیدنا مجدد الف ثانی، حضرت سیدنا شاہ محدث عبد الحق دہلوی، حضرت سیدنا نظام الدین اولیاء، حضرت سیدنا صابر کلیری، حضرت سیدنا فرید الدین عطار رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم اکابر اولیاء اللہ و صلحاء امت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اپنی اپنی نسبت چاروں اماموں میں سے کسی نہ کسی ایک امام سے رکھی۔ کوئی حنفی کوئی شافعی کوئی حنبلی کوئی مالکی کہلایا یا کسی محدث کسی مفسر کسی مجدد کسی مفکر کسی علامہ اور کسی مفتی نے اپنے نام سے اپنے ذاتی مذہب و مسلک کو معنون نہیں کیا سب نے ائمۂ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید و پیروی کو اپنے لیے نجات سمجھا، اسی کو سواد اعظم جانا اور اسی میں آخرت کی بھی بھلائی سمجھی گئی۔

جب ہندوستان میں یہود و نصاری کی حکومت قائم ہوئی یعنی انگریزی دور حکومت آیا تو ملک عرب میں بڑی عیاری و چالاکی کے ساتھ فتنہ اہل حدیث و غیر مقلدیت کو لانچ کیا گیا اور ہندوستان میں ائمہ اربعہ کے چار مسلکوں کے بجائے بڑی چالاکی کے ساتھ دو نئے مسلکوں کو دو نئے مکاتب فکر میں سمیٹنے کی کوشش کی گئی ایک تو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی مرضی و منشاء کے خلاف مسلک اہل سنت کا نام بریلوی مسلک المعروف بہ "مسلک اعلیٰ حضرت" رکھا گیا اور ایک مسلک کا نام "دیوبندی مسلک" رکھا گیا یہ دونوں مسلک انگریزوں کے دور میں معرض وجود میں آئے۔ اہل خانقاہ کے سوا اکثر علمائے ظاہر انہیں دونوں مسلکوں میں سے کسی ایک مسلک سے جڑتے چلے گئے

اور ائمہ اربعہ کے مذاہب یعنی مسلک اہل سنت کو سمیٹ کر حاشیہ پر رکھ دیا گیا۔ جلسوں، جلوسوں میں ان دونوں مسلکوں کے ایسے نعرے پھونکے گئے کہ عوام کے ذہن وفکر پر یہی نئے مسلک چھاگئے لوگوں نے انہی دونوں کو دین و مذہب سمجھنا شروع کر دیا اور آہستہ آہستہ جو مسلک "مسلک اہل سنت" تھا وہی "مسلک اولیاء اللہ" تھا۔ "مسلک ائمہ اربعہ" کو پس پشت ڈال دیا گیا۔۔

اب ایک سوال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کیا "مَسْلَک" بول کر ائمۂ اربعہ کے مذاہب (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) مراد لیے جاتے ہیں؟

اور کیا "مَذْهَب" اور "مَسْلَک" کا اطلاق فقہی مذاہب پر ہوتا ہے؟

آیئے اس کو لغت، فقہاء اور محدثین کی تصریحات کی روشنی میں تفصیل سے دیکھتے ہیں:

مسلک و مذہب کا لغوی معنی

اَلْمَذْهَبُ: "ذَهَبَ يَذْهَبُ" سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے "جانا، اختیار کرنا"۔ لہٰذا مذہب کے معنی ہیں "اختیار کیا ہوا راستہ، رائے یا طریقہ"۔

علامہ ابن منظور مذہب کا معنی لغوی اس طرح:

"المذهب: الطريق والاعتقاد وما ذهب إليه الإنسان."

(لسان العرب، مادة: ذهب)

ترجمہ: مذہب راستہ اور اعتقاد کو کہتے ہیں، یعنی وہ بات یا رائے جسے آدمی اختیار کرے۔

المَسْلَكُ: "سَلَكَ يَسْلُكُ" سے ماخوذ ہے، اور اس کا معنی ہے "گزرنے کا راستہ"۔

علامہ زبیدی کہتے ہیں: المسلك: الطريق الذي يُسلك. (تاج العروس، مادة: سلك)

لغوی فرق: "مَذْهَب" کا تعلق زیادہ تر "رائے و اعتقاد" سے ہے، جبکہ "مَسْلَك" زیادہ تر "گزرنے کے طریق" یا "استدلال کے راستہ" پر بولا جاتا ہے۔

مسلک و مذہب میں ائمۂ فقہ و اصول کے نزدیک اصطلاحی فرق

(الف) مَذْهَب:

فقہاء و اصولیین نے مذہب کو کسی امام کے استنباطی طریقہ اور اس کے فروعی نتائج کے مجموعہ پر اطلاق کیا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی (ت:۱۲۵۲ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

"المذهب ما ذهب إليه إمام مجتهد من الأحكام الشرعية، ودان به أتباعه."

(رد المحتار، ١/ ٤٦)

ترجمہ: مذہب وہ ہے جو کسی مجتہد امام نے احکامِ شرعیہ میں اختیار کیا ہو اور اس کے متبعین نے اسے اپنایا ہو۔

(ب) مَسْلَك:

اصولیین بالعموم "مَسْلَك" کو دلیل تک پہنچنے کے راستے کے معنی میں لاتے ہیں.

فقہائے کرام کبھی "مَسْلَك" کو مَذْهَب کے مترادف بھی استعمال کرتے ہیں۔

مثلاً: علامہ ابن تیمیہ (ت:۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

"وقد يسلك بعضُ الفقهاء مسلكًا آخر في هذه المسألة، وهو "مسلك أصحاب أبي حنيفة". (مجموع الفتاوى، ٢٠/ ٢٢٣)

ترجمہ: بعض فقہاء اس مسئلے میں دوسرا مسلک اختیار کرتے ہیں، اور وہ امام ابو حنیفہ کے اصحاب کا مسلک ہے۔

یہاں "مَسْلَك" کا مطلب "مَذْهَب" ہی ہے۔

علامہ ابن حجر ہیتمی شافعی (ت:۹۷۴ھ) فرماتے ہیں:

" وهذا هو المسلك المشهور في مذهبنا الشافعي." (تحفة المحتاج، ٦/ ٤٣٢)

ترجمہ: یہی ہمارے شافعی مذہب میں مشہور مسلک ہے۔

فقہی مذاہب پر کبھی "مسلک" کا اطلاق کیا گیا ہے چنانچہ

علامہ امام ابن ہمام (ت:۸۶۱ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتح القدیر میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

"وهذا مسلك أصحابنا الحنفية." (فتح القدير، ٥/ ٤٣١)

ترجمہ: یہ ہمارے اصحابِ حنفیہ کا مسلک ہے۔

یہاں "مسلک" کو صاف طور پر "مذہبِ حنفی" کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

علامہ ابن رشد الجد (ت:۵۲۰ھ)- البیان والتحصیل میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"وعلى هذا المسلك جرى مذهب مالك رحمه الله." (البيان والتحصيل، ٨/ ٢١٧)

ترجمہ: اسی مسلک پر امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب جاری ہے۔

ابن رشد نے "مسلک" اور "مذہب" دونوں کو اکٹھا ذکر کر کے مترادف استعمال کیا۔

امام النووي (ت:٦٧٦ھ)-روضة الطالبين میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"وهذا هو المسلك الصحيح المشهور في مذهب الشافعي." (روضة الطالبين، ٢/ ٢٢٣)

ترجمہ: یہی صحیح اور مشہور مسلک ہے ہمارے امام شافعی کے مذہب میں۔

نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مسلک اور مذہب دونوں کو ایک ہی مفہوم میں ذکر کیا۔

ابن قدامہ (ت:٦٢٠ھ)-المغنی میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

"وهذا المسلك هو الذي اعتمده أصحاب أحمد في مذهبه." (المغني، ٧/ ١٨٢)

ترجمہ: یہی وہ مسلک ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے اصحاب نے ان کے مذہب میں معتمد قرار دیا ہے۔

ان تمام حوالوں سے واضح ہے کہ ائمۂ اربعہ کے مذاہب پر "مسلک" کا اطلاق صراحتاً کیا گیا ہے اور "مسلک" و "مذہب" مترادف طور پر استعمال ہوئے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ

- "مذہب" کا اطلاق صریح طور پر فقہی مذاہب (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) پر ہوتا ہے۔
- "مسلک" کا اصل معنی استدلالی راستہ ہے، لیکن فقہاء و متاخرین نے اسے "مذہب" کے مترادف بھی استعمال کیا ہے۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ آیا چار مذاہب کے علاوہ کسی اور مسلک کی تقلید جائز ہے یا نہیں؟

تو میں یہاں چاروں مذاہب کے ائمہ و محققین کے صریح نصوص پیش کرتا ہوں جہاں انہوں نے بیان کیا کہ سوادِ اعظم صرف چار مذاہب پر منحصر ہے:

١- حنفیہ میں سے علامہ ابن عابدین (ت ١٢٥٢ھ)-رد المحتار میں فرماتے ہیں:

"وَالْمُعْتَمَدُ أَنَّ التَّقْلِيدَ إِنَّمَا يَجُوزُ مِنْ وَاحِدٍ مِنَ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ فَقَطْ، وَمَنْ عَدَاهُمْ فَقَدِ انْدَرَسَ مَذْهَبُهُ، فَلَا يَجُوزُ تَقْلِيدُهُ." (رَدُّ الْمُحْتَار، ١/ ٤٦)

ترجمہ: معتمد یہی ہے کہ تقلید صرف چار ائمہ میں سے کسی ایک کی جائز ہے، ان کے علاوہ کے مذاہب مٹ

گئے، اس لیے ان کی تقلید جائز نہیں۔

۲- مالکیہ میں سے امام قَرَافِي (ت ۶۸۴ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ -الذخیرۃ میں فرماتے ہیں:

"انْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ عَلَى تَقْلِيدِ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ دُونَ غَيْرِهِمْ، لِأَنَّ مَذَاهِبَهُمْ انْتَشَرَتْ وَضُبِطَتْ أُصُولُهَا وَفُرُوعُهَا." (الذَّخِيرَة، ١/ ١٤٧)

ترجمہ: اجماع قائم ہو چکا ہے کہ تقلید صرف چار ائمہ کی ہو گی، ان کے علاوہ نہیں، کیونکہ انہی کے مذاہب پھیل گئے اور ان کے اصول و فروع مضبوطی سے مدون ہوئے۔

۳- شافعیہ میں سے إمام النَّوَوِي (ت ۶۷۶ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ -المجموع میں فرماتے ہیں:

"قَدِ اسْتَقَرَّ الْإِجْمَاعُ عَلَى أَنَّهُ لَا يُفْتَى وَلَا يُعْمَلُ إِلَّا بِمَذَاهِبِ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ، وَمَا عَدَاهَا فَانْدَثَرَ." (الْمَجْمُوع شَرْح الْمُهَذَّب، ١/ ٩٣)

ترجمہ: اب اجماع مستقر ہو گیا ہے کہ فتویٰ دینا اور عمل کرنا صرف چار ائمہ کے مذاہب پر ہو گا، باقی سب مٹ گئے ہیں۔

علامہ ابن حَجَر الهَيْتَمِي شافعی (ت ۹۷۴ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ -الفتاوی الحدیثیۃ میں فرماتے ہیں:

"لَا يَجُوزُ تَقْلِيدُ غَيْرِ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ، لِأَنَّ مَذَاهِبَهُمْ ضُبِطَتْ وَأُتْقِنَتْ بِخِلَافِ غَيْرِهِمْ." (الْفَتَاوَى الْحَدِيثِيَّة، ص ٢٠٥)

ترجمہ: چار ائمہ کے علاوہ کسی کی تقلید جائز نہیں، کیونکہ انہی کے مذاہب مضبوط اور مدون ہوئے ہیں، بخلاف دوسروں کے۔

۴- حنبلیہ میں سے مَرْعِيّ بْن يُوسُف الْكَرْمِيّ (ت ۱۰۳۳ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ -غاية المنتهى میں فرماتے ہیں:

" قَدْ أَجْمَعَ النَّاسُ عَلَى أَنَّ الْمَذَاهِبَ الْمُعْتَبَرَةَ أَرْبَعَةٌ، وَهِيَ مَذَاهِبُ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ، وَمَا عَدَاهَا فَانْقَرَضَ أَهْلُهُ." (غَايَةُ الْمُنْتَهَى، ٣/ ٥١٨)

ترجمہ: لوگوں کا اجماع ہو چکا ہے کہ معتبر مذاہب صرف چار ہیں، اور وہ ائمہ اربعہ کے مذاہب ہیں، ان کے

علاوہ مذاہب کے ماننے والے ختم ہو گئے۔

ان جملہ حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی دوسرے مسلک کی پیروی اب درست نہیں، کیونکہ باقی مذاہب منقرض اور نا قابلِ عمل ہو گئے ہیں۔

إمام أبو إسحاق الشاطِبيّ (ت ۷۹۰ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ – الموافقات میں فرماتے ہیں:

"وَقَدِ اسْتَقَرَّ الْأَمْرُ عَلَى أَنَّهُ لَا يُقْتَدَى الْيَوْمَ إِلَّا بِمَذَاهِبِ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ، لِأَنَّهُمُ الَّذِينَ قُعِّدَتْ مَذَاهِبُهُمْ وَحُصِرَتْ، وَانْتَشَرَتْ فِي الْأُمَّةِ، وَحَفِظَهَا الْعُلَمَاءُ." (الموافقات، ٤/ ٢٩٤)

ترجمہ: اب معاملہ اسی پر جم گیا ہے کہ آج کے دور میں صرف چار ائمہ کے مذاہب ہی کی پیروی کی جائے، کیونکہ انہی کے مذاہب مرتب ہوئے، منضبط ہوئے، امت میں پھیل گئے اور علماء نے ان کی حفاظت کی۔

إمام السُّبْكِيّ (ت ۷۷۱ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ – الفتاوی میں فرماتے ہیں:

"أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى أَنَّهُ لَا يُقْتَدَى فِي الْفُتْيَا إِلَّا بِأَحَدِ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ، وَأَنَّ مَنْ عَدَاهُمْ فَقَدْ دَرَسَ مَذْهَبُهُ." (الفتاوی، ١/ ١٤٩)

ترجمہ: مسلمانوں کا اجماع ہے کہ فتویٰ صرف چار ائمہ میں سے کسی ایک کے قول پر دیا جائے گا، اور ان کے علاوہ سب کے مذاہب مٹ گئے ہیں۔

إمام السُّيُوطِي (ت ۹۱۱ھ) رحمۃ اللہ – "الرد على من أخلد إلى الأرض" میں فرماتے ہیں:

"وَقَدِ انْحَصَرَ التَّقْلِيدُ فِي هَذَا الزَّمَانِ فِي الْأَرْبَعَةِ، وَهُوَ الَّذِي عَلَيْهِ الْعَمَلُ، وَمَا عَدَاهُمْ فَانْقَرَضَ أَهْلُهُ." (الرد على من أخلد إلى الأرض، ص ١٣)

ترجمہ: اس زمانے میں تقلید صرف چار ائمہ کے ساتھ خاص ہو گئی ہے اور عمل انہی پر ہے، باقی سب کے پیروکار ختم ہو گئے۔

إمام ابنُ رَجَب الحنبلي (ت ۷۹۵ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ – "جامع العلوم والحکم" میں فرماتے ہیں:

"وَأَمَّا غَيْرُ الْأَرْبَعَةِ فَقَدْ دَرَسَ أَصْحَابُهُ وَعُدِمُوا، فَصَارَتِ الْفُتْيَا مُنْحَصِرَةً فِي مَذَاهِبِهِمْ." (جامع العلوم والحكم، ٢/ ٩١٢)

ترجمہ: چار ائمہ کے علاوہ باقی سب کے پیروکار ختم ہو گئے، اس لیے فتویٰ دینا انہی چار مذاہب میں منحصر ہو گیا۔

إمام ابنُ نُجَيْم الحنفي (ت ۹۷۰ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ –البحر الرائق میں فرماتے ہیں:

"إِنَّمَا الْمُعْتَبَرُ الْآنَ أَحَدُ الْأَرْبَعَةِ، لِأَنَّ غَيْرَهُمْ لَمْ يُحْفَظْ نَقْلُهُ وَلَا انْتَشَرَ."

(البحر الرائق، ٦/ ٢٩٢)

ترجمہ: اب معتبر صرف چار ائمہ کے مذاہب ہیں، کیونکہ ان کے علاوہ کے مذاہب محفوظ نہ رہ سکے اور نہ ہی وہ امت میں پھیلے۔

إمام زُرْقَانِي المالكي (ت ۱۰۹۹ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ –شرح المواھب میں فرماتے ہیں:

"لَا يُفْتَى الْيَوْمَ إِلَّا بِمَذَاهِبِ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ، لِانْقِرَاضِ غَيْرِهِمْ."

(شرح المواهب اللدنية، ١/ ٥٣)

ترجمہ: آج کے زمانے میں فتویٰ صرف چار ائمہ کے مذاہب پر دیا جاتا ہے، کیونکہ ان کے علاوہ باقی سب مٹ گئے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ

ائمۂ اربعہ کے بعد آنے والے بڑے فقہاء و محدثین جیسے:

امام شاطبی

امام سبکی

امام سیوطی

امام ابن رجب حنبلی

امام ابن نجیم حنفی

امام زرقانی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم جیسے جلیل القدر ائمۂ علوم نے اتفاق اور اجماع کے ساتھ یہی فرمایا ہے کہ:

- اب پیروی صرف چار مذاہب کی ہو گی۔
- باقی مذاہب منقرض، غیر محفوظ اور نا قابلِ عمل ہیں۔
- فتویٰ اور قضاء میں صرف انہی مسالک اربعہ کا اعتبار ہو گا۔

ائمہ اربعہ کے بعد کے بڑے بڑے محققین حضرات نے اس پر اجماعِ امت نقل کیا کہ اب فقہی طور پر صرف چار مذاہب معتبر ہیں۔

باقی مجتہدین کے اقوال کتب میں محفوظ ضرور ہیں، لیکن "تقلید اور عمل" کے لیے سوادِ اعظم چار ہی مذاہب پر متفق ہے۔

اس اجماع کی وجہ یہ ہے کہ صرف انہی مذاہب کے اصول و قواعد باقاعدہ مدون ہوئے اور ان کے تلامذہ نے ان کو محفوظ رکھا۔

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حنفی مسلک کی معرفت و عرفان و عند الرسول مقبول ہونے کی ایک روایت اپنی کتاب غایت الانصاف میں نقل فرماتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حنفی کہلانا ہمارے آقا سید نا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پسند ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

"عَرَّفَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ فِي مَذْهَبِ الْحَنَفِيِّ طَرِيقَةً أَنِيقَةً حَيْدَرِيًّا، أَوْفَقَ الطُّرُقِ بِالنِّسْبَةِ الْمَعْرُوفَةِ الَّتِي جُمِعَتْ فِي زَمَانِ الْبُخَارِيِّ وَأَصْحَابِهِ."

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عرفان کرایا کہ حنفی مذہب میں ایک نہایت خوبصورت اور مضبوط (یعنی حیدری) طریقہ ہے، جو بخاری اور ان کے اصحاب کے زمانے میں جمع کیے گئے معروف طریقوں کے اعتبار سے سب سے زیادہ موافق ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عام ہندوستان کے بارے میں حنفی مسلک کی تقلید کو ضروری اور اسے چھوڑنے کو صراحت کے ساتھ حرام قرار دیتے ہیں بلکہ یہاں حنفیت کے ترک کو ترک اسلام کا مساوی قرار دیتے ہیں فرماتے ہیں:

"وَجَبَ عَلَيْهِ أَنْ يُقَلِّدَ بِمَذْهَبِ أَبِي حَنِيفَةَ، وَيَحْرُمَ عَلَيْهِ أَنْ يَخْرُجَ مِنْ مَذْهَبِهِ، لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ يَخْلَعُ مِنْ عُنُقِهِ رِبْقَةَ الشَّرِيعَةِ، وَيَبْقَى مُهْمَلًا." (غَايَةُ الْإِنْصَافِ ص ٧٠-٧١)

ترجمہ: اس پر لازم ہے کہ وہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کی تقلید کرے، اور اس پر حرام ہے کہ اپنے مذہب سے باہر نکلے، کیونکہ اس وقت وہ اپنے گلے سے شریعت کا طوق (یعنی اطاعت کی رسی) اتار پھینکے گا اور مہمل (بے راہ و بے دین) رہ جائے گا۔

اے سبحان اللہ! تو پھر مسلک کیا امام اعظم کے مقابلے میں "مسلک دیوبندی" یا "مسلک بریلوی" یا "مسلک اعلیٰ حضرت" کا نعرہ لگانے والے حرام کار و بدعت شعار نہیں ٹھہرائے جائیں گے آج تو عام طور سے دیکھا

جارہا ہے کہ اگر کوئی حنفی سنی مسلمان مسلک امام اعظم اور تحفظ مسلک امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نعرہ لگا دیتا ہے تو اس کے مقابلے میں مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ دین کے ٹھیکے دار لوگ زور دار طریقے سے قصداً لگواتے ہیں گویا مسلک امام اعظم کوئی مسلک ہی نہیں ہے، جو ہے سو مسلک اعلیحضرت ہے اور بس۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ!۔ میں نے بیسل پور پیلی بھیت کے ایک جلسے میں بچشم خود ملاحظہ کیا اور قنوج کے متعدد علاقوں میں اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا۔ آج کل شاید ہی کوئی شخص اپنے آپ کو مسلک حنفی کا ناشر لکھتا ہوگا، لیکن "ناشر مسلک اعلیٰ حضرت" اپنے آپ کو بتانے والے کتنے پہلوان مولوی پیدا ہوگئے ہیں۔

حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی کے انتقال کے ابھی ۱۰۰/ سال بھی پورے نہیں ہوئے ہیں کچھ مولوی کہتے ہیں جو "مسلک اعلیٰ حضرت" کو نہیں مانتا ہے وہ مسلمان نہیں ہے۔ معاذ اللہ! جو مسلک اعلیٰ حضرت کو نہیں مانتا وہ سنی نہیں۔ معاذ اللہ! ان جاہل مولویوں سے کون پوچھے کہ اسلام اور سنیت سے نکالنے کی ٹھیکیداری کس نے انہیں دے رکھی ہے؟ کیا یہ مولوی مسلک حنفیت سے خارج ہوگئے ہیں؟ یا کسی نئے مذہب کی تشہیر میں کوشاں ہیں؟۔ ۱۵۰/ ہجری کے بعد سے ۱۳۵۰ ہجری تک کسی نے بھی ائمہ اربعہ کے مسلک کے علاوہ کسی نئے مسلک کو ایجاد نہیں کیا۔ کسی امام نے مسلک کا نعرہ نہیں لگوایا، کسی مسلک کو ان چاروں کے سوا کسی بزرگ کے نام سے معنون نہیں کیا۔ اب اس دور میں "مسلک بریلوی" "مسلک اعلیٰ حضرت" کے پرچار کی اتنی کون سی بڑی ضرورت پھٹ پڑی ہے؟ ہندوستانی مسلمانوں کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فتوے کو سامنے رکھتے ہوئے اہل سنت کے دامن کو تنگ کرنے والے لوگوں سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ سارے علمائے اہل سنت کو تحفظِ "مسلکِ امام اعظم" ہی کرنا چاہیے اور مسلک امام اعظم کی تشہیر میں ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔ مسلمانوں کو کسی پانچویں مسلک کا نعرہ لگانے سے روکنا چاہیے، مسلک امام اعظم ہی اصل مسلک ہے اور حنفیوں کے لئے اصل فقہی مذہب ہے۔ سارے حنفیوں کا یہی محبوب مسلک ہے۔ اس کی حفاظت کی ذمہ داری سارے حنفیوں پر ہے۔

حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے کہیں نہیں لکھا کہ میرے مذہب و مسلک کو بریلوی مذہب و مسلک کہا جائے وہ تو خود اپنے آپ کو کو سنی حنفی اور قادری خاکپائے سادات کرام لکھتے تھے۔ آج کل اسٹیج پر جس طرح سے نئے مسلکوں کا نعرہ لگایا جارہا ہے اس سے سازش کی بو آتی ہے۔ مسلمانوں کے چار ہی مسلک ہیں، کسی

پانچویں مسلک کا نعرہ لگانا فقہی گمراہی ہے زید و بکر اپنے اقوال میں حق پر ہیں ان کا یا ان کے دینی اداروں کا بائیکاٹ کرنے والا موذی، فاسق بلکہ ظالم ہے۔ اس پر اس طرح سے مسلمانوں کی دلآزاری کرنے پر توبہ لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتبـــــــ



MADAARI MEDIA

The Silsila e Aaliya Madaariya Social Platform

سلسلۂ مداریہ کے بزرگوں کی سیرت و سوانح
سلسلۂ عالیہ مداریہ سے متعلق کتابیں
سلسلۂ مداریہ کے علماء کے مضامین تحریرات
سلسلۂ مداریہ کے شعراء اکرام کے کلام

حاصل کرنے کے لئے اس ویب سائیٹ پر جایئے

www.MadaariMedia.com

@MadaariMedia

@MadaariMedia

@MadaariMedia

@MadaariMedia

Authority : Ghulam Farid Haidari Madaari

دور حاضر میں دو طرح کے مفتی نظر آتے ہیں ایک جو صحیح اور شرعی اعتبار سے فتویٰ نگاری کی خدمت سر انجام دے رہے ہیں اور ان کے فتاوی سے تعصب و تفرقہ کی بو نہیں آتی جب کہ ایک گروہ نے اپنی ساری طاقتیں امت مسلمہ کو تقسیم کرنے میں صرف کر رکھی ہیں اور ان کے فتاوی فقط یک جانب، قوم مسلم کو کافر و گمراہ اور سلاسل اولیاء اللہ کو منسوخ و مجروح کرنے پر مبنی ہوتے ہیں۔ مولائے کریم ایسے مفتیان کرام کو ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین۔

اس وقت میرے سامنے ''الأنوار الشرعية في الفتاوى المدارية'' ہے، جو کہ صنف اول کے مفتیان کرام کی مجموعی محنتوں کا نتیجہ ہے۔ باعث مسرت امر یہ ہے کہ اس میں صنف دوم کے بے جا فتاوی کے بھی جوابات بغیر کسی تنقید و تذلیل کے دیے گئے ہیں، سلسلہ مداریہ پر ہمارے سنی نما کچھ مفتیان کرام نے ایسے بھدے فتاوی لکھے جنھیں دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ آخر کس عداوت میں ایسا لکھا، بتوفیق الٰہی ان کے معاول مثبت فتاوی جات کو آپ اس مجموعہ فتاوی میں ملاحظہ کریں گے، اس طرح دیگر مسائل شرعیہ پر عمدہ فتاوی جات کا انتخاب پیش نظر ''فتاوی مداریہ'' ہے۔ فقیر مداری حسینی ان جملہ مفتیان کرام کو خراج تحسین پیش کرتا ہے، جنھوں اپنے شب و روز کی تگ و دو سے یہ مجموعہ فتاوی امت مسلمہ کو پیش کیا۔

خاص طور پر رفیق محترم حضرت علامہ و مفتی محمد اسرافیل حیدری مداری، خادم دار الافتاء جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الاولیا مکن پور شریف اور عزیز سعید، محقق جواں سال مفتی محمد ہاشم علی بدیعی مصباحی اطال اللہ عمرہ اور اپنے فرزند عالی وقار مولانا سید ظفر مجیب جعفری مداری زید فضلہ و علمہ ولی عہد خانقاہ عالیہ مداریہ مکن پور شریف کو قلبی دعائیں اور تہنیتیں پیش کرتا ہوں، جنھوں نے اس کار خیر کو انجام دینے میں بنفس نفیس بے انتہا کوششیں کیں اور اپنی تین جانوں سے فتاوی کو مکمل جسم عطا کیا۔ بے شک ان کے بغیر یہ فتاوی ناکافی تھا۔

صدر الشائخ مولانا سید محمد مجیب الباقی جعفری مداری
صدر سجادہ نشین خانقاہ عالیہ مداریہ مکن پور شریف

Mahfile Auliya Makanpur
Dargah Zinda Shah Madar Makanpur
www.Qutbulmadar.org
9838360930/9627345689